انتساب

اپنے اس ناچیز ترجمہ کو مذہب حقہ شیعہ اثنا عشری کے امام اور فقہ اہل بیت کے مؤسس، فرزند رسولؐ، دلبند بتول، مصحف ناطق، حضرت امام جعفر صادق علیہ الصلاۃ والسلام کے محضر مبارک میں ہدیہ کرتا ہوں جنھوں نے اموی وعباسی ظلم و جور اور فسق و فجور کے طوفانوں میں ایسا علم و حکمت اور صدق وصداقت کا چراغ روشن کیا کہ جس سے آج بھی صاحبان بصیرت روشنی حاصل کر رہے ہیں۔

منیر

نوٹ: قارئین کرام! سے التماس ہے کہ میرے والد مرحوم شہزاد علی خان ابن کریم خان کی روح پرفتوح کے لئے ایک مرتبہ سورہ حمد اور تین مرتبہ سورہ اخلاص کی تلاوت فرما کر بخش دیں۔ (شکریہ)

صحیحین کا ایک مطالعہ

اہل سنت کی دو اہم کتابوں کی علمی تحقیق و تحلیل
(صحیح بخاری - صحیح مسلم)

جلد اول - دوم

محمد صادق نجمی

ترجمہ و تحقیق:
محمد منیر خان لکھیم پوری (ہندی)

معاونت تحقیق

اداره کل برنامہ ریزی وساماندہی تحقیقات

صحیحین کا ایک مطالعہ
مؤلف: محمد صادق علمی

مترجم: محمد منیر خان لکھیم پوری (ہندی)
ناشر: انتشارات مرکز جہانی علوم اسلامی (قم، ایران)
پہلا ایڈیشن: ۱۴۲۷ھ مطابق: ۲۰۰۶ء، ۱۳۸۵ھ شمسی۔
تعداد: ۲۰۰۰
آئی۔ایس۔بی۔این: ۱-۲۷-۸۹۶۱-۹۶۴

کتاب ملنے کے ایڈرس:

ایران: قم، بلوار بہار، جنب ہتل الزہرا علیہا السلام، فروشگاہ انتشارات مرکز جہانی علوم اسلامی
تلفکس: ۲۵۱-۷۷۴۹۸۷۵
E-mail:public-relations@comicis.com
www.eshraaq.com

ہندوستان: عباس بک ایجنسی، رستم نگر، درگاہ حضرت عباس علیہ السلام، لکھنؤ، یوپی۔

سخن ناشر

عظیم الشان پیغمبر کا پر برکت اور نورانی وجود مسلمانوں کے درمیان آفتاب عالمتاب کی مانند تھا کہ جس کے انوار گفتار و کردار کے پرتو میں علم و ایمان کا درخت مؤمنین کے وجود میں رشد و نمو ہو کر بار آور ہو رہا تھا، آپ پیغام وحی کے آخری پیغمبر اور اس کے مفسر تھے، ایسا پیغام کہ جسے نوک قلم سے تحریر ہونا چاہیئے اور ہر دور اور ہر جگہ کے رہنے والوں کو اپنے دائرے میں لے لے نیز تاریخی فاصلوں کے باوجود آئندہ کی نسل کو بھی اپنا مخاطب قرار دے۔

کلام وحی کے خوشہ چین اس اہم ذمہ داری سے واقف تھے لہذا وہ وحی کی کتابت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نورانی کلام کے ضبط و تحریر میں آگے بڑھے اور یہ مبارک تحریک؛ اس واقعہ کا آغاز تھی کہ جو تاریخ کے آخری انجام تک ظلم و ستم اور مکر و فریب کے ہوتے ہوئے ہمیشہ سلامتی کے ساتھ آگے بڑھتی رہی۔

اس تحریک کے سب سے پہلے اور اہم مخالفین وہ حکام تھے جنھوں نے رسولؐ کے بعد زمام حکومت حاصل کرنے میں نہایت تیزی سے کام لیا، چونکہ یہ لوگ اپنے اعمال کی شائستگی پر کوئی نص اور شاہد نہیں رکھتے تھے لہذا اپنی قدرت کے استمرار و حفاظت کے لئے ہر اس چیز سے نبرد آزما ہوئے جو ان کے لئے ضرر رساں اور چیلنج بن سکتی تھی، ان اقدامات کی ایک مثال حدیث شریف کی کتابت پر پابندی لگانا ہے، اس سیاسی چال کے سایہ میں ان کا پہلا مقصد یہ تھا کہ نبی کی گراں قیمت یادگار (حدیث) کو جو لوگوں کے دل و دماغ پر نقش ہو چکی تھی، محو کر دیں، اس کے بعد اپنی منشا کے مطابق جو حدیثیں ان کی سیاست سے میل کھاتی ہوں انھیں جعل

کرلیں، بہرحال رسول اسلام کی رحلت کے ایک صدی ہجری بعد اہل سنت کے یہاں کتب احادیث کے لکھنے کا آغاز ہوا، ان کتابوں میں سے بعض کتابیں کتب صحاح کے عنوان سے قابل اعتماد و استناد قرار دی گئیں، صحیح بخاری اور صحیح مسلم انہیں آثار کے دو نمونے ہیں، کتاب حاضر ''صحیحین کا ایک مطالعہ'' (سیری در صحیحین) محقق گرانقدر عالیجناب مولانا محمد صادق نجمی دام برکاتہ کی تالیف کردہ ہے، جس میں موصوف نے عالمانہ و محققانہ انداز میں احادیث صحیحین پر نقد و تبصرہ کیا ہے۔

مرکز جہانی علوم اسلامی کے ہونہار محصل فاضل ارجمند جناب مولانا محمد منیر خان لکھیم پوری (ہندی) نے بڑی دقت نظر اور نہایت شوق و لگن کے ساتھ اردو زبان میں اس کتاب کا ترجمہ و تحقیق کی ہے، محققین سے امید ہے کہ وہ اس کتاب کے مطالعہ میں ہر قسم کے تعصب سے اجتناب اور قبل از وقت فیصلہ کرنے سے گریز کرتے ہوئے حقیقی آسمانی معارف تک پہنچنے کی راہ میں کوئی دریغ نہ کریں گے۔

ادارۂ مرکز جہانی علوم اسلامی؛ شعبۂ نشر و اشاعت اور تمام وہ حضرات جنھوں نے اس اثر کی نشر و اشاعت میں کسی بھی اعتبار سے تعاون فرمایا ہے ان کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے نیز ان کے لئے خداوند رحمٰن سے بہترین آرزؤں کا خواہشمند ہے۔

معاونت تحقیق مرکز جہانی علوم اسلامی

ادارۂ برنامہ ریزی و ساماندہی تحقیقات

حرف مؤلف

برادران اہل سنت کے درمیان صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے خاص مقام واہمیت کے پیش نظر ۱۳۸۸ھ ہجری میں ان کتابوں کا ذرا گہرائی سے مطالعہ کرنے کا شوق پیدا ہوا، چنانچہ بے انتہا شوق کی بنا پر، چند ہی مہینوں میں حقیر نے ان کتابوں کا مطالعہ کر کے تقریباً پچاس حدیثیں چونتیس موضوعات سے متعلق جمع کیں، یہ کام ابتداء میں اگر چہ بہت ہی قلیل تھا لیکن درحقیقت یہی چند حدیثیں کتاب ھذا کی تالیف کا پیش خیمہ قرار پائیں، البتہ اس کتاب کی تالیف میں اہم کردار آیۃ اللہ امینی صاحب کتاب ''الغدیر'' کا ہے جسے میری خوش قسمتی کہیئے، کیونکہ جب میں ان کتابوں کے مطالعہ میں مشغول تھا تو موصوف میرے وطن مالوف (آذربائیجان، بندر شرفخانہ) کی خوشگوار آب و ہوا کی بنا پر، یہاں تشریف لائے اور مجھے تقریباً بیس دن آپ کی خدمت کا شرف حاصل رہا، موقع غنیمت جانتے ہوئے جو کچھ ان دنوں موصوف کے خرمن علم سے اخذ کیا، اسے میں اپنی پوری عمر پر بھاری سمجھتا ہوں۔

بہر حال ان کتابوں کے مطالعہ کے بعد اپنے موضوع سے متعلق دیگر کتب اہل سنت کی جستجو ہوئی، اتفاق سے انہیں دنوں علامہ مرتضیٰ عسکری صاحب دام عزہ سے جو شیعوں کے درمیان آسمان علم و تحقیق کے ستارۂ درخشاں ہیں، خوش نصیبی سے ملاقات ہوگئی، علامہ موصوف نے میری کاوش کو سراہتے ہوئے ان مطالب اور کتابوں کی رہنمائی بھی فرمائی جو میرے موضوع سے متعلق ہوسکتی تھیں، الغرض موصوف کے مشفقانہ اصرار نے، مجھے اس بات کیلئے آمادہ کر دیا کہ میں اپنے پراگندہ مطالب یکجا کر کے آپ کے سامنے پیش کر دوں، چنانچہ موصوف کی ہمت افزائی اور شرعی فریضہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اس اہم کام کا آغاز کر دیا، کیونکہ آج جبکہ کسی اصل و اساس سے عاری بہت سے اپنے اپنے مذہب کے پرچار میں ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے ہیں، تو ہماری بھی یہ ذمہ داری ہے کہ ہم اپنی استعداد کے مطابق اپنی موجودہ اور آئندہ نسل کیلئے ایسا اثر

چھوڑ جائیں، جو ان کی ہدایت اور ترقی کے ساتھ ساتھ خود ہمارے لئے بھی آخرت میں نجات کا سبب قرار پائے۔

لیکن اہم مصروفیات کی بنا پر **"سیری در صحیحین"** کی دو ہی جلدیں مکمل ہو سکیں اور اب جبکہ تیس سال گزر چکے ہیں، اس کتاب کی جلد سوم بھی حقیر کے وعدے کے مطابق منظر عام پر آجانی چاہیئے تھی، لیکن ایران کی ستم شاہی کے خلاف، حضرت آیۃ ا...... العظمیٰ امام خمینی طاب ثراہ کی سربراہی میں اسلامی انقلاب کی کامیابی باعث بنی کہ مسئلہ اہم فالاہم کے پیش نظر حقیر کو بھی شہر "خوئی" میں امام جمعہ کے فرائض قبول کرنے کی وجہ سے اسلامی جمہوریہ ایران کے دیگر اہم امور کو مقدم قرار دینا پڑا اور ابتک اپنی عدیم الفرصتی کی وجہ سے جلد سوم کی تحقیق و ترتیب کا موقع نہ مل سکا، البتہ اس دوران ایک اہم کام یہ انجام پایا کہ اس کتاب کا عربی ترجمہ دو مرتبہ **"تاملات فی الصحیحین"** کے نام سے ۱۴۰۸ھ میں بیروت سے اور **"اضواء علی الصحیحین"** کے نام سے ۱۴۱۹ھ میں ایران سے وسیع پیمانہ پر شائع ہوا، جس نے جلد سوم میں ہونے والی تاخیر کے خلاء کو پر کر دیا اور فی الحال ہمارے لئے افتخار اور خوشی و انبساط کا مقام یہ ہے کہ اس کتاب کا اردو ترجمہ مزید تحقیق و اضافات کے ساتھ **"صحیحین کا ایک مطالعہ"** کے نام سے، **فاضل محقق عالیجناب مولانا محمد منیر خاں لکھیم پوری ہندی** کے ذریعہ ہندو پاک کے مسلمانوں کی کثیر تعداد کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کے سامنے حاضر ہے، موصوف نے بڑی زحمت و مشقت سے اس کتاب کے تمام حوالے از سر نو دیکھ کر جو کمی تھی وہ دور کر دی ہے، خداوند متعال معظم لہ کی نیک توفیقات میں اضافہ کرے اور ان کی ثقافتی و مذہبی میدانوں میں مفید تحقیق و تالیف میں دن دگنی رات چوگنی ترقی عنایت فرمائے۔ (آمین)

قارئین کرام! یہاں ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ ۱۴۲۰ھ میں اس کتاب کے پہلے عربی ترجمہ **"تاملات فی الصحیحین"** کو ڈاکٹر عبدالامیر الغول نے ابوریہ مصری کی کتاب **"اضواء علی السنة المحمدية"** کے کچھ مباحث کے ساتھ جمع کر کے، ایک علیحدہ کتاب کی صورت میں **"عفواً صحیح البخاری"** کے نام سے ترتیب دیکر لبنان سے شائع کروایا ہے جو ایک طرح کی علمی خیانت اور نہایت افسوس کی بات ہے!

اللّٰهم وفقنا لما تحب وترضى وجنبنا عما سخطك وتنهى.

محمد صادق نجمی

۸ر صفر المظفر ۱۴۲۴ھ قم مقدس، جمہوری اسلامی ایران

فہرست کتاب

جلد دوم

تحقیق از مترجم

آج جبکہ: مخالفین مکتب اہل بیتؑ اس بات پر ایڑی چوٹی کا زور لگا ہوئے ہیں کہ اپنی فرسودہ اور غیر معتبر روایتوں کے ذریعہ مطالبِ حقہ کو اہل انصاف کے نزدیک مشکوک قرار دے دیں اور اسلام کو نفسانی خواہشات کا مذہب بنا دیں!

آج جبکہ: جدید ٹکنالوجی کے ذریعہ ہزاروں سائٹوں پر غیر مدلل اور واہیات مطالب پیش کر کے بے چارے سادہ لوح مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی جارہی ہے کہ شیعہ دین اسلام سے ہٹ کر کسی دوسرے دین کے پیرو ہیں۔

آج جبکہ: مسلمانوں کے نزدیک معتبر و قابل وثوق مآخذ و مدارک میں کاٹ چھانٹ کر کے ان میں پائے جانے والے آثار اہل بیتؑ محو کئے جارہے ہیں۔

ضرورت اس بات کی تھی کہ صحیحین کا ایک دفعہ پھر جائزہ لیا جائے اور اس بات پر غور و خوض کیا جائے کہ آخر مسلمان قرآن جیسی معجز نما کتاب اور کے ہوتے ہوئے کیوں عقل سلیم کو بروئے کار نہیں لاتے؟!

چنانچہ صحیحین کے بارے میں علمائے اہل سنت کے اقوال و نظریات کا دقت سے مطالعہ کرنے کے بعد اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کتابوں کے ذریعہ مسلمان اسلامی عقائد سے نزدیک ہونے کے بجائے کافی دور ہو گئے ہیں، حالانکہ بیچارے سادہ لوح مسلمان یہی سمجھ رہے ہیں کہ ہماری ان کتابوں کے توسط سے صحیح راہنمائی ہو رہی ہے!

؎ زینہ سے گر پڑے ہیں سمجھتے ہیں چڑھ گئے

ایسے حالات میں مسلمانوں کی راہنمائی اور اتمام حجت کے طور پر ہم پر لازم ہے کہ ان عوامل واسباب کو تلاش کریں جو اس قسم کی غلط فہمیاں پھیلا رہے ہیں اور ان کتابوں کی از سر نو تحقیق کریں جن کے کھوکھلے مطالب کے ستونوں پر اسلامی عقائد و معارف کا محل تعمیر کیا گیا ہے مگر:

؎ خشت اول چون نہد معمار کج تا ثریا می رود دیوار کج

بہر حال ہم نے ان ہی عوامل کی جستجو میں صحیحین کا مطالعہ کیا، کیونکہ ان دونوں کتابوں کے بارے میں اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے: ''قرآن مجید کے بعد روئے زمین پر صحیح ترین کتابیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہیں'' اور کبھی کبھی تو ان میں پائی جانے والی روایتوں کی وجہ سے قرآنی مسلمات کی توجیہ وتاویل کردی جاتی ہے! یہی دو کتابیں اہل سنت والجماعت کے یہاں عقائد و معارف کی بنیاد اور اساس شمار ہوتی ہیں، ان کتابوں کے جائزہ کے لئے کتاب ''سیری در صحیحین'' مؤلفہ محمد صادق نجمی، جب حوزہ علمیہ قم (ایران) میں ناچیز کی نظر سے گزری تو اس کتاب کی مقبولیت، افادیت اور اس کے تحقیقی وتنقیدی مندرجات دیکھ کر دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر اس کتاب کا اردو میں ترجمہ ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا، چنانچہ اسی فکر میں تھا کہ محترم مؤلف صاحب سے ملاقات ہوگئی، بندہ نے جب اپنے ارادہ کا موصوف کے سامنے اظہار کیا تو آپ فوراً تیار ہوگئے اور میں نے بھی حضرت معصومہ قم علیہاالسلام کے زیر سایہ ترجمہ کا کام فوری طور پر شروع کردیا۔

قارئین کرام! ترجمہ میں روز مرہ کی بامحاورہ سلیس ورواں اردو زبان کا حتی المقدور خیال رکھا گیا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک زبان کا مطلب دوسری زبان میں منتقل کرنا نہایت مشکل کام ہے کیونکہ ہر زبان کے اپنے خاص محاورے، ضرب المثل اور لب ولہجے ہوتے ہیں جن کا دوسری زبان میں اسی لطافت اور شرینی کے ساتھ منتقل کرنا بہت ہی سخت کام ہے، لیکن اس دشواری کے اور باوجود میں نے یہ بار اپنے نحیف کاندھوں پر اس امید کے ساتھ اٹھالیا کہ یہ کتاب انشاء اللہ اہل تحقیق کے لئے معاون ومددگار ثابت ہوگی، الحمد للہ اس جانب سے بے پایان کوشش کے نتیجہ میں اس کا اردو ترجمہ معہ تحقیق وتصحیح ''صحیحین کا ایک مطالعہ'' کے نام سے محترم اور انصاف پسند قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس ترجمہ کو مرکز جہانی علوم اسلامی (حوزۂ علمیہ قم) نے بھی ایک اعلیٰ معیار کی تھیسز کے طور قبول کرکے، اب اسے وہ شائع کرنے جارہا ہے، ضمناً

اس کتاب میں ترجمہ کے علاوہ جو کاوش بندہ نے انجام دی ہے اس کا ایک خلاصہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے:

۱۔ کتاب ھذا میں تمام قرآنی آیات پر اردو قارئین کی آسانی کیلئے اعراب لگا دئے گئے ہیں، جن کی شدت سے اصل کتاب میں کمی محسوس ہو رہی تھی۔

۲۔ اصل کتاب میں روایتوں کا عربی متن حاشیہ میں درج کیا گیا تھا جس کی بنا پر اکثر اوقات قارئین سرسری نظروں سے ملاحظہ کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں، لیکن میں نے عربی عبارت کو متن کتاب میں رکھا ہے، تا کہ عربی میں پائے جانے والے ظریف نکات کی طرف بھی قارئین کی توجہ رہے۔

۳۔ جن مقامات پر روایات کی عربی عبارت میں کمی یا بیشی تھی اس کو دور کر دیا گیا ہے، چنانچہ اصل کتاب کے مقابلہ میں ترجمہ میں کہیں کہیں متن روایات میں اختلاف نظر آئے گا۔

۴۔ صحیح مسلم میں ایک ہی روایت بعض مقامات پر متعدد طرق واسناد کے ساتھ نقل کی گئی ہے جس کی طرف کتاب میں اشارہ کر دیا گیا ہے۔

۵۔ جن مقامات پر آیات واحادیث کا ترجمہ موجود نہیں تھا اسے قلمبند کر دیا گیا ہے۔

۶۔ عہد حضرت عمرؓ میں نقل حدیث پر پابندی عائد کی گئی تھی، جس کے لئے متعدد شواہد روایات سے مؤلف نے نقل کئے ہیں، اس جگہ مؤلف کی تائید میں چند اور شواہد ذکر دئے گئے ہیں جن کی ایک روایت سے جو کہ صحیح بخاری میں نقل ہے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اسلامؐ، گوہ کا گوشت کھانے کیلئے اپنے اصحاب سے تاکید فرماتے تھے!!

۷۔ عمرو بن عاص اور عمران بن حطان کے حالات میں مؤلف نے تحریر نہیں کیا تھا کہ ان سے صحیحین میں کتنی روایات نقل کی گئی ہیں، اسی طرح ابو ہریرہ، ابوموسی اشعری، عمرو بن عاص اور عبداللہ بن زبیر سے صحیح مسلم میں کتنی روایتیں نقل ہوئی ہیں اس کا بھی ذکر نہیں تھا، چنانچہ اب ان کی تکمیل کر دی گئی ہے۔

۸۔ اگرچہ محترم مؤلف نے فصل چہارم میں صحیحین کے پانچ راویوں کا ذکر کر کے مسلم الثبوت تاریخی شواہد کے ذریعہ ثابت کیا ہے کہ یہ لوگ اہل بیت بالخصوص حضرت علی علیہ السلام سے بغض وحسد اور شدید تعصب اور دشمنی رکھتے تھے، لیکن یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ صحیحین کے بعض راوی ایسے بھی تھے کہ جن کی ساری زندگی

دشمنیٔ اہل بیت کے علاوہ، دور جاہلیت سے زمانۂ رسالت تک بلکہ بعد رسالت تادم مرگ، اخلاقی مفاسد سے شرابور رہی ہے، ان ہی میں سے مغیرہ ابن شیبہ اور اور سمرہ بن جندب ہیں جن کے کچھ حالات اور ان کی سیاہ کاریوں کا ذکر حاشیہ میں حسب ذیل عنوان کے تحت کر دیا گیا ہے:

ا۔مغیرہ ابن شعبہ کا تعارف، اس سے کتنی حدیثیں صحیحین میں نقل کی گئی ہیں، شجرۂ نسب اور دور جاہلیت میں اس کے سیاہ کارنامے نیز مغیرہ کی شہوت رانی کے مختلف دور۔

۲۔سمرہ بن جندب کا تعارف، صحیحین میں اس سے کتنی حدیثیں منقول ہیں، اس کی شراب فروشی کی بنا پر حضرت عمر کا اس پر لعنت بھیجنا، قتل حفاظ قرآن اور اس کے دیگر منافیٔ اسلام کارنامے چنانچہ سمرہ نے بارہ (۱۲) مرتبہ رسول اسلامؐ کے حکم کی نافرمانی کی ہے، جب رسولؐ تنگ آ گئے تو آپ نے غصہ میں ایک انصاری مرد سے فرمایا: **"اذهب فاقلعها وارم بها وجهه فانه لاضرر ولاضرار فی الاسلام"**

جاؤ سمرہ کے درخت خرمہ کو اکھاڑ کر اس کے منھ پر ماردو، کیونکہ دین اسلام میں نہ ضرر اٹھانا صحیح ہے اور نہ کسی کو ضرر پہنچانا ٹھیک ہے اور سمرہ کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا: **"انک رجلٌ مضار"** (بیشک تو بہت ہی موذی شخص ہے)۔

۹۔کسی بھی روایت قبول کرنے کیلئے پہلی اور لازمی شرط یہ ہے کہ اس کا ناقل عادل، قابل وثوق اور ایماندار ہو جیسا کہ محترم مؤلف نے اپنی کتاب میں قرآن، حدیث اور عقل کی روشنی میں اس بات کو ثابت کیا ہے، اس بات کی مزید تقویت کے لئے دوسری آیات واحادیث، شرح نووی کے حوالے سے نقل کر دی گئی ہیں۔ دیکھئے صفحہ ۱۱۰ پر

۱۰۔امام بخاری کے قول کے مطابق انھوں نے سات لاکھ حدیثوں میں سے سات ہزار احادیث کا انتخاب ۱۶ رسال کے دوران، علم درایت سے ہٹ کر ایک مخصوص طریقہ سے کیا، لیکن امام بخاری کا یہ طریقہ غیر منطقی اور حل نہ ہونے والا ایک معمہ ہے، کیونکہ ایک انسان ۱۶ رسال تک روزانہ مسلسل ۴۸ رمرتبہ نماز و غسل اور ۴۸ رمرتبہ استخارہ وغیرہ انجام نہیں دے سکتا، چنانچہ اس بارے میں جو تجزیہ کتاب میں تحریر کیا گیا ہے اسے قارئین ضرور پڑھیں۔ دیکھئے صفحہ ۸۸ پر

۱۱۔رویت باری تعالیٰ ممکن ہے یا ناممکن؟ اس سلسلے میں محترم مؤلف نے فصل ششم میں مفصل بحث کی ہے

اور آخر میں نتیجہ یہ اخذ کیا ہے کہ دیدار خدا دنیا و آخرت دونوں جگہ محال ہے، اس جگہ قارئین کی مزید معلومات کیلئے حاشیہ میں قرآن کی اس مشہور آیت کو بھی نقل کر کے تحقیق کی گئی ہے جسے اہل سنت اس باب میں حرف آخر سمجھ کر بڑی شد و مد کے ساتھ ثابت کرتے ہیں کہ خدا روز قیامت مؤمنین کو دیدار کرائے گا! اور وہ آیت یہ ہے:

﴿کَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ☆ وَتَذَرُونَ الْاٰخِرَةَ ☆ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ ☆ إِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ☆ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ☆ تَظُنُّ أَنْ يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ﴾ (سورۂ قیامۃ آیہ ۲۰ الیٰ ۲۵، پ ۲۹).

ہرگز نہیں (عذر بیکار ہے) بات یہ ہے کہ تم لوگ دنیا کو پسند کرتے ہو، روز آخرت کو چھوڑے بیٹھے ہو، کچھ چہرے تو اس دن چمکتے ہوں گے اور اپنے پروردگار کی (نعمتوں کی) طرف دیکھتے ہوں گے اور کچھ چہرے اس دن اداس ہوں گے اور یہ گمان کرتے ہوں گے کہ کمر توڑنے والی مصیبت ہم پر پڑے گی۔

مسلمانوں کے بعض گروہ نے متذکرہ آیات میں کلمۂ ناظرۃ بمعنی دیکھنے کے مراد لئے ہیں اور ایک گروہ نے اس کی رد کی ہے، وہ کہتا ہے: یہاں ناظرۃ بمعنی انتظار کے ہیں، بہرکیف ہر ایک نے اپنے اپنے مدعا کے اثبات کے لئے آیات، روایات اور اشعار عرب پیش کئے ہیں۔

۱۲۔ رویت خدا کو جب عقلی طور پر محال ثابت کیا جاتا ہے تو قائلین رویت؛ الٹی سیدھی تاویلیں کرتے ہیں، مثلاً احمد بن حنبل اور شیخ اشعری قائل ہیں کہ دیدار خدا آخرت میں ممکن ہے البتہ اس دنیا میں محال ہے!!

یا سعد الدین تفتازانی کہتے ہیں: خدا کی رویت؛ جہت، مکان اور مقابلہ سے مبرا ہو گی!

ترجمہ میں ان لوگوں کی دلیلوں کو نقل کر کے ان میں پائے جانے والے ضعیف نکتوں کو بیان کر کے متقن دلائل سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ رویت خدا کے اثبات کیلئے یہ بھونڈی تاویلیں کسی درد کی دوا نہیں ہو سکتیں ۔ دیکھئے صفحہ ۱۹۲ پر

۱۳۔ اہل سنت نے رویت خدا کا عقیدہ اہل کتاب سے لیا ہے کیونکہ وہ لوگ بھی رویت خدا کے قائل

ہیں۔دیکھئے صفحہ ۱۹۴ پر۔

۱۴۔ صحیحین کے مطابق خدا کائنات خلق کرنے سے پہلے ابر میں رہتا تھا اور عرش عظیم اس کے وزن سے چرچراتا ہے!

اس توحید کو اور نہج البلاغہ خطبہ نمبر ا میں بیان شدہ توحید کو اگر کوئی ملاحظہ کرے تو اس پر بصیرت کے بہت سے دروازے کھل جائیں گے۔دیکھئے صفحہ ۲۰۹ پر۔

۱۵۔ خداوند متعال کا عرش عظیم پر بیٹھنا اور پھر عرش کا آواز کرنا، آیۂ **''اللہ نور السموات والارض''** کے منافی ہے۔دیکھئے صفحہ ۲۰۹ پر۔

۱۶۔ علمائے اہل سنت صفات خبری وغیر خبری سے کیا مراد لیتے ہیں؟ دیکھئے صفحہ ۲۱۹ پر۔

۱۷۔ علمائے اہل سنت آیۂ **﴿الرحمن علی العرش استوی﴾** اور اس جیسی آیتوں سے خدا کیلئے اثبات مکان کرتے ہیں، حالانکہ ان آیات میں استوی بمعنی جلوس مکانی (بیٹھنا) ہرگز مراد نہیں ہے، علمائے اہل سنت ''عرش'' اور ''استویٰ'' کے معنی میں غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں، چنانچہ اس کے ثبوت میں اشعار عرب، لغت اور قرآن کی متعدد آیات کو کتاب میں نقل کر دیا گیا ہے۔دیکھئے صفحہ ۲۱۹ پر۔

۱۸۔ صحیحین کی روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جبرائیل امین نے سینۂ رسول کا آپریشن کیا! جیسا کہ مؤلف نے اس بارے میں صحیحین سے متعدد روایات نقل کر کے تحقیق کی ہے، لیکن جو بات قابل ذکر ہے وہ یہ کہ یہ مطلب قرآن کی متعدد صریح آیات کے مضمون کے مخالف ہے۔

۱۹۔ تاریخ عالم میں ہمیشہ ایسے افراد پائے جاتے رہے ہیں جنھوں نے انبیاء علیہم السلام کے کردار کو توریت وانجیل میں منفی انداز میں نقل کیا اور اپنے گھنونے، ظلم اور تشدد سے شرابور کردار پر پردہ ڈالنے کی غرض سے انبیاء کو عیاش، شرابخوار اور زنا کار کی حیثیت سے پیش کیا یہی نہیں بلکہ ایک پیغمبر خدا (جناب لوط) کے بارے میں یہاں تک لکھ مارا کہ آپ نے معاذ اللہ شوہر دار بیوی سے زنا کیا اور جب وہ اس زنا سے حاملہ ہوگئی تو آپؑ نے اس پر پردہ ڈالنے کی غرض سے اس کے شوہر کو حیلہ وفریب کے ذریعہ قتل کروا دیا اور بعد میں اس کی بیوی سے شادی کر لی!!! اسی طرح ایک اور پیغمبر (جناب داؤدؑ) کے بارے میں لکھا: آپ نے شراب

پی کر مستی کی حالت میں اپنی ہی دو لڑکیوں سے اپنا منھ کالا کیا اور ان دونوں لڑکیوں سے بچے بھی پیدا ہوئے!اس کے بعد ایک پیغمبر کے بارے میں تحریر کیا کہ آپ کا سب سے بڑا معجزہ یہ تھا کہ آپ نے شادی میں آئے براتیوں کیلئے معجزے کے ذریعہ کئی مٹکے شراب آمادہ کی!!وغیرہ وغیرہ۔(۱)

ایسا ہی نہیں ہے کہ صرف گزشتہ انبیاء کے بارے میں ہی ایسی بیہودہ باتیں نقل کی گئیں ہوں بلکہ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھی گزشتہ انبیاء کی مانند، خلاف واقع باتوں اور نامناسب تہمتوں کا ہدف قرار دیا گیا ہے، چنانچہ برسر اقتدار آنے والے افراد نے جہاں تک ہوسکا آپ کے اصلی چہرے کو بگاڑنے کی کوشش کی ہے، جتنا ان کے بس میں تھا انھوں نے آپ کی طرف بے اساس مطالب کی نسبت دی ہے، جن کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں اور آپ کی شان میں حتی الامکان گستاخیاں کی ہیں، لیکن:

وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

چونکہ خداوند متعال نے قرآن کو تحریف سے محفوظ رکھا ہے، لہٰذا اسلام کا چہرہ بگاڑنے والے نے قرآن میں تو آپ کے خلاف کسی چیز کا اضافہ نہ کر سکے، مگر انھوں نے صحیح حدیث کے بھیس (قالب) میں مسلمانوں کے سامنے آنحضرتؐ کے واقعی چہرے کو بدل کر پیش کرنے کی بیجا سعی فرمائی ہے اور ان جعلی حدیثوں میں الٹی سیدھی باتوں کو رسولؐ کی طرف منسوب کر کے مسلمانوں کی خدمت میں نقل کر دیا ہے، افسوس کا مقام یہ ہے کہ آج بھی اہل سنت کی اکثریت ان جھوٹی حدیثوں کی صحت پر اعتقاد رکھتے ہوئے ان پر عمل پیرا ہے!! چنانچہ ان تہمتوں میں سے بعض پر مؤلف نے معہ ان کے جوابات اور ان کے جعل کرنے کے علل و اسباب کتاب کے میں صفحہ ۴۰۰ پر چند صفحات کے اندر بحث کی ہے، لیکن ان میں سے جن کا ذکر کتاب میں نہیں ہوا تھا، ان کو حاشیہ میں صفحہ ۳۸۹ سے صفحہ ۳۹۹ تک بالترتیب حسب ذیل عناوین کی ترتیب سے نقل کر دیا گیا ہے:

۱] کیا رسول شہوت پرست تھے؟!

۲] کیا رسول اکرمؐ اپنی ازواج کے ساتھ مساوات نہیں کرتے تھے؟!

۳]۔ کیا رسول اسلام عثمان سے شرماتے تھے؟!

۱۔اس کی تفصیل کتاب میں آگے مذکور ہے۔

۴] مسئلۂ غسل جنابت اور رسول اکرمؐ کا انداز بیان!!

۵] کیا رسولؐ نماز صبح قضا کر دیتے تھے؟!

۶] رسولؐ کے ساتھ حضرت عائشہ کا نامناسب برتاؤ صحیح بخاری کے آئینہ میں!!

۷] حالت نماز میں عائشہ کا رسولؐ کے سامنے لیٹ جانا!!

۸] حضرت عائشہ غصہ میں آپ کو نبی نہیں کہتی تھیں!!

۹] خود اپنی زبانی عائشہ کی کہانی!

۱۰] عائشہ اور حفصہ کا باہم مل کر رسولؐ کو پریشان کرنا!!

۱۱] حضرت عائشہ اور حفصہ کی قرآن کی زبانی مذمت!

۲۰۔ جس جگہ مؤلف نے صحیحین سے اہل بیت کے فضائل نقل کئے ہیں وہاں رسول اسلامؐ اور حضرت عمر کے یہ جملے فراموش کردیئے ہیں جن سے حضرت علی علیہ السلام اور حضرت امام حسنؑ کے مقام عظمت کا پتہ چلتا ہے: ''یا علی انت منی وانا منک'' قال رسول اللہ ﷺ ''رسول وقت وفات علیؑ سے راضی رخصت ہوئے''

قال عمر بن الخطاب: ''اللھم انی احبہ (الحسن) فاحبہ'' قال رسول اللہ (ص).

۲۱۔ صحیحین کی روایات کے مطابق صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اسلامؐ کے اوپر کفار قریش سے معاہدہ صلح کرنے کی بنا پر حضرت عمر نے اعتراض کیا اور کہنے لگے: ''آج مجھے جتنا شک نبوت میں ہوا اور کبھی نہ ہوا!!''

اگر آپ موصوف کے ان جملوں کو مدنظر رکھتے ہوئے سورۂ حجرات کی ان آیات کے مضمون کو ملاحظہ کریں جنھیں صفحہ ۲۷۵ پر نقل کیا گیا ہے تو ان کے ایمان کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے۔

۲۲۔ کچھ کتاب کے حوالوں سے متعلق

چونکہ اصل کتاب میں دیئے گئے اکثر حوالے جات (بالخصوص صحیحین کے) ناقص تھے جس کی وجہ سے کسی کتاب میں ایک حدیث کا تلاش کرنا نہ صرف یہ کہ مشکل امر تھا بلکہ تضییع اوقات کا باعث بھی بنا، کیونکہ آج کل متعدد جگہوں سے کتابیں دیدہ زیب ڈزائن اور نئے نئے طریقہ سے نشر ہو رہی ہیں، جس کی بنا پر ہر جگہ کے ایڈیشن جلد و صفحہ کے اعتبار سے بدل جاتے ہیں، نیز بعض کتابیں ابتداء میں ایک جلد کی صورت میں تھیں لیکن

اب بعض کرم فرما ناشرین نے انھیں کئی جلدوں میں شائع کر دیا، اسی طرح کچھ کتابیں ابتداء ہی سے متعدد جلدوں پر مشتمل تھیں، لیکن ہم نے حوالہ دینے میں صرف ان کے نام پر اکتفاء کیا وغیرہ وغیرہ، لہٰذا اس صورت میں کہ جب مختلف ایڈیشن اور متفرق جلد وصفحات ہوں یا جو کتابیں کئی جلدوں پر مشتمل ہوں اور پھر ان میں سے ہر جلد متعدد کتب، ابواب اور احادیث پر مشتمل ہو تو میں سمجھتا ہوں کتاب کا صفحہ اور جلد نمبر کا حوالہ دیدینا کافی نہیں ہے، بلکہ صفحہ اور جلد نمبر کے ساتھ ساتھ عنوان کتاب وابواب اور موضوع بحث مثلاً کتاب الطہارۃ، باب الغسل یا بحث خلافت ......،اسی طرح ابواب و احادیث کے نمبر وغیرہ کا ذکر بھی ضروری ہے، چنانچہ ترجمہ میں اس امر کی تکمیل کیلئے حسب ذیل امور انجام دئے گئے ہیں:

ا۔ صحیحین اور دیگر کتابوں کے تمام حوالے جات از سر نو مطالعہ کر کے ان کے ضروری مشخصات قلمبند کر دئے گئے ہیں تا کہ اہل تحقیق کے لئے کسی مطلب کی جستجو میں کوئی پریشانی نہ ہو، نیز کتاب میں نقل کی گئیں تمام روایات کی تکمیل وتصحیح کر دی گئی ہے۔(۱)

۲۔ ترجمۂ کتاب میں صحیحین سے نقل کی گئی ساری روایتوں کے نمبر تحریر کر دئے گئے ہیں۔

۳۔ جو حوالے ناقص تھے ان کی تکمیل کر دی گئی ہے چنانچہ پوری کتاب میں کل ملا کر ۱۴۵ رمقامات ایسے تھے جہاں ناقص حوالے تحریر کئے گئے تھے، الحمد للہ اب ان کی تکمیل کر دی گئی ہے۔

---

(۱) ''سیری در صحیحین'' کے جس نسخہ کو معیار قرار دیکر ترجمہ، تحقیق وتصحیح کے امور انجام دئے گئے ہیں اس کے مشخصات یہ ہیں:

ا۔ ایڈیشن: پانچواں. ۲۔ ناشر: دفتر انتشارات اسلامی قم ایران.

۳۔ سن اشاعت: ۱۳۷۴ھ،ش. ۴۔ مجلدات: ایک جلدی. ۵۔ صفحات: ۴۲۴. ۶۔ قطع: وزیری.

اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے جن جدید نسخوں سے اس ترجمہ میں ابواب واحادیث نمبر اور حوالے نقل کرنے میں استفادہ کیا گیا ہے ان کے مشخصات یہ ہیں:

صحیح بخاری :

تحقیق، تصحیح وتعلیق ڈاکٹر مصطفیٰ دیب البغاء، مدرس جامع از ہر مصر؛ ناشر: دار ابن کثیر، دمشق، شام، بیروت لبنان۔ ایڈیشن: ۱۹۸۷ء ، مطابق ۱۴۰۷ھ.

صحیح مسلم :

ناشر؛ دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان؛ پہلا ایڈیشن: ۱۹۵۶ء، مطابق ۱۳۷۵ھ.

۴۔ جو احادیث صحیحین میں ایک جگہ سے زیادہ جگہوں پر نقل کی گئی تھیں ان کے تمام مقامات نقل کر دیئے گئے ہیں۔

۵۔ جن مقامات پر حوالے درج نہیں تھے ان کو تلاش کر کے تحریر کر دیا گیا ہے، جن کی تعداد تقریباً ۱۵۰ر تک پہنچتی ہے۔

والسلام

محمد منیر خان لکھیم پوری (ہندی)
گرام و پوسٹ بڑھیاً، تحصیل محمدی، ضلع کھیری لکھیم پور، یوپی، انڈیا۔
مقیم حال: حوزۂ علمیہ قم مقدس، جمہوری اسلامی ایران۔

۷ر ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ بروز جمعہ۔

مقدمہ

کچھ حدیث کے بارے میں

تعریف حدیث

حدیث؛لغت میں نئی چیز اور مطلق طور پر بات چیت اور کلام کو کہتے ہیں جیسے اس حدیث میں آیا ہے:

" لَوْلَا حِدْثانُ قَوْمِکِ بِالْکُفرِ لَهَدَمْتُ الْکَعْبَةَ وَبَنَیْتُها (بَابَیْن)"(۱)

اے عائشہ! اگر تیری قوم کفر سے تازہ برگشتہ ہوکر اسلام کی طرف نہ آئی ہوتی تو میں کعبہ کو منہدم کر کے اس کو دوبارہ نئے دو دروازوں کے ساتھ تعمیر کرتا۔

یا جیسے اس آیت میں آیا ہے:

﴿فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَفْسَکَ عَلٰی آثَارِهِمْ اِنْ لَمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفاً﴾(۲)

اے رسول! اگر یہ لوگ اس بات کو نہ مانیں تو شاید تم مارے افسوس کے ان کے پیچھے اپنی جان دے ڈالو!

محدثین کی اصطلاح میں قول وفعل اور تقریر معصوم کو حدیث کہتے ہیں، البتہ اہل سنت کے نزدیک صرف

---

(۱) النهایة ابن اثیر، جلد ۱، باب الحاء مع الدال، ص ۳۵۰.

(۲) سورہ کهف، ٦.

نبی اکرمؐ اور ہم شیعوں کے نزدیک ان کی آل وعترتؑ کو بھی معصوم کہتے ہیں۔

عالم اہل سنت ابن حجر کہتے ہیں:

''چونکہ صدر اسلام میں قرآن مجید کو ''قدیم'' کہا جاتا تھا اس لئے اس کے مقابل رسول اسلامؐ کے کلام، فعل اور تقریر کو حدیث کہا جانے لگا چنانچہ آج تک مسلمانوں میں یہی رائج ہے''۔ (۱)

متن حدیث: ۔کلام، اور تقریر معصوم کو ہی متن حدیث کہا جاتا ہے۔

سند حدیث: ۔اُن افراد کے سلسلہ کو کہا جاتا ہے جن کے ذریعہ معصومؑ کی حدیث ہم تک پہنچی ہے۔

تعریف سنت: ۔سنت لغت میں ہر اس طریقہ اور روش کو کہتے ہیں جس کی لوگ پیروی کریں، لیکن اصطلاح میں سنت پیغمبر، آپ کے ان تمام احکام اور دستورات کے مجموعہ کو کہتے ہیں جو عبادات وغیر عبادات سے متعلق آپ نے مسلمانوں کے درمیان مستقل راہ اور مسلمہ روش کی صورت میں چھوڑا ہو۔ (۲)

لیکن چونکہ سنت اور حدیث میں ایک لازمی ربط موجود ہے اس بنا پر خود حدیث کو بھی سنت کہتے ہیں چنانچہ اسی معنی میں آج کل سنت کا زیادہ استعمال ہوتا ہے۔

حدیث کی اہمیت قرآن کی روشنی میں

اگر چہ تمام اسلامی احکام وقوانین کی بنیاد واساس، قرآن مجید اور سنت رسول پر قائم ہے، (۳) لیکن ان دونوں سرچشموں میں بھی زیادہ احتیاج سنت کی ہوتی ہے، کیونکہ وہ آیات جو قوانین اور احکام الٰہیہ سے مربوط ہیں وہ گنتی کی اور بہت محدود ہیں، چنانچہ قول مشہور کی بنا پر صرف پانچ سو آیات ہیں جو احکام سے متعلق ہیں، لہٰذا احکام اخذ کرنے کیلئے حدیث اور سنت رسولؐ کے بغیر صرف انھیں آیات پر اکتفاء نہیں کر سکتے کیونکہ:

اولاً: قرآن کی آیات مجمل اور مطلق ہیں اور ان کی وضاحت سنت اور احادیث سے ہوتی ہے۔

---

(۱) مقدمہ فتح الباری (ھدی الساری).

(۲) النھایہ، باب السین، مؤلفہ ابن اثیر.

(۳) شیعوں کے یہاں احادیث اہل بیتؑ اور وہ اجماع جو کاشف رائے معصوم ہو اور عقل بھی کتاب وسنت رسولؐ کی طرح اسلامی احکام کے سرچشمے شمار ہوتے ہیں .

ثانیاً: چونکہ اسلام کے احکام اور قوانین بہت زیادہ ہیں لہٰذا ان محدود آیات کے ذریعہ تمام اسلامی احکام نہیں اخذ کئے جاسکتے، اسی بنا پر تمام علمائے اسلام خواہ شیعہ ہوں یا سنی متفق ہیں کہ وہ صحیح حدیث جس کا معصوم سے بیان ہونا مسلم اور قطعی ہو وہ تمام مسلمانوں کے لئے حجت ہے اور مثل قرآن مجید اس کے مضمون پر عمل کرنا واجب ولازم ہے۔

چنانچہ قرآن کریم نے بھی حدیث کی طرف رجوع کرنے کو متعدد آیات کے ذیل میں بیان کیا ہے:

﴿مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾(۱)

جو کچھ رسول تم کو دیدے اسے لے لو اور جس سے منع کرے اس کو ترک کردو۔

اسی طرح قرآن کریم نے متعدد آیات کے ذیل میں مسلمانوں کے لئے اطاعت رسول کا خداوند عالم کی اطاعت کے ساتھ ذکر کیا ہے، کہ جس طرح خدا کی اطاعت مسلمانوں پر علی الاطلاق واجب ہے اسی طرح اس کے رسولؐ کی اطاعت بھی مسلمانوں پر بدون قید وشرط واجب ولازم ہے، ایک جگہ رسولؐ کے اتباع کو خداوند عالم کا اتباع قرار دیا ہے، تو ایک اور جگہ رسولؐ کے حکم وفرمان کے سامنے کسی بھی قسم کے اظہار نظر اور فیصلہ کا اختیار نہیں دیا ہے، یہی نہیں بلکہ رسولؐ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم رکھنا ایمان کی علامت اور آپ کے حکم کی نافرمانی اور سرکشی ضلالت اور بدبختی کی نشانی قرار دی ہے:

﴿أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا......﴾(۲)

اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اور ان کی مخالفت سے ڈرو۔

﴿وَمَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ......﴾(۳)

اور جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيماً﴾

(۱) سورہ حشر، آیت ۷، پ۲۸.

(۲) سورۂ مائدہ، آیت ۹۲، پ۷.

(۳) سورۂ نساء، آیت ۸۰، پ۵.

(پس اے رسول!) ایسا نہیں ہے تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ (کبھی) مومن نہیں ہوں گے جب تک کہ ان جھگڑوں میں جو ان کے مابین پڑے ہیں تم کو حاکم نہ بنالیں اور پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس سے اپنے دلوں میں تنگی محسوس نہ کریں اور اس کو اس طرح تسلیم کرلیں جو تسلیم کرنے کا حق ہے۔(۱)

﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلاً مُّبِيْنًا﴾

اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا یقیناً وہی تو کھلی گمراہی میں پڑیگا۔(۲)

یہ تھیں نمونہ کے طور پر چند آیات جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول کے احکام کی پابندی اور اطاعت، خداوند عالم کی طرف سے تمام مسلمانوں پر واجب ہے اور اس نے مختلف الفاظ میں رسولؐ کی اطاعت کے بارے میں تاکید فرمائی ہے اور اطاعتِ رسولؐ کیلئے ضروری ہے کہ ہم سنت رسولؐ کی پابندی کریں اور آپ کے اوامر و فرامین پر کماحقہ عمل کریں، بغیر اس کے اطاعتِ رسولؐ کا محقق ہونا ناممکن ہے۔

سنت کی اہمیت پیغمبر اکرمؐ کی نظر میں

احادیث کی اہمیت کے بارے میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت طاہرین علیہم السلام سے کثرت کے ساتھ روایات نقل ہوئی ہیں، ان روایات میں سنت کی اہمیت کے علاوہ اس کی حفاظت کرنے، ان کو لکھنے اور دوسروں تک پہنچانے وغیرہ کی طرف بھی خاص توجہ دلائی گئی ہے۔(۳)

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

''ایھا الناس! میں نے ہر وہ کام جو حلال تھا اور تمہاری ابدی سعادت کی ضمانت ہے اور ہر وہ کام

---

(۱) سورۂ نساء، آیت ۶۵، پ۵.

(۲) سورۂ احزاب، آیت ۳۶، پ ۲۲.

(۳) مزید معلومات کے لئے آپ مندرجہ ذیل کتابیں دیکھئے:

اصول کافی جلد اول، باب "رواية الكتب والحديث وفضل الكتابة" . وسائل الشيعه جلد ۱۸، باب [۸]ابواب صفات القاضي. مجمع الزوائد، ج، اول، باب" سماع الحديث" . سنن ابن ماجه جلد ۱، باب "شرف اصحاب الحديث"،جامع بيان العلم وفضله، جلد ۱ ،باب"دعاء الرسول لمستمع العلم "ص ۴۸.

جو حرام تھا اور تمہاری بدبختی کا سبب بن سکتا ہے اس سے تم کو آگاہ کر دیا ہے لہٰذا اب اس کے بعد احکام میں کوئی تبدیلی و تغییر نہیں ہوگی:

"معاشر الناس و کل حلال دلّلتکم علیه او حرامٍ نهیتکم عنه فانّی لم ارجع عن ذالک ولم ابدل"(۱)

۲۔ اسی طرح پیغمبر اکرم ﷺ نے ان لوگوں کو جو حفظِ حدیث کرتے ہیں یا اسے دوسروں تک پہنچاتے ہیں اپنے ان جملوں کے ذریعہ شوق دلایا ہے اور ان کے لئے دعا فرمائی ہے:

"نَضَّرَ اللہ عبداً سمع مقالتی فوعاھا (یا) فبلغھا "(۲)

خداوند عالم اس شخص پر رحمت نازل فرمائے جو میری بات کو سنے اور اس کو محفوظ کرلے یا دوسروں تک پہنچائے۔

اور احادیث میں کثرت سے یہ جملہ " **فلیبلغ الشاھد الغائب**" آیا ہے یعنی حاضرین پر لازم ہے کہ میرے قول و فعل کو دوسروں تک پہنچائیں، اس سے حفاظت حدیث کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ آنحضرتؐ نے اپنے خطبات کے آخر میں اس کی یاددہانی فرمائی ہے۔ (۳)

بہر حال مذکورہ تعبیرات سے حدیث اور سنت رسولؐ کی اہمیت ثابت اور روشن ہوتی ہے اور اس سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ رسول اسلامؐ نے تمام اسلامی احکام اور جزئیات حلال و حرام کو بیان فرما دیا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ آپؐ نے ان احادیث کو دوسروں تک پہنچانے کے بارے میں اپنے تمام سننے والے اور مسلمانوں کو آگاہ فرما دیا تھا گویا آپؐ نے احادیث نقل کرنے والوں کو اس بارے میں اپنا جانشین قرار دیا تھا، لہٰذا اب ان احکامِ حلال و حرام کا دوسروں تک پہنچانا ان تمام لوگوں پر فرض ہے کہ جنہوں نے رسولؐ سے بالواسطہ یا بلاواسطہ سنا ہو۔

---

(۱) احتجاج طبرسی جلد اول، ص ۸۱ مطبوعہ: النجف الاشرف.

(۲) سنن ابن ماجه جلد ۱، باب (۱۸) "من بلغ علما"، حدیث ۲۳۰، سے ۲۳۶ تک، ص ۸۴، ۸۵. جلد ۲، کتاب المناسک، باب (۷۶) الخطبة یوم النحر، حدیث ۳۰۵۵. ص ۱۰۱۵. سنن ترمذی ابواب العلم، باب (۷) فی الحث علی تبلیغ السماع، حدیث ۲۷۹۴، ۲۷۹۵.

(۳) من لا یحضره الفقیه باب النوادر. صحیح بخاری جلد ۱، کتاب العلم، باب (۳۸) 'لیبلغ العلم الشاهد الغائب' جامع بیان العلم وفضله جلد اول، باب "دعاء الرسول لمستمع العلم" ص ۴۸.

قرآن اور سنت کے درمیان فرق

قرآن مجید اور سنت دونوں کا منبع اور سرچشمہ ایک ہی وحی والہام ہے اور یہ دونوں ایک ہی نور کی دو شعائیں ہیں، لہٰذا اس حیثیت سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، البتہ چند جہات کے اعتبار سے ان کے درمیان فرق کیا جاسکتا ہے:

۱۔ قرآن تحدی اور معجزہ کے طور پر نازل ہوا ہے لیکن سنت کے اندر یہ خصوصیت نہیں ہے۔

۲۔ قرآن مجید کے الفاظ خود خداوند عالم کی جانب سے ہوتے ہیں اور سنت میں معانی ومفاہیم خدا کی طرف سے ہوتے ہیں مگر الفاظ پیغمبر خدا ﷺ کے ہوتے ہیں۔

۳۔ قرآن قطعی الصدور ہے یعنی اس کے خدا کی طرف سے نازل ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے لیکن ایک ایک کر کے تمام سنت اور احادیث آنحضرتؐ نے ہی بیان فرمائی ہوں یقینی نہیں ہے، بلکہ ظنی الصدور ہے یعنی نبی اکرمؐ نے ہی بیان فرمائی ہیں اس کا گمان پایا جاتا ہے۔

۴۔ قرآن مجید نے اسلامی احکام اور قوانین کو کلی اور اصول کے طور پر بیان کئے ہیں، لیکن سنت نے ان احکام کے تمام اصول وفروع اور جزئیات کو واضح طور پر بیان کیا ہے، یعنی قرآن میں کلیات ہیں اور ان کی تشریح وتوضیح احادیث میں کی گئی ہے، چنانچہ اس بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْھِمْ وَلَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ﴾(۱)

اور ہم نے ذکر (قرآن) کو آپ پر نازل کیا تاکہ آپ اس کو بطور آشکار (وضاحت کے ساتھ) لوگوں کے درمیان بیان فرمادیں اور وہ فکر وتدبر کریں۔

دوسری طرف مسلمانوں پر لازم قرار دیا ہے کہ جو کچھ قرآن اور سنت نبوی میں بیان کیا گیا ہے اس میں کسی قسم کا فرق نہ کریں، متن قرآن اور اقوال رسولؐ میں کوئی امتیاز نہیں، کیونکہ رسولؐ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے آپ جو کچھ بھی کہتے ہیں وہ منشائے الٰہی کے مطابق کہتے ہیں:

﴿مَا آتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا﴾(۲)

---

(۱) سورۂ نحل، آیت ۴۴، پ ۱۴.

(۲) سورہ حشر آیت ۷، پ ۲۸.

جو کچھ رسول تم کو دیدے اسے لے لو اور جس سے منع کرے اس کو ترک کردو۔

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوىٰ ☆ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحىٰ﴾ (۱)

رسول اپنی خواہش نفسانی کی بنا پر کچھ کلام نہیں کرتا وہ تو وہی کہتا ہے جو اس کو وحی خدا کہتی ہے۔

بہر کیف قرآن مجید کی آیات مجمل ہوں یا مطلق وعموم، ان سب کی شرح اور ان کی تقیید وتخصیص سنت نبوی میں ہوئی ہے، یعنی وہ چیزیں جنھیں قرآن میں صراحت کے ساتھ نہیں بیان کیا گیا ہے نبی کی سنت میں صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور قرآن مجید کی عام اور مطلق باتوں کی تخصیص وتعیین حدیث میں ہوئی ہے، چنانچہ جس چیز کو قرآن نے صراحت کے ساتھ معین نہیں کیا ہے اس کو حدیث معین کرتی ہے، مثلاً قرآن کریم میں نماز کا حکم آیا ہے لیکن اس کے ارکان ورکعات کی تعداد اور دیگر جزئیات کے بارے میں رسولؐ نے خود اپنی نماز، تعلیم اور ارشاد کے ذریعہ لوگوں کی رہنمائی فرمائی ہے:

"صَلُّوا کماراَیتمونی اُصَلّی" (۲) اے لوگو! جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھو ویسے ہی نماز پڑھو۔

یا قرآن کریم میں حج کا حکم ہے مگر اس کے جزئیات، احکام، مناسک اور اعمال رسولؐ کی زبان سے پتہ چلتے ہیں: **"خذوا عنی مناسککم"** (۳)

اسی طرح مسئلہ وراثت، زکوٰۃ وجہاد وغیرہ ہیں ان کے احکام کو قرآن مجید میں کلی طور پر بیان کیا گیا ہے، لیکن جزئیات حدیث سے معلوم ہوتے ہیں، جیسے قرآن میں قاتل کے میراث سے محروم ہوجانے کا کوئی ذکر نہیں ہے، لیکن حدیث میں اس کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ **"ان القاتل لایرث"** (۴)

---

(۱) سورہ نجم، آیت ۳، ۴، پ ۲۷.

(۲) صحیح بخاری جلد ۱، کتاب الصلاۃ، باب [۱۸] "الاذان للمسافر اذا کانوا جماعۃ".

(۳) صحیح مسلم جلد ۱، کتاب الحج.

(۴) سنن ترمذی جلد ۴، ابواب الفرائض، باب (۱۶) "ما جاء فی ابطال میراث القاتل"، حدیث ۲۱۹۲.

احادیث جمع اور مرتب کرنے کے مراحل

شیعوں کی کوشش

قوی ومحکم دلائل اور اہل اسلام کی معتبر کتابوں کی روشنی میں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے کہ رسول خدا ﷺ کے زمانہ سے ہی نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے درمیان احادیث لکھنے کا رواج عام ہو گیا تھا اور مسلمان احادیث محفوظ کرنے کا شدت سے احساس کرتے تھے، بلکہ خود آنحضرتؐ نے اپنی حیات طیبہ میں متعدد بیانات کے ذریعہ حدیث لکھنے اور اس کی حفاظت کرنے کے بارے میں مسلمانوں کو شوق ورغبت دلائی تھی، چنانچہ اکثر اصحاب نے اپنی استعداد کے مطابق حدیث کو محفوظ کر رکھا تھا، منجملہ ان اصحاب کے حضرت ابو بکر بھی ہیں جنھوں نے اس موضوع پر کام کیا تھا۔(۱) اور ان میں سے ایک عبداللہ بن عمرو بن عاص ہیں جو یہ کہتے تھے:

> میں جو کچھ رسولؐ سے سنتا تھا اسے لکھ لیا کرتا تھا، لیکن جب قریش کے ایک گروہ نے میرے اس عمل کی مخالفت کی تو میں ان کی مخالفت کی وجہ سے شک میں پڑ گیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت بابرکت میں جا کر میں نے اس مسئلہ کو پیش کیا اور آپؐ کی رائے کو جاننا چاہا، رسول خداؐ نے میرے سوال کے جواب میں اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:
>
> **"اکتب فوالّذی نفسی بیده مایخرج منه الا حق "(۲)**
>
> لکھا کرو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس دہن سے کلام حق کے سوا اور کوئی کلام نہیں نکلتا۔

بہر حال رسول کی اس قدر تاکید کے باوجود بھی آپؐ کی وفات کے بعد، اصحاب کے درمیان شدید اختلاف ہو گیا اور اصحاب کے ایک گروہ نے حدیث کی کتابت وحفاظت پر پابندی لگا دی اور اس کو ایک ناجائز اور غیر شرعی عمل قرار دیدیا اور اپنے اس نظریہ کو مسلط کرنے کی کافی کوشش کی منجملہ اس گروہ میں ابو بکر، عمر ابن خطاب، ابن مسعود، ابو سعید خدری شامل ہیں۔

---

(۱) تذکرة الحفاظ جلد ۱، نمبر ۵ – در بیان حالات ابو بکرؓ۔

(۲) سنن ابن داود ج ۲، کتاب العلم، باب[۳] اور مستدرک الصحیحین جلد اول، کتاب العلم باب" الامر بکتابة الحدیث" ص ۱۰۴ و ۱۰۶۔

ان کے مقابلہ میں صحابہ کا وہ گروہ تھا جس نے رسولؐ کے زمانہ کی طرح اپنے حلقہ میں حدیث کی کتابت اور حفاظت کے بارے میں لوگوں کی کافی تشویق کی، اس گروہ میں حضرت علی علیہ السلام اور آپ کے پیرو کار بالخصوص آپ کے فرزندار جمند حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے نام آتے ہیں۔(۱)

یہی اختلاف نظر سبب بنا کہ حدیث کی جمع آوری اور اس کی کتابت وترتیب کے بارے میں مسلمانوں کے درمیان دو نمایاں گروہ بن گئے:

۱۔ایک گروہ حدیث کی کتابت وحفاظت کا قائل تھا جس کی نمایندگی حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام اور ان کے پیروں کے ہاتھ میں تھی۔

۲۔دوسرا گروہ کتابت حدیث کا مخالف تھا، اس کی قیادت حضرت ابو بکر اور ان کے پیرو کر رہے تھے۔

تدوین حدیث زمانۂ علیؑ میں

امام بخاری اپنی صحیح میں حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

''ہمارے درمیان کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جس کو ہم پڑھیں سوائے اس صحیفہ کے، اس کے بعد امامؑ نے اس صحیفہ کو نکالا جس میں احکام دیات اور ان اونٹوں کا سن درج تھا جو زکاۃ میں دئے جاتے ہیں، اسی صحیفہ میں مرقوم تھا کہ مدینہ؛ عیر سے لے کر ثور تک حرم ہے''

نیز امام بخاری نقل کرتے ہیں:

امامؑ نے ایک روز بالائے منبر ایک صحیفہ تلوار کے غلاف سے باہر نکالا اور اس کو کھولا اور اس سے کچھ احکام بیان فرمائے۔

صحیفۂ امیر المومنین علیہ السلام کے سلسلہ میں بخاری اور مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں مختلف اسناد کے ساتھ متعدد روایات قلم بند کی ہیں اور مختلف احکام کی طرف اشارہ کیا ہے جو حضرت کے اس صحیفہ یا دیگر صحائف

---

(۱) فتح الباری جلد اول، باب ''کتابة العلم''

سے لئے گئے ہیں۔(۱)

صحیحین کے مطابق وہ احکام جو ان صحیفوں سے لئے گئے ہیں اگرچہ زیادہ نہیں ہیں،(۲) لیکن متن احادیث پر غور و فکر سے دو اہم اور اساسی باتیں سمجھ میں آتی ہیں:

۱۔ امیر المومنینؑ کے یہ صحیفے متعدد تھے اور ان کی تعداد زیادہ تھی۔

۲۔ یہ صحیفے بہت ہی جامع تھے، کیونکہ ان صحیفوں میں احکام کے جزئیات بھی تفصیل سے ذکر ہوئے ہیں جیسے دیات و قصاص کے احکام، اونٹ کی عمر، حدود مدینہ اور اس کے اطراف میں واقع پہاڑوں کا ذکر بھی ہے، ان نکات پر توجہ دینے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ صحیفے جامع تھے، لیکن ابن حجر کہتے ہیں:

''ان احادیث کی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک ہی صحیفہ تھا البتہ نقل کرنے والوں نے اپنے حافظہ کے مطابق نقل کیا ہے جس کو جس قدر یاد تھا اس نے اسی تعداد میں نقل کر دیا ہے''۔(۳)

---

(۱) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب العلم، باب(۴۰)"کتابة العلم "حدیث۱۰۸. جلد۳، کتاب الحج(کتاب فضائل المدینة) باب(۱) "حرم المدینه" حدیث۱۷۳۷. جلد۴، کتاب الجزیه والموادعه باب(۱۰) "ذمة المسلمین" حدیث۲۹۳۶ باب(۱۷)"اثم من عاهد ثم غدر"حدیث۲۹۴۳. کتاب الجهاد ،باب" فکاک الاسیر"حدیث ۲۰۲۸. ج۸ ،کتاب الفرائض، باب(۲۱)"اثم من تبراء من موالیه" حدیث۶۲۵۸. جلد ۹، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب(۵) "ما یکره من التعمق والتنازع فی العلم"حدیث ۶۷۵۶ کتاب الدیات، باب(۲۴)"العاقلة " حدیث ۶۳۹۴ ،باب(۳۱)"لایقتل المسلم بالکافر"حدیث۶۴۰۴ .

صحیح مسلم: ج۴، کتاب العتق، باب(۳) " تحریم تولی العتیق غیر موالیه"حدیث۱۵۰۶. ج۶، کتاب الاضاحی ،باب(۸)" تحریم الذبح لغیر الله......"حدیث۱۹۷۸. کتاب الحج ،باب(۸۵)" فضل المدینة و دعاء النبی......"حدیث ۲۴۳۳.

سنن نسائی: جلد۸، کتاب الدیات، [القسامة]باب" القود بین الاحرار والممالیک فی النفس" حدیث ۱۳۳۲ ص ۱۹، ۲۳.

(۲) اس صحیفہ میں جو احکام ذکر کئے گئے ہیں اگر ان میں سے مکررات کو حذف کر دیا جائے تو ۱۳ ر حکم اخذ ہوتے ہیں.

(۳) فتح الباری ج ۱، کتاب العلم ،باب کتابة العلم ص ۱۸۳.

امام محمد باقر علیہ السلام اور کتاب علی علیہ السلام

نجاشی نے محمد بن عذافر صیرفی سے اس طرح روایت کی ہے:

وہ کہتے ہیں ایک روز میں اور حکم بن عیینہ(۱) ابوجعفر (حضرت امام محمد باقرؑ) کے پاس تھے حَکَم نے امام سے سوال کیا، امامؑ حکم کے ساتھ ایک خاص لطف وعنایت رکھتے تھے،(۲) یہاں تک کہ ایک مسئلہ میں ان سے اختلاف ہوگیا، امامؑ نے اپنے فرزند سے فرمایا: جاؤ! میرے جد بزرگوار حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی کتاب اٹھالاؤ، فرزندِ امام محمد باقر علیہ السلام ایک کتاب لائے جو بہت ہی بڑی اور کسی چیز میں لپٹی ہوئی تھی، اس وقت امام علیہ السلام نے فرمایا:

یہ کتاب حضرت امیر المومنینؑ کے دست مبارک سے لکھی ہوئی ہے اور اس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکھوایا ہے، پھر حکم کی طرف رخ کر کے فرمایا: اے ابومحمد! تم اور سلمہ اور ابوالمقدام جہاں بھی چاہو چلے جاؤ مگر خدا کی قسم وہ علم جو وثوق واعتماد کے قابل ہو اس گھر کے سوا کہ جہاں جبرئیل برابر نازل ہوتے رہے ہیں کہیں نہیں مل سکے گا۔(۳)

محترم قارئین! مذکورہ مطالب اور جو کچھ صحیحین اور نجاشی سے پیش کیا گیا ہے اس سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ کے پاس متعدد صحائف موجود تھے اور آپ کا ایک صحیفہ یادگار کے طور پر امام محمد باقر علیہ السلام کے پاس تھا جس میں شریعت مقدسہ کے بہت سے احکام ونظام مرقوم تھے، جس پر ائمہ علیہم السلام اور شیعہ راہنما فخر ومباہات کیا کرتے تھے اور اس کو اپنے لئے ایک اہم ثروت سمجھتے تھے، چنانچہ شیعہ وغیر شیعہ تمام محققین اور دانشوروں نے معتبر مآخذ میں اس صحیفہ کا نام بھی ذکر کیا ہے، انھیں صحائف کی بنیاد پر کہ جن سے پہلے احادیث کی نظم وترتیب کی تاریخ میں کوئی اور صحیفہ نہیں ملتا تاریخ تشیع کا بے نظیر علمی محل تعمیر ہوا اور مفکرین مذہب تشیع نے انھیں صحائف کے نہج اور نقشہ پر حضرت امیر المومنینؑ سے حدیث کی نظم

(۱) حکم علمائے اہل سنت سے ہیں۔
(۲) اس جملہ کی عربی عبارت بعض نسخوں میں مکرماً اور بعض میں مکرہاً آیا ہے۔
(۳) کتاب رجال نجاشی، دربیان حالات احمد بن عذافر

وترتیب کا درس لیا ہے، یہی وجہ ہے کہ تاریخ تشیع میں نہ صرف یہ کہ احادیث کے زبان نبیؐ سے بیان ہونے اور ان کی جمع آوری کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں واقع ہوا ہے، بلکہ شیعوں کے یہاں ہر زمانہ میں دسیوں افراد نظر آتے ہیں جو حدیث کی جمع آوری میں مشہور ومعروف رہے ہیں۔

حدیث جمع کرنے والے افراد کی فہرست اور طبقات

نجاشی (متوفی ۴۵۰ھ) نے اپنی بے نظیر کتاب ''رجالِ نجاشی'' میں ائمہؑ کے تقریباً بارہ سو اصحاب اور شیعہ رجال کا ذکر کیا ہے اور سب کے حالات قلمبند کئے ہیں۔

اس کے بعد آپ نے ان تمام حضرات کی مختلف موضوعات سے متعلق تالیفات کی طرف اشارہ کیا ہے، چنانچہ موصوف اپنی کتاب ''رجال نجاشی'' کے مقدمہ میں تحریر کرتے ہیں:

''میں اس کتاب میں صرف ان افراد کا تذکرہ کر رہا ہوں جو صاحبانِ تالیف ہیں اور ائمہ کے اصحاب اور شیعہ رجال میں شمار ہوتے ہیں۔''(۱)

اگرچہ صاحبان کتب علم رجال نے شیعوں کے مشہور مؤلفین اور محدثین کو جو امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ تک وجود میں آئے تین طبقوں میں تقسیم کیا ہے، (۲) پھر بھی اصحاب ائمہ میں جن حضرات نے حدیث جمع کی ہے اور صاحبان تالیف ہیں ان کی صحیح تعداد ہم تک نہیں پہنچی ہے کیونکہ بہت کم ایسے افراد ہوئے ہیں جنھوں نے ائمہؑ کی شاگردی اختیاری کی ہو اور کوئی نہ کوئی کتاب یا تالیف آثار میں نہ چھوڑی ہو۔

حضرت امام صادق علیہ السلام کے زمانہ میں احادیث کی جمع آوری

''اصول اربعمأۃ''

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ (۸۳ھ سے ۱۴۸ھ تک) میں علوم ومعارف کے نشر کا موقع مل جانے کے سبب احادیث کی نقل وجمع آوری اپنے منزل کمال پر پہنچ گئی اور آپ کی کد وکاوش کی بنا پر مسلمانوں

(۱) مقدمۂ رجال نجاشی.

(۲) اس سلسلہ میں کتاب رجال نجاشی، فہرست شیخ طوسی، کتاب اعیان الشیعہ اور الذریعہ دیکھئے۔

کے درمیان حدیث لکھنے اور محفوظ کرنے کا ایک پر کیف ماحول پیدا ہوگیا، چنانچہ آپ کے شاگردوں نے مختلف علوم وفنون میں جوہر دکھائے، کسی نے علم فقہ وکلام میں نام روشن کیا، تو کسی نے علم طبیعات وریاضیات میں، چنانچہ آپ کے شاگردوں کی تعداد مورخین نے چار ہزار تک تحریر کی ہے۔(۱) تنہا حسن ابن علی وشا(۲) نے زمانۂ واحد میں نوسو(۹۰۰) علماء کو مسجد کوفہ میں دیکھا ہے اور ان سب کا کہنا تھا:

"حدثنی جعفر ابن محمد" مجھ سے جعفر بن محمدؑ نے حدیث بیان فرمائی ہے۔

یادرہے کہ کوفہ شہر مدینہ سے جو اس وقت مرکز علم ودانش تھا کافی دور تھا، کیونکہ امام اس وقت مدینہ میں ہی قیام پذیر تھے۔

جی ہاں! امام صادق علیہ السلام کی طرف سے حدیث کی حفاظت اور جمع آوری کے بارے میں بے پناہ تشویق اور تاکید(۳) کا ہی نتیجہ تھا کہ آپ کے زمانے میں بہت زیادہ کتابیں لکھی گئیں، اگر چہ ان کتابوں اور ان کے مؤلفین کی دقیق تعداد ان کی کثرت کی بنا پر قابل تعیین نہیں ہیں، لیکن اس زمانہ میں جو کتابیں اسلامی احکام ومسائل کے بارے میں لکھی گئیں ان کی تعداد تقریباً چار سو ہے جو حضرت امام جعفر صادقؑ کے چار سو (۴۰۰) یا اس سے کچھ کم ممتاز شاگردوں نے تالیف کی ہیں جن کو **"اصول اربعماۃ"** کہا جاتا تھا اور چونکہ

---

(۱) ارشاد شیخ مفید، ص ۲۸۹، مطبوعہ تبریز، ایران۔

(۲) حسن ابن علی وشاء کوفہ کے باشندے اور امام رضاؑ کے معتمد اصحاب میں سے تھے اور آپ علم وتقویٰ کے اعتبار سے شیعوں کے درمیان مشہور تھے، چنانچہ احمد بن محمد بن عیسیٰ کہتے ہیں: جب میں اخذ حدیث کی غرض سے شہر کوفہ پہنچا تو حسن بن وشاء نے کتاب علاء بن رزین وابان بن عثمان میرے حوالے کی، میں نے آپ سے کہا: اگر آپ ان دونوں کتابوں سے نقل حدیث کی بھی اجازت مرحمت فرمادیتے تو کیا بہتر ہوتا؟ حسن بن وشاء نے کہا: جلدی کیوں کرتے ہو؟ میں نے کہا حالات زمانہ سے ڈرتا ہوں، آپ نے فرمایا: اگر میں جانتا کہ حدیث اس قدر اہمیت پیدا کرے گی تو میں اس کی جمع آوری میں بہت زیادہ کوشش کرتا، کیونکہ میں نے اسی مسجد کوفہ میں ۹۰۰ رعلمائے شیعہ کی ہمنشینی کی ہے جو سب کے سب یہ کہتے تھے "حدثنی جعفر ابن محمد" مجھ سے امام صادقؑ نے حدیث بیان فرمائی ہے۔ دیکھئے رجال نجاشی حالات حسن بن وشاء)۔

(۳) اعرفوا منازل الناس علی قدر روایتهم عنا. القلب یتکل علی الکتابة. اکتبوا فانکم لاتحفظون حتی تکتبوا. احفظوا بکتبکم فانکم سوف تحتاجون الیها. ملاحظه فرمائیں: رجال نجاشی ص ۲. شافی ص ۳۰. کافی جلد ۱، ص ۵۱. وسائل الشیعة جلد ۱۸، کتاب الشهادات، باب ۸.

یہ اصول متفرق تھے، کچھ احادیث بعض اصول میں تھیں اور بعض میں نہ تھیں، لہٰذا ان کے متفرق ہونے کی وجہ سے آٹھویں امام حضرت علی ابن موسی الرضا علیہ السلام [۱۴۸ھ۔۲۰۳ھ] کے کچھ شاگرد جیسے احمد بن محمد بن ابی نصر وجعفر بن بشیر وحسن بن علی بن فضال وغیرہ...... نے ان کو اپنے اپنے مخصوص نہج پر مرتب کیا اور ان تمام اصولوں کو ایک کتاب کی شکل میں جمع کردیا، اس طرح ان سبھی نے ان " **اصول اربعماۃ** "کو جمع کر کے ایک مستقل ضخیم کتاب مرتب کردی، چنانچہ ان تمام کتابوں کو 'جامع'' کہا جاتا تھا، البتہ یہ ذہن میں رہے کہ یہ جامع کتابیں ان کتابوں سے جدا ہیں جو غیبت امامؑ کے قبل تک اصحاب ائمہؑ نے اپنے اپنے مخصوص عناوین کے تحت تحریر کی تھیں۔

کتب اربعہ کی تالیف

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا امام رضاؑ کے زمانہ میں" **اصول اربعماۃ**" کو آپ کے کئی اصحاب نے اپنے اپنے سلیقہ اور نہج کے مطابق ایک جامع کتاب کی شکل میں مرتب کردیا تھا اور یہ کتابیں **''جوامع''** کہلائیں، چنانچہ یہی کتابیں (جوامع) اس وقت سے شیخ کلینیؒ کے زمانہ تک شیعیانِ اہل بیت عصمت وطہارت کا منبع وسرچشمہ تھیں۔

۱۔لیکن مرحوم شیخ محمد یعقوب کلینی (متوفی ۳۲۹ھ) نے جدید اسلوب کے ساتھ احادیث کو جمع کیا اور اپنی نفیس کتاب ''الکافی'' مرتب فرمائی اور اس کتاب کے دو حصے قرار دئے: **اصول الکافی و فروع الکافی** .

۲۔آپ کے بعد شیخ صدوق ابن بابویہ (متوفی ۳۸۱ھ) نے کتاب" **من لا یحضرہ الفقیہ**' مرتب فرمائی۔

۳۔۴۔اس کے بعد مرحوم شیخ طوسی (متوفی ۴۶۰ھ) نے اپنی دو کتابیں **''تہذیب واستبصار''** تالیف کیں اوران میں **اصول اربعماۃ ،جوامع** اوراصحاب ائمہ کی دیگر کتابوں سے مختلف احادیث کو جمع کیا۔(۱)

مذکورہ چار کتابوں کو" **کتب اربعہ**" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ،البتہ ان کتابوں کے علاوہ بھی بعد

---

(۱) دیکھئے جامع احادیث الشیعہ کا مقدمہ۔

میں بڑی بڑی کتابیں علماء نے تاریخ تفسیر اور حدیث کی مانند مختلف موضوعات پر تحریر کی ہیں، جو آج بھی موجود ہیں جن سے اسلامی کتابخانے مملو نظر آتے ہیں، لیکن کتب اربعہ چونکہ فقہاء کے نزدیک استنباط اور استخراجِ احکام میں زیادہ تر مرجع قرار پائیں لہٰذا علماء کے نزدیک انھیں خاص توجہ کا مرکز سمجھا گیا اور ان کی حفاظت میں زیادہ سے زیادہ اہتمام برتا گیا، ان کتابوں کے بعد بھی جید علمائے شیعہ نے احادیث کی تلاش اور جمع آوری کا کام کیا اور کتب اربعہ و دیگر دوسری بنیادی کتابوں سے حدیث کی جمع آوری کر کے ضخیم ضخیم نادر کتابیں تالیف کیں ہیں۔

یہ تھی مذہب تشیع میں احادیث کی جمع آوری کی مختصر تاریخ اور اب مناسب نظر آتا ہے کہ ہم اہل سنت حضرات کے یہاں بھی احادیث کی جمع آوری کا مختصر خاکہ پیش کر دیں۔

اہل سنت میں احادیث کی تدوین

جیسا کہ ہم گزشتہ مباحث میں بیان کر چکے ہیں کہ رسول خدا ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کا ایک گروہ جن میں ''حضرت ابوبکر و عمر'' شامل ہیں، ایسا وجود میں آیا جو شدت کے ساتھ حدیث لکھنے کی مخالفت کرتا تھا، نہ صرف لکھنے بلکہ بعض وقت زبانی نقل کرنے پر بھی پابندی لگاتے تھے جس کی وجہ سے ظلم بالائے ظلم یہ ہوا کہ ناقلین حدیث جو احادیث زمانۂ رسالت میں قلمبند کر چکے تھے، ان سختیوں کی وجہ سے نقل کرنے کے بجائے نوشتے نابود کرنے میں لگ گئے، یعنی انھوں نے اپنی جمع کردہ احادیث کو جلا دیا یا پھر پانی سے دھو دیا! اور جب مخالفین حدیث نے یہ دیکھا کہ لوگوں کے درمیان ان کے اس عمل سے فضا خراب ہو رہی ہے تو اپنے علم مخالف؛ غلط اور ناشائستہ و غیر متمدن کارناموں کی توجیہہ کیلئے خود رسولؐ کی طرف سے حدیثیں نقل کرنے لگے کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے:

"لا تكتبوا عني ومن كتب عني غير القرآن فليمحه"(١)

---

(١) صحيح مسلم ج٨، كتاب الزهد و الرقائق، باب(١٦) "التثبت في الحديث، وحكم كتابة الحديث"

مجھ سے قرآن کے علاوہ دوسری چیز نہ لکھواور جو لکھا ہے اس کو محو کر دو!(۱)

حضرت ابوبکر کے زمانہ میں تدوین حدیث پر پابندی!!

۱۔ایک مرتبہ ابوبکر نے وفات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد لوگوں کو جمع کیا اور کہنے لگے: اے لوگو! تم احادیث کو نقل کرتے ہو اور کبھی تمہارے درمیان اختلاف ہو جاتا ہے لہٰذا اگر یہی حالت جاری رہی تو آئندہ مسلمانوں کے درمیان ایک شدید اختلاف ہو جائے گا، چنانچہ آج سے حدیث نقل کرنا ممنوع قرار دیا جاتا ہے، اگر کسی نے تم سے اس بارے میں معلوم کیا تو اس سے کہہ دو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان قرآن کافی ہے، جسے قرآن نے حلال کیا ہے اسے حلال سمجھو اور جسے حرام قرار دیا ہے اسے حرام جانو۔(۲)

۲۔حضرت عائشہ سے منقول ہے:

میرے پدر بزرگوار نے ایک مرتبہ پانچ سو حدیثیں جمع کیں اور ان سب کو میرے حوالہ کر دیا، لیکن ایک روز میں نے آپ کو دیکھا کہ بستر استراحت پر بے چینی کی حالت میں کروٹیں بدل رہے ہیں، میں نے صبح ہونے پر سبب پریشانی دریافت کیا تو آپ نے کہا: اے بیٹی عائشہ! وہ احادیث جو میں

---

(۱) قارئین کرام! اولاً: اس حدیث کا جعلی ہونا اس لئے واضح ہے کہ جب خلیفہ اول اور دوم نے نقل حدیث پر پابندی لگائی تو اس حدیث کا سہارا نہ لیا، بلکہ شیخین نے حدیث پر پابندی لگانے کیلئے نامعقول عذر پیش کئے، جیسا کہ اگلے صفحہ پر آپ ملاحظہ کریں گے، پس اگر متذکرہ حدیث واقعاً صحیح ہوتی تو شیخین اپنے مقصد کو آگے بڑھانے کیلئے اس حدیث سے بہترین طریقہ سے استفادہ کرتے اور الٹی سیدھی تاویلیں نہ کرتے۔ ثانیاً: اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو پھر اہل سنت کے بزرگ علماء جیسے صاحب کتاب الموطاء امام مالک، مسند کے مؤلف امام احمد بن حنبل، مؤلفین صحاح ستہ اور دوسرے صاحبان سنن و مسانید وغیرہ اس حدیث کو پس پشت ڈال کر خود حدیثیں جمع نہ کرتے بلکہ اس حدیث کے مفہوم کے مطابق ویسا ہی کرتے جو خلفاء نے کیا تھا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ علمائے اہل سنت نے احادیث رسول نقل کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور حدیثوں کی کافی ضخیم ضخیم کتابیں لکھیں، لہٰذا علمائے اہل سنت کے اس مسلسل عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک متذکرہ حدیث یا قابل قبول نہیں ہے، یا پھر اس کو کسی خاص مورد میں منحصر قرار دیا گیا ہے۔

(۲) تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، الطبقۃ الاولی من الکتاب، ۱-ذکر ابو بکر الصدیق، ص ۵.

نے تیرے حوالے کی ہیں ان کو لے آ ؤ، جب میں ان حدیثوں کو لائی تو آپ نے آگ جلانے کا حکم دیا اور جب آپ کے حکم کے بموجب آگ روشن ہوگئی تو آپ نے ان سب حدیثوں کو آگ میں جلا دیا اور اس عمل کی توجیہہ کرتے ہوئے مجھ سے یوں کہنے لگے: اے عائشہ! میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ مر جاؤں اور تیرے پاس یہ حدیثیں رہ جائیں اور میں روز قیامت اس کا جواب دہ ہوں ، کیونکہ ان حدیثوں کے اندر کچھ ایسی حدیثیں بھی ہیں جن کو میں نے اپنی سمجھ میں تو صالح اور معتمد افراد سے اخذ کیا ہے لیکن ممکن ہے وہ لوگ درحقیقت صالح اور معتمد نہ ہوں جن کی وجہ سے روز قیامت مجھ سے باز پرس ہو!! (۱)

واضح رہے کہ خلیفہ اول ایک طرف تو حدیث نقل کرنے کے سلسلے میں قول کے ذریعہ سختی سے پابندی لگاتے ہیں اور حدیث نقل کرنا بالکل ممنوع قرار دے دیتے ہیں اور دوسری طرف عملاً حدیثوں کو جمع کر کے نذر آتش کر دیتے ہیں! چنانچہ خلیفہ اول کے اس رویہ سے مسلمانوں کے درمیان خصوصاً ناقلین و حافظین حدیث پر نہایت ہی برا اثر ظاہر ہوا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ناقلین و کاتبین نے تین سال تک بالکل حدیث لکھنا اور بیان کرنا بند کر دیا! اور مسلمانوں کی توجہ صرف قرآن پر بغیر کسی ترجمہ، تفسیر و تشریح کے رہی اور خلیفہ اول کے حکم کے مطابق ان کے بحث و مباحثہ صرف قرآنی آیات پر مرکوز ہوتے اور بس۔

نقل حدیث پر حضرت عمر کی پابندی!!

حضرت عمر ابن خطاب کی خلافت کے دس سالہ دور (۲) میں موصوف کی سختی اور تشدد کی بنا پر حدیث کے نقل نہ کرنے و بیان اور نہ لکھنے پر اور زیادہ سختی کے ساتھ عمل کیا گیا، کیونکہ حضرت عمر نے حدیث رسول نقل کرنے اور لکھنے کو خالی زبان سے ہی منع نہیں کیا بلکہ آپ نے اپنے اس نظریہ پر عمل کرانے کیلئے قوت و غلبہ کا بھی سہارہ لیا۔

---

(۱) تذکرة الحفاظ ،جلد ۱،الطبقة الاولی من الکتاب ، ۱ - ابو بکر الصدیق ،ص ۳ .

(۲) حضرت عمر نے دس سال چھ مہینے چار دن حکومت کی ہے۔

۱۔مشہور صحابی قرظہ بن کعب(۱) کہتے ہیں:

جب حضرت عمر مجھے عراق بھیجنے لگے تو وہ مجھے مقام "صرار" تک رخصت کرنے آئے، درمیان راہ انھوں نے مجھ سے کہا: اے قرظہ! جانتے ہو کہ میں یہاں تک تمہارے ساتھ کیوں آیا ہوں؟ میں نے کہا: میرے احترام اور تکریم کی غرض سے آئے ہیں، حضرت عمر نے کہا: ہاں، مگر تکریم کے علاوہ یہاں تک آنے کی ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ کہ تم ایسے شہر میں جارہے ہو جہاں کے باشندوں نے مسجدوں اور انجمنوں کو قرآن خوانی کی آوازوں سے مملو کر رکھا ہے جیسے چھتے میں شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ گونج رہی ہو، لہٰذا تم حدیث رسول نقل کر کے وہاں کی اس فضا کو خراب نہ کر دینا! دیکھو! تم رسولؐ کے کلام کا لوگوں کے درمیان کم ہی استعمال کرنا اور میں بھی تمہاری حتی الامکان اس سلسلہ میں مدد کروں گا!!

چنانچہ قرظہ جب شہر کوفہ پہنچے اور اہل کوفہ نے ان سے حدیث رسولؐ بیان کرنے کی فرمائش کی تو انھوں نے جواب میں کہا: مجھے نقل حدیث سے حضرت عمر نے منع کیا ہے: **"نهانا عمر بن الخطاب"**۔(۲)

۲۔ذہبی سے روایت ہے کہ ایک روز ابو سلمہ نے ابو ہریرہ سے پوچھا:

کیا تم حضرت عمر کے زمانے میں بھی اسی طرح حدیث نقل کرنے میں آزاد تھے؟! ابو ہریرہ نے کہا: اگر میں عمر کے زمانے میں اس طرح حدیث نقل کرتا تھا تو وہ میرا جواب اپنے تازیانہ سے دیتے تھے۔(۳)

۳۔عمر اصحاب رسول پر حدیث نقل کرنے کے سبب بڑی سختی کرتے تھے اور اس بارے میں عجیب عجیب بہانے کرتے تھے، چنانچہ جب ابو موسیٰ اشعری نے (مکان میں داخل ہوتے وقت مالک

(۱) آپ کا رسولؐ کے ممتاز صحابہ میں شمار ہوتا ہے، آپ نے جنگ احد اور دیگر جنگوں میں رسولؐ کے ساتھ مخالفین اسلام سے جنگ کی اور کتاب "الاصابہ" میں آیا ہے: قرظہ بن کعب ہی کوفے میں وہ پہلے شخص تھے جو رسولؐ کی وفات پر نوحہ کناں ہوئے.

(۲) مستدرک حاکم ج ۱، امر عمر بتجريد القرآن و تقليل الرواية ص ۱۰۲. سنن ابن ماجه ج ۱، باب [۳]التوقى فى الحديث عن رسول الله، ص ۱۲. الطبقات الكبرى ابن سعد ج۶، "تسمية من نزل الكوفة من اصحاب رسول الله" ص۷. جامع بيان العلم ج۲، ذكر من ذم الاكثار من الحديث دون التفهم ص۱۴۷. سنن دارمى ج ۱، باب" من هاب الافتيا مخافة السقط ص۸۵، تذكرة الحفاظ ج ۱، عمربن الخطاب ص۳.

(۳) تذكرة الحفاظ جلد ۱، ذكرعمربن الخطاب ص۷.

سے اجازت لینے سے متعلق حدیث) نقل کی تو عمر نے کہا: اے ابوموسیٰ اشعری! اگر تم نے اس پر کوئی شاہد نہیں پیش کیا تو میں تمھیں بہت ماروں گا اس پر جناب ابومنذر نے اعتراض کرتے ہوئے فرمایا: **"فلاتکن یا بن الخطاب عذاباً علیٰ اصحاب رسول اللہ"** (۱)

اے خطاب کے بیٹے! رسول خداؐ کے اصحاب کے لئے عذاب مت بن!!

۴۔ تین جلیل القدر صحابی ابن مسعود، ابو درداء اور ابومسعود انصاری کو حضرت عمرؓ نے حدیث رسول بیان کرنے پر مدینہ میں نظر بند کردیا تھا، چنانچہ یہ لوگ اس کے قتل ہونے تک مدینہ میں نظر بندی کی زندگی گزارتے رہے۔ (۲)

حاکم کہتے ہیں: جن صحابہ کو عمرؓ نے حدیث بیان کرنے پر نظر بند کردیا تھا ان کے نام یہ ہیں: ابن مسعود، ابو درداء، وابوذر۔ ۳)

۵۔ نقل حدیث پر اس سختی اور ممنوعیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحابی رسولؐ سائب بن یزید متوفی ۸۰ھ کہتے ہیں:

''میں نے سعد بن مالک بن سنان بن عبید (۴) کے ساتھ مدینہ سے لے کر مکہ تک سفر کیا مگر انھوں نے ایک بھی حدیث دوران سفر بیان نہیں کی''۔ (۵)

---

(۱) صحیح بخاری، ج۶، کتاب الاستیذان، باب (۱۲) "التسلیم والاستیذان ثلاثا" حدیث ۵۸۹۱.

نوٹ: صحیح مسلم: کتاب الآداب، باب "الاستیذان" حدیث ۲۱۵۴، یہ حدیث کتاب الاداب باب "الاستیذان" حدیث نمبر ۳۷، (جملہ 'فلاتکن یا ابن الخطاب عذاباً ...الخ) ھے صرف صحیح مسلم میں دو طریق سے نقل کیا گیا ہے صحیح بخاری میں نہیں ہے. مترجم.

(۲) تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، عمر ابن الخطاب. ص ۷. مجمع الزوائد جلد ۱، کتاب العلم، باب "الامساک عن بعض الحدیث" ص ۱۴۹.

(۳) مستدرک الحاکم ج ۱، کتاب العلم، "حبس عمر ابن مسعود وغیرہ...علی کثرۃ الروایۃ" ص ۱۱۰.

(۴) سعد بن مالک استیعاب کے نقل کے مطابق علمائے انصار سے تھے اور انہوں نے رسولؐ سے بہت زیادہ حدیثیں حفظ کر رکھیں تھیں۔ استیعاب جلد ۲، حرف السین باب [۳] سعد، ص ۴۶.

(۵) سنن ابن ماجہ ج ۱، حدیث ۲۹، باب [۳] "التوقی فی الحدیث عن رسول اللہ ﷺ"، ص ۱۲.

۶ . عن الشعبی ؛ جالست بن عمر سنة فما سمعته یحدث عن رسول الله ،شیئا"

شعبی کہتے ہیں:

میری عبداللہ ابن عمر کے ساتھ ایک سال نشست و برخاست رہی موصوف نے پورے سال ایک بھی حدیث نقل نہیں کی۔ (۱)

---

(۱) الطبقات الکبری، ابن سعد ج۴،عبد الله بن عمر ، ص۱۴۵ . سنن ابن ماجه ج ۱ ،حدیث ۲۵ ،باب[۳] التوقی فی الحدیث عن رسول اللهﷺ . ۱ لطبقات الکبری جلد ۵، ص۱۸۸ .

صحیح بخاری جلد ۶ ،کتاب اخبار الآحاد قبل از کتاب الاعتصام، باب(۶) "خبر المرأة الواحدة" حدیث۶۷ ۷۲.

نوٹ:۔۱. عمر نے اپنے دور خلافت میں بہت سے اصحاب کو حدیث نقل کرنے پر اذیت دی تھی تاریخ یعقوبی وکتب ھائے تاریخی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں مثلاً حضرت ابوذر کو صرف نقل حدیث کرنے پر شہر بدر کیا اور عمار یاسر کو نقل حدیث کے جرم میں اس قدر مارا کہ آپ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔انساب الاشراف بلاذری ج ۵ ص۴۹ .تاریخ یعقوبی جلد ۲،ایام عثمان بن عفان،ص۱۷۱مترجم.

۲. عبدالعلاء نے قاسم بن محمد بن ابی بکر سے نقل کیا ہے: جب عمرؓ کے زمانہ میں احادیث کی جمع آوری کافی حد تک بڑھ گئی تو عمر نے لوگوں سے کہا کہ تمام حدیثوں کو جمع کر کے میرے پاس لے آؤ، جب لوگ حدیثوں کو جمع کر کے حضرت عمر کے پاس لائے تو آپ نے سب کو جلادیا!!!اور کہنے لگے:لامثناۃ کمثناۃ اہل کتاب:اہل کتاب کے مانند دو گانگی نہیں چاہیئے، یعنی اسلام میں قرآن کے مقابل کوئی کتاب نہیں ہوگی،جیسا کہ علماء یہود ونصاری کی کتابیں توریت وانجیل کے برابر میں پائی جاتی ہیں۔ا لطبقات الکبری جلد۵،ص۱۸۸ .

۳. امام بخاری شعبی سے نقل کرتے ہیں:عنبری کہتے ہیں کہ حسن نے فرمایا: میں نے عبداللہ ابن عمر کے ساتھ دو یا ڈیڑھ سال نشست و برخواست کی،مگر اس حدیث کے علاوہ کوئی دوسری حدیث نہیں سنی کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کو گوہ کا گوشت کھانے کھلانے کی سفارش فرمائی، کیونکہ وہ حلال ہے، راوی کہتا ہے: یا رسول اللہ نے فرمایا: گوہ کا گوشت کھانا حلال ہے یا پھر کھانے میں کوئی حرج نہیں، البتہ گوہ کا گوشت میری غذا نہیں ہے!!

صحیح بخاری جلد ۶ ،کتاب اخبار الآحاد قبل از کتاب الاعتصام، باب(۶) "خبر المرأة الواحدة" حدیث ۶۷ ۷۲.

حضرت عمر کا ایک نامعقول عذر

ابن سعد اپنی کتاب ''الطبقات'' میں لکھتے ہیں:

''...... اراد عمر بن الخطاب ان یکتب السنن فاستخار اللہ شھرا ثم اصبح و قد عزم له فقال ذکرت قوما ...''

ایک مرتبہ عمرؓ نے فیصلہ کیا کہ احادیث وسنن لکھنے کا لوگوں کو حکم دیں اور اس سلسلے میں دیگر اصحاب کرام سے مشورہ کیا تو تمام صحابہ نے پرزور تائید کی، لیکن حضرت عمر اس کے باوجود ایک ماہ تک پس وپیش میں رہے کہ حکم جاری کریں یا نہیں، اس کے بعد ایک روز لوگوں کے درمیان آئے اور کہنے لگے:

میں خود احادیث کی کتابت اور اس کے بیان کرنے میں پیش قدمی کرنا چاہتا تھا مگر بعد میں جب میں نے سوچا تو اس نتیجہ تک پہنچا کہ گزشتہ زمانہ میں اہل کتاب نے خدا کی کتاب کے علاوہ دوسری کتابیں بھی لکھیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کتاب خدا لوگوں نے ترک کردی اور صرف اُن کتابوں کو لے کر بیٹھ گئے لہٰذا میں نہیں چاہتا کہ کتاب خدا کے علاوہ دوسری کوئی کتاب وجود میں آئے اور خدا کی کتاب میں دوسری چیزیں مل جائیں، چنانچہ اس کام سے اب میں منصرف ہوگیا ہوں۔(۱)

عہدِ عثمان میں نقل حدیث

حضرت عثمان کی خلافت کا بارہ سالہ دور حکومت تاریخ اسلام کا وہ تاریک اور بدنما دور ہے جس میں دنیا پرستی، حق کشی، ظلم، تعدی اور سرکشی بام عروج تک پہنچ گئی، اس دور میں بیت المال سے، غریبوں اور مسکینوں کا حق ان لوگوں کو دیا جاتا جن کا کوئی استحقاق نہ ہوتا تھا، صرف اس لئے کہ وہ خلیفہ کے خاندان اور رشتہ داروں میں شمار ہوتے تھے! چنانچہ خلیفہ کے درباری اور آپ کے حوالی موالی بیت المال کا مال لوٹ کھسوٹ کر لکھپتی اور خوشحال بن گئے اور انھوں نے اپنے بڑے بڑے فلک شگاف محل بنالئے، مگر افسوس کہ ان ہی محلوں

---

(۱) الطبقات الکبری، ابن سعد ج۳، ذکر استخلاف عمر ص۲۸۷. ابو طالب مومن قریش، ص ۳۰۲.

کے اردگرد مسلمان غرباء و مساکین بھوکے پیاسے سو کر سویرا کرتے تھے!! اور جو اصحاب رسولؐ دیندار اور لائق تھے ان کو مقام قضاوت و امارت سے برکنار کردیا گیا اور ان کی جگہ عظیم اسلامی حکومت چلانے کیلئے ولید و مروان جیسے نااہل اور بدکردار افراد کو بٹھا دیا گیا!! یہی نہیں بلکہ اصحاب رسولؐ کو حکومت کے ساتھ تعاون نہ کرنے، قرآن کریم کی تلاوت اور حدیث رسول نقل کرنے کے جرم میں کہ جس میں ظاہر ہے عثمان کی روش پر تنقید ہوتی تھی ذلیل و رسوا کیا جاتا اور سخت سے سخت سزا دی جاتی تھی!!

جی ہاں! حضرت عثمان کے دور حکومت میں نہ تنہا احادیث کو چھوڑ دیا گیا بلکہ آیات قرآن مجید پر بھی کوئی توجہ نہیں دی گئی یہاں تک کہ قرآن کے قاری اور احادیث نقل کرنے والوں کو ویرانوں کی طرف شہر بدر کردیا گیا!! اور بعض صحابہ کو قید میں ڈال دیا گیا اور بعض کو کوڑے اور تازیانے مار کر حدیث نقل کرنے سے روکا گیا! چنانچہ جناب ابوذر جیسے زاہد صحابی کو شام اور وہاں سے ربذہ کے صحرا کی طرف شہر بدر کردیا، عبداللہ ابن مسعود اور عمار یاسر کو اتنی شدت سے مارا پیٹا گیا کہ آپ بے ہوش ہوگئے اور آپ کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں!!(۱) خلاصہ یہ کہ عثمان نے بھی حدیث کے بارے میں وہی روش اپنائی جو سابقہ خلفاء نے اپنائی تھی چنانچہ موصوف نے بالائے منبر یہ اعلان کیا کردیا تھا:

"لا یحل لاحد ان یروی حدیثاً عن رسول اللہ ﷺ، لم اسمع بہ فی عھد ابی بکر ولا عھد عمر" (۲)

کسی کو حق نہیں کہ عہد ابوبکر و عمر میں میری سنی ہوئی حدیثوں کے علاوہ دوسری حدیثوں کو بیان کرے۔

---

(۱) اس کی مزید معلومات کے لئے کتاب الغدیر ج۸ اور ۹ کی طرف رجوع کیجئے۔

(۲) قبول الاخبار، بحث : فی ترک قبول ما یخالف الکتاب والسنۃ والعقل، "ماجاء عن النبی و عن السلف ص ۲۹ . مسند امام احمد بن حنبل ج ۱ ص ۳۶۳ . کتاب" السنۃ قبل التدوین، احتیاط الصحابۃ والتابعین فی رؤیۃ الحدیث ص ۹۷" سے نقل کردہ. پانچواں ایڈیشن، ۱۹۸۱ء، دار الفکر، بیروت لبنان. طبقات ابن سعد ج ۲، ذکر من کان یفتی بالمدینۃ ویقتدی بہ من اصحاب رسولؐ، ص ۳۳۶.

جعل احادیث اور معاویہ

معاویہ کے چالیس سالہ دور حکومت خصوصاً آخر کے پچیس سال(۱) میں حدیثیں گڑھنے کے لحاظ سے کافی اہم ہیں گزشتہ خلفاء کے زمانہ کی نسبت اس وقت اس کے اسباب ومحرکات بھی زیادہ تھے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مولائے متقیان کی ظاہری خلافت کے زمانہ میں کافی دنوں کے بعد مسلمان آپؑ کی خلافت پر ٹوٹ کر جمع ہوئے تھے اور انھیں آپ کی طرف توجہ ہوئی تھی، لہٰذا امیر المومنینؑ کی بے پناہ کوشش اور سعی کے بعد مسلمانوں میں قدرے بیداری پیدا ہوئی اور صحیح احادیث کے صحیفے نقل ہونے لگے، نتیجہ یہ ہوا کہ جمع حدیث پر گزشتہ خلفاء کی عائد کردہ پابندی ختم ہوگئی اور حضرت علی علیہ السلام کی محنتوں اور کاوشوں کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان نقل وکتابت حدیث کا ایک اچھا ماحول پیدا ہوگیا، لیکن صحیح احادیث کا نقل کیا جانا چونکہ معاویہ جیسے افراد کی طینت اور اس کے جاہ وحشمت کی ہوس کے خلاف تھا، لہٰذا لازم تھا کہ ان صحیح حدیثوں کے مقابلہ میں جھوٹی حدیثیں گڑھی جائیں، تاکہ معاویہ ان کے ذریعہ پوری طرح سیاسی فائدہ اٹھا سکے اور مسلمانوں کے درمیان صحیح احادیث کا سمجھنا دشوار ہوجائے، چنانچہ معاویہ نے اپنے مخصوص مکروفریب کے سہارے مقصد کے حصول کیلئے دوجہت سے احادیث پر کام شروع کیا، ایک طرف تو یہ اعلان کردیا:

''ان تمام حدیثوں کا نقل کرنا ممنوع قرار دیا جاتا ہے جو عہد عمر میں نقل نہ ہوئیں ہوں''(۲)

اور دوسری طرف معاویہ نے ان لوگوں کو وافر انعام سے نوازا کہ جن لوگوں نے عثمان اور دیگر صحابہ کی شان میں جھوٹی حدیثیں جعل کیں انھوں نے دادودہش کے ذریعہ اپنے ہمنوا افراد بنانے شروع کئے اور جھوٹی حدیثوں کے گڑھنے کیلئے لوگوں کی تشویق کی۔

اب ہم ذیل میں ابوالحسن مدائنی کا وہ قول اختصار کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ جس میں انھوں نے ان موارد کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جن سے پتہ چلتا ہے معاویہ نے صحیح حدیثوں کے نقل ہونے پر پابندی لگائی،

---

(۱) موت عثمان ۳۵ھ سے موت معاویہ ۶۰ھ تک

(۲) صحیح مسلم: ج۳، کتاب الزکلة، باب(۳۳)"النهی عن المسئلة" ح۱۷۱۹، ج ۵، کتاب المساقات، باب(۱۵)"الصرف وبیع الذهب..." ح۱۵۸۷، ص۷۰۱. (ایک جلدی صحیح مسلم).

اور جھوٹی حدیثوں کو گڑھوایا۔(۱)

موصوف اپنی کتاب ''الاحداث'' میں تحریر کرتے ہیں:

معاویہ نے ایک حکم نامہ میں اپنے تمام گورنروں کو لکھا کہ جو لوگ ابوتراب (علی علیہ السلام) اور آپ کے خاندان کی فضیلت کے بارے میں حدیثیں لکھتے ہیں ان سے میں اپنی حمایت اٹھاتا ہوں اور میں ان سے بری الذمہ ہوں، ان کی جان و مال کی حفاظت میری اسلامی مملکت پر عائد نہیں ہوتی، اس حکم کا پہنچنا تھا کہ پوری نام نہاد اسلامی مملکت میں واعظین و خطباء نے بالائے منبر جا کر مولا علیؑ پر لعن و طعن شروع کر دی اور آپ کے خاندان کے خلاف اتہام کا بازار گرم دیا، چاروں طرف شیعیان علیؑ پر ظلم و ستم کا آغاز ہو گیا، لیکن اس سلسلہ میں اہل کوفہ سب سے زیادہ مصیبت و بدبختی کا نشانہ بنے، کیونکہ اس وقت کوفہ میں سب سے زیادہ شیعہ تھے لہٰذا ابوسفیان کے بیٹے کا دباؤ اسی شہر پر زیادہ تھا، چنانچہ کوفہ کی گورنری زیاد ابن سُمیہ کے سپرد کی گئی اور بصرہ کو بھی اس کے ماتحت قرار دے دیا گیا، جب زیاد نے دیکھا کہ معاویہ اس کے اوپر بہت زیادہ مہربان ہے اور بے انتہا محبت کرتا ہے تو اس نے بھی شیعیان علیؑ کو ہر گوشہ و کنار سے چن چن کر قتل کرنا شروع کر دیا، ان کے پاؤں کاٹ دیئے جاتے اور ان کی آنکھیں نکال لی جاتیں، نتیجہ یہ ہوا کہ شیعیان علیؑ خوف و ہراس کے مارے گوشہ نشین ہو گئے اور کوئی بھی دفاعی حیثیت میں سامنے نہ آیا اور کثیر تعداد میں شیعوں کے گروہ عراق سے فرار ہو کر دور دراز علاقوں میں پوشیدہ ہو گئے اور لوگوں کے سامنے اپنے عقائد کو مخفی رکھنے لگے، خلاصہ یہ کہ کوفہ اہل بیت علیہم السلام کے چاہنے والوں سے خالی ہو گیا۔

علامہ مدائنی آگے تحریر کرتے ہیں:

معاویہ نے اپنے تمام نمائندوں اور کارندوں کو حکم دیا کہ شیعیان علی علیہ السلام کی گواہی قبول نہ کی جائے،

---

(۱) ابوالحسن مدائنی (جو ۹۰ رسال کی عمر میں ۲۲۵ھ میں فوت ہوئے) اہل سنت کے ایک جید عالم دین ہیں آپ نے متعدد کتابیں تالیف کی ہیں مثلاً'' خطب النبی و الاحداث، کتاب خطب امیر المومنین و کتاب من قتل من الطالبین، کتاب الفاطمیات''، ابن ابی الحدید نے بھی اپنی کتابوں میں ان سے بہت مطالب نقل کئے ہیں.

اور جو لوگ عثمان یا ان کے خاندان کی فضیلت بیان کریں ان کا احترام کیا جائے اور انھیں وافر انعامات سے نوازا جائے اور ایسے افراد کو دربار امیر شام میں تزک واحتشام کے ساتھ حاضر کیا جائے ،لہٰذا معاویہ کے دستور کے مطابق تمام گورنروں نے ان لوگوں کا ماہانہ وظیفہ معین کر دیا جو عثمان اور اس کے خاندان کے فضائل بیان کرتے ،اس طرح عثمان کے فضائل کا ایک ڈھیر لگ گیا۔

اس کے بعد مدائنی کہتے ہیں:

معاویہ کی اس تشویق اور وافر انعامات کی وجہ سے پوری اسلامی مملکت میں حدیث گڑھنے کا بازار گرم ہوگیا، چنانچہ نبی اکرمؐ کی زبان سے ہر مردود اور مبغوض شخص جو معاویہ کے کسی نہ کسی گورنر کے پاس عثمان کی شان میں حدیثیں گڑھ کر لاتا وہ اسے بغیر کسی چون و چرا کے قبول کر لیتا! اور اس کا نام فوراً انعامات کے رجسٹر میں لکھ دیا جاتا! دربار معاویہ میں ایسے شخص کے لئے سفارش کر دی جاتی اور ایسے لوگوں کے بارے میں کی گئی سفارش کبھی رد نہ کی جاتی۔

جعل حدیث کے بارے میں معاویہ کا دوسرا حکم نامہ

پھر علامہ مدائنی تحریر کرتے ہیں:

''کچھ مدت گزرنے کے بعد معاویہ نے دوسرا خط اپنے گورنروں کے نام لکھا جس میں یہ تحریر تھا: عثمان کے بارے میں اب احادیث بہت ہوگئی ہیں اور کافی حد تک اسلامی ممالک میں نشر بھی ہوچکی ہیں، لہٰذا آئندہ آپ حضرات ابوبکر وعمر و دیگر صحابہ کے بارے میں احادیث نقل کرنا شروع کر دیں، خصوصاً اگر کوئی بھی حدیث علیؑ کے فضائل میں نظر آئے تو اس کے مشابہ ابوبکر وعمر کی شان میں احادیث جعل اور نقل کرو اور تمہارا یہ کام میری آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہونے کے ساتھ ابوترابؑ کی شخصیت کو مجروح کرنے کے لئے بہترین طریقہ ہے، اسی طرح یہ طریقہ ان کے شیعوں کی بیخ کنی کا سبب بھی ہے، میرے خیال میں علیؑ اور شیعیان علیؑ کو تکلیف پہنچانے کیلئے یہ کام عثمان کے فضائل نقل کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔

جب اس مضمون کا خط لوگوں کے سامنے پڑھا گیا تو بہت ہی کم مدت میں ابوبکر و عمر کی شان میں حقیقت سے پرے جھوٹی حدیثوں کے انبار لگ گئے اور لوگوں نے ایسی حدیثوں کے نقل اور نشر کرنے میں حتی الامکان پوری کوشش کی، یہاں تک کہ ان گڑھی ہوئی حدیثوں کو خطباء و واعظین نماز کے بعد بالائے منبر بیان کرنے لگے خصوصاً نماز جمعہ کے خطبوں میں حضرت ابوبکر و عمر و دیگر صحابۂ کرام کے فضائل و مناقب میں حدیثیں بیان ہونے لگیں، حتیٰ کہ بچوں کو بھی تعلیم دینے کا حکم دے دیا گیا، چنانچہ بچے قرآن مجید کی مانند ان صحابہ کے فضائل کی جھوٹی حدیثیں حفظ کرتے، یہی نہیں بلکہ جعلی احادیث کے حفظ کرنے کا رواج بچوں، عورتوں، غلاموں اور کنیزوں میں بھی جاری ہو گیا، اس طرح آہستہ آہستہ تمام اسلامی ممالک میں جعلی روایتوں کا ایک ڈھیر ہو گیا''!!

معاویہ کا تیسرا اور چوتھا حکم نامہ

اس کے بعد علامہ مدائنی کہتے ہیں:

''جب خلفائے ثلاثہ کے مناقب وفضائل میں کافی حدیثیں وضع ہوگئیں تو معاویہ نے اپنے گورنروں کے نام تیسرا خط لکھا جس کی عبارت یہ تھی: آپ لوگ جسے بھی علیؑ و خاندان علیؑ کی دوستی میں متہم پائیں اس کا نام بیت المال کے رجسٹر سے فوراً کاٹ دیں اور اس کا حصہ بیت المال سے حذف کر دیا جائے۔

اس کے فوراً بعد چوتھا خط ارسال کیا جس کا مضمون یہ ہے: جو بھی علی کی دوستی میں متہم پایا جائے اس کے ساتھ سختی کی جائے اور اس کے گھر کو ویران کر دیا جائے تا کہ دوسرے لوگ اس سے عبرت حاصل کریں۔''

((روی ابو الحسن علی بن محمد بن ابی سیف المدائنی فی کتاب الاحداث...))

مدائنی کہتے ہیں:

''اس حکم کے آتے ہی سب سے زیادہ مصیبتوں کے پہاڑ اہل عراق بالخصوص اہل کوفہ پر توڑے

گئے، معاویہ کے نمک خوار افراد کی ظلم و زیادتی کی وجہ سے شیعیان علیؑ اگر ایک دوسرے کے گھر جاتے بھی تو صاحب خانہ اپنے مہمان سے بات کرنے سے گھبراتا کہ کہیں نوکروں وغیرہ کے ذریعہ یہ راز فاش نہ ہوجائے اوراس کی گردن نہ اڑادی جائے، چنانچہ پہلے گھروں کے خادم وغیرہ کو اعتماد میں لاتے کہ وہ اس بات کو کسی سے نہیں کہیں گے تب کلام کرتے!!اس طرح مولا علیؑ کی شان میں جوحدیثیں تھیں وہ ایک دوسرے کے پاس کما حقہ نہ پہنچ سکیں اوران کی جگہ معاویہ کی طرف سے حضرت علیؑ اورآپ کے خاندان کے بارے میں حقیقت سے دور جوحدیثیں جعل کی گئی تھیں وہ عام ہوگئیں، چنانچہ قاضی، محدثین اور حکام وقت سبھی جعلی اورخرافاتی حدیثوں کی پیروی کرتے!!اور سب سے بڑامرحلہ مومنین کے امتحان کا ریا کار اور ضعیف الاعتقاد محدثین تھے جو مومن و عابد کا لباس زیب تن کئے ہوئے تھے لیکن اندر سے حکام جور سے قریب ہونے کی خاطر مال دنیا کے لالچ میں جھوٹی حدیثیں گڑھا کرتے تھے!اس طرح ایک زمانہ تک یہ غلط رسم جاری رہی، یہاں تک کہ یہ جھوٹی اورجعلی حدیثیں دیندار، متقی اور پرہیزگارافراد کے ہاتھ تک بھی پہنچ گئیں جو جھوٹ اور بہتان سے بیزار تھے، لیکن اپنی سادہ اندیشی اورحسن عقیدت کی وجہ سے انہوں نے جعلی حدیثوں کو صحیح حدیثیں سمجھتے ہوئے دوسروں سے نقل کردیا، کیونکہ یہ لوگ حقیقت تک پہنچنے سے قاصر تھے، اگر انھیں اس بات کی اطلاع ہوجاتی تو وہ ان حدیثوں کے نقل کرنے سے ضرور گریز کرتے''۔(۱)

حدیث رسولؐ کی سرگزشت اورخلفائے بنی امیّہ!

علامہ مدائنی نے حکومت معاویہ کے دورکو تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد عبدالملک بن مروان کی ۲۱ رسالہ حکومت کے دور میں شیعیان علیؑ پر کئے گئے مظالم کی طرف اشارہ کیا ہے جو معاویہ سے ظلم وتعدی میں دو ہاتھ آگے تھا، چنانچہ موصوف عبدالملک بن مروان کے ایک خونخوار گورنر حجاج بن یوسف کے شیعوں پر کئے گئے

(۱) شرح نهج البلاغه ابن ابی الحدید ج ۱۱، خطبة ۲۰۳ "فقال عليٌ: ان في ايد الناس حقاوباطلا وصدقا و كذبا... ص۴۴ سے ۴۶ تک.

مظالم کے بارے میں اس طرح اشارہ کرتے ہیں:

''ایک مرتبہ حجاج بن یوسف کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا: میرے ماں باپ میرے اوپر عاق ہوگئے ہیں کیونکہ انھوں نے میرا نام علی رکھا ہے لہٰذا فی الحال میں فقیر ہوں اور تیرے انعام واکرام کا محتاج ہوں، حجاج یہ سن کر مسکرانے لگا اور کہا: تیرے اچھے کلام کی وجہ سے میں تجھے فلاں شہر کا امیر بناتا ہوں''!!(۱)

تدوین حدیث کے سلسلے میں سب سے پہلا قدم

حضرت پیغمبر ﷺ کی جانگداز وفات کے بعد حدیث کی جو حالت اور سرگزشت تھی وہ آپ نے ملاحظہ فرمائی، لیکن خلفائے بنی امیہ چونکہ عیاشی اور شہوت پرستی میں مبتلا رہے لہٰذا موضوع حدیث یا بالفاظ دیگر موضوع معنویت بھی گوشۂ فراموشی میں پڑا رہا اور چونکہ علماء اور محدثین خلفاء کے زیر اثر تھے لہٰذا دین وقرآن مسلمانوں میں فقط برائے نام رہ گیا تھا۔

دوسری طرف خلفائے راشدین کو معیار عمل قرار دینے کی وجہ سے تدوین وکتابت حدیث کی کسی کو فکر نہ تھی یہ دور اسی طرح جاری وساری رہا یہاں تک کہ عمر بن عبدالعزیز کی حکومت وجود میں آئی (۹۹ تا ۱۰۱ سن ہجری) عمر بن عبدالعزیز کی حکومت اگر چہ بہت کم مدت رہی لیکن اس نے اپنی حکومت کے دور میں چند بہت ہی مفید کام انجام دئے، ان میں سے ایک کام یہ تھا کہ گزشتہ خلفاء کی حدیث کے سلسلے میں بے جا روش کو لغو قرار دے کر کتابت وتدوین حدیث کا حکم نافذ کردیا۔

امام بخاری نقل کرتے ہیں:

عمر ابن عبدالعزیز نے اپنے مدینہ کے گورنر ابوبکر بن حزم کو حکم دیا کہ حدیث کو باقاعدہ حکومتی پیمانہ پر لکھا جائے اور اس خط میں احادیث کے ضائع ہونے کے سلسلے میں اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔(۲)

---

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱۱، خطبۃ ۲۰۳ " فقال علیؑ: ان فی اید الناس حقاوباطلا وصدقا وکذبا..." ص ۴۶.

(۲) صحیح بخاری ج ۱، کتاب العلم، ب (۳۵) "کیف یقبض العلم".

عمر بن عبدالعزیز اور کتابت حدیث

علمائے اہل سنت کا ایک گروہ عمر بن عبدالعزیز کے حکم نامہ کو تدوین حدیث کی تاریخ یعنی پہلی صدی ہجری کے آخری یا دوسری صدی ہجری کے پہلے سال کو تدوین حدیث کا سال قرار دیتا ہے۔(۱)

البتہ مرحوم علامہ سید حسن صدر (متوفی ۱۳۵۴ھ) نے اس نظریہ کو دلیل اور تاریخی شواہد کے ساتھ ردّ فرمایا ہے، موصوف تحریر فرماتے ہیں:

''سب سے پہلے اہل سنت میں جس نے تدوین حدیث کا سلسلہ شروع کیا وہ مالک ہیں جنھوں نے کتاب موطأ کو ترتیب دیا اور یہ زمانہ ۱۳۶ھ سے ۱۵۸ھ، کے درمیان منصور دوانقی کی خلافت کا زمانہ تھا انہوں نے منصور کے حکم سے تدوین حدیث کا اقدام کیا اور ہماری اس بات کی مندرجہ ذیل چیزوں سے تائید ہوتی ہے:

۱۔عمر ابن عبدالعزیز کے دور حکومت میں تدوین حدیث کا کام اس لئے ممکن نہیں ہے کہ عمر بن عبد العزیز کا دور سلطنت دو سال پانچ مہینے سے زیادہ نہیں رہا لہٰذا اتنی کم مدت میں یہ کام ہونا مشکل تھا۔

۲۔حکم نامہ کے جاری ہونے کی تاریخ بھی مشخص نہیں ہے کہ اوائل خلافت میں جاری ہوا یا زمانۂ خلافت کے آخر میں۔

۳۔کسی بھی تاریخ سے یہ ثابت نہیں کہ ابوبکر بن حزم نے اس حکم نامہ پر عمل کیا ہو، چنانچہ کسی تاریخ میں ابن حزم کے نام پر کوئی کتاب نہیں پائی جاتی، لہٰذا اس نظریہ کے طرفدار حضرات ابن حزم کی طرف تدوین حدیث کی نسبت صرف اندازہ اور احتمال کی بنا پر دیتے ہیں جس کی حقیقت کچھ نہیں ہے۔

۴۔اگر اس حکم نامہ پر ابوبکر بن حزم عمل کرتے اور تاریخ تدوین مسلّم قرار پاتی تو ایک گروہ اس بات کا قائل کیوں ہے کہ دوسری صدی ہجری کے آخر میں تدوین حدیث کا سلسلہ شروع ہوا؟ جیسا کہ علم حدیث میں وسیع اطلاع رکھنے کے والے علامہ حافظ ذہبی صراحت کے ساتھ کہتے ہیں کہ سنن

---

(۱) فتح الباری جلد ۱، کتاب العلم، ب (۳۵) "کیف یقبض العلم" ص ۱۷۴، ابن حجر. مقدمۂ ارشاد الساری جلد ۱، کتاب العلم، باب (۳۵) "کیف یقبض العلم"، قسطلانی. تدریب الراوی ص ۴۰، جلال الدین سیوطی.

وفروع سب سے پہلے بنی امیہ کی حکومت کے زوال اور بنی عباس کے حکومت میں آنے کے بعد جمع ہوئے، اسی طرح صدر اول کے مورخین میں سے کسی نے بھی سیوطی اور ابن حجر کے نظریہ کی تصدیق نہیں کی ہے۔(۱)

مؤلف کی تحقیق

میں بھی مرحوم صدر کے نظریہ کی تائید کرتا ہوں کیونکہ ابن حجر کے نظریہ میں تذبذب اور اختلاف پایا جاتا ہے، اس لئے کہ ایک جگہ موصوف فرماتے ہیں:

"اول من جمع ذلک الربیع بن صبیح"

جس نے سب سے پہلے تدوین حدیث پر کام کیا ہے وہ ربیع ابن صبیح تھا۔ (۲)

اور دوسری جگہ اس طرح رقمطراز ہیں:

"اول ما دون الحدیث بن الشھاب الزھری ..."

ابن شہاب زہری پہلے شخص ہیں جنھوں نے عمر بن عبدالعزیز کے حکم کے مطابق پہلی صدی ہجری کے آخر میں تالیف کا کام شروع کیا۔(۳)

اور تیسری جگہ تحریر کرتے ہیں:

سب سے پہلے مؤلف ابن حزم ہیں۔ (۴)

علامہ فرید وجدی کہ جنھوں نے امام مالک کو اوّلین مؤلف قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:

"اول من الف الحدیث الامام مالک فی الموطاء......" (۵)

حدیث کے سب سے پہلے مؤلف امام مالک ہیں جنھوں نے موطاً تالیف کی۔

(۱) تاسیس الشیعہ ص۲۷۸. ۲۷۹.

(۲) ھدی الساری(مقدمة فتح الباری) ج ۱، "فصل : اول من جمع ذلک الربیع بن صبیح، ص ۴.

(۳) فتح الباری ج ۱، کتاب العلم، باب کتابة العلم ص۲۸۵.

(۴) فتح الباری ج ۱، کتاب العلم، باب" کیف یقبض العلم"ص ۱۷۴.

(۵) دائرة المعارف والقرن العشرین، مؤلفه فرید وجدی، جلد ۳، ماده حدث. ص ۳۶۱، ناشر: دائرة المعارف بیروت لبنان، تیسرا ایڈیشن .

اور بعض لوگوں نے ابن جریج (متوفی ۱۵۰ھ) کو پہلا مؤلف تحریر کیا ہے۔

کاتب چلپی کہتے ہیں:

''جس نے سب سے پہلے اسلام میں تالیف کا کام کیا وہ ابن جریج ہیں، ایک قول امام مالک کے سلسلہ میں بھی ہے، اسی طرح کچھ لوگ ربیع بن صبیح کے بارے میں بھی کہتے ہیں''۔(۱)

حافظ ذہبی ۱۴۳ھ کے واقعات وحوادث کے ذیل میں تحریر کرتے ہیں:

اسی سال علماء نے مکہ ومدینہ میں کتاب کی تالیف کا کام شروع کیا۔(۲)

ڈاکٹر احمد امین، عمر بن عبدالعزیز کے حکم نامہ کے سلسلے میں ایک تحقیقی بحث کے بعد کہتے ہیں:

''جس قدر ہم جانتے ہیں وہ یہ ہے: ابوبکر ابن حزم کا کوئی مجموعۂ تالیف اولین تالیف کے نام سے تاریخ میں نہیں پایا جاتا ہے، نہ ہی ہمارے قدیم مؤلفین نے اس کا اپنی کتابوں میں کوئی ذکر کیا ہے، جبکہ اگر اس نام کی کوئی کتاب موجود ہوتی تو یہ حدیث جمع کرنے والوں کیلئے سب سے اہم اور مستند، مدرک اور مرجع قرار پاتی اور یہ لوگ اپنی کتابوں میں اس کا حوالہ اور تذکرہ ضرور کرتے، اسی بنا پر عمر بن عبدالعزیز کے حکم نامہ کے صدور میں بعض مستشرقین نے شک وشبہ کا اظہار کیا ہے:

((ومن اجل هٰذاشک بعض الباحثين من المستشرقين فی هٰذاالخبر))

البتہ اس میں شک وشبہ نہیں ہونا چاہیئے کہ عمر بن عبدالعزیز کا حکم نامہ جاری کرنا قطعی اور یقینی ہے، لیکن اس پر عمل ہوا یا نہیں یہ مشکوک ہے، یعنی خود عمر بن عبدالعزیز کا دستور مشکوک نہیں ہے، چنانچہ ممکن ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کی موت جو حکم نامہ جاری کرنے کے فوراً بعد ہوئی، ابوبکر ابن حزم کے اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ ہو''۔(۳)

جیسا کہ قارئین کرام نے ملاحظہ فرمایا اہل سنت حضرات کے یہاں بھی اولین مؤلف کے بارے میں

(۱) حاجی خليفه ،المعروف به كاتب جلبی ؛كشف الظنون ،جلد اول، الفصل الرابع : فی اهل الاسلام و علومهم ،ص ۶۴۱، باب علم الحديث .

(۲) نقل از کتاب "دراسات فی الكافی والبخاری ص ۲۱" .

(۳) ضحی الاسلام جلد ۲، الفصل الرابع: "الحديث والتفسير" ص ۱۰۶.۱۰۷ .

مختلف نظریات موجود ہیں عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں یہ کام انجام دیا گیا اس کے اثبات کیلئے کوئی مطمئن دلیل نہیں پائی جاتی، البتہ اس باب میں اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ بخاری نے جو عمر بن عبدالعزیز کے سلسلہ میں تحریر کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے حکم صادر کیا تھا لیکن آیا اس حکم نامہ پر عمل ہوا یا نہیں؟ یہ بات تاریخ اسلام سے ثابت نہیں ہے، بلکہ تاریخی قرائن وشواہد اس کے خلاف گواہی دیتے ہیں۔

بہر کیف ایک طولانی مدت کے بعد دوسری صدی ہجری میں تدوین حدیث پر کام شروع ہوا ہے، پہلے آہستہ آہستہ علماء نے مدارس میں یہ سلسلہ شروع کیا بعد میں عوام کے درمیان اس کا رواج ہوا اور کبھی کبھی یہ کام خلفائے وقت کے دباؤ میں زیادہ تیزی سے کیا گیا، کیونکہ وہ مسلمان جن میں اکثر صاحبان علم تھے، اس کام کو ایک صدی ہجری سے حرام سمجھتے آئے تھے وہ باآسانی اس کام کے لئے آمادہ نہیں ہو سکتے تھے، یہی وجہ ہے کہ معمر نے زہری سے نقل کیا ہے:

''ہم حدیث کو لکھنا بہت برا سمجھتے تھے لیکن ہم کو ان امراء اور خلفاء نے اس کام کے لئے مجبور کیا۔"قال: **کنا نکره کتاب العلم حتی اکرهنا علیه هولاء الامراء" (۱)**

صحاحِ ستہ کے وجود میں آنے کی تاریخ

جب دوسری صدی ہجری میں محدثین نے گزشتہ غلطیوں کا صحیح طور پر ادراک کرلیا اور اپنے اسلاف کی روش کو غیر مناسب سمجھا تو اپنے ذہن سے اس عمل کا بدعت ہونا محو کر کے حدیث کی کتابت اور اس کے نقل پر توجہ دی، چنانچہ جب علم حدیث کی ترویج کا ایک زمانہ کے بعد سکوت ٹوٹا تو اس نے بہت ہی جلد ترقی کی اور گزشتہ زمانہ میں حدیث کے نقل وتحریر وتدوین پر لگی پابندی اور اس پر پردہ ڈالنے کے ردعمل کے طور پر یہ ہوا کہ ایک قلیل مدت میں ہی یعنی ۱۵۰ھ سے ۲۵۰ھ تک علم حدیث میں بہت سی کتابیں صحاح، مسانید اور مستخرجات

(۱) الطبقات الکبری، ابن سعد جلد ۲،باب " ابن شهاب زهری"ص ۳۸۹.
جامع بیان العلم ج ۱، باب "ذکر الرخصة فی کتابة العلم" ۳ ۱-۴، ابی عمر یوسف بن عبد البر النمری القرطبی ص ۹۲. مطبوعة مکتبة سلفیة ۱۹۶۸ء، تیسرا ایڈیشن.

وغیرہ کے نام سے وجود میں آ گئیں،(۱) اور چونکہ اس زمانہ میں مؤلفین کا مقصد صرف احادیث جمع کرنا تھا لہٰذا احادیث کی تقسیم صحیح وغیر صحیح اور حسن وضعیف ہونے کی طرف توجہ نہیں تھی، حدیث کی کتابوں میں صحیح اور غیر صحیح دونوں قسم کی حدیثیں شامل تھیں، یہ سلسلہ امام بخاری متوفی ۲۵٦ھ اور دیگر کتب صحاح کے مؤلفین کے زمانہ تک جاری رہا۔

ابن حجر کہتے ہیں:

۱۔ امام بخاری نے جب ان کتابوں اور مسانید کو دیکھا تو ایک مدت تک تحقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان کتابوں میں صحیح اور غیر صحیح دونوں قسم کی احادیث مخلوط ہیں اور چونکہ ان کی تشخیص ہر ایک کے بس کی بات نہیں تھی لہٰذا موصوف نے فیصلہ کرلیا کہ ایک ایسی کتاب ترتیب دی جائے جس میں ان کتابوں کی صرف صحیح احادیث ہوں تا کہ کسی کو شک کی گنجائش نہ رہے چنانچہ آپ نے "**الجامع الصحیح**" تحریر کی جو اس وقت صحیح بخاری کے نام سے مشہور ہے۔(۲)

۲۔ امام بخاری کے بعد آپ کے شاگرد مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری (متوفی ۲٦۱ھ) نے دوسری کتاب بنام "**الجامع الصحیح**" ترتیب دی جو اس وقت صحیح مسلم کے نام سے جانی جاتی ہے۔

۳۔ آپ کے فوراً بعد محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی، متوفی ۲۷۳ھ، نے "سنن ابن ماجہ" ترتیب دی۔

۴۔ بلا فاصلہ ابوداؤد سلیمان بن داؤد سجستانی (متوفی ۲۷۵ھ) نے "**سنن ابن داؤد**" ترتیب دی۔

۵۔ اس کے بعد محمد بن عیسیٰ بن سورۃ ترمذی (متوفی ۲۷۹ھ) نے "**جامع ترمذی**" کے نام سے کتاب لکھی جو صحیح ترمذی کے نام سے مشہور ہے۔

٦۔ ان کے بعد احمد بن شعیب نسائی (متوفی ۳۰۳ھ) نے "**سنن نسائی**" کے نام سے کتاب مرتب کی جسے مجتبیٰ بھی کہتے ہیں۔

---

(۱) صاحب کشف الظنون نے تقریباً چالیس مسانید کا ذکر کیا ہے ان میں مسند احمد بن حنبل کو پہلا مقام حاصل ہے کیونکہ اس کتاب میں تیس ہزار سے زیادہ حدیثیں منقول ہیں۔

(۲) ھدی الساری (مقدمہ فتح الباری) فصل دوم، ص ۴۔

یہی چھ کتابیں اہل سنت کی نظر میں" **جوامع اولیہ**" مانی جاتی ہیں، یہی کتابیں عقائد،تفسیر،فروع اور تاریخ صدر اسلام کے سلسلہ میں مرجع ومنبع ہیں اورانھیں کتابوں کو صحاح ستہ کہا جاتا ہے،البتہ صحیح بخاری وصحیح مسلم کو"**صَحِیْحَیْن**" کے نام سے اور دوسری چار کتابوں میں تین (سنن ابن ماجہ،سنن ابی داؤد اور سنن نسائی) کو"**سنن**" کے نام سے اور ایک کو صحیح (ترمذی) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے،(۱) ان کتابوں کے بعد سینکڑوں کتابیں مسند، مستدرک اور مستخرج وغیرہ کے نام سے لکھی گئیں لیکن جو مقام ان کتابوں کو ملا پھر کسی کو نہ مل سکا۔

صحاح اور مسانید کا فرق

محدثین کی اصطلاح میں صحیح اس کو کہتے ہیں جس کا سلسلۂ سند عادل اور متدین افراد کے ذریعہ آنحضرت ﷺ یا ائمہؑ تک پہنچتا ہو۔(۲)

مذکورہ چھ کتابوں کو صحاح اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ ان کی تمام احادیث کے متون ومطالب اور رواۃ واسانید صحیح اور درست ہیں ، البتہ ان کتابوں کے مؤلفین کے درمیان صحت حدیث کے شرائط میں اختلاف نظر پایا جاتا ہے،لہٰذا ممکن ہے کہ صحاح ستہ کے ایک مؤلف کے نزدیک کوئی حدیث شرط صحت پر پوری نہ اترتی ہو لیکن دوسرے مؤلف کے نزدیک وہی حدیث حقیقت میں صحیح ہو کیونکہ وہ صحت کے لئے اس شرط کو قبول نہ کرتا ہو جو ددوسرا ضروری سمجھتا ہے۔

بہر حال کتب صحاح ان کتابوں کو کہا جاتا ہے جن کے مؤلفین اپنی نقل کردہ احادیث کو ہر عنوان سے صحیح سمجھتے ہیں جبکہ مسانید اور دیگر کتابوں کے مؤلفین اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ ان کی نقل کردہ تمام احادیث صحیح ہیں، بلکہ انھوں نے صحیح اور غیر صحیح ہونے کے دعوے سے آزاد ہو کر ہر قسم کی روایات نقل کردی ہیں، ان

---

(۱) بعض نے امام مالک کی کتاب موطاء کو بھی سنن وصحاح کے برابر قرار دیا ہے.

(۲) یہ تعریف شیعہ وسنی دونوں اعتبار سے کی گئی ہے.

لوگوں کا مقصد صرف احادیث جمع کرنا رہا، چنانچہ احمد ابن حنبل نے اپنی مسند میں تقریباً چالیس ہزار احادیث نقل کی ہیں اگر چہ وہ ان سب کو صحیح نہیں سمجھتے۔(۱)

ہمارا مقصد

گزشتہ مباحث میں ہم نے قارئین کی خدمت میں آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ تک حدیث کی نقل اور تدوین کی تاریخ اور اس کا ایک مختصر جائزہ معتبر اور مستند مدارک کی روشنی میں پیش کیا، چنانچہ مذکورہ تمام مطالب کو اگر مدنظر رکھا جائے تو دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں:

۱۔ اہل سنت حضرات کے یہاں تدوین حدیث پر ایک طویل مدت کے بعد یعنی نبی اکرمؐ کی زبان سے حدیثیں بیان ہوئے ایک صدی کا فاصلہ گزرنے کے بعد کام کیا گیا ہے، اس طرح صدورِ احادیث اور تدوینِ حدیث کے درمیان کافی فاصلہ ہو جاتا ہے اور جب ایک صدی کے فاصلہ سے کتابتِ حدیث پر کام شروع کیا گیا تو اس وقت لوگوں کے پاس حدیث کا کوئی قلمی نسخہ بھی موجود نہیں تھا کہ جس کی مدد سے علمائے اہل سنت یقین کے ساتھ وہی حدیثیں لکھتے جو رسولؐ سے صادر ہوئیں تھی لہٰذا ظاہر ہے ایسی صورت میں حدیث لکھنے والوں نے اپنے یا دوسرے افراد کے حافظے اور اقوال پر بھروسہ کر کے ہی احادیث کی کتابت کی ہے اور ان کو دوسروں کیلئے نقل کیا ہے۔

۲۔ حدیث کی تدوین و کتابت ایک مدت تک نہ ہونے کی وجہ سے اس طویل فاصلہ کے دوران حدیث جعل کرنے والے بہت پیدا ہو گئے تھے، لہٰذا صحیح اور جعلی احادیث آپس میں مخلوط ہو گئیں جس کی بنا پر رسولؐ سے منقول احادیث کو پہچاننا اور بھی مشکل ہو گیا۔

ان دونوں باتوں کے باوجود اہل سنت حضرات صحاح ستہ خصوصاً صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو قرآن مجید کے بعد روئے زمین پر پہلا درجہ دیتے ہیں!! اور مانند قرآن مجید اس کی تمام احادیث کو رسولؐ سے قطعی الصدور سمجھتے ہیں!! ستم ظریفی کی حد یہ ہے کہ علمائے اہل سنت صحیحین کی احادیث کی بنا پر قرآن سے اخذ شدہ

(۱) التقریب نووی ص ۱-۲.

مسلمات کی بھی تاویلیں کرنے لگتے ہیں !!(۱) اور پھر یہ کہ یہی دو کتابیں ہیں جو اہل سنت کے تمام مذہبی عقائد کی بنیاد سمجھی جاتی ہیں، چنانچہ مذکورہ اسباب وعوامل کی وجہ سے مجھے شوق پیدا ہوا کہ اس سلسلے میں تحقیق کروں اور صحیح بخاری وصحیح مسلم پر ایک تحقیقانہ نظر ڈالوں تا کہ سادہ لوح عوام کے سامنے حقیقت ظاہر ہو جائے۔

امید ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ بہت سے ایسے حقائق تک پہنچنے میں مدد ملے گی جو دس صدیوں سے بھی زیادہ عرصہ سے وہم وگمان کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں پڑے ہوئے ہیں اور اندھی تقلید و بیجا تعصب کے ضخیم پردوں کے پیچھے چھپے ہوئے ہیں۔

﴿وَمَا أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ﴾(۲)

اب ہم قارئین کرام کے سامنے اپنے مطالعہ کا نچوڑ مندرجہ ذیل چند فصلوں میں پیش کرتے ہیں:

۱۔ امام بخاری اور مسلم کی زندگیاں ایک نظر میں۔
۲۔ صحیحین اہل سنت کی نظر میں۔
۳۔ صحیحین علمی وتحقیقی معیار پر۔
۴۔ صحیحین کی اسناد پر ایک نظر۔
۵۔ صحیحین کے متون پر ایک نظر۔
۶۔ توحید باری تعالی صحیحین کی روشنی میں۔
۷۔ نبوت صحیحین کی روشنی میں۔
۸۔ خلافت صحیحین کی روشنی میں۔
۹۔ صحیحین کی دوسری متفرق حدیثیں اور بحثیں۔

امید ہے یہ کاوش خدا کی بارگاہ میں قبول اور عوام کے درمیان مقبول قرار پائے گی۔

محمد صادق نجمی

(۱) ان کتابوں کو اہل سنت کتنی زیادہ اہمیت دیتے ہیں آپ اس کا مطالعہ آئندہ صفحات میں کریں گے، اسی طرح بعض احادیث کی وجہ سے قرآنی آیات کی تاویل کے بارے میں بھی ہم آئندہ اشارہ کریں گے، جیسے احمد بن حنبل نے حدیث کی وجہ سے مکان خدا کی تاویل کی ہے حالانکہ قرآن صراحت کے ساتھ انکار کرتا ہے۔ مترجم۔

(۲) سورہ ھود، آیت ۸۸، پ ۱۲۔

فصل ۱

امام بخاری اور مسلم کی زندگیاں ایک نظر میں

الف : امام بخاری کی مختصر سوانح حیات

امام بخاری کا حسب ونسب

امام بخاری کی پیدائش قول مشہور کی بنا پر ماہ شوال ۱۹۴ھ شہر بخارہ میں ہوئی، آپ کا نام محمد، باپ کا نام اسمٰعیل ابن ابراہیم ابن مغیرہ ابن بردزبہ جعفی اور کنیت ابوعبداللہ اور لقب بخاری ہے، ابن خلکان اور خطیب بغدادی نے آپ کے تیسرے دادا بردزبہ کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ وہ مجوسی (آتش پرست) تھے اور ان کا اسی دین مجوس پر انتقال ہوا۔ (۱)

امام بخاری کی پرورش اور تعلیم وتربیت

چونکہ آپ بچپن ہی میں سایۂ پدری سے محروم ہوگئے تھے لہٰذا آپ کی پرورش کی ذمہ داری ماں نے ادا کی اور آپ نے دس سال کی عمر میں علم دین پڑھنا شروع کیا اور جب آپ بیس سال کے ہوگئے تو شوق پیدا ہوا کہ

---

(۱) وفیات الاعیان ج۴، (نمبر : ۵۶۹ - البخاری) ص ۱۹۰۳۳۰. تاریخ بغداد ج۲، ذکر محمد بن اسماعیل ابن ابراھیم، ص۶.

وطن سے دور دراز شہر جا کر علم دین حاصل کیا جائے لہٰذا آپ نے اس قصد سے سفر کا آغاز کر دیا۔

علمی سفر

چونکہ آپ علم وحدیث کے شیفتہ اور فریفتہ تھے لہٰذا آپ نے متعدد ممالک اور مختلف شہروں کی جانب سفر کیا اور وہاں سے علوم ودانش کو اخذ کیا اور حدیثیں جمع کیں:

"کان بعید الھمۃ فی تحری صحیح الاحادیث جاب من اجلھا الامصار "

فرید وجدی کہتے ہیں:

"امام بخاری صحیح حدیث جمع کرنے کے سلسلے میں بلند ہمت اور والہانہ عشق رکھتے تھے، اسی عشق اور محبت کا نتیجہ تھا کہ آپ نے حدیث جمع کرنے کی غرض سے متعدد شہروں کے سفر کئے، امام بخاری نے جن شہروں کا سفر کیا وہ یہ ہیں: خراسان، عراق، شام، حجاز وغیرہ، آپ نے ان تمام شہروں میں حفاظ حدیث سے ملاقاتیں کیں اور ان کے خرمن علم سے خوشہ چینی فرمائی۔" (۱)

ابن حجر کہتے ہیں:

امام بخاری فرمایا کرتے تھے کہ میں نے صحیح احادیث جمع کرنے کے سلسلے میں دو مرتبہ شام، مصر اور الجزائر اور چار دفعہ بصرہ کا سفر کیا اور چھ سال حجاز میں قیام کیا اور کوفہ و بغداد کے تو متعدد سفر کئے جن کو میں خود فراموش کر گیا ہوں۔ (۲)

قلمی آثار

مؤرخین نے متعدد کتابیں مختلف موضوعات پر آپ سے نقل کی ہیں لیکن ان میں مشہور ۱۷ کتابیں ہیں جو علم حدیث، رجال اور تاریخ میں ہیں، اہل سنت کے درمیان آپ کی تمام کتابیں قابل اعتماد اور لاثانی سمجھی جاتی

---

(۱) دایرۃ المعارف ج ۲، مادہ بخر ص ۵۶.
(۲) ہدی الساری (مقدمہ فتح الباری) فصل دہم کے آخر میں ص ۴۷۹۔

ہیں، مگر ان میں سب سے زیادہ معتبر "**الجامع الصحیح**" ہے جو اس وقت صحیح بخاری کے نام سے مشہور ہے۔(۱)

امام بخاری کے عجیب وغریب فتوے

آپ نے عجیب وغریب فتوے صادر فرمائے ہیں جن میں سے بعض فتوے ہم یہاں نقل کر رہے ہیں:

۱۔ عورتوں کے لئے جائز ہے کہ وہ نامحرم مردوں کی خدمت اور ان کی پذیرائی کریں، اگر چہ وہ جوان اور نوعروس کیوں نہ ہوں۔

۲۔ عورتوں کے لئے جائز ہے کہ دوسروں کے غلاموں سے اپنے کو نہ چھپائیں۔

۳۔ جس طرح منی کی جگہ دھونے سے پاک ہو جاتی ہے اسی طرح اگر اصل منی کو پانی کے علاوہ کسی دوسری شئے سے زائل کر دیں تو جگہ پاک ہو جاتی ہے، جیسے کپڑے سے صاف کر دیں یا چھری کے ذریعہ کھرچ دیں۔

۴۔ جماع کرنے میں اگر منی نہ آئے تو غسل کرنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔(۲)

۵۔ ضروری مواقع جیسے جنگ وغیرہ میں نماز ترک کر سکتے ہیں البتہ بعد میں قضاء کرنا ضروری ہے۔

۶۔ انسان مردار جانور کے روغن کی اپنے بدن پر مالش کر سکتا ہے۔

۷۔ مردار جانور کی ہڈیوں کا بنا ہوا کنگھا یا اس کے مثل دوسری اشیاء کا استعمال صحیح ہے۔

۸۔ مساجد وغیرہ میں شمشیر زنی، نیزہ بازی اور شعر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔(۳)

۹۔ حکم رضاعت حیوانات کا دودھ پینے سے بھی متحقق ہو جاتا ہے، جیسے دو بچے ایک ہی حیوان کا دودھ ایک زمانہ تک پیتے رہیں تو وہ آپس میں بھائی اور بہن ہو جائیں گے۔

مرحوم شیخ الشریعہ اصفہانی اس فتوے کو فقہ حنفی کی کتاب ''الکفایۃ فی شرح الہدایۃ'' سے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

---

(۱) دیکھئے: ''صحیح بخاری اور مسلم اہل سنت کی نظر میں'' ص ۷۹۔

(۲) صحیح بخاری ج ۱، کتاب الغسل، باب" غسل مایصیب من فرج المرأۃ"

(۳) مقدمہ صحیح بخاری بقلم ابو کمال عبد الغنی عبد الخالق، مطبوعہ: مکہ معظمہ ۱۳۷۶ھ۔

''امام بخاری کے یہ فتوے ان کے علم وشعور کی حقیقت کھولتے ہیں، کیونکہ دودھ پینے سے جو حرمت پیدا ہوتی ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ دودھ پینے سے دودھ پلانے والی ماں بن جاتی ہے اور اس کا شوہر باپ ہو جاتا ہے اور چونکہ انسان کیلئے حیوان کا ماں باپ ہونا متصور نہیں ہے لہٰذا دودھ کی وجہ سے حرمت نہیں آئے گی''۔(۳)

محل وفات

آپ کی وفات ۶۲ ؍سال کی عمر میں ۲۵۶ھ میں شہر سمرقند کے ''خرتنگ'' گاؤں میں ہوئی اور اسی جگہ دفن ہوئے۔

ب: امام مسلم کی سوانح عمری

آپ کا اصلی نام مسلم کنیت ابوالحسین اور باپ کا نام حجاج اور شہرت قشیری نیشاپوری ہے۔

تاریخ وفات اور جائے پیدائش

مؤرخین نے جس طرح امام بخاری کی سوانح حیات کو بالتفصیل نقل کیا ہے مثلاً آپ کے سفر اور محدثین سے ملاقاتیں وغیرہ وغیرہ، اس طرح مسلم کی سوانح عمری نقل نہیں ہے، یہاں تک کہ آپ کی تاریخ پیدائش، وفات اور آپ کا سن بوقت وفات کتنا تھا؟ یہ بھی دقیق طور پر نہیں لکھا گیا ہے۔

ابن خلکان کہتے ہیں:

''امام مسلم کی وفات بروز یکشنبہ، سہ پہر، ۲۶ ؍رجب ۲۶۱ھ شہر نیشاپور میں ہوئی، اس وقت آپ کی عمر ۵۵ ؍سال تھی۔''

اس کے بعد ابن خلکان لکھتے ہیں:

---

(۱) القول الصراح فی البخاری و صحیحه الجامع ،نسخه خطی.

''اس بات کا میں نے بعض کتابوں سے استفادہ کیا ہے، البتہ تاریخ نگاروں نے مسلم کی تاریخ ولادت اور مدت عمر نہیں لکھی ہے اور کتاب الانصار؛ نیشاپوری سے پتہ چلتا ہے کہ مسلم کی ولادت ۲۰۶ھ اور وفات ۵۶ سال کی عمر میں ۲۶۲ھ میں ہوئی''(۱) اور فرید وجدی نے بغیر کسی حوالۂ کتاب کے ۲۶۱/۲ تحریر کی ہے۔(۲)

حافظ ذہبی کہتے ہیں: امام مسلم ۲۰۴ھ میں پیدا ہوئے۔(۳)

علمی سفر

امام مسلم نے حدیث جمع کرنے کے سلسلے میں حجاز، عراق، شام، مصر اور چند مرتبہ بغداد کے سفر کئے اور آپ کا آخری سفر بغداد کے لئے ۲۵۷ھ میں ہوا، اس سفر میں آپ نے متعدد اساتید سے علمی استفادہ کیا، جیسے احمد ابن حنبل، اسحاق بن راہویہ (یہ امام بخاری کے بھی استاد تھے) لیکن ان تمام اساتید میں امام بخاری سے سب سے زیادہ استفادہ کیا۔

امام مسلم حدیث جمع کرنے اور علم و دانش کے حصول کا اس قدر عشق رکھتے تھے کہ جب امام بخاری کو نیشاپور سے شہر بدر کیا گیا تو آپ کے تمام شاگرد متفرق ہو گئے مگر مسلم نے ساتھ نہ چھوڑا اور موصوف ہمیشہ سایہ کے مانند امام بخاری کے ساتھ ساتھ رہے۔

تالیفات

حافظ ذہبی نے بیس کتابیں نقل کی ہیں جو امام مسلم نے مختلف علوم میں تحریر کی ہیں، ان میں سب سے زیادہ اہم ''الجامع الصحیح'' (صحیح مسلم) ہے جس کا درجہ صحیح بخاری کے بعد ہے۔(۴)

---

(۱) وفیات الاعیان، جلد ۵، صاحب صحیح مسلم (حرف المیم) ص ۱۹۵.

(۲) دائرة المعارف جلد پنجم ،مادہ سلم ص ۲۹۲.

(۳) تذکرة الحفاظ ج ۲، ۶۱۹۳/ ۶۵ ت ،در بیان مسلم بن الحجاج ص ۵۸۸.

(۴) تذکرة الحفاظ ج ۲، ۶۱۹۳/ ۶۵ ت ،در بیان مسلم بن الحجاج ص ۵۸۸.

علتِ وفات

ایک مرتبہ شہر نیشاپور میں ایک حدیث کے بارے میں بحث ومباحثہ ہوا، لوگوں نے آپ سے پوچھا تو آپ نے کہا کہ مجھے اس حدیث کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ہے، لیکن آپ جب گھر واپس ہوئے تو اس حدیث کی جستجو میں مشغول ہو گئے اتفاقاً آپ کے ایک چاہنے والے نے ایک بڑے طبق میں خرمے تحفہ کے طور پر بھیجے، آپ ان ہی کو تناول فرماتے رہے اور اس حدیث کی تلاش میں ساری رات گزار دی، آخر کار اس حدیث کو صبح ہوتے ہوئے تلاش کر لیا، لیکن اس طرف خرمے کا سارا طبق ختم ہو چکا تھا، ان ہی خرموں کا اثر تھا کہ آپ مریض ہو گئے اور اسی مرض میں دار فانی سے کوچ فرمایا، اس وقت آپ کی عمر ۵۵ رسال تھی اور شہر نیشاپور کے نزدیک دفن ہوئے۔(۱)

اگر یہ بات صحیح ہے تو اس سے مسلم کے علمی ذوق اور حدیث تلاش کرنے کے بارے میں بیحد شوق کا پتہ چلتا ہے۔

---

(۱) دائرۃ المعارف ج۵. مادہ سلم، ص ۲۹۲. شرح مشکاۃ: مؤلفہ نورالدین ہروی .

فصل ۲

صحیح بخاری اور صحیح مسلم اہل سنت کی نظر میں

صحاح ستہ کے بارے میں اہل سنت کا نظریہ

اہل سنت حضرات اپنی احادیث اور مسانید کی تمام کتابوں میں صحاح ستہ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابن ماجہ، سنن ابی داوو، سنن ترمذی، سنن نسائی) کو وثاقت، اعتبار اور اطمینان میں پہلا مقام دیتے ہیں اور ان کتابوں کو صد درصد صحیح سمجھتے ہیں، کہتے ہیں: جو کچھ ان کتابوں میں ہے وہ واقع کے مطابق ہے یعنی ان کی ہر حدیث زبانِ رسالت سے صادر ہوئی ہے، خلاصہ یہ کہ اہل سنت میں یہ کتابیں احکام، عقائد، تفسیر اور بعض صدر اسلام کے تاریخی واقعات میں مدرک، منبع، مآخذ، اساس اور بنیاد سمجھی جاتی ہیں اور جیسا کہ ہم پچھلی بحثوں میں بیان کر چکے ہیں کہ ان کتابوں کو اہل سنت کی دیگر کتب حدیث اور مسانید کے مقابلہ میں صحیح اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کی روایات اور مطالب ان کے مؤلفین اور اکثر اہل سنت کے نزدیک صحیح، حجت، مطابق واقع اور قابل اعتماد ہیں، گویا اہل سنت حضرات کی نظر میں ان کتابوں میں ہر نقل شدہ مطلب وہی ہے جو زبان رسالتمآب سے صادر ہوا، یا پھر آنحضرتؐ نے اس کی عملاً تصدیق فرمادی ہے، لیکن دوسری کتابوں میں پائی جانے والی

حدیثوں کے بارے میں اس بات کاامکان پایا جاتا ہے کہ خطااور جھوٹ پر مبنی ہوں۔

چنانچہ عالم اہل سنت فضل بن روز بہان کہتے ہیں:

''اگر کوئی قسم کھائے کہ جو کچھ ''صحاح ستہ'' میں موجود ہے وہ صحیح اور کلام خدااور رسول ہے، تو اس کی قسم درست ہے اور ایسے شخص پر اس قسم کی وجہ سے کفارہ واجب نہ ہوگا۔''(۱)

دوسری جگہ کہتے ہیں:

''ہمارے تمام مذہبی رہنماؤں کا اتفاق ہے کہ جو کچھ ان کتابوں میں مرقوم ہے وہ صحیح، معتبر اور مطابق واقع ہے۔''(۲)

یہی وجہ ہے کہ سنن ترمذی کے بارے میں اہل سنت کا نظریہ اس طرح ہے:

''من کان فی بیته هذا الکتاب کان فی بیته نبی یتکلم.''(۳)

اس کتاب کا ہر گھر میں ہونا ایسا ہی ہے کہ گویا رسولؐ اس گھر میں موجود ہوں اور بات کر رہے ہوں.(۴)

اور سنن ابی داؤد کے بارے میں کہا جاتا ہے:

''کتاب الله اصل الایمان و سنن داؤد عهد الاسلام.''(۵)

قرآن مجید ایمان کا پایہ اور اصل ہے اور سنن ابی داؤد اسلام کا ضابطہ اور پہچان ہے۔

بہر حال جو اہمیت اور عظمت اہل سنت والجماعت کے نزدیک صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ہے وہ دیگر کتب صحاح ستہ کی نہیں ہے، چنانچہ صحاح ستہ میں پہلا رتبہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا ہے اور ان کے بعد دیگر چاروں کتابوں کا درجہ ہے۔

---

(۱) احقاق الحق (ذیل حدیث علی صاحب الحوض واللواء) سے نقل کردہ.

(۲) احقاق الحق ج۲، ص ۲۳۵.

(۳) تذکرة الحفاظ، جلد۲، ۶۵۸۱۰/ ۴ _ الترمذی، ص ۶۳۴.

(۴) یہ جملہ اس سنن ترمذی کے اوپر بھی لکھا مل جائے گا جو قاہرہ مصر ۱۳۵۶ھ میں چھپی ہے.

(۵) تذکرة الحفاظ ج۲، ۶۷/۶۱۵۹ ت س _ ابوداؤد، ص ۵۹۳.

صحیح بخاری میں احادیث کی تعداد اور اس کے دیگر مشخصات

صحیح بخاری میں تکراری حدیثوں کو ملا کر سات ہزار دو سو پچھتر (۷۲۷۵) حدیثیں ہیں اور اگر مکررات کو حذف کر دیا جائے تو ان کی تعداد چار ہزار ہوگی۔

صحیح بخاری کی کئی جلدیں ہیں اور اس میں سو سے زیادہ کتابیں ہیں اور یہ تین ہزار چار سو پچاس (۳۴۵۰) ابواب پر مشتمل ہے۔(۱)

اس کتاب کی شرحیں تقریباً ۵۹/عدد (کامل وغیر کامل سب ملا کر) پائی جاتی ہیں، ان میں سے ۱۱/ چھپ چکی ہیں اور اب تک ۲۸/افراد اس پر حاشیہ لگا چکے ہیں اور ۱۵/افراد اس کی تلخیص اور ۱۶/افراد اس کا مقدمہ تحریر کر چکے ہیں۔(۲)

صحیح مسلم میں احادیث کی تعداد وغیرہ

صحیح مسلم میں مکرر احادیث حذف کرنے کے بعد تین ہزار تینتیس (۳۰۳۳) حدیثیں باقی رہ جاتی ہیں۔ (۳)

صحیح مسلم بھی صحیح بخاری کی طرح کئی جلدوں پر مشتمل ہے، اس میں پچاس کتابیں اور بارہ سو پانچ ابواب ہیں، اس کی متعدد شرحیں لکھی جا چکی ہیں ان میں سے امام نووی کی شرح سب سے زیادہ مشہور ہے۔

صحیحین کی مدح سرائی میں علمائے اہل سنت کی قلم فرسائی!!

اہل سنت نے صحیحین کی حدیثوں اور ان کے مؤلفین کے بارے میں دل بھر کے مدح وستائش کی ہے اور جہاں تک ہوسکتا تھا ان کی مدح سرائی میں قلمی گھوڑے دوڑائے ہیں اور اس قدر مضامین و مقالے تحریر کئے

---

(۱) التقریب والتیسیر معرفة سنن البشیر النذیر ،عدة احادیث البخاری و مسلم ، النووی، ص ۱۵.

(۲) مقدمه صحیح بخاری، مطبوعه: مکۂ مکرمه ۱۳۷۶ھ.

(۳) صحیح مسلم ، مطبوعه: دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، الطبعة الثانیه ۱۹۷۲ء.

ہیں کہ اگر ان کو یکجا کیا جائے تو ایک مستقل کتاب ہو جائے، یہاں تک کہ کبھی کبھی تو اس بارے میں افراط و غلو کا بھی راستہ طے کیا گیا ہے اور یہ چیز صحیح مسلم سے زیادہ صحیح بخاری کے بارے میں دیکھنے میں آتی ہے، یہی نہیں بلکہ صحیح بخاری اور اس کے مؤلف کے بارے میں ایسے ایسے تعریف کے انبار لگائے گئے ہیں کہ انسان سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کہیں امام بخاری فرشتہ تو نہیں ہیں؟!!

چنانچہ کبھی اہل سنت سے نقل کیا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے امام بخاری کو سلام بھیجا تھا! اور کبھی صحیح بخاری کے بارے میں رویائے صادقہ دیکھے جاتے ہیں!! تو کہیں امام بخاری اور مسلم اور ان کی کتابوں کی کرامتوں کی نمائش کی گئی ہے!! الغرض جعلیات کے متعدد باب باز کر کے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بارے میں تصدیق رسول اسلام ﷺ آخر کار ثابت کر ہی دی گئی ہے!! لیکن یہ غلط سلط نسبتیں، کرامتیں، فضیلتیں اور بیجا مدح سرائی و مبالغہ گوئی، سلسلۂ سند، متن کتاب اور روش مؤلفین کا مطالعہ کرنے سے نقش بر آب ہو جاتی ہیں، چنانچہ آئندہ مباحث کا مطالعہ فرمانے کے بعد آپ خود فیصلہ کریں گے کہ ان حضرات کے بارے میں جو کرامتیں بیان کی جاتی ہیں وہ سب حقیقت سے کس قدر پرے ہیں۔

بہر حال وعدہ کے مطابق پہلے ہم ان لوگوں کے اقوال کو نقل کرتے ہیں جو ان دو کتابوں کے بارے میں بعنوان مدح و ستائش جاری ہوئے ہیں، اس کے بعد ہم ان پر تحقیق کی روشنی میں بحث کریں گے۔

کاتب چلپی کا قول

یوں تو سیکڑوں کتابیں علم حدیث میں لکھی گئیں ہیں لیکن ہمارے گزشتہ تمام علماء کا اتفاق ہے کہ قرآن مجید کے بعد صحیح ترین کتاب صحیح بخاری اور اس کے بعد صحیح مسلم ہے۔ (۱)

محمد بن یوسف شافعی کا قول

”.. **و کتابهما اصح الکتب بعد کتاب الله العزیز:** علم حدیث میں اولین کتاب صحیح بخاری اور اس کے بعد صحیح مسلم ہے اور یہ دونوں کتابیں قرآن مجید کے بعد صحیح ترین کتابیں ہیں۔“ (۲)

---

(۱) کشف الظنون، باب علم الحدیث، ص ۶۳۵، ۶۴۱.
(۲) هدی الساری (مقدمة فتح الباری) فصل دوم.

ذہبی کا قول

" و اما جامع البخاری الصحیح فاجل کتب الاسلام و افضلها بعد کتاب الله."(۱)

اور صحیح بخاری عالم اسلام کی عظیم ترین کتاب ہے بلکہ قرآن مجید کے بعد اسی کا درجہ ہے۔

پھر چلپی صحیح مسلم کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''صحیح مسلم صحیح ہونے کے اعتبار سے تمام کتابوں میں دوسری کتاب ہے اور ان دو کتابوں میں سے ایک ہے جو قرآن مجید کے بعد صحیح ترین کتابیں ہیں، قرآن کے بعد ان سے صحیح ترین اور کوئی کتاب وجود نہیں رکھتی''۔(۲)

ابوعلی نیشاپوری کا قول

" ما تحت ادیم السماء کتاب اصح من کتاب مسلم ." (۳)

اس نیلے آسمان کے نیچے صحیح بخاری و صحیح مسلم سے معتبر اور صحیح کوئی کتاب موجود نہیں ہے۔

فاضل نووی کا قول

''صحیح بخاری و صحیح مسلم قرآن مجید کے بعد صحیح ترین کتابیں ہیں اور ان میں سے صحیح بخاری زیادہ مفید ہے، اگر چہ بعض لوگ صحیح مسلم کو مقدم کرتے ہیں، لیکن حقیقت میں بخاری کا جو مرتبہ ہے وہ کسی پر پوشیدہ نہیں ہے اور تمام امت مسلمہ ان کے صحیح ہونے کی تائید اور ان کو قبول کرتی ہے''۔(۴)

مقدمۂ شرح صحیح مسلم میں نووی کہتے ہیں:

---

(۱) ارشاد الساری ج ۱ ، الفصل الرابع: فیما یتعلق بالبخاری فی صحیحه ... ص ۵۱ .

(۲) کشف الظنون عن اسامی الکتب و الفنون ، باب علم الحدیث، ۶۴۱ .مؤلفه مصطفی بن عبد الله مشهور به حاجی خلیفه و کاتب چلبی .

(۳) وفیات الاعیان ج۴،نمبر ۷۱۷، صاحب کتاب مسلم (حرف المیم)ص ۱۹۴ . تذکرة الحفاظ ج۲، ۲/۶۵۲/۳۹۶۱ ت ، مسلم بن الحجاج ،ص ۵۸۹.

(۴) کتاب التقریب للنووی .

''تمام اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ قرآن مجید کے بعد سب سے صحیح ترین کتابیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہیں''۔(۱)

قسطلانی کا قول

''تمام امت مسلمہ ان دو کتابوں کی صحت پر متفق ہے اور ان دونوں کو قبول کرتی ہے البتہ ان کتابوں کے ایک دوسرے پر ترجیح دینے کے بارے میں اختلاف نظر ہے، کیونکہ بعض لوگ صحیح بخاری کو مقدم کرتے ہیں اور بعض صحیح مسلم کو ترجیح دیتے ہیں''۔(۲)

امام الحرمین کا قول

''اگر کوئی قسم کھا کر کہے کہ ان دو کتابوں میں تمام نقل شدہ حدیثیں صحیح اور رسول اکرم ﷺ کے قول کے مطابق ہیں تو اس پر کفارہ واجب نہیں کیونکہ تمام امت مسلمہ ان کی صحت پر متفق ہے''!!(۳)

ابن حجر مکی کا قول

''صحیح بخاری و صحیح مسلم: اجماع و اتفاق کے مطابق قرآن مجید کے بعد صحیح ترین کتابیں ہیں''۔(۴)

بعض دو قدم اور آگے بڑھ گئے!!

بعض اہل سنت نے مذکورہ تعریف و مدح سرائی اور ان کی تمام حدیثوں کی صحت پر قناعت نہیں کی بلکہ مدح سرائی میں دو قدم اور آگے بڑھ کر افراط و غلو کے شکار ہوئے ہیں، کہتے ہیں: ان دو کتابوں کی تصدیق خود رسول

---

(۱) شرح صحیح مسلم نووی ج ۱، فصل رابع فی ذکر فیما یتعلق با لبخاری ص ۱۵.
(۲) ارشاد الساری ج ۱، الفصل الرابع: فیما یتعلق بالبخاری فی صحیحه ... ص ۵۱.
(۳) مقدمہ شرح نووی ص ۱۹.
(۴) صواعق محرقہ ص ۵، تطہیر الجنان ص ۱۴ (یہ کتاب صواعق محرقہ کے حاشیہ پر چھپی ہے).

اسلام ﷺ نے فرمائی ہے، چنانچہ اس کی تائید میں متعدد خواب نقل کئے ہیں!!

شیخ محمد بن عبدالرحمٰن شارح مختصر خلیل سے منقول ہے:

''میں اپنے استاد شیخ عبدالمعطی (تونسی) کے ساتھ حضرت رسول اکرم ﷺ کے حرم کی زیارت کے لئے گیا، تو میں نے دیکھا کہ میرے استاد روزانہ کے معمول کے برخلاف آج اپنے قدم آہستہ آہستہ اٹھا رہے ہیں، اس کے بعد چند لحظہ ٹھہرے اور آگے بڑھ کر زیارت سے مشرف ہوئے اور کچھ جملے زبان پر جاری کئے جس کو میں نہ سمجھ سکا، واپسی کے بعد میں نے اس کا سبب معلوم کیا، تو آپ نے فرمایا: جب میں حرم مطہر میں وارد ہوا تو پہلے رسول اسلام ﷺ سے اجازت مانگی اس کے بعد حرم میں وارد ہوا اور رسول ﷺ کے نزدیک ٹھہر گیا اور پوچھا: یا رسول اللہ! امام بخاری نے جو حدیثیں اپنی کتاب میں آپ سے نقل کی ہیں کیا وہ سب درست ہیں؟ تو رسول خداؐ نے فرمایا: ہاں وہ ساری حدیثیں صحیح ہیں، میں نے کہا: کیا اجازت ہے کہ وہ حدیثیں آپ کی طرف سے نقل کروں؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں تو ان حدیثوں کو میری زبان سے نقل کر!! اور بعض کتابوں میں نقل کیا گیا ہے کہ شیخ نے اجازت کے بعد رسول اسلامؐ سے سوال کیا کہ کیا صحیح بخاری و صحیح مسلم میں نقل کردہ حدیثیں صحیح ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں وہ ساری حدیثیں صحیح ہیں اور میں تجھ کو نقل کرنے کی جازت دے رہا ہوں''!!(۱)

ابوزید مروزی کا قول

ابوزید مروزی کہتے ہیں:

''میں رکن و مقام کے درمیان سو رہا تھا کہ میں نے خواب میں رسول اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں: اے ابوزید کب تک شافعی کی کتاب پڑھتا رہے گا، میری کتاب کیوں نہیں پڑھتا؟ میں نے رسول اسلام ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کی کتاب کون سی ہے؟ فرمایا: میری

(۱) درثمین فی مبشرات النبی الامین، رسالہ شیخ احمد نخلی مفتی حنفیہ (القول الصراح سے نقل کردہ)، کتاب استقصاء الافہام.

کتاب؛الجامع الصحیح لمحمد بن اسماعیل ہے''۔

" [سمعت] ابا زید المروزی یقول :کنت نائما بین الرکن والمقام فرأیت النبیؐ فی المنا م فقال لی یا ابازید متی تدرس کتاب الشافعی ..."(۱)

فرید وجدی کا قول

بعض لوگ صحیح بخاری کے بارے میں اتنا غلو کرتے ہیں کہ لوگوں کو رقم دے کر کہتے ہیں: ان کی روایتیں قرآن کی مانند خیر وبرکت نازل ہونے کیلئے پڑھیں!!(۲)

قاسمی کا قول

صحیح بخاری قرآن مجید کے ہم پلہ اور مساوی ہے،اگر اس کتاب کو مرضِ طاعون کے زمانہ میں اپنے گھر میں پڑھا جائے تو پڑھنے والے مرضِ طاعون سے محفوظ رہیں گے، جو شخص اس کتاب کو کسی بھی نیت سے پڑھے گا وہ اپنی حاجت پائے گا،اگر کسی حادثہ اور پریشانی کے موقع پر پڑھے گا تو اس کے توسل سے نجات پائے گا،اگر دریا کے سفر میں اس کتاب کو ساتھ رکھے گا تو دریا میں غرق ہونے سے محفوظ رہے گا!!(۳)

خواب دیکھتے ہیں اور کرامت نقل کرتے ہیں!!

نقل کیا جاتا ہے کہ امام بخاری بچپن میں ہی نابینا ہوگئے تھے،ایک روز ان کی والدہ نے خواب میں دیکھا کہ آپ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کہہ رہے ہیں: تیرا فرزند محمد ٹھیک ہوجائے گا اور یہ تیری کثرت گریہ کا اثر ہے کہ

(۱) ہدی الساری (مقدمۃ فتح الباری) بخاری کے نسب ومولد کے بارے میں جو کہ فصل دہم کے آخر میں ہے، ج۲،ص۴۹۰.
مقدمہ ارشاد الساری، فصل رابع فیما یتعلق بالبخاری ص۲۹.

(۲) دائرۃ المعارف جلد ۳، مادہ بخر ، ص ۳۸۲ .

(۳) قواعد التحدیث،" قراۃ البخاری لنازلۃ الوبا " ص۲۶۳.

جس کی وجہ سے خدا نے اس کی بصارت واپس کردی ہے، آپ کہتی ہیں: جب صبح ہوئی تو بخاری کی آنکھیں ٹھیک ہوچکی تھیں!! **"رأیتہ والدتہ فی المنام ابراھیم الخلیل فقال لھا : یا ھذہ قد رد اللہ علی ابنک بصرہ لکثرۃ بکائہ"(۱)**

فربری کا رسول خداؐ کو خواب میں دیکھنا

میں نے ایک شب رسول خداؐ کو خواب میں دیکھا تو آپ نے مجھ سے پوچھا: تو کہاں جارہا ہے؟ میں نے کہا: محمد بن اسماعیل کے پاس، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: انھیں میرا سلام کہہ دینا۔

"رأیت النبیؐ فی النوم فقال : این ترید قلت ارید محمد ابن اسماعیل البخاری، فقال: اقرأہ منی السلام". (۲)

مسلم اور طریقۂ انتخاب حدیث

فاضل نووی نے مسلم سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں:

''میں نے اپنی کتاب (صحیح مسلم) میں تین لاکھ حدیثوں سے انتخاب کرکے حدیثیں نقل کی ہیں، چنانچہ اگر اہل حدیث دوسو سال تک حدیثیں لکھیں پھر بھی میری یہ کتاب ان کے لئے مدرک و مآخذ قرار پائے گی۔(۳)

امام بخاری کا طریقۂ انتخاب احادیث

امام بخاری سے منقول ہے:

میں نے چھ لاکھ حدیثوں سے انتخاب کرکے اپنی صحیح میں احادیث درج کی ہیں اور اس کتاب

---

(۱) ہدی الساری (مقدمہ فتح الباری) ج۲، فصل دہم کے آخر میں، بخاری کے نسب ومولد کے بیان میں ص ۴۷۸.مقدمہ ارشاد الساری، فصل خامس فی ذکر نسب البخاری، ص۶۵، تاریخ بغداد جلد۲، محمد ابن اسماعیل بن ابراہیم ص۱۱.مترجم.

(۲) تھذیب الاسماء واللغات ج ۱، ص ۶۸،مؤلفہ نووی، تاریخ بغدادی ج۲، محمد ابن اسماعیل بن ابراھیم، ص۱۰.

(۳) مقدمہ شرح مسلم نووی، ص ۱۵.

کو اپنے اور خدا کے درمیان حجت قرار دیا ہے۔(۱)

فربری نے امام بخاری سے اس طرح نقل کیا ہے:

"ما کتبت فی کتاب الصحیح حدیثا الا اغتسلت قبل ذالک و صلیت رکعتین"(۲)

''میں نے ہر حدیث کو کتاب میں تحریر کرنے سے قبل غسل کیا اور دو رکعت نماز ادا کر کے استخارہ کیا اور جب حدیث کی صحت استخارہ کے ذریعہ میرے نزدیک ثابت ہوگئی تب میں نے حدیث کو اپنی کتاب میں درج کیا۔''

(۱) مقدمہ فتح الباری (ھدی الساری) فصل اول، ص ۵، مقدمہ ارشاد الساری، کشف الظنون۔

(۲) مقدمہ فتح الباری، فصل اول، وارشاد الساری، کشف الظنون، الفصل الرابع فیما یتعلق بالبخاری وجعلته حجة فیما بینی وبین اللہ ص ۲۹۔

مترجم: امام بخاری نے صحیح بخاری کی تالیف میں (۱۶) سال صرف کیے، جیسا کہ خطیب بغدادی نے بخاری سے نقل کیا ہے: میں نے اس کتاب کو سولہ (۱۶) سال میں تالیف کیا۔

تاریخ بغداد ج ۲، در بیان حالات محمد ابن اسماعیل، ص ۱۴۔

امام بخاری کے مذکورہ قول کے مطابق چھ لاکھ حدیثوں میں سے تقریباً سات ہزار حدیثوں پر استخارہ آیا اور بقیہ پر استخارہ نہ آیا، ذرا ہم تحقیق کر کے اس بات کو دیکھتے ہیں کہ آیا یہ عمل ممکن ہوسکتا ہے یا نہیں؟!

واضح رہے کہ امام بخاری نے ہر حدیث پر ایک مرتبہ استخارہ، غسل اور دو رکعت نماز انجام دی، پس کمترین مدت اگر ایک حدیث پر صرف کی جائے تو بیس منٹ ہوں گے، گویا تین حدیثوں پر کم سے کم ایک گھنٹہ صرف ہوتا ہے، لہٰذا اگر چھ لاکھ حدیثوں پر اس عمل کو انجام دیا جائے تو تقریباً دو لاکھ گھنٹوں کی ضرورت ہوگی، جس کا حساب اس طرح ہوگا:

۱۔ اگر امام بخاری نے دن ورات حدیث جمع کرنے کیلئے ۲۴ گھنٹہ کام کیا تو چھ لاکھ حدیثوں کے لئے ۱۳۷ سال درکار ہوں گے۔

۲۔ اگر بخاری نے روزانہ ۸ گھنٹہ صرف کئے تو تقریباً ساڑھے اڑسٹھ (۶۸/۵) سال درکار ہوں گے۔

۳۔ اگر بارہ گھنٹے صرف کئے تو ۴۶ سال لازم ہوں گے۔

۴۔ اگر ۱۶ گھنٹہ روزانہ استعمال میں لائے تو ۳۴ سال ضروری ہوں گے۔

۵۔ اگر بیس گھنٹے کام کریں تو ۲۷ سال درکار ہوں گے۔

۶۔ اگر ۲۴ گھنٹے کام کریں تو ۲۳ سال درکار ہوں گے۔

لیکن لاینحل معمہ یہاں یہ ہے کہ بخاری نے دس سال کی عمر سے تعلیم دین حاصل کرنا شروع کی اور جب ۲۰ سال کے ⇦

← ہوئے تو علوم دینیہ کے حصول کے لئے گھر سے باہر نکلے اور عمر کے ۲۹ ویں سال سے ان چھ لاکھ حدیثوں پر تحقیقی کام شروع کیا اور کلی طور پر ۶۲ رسال عمر پائی، پس اگر ہم ۶۲ ر سے ۲۹ رکم کردیں تو امام بخاری نے ۳۳ رسال اس کام (احادیث جمع کر کے ان کی تحقیق) میں صرف کئے اور اگر ایک سال اور بڑھالیں تو ۳۴ رسال ہوتے ہیں، اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے بخاری کا یہ کہنا: ''میں نے صرف ۱۶ رسال ان حدیثوں پر کام کیا'' کیسے درست ہوسکتا ہے؟! بہر حال اگر ہم ۱۶ رسال کی مدت سے قطع نظر کریں تو امام بخاری نے ۳۴ رسال حدیث پر کام کیا، پس اگر بخاری نے پہلے فارمولے کے مطابق چار گھنٹے کام کیا تو آپ کی عمر اس کام کو کرنے کے لئے ۱۳۷ رسال ہونی چاہئے اور دوسرے اور تیسرے فارمولے کے مطابق ۶۸/۵ یا ۴۶ رسال ہونا چاہئے اور اگر روزانہ ۱۶ رگھنٹے کام کیا، تو پھر آپ کی تعلیمی عمر کے برابر سال ہونا چاہئے ۳۴ رسال، یعنی اگر آپ ۱۶ رگھنٹے روزانہ حدیث پر کام کریں تو پھر روزانہ آپ کو ۴۸ رحدیثوں پر کام کرنا ہوگا، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی انسان یہ یقین کرسکتا ہے کہ ایک شخص ۲۴ رگھنٹوں میں ۴۸ رمرتبہ غسل کرے؟! اور ہر غسل کے بعد دو رکعت نماز اور استخارہ انجام دے؟! یعنی روزانہ ۱۹۶ ررکعت نمازیں پڑھے؟ اور اگر غسل کو وضو کے لئے کافی نہ جانیں تو وضو بھی ۴۸ رمرتبہ نماز کے لئے انجام دینا ہوگا اور پھر اس کے علاوہ آٹھ گھنٹوں میں کھانا، پینا، رفع حاجت اور بقیہ نماز پنجگانہ مع فرض ونوافل جو تقریباً ۵۱ ر رکعت ہوتی ہے اور ان نمازوں کے لئے وضو وغیرہ انجام دینا اور پھر ان ہی آٹھ گھنٹوں میں سونا اور ہر ماہ نماز جمعہ بھی چار دفعہ آتی ہے اور ہر سال نماز عید کا اضافہ ہوجاتا ہے اور کسی غرض کے تحت سفر بھی کرنا، باہر سے کھانے پینے کا سامان مہیا کرنا، بال بچوں سے بھی محو گفتگو ہونا اور دیگر لوگوں کے دینی مسائل بھی حل کرنا، درس وتدریس کا سلسلہ بھی برقرار رکھنا اور پڑھانے کے لئے پیشگی مطالعہ کرنا اور پھر اپنی زوجہ کو خاص وقت بھی دینا وغیرہ وغیرہ۔

گزارش: یہاں پر ارباب عقل ودانش سے ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا ایک انسان ۳۴ رسال تک مسلسل روزانہ مذکورہ عمل انجام (۴۸ رمرتبہ نماز وغسل اور ۴۸ رمرتبہ استخارہ وغیرہ وغیرہ) دے سکتا ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ ۸ رگھنٹے صرف نماز یومیہ کے لئے درکار ہوتے ہیں، مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری کے زمانہ میں دن ۴۸ رگھنٹے کا تھا؟!

جوبات کی خدا کی قسم لاجواب کی ۔۔۔ پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی

اور اگر اس حساب سے ایک لمحہ کے لئے ہم چشم پوشی کرلیں تب بھی بخاری کا یہ طریقۂ انتخاب حدیث علم درایت وروایت کے خلاف ہے، کیونکہ روایت قبول کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے احوال رُواۃ کو دیکھا جائے کہ وہ کیسا تھا، صادق تھا یا کاذب، ذہین تھا یا کند ذہن، امین تھا یا خائن مجہول الحال تھا یا غیر مجہول وغیرہ وغیرہ اور اس کے بعد تمام سلسلۂ سند وروایت کو دیکھا جاتا ہے، آیا روایت مقطوع تو نہیں ہے، سلسلہ سند درمیان سے محذوف تو نہیں، ان تمام مراحل کے بعد یہ دیکھا جائے گا کہ یہ روایت قرآن وحدیث کے خلاف تو نہیں ہے، اگر مخالف ہے تو دیوار پردے ماریں، ان تمام اصول وضوابط کو بالائے طاق رکھ کر امام بخاری کو نہ جانے کیا سوجھی کہ غسل کر کر کے نمازیں پڑھ پڑھ کے استخارہ کے ذریعہ روایت اخذ کیں؟!! اجی! اگر ہر مسئلہ میں قوانین وضوابط کو بالائے طاق رکھ کر استخارہ ہی کیا جائے تو پھر سلسلۂ سند روایت تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اجتہاد کا کیا کام؟! تب تو آپ استخارہ دیکھتے جایئے اور عمل کرتے جایئے، اگر یہی بات مان لی جائے تو میرا مشورہ یہ ہے کہ صحیح بخاری پر پھر ایک تجدید استخارہ ہوجائے، پھر دیکھئے کتنی روایتیں حذف ہوتی ہیں!! مترجم

صحیحین کے بارے میں اشعار و قصائد

صحیح بخاری کے بارے میں قصیدے اور اشعار بھی بہت کہے گئے ہیں چنانچہ ابن عامر جرجانی فرماتے ہیں:

صحیح البخاری لو انصفوہ　　لما خط الا بماء الذھب

ھو الفرق بین الھدی و العمی　　ھو السد دون العنا والعطب

اسانید مثل نجوم السماء　　امام متون کمثل الشھب

بہ قام میزان دین النبی　　ودان لہ العرب بعد العجم

صحیح بخاری کے بارے میں انصاف تو یہ ہے کہ اس کتاب کو سونے کے پانی سے لکھنا چاہیے۔
چونکہ یہ کتاب ہدایت وضلالت کے درمیان فرق ظاہر کرتی ہے، یہ سیلاب رنج وہلاکت کے مقابلے میں محکم، مضبوط اور شکست ناپذیر دیوار ہے۔
اس کتاب کے اسناد ستاروں کے مثل درخشاں ہیں جو شہاب کے تیروں جیسے متون کے آگے قرار پائے ہیں۔
اس کتاب کی وجہ سے رسولؐ کے دین کا میزان قائم اور محکم ہوا، یہ وہ کتاب ہے جس کے سامنے عرب وعجم سر تعظیم خم کیے ہوئے ہیں۔(۱)

امام ابوالفتح عجلی صحیح مسلم کی مدح میں یوں رطب اللسان ہوتے ہیں:

صحیح القشیری ذارتبۃ　　تفوق الثریا اذاما اعتلت

فالفاظہ مثل نور الریاض　　سقیھا السواری اذا ماسرت

واما المعانی فکالشمس تحت　　السحاب الخریفی عنہ انجلت

فللہ دولۃ ھذا الامام　　وللہ ھمتہ ان علت

علیہ من اللہ رضوانہ　　فقد تم منہ مالہ وانتھت

صحیح مسلم وہ بلند مرتبہ کتاب ہے جو ثریا ستارے سے بھی بلند ہے جب وہ اپنی بلندی کی آخری منزل پر ہو۔

(۱) مقدمہ فتح الباری (ھدی الساری) ومقدمہ ارشاد الساری

اس کتاب کے الفاظ ان شگوفوں کے مانند ہیں جن کو باران رحمت اور رواں دواں بادلوں نے سیراب کیا ہو۔

اور اس کے معانی اس موسم خزاں کے آفتاب کی مثل ہیں جو ابر کے پیچھے سے رونمائی کر کے نور افشانی کرتا ہے۔

پس خدا کے اوپر لازم ہے کہ وہ امام مسلم کی دولتِ عظمت وشہرت کو ہمیشہ کے لئے باقی رکھے اور ان کی بلند ہمت کو بلند تر کرے۔

خداوند عالم کی جانب سے ان کی جگہ بہشتِ رضوان میں ہے، کیونکہ وہ کوشش اور سعی کر کے کمال کے آخری مرحلے تک پہنچ چکے تھے۔(۱)

صحیحین کا بیجا دفاع!

اہل سنت ان دونوں کتابوں کی عزت وآبرو بچانے کی خاطر اس قدر آگے بڑھے ہوئے ہیں کہ ان کے بارے میں ہر قسم کا بحث ومباحثہ توہین اور ان کو مثل وحیٔ منزل ہر خطا، نسیان اور اشتباہ سے پاک و پاکیزہ اور منزہ سمجھتے ہیں، چنانچہ اگر کوئی ان کے بارے میں بحث کرے اور اظہار نظر فرمائے تو وہ ان کے نزدیک ایسا ہے گویا اس نے قرآن مجید کی توہین کی ہے جو نا قابل معافی ہے!!

اسی وجہ سے ماہ ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ میں ''انجمن اصلاح معاشرہ کویت'' کی جانب سے ایک رسالہ صحیح بخاری کے دفاع اور مخالفین کی رد میں نکالا گیا، جس کی پشت پر لکھا تھا: ''**کل ما فی الصحیح البخاری صحیح**'' صحیح بخاری کی ساری روایات صحیح ہیں !! یہ رسالہ درحقیقت اس مضمون کی رد میں نکالا گیا تھا جسے عصر حاضر کے ایک سنی محقق جناب عبدالوارث کبیر نے اس عنوان سے تحریر کیا تھا ''**لیس کل مافی الصحیح البخاری صحیحاً**'' صحیح بخاری کی ساری حدیثیں صحیح نہیں ہیں۔

یہ مضمون ماہنامہ الوعی الاسلامی (کویت) میں شائع ہوا، چونکہ میں نے اس مضمون کو نہیں پڑھا ہے لہٰذا

(۱) یہ اشعار جو صحیح مسلم بیروت سے شایع ہوئی ہے اس کے آخر میں مرقوم ہیں۔

اس مضمون کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا، لیکن جو رسالہ اس مضمون کے جواب میں شائع کیا گیا وہ ان اعتراضات و جوابات پر مشتمل ہے جن میں تنقیدی اور خطابی پہلو اختیار کیا گیا ہے اور یہ رسالہ ہمارے سامنے موجود ہے، چنانچہ اس رسالہ کے شروع میں شام کی یونیورسٹی اور دینی حوزات علمیہ کی ۳۲ رقد آور شخصیتوں کے اسمائے گرامی کی تصدیق کے ساتھ ایک قرارداد تحریر ہے، جس میں امیر کویت کو مخاطب قرار دے کر متذکرہ مضمون کے اوپر اعتراض کیا گیا ہے اور اس قرارداد میں امیر کویت سے تاکید کے ساتھ گزارش کی گئی ہے کہ اس رسالہ کو بند کیا جائے، کیونکہ اس نے ہمارے دل کو ٹھیس پہنچائی ہے اور ایسے مضمون نگار کے قلم کو توڑ دیا جائے جو صحیح بخاری کی مخالفت پر اٹھے، اس کے بعد دیگر عربی ممالک کے اساتذہ کے مضامین اس رسالہ میں زیراکس کئے گئے ہیں جو انھوں نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے دفاع میں تحریر کئے تھے، اس کے بعد اہل سنت کے دوسرے دس جید علماء کے اسماء تحریر کئے گئے ہیں جنھوں نے مذکورہ مضمون کی رد میں امام بخاری کی حمایت کرتے ہوئے مضامین اور مقالے قلمبند فرمائے تھے۔

قارئین کرام! اگرچہ ہماری یہ بحث (صحیحین اہل سنت کی نظر میں) کچھ طولانی ہوگئی جس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں، مگر اس قدر بحث لازم تھی کیونکہ اس بارے میں جتنا ہم نے بیان کیا اس سے کہیں زیادہ مطالب نقل ہوئے ہیں اور یہ صرف اس لئے ہے کہ قاری پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے کہ اہل سنت کے یہاں صحیحین کی کیا اہمیت ہے؟ اور یہی نہیں کہ یہ کتابیں اہل سنت کے درمیان زمانہ قدیم میں اہمیت رکھتی تھیں بلکہ موجودہ زمانہ میں بھی اسی اہمیت اور ارزش کی حامل ہیں، اگر سچ پوچھئے تو آجکل ان کی اہمیت کا بھوت اہل سنت کے اوپر کچھ زیادہ ہی سوار ہے!! چنانچہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ایک صاحب (عبدالوارث کبیر) نے جب اپنے علم و تحقیق کی روشنی میں ان کتابوں کے بارے میں اظہار حقیقت کیا (کہ ان کتابوں کی ساری حدیثیں صحیح نہیں ہیں) تو کس قدر سخت ردعمل سے دوچار ہوا؟! اور ایک منطقی بات کے جواب میں (جاہلوں کی طرح) اس قدر رداویلا اور ہلڑ ہنگامہ مچایا کہ اگر کسی انصاف پسند شخص کے ذہن میں حقیقت آ بھی جائے تو وہ اسے اظہار کرنے کی جرأت نہ کرے!!

فصل ۳
صحیحین علمی و تحقیقی معیار پر

اظہار حقیقت

اگر کوئی شخص اہل سنت کی صحیحین کے بارے میں تعریف و توصیف کا مطالعہ کرے اور امام بخاری کی کرامتوں اور سچے خوابوں پر کان دھرے اور پھر امام بخاری و مسلم اور ان کی کتابوں سے متعلق اہل سنت کی خاص توجہ اور عنایات کو ملاحظہ فرمائے، تو امام بخاری اور مسلم کی شخصیت اس کی نظر میں اس طرح جلوہ گر ہوگی کہ اگر وہ انہیں معصوم نہ مانے تو بھی ان لوگوں کی عدالت، تقویٰ، ورع اور وثاقت میں ہرگز شک و شبہ نہیں کر سکتا اور ان حضرات کی کتابیں اس شخص کی نظر میں اس طرح مجسم ہوں گی کہ یہ اُن کے بارے میں بعض افراد کے اس قول (اس نیلے آسمان کے نیچے ان کتابوں سے زیادہ صحیح اور کوئی کتاب نہیں پائی جاتی) اور اس خواب کو کہ جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کتاب کو اپنی کتاب کہا ہے، حقیقت پر مبنی اور غیر قابل انکار واقعیت تصور کریگا!!

لیکن اگر کوئی تھوڑی سی تحقیق کرے اور ان دونوں کتابوں کا مختصر سا تحقیقی جائزہ لے، تو یقیناً حقائق اور واقعیت پر جو پردہ پڑا ہوا ہے وہ اس کے سامنے سے ہٹ جائے گا اور جو حقیقت ان جھوٹے خوابوں کے پردے کے

اندر چھپی ہوئی ہے اور باطل خیالوں میں پنہاں ہے وہ روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی، چنانچہ ان من گڑھت اور خود ساختہ فضائل کے مقابلہ میں ایسے انصاف پسند اہل سنت بھی نظر آتے ہیں جنھوں نے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے اور ان کتابوں کے بارے میں دقت سے تحقیق کی ہے اور ان کتابوں کے متن اور مفاہیم کو علم و تحقیق کی ترازو میں رکھ کر تولا ہے، ان حضرات نے صحیحین کی کچھ روایات کو سند کے اعتبار سے اور کچھ روایات کو متن کے اعتبار سے مسترد کیا ہے اور ان روایات کو موازین علم و دین کے خلاف جانا ہے۔

اور ایک گروہ ایسا بھی ہے جس نے تعصب کی عینک اتار کر خود امام بخاری اور مسلم کی شخصیت کا حقیقت پسندانہ نظروں اور نزدیک سے مطالعہ کیا تو اس کا نظریہ ٹھیک اس پہلے گروہ کے برخلاف قائم ہوا جو امام بخاری کو رسول خداؐ کا سلام پہنچانے جیسی بیہودہ باتیں کرتا ہے، چنانچہ آئندہ صفحات میں ہم ان بے سرو پا حقیقتوں کو واضح اور روشن کریں گے اور انشاء اللہ ان دو کتابوں کی ماہیت اور مؤلفین کا اصل چہرہ فاش کر کے حقیقت کے متلاشی حضرات کو ان کا واقعی چہرہ دکھلائیں گے، لہٰذا پہلے ہم ان کتابوں اور ان کے مؤلفین کے بارے میں چند جید علمائے اہل سنت کے اقوال نقل کرتے ہیں جنہوں نے ان کتابوں کے بارے میں تحقیقانہ اور تنقیدانہ اظہار نظر کیا ہے، تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ ان کتابوں کے بارے میں محققانہ اور تنقیدی بحث کرنے میں ہم شیعہ تنہا نہیں ہیں بلکہ محققین اہل سنت نے بھی اس راستہ پر قدم اٹھایا ہے اور اس میدان میں خود اہل سنت نے سبقت اختیار کر کے حقیقت کو ظاہر فرمایا ہے اور تنقید نگاری کا راستہ باز کیا ہے، چنانچہ ان لوگوں میں اہل سنت کے مشہور علماء، محدثین اور شارحین صحیحین بھی نظر آتے ہیں، جن کے علمی دبدبہ کے خود اہل سنت معترف ہیں، اب ہم ذیل میں ان میں سے بعض کے نظریات اور اقوال محترم قارئین کے حوالے کرتے ہیں۔

صحیحین امام ذہلی کی نظر میں

ابن خلکان امام ذہلی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''آپ کا نام محمد بن یحیٰ اور ذہلی کے لقب سے معروف تھے آپ اکابر و اعاظم اہل حدیث اور مشہور حفاظ قرآن سے تھے اور آپ کو امام بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ

کے اساتذہ میں شمار کیا جاتا ہے۔"(۱)

امام ذہلی وہ ہیں جن کے لئے امام احمد بن حنبل نے اپنے بچوں اور شاگردوں سے کہا تھا کہ امام ذہلی سے حدیث اور علم حاصل کریں۔

"قال لبنیه و اصحابه اذهبوا الی عبدالله محمد ابن یحی و اکتبوا عنه" (۲)

خطیب بغدادی کہتے ہیں:

امام ذہلی بھی زیادہ تر متکلمین (قریب بہ اتفاق) کی طرح الفاظ قرآن کو قدیم جانتے تھے اور اپنے مخالفین یعنی قرآن مجید کے مخلوق ہونے کے قائلین کو کافر سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر کوئی شخص ایسا عقیدہ رکھتا ہو تو اس کی زوجہ پر واجب ہے کہ وہ اس سے طلاق لے لے، اس شخص کو توبہ کے لئے کہا جائے، اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے اور اس کے مال کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے، اس کی میت کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا جاے اور جو شخص قرآن کے قدیم یا مخلوق ہونے میں متردد ہو وہ بھی مانند کافر و مرتد ہے، اسی طرح جو اپنے ذہن میں قرآن کا مخلوق ہونا تصور کرے وہ بھی فاسد العقیدہ ہے اور ایسے شخص کے ساتھ ہم نشینی صحیح نہیں ہے۔

اس کے بعد خطیب بغدادی کہتے ہیں:

اتفاقاً امام بخاری اس وقت اہل سنت کے دیگر متکلمین کے مقابلہ میں الفاظِ قرآن کریم کو مخلوق سمجھتے

---

(۱) وفیات الاعیان ج۵، نمبر ۷۱۷، حرف المیم مسلم صاحب الصحیح ص ۱۹۵.

کتاب "الجمع بین رجال الصحیحین" کے مؤلف کہتے ہیں: امام بخاری نے اپنی کتاب کے باب صوم، باب طب، باب جنائز اور باب عتق وغیرہ میں تقریباً تیس جگہ پر امام ذہلی سے حدیثیں نقل کی ہیں، لیکن جس لقب سے ذہلی مشہور تھے کہیں بھی ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ کبھی محمد اور کبھی محمد بن عبداللہ ذکر کیا ہے!!! اور اس کی علت یہ ہے کہ امام ذہلی نے بخاری کے کفر کا فتویٰ دیا تھا اور بخاری کو نیشاپور سے شہر بدر کروا دیا تھا، لیکن چونکہ بخاری نے مذکورہ حدیثوں کو یہ واقعہ پیش آنے سے پہلے اخذ کیا تھا لہٰذا اپنی دشمنی کی وجہ سے بخاری نے آپ کے لقب کا ذکر نہیں کیا بلکہ چشم پوشی سے کام لیا۔

(۲) تاریخ بغداد ج۳، نمبر ۱۸۶۴، محمد بن یحیی بن عبد الله بن خالد: الذهلی، ص۱۸۷.

تھے، چنانچہ جب آپ شہر نیشاپور پہنچے ہیں اور امام ذہلی کو علم ہوا تو چوں کہ امام ذہلی اس وقت نیشاپور کی علمی مرجعیت پر فائز تھے لہٰذا آپ نے حکم صادر فرمایا:

"کسی کو حق نہیں ہے کہ وہ بخاری کی مجلس علم میں شرکت کرے اور اگر کوئی شخص ان کی مجلس میں رفت وآمد کرتے دیکھا گیا تو اسے انھیں ہم عقیدہ تصور کیا جائے گا، کیونکہ ان کے ساتھ وہی اٹھنا بیٹھنا کریگا جوان کا ہم عقیدہ ہوگا"

الغرض امام بخاری اپنے استاد امام ذہلی اور شہر نیشاپور کے دیگر بزرگان دین کی نظر میں مردود، منحرف اور فاسد العقیدہ کے نام سے مشہور ہوگئے اور شہر نیشاپور کے لوگ آپ سے اس قدر متنفر اور بیزار ہوگئے کہ آپ کا یہاں رہنا مشکل ہوگیا، چنانچہ آپ یہاں سے چلے گئے یا ایک قول کے مطابق آپ کو شہر بدر کر دیا گیا اور سوائے امام مسلم واحمد بن مسلمہ کے تمام شاگردوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا تا کہ شہر نیشاپور کے مسلمانوں کا شعلۂ نفرت ان کے دامن تک نہ پہنچے اور وہ بھی بخاری کی طرح عام لوگوں کی نظر میں نفرت کا شکار نہ ہو جائیں، اس واقعہ کو امام بخاری کی تاریخ حیات لکھنے والوں نے آپ کے مصائب وآلام کے ضمن میں نقل کیا ہے، ہم اس تاریخی واقعہ سے اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ امام بخاری کی کتاب **"الجامع الصحیح"** اور آپ کے شاگرد رشید مسلم بن حجاج کی کتاب امام ذہلی کی مانند علمائے نیشاپور کی نظر میں کس قدر تنقید کا نشانہ تھی!!! افسوس کہ یہی دو کتابیں آج اہل سنت میں صحیح اور مہم ترین کتابیں شمار کی جاتی ہیں!! آج کل اہل سنت ان ہی دو کتابوں کو اپنے مذہب کا مدرک اور ماخذ سمجھتے ہیں، جبکہ ان کے مؤلفین اپنے زمانہ میں کافر و زندیق جیسے القاب سے ملقب تھے اور اس وقت کے مسلمان ان حضرات سے کس قدر بیزاری کرتے تھے!!

خطیب بغدادی دوسری جگہ لکھتے ہیں:

ایک روز محمد بن یحییٰ ذہلی نے کہا: بغداد سے میرے پاس خط آیا ہے کہ بخاری قرآن کے مخلوق ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، اور قدیم ہونے میں متردد ہیں، میں نے بخاری کو بہت سمجھایا ہے مگر میرا قول

موثر نہیں ہوا لہٰذا آج سے جو بھی ان کی مجلس علم میں شریک ہوگا وہ میری مجلس علم میں شرکت کا حق نہیں رکھتا۔(۱)

امام مسلم بھی مطرود تھے

جس طرح امام ذہلی بخاری کو فاسد العقیدہ سمجھتے تھے اسی طرح مسلم کو بھی ان ہی کا شریک گردانتے تھے، اسی سبب سے آپ نے اپنی مجلس درس سے مسلم کو نکال دیا تھا، اوران کی ہم نشینی کو ناجائز قرار دے دیا تھا : **"فلا یحضر مجلسنا."** (۲)

ابن خلکان لکھتے ہیں کہ مسلم اسی عقیدۂ فاسدہ کی بنا پر حجاز و عراق میں بھی نفرت کا شکار ہوئے ۔

"و انه عوقب علی ذالک بالحجاز و العراق"(۳)

مذکورہ داستان سے پتہ چلتا ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم نہ تنہا شہر نیشاپور میں اپنے خاص عقیدہ کی وجہ سے مردود تھے بلکہ علمائے حجاز و بغداد وغیرہ کے نزدیک بھی مردود سمجھے جاتے تھے، چنانچہ اسی بیزاری و نفرت کی وجہ سے آپ کو شہر بدر کر دیا گیا تھا۔

صحیح مسلم ابوزرعہ کی نظر میں

ابوزرعہ کو بزرگان علم حدیث اور اساتید فن رجال میں شمار کیا جاتا ہے، فاضل نووی آپ کی تعریف میں یوں

---

(۱) مزید تفصیل ان کتابوں میں دیکھئے: تاریخ بغداد ج ۲، الفصل الخامس فی ذکر نسب البخاری محمد ابن اسماعیل بن ابراهیم ص ۳۲، ۳۱، ج ۳ ص ۴۱۵، ارشاد الساری ج ۱، ص ۳۸. مقدمه فتح الباری (هدی الساری) ص ۹. استقصاء الافحام ج ۱، ص ۹۷۸.

(۲) دائرة المعارف فرید وجدی ج ۵، ماده سلم ص ۲۹۲. تذکرة الحفاظ ج ۲، حالات مسلم بن الحجاج ص ۵۸۹.

(۳) وفیات الاعیان ج ۵، نمبر ۷۱۷، حرف المیم _ مسلم صاحب الصحیح، ص ۲۸۱.

رطب اللسان ہیں: خراسان میں حفظِ حدیث میں صرف چار افراد مخصوص ہیں، ان میں سے ایک ابوذرعہ بھی ہیں: "انتھی الحفظ الی اربعہ من اھل خراسان ابوذرعة" (۱)

ابوذرعہ اس علمی لیاقت رکھنے کے باوجود مسلم اور آپ کے مانند افراد کے بارے میں کہتے ہیں:

"مسلم اور ان کے مثل افراد متظاہر اور اپنا بازار چمکانے والوں میں سے ہیں اور کتاب صحیح مسلم کی کچھ احادیث غیر صحیح ہیں۔"

خطیب بغدادی نے سعید بن عمر برزعی سے نقل کیا ہے:

میں ابوذرعہ رازی کے پاس تھا کہ صحیح مسلم اور صحیح بخاری کے بارے میں بات چھڑ گئی، ابوذرعہ نے کہا: یہ (بخاری و مسلم) ان لوگوں میں سے ہیں جو وقت سے پہلے اور علمی لیاقت کے بغیر اپنی کتابوں کو چمکا کر لوگوں میں جگہ پیدا کرنا چاہتے ہیں: "یتشوقون به الفوا". (۲)

اسی طرح خطیب بغدادی نے سعید سے نقل کیا ہے:

"میں ایک مرتبہ ابوذرعہ کے پاس تھا کہ صحیح مسلم کو ابوذرعہ کے پاس لایا گیا، ابوذرعہ نے اس پر ایک نگاہ کی اور اس حدیث پر نظر پڑی جس کو مسلم نے اسباط بن نصر سے نقل کیا تھا، ابوذرعہ نے کہا: یہ حدیث کس قدر صحت سے دور ہے، چند سطروں کے بعد اس حدیث پر نظر پڑی جس کو قطن سے نقل کیا تھا، اس جگہ آپ نے کہا: یہ تو پہلی سے بھی بدتر ہے"۔ (۳)

اس واقعہ کو ذہبی نے بھی اپنی کتاب میں نقل کیا ہے لیکن انہوں نے "یتشقون به" (اپنے آپ کو نمایاں کرتے تھے) کی بجائے "یتسوقون بـه" (انہوں نے ایسا کام کیا جس کے ذریعہ اپنا بازار گرم کیا اور اسے رونق بخشی) کا لفظ تحریر کیا ہے: "هولاء قوم اراد التقدم قبل اوانه، فعملوا شيئا يتسوقون به". (۴)

(۱) تهذيب الاسماء واللغات ج ۱، نمبر ۲۷۶ (محمد بن اسماعيل بخاری) مؤلف فاضل نووی ص ۶۸.

(۲) تاريخ بغداد ج۵، نمبر ۲۳۳۹ _ احمد بن عيسى بن حسان ابو عبد الله المصری المعروف بالتستری ص ۲۹، ۳۰.

(۳) تاريخ بغداد ج۵، نمبر ۲۳۳۹ _ احمد بن عيسى بن حسان ابو عبد الله المصری المعروف بالتستری _ احمد، ص ۲۹، ۳۰.

(۴) ميزان الاعتدال جلد ۱، حرف الالف، نمبر ۵۰۷ _ احمد بن عيسى المصری التستری _ احمد ص ۱۲۶.

صحیحین فاضل نووی کی نظر میں

فاضل نووی ان افراد میں سے ہیں جنھوں نے صحیح بخاری و صحیح مسلم کی شرحیں لکھیں ہیں، علاوہ اس کے کہ آپ علم رجال کے ماہرین میں سے تھے اور آپ نے علم رجال میں متعدد کتابیں بھی تحریر کی ہیں جو اہل سنت کے نزدیک مدرک و ماخذ مانی جاتی ہیں، بہر کیف آپ بھی مختلف مقامات پر صحیحین کی کچھ حدیثوں کے معتبر ہونے کے بارے میں مشکوک نظر آتے ہیں اور بعض جگہ پر تو آپ نے صراحت کے ساتھ کچھ حدیثوں کو باطل قرار دینے کی تائید کی ہے، چنانچہ نووی شرح صحیح مسلم کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''اگر چہ امام مسلم کا یہ دعویٰ ہے کہ جو کچھ میں نے صحیح (مسلم) میں لکھا ہے وہ صرف میری نظر میں ہی معتبر اور صحیح نہیں بلکہ اس پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے، لیکن اس دعویٰ کا ثابت کرنا مشکل ہے، کیونکہ اس کتاب میں بہت سی حدیثیں ایسی ہیں جن کی صحت مشکوک ہے اور ایسے افراد سے نقل کی گئیں ہیں جن کی صداقت اور قابل وثوق ہونا اختلافی ہے، جن میں سے بعض افراد کا نام میں نے ذکر کیا ہے۔(۱) اور صحیح مسلم کی حدیث ''ابا سلمہ باب بدأ الوحی'' کے ذیل میں کہ جس کا مضمون یہ ہے: ''سب سے پہلا سورہ ﴿یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ﴾ نازل ہوا'' جب کہ یہ حدیث ضعیف ہے، بلکہ باطل ہے کیونکہ رسول اکرمؐ پر سب سے پہلے سورۂ ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ﴾ نازل ہوا ہے۔''(۲)

صحیحین ابن حجر کی نظر میں

ابن حجر کہتے ہیں:

''حفاظ نے صحیح بخاری کی ۱۱۰/حدیثوں کو غیر معتبر اور ضعیف شمار کیا ہے ان میں سے ۳۲/حدیثیں امام مسلم نے بھی نقل کی ہیں''۔(۳)

---

(۱) مقدمه شرح صحیح مسلم نووی ،فضل صحیح مسلم و ترتیبه ص ۱۶ .

(۲) شرح صحیح مسلم نووی جلد ۲، باب بدء الوحی ص ۲۰۷.

(۳) مقدمه فتح الباری(هدی الساری)الفصل الثامن فی سیاق الاحادیث اللتی انتقدها علیه حافظ عصره .. ج۲،ص ۸۱.

ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں تین سو (۳۰۰) سے زیادہ افراد کے نام ذکر کیے ہیں جو صحیح بخاری کے رجال میں شمار ہوتے ہیں اور ان کو قدیم محدثین نے ضعیف اور غیر معتبر جانا ہے، اس کے بعد ابن حجر نے ان راویوں کے ضعیف ہونے کی وجہ بھی تحریر کی ہے۔(۱)

صحیحین ابوبکر باقلانی ودیگر اکابر علمائے اہل سنت کی نظر میں

۱۔ ابوبکر باقلانی کا قول

صحیح بخاری میں منقول ہے کہ جب عبداللہ بن اُبَیّ (منافق) مر گیا تو رسول خدا اس کی نماز جنازہ پڑھنے گئے، آپ کے اس فعل پر حضرت عمر نے اعتراض کیا، اتنے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَلاتُصَلِّ عَلیٰ اَحَدٍمِنهُم ماتَ اَبَداًوَلاتَقُمْ عَلیٰ قَبْرِہ﴾(۲)

ابوبکر باقلانی نے اس واقعہ کا انکار کیا ہے۔(۳)

۲۔ امام الحرمین

علم حدیث کے علماء نے مذکورہ واقعہ کا انکار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث غیر معتبر اور مردود ہے۔(۴)

۳۔ امام غزالی

آپ نے بھی "مصطفیٰ" میں کہا ہے کہ ظاہراً یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور داؤدی کہتے ہیں کہ یہ حدیث غیر محفوظ ہے:

"قال الغزالی فی المصطفی :الاظہر ان ھذا الخبر غیر صحیح وقال الداؤدی الشارح ھذا الحدیث غیر محفوظ". (۵)

---

(۱) مقدمہ فتح الباری (ھدی الساری) الفصل التاسع فی سیاق اسماء من طعن فیہ من رجال لھذا الکتاب جلد ۲ ص ۱۸۳، ۱۱۱.

(۲) سورۂ توبہ باب ﴿وَلاتُصَلِّ عَلیٰ اَحَدٍمِنهُم ماتَ اَبَداًوَلاتَقُمْ عَلیٰ قَبْرِہ﴾ آیت ۸۴.

(۳-۴-۵) فتح الباری جلد ۹، تفسیر سورہ برائت.

صحیحین ابن ہمام کی نظر میں

ابن ہمام شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں:

"وقول من قال :اصح الاحاديث ما في الصحيحين ثم ما انفرد به البخاری ثم ما انفرده به مسلم... تحكم لا يجوز التقليد فيه." (۱)

جو لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ احادیث جو صحیحین میں نقل ہوئی ہیں اصح ہیں اور اس سے کمتر درجہ رکھنے والی وہ حدیثیں ہیں جنھیں صرف امام بخاری نے نقل کیا ہے اور اس سے کمتر درجہ رکھنے والی وہ حدیثیں ہیں، جنھیں صرف امام مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے تو یہ دعویٰ غلط اور باطل ہے اور اس کی پیروی کرنا صحیح نہیں ہے۔

یہ تھے صحیحین اور ان کے مؤلفین کے بارے میں اجمال و اختصار کے ساتھ قدیم علماء کے چند نظریات اور اگر ہم تمام گزشتہ علماء کے تنقیدی اور تعریفی اقوال کو جمع کریں تو ایک مستقل ضخیم کتاب مرتب ہوسکتی ہے، لہٰذا ہم یہاں صرف عصر حاضر کے دو علماء کے اقوال نقل کر کے اپنی بحث کو ختم کرتے ہیں۔

صحیحین شیخ محمد عبدہ کی نظر میں

شیخ محمد عبدہ کے ممتاز شاگرد جناب سید محمد رُشید رضا مصری جنھوں نے اپنے استاد کے اقوال اور نظریات کو اپنی تفسیر اَلْمُنار میں جمع کیا ہے، اس تفسیر میں پہلے آپ ابن حجر کے قول کو اس طرح نقل کرتے ہیں:

''حفاظ نے صحیحین کی ایک سو دس (۱۱۰) حدیثوں پر اعتراض کیا ہے، ان میں سے ۳۲/ حدیثیں صحیح مسلم میں بھی نقل کی گئی ہیں اور ۷۸/ حدیثیں صرف امام بخاری نے نقل کی ہیں، اسی طرح حفاظ نے صحیح بخاری کے اسّی (۸۰) سے زیادہ رجال کو ضعیف اور غیر معتبر قرار دیا ہے اور صحیح مسلم کے ۱۶۰/ رجال کو ضعیف جانا ہے، اس کے بعد ابن حجر خود اپنا نظریہ اس طرح بیان کرتے ہیں: میری نظر میں صحیحین کی ۲۱۰/ حدیثیں ایسی ہیں جو غیر معتبر اور ضعیف ہیں، ان میں ۷۰/ حدیثوں سے

---

(۱) اضواء علی السنة المحمدية ، مسلم و کتابه، صفحه ۳۱۲.مؤلفه شیخ محمد ابو ریه .

زیادہ صحیح بخاری اور بقیہ صحیح مسلم میں نقل ہوئی ہیں۔''(۱)

اس کے بعد محمد رشید رضا اضافہ کرتے ہیں:

اگر ابن حجر کے تمام شکوک اور اعتراضات جو آپ نے شرح صحیح بخاری میں جابجا ذکر کیے ہیں، جمع کیا جائے تو اس تعداد سے بھی زیادہ حدیثیں ہوں گی، جن کو خاص طور پر ابن حجر نے مخدوش قرار دیا ہے اور یہ تمام اعتراضات علم حدیث کی شناخت کے اصولوں پر واقعاً صحیح ہیں، چنانچہ کہیں تو ابن حجر نے صحیح بخاری کی حدیثوں کے مطالب پر اعتراض کیا ہے، تو کہیں تعارض کے اعتبار سے حدیث پر تنقید کی ہے اور کہیں دیگر جہات سے نا قابل اعتبار کہا ہے، خلاصہ یہ کہ آپ نے اس تعداد سے زیادہ حدیثیں قابل اعتراض و تنقید جانی ہیں، جن کو ابتداء میں نقل کیا ہے، اگر چہ موصوف نے حتی الامکان ان کی صحیح توجیہ کرنے کے لئے ہاتھ پیر مارے ہیں، ممکن ہے بعض توجیہیں ان میں صحیح اور قابل قبول بھی ہوں لیکن کچھ توجیہیں یقینی طور پر ایسی ہیں جو کتاب کا مطالعہ کرنے والے کو ہرگز قانع اور راضی نہیں کر سکتیں۔(۲)

اس کے بعد رشید رضا اپنے استاد شیخ محمد عبدہ کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

جہاں آپ نے عبداللہ ابن ابیّ کے جنازہ پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نماز ادا کرنے اور حضرت عمر کے اعتراض کرنے والے واقعہ کا ذکر کیا ہے وہیں اس حدیث کو مردود قرار دینے والے چند علماء کے اقوال نقل بھی کئے ہیں اور لکھا ہے: حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث اس روایت سے متعارض ہے جسے ہم نے پہلے ذکر کیا ہے پس جو افراد اصول مذہب اور قطعی و یقینی دلائل (قرآن مجید) پر احادیث اور ظنی دلائل کے مقابلہ میں زیادہ توجہ دیتے ہیں ان کے لئے اس حدیث کے سلسلے میں کوئی جواب نہیں سوا اس کے کہ کہہ دیں: یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔(۳)

---

(۱) ہدی الساری ج۲، (مقدمۃ فتح الباری) الفصل الثامن فی سیاق الاحادیث التی انتقدہا علیہ حافظ عصرہ، وفصل تاسع ص۳۸۰، مؤلفہ ابن حجر۔ابن حجر نے مذکورہ کتاب میں کئی صفحات پر مشتمل بالترتیب ان احادیث اور روات کو بیان کیا ہے جو ضعیف اور غیر قابل اعتماد ہیں، البتہ موصوف نے گا ہے بہ گا ہے ان کو صحیح کرنے کی کوشش کی ہے، بہر حال آخر میں کہتے ہیں: ''ھٰذا جمیع ما تعقبہ الحفاظ اتقاد العارفون بعلل الاسانید المطلعون علی خفایا الطرق'' مترجم۔

(۲) اضواء علیٰ السنۃ المحمدیۃ، بخاری و کتابہ ص۲۷۴۔

(۳) تفسیر المنارج ۱۰، سورہ برائت آیہ ﴿وَلاتُصَلِّ عَلیٰ اَحَدٍمِنْهُمْ ماتَ اَبَداًوَلاتَقُمْ عَلیٰ قَبْرِہِ﴾ ص ۶۷۱۔

صحیحین احمد امین کی نظر میں

ڈاکٹر احمد امین مصری کہتے ہیں:

حفاظ نے صحیح بخاری کے اسّی ۸۰ رجال کو ضعیف قرار دیا ہے، اس طرح انہوں نے صحیح بخاری کے لئے سب سے بڑی مشکل پیدا کر دی ہے، کیونکہ ان میں بعض رجال کا کاذب اور غیر معتبر ہونا اس قدر مسلم ہے کہ جن میں شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں چنانچہ ان کا حال معلوم ہے، لیکن بعض رجال ایسے بھی ہیں جن کا حال مجہول ہے، لہٰذا اس قسم کے جو افراد حدیث کی اسناد میں آئے ہیں ان کے بارے میں ہمارے لئے حدیث کی تشخیص بڑا مشکل مسئلہ ہے، ان مجہول الحال راویوں میں ہی حضرت ابن عباس کا غلام عکرمہ ہے، اس نے اس قدر حدیثیں نقل کی ہیں جس کی حد و انتہاء نہیں، چنانچہ اس کی جھوٹی حدیثوں سے حدیث و تفسیر کی دنیا مملو نظر آتی ہے، حالانکہ بعض رجال نے اس کو مجہول الحال، کاذب اور خوارج کا پیرو بتلایا ہے، یہ امراء سے انعام حاصل کر کے حدیثیں گڑھتا تھا، علمائے رجال نے اس کے جھوٹ کے متعدد شواہد نقل کئے ہیں۔

اس کے بعد احمد امین عکرمہ (غلام ابن عباس) کے کاذب ہونے کے چند تاریخی شواہد تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

افسوس کہ امام بخاری کو اس کی صداقت راجح نظر آئی اور اپنی صحیح میں اس سے بہت زیادہ حدیثیں نقل کی ہیں، لیکن اس کے برعکس مسلم نے عکرمہ کو کاذب جانا ہے اور انہوں نے اپنی کتاب "**الصحیح**" میں صرف ایک حدیث باب حج میں وہ بھی دوسری حدیث کی تائید میں اس سے نقل کی ہے: "**فالبخاری ترجح عنده صدقه فهو يروى له فى صحيحه كثيرا و مسلم ترجح عنده كذبه**" (۱)

صحیح بخاری مسلمہ کی نظر میں ایک چوری کردہ کتاب ہے

کتاب "تہذیب التہذیب" میں ابن حجر نے مسلمہ سے نقل کیا ہے:

امام بخاری نے اپنی کتاب کی تدوین میں ایک خلافِ شرع عمل انجام دیا ہے جسے اصطلاح میں علمی

---

(۱) ضحى الاسلام ج ۲، الفصل الرابع " الحديث والتفسير " ص ۱۱۷، ۱۱۸.

چوری کہا جاتا ہے! یہ وہ عمل ہے جس سے موصوف کی علمی اور اخلاقی شخصیت کے ساتھ ساتھ خود بخود ان کی کتاب کی اہمیت اور اعتبار متزلزل ہو جاتا ہے، واقعہ کچھ یوں ہے کہ علی بن مدینی امام بخاری کے استاد تھے جنھوں نے ایک کتاب بنام ''علل'' تالیف کی تھی جس کی حفاظت میں آپ بہت ہی زیادہ اہتمام برتتے تھے تاکہ کسی کے ہاتھ نہ لگ جائے:

((والف علی بن المدینی کتاب العلل و کان ضنیناً به فغاب یوماً))

اتفاقاً آپ چندروز کے لئے اپنے باغ کی دیکھ بھال کی غرض سے شہر کے باہر چلے گئے، امام بخاری کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ ان کے گھر تشریف لائے اور استاد کے ایک بچہ کے ذریعہ پیسوں کا لالچ دے کر وہ کتاب ایک دن کے لئے مطالعہ کے بہانے حاصل کر لی اور چند کاتبوں کی مدد سے مکمل نقل کر لی، جب آپ کے استاد نے واپس ہو کر درس دینا شروع کیا تو اب استاد علی ابن مدینی جس نظریہ کو پیش کرتے، اس کو امام بخاری خود ان کے لکھے گئے جواب سے ہی نقض کر دیتے اور جب یہ سلسلہ طول پکڑ گیا تو استاد علی بن مدینی اپنی کتاب کی چوری اور نسخہ برداری کے بارے میں سمجھ گئے اور اس کے بعد آپ بہت ہی زیادہ رنجیدہ خاطر اور مغموم و محزون رہنے لگے اور اسی غم و اندوہ کی وجہ سے آپ نے چند دنوں کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔

امام بخاری چونکہ یہ کتاب نسخہ برداری کے ذریعہ حاصل کر چکے تھے لہٰذا آپ نے حدیث کے راویوں کے بارے میں تحقیق کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی اور اپنے کو اس امر سے مستغنی سمجھ کر خراسان (ایران) واپس پلٹ آئے اور اپنی کتاب صحیح بخاری کی تدوین کرنا شروع کر دی اور چونکہ اس میں علی بن مدینی کی کتاب ''علل'' کا ایک اہم کردار موجود تھا، لہٰذا یہی چیز سبب بنی کہ امام بخاری شہرتِ عامہ کے مصداق قرار پائے۔ (۱) (۲)

---

(۱) تهذیب التهذیب ج۹ ،نمبر ۵۳ _ ت ، س (الترمذی و النسائی) ص ۵۴.

(۲) ایسے ہی حضرات کے لئے کہا گیا ہے: ''رب شہرة لا اصل لہ'' بہت سی شہرت وہ ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ مترجم۔

صحیحین ہماری نظر میں

محترم قارئین! آپ کی خدمت میں ہم نے ابھی تک جو صحیحین کے بارے میں علمائے اہل سنت کے نظریات، اعتقادات اور ان کی تنقید واشکالات وغیرہ قلمبند کئے ہیں ان میں سے بعض سند اور بعض ان کتابوں کی حدیثوں کے متن اور کچھ ان دونوں جہتوں سے مربوط تھے، لیکن مذہب تشیع کے عقیدہ اور تحقیق کے مطابق ان دونوں کتابوں کی صحیح حدیثوں کے درمیان ضعیف اور غیر صحیح حدیثیں بھی پائی جاتی ہیں، چنانچہ ان ضعیف احادیث کی تعداد اس سے بھی کہیں زیادہ ہے جسے ابن حجر نے حفاظ سے نقل کیا ہے اور ایک سو دس حدیثیں ضعیف جان کران پر اعتراض کیا ہے، اسی طرح ہماری تحقیق کے مطابق ان دو کتابوں کے غیر معتبر اور ضعیف رجال کی تعداد تین سو افراد سے بھی زیادہ ہے کہ جسے ابن حجر نے اور اہل سنت میں سے علم رجال کے دیگر دانشور حضرات جانتے ہیں اور ہمارے اس عقیدہ کی تائید وتصدیق مندرجہ ذیل دلائل سے ہوتی ہے:

۱۔ صحیحین کے راویوں کا ایک گروہ ایسا ہے جو غیر معتبر افراد پر مشتمل ہے کیونکہ انھیں علم رجال کے اعتبار سے مردود قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ ان دونوں کتابوں کے مؤلفین نے نقل حدیث میں شدید تعصب سے کام لیا ہے۔

۳۔ اگر جعل حدیث کے علل واسباب کو مدنظر رکھا جائے تو صدور احادیث اور ان کی کتابت کے زمانہ میں کافی فاصلہ اور دوری پائی جاتی ہے جو حدیث کے ضعیف ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

۴۔ بخاری نے اپنے خاص عقیدہ کو صحیح ثابت کرنے کے چکر میں کافی روایتوں میں کاٹ چھانٹ کی ہے۔

۵۔ صحیح بخاری میں بعض حدیثیں نقل بالمعنی ہیں۔

۶۔ صحیح بخاری کی تکمیل دوسروں کے ذریعہ ہوئی ہے۔

۷۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بعض حدیثیں ایسی ہیں جو یقینی ومسلم، عقلی اور دینی دلائل کے مخالف ہیں۔

یہ وہ مطالب ہیں جو صحیحین میں دیکھے جاسکتے ہیں اور ان کے ضعیف ہونے پر واضح دلائل ہیں، ایک محقق اور چشم بینا وگوش شنوار کھنے والا شخص ہرگز ان مطالب سے چشم پوشی نہیں کرسکتا۔

انشاءاللہ آئندہ صفحات میں ہم ان مباحث پر پروردگار عالم کی مدد سے تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالیں گے، چنانچہ سب سے پہلے ہم صحیحین کے راویوں اور ان کی اسناد پر گفتگو کرتے ہیں۔

فصل ۴

صحیحین کی اسناد اور راویوں پر ایک نظر

۱۔ابو ہریرہ

۲۔ابو موسیٰ اشعری

۳۔عمرو ابن عاص

۴۔عبداللہ ابن زبیر

۵۔عمران ابن حطان

۶۔محمد ابن اسمٰعیل بخاری

۷۔مسلم بن حجاج نیشاپوری

پہلی دلیل : اسناد صحیحین ضعیف ہیں

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث کے ضعیف اور نا قابل اعتماد ہونے کی پہلی دلیل یہ ہے کہ ان کی بعض حدیثوں کی اسناد اور راوی صحیح نہیں ہیں، چونکہ ہماری کتاب کے موضوع سے سندِ روایت کی بحث پوری طرح مربوط ہے اور یہ علم حدیث و رجال کی بہت ہی اہم بحث شمار کی جاتی ہے، لہٰذا ضرورت تھی کہ پہلے ہم علم حدیث اور علم رجال پر تفصیل کے ساتھ بحث کرتے کیونکہ حدیث کے صحیح اور ضعیف ہونے کی تشخیص میں یہی علوم معیار اور میزان قرار دئے گئے ہیں، لیکن دیگر مطالب کی کثرت کے پیش نظر اور کتاب کی گنجائش پر نظر رکھتے ہوئے ہم اس کتاب کے صرف چند صفحات اس بحث سے مخصوص کر کے ان کی روشنی میں کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کریں گے، اس کے بعد آپ کی خدمت میں ان دونوں کتابوں کے ضعف کی دوسری دلیلیں ذکر کریں گے۔

حدیث نقل کرنے والے کے شرائط: [علم رجال ودرایہ]

کسی بھی واقعہ اور خبر کو صحیح اور معتبر قرار دینے کیلئے سب سے پہلے لازم ہے کہ ہم اس واقعہ کے راوی اور ناقل کی صداقت و دینداری، عقائد اور اس کے درجۂ ایمان پر نظر ڈالیں کہ آیا واقعہ کا نقل کرنے والا ایمان سے عاری، جھوٹ، تحریف، غلط بیانی اور فریب دہی سے محفوظ و بری ہے یا نہیں؟ ان جہات پر توجہ کئے بغیر کسی بھی مجہول الحال شخص کے نقل کردہ واقعہ کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا اور عقلائے عالم ایسے واقعات کو فراموشی کی ٹوکری میں ڈال دیتے ہیں، یہ ایک فطری اور وجدانی امر ہے جو براہ راست عقل سلیم سے تعلق رکھتا ہے، دنیا کے ہر گوشہ اور ہر زمانہ میں تمام افرادِ بشر کے درمیان یہ بات آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی مطلب کو بیان کرتا ہے تو پہلے اس کی شخصیت پر نگاہ کی جاتی ہے کہ وہ کون اور کیسا ہے؟

دنیا کے کسی بھی گوشہ میں یہ بات نہیں پائی جاتی کہ اگر کوئی شخص کسی بات کو بیان کرے یا کتاب میں لکھے یا پھر ذرائع ابلاغ کے ذریعہ لوگوں تک پہنچائے، تو اس کی خبر کو صداقت کے شواہد و قرائن کے بغیر قبول کر لیا

جائے، بلکہ جب تلک اس کی صداقت کی تائید پر شواہد و قرائن قائم نہیں ہو جاتے تب تک اس کی خبر شک وشبہ کی نذر رہتی ہے، عقلاء نہ اسے معتبر جانتے ہیں اور نہ ہی قبول کرتے ہیں، خصوصاً وہ خبر جو ارباب سیاست یا اس علاقہ کی حکومت سے متعلق ہو، کیونکہ اس صورت میں حقائق و واقعیات میں تحریف کا زیادہ خطرہ اور احتمال پایا جاتا ہے۔

اگر کوئی صاحب اس بارے میں اتنے خوش عقیدہ ہوں کہ ہر خبر اور واقعہ کو بغیر کسی ثبوت و دلیل کے قبول کر لیتے ہوں، تو ایسے افراد کو سرگردانی، حیرت، بے بنیاد اور کھوکھلے مطالب پر اپنے عقائد کی عمارت قائم کرنے کے علاوہ اور کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے! اور انھیں اوہام پرستی اور خشک و مہمل الفاظ پر تکیہ کرنے کے علاوہ نہ کچھ فائدہ حاصل ہوگا اور نہ ہی کچھ نتیجہ۔

قرآن مجید نے بھی اپنے پیروؤں کو اس طرح کی خبریں بغیر جستجو اور تحقیق کے قبول کرنے سے منع فرمایا ہے جو درجہ ایمان سے ساقط اور نا قابل اطمینان افراد سے ملی ہوں اور اس طرح خوش عقیدتی کے خطرناک اور نقصان دہ نتائج کے بارے میں شدت سے خبردار کیا ہے اور ایسی خبروں کے بارے میں تفحص و تجسس کو ایک لازمی امر قرار دیا ہے چنانچہ خبر نقل کرنے والے کے سلسلہ میں ارشاد باری تعالی ہوا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾(۱)

اے ایماندارو! اگر تمہارے پاس کوئی گنہگار (فاسق) کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لو کہ کسی قوم کو تم بغیر جانے بوجھے کوئی صدمہ نہ پہنچاؤ کہ جس کے کئے پر تم کو خود ہی نادم ہونا پڑے۔

اسی فطری ادراک اور اسلامی دستور کی وجہ سے علم حدیث کے وجود میں آنے کے فوراً بعد علم رجال اور علم درایۃ الحدیث کا بھی وجود ہوا، کیونکہ حدیث اخذ کرنے کے لئے ضروری تھا کہ ناقلان حدیث کے حالات کی تحقیق کی جائے جس کا علم رجال متکفل ہوتا ہے، اسی طرح حدیث کے رواۃ، رجال اور ناقلین کی تحقیق کے

(۱) سورۂ حجرات، آیت ۶، پ ۲۶.

بعد ضروری تھا کہ حدیث کے متن اور اس کے ناقلین کے حالات کو بھی ملحوظ خاطر رکھا جائے جسے علم درایۃ الحدیث میں بیان کیا جاتا ہے، چنانچہ شیعہ ہوں یا سنی دونوں فرقوں میں ایک سے ایک علم رجال اور علم درایۃ الحدیث کے محقق اور ماہرین پیدا ہوئے، جنہوں نے ان علوم میں کافی جامع کتابیں تالیف اور تدوین کیں۔

المختصر یہ کہ راویوں میں صفت ایمان وعدالت کے ساتھ قابل وثوق ہونا بہت ضروری ہے اور اس بات کی تائید خود علم درایۃ الحدیث نے کی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ راوی کے حافظہ کو بھی بہت اہمیت دی گئی ہے، کیونکہ اس فن کے علماء نے جہاں راوی میں ایمان وعدالت اور قابل وثوق ہونا ضروری قرار دیا ہے، وہیں ان راویوں کو بھی نا قابل اعتماد جانا ہے جن کا حافظہ کمزور ہو اور کثرتِ فراموشی کا شکار ہوں، چاہے وہ ایماندار، عادل اور قابل وثوق ہی کیوں نہ ہوں۔(۱)

---

(۱) مترجم: قارئین کرام! مندرجہ ذیل آیات، راوی کی عدالت کی طرف اشارہ کرتی ہیں:

﴿ ... وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَاِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ .... ﴾(سورۂ بقرہ، آیت نمبر ۲۸۲، پ۳)

ترجمہ:۔اور اپنے مردوں سے دو (عادل) شاہد لے آؤ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں کافی ہیں۔

﴿ .... وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِنْكُمْ .... ﴾(سورۂ طلاق، آیت ۲، پ۲۸)

ترجمہ:۔اور (طلاق کے وقت) اپنے لوگوں میں سے دو عادل مرد گواہی کے لئے لے آؤ۔

امام مسلم ان آیتوں کو تحریر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ آیتیں بیّن دلیل ہیں کہ فاسق کی حدیث اور گواہی غیر معتبر اور مردود ہے۔مقدمہ شرح صحیح مسلم نووی ص۶۰، باب الواجب علی الرواۃ، مطبوعہ : دارالفکر، بیروت.

فاضل نووی شارح صحیح مسلم کہتے ہیں: جو شخص کسی جھوٹ بات کو ایک حدیث کے ضمن میں رسولؐ کی طرف نسبت دے وہ فاسق ہے اور اس کی تمام روایات غیر معتبر اور نا قابل قبول جانی جائیں گی، اور ان روایات کے ذریعہ استدلال کرنا باطل اور حرام ہے۔(الکفایۃ فی علم الروایۃ، ص۳۵، مطبوعہ : حیدرآباد دکن ہند)

ابن عباس سے منقول ہے: رسولؐ نے فرمایا: میں اپنی امت سے سب سے زیادہ اس بات پر ڈرتا ہوں کہ کہیں ان میں میرے بعد بیجا تعصب کرنے والے فرقۂ قدریہ اور غیر عادل سے حدیث نقل کرنے والے پیدا نہ ہو جائیں۔شرح نووی ج۱، باب ''تغلیظ الکذب ذیل حدیث لاتکذبوا علی'' ص۶۹، شرح جواہر بخاری، ص۶۹، مطبوعہ: قاہرہ مصر، مطبع الاستقامۃ.

خطیب بغدادی کہتے ہیں: رسولؐ نے فرمایا: میرے بعد میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جو جھوٹی حدیثیں میری طرف منسوب کریں گے .الکفایۃ فی علم الروایۃ، ص۳۳، مطبوعہ: حیدرآباد دکن ہند، اللئالی المصنوعۃ، ج۱، ص۲۶۳ کتب السنہ، مطبوعہ: مصر. (عرض مترجم تمام شد)

ناقل حدیث کیلئے ایمان ایک بنیادی شرط ہے

جیسا کہ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ ہر حدیث کے قبول اور اس پر اعتماد کرنے کے شرائط میں سے اصلی شرط یہ ہے کہ نقل حدیث کرنے والا ایماندار ہو اور راویٔ حدیث کے کذب وانحراف کے بارے میں انسان کامل طور پر مطمئن ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ نقل حدیث میں راوی نے کذب بیانی اور تحریف سے کام لیا ہو۔

دلائل قطعیہ کے مطابق صحیحین میں رواۃ حدیث کا ایک گروہ دولتِ ایمان سے بے بہرہ نظر آتا ہے اور ان راویوں کے کاذب، منحرف اور غیر معتمد ہونے پر تاریخ میں کثرت کے ساتھ زندہ اور ٹھوس شواہد چھلک رہے ہیں اور یہ وہ مسلم الثبوت مطالب ہیں کہ جن میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے، علاوہ اس کے کہ یہ رواۃ جعل حدیث کرتے تھے، حضرت علیؑ سے دشمنی رکھنا بھی ان کی بارز صفت تھی!!

یہ صفات ایماندار ہونے سے میل نہیں کھاتے

اگر متذکرہ صفات میں سے کوئی ایک صفت کسی راوی میں نہ پائی جاتی ہو تو ایسے راوی کی حدیث درجۂ اعتبار سے ساقط ہو جائے گی اور اس کے کلام کی ذرہ برابر بھی اہمیت اور ارزش نہیں مانی جائے گی، پس یہ صفات صحیح ایمان اور خالص مومن کے ساتھ کبھی بھی جمع نہیں ہو سکتے اور یہ بات تمام لوگوں پر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ کذب بیانی اور جعل حدیث، ایمان کے ساتھ ہرگز جمع نہیں ہو سکتے، اس لئے جو لوگ ان صفات خبیثہ سے متصف ہیں ان پر اعتماد نہ کرنا ایک فطری اور حسی امر ہے، لہٰذا اس بارے میں دلیل قائم کرنا ہم ضروری نہیں سمجھتے، البتہ مناسب ہے کہ ہم یہاں اس بات کے چند نمونے بیان کر دیں کہ حضرت علی علیہ السلام سے دشمنی رکھتے ہوئے ایماندار ہونا ایک ناممکن امر ہے، چنانچہ اس سے متعلق پہلے ہم چند حدیثیں نقل کرتے ہیں اس کے بعد صحیحین کے راویوں کی تحقیق کریں گے: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ "آیةُ الایمان حب الانصار و آیة النفاق بغض الانصار"

انصار سے محبت کرنا ایمان کی علامت اور ان سے بغض رکھنا نفاق کی نشانی ہے۔(۱)

۲. "سباب المسلم فسوق وقتاله کفر"(۲)

جو شخص ایک مسلمان کو گالیاں دے وہ فاسق ہے اور اس سے جنگ کرنا کافر ہونے کے مترادف ہے۔

۳."والذی فلق الحبة وبرأ النسمة انه لعهد النبی الامی الیّ ان لایحبنی الامومن ولایبغضنی الا منافق"(۳)

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: قسم اس خدا کی جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور بشر کو لباس وجود عطا کیا کہ رسول خداؐ کا میرے بارے میں یہ عہد و پیمان ہے کہ مجھے دوست نہیں رکھے گا مگر وہ شخص جو دولت ایمان سے مالا مال ہو یعنی میری محبت ایمان کی نشانی ہے اور مجھے دشمن نہیں رکھے گا مگر وہ شخص جو منافق ہو۔(۴)

صحیحین کے بعض رجال کے ایمان کی تحقیق

گزشتہ مباحث میں جو مطالب ہم نے ایمان، عقیدہ اور راوئ حدیث کی وثاقت وصداقت کے بارے میں بیان کئے ہیں ان سے اور مذکورہ احادیث کے مضمون سے قارئین کرام بخوبی رجال صحیحین کے بارے میں

---

(۱) صحیح بخاری ج ۱، کتاب الایمان، باب(۹) ,,علامة الایمان" حدیث ۱۷.(مترجم: ج۳، کتاب فضائل الصحابة، باب(۳۴),,حب الانصار" حدیث ۳۷۳۵.یعنی کتاب الانصار باب (۴) "حب الانصار" حدیث ۳۷۸۴.صحیح مسلم ج ۱، کتاب الایمان، باب(۳۳),,حب الانصار وعلی من الایمان" ح ۷۴.)

(۲) صحیح بخاری: ج ۱، کتاب الایمان، باب(۳۷) "خوف المومن من ان یحبط عمله.." حدیث ۴۸.صحیح مسلم: جلد ۱، کتاب الایمان، باب(۲۸) "بیان قول النبی سباب المسلم فسوق وقتاله کفر" حدیث ۶۴،(مترجم :صحیح بخاری جلد ۵، کتاب الادب، باب (۴۴),,ما ینهی من السباب واللعن" حدیث ۵،۶۹۷ جلد ۲، کتاب الفتن، باب(۸),,قول النبی ترجعوا بعدی کفّارا "حدیث ۶۶۶۵)

(۳) مسلم ج ۱، کتاب الایمان، باب(۳۳) "حب الانصار وعلی من الایمان" حدیث ۷۸.)

(۴) سنن نسائی ج ۷، باب الحکم السحرة، قتال المسلم ص ۱۱۱. ۱۱۲.

امام نسائی نے مذکورہ موضوع سے متعلق ۱۲رحدیثیں سنن میں نقل کی ہیں.

درست قضاوت اور صحیح فیصلہ کر کے ان کی حدیثوں کی صحت اور عدم صحت کا پتہ لگا سکتے ہیں، کیونکہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت علیؑ اور انصار سے دوستی اور محبت کرنا میزانِ ایمان اور ان سے بغض و عداوت رکھنا کفر اور نفاق کی علامت ہے اور ان حدیثوں میں بیان کیا گیا ہے کہ مسلمان سے جنگ و جدال کرنا کفر و الحاد کے مساوی ہے اور ایسا شخص ایمان کے دائرہ سے خارج ہو جاتا ہے، اسی لئے محققین اور علمائے رجال کے نظریہ کے مطابق صحیحین کے بعض راوی ایمان اور محکم عقیدہ سے خالی تھے اسی طرح مؤرخین کے نزدیک صحیح بخاری اور مسلم کے بہت سے راوی کذاب اور غیر معتبر تھے اور ان راویوں میں دشمنان علی علیہ السلام کی بھی کوئی کمی نہ تھی۔

ابن حجر نے صحیحین کی اسناد اور متون کے بارے میں اپنی تمام تر چشم پوشی کے باوجود بعض موارد پر اس تعصب کی پردہ برداری فرمائی ہے اور حقائق کے کچھ گوشوں کی طرف اشارہ کیا ہے، چنانچہ آپ ایک جگہ علمائے متقدمین نے جن راویوں کو ضعیف اور غیر معتبر جانا ہے ان کے اسماء ذکر کرتے ہیں اور اس ضمن میں چند افراد کے نام ذکر کر کے کہتے ہیں: یہ لوگ ناصبی اور حضرت علیؑ کے کٹر دشمن تھے۔(۱)

شیخ معتزلہ ابوجعفر اسکافی اس بارے میں کہتے ہیں:

" ان معاویۃ وضع قوما من الصحابۃ وقوما من التابعین علی روایۃ اخبار قبیحۃ فی علیؑ "

معاویہ نے چند اصحاب رسولؐ اور تابعین کو اس بات پر معین اور مجبور کیا تھا کہ حضرت علیؑ کے لعن و طعن میں حدیثیں وضع (گڑھی) کریں تاکہ وافر انعام سے سرفراز ہوں اور اس کام کے لئے معاویہ نے اس قدر اجرت و انعام معین کیا تھا کہ ہر فاسد العقیدہ اور ضعیف الذہن شخص حدیث وضع کرنے لگا، انھیں افراد میں سے ابوہریرہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ، عروہ ابن زبیر تھے، چنانچہ ان لوگوں نے حضرت علیؑ کے طعن میں وافر حدیثیں جعل کر کے معاویہ کی قلبی رضایت اور اس کی دلی خواہش کو پورا کیا!!"(۲)

---

(۱) ھدی الساری (مقدمہ فتح الباری) الفصل التاسع.

(۲) شرح نھج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۴، خطبۃ ۵۶، فصل فی ذکر الاحادیث الموضوعات فی دم علی ص ۱۶۳.

عرض مؤلف

اے فرزندانِ توحید! جناب اسکافی صاحب نے جن چندافراد کی نشان دہی کی ہے یہ معاویہ کی حدیث گڑھنے والی انجمن کے وہ افراد ہیں جن سے امام بخاری اور مسلم نے صحیحین میں کثیر تعداد روایتیں نقل کی ہیں!! جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں ان دو کتابوں کے رجال کے بارے میں چند جید علمائے اہل سنت کا نظریہ اوران کی تنقید نقل کر چکے ہیں، اسی طرح آپ کی نظر سے ابوذرعہ، فاضل نووی، ابن حجر، ابوبکر باقلانی اور احمد امین کے صحیحین کے بارے میں نظریات اور اعتراضات بھی گزر چکے ہیں، لہٰذا ہم اس جگہ گزشتہ مباحث اور علمائے اہل سنت کے نظریات اوران کی تنقیدات تکرار کے طور پر نقل کرنے سے اپنے کو مستغنی سمجھتے ہیں، اوراس بات کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ علمائے اہل سنت کے صحیحین کے بعض راویوں کے ضعف پر استدلال و استشہاد دوبارہ پیش کریں، لہٰذا شواہد اور نمونہ کے طور پر یہاں ہم صحیحین کے چند راویوں کے مختصر زندگی نامے اوران کی تاریخی اور خلاف مذہب کارستانیاں نقل کرتے ہیں، جن کو پڑھ کر خود صاحب انصاف قاری، صحیحین کے دیگر راویوں کے بارے میں فیصلہ کرسکتا ہے، یہی وہ واقعات ہیں جو دیگر راویوں کے اصلی چہرے پہچاننے کے لئے ایک آئینہ اور معیار کی نشان دہی کرتے ہیں، پس یہ ہیں نمونہ کے طور پر ان راویوں کے اسماء جن سے صحیحین میں کثیر تعداد میں روایات نقل کی گئی ہیں: [۱] ابوہریرہ[۲] ابوموسی اشعری[۳] عمروبن عاص[۴] عبداللہ بن زبی[۵] عمران بن حطان۔(۶۔سمرہ بن جندب، ۷۔مغیرہ بن شعبہ۔مترجم)

صحیحین کے راویوں کی مختصر تاریخی داستانیں

۱۔ ابوہریرہ

ابوہریرہ یمن کے باشندہ تھے، آپ فتح خیبر ۷ھ کے بعد مسلمان ہوئے اوراس کے بعد مدینہ ہجرت کر کے رسول اسلامؐ کے پاس آگئے اور تقریباً تین سال رسولؐ کے مصاحب رہے، چنانچہ آپ خود فرماتے تھے:

''مجھے حضرت رسالتمآب کی خدمت صرف تین سال نصیب ہوئے''

ابو ہریرہ بھی حدیث جعل کرنے کی انجمن کے ایک اہم رکن اور معاویہ کے پکے پٹھو اور بیجا حامیوں میں تھے، یہ ان افراد میں سے ہیں جن کو معاویہ نے حضرت علیؑ اور آپ کے خاندان کے خلاف احادیث گڑھنے پر مامور کیا تھا، لہٰذا موصوف نے بھی معاویہ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے اس قدر معاویہ اور خلفائے ثلاثہ کے فضائل اور حضرت علی علیہ السلام کی مخالفت و منقصت میں حدیثیں وضع کیں کہ آج بھی ان جعلی حدیثوں سے کتابیں مملو نظر آتی ہیں!!(۱)

ابو ہریرہ سے صحیحین میں بہت سی حدیثیں نقل کی گئیں ہیں، یہاں تک کہ آپ کی احادیث کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) ہوتی ہے، ان میں سے امام بخاری نے اپنی صحیح میں اپنی کتاب میں چار سو چھیالیس (۴۴۶) حدیثیں نقل کی ہیں۔(۲) (۳)

ابو ہریرہ اس بات میں شہرت عامہ رکھتے تھے کہ آپ کثرت سے حدیثیں نقل کرتے ہیں، بلکہ اس بارے میں آپ کا پہلا نمبر شمار ہوتا ہے، چنانچہ آپ کا کثرت سے حدیث نقل کرنا اس بات سے بھی ثابت ہوجاتا ہے کہ اگر ہم خلفائے ثلاثہ کی حدیثوں کا ابو ہریرہ کی حدیثوں کے ساتھ موازنہ کریں تو خلفاء کی زبان مبارک سے اتنی تعداد میں احادیث مروی نہیں جتنی حدیثیں ابو ہریرہ سے مروی ہیں، کیونکہ اہل سنت نے اپنی صحاح و مسانید میں خلفائے اربعہ سے کل چودہ سو گیارہ (۱۴۱۱) حدیثیں نقل کی ہیں، جو ابو ہریرہ کی حدیثوں کے مقابلہ میں ستائیس فیصدی (۲۷%) کم ہے، حالانکہ خلفائے اربعہ کا آنحضرتؐ کے ساتھ رہنا ابو ہریرہ سے کہیں زیادہ ہے۔(آپ رسولؐ کے ساتھ تین سال رہے)۔

بہرحال موصوف کے حالات زندگی اور آپ کی اجتماعی و مذہبی شخصیت اور معاویہ کی ترتیب کردہ حدیث سازی کی انجمن میں آپ کے رکن رکین ہونے کے بارے میں کافی تعداد میں کتابیں تالیف کی گئیں ہیں۔(۴)

اختصار کے طور پر ہم موصوف کا تعارف آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ کتاب المناقب، باب" علامات النبوة فی الاسلام" الطبقات ابن سعد، کتاب الاصابه در بیان حالات ابی هریره .

(۲) هدی الساری (مقدمة فتح الباری) الفصل التاسع .

(۳) ابو ہریرہ سے صحیح مسلم میں تقریباً چھ سو حدیثیں منقول ہیں، صحیح مسلم، مطبوعہ: دار ابن کثیر، بیروت لبنان، ۱۹۸۷ء۔

(۴) مزید معلومات کے لئے دیکھئے: کتاب "ابو ہریرہ" مصنفہ سید شرف الدین اور شیخ المضیرہ، ابوریہ مصری۔

''آپ پر اپنے زمانہ میں بھی کذب کا الزام تھا اور حدیث جعل کرنے میں بڑی مہارت رکھتے تھے اور کبھی کبھی خود اس الزام اور شہرت کی مخالفت کرتے تھے۔(۱)

ابو ہریرہ کی تھیلی

جب آپ کا جھوٹ کھلے ہاتھوں پکڑا جاتا تھا تو بہانہ یہ کردیتے تھے کہ یہ حدیث کا ٹکڑا میرا کلام ہے، مثلاً امام بخاری ایک حدیث ابو ہریرہ سے نقل کرتے ہیں جس کا آخری جملہ یہ ہے:

"فقالوا......یاابا هريرة سمعت هذا من رسول الله؟ قال: لا،هذامن كيس ابى هريرة "

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ابو ہریرہ نے ایک حدیث، رسولؐ کی طرف نسبت دے کر نقل کی تو چونکہ اس حدیث کا آخری جملہ عجیب وغریب اور قابل قبول نہ تھا، لہٰذا لوگوں نے تعجب کرتے ہوئے ابو ہریرہ سے پوچھا: کیا یہ بھی کلام رسولؐ ہے؟! چوں کہ ابو ہریرہ سمجھ گئے تھے، کہ اگر میں نے اس جملہ کی نسبت رسولؐ کی

---

(۱) صحيح بخاری: جلد ۱، كتاب البيوع، باب(۱) " ماجاء فی قول الله تعالیٰ" حدیث ۱۹۴۲، جلد۲، كتاب الحرث و المزارعة،باب(۲۱)"ماجاء فی الغرس" حدیث ۲۲۲۳، مسند احمد بن حنبل،باب مسانید ابوهريرة شرح نهج البلاغة ابن ابی الحدید جلد۴، خطبة ۵۶، فصل فی ذکر الاحاديث الموضوعات فی دم علی ،صفحه ۶۳.

مترجم: صحیح بخاری میں آیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ لوگوں کے درمیان حدیث جعل کرنے میں مشہور تھے لہٰذا آپ اس بنا پر کہا کرتے تھے: میں حدیثیں جعل نہیں کرتا بلکہ میں نے ان کو رسولؐ سے سنا ہے اور مہاجرین وانصار میرے مقابل میں حدیثیں کہاں سے لائیں گے، ان کو اپنے بازار، مال اور دولت جمع کرنے سے فرصت کہاں تھی؟ یہ لوگ تو ہمیشہ دولت کے رسیا تھے انھیں احادیث رسولؐ سے کیا مطلب؟!''

صحيح بخاری: جلد ۱، كتاب البيوع، باب(۱) " ماجاء فی قول الله تعالیٰ" حدیث ۱۹۴۲.

كتاب العلم، باب(۴۲)،، حفظ العلم" حدیث ۱۱۸. جلد ۶، كتاب الاعتصام بالكتاب و السنة، باب(۲۲)،، الحجة علیٰ من قال ...."حدیث ۱۹۲۱.

واہ رے ابو ہریرہ جو باب مدینۃ العلم ہو، جسے آنحضرتؐ صدیق اکبر اور فاروق اعظم کا خطاب دیں، جو رسولؐ کے ساتھ گھر کے اندر سے لے کر باہر تک قدم بقدم ساتھ رہے اسے حدیث بیان کرنے کا سلیقہ نہیں اور جو جمعہ جمعہ آٹھ دن کا مہمان ہو وہ احادیث کا ڈھیر لگادے؟! العجیب ثم العجیب!!!. ۱۲.

طرف دے دی تو میں پکڑا جاؤں گا، لہٰذا مجبوراً حقیقت سے پردہ اٹھانا پڑا اور فرمایا: حدیث کا یہ ٹکڑا میں نے اپنی تھیلی سے اضافہ کیا ہے! (۱)

۲۔ ابو موسی اشعری

صحیحین کے راویوں میں آپ کا نام بھی سرفہرست ہے، ابو موسی اشعری وہی ہیں جنھوں نے معاویہ اور حضرت علیؑ کے درمیان حکم بنکر فیصلہ دیا کہ میں حضرت علیؑ کو معزول کرتا ہوں۔ (۲)

موصوف کے بارے میں اہل سنت کی علم رجال وتراجم (سوانح حیات) کی کتابوں میں کثرت کے ساتھ فضائل رقم کئے گئے ہیں۔ (۳)

صحیح بخاری میں آپ سے ستاون (۵۷) حدیثیں منقول ہیں۔ (۴) (۵)

لیکن ابو موسی اشعری کا حضرت علیؑ کے کٹر دشمنوں میں شمار ہوتا ہے، کیونکہ یہی وہ شخص ہے جس نے عالم اسلام میں (مسلمانوں کے لئے) دردناک اور کمرشکن حوادث کی سلسلہ جنبانی کی، یہاں تک کہ حضرت علیؑ اسے اس قدر ناپسند کرتے تھے کہ آپ اس پر نماز میں نفرین کرتے تھے۔ (۶)

ایک دفعہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کسی جنگ کے لئے تشریف لے جا رہے تھے جب کوفہ کے نزدیک پہنچے تو عمار یاسر اور محمد بن ابی بکر کو کوفہ بھیجا، تا کہ کوفہ والوں سے نصرت حاصل کریں، ان دنوں ابو موسیٰ اشعری کوفہ کے گورنر تھے اور انھوں نے حضرت عثمان کے زمانہ سے اس عہدہ کو اپنے لئے محفوظ کر رکھا تھا چنانچہ کوفہ

---

(۱) صحیح بخاری جلد۷، کتاب النفقات، باب(۱) حدیث ۵۰۴۰.

(۲) الامامة و السیاسة جلد۱.

(۳) تذکرة الحفاظ ج۱، ۱۰_۱۰۱/ع، ابو موسی الاشعری ص۲۳. صحیح مسلم ج۷، کتاب فضائل الصحابة.

(۴) هدی الساری(مقدمه فتح الباری)الفصل التاسع.

(۵) مسلم نے ابوموسیٰ اشعری سے اپنی صحیح میں تقریباً ۹۰/حدیثیں نقل کی، صحیح مسلم جدید ایڈیشن مطبوعہ احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان ۱۹۵۵ء۔ مترجم۔

(۶) شرح نهج البلاغه ابی الحدید جلد۴، خطبة ۵۶، فصل فی ذکر الاحادیث الموضوعات فی دم علی صفحه ۷۹.

میں جب یہ خبر پہنچی تو کچھ مشہور و معروف افراد ابوموسیٰ اشعری کے پاس گئے، کہ اس بارے میں آپ کا نظریہ معلوم کریں، چنانچہ جب کوفہ کی مشہور شخصیتیں آپ کے پاس پہنچیں، تو آپ نے کہا کہ اگر آخرت چاہتے ہو تو گھروں میں بیٹھے رہو اور جنگ کے لئے خارج نہ ہو اور اگر راہ آتش اور عذاب الٰہی کی تلاش ہے، تو اس کے ساتھ چلے جاؤ جو تمہیں جنگ کی طرف دعوت دے رہا ہے! چونکہ ابوموسیٰ اشعری کوفہ میں ایک ممتاز حیثیت کے مالک تھے، لہٰذا آپ کے اس جملہ کی بنا پر اکثر سرداران قبائل کوفہ جو کوفہ کے لوگوں کے درمیان اثر و رسوخ رکھتے تھے، حضرت علیؑ کے ساتھ جنگ میں جانے سے انکار کر بیٹھے! اس واقعہ کو اہل سنت کے مشہور مؤلف ابن قتیبہ نے نقل کیا ہے۔

ابن قتیبہ نے حضرت عمار یاسر اور محمد بن ابی بکر سے ابوموسیٰ اشعری کی جو گفتگو ہوئی اس کو اور ابوموسیٰ نے منبر پر جا کر جو کوفہ والوں کو گمراہ کن خطبہ دیا، اس کو تفصیل سے نقل کیا ہے، ابوموسی کی اس گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں اچھے خیالات نہ رکھتے تھے اور اس خطبہ سے یہ بات بھی اچھی طرح روشن ہو جاتی ہے کہ موصوف یا تو ابھی تک حق و باطل میں تمیز نہ کر سکے تھے، یا پھر ان لوگوں میں سے تھے جن کے لئے یہ کہا گیا ہے: **"جحدوا بها واستيقنتها انفسهم ظلما"** خلاصہ یہ کہ ابوموسیٰ اشعری کا حضرت علی علیہ السلام کے خلاف کوفہ میں خطبہ دینا ہی سبب قرار پایا کہ کوفہ کے ممتاز اور جانے پہچانے افراد کے دلوں میں حضرت علیؑ کی نسبت بغض و نفاق کا بیج پڑ گیا، چنانچہ اسی بیج کے درخت کا تلخ ثمرہ تھا جو جنگ صفین اور دیگر جنگوں میں حضرت علیؑ اور آپ کے ہم خیال افراد کے سامنے ظاہر ہوا۔

بہر حال ابوموسیٰ اشعری کا مختصر تعارف یہ ہے کہ موصوف عبداللہ ابن عمر کو حضرت علی علیہ السلام سے زیادہ مستحق خلافت سمجھتے تھے۔(۱)

---

(۱) الامامة والسياسة، نزول علي بن ابي طالب الكوفة وخطبة ابي موسى اشعري، جلد ۱، ص ۸۴، ۸۵.

۳۔ عمرو ابن عاص

عمرو عاص سے صحیح بخاری میں صرف [۳] تین اور صحیح مسلم میں [۵] حدیثیں منقول ہیں۔

تاریخ اسلام کا اگر کوئی ذرہ برابر بھی مطالعہ رکھتا ہے تو اس پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ عمرو عاص حضرت علی علیہ السلام کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھا۔

عمرو ابن عاص کی تاریخ زندگی کے شرمناک صفحات، حدیث گڑھنے کی انجمن میں معاویہ کا ہم پیالہ اور ہم نوالہ ہونا اور معاویہ کے ساتھ جنگ صفین میں حضرت علیؑ کے مقابلہ میں محاذ جنگ پہ آنا اس بات کا روشن ثبوت ہے کہ یہ حضرت علی علیہ السلام کا کٹر دشمن تھا۔

عمرو ابن عاص نہ تنہا جنگ صفین میں شریک ہوا بلکہ جنگ اور اس کے بعد وقوع پذیر ہونے والے خونریز حوادث کے علل واسباب اسی شخص کے حیلہ اور مکر وفریب سے وجود میں آئے، اسی خائن کا تیار کردہ منحوس منصوبہ اور مکارانہ چال تھی جس کی وجہ سے نیزوں پہ قرآن شریف بلند کئے گئے!!! اور واقعہ تحکیم وجود میں آیا۔

اسی خیانت کار کے فعل کی بنا پر عالم اسلام میں کبھی بھی پر نہ ہونے والا اخلاء اور کمر شکن حادثہ حضرت امیر المومنینؑ کی شہادت کی صورت میں واقع ہوا!!!

المختصر یہ کہ جس طرح اس کا ظاہری اور ادعائی باپ عاص بن وائل رسول اسلامؐ کا سخت دشمن تھا جس کی مذمت میں اس وقت سورۂ کوثر نازل ہوا، جب اس نے رسول اسلامؐ کو مقطوع النسل کہا تھا اور جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسولؐ کی اولاد آج دنیا کے ہر گوشہ میں پائی جاتی ہے، لیکن عمرو عاص کی نسل کا نام ونشان مٹ گیا، اسی طرح اس کے ظاہری بیٹے عمرو عاص نے بھی حضرت علیؑ کے ساتھ دشمنی اور عداوت میں کسی طرح کی کمی نہیں کی، جہاں تک ہو سکا اس نے خاندان اہل بیتؑ سے اپنی دشمنی کا بدلا لیا اور ہر ممکن وسائل کا اس بارے میں استعمال کر کے حداکثر فائدہ اٹھایا۔

قارئین کرام! مؤرخین اور علم رجال نے عمرو عاص کے جو مطاعن اور نقائص نقل کئے ہیں، اگر ہم ان تمام باتوں کو تحریر کریں تو ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے. اور ہمارے موضوع بحث سے بھی خارج ہے، لہٰذا ہم

اشارہ کے طور پر اس کے کردار پر روشنی ڈالنے کیلئے حضرت علیؑ کے کلام کونقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں، جسے آپ نے عمرو ابن عاص کی مذمت میں ارشاد فرمایا ہے، ان کلمات سے عمرو عاص کا حضرتؑ کے متعلق کذب، بہتان اور افتر اپردازی کا بخوبی پردہ فاش ہوجاتا ہے اور پھر مولا علیؑ کے ان جملوں سے عمرو عاص کا ایمان اور اس سے صحیحین میں منقول حدیثوں کا حساب وکتاب بھی صاف ہوجاتا ہے۔

" عجباً لابن النابغة؟! یزعم لاھل الشام انّ فِیّ دُعابةً،وانّی امرء تِلعابةٌ: أُعافِسُ وأُمارِسُ! لقد قال باطلاً ونطق آثماً. أما -وشرُّالقول، أ لکذب- انه لَیقولُ فیَکذِبُ وَ یَعِدُ فیُخلِفُ، ویُسألُ فیَبخَلُ ،ویَسألُ فیُحلِفُ، و یَخُونَ العَهدَ، ویَقطعُ الِالَّ ،فأِذا کان عند الحربِ فَأیُّ زاجرو آمرٍهو ؟! ما لم تَأخُذِالسُیوفُ مأخِذَھا فإذا کان ذالک کان اکبرُ مَکِیدَتِهِ ان یَمنحَ القِرمَ سُبّتَهُ، اما واللهِانّی لِیَمنَعُنی من اللّعب ذِکرُالموت وأنّه لِیَمنَعُهُ من قول الحق نسیانُ الآخرةِ ،وانّه لم یُبایِع مُعاوِیةَ حتّیٰ شرط ان یُؤتِیَهُ آتِیّةً ویَرضَخُ له علیٰ ترک الدین رَضِیخَةً. (۱)

مجھے تعجب ہے اس زنازادہ (فرزند نابغہ) پر جو شام کے لوگوں کو جھوٹ بول کر بہکا رہا ہے اور کہتا ہے کہ میں (علیؑ) ایک مردِ شوخ اور اہلِ لہو ولعب ہوں اور یہ میرا پسندیدہ کام ہے، یہ بات اس (عمرو عاص) نے غلط کہی، کیونکہ یہ کہنے سے وہ ایک گناہ (کذب) کا مرتکب ہوا ہے۔

اے لوگو! گواہ رہو! بدترین گناہ جھوٹ ہے، جھوٹ سے بچو! عمرو عاص جو کچھ کہتا ہے وہ صریحاً جھوٹ ہے، اگر وہ کسی کو وعدہ دیتا ہے تو وہ وعدے کی مخالفت کرتا ہے، اگر اس سے سوال کرو تو جواب دینے میں بہانہ کرتا ہے، اگر کچھ بخشش کے لئے کہو تو بخل پن کرتا ہے، سوال کرتا ہے تو اس میں اصرار کرتا ہے (اور خوب باتیں بناتا ہے) اور اپنے عہد و پیمان میں خیانت کرتا ہے، اپنے رشتہ داروں سے قطع رحم کرتا ہے، جنگ بھڑکانے کے لئے ہلڑ ہنگامہ کرتا ہے اور لوگوں کو جنگ وجدال پر ابھارتا پھرتا ہے، لیکن جب میدان جنگ میں تلواریں نکل آتی ہیں تو سب سے بڑا اس کا مکر یہ ہے

(۱) نهج البلاغه خطبه نمبر ۸۳ ،امالی شیخ طوسی ص ۸۲.

کہ اپنی شرمگاہ کو لوگوں کو دکھا کر جان بچا کر بھاگ جاتا ہے!

خدا کی قسم موت کی یاد مجھے شوخی اور لہو ولعب سے باز رکھتی ہے اور عمرو عاص کی فراموشی آخرت حق بولنے سے مانع ہے، اس نے معاویہ کی بیعت اس شرط پر کی ہے کہ اس کو معاویہ اس بیعت کا وافر انعام عطا کرے، تاکہ اس انعام کے مقابلہ میں وہ (عمرو عاص) اپنا دین معاویہ کے ہاتھ فروخت کردے اور حکومت مصر کا مالک بن جائے۔

اس معجزنما بیان سے ظاہر ہے کہ عمرو عاص کی کیا حیثیت تھی؟ اور وہ کس قماش اور اخلاق کا آدمی تھا!!

عمرو عاص وہ شخص ہے کہ جس پر حضرت علی علیہ السلام ہر نماز میں صبح وشام لعنت کرتے تھے۔

"وكان عليٌّ يذكر في القنوت في صلاة الغداة يقول : اللهم عليك به مع قوم يدعو عليهم في قنوته". (۱)

۴۔ عبد اللہ ابن زبیر

صحیحین اور اہل سنت کی دیگر کتابوں کے احادیث کے راویوں میں سے عبد اللہ ابن زبیر کا نام بھی سر فہرست آتا ہے، امام بخاری نے اس سے ۱۰/ حدیثیں اپنی صحیح میں نقل کی ہیں۔ (۲)

---

(۱) تاریخ الطبری جلد۵، حوادث ۳۷ھ، اجتماع الحکمین بدومۃ الجندل، (ذکر خلافت علیؑ) صفحہ ۵۱۔ [البتہ تاریخ الطبری میں اس طرح آیا ہے :

وكان اذا صلى الغداة يقنت فيقول : اللهم العن معاوية و عمرا و ابا الاعور السلمي (عمر و بن عاص) و حبيبا و عبد الرحمان ، بن خالد والضحاک بن قيس ، والوليد ، فبلغ ذالک معاوية فكان اذا قنت العن عليا و ابن عباس والاشتر و حسنا و حسينا) . مترجم .

الاستيعاب في اسماء الاصحاب ،حالات(ابو الاعور) اسلمي اسمه عمرو بن عاص ،[۱۴] باب الالف. اور عبد اللّٰه ابن زبير، شرح ابن ابي الحديد ج۴،خطبة ۵۶ ، فصل في ذكر الاحاديث الموضوعات في دم علي ،ص ۷۹.

(۲) مؤلف محترم نے صحیح بخاری میں صرف دس حدیثوں کا ذکر کیا ہے، لیکن میری تحقیق کے مطابق عبد اللہ ابن زبیر سے بخاری نے ۱۴ اور مسلم نے ۶/ حدیثیں نقل کی ہیں۔ مترجم.

عبداللہ ابن زبیر کو مؤرخین نے خوارج اور نواصب میں شمار کیا ہے، جنگ جمل میں اس کے باپ زبیر اور طلحہ کے ہوتے ہوئے اس کو لشکر کی قیادت دی گئی تھی۔(۱)

بعض روایات کے مطابق اسی نے اپنے باپ زبیر کو حضرت علی علیہ السلام کی دشمنی پر ورغلایا تھا کیونکہ حضرت علیؑ نے بعض جگہ پر اس بات کا اشارہ فرمایا ہے کہ زبیر اہل بیت کے دوست تھے یہاں تک کہ عبداللہ بڑا ہوگیا۔ **"ما زال الزبير منا اهل البيت حتى شب ابنه عبد الله"**.(۲)

جنگ جمل میں جب زبیر کا حضرت علی علیہ السلام سے آمنا سامنا ہوا تو آپ نے فرمایا:

اے زبیر! میں تم کو نیک سمجھتا تھا جب تک تمہارا ناخلف بیٹا عبداللہ بڑا نہ ہوا تھا، اس کے بعد اس نے ہمارے درمیان تفرقہ پیدا کر دیا۔(۳)

اور جب جنگ جمل کے لئے حضرت عائشہ جا رہی تھیں اور مقام "ماءُالحوئب" (حوأب) آیا تو وہاں کے کتے آپ پر بھونکنے لگے، اس وقت عائشہ نے محمد بن طلحہ سے معلوم کیا کہ اس مقام کا کیا نام ہے؟ اس نے کہا: ماء الحوئب، اس وقت عائشہ نے کہا کہ بہتر یہی ہے کہ میں یہاں سے پلٹ جاؤں، محمد بن طلحہ نے کہا کیوں؟ کہا: چوں کہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ مقام تنبیہ میں اپنی بیویوں سے کہا تھا:

"میری نظریں دیکھ رہی ہیں کہ تم میں سے میری ایک بیوی پر حوئب کے کتے بھونک رہے ہیں، اس وقت مجھے مخاطب کر کے کہا: اے حمیراء! آگاہ ہو جا کہیں تو ان میں سے نہ ہونا جن پر حوئب کے کتے بھونکیں"!!

محمد بن طلحہ نے کہا: خدا آپ پر رحم کرے ایسی باتوں کو چھوڑ دیں، کیونکہ آپ کی یہ باتیں لشکر میں تفرقہ کا سبب بنیں گی، اتنے میں عبداللہ ابن زبیر آ گئے اور قسم کھائی کہ یہ مقام حوئب نہیں ہے، بتلانے والے افراد غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں، ہم کل کی رات اس مقام سے گزر چکے ہیں، اس کے بعد عائشہ کو اطمینان دلانے کی

---

(۱) شرح ابن ابی الحدید جلد۲، خطبة ۳۱، "من اخبار الزبير و ابنه عبد الله، صفحه۱۶۶.

(۲) استیعاب جلد۳، صفحه۹۰۶، در بیان حالات عبد الله ابن زبیر، شرح ابن ابی الحدید جلد۲، خطبة ۳۱، "من اخبار الزبير و ابنه عبد الله، صفحه۱۶۶.

(۳) تاریخ طبری ج۳، حوادث ۳۶ھ، خلافة علیؑ ((امر القتال))' ص ۵۲۰. الامامة والسياسة ج ۱، ص ۵۶.۵۵، شرح ابن ابی الحدید ج۴، خطبة ۳۱، "من اخبار الزبير و ابنه عبد الله، صفحه۱۶۶، ص ۷۹. استیعاب جلد ۳، دربیان حالات عبد اللّٰه ابن زبیر.

غرض سے پچاس آدمیوں کو اس بارے میں گواہی دینے کیلئے مجبور کیا اور ان سے زبردستی جھوٹی گواہی دلوادی اور اس حیلہ وفریب سے ام المومنین عائشہ کو گمراہ کر دیا!(۱)

واقدی، ابن الکلبی اور دیگر مؤرخین کی نقل کرتے ہیں:

''ابن زبیر کو حضرت علیؑ سے اس قدر دشمنی تھی کہ جب بھی اسے فرصت ملتی تھی وہ بلا فاصلہ حضرت علی علیہ السلام کی توہین کیلئے آپ کو گالیاں دیتا اور آپ کی توہین کرتا، چنانچہ جس زمانہ میں یہ خلافت کا مدعی تھا چالیس جمعہ تک نماز جمعہ میں خطبہ کے دوران حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام گرامی حذف کر رکھا تھا!! جب لوگوں نے اعتراض کیا تو کہنے لگا: میں نے اس لئے رسولؐ کا نام خطبہ سے حذف اور ساقط کر دیا تھا کہ رسولؐ (معاذ اللہ) کے کچھ نالائق اور ناشائستہ خاندان و قبیلے والے ابھی موجود ہیں، جب وہ رسولؐ کا نام سنتے ہیں تو خوش ہوتے اور فخر سے اپنی گردنیں بلند کرتے ہیں، لہٰذا رسولؐ کا نام ان لوگوں کی خوشنودی کا سبب بنتا ہے اس لئے میں مجبور ہوں کہ رسول اسلام کے نام کو خطبات میں اپنی زبان پر نہ لاؤں اور میں نے اپنے اس فعل سے رسولؐ کے خاندان والوں کو منکوب (تپایا) کیا ہے!!

"انه مكث ايام ادعائه الخلافة اربعين جمعة لا يصلي على النبي (ص) وقال : يمنعني من ذكره الا ان تشمخ رجال با نافها... " . (۲)

۵۔ عمران ابن حطّان

اہل سنت حضرات کی حدیثوں کے راویوں میں سے ایک راوی عمران بن حطان ہے، یہ صرف صحیح بخاری کا راوی ہے مسلم نے اس سے روایت اخذ نہیں کی ہے اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں عمران ابن حطّان سے دو

---

(۱) الامامه و السياسه ج ۱ ،بيعة على بن ابى طالب " توجه عائشة و طلحة والزبير الى البصرة" ص ۸۲. تاريخ الطبرى ج ۳، حوادث ۳۶ ھ، "شراء الجمل لعائشة و خبر كلاب الحواب..... " ص، ۴۸۶_۴۷۵. شرح ابن ابى الحديد ج ۴ ،خطبه ۵۶، ص ۶۱. ۶۲ .

(۲) تاريخ طبرى ج ۳ ،حوادث ۳۶ ھ، "شراء الجمل لعائشة و خبر كلاب الحواب...... "ص ۴۵۸ . الامامه و السياسه ج ۱ ،بيعة على بن ابى طالب " توجه عائشة و طلحة والزبير الى البصرة"ص ۵۵، ۵۶ .شرح ابن ابى الحديد ج۴، خطبة ۵۶، ص ۶۱، ۶۲ .

حدیثیں نقل کی ہیں۔(۱)

مؤرخین نے عمران بن حطان کو خوارج کا رأس و رئیس اور ان کا خطیب اکبر اور فقیہہ اعظم لکھا ہے، اس کو حضرت علیؑ سے اس قدر دشمنی تھی کہ جب ابن ملجم نے حضرت علیؑ کے سر اقدس پر ضربت لگائی تو اس نے ابن ملجم کی تعریف میں اشعار کہے اور ابن ملجم کے اس کام کو وسیلۂ رضوان خدا اور جنت میں داخلہ کا سبب قرار دیا!! اس کی نظر میں ابن ملجم کے ہاتھوں حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کا قتل ہی وہ فعل تھا جس کی وجہ سے خدا کے نزدیک تمام دنیا والوں کے نیک اعمال پر ابن ملجم کے اعمال وزنی قرار پائے اور یہی وہ عمل تھا کہ جس کی وجہ سے ابن ملجم کے اعمال کا پلہ دنیا والوں کے نیک اعمال کے پلہ سے بھاری ہو گیا!!

یا ضربة من تقی! ما اراد بها الا لیبلغ من ذی العرش رضواناً

انی لاذکره حینا فاحسبه او فی البریة عند الرحمان میزاناً

لوگوں کو اس ضربت پر ناز کرنا چاہیئے جو ایک مومن مرد کے ہاتھ سے واقع ہوئی، کیونکہ اس (ابن ملجم) کی اس ضربت کا مقصد سوائے رضائے خدا کے کچھ اور نہ تھا۔

میں تو ہر وقت ابن ملجم کو یاد کرتا ہوں اور اس ضربت کو یاد رکھوں گا اور میں اس ضربت کو تمام لوگوں کے اعمال سے ثواب کے اعتبار سے وزنی سمجھتا ہوں۔

ابن حجر نے ان اشعار کو مقدمہ فتح الباری میں نقل کیا ہے۔(۲)

محترم قارئین! یہ تھے رواۃِ احادیثِ صحیحین کے ایک گروہ کے مذہبی چہرے جن سے اور ان کے ہم خیال و فکر راویوں سے ان دو کتابوں میں متعدد حدیثیں نقل کی گئیں ہیں۔(۳)

---

(۱) بخاری ج ۷، کتاب اللباس، باب "نقض الصور" اور باب "لبس الحریر وافتراشه للرجال".

(۲) مقدمه فتح الباری ج۲، فصل نهم، ص ۴۳۲. (مجھے اس کتاب میں مذکورہ اشعار نہیں ملے البتہ ان اشعار کی طرف ابن حجر نے اشارہ کیا ہے۔مترجم.) الاصابة ج۵، ۶۸۹۱، عمران بن حطان بن ظبیان، ص ۲۳۲. شرح نهج البلاغه ابن ابی الحدید ج۵، خطبة ۶۰، ص ۹۳، ج۱۳، خطبة ۱۹۲، ص ۲۴۱. الکامل فی التاریخ؛ ابن اثیر اور استیعاب ابن عبدالبر نے بیان حالات علی ابن ابی طالبؑ میں نقل کیا ہے۔

(۳) بخاری کا دشمنان خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایات اخذ کرنا ان کی خاندان رسالت سے کھلی دشمنی کا پتہ دیتی ہے۔مترجم.

محترم قارئین سے گزارش ہے کہ متذکرہ رجالِ (رواۃ) صحیحین کے حالاتِ زندگی کا ایک دفعہ اور مطالعہ فرمالیں اس کے بعد ان دونوں کتابوں کی تمام حدیثوں کے صحیح ہونے کے بارے میں انصاف سے فیصلہ فرمائیں کہ آیا ان رواۃ کی حدیثیں جو صحیح بخاری اور مسلم میں منقول ہیں قابل قبول ہیں؟(۱) اور گزشتہ صفحات کا دقت سے مطالعہ فرما کر تغییر و تعصب کے پردہ کو حقائق کے چہرے سے اٹھائیں اور پھر ان بعض سنی اہل قلم مانند ابوالحسن مقدسی کی مضحکہ خیز اور مایۂ تعجب بات کی اہمیت و وقعت کا اندازہ لگائیں، جو یہ دعویٰ کرتے ہیں:

''جو بھی ناقلان احادیثِ صحیحین ہیں وہ تمام عیوب ونقائص سے بری ہیں اور ان پر تنقید نہیں کی جاسکتی......''!!(**هذا جاز القنطرة**).(۲)

---

(۱) بہتر ہے کہ آپ احادیثِ صحیحین کے صحیح ہونے کے فیصلہ میں ان راویوں کے بھی حالاتِ زندگی مدنظر رکھیں جن کو میں نے آگے قلمبند کیا ہے۔ مترجم۔

(۲) ارشاد الساری جلد ۱، الفصل الرابع: فیما یتعلق بالبخاری فی صحیحه ... ص ۵۱. هدی الساری (مقدمه فتح الباری) فصل نهم ص ۳۸۱.

۶۔ مغیرہ ابن شعبہ

مغیرہ بن شعبہ شہر طائف قبیلہ بنی ثقیف سے تعلق رکھتا ہے، اس کی ماں کا نام امامہ تھا کنیت ابوعیسی، ابومحمد، ابوعبداللہ و ابو یعقوب تھی۔ مستدرک حاکم جلد۳ صفحہ۴۵، مطبوعہ: مکتبۃ النصر الریاض، الاصابۃ جلد۳، صفحہ۴۵۳ دار السعادۃ مصر۔

مغیرہ سے منقول روایات اہل سنت حضرات کی کتابوں میں بھری پڑی ہیں امام بخاری و مسلم نے بھی اپنی اپنی صحیح میں اس سے دس یا گیارہ حدیثیں نقل کی ہیں۔

شرح بخاری کرمانی، کتاب الصلاة، باب "المسح علی الخفین"، مقدمة فتح الباری شرح بخاری ص ۴۷۷، کتاب الاعلام ج۸ ص ۱۹۹.

امام بخاری نے مغیرہ بن شعبہ کو مؤثق جانا ہے اور اس کو ایک وفادار و صادق آدمی شمار کیا ہے اور نہ تنہا نیک و متقی کے لفظوں سے یاد کیا ہے، بلکہ اس کو ان لوگوں کی صف میں قرار دیا ہے جن کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے:

﴿... اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ سورۂ توبہ، آیت ۹۱، پ ۱۰

ترجمہ: بشرطیکہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے خیرخواہ ہوں نیکی کرنے والوں پر کوئی الزام کی سبیل نہیں اور اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ صحیح بخاری ج ۱، کتاب الایمان، باب(۴۳) "قول النبی: الدین النصیحة.......... وقوله تعالیٰ: ﴿اذا نصحوا لِلّٰه .....﴾ حدیث ۵۸.

مغیرہ کا شجرۂ نسب

مغیرہ کی نسبی قلعی کھولنے کے لئے ہم مندرجہ ذیل تاریخی شواہد نقل کرتے ہیں جس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آیا مغیرہ سے روایت نقل کرنا صحیح ہے یا غلط؟

ایک روز معاویہ نے امام حسنؑ کو ذلیل کرنے کی خاطر تمام سرداران قریش کی مجلس ترتیب دی اور امام حسن مجتبیٰؑ کو اس میں شرکت کی دعوت دی، امامؑ بھی اس کے منصوبہ کو نقش بر آب کرنے کے لئے تشریف لائے، جب سب آ گئے تو اس جلسے میں یکے بعد دیگرے سب نے تقریریں کرنا شروع کیں اور اپنی تقریروں میں حضرت علیؑ کی شان میں گستاخی کی، امام نے بھی ان تمام لوگوں کا منہ توڑ جواب دیا، لیکن جب مغیرہ بن شعبہ نے اپنی اور اپنے خاندان کی فضیلت جتاتے ہوئے مولائے متقیان کی بارگاہ میں گستاخانہ الفاظ استعمال کئے، تو امام حسنؑ اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کو خطاب کر کے کہا؛ اے بنی ثقیف کی اولاد! تو مجھ پر کیونکر فضیلت ظاہر کر رہا ہے؟ تو تو قریش سے بھی تعلق نہیں رکھتا ہے کہ میرے سامنے جاہلیت کے دور کی بات کرے! حالانکہ نہ تیرے باپ کا اور نہ تیرے حسب و نسب کا ہی پتہ ہے اور اسلام تو تیرے اندر تل کے برابر بھی نہیں ہے؟!!

تیری مثال اس نافرمان غلام جیسی ہے جو اپنے آقا کو چھوڑ کر بھاگ گیا ہو! جب تیرے اندر اتنے عیب ہیں اور تیرا دامن خباثت و نجاستِ نسب سے آلودہ ہے تو تو کیسے ہم شیر دل مردوں پر برتری ظاہر کر سکتا ہے؟! کتاب ابو مخنف

اسی طریقے سے جب مغیرہ نے عثمان کے سامنے امامؑ کو قتل کرنے کی دھمکی دی تو مولائے کائنات نے یہ جملے ارشاد فرمائے: **"یابن اللّعین الابتر و الشجرة التی لا اصل لھا و لا فرع"**

ترجمہ:۔ اے اس باپ کے بیٹے جو لعنت زدہ اور مقطوع النسب ہے جس کے شجرۂ نسب کی نہ کوئی جڑ ہے نہ کوئی شاخ۔

شرح حدیدی جلد ۸، صفحہ ۳۰۱، مطبوعہ: مصر

ابن ابی الحدید اوپر والی عبارت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: حضرت امام حسن علیہ السلام نے مغیرہ کو ایسے شخص کا بیٹا کہا ہے کہ جس کے شجرۂ نسب کا پتہ نہ ہو، یہ اس لئے کہا ہے کہ مغیرہ کا نسب بنی ثقیف سے ہونا مشکوک تھا۔

محمد ابن عقیل کہتے ہیں: ایک روز عمرو عاص اور مغیرہ نے مسجد نبوی میں مولا علی علیہ السلام پر سب و شتم کیا، اس وقت امام حسنؑ منبر پر تشریف لے گئے اور بعد حمد و ثنا ارشاد فرمایا: اے عمرو! اور اے مغیرہ! میں تمھیں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ دیکر پوچھتا ہوں: کیا رسول اللہؐ نے اس سائق و قائد (ابوسفیان اور معاویہ) پر لعنت نہیں کی ہے؟

ان دونوں نے کہا: ہاں، پھر امام نے فرمایا: اے مغیرہ! اور اے معاویہ! کیا تم کو اس بات کا علم نہیں کہ رسولؐ نے عمرو بن عاص پر اسی تعداد میں لعنت کی کہ جس تعداد میں اس نے رسولؐ کی ہجو میں شعر کہے تھے؟!

انہوں نے کہا: ہاں۔ پھر امام نے فرمایا: اے عمرو! اور اے معاویہ! تم کو میں خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں: آیا رسول خداؐ نے اس مغیرہ کے خاندان پر لعنت نہیں کی ہے؟

انہوں نے کہا: ہاں رسول ﷺ نے مغیرہ کے خاندان ''بنی ثقیف'' پر لعنت کی ہے۔

محمد بن عقیل سند حسن کے ساتھ دوسری روایت یوں نقل کرتے ہیں: رسول اسلام ﷺ نے مغیرہ کے خاندان کے سلسلے میں ارشاد فرمایا: عرب کے بدترین قبیلوں میں سے قبیلۂ بنی امیہ، بنی حنیفہ اور بنی ثقیف ہیں۔

ابن عقیل اس جملے کے بعد اضافہ فرماتے ہیں: نعیم بن حماد کتاب فتن میں بجالہ سے نقل کرتا ہے کہ بجالہ نے عمران بن حصین سے کہا: کون لوگ رسول اسلامؐ کے نزدیک سب سے زیادہ دشمن تھے عمران بن حصین نے کہا: پہلے یہ عہد کر کہ میں جب تک نہ مرجاؤں گا تو کسی سے نہ کہے گا اس نے کہا: ہاں؟

تو عمران ابن حصین نے کہا: سب سے زیادہ دشمن افراد قبیلۂ نبی امیہ، ثقیف اور بنی حنیفہ تھے۔

نصایحة الکافیة صفحه۸ .۱۰، ۱۱۱۱، مطبوعه: النجاح، بغداد.

ابن حزم اندلسی (متوفی ۴۵۶ھ) مغیرہ کی یوں توصیف کرتے ہیں: عمر نے نصر بن حجاج بن علاط کو اس لئے مدینہ سے نکال دیا تھا کہ اس کی محبت اور عشق میں ایک نوجوان عورت یہ شعر پڑھ رہی تھی۔

هل من سبیل الی خمر اشر بها☆ام هل سبیل الی نصر بن حجاج

ترجمہ:۔ آیا راہ امید ہے کہ میں شراب سے سیراب ہوں، یا نصر بن حجاج کی خوبصورتی کی وجہ سے اس سے عشق بازی کروں (اور اس پر مرمٹوں)۔

ابن حزم اس کے بعد کہتے ہیں: یہی عورت کہ جس کا نام فریعہ تھا حجاج بن یوسف ثقفی کی ماں بنی اس طرح کہ یہ عورت اولاً مغیرہ بن شعبہ کی زوجیت میں رہی اور مغیرہ کے انتقال کے بعد یوسف حجاج کے باپ نے اس سے شادی کر لی اور حجاج اس کے بطن سے پیدا ہوا، اسی طرف عبدالملک بن مروان نے اپنے اس خط میں اشارہ کیا ہے جو حجاج کو لکھا ہے۔

جمهرة الانساب العرب جلد ۱، صفحه ۲۶۲، نور الابصار، صفحه ۵۸، مطبوعه: مصر، شرح ابن ابی الحدید جلد ۱۲، صفحه ۲۷ و ۳۰، الاعلام زِرِکلی جلد۸ صفحه ۳۳۹، مطبوعه: بیروت.

تاریخ طبری میں سلمان بن ارقم سے منقول ہے: ایک روز زیاد بن ابیہ کوفہ آیا اور مغیرہ بن شعبہ کے گھر مہمان ہوا، اس وقت مغیرہ نے اس کا ہاتھ کو پکڑا اور اپنی جوان بیوی کے ہاتھ کو پکڑ کر اس کے بغل میں بٹھلایا اور کہا: اے ام ایوب! یہ میرا جگری دوست ہے اس سے کبھی پردہ نہ کرنا۔

یہ ہے امام بخاری کی کتاب کا ہیرو، جس نے فرمان الٰہی کی صریحاً مخالفت کرتے ہوئے ایک اجنبی شخص سے پردہ نہ کرنے کا حکم دیا!! **العیاذ باللّٰہ من رواة الصحیح للبخاری.**

امام بخاری نے اپنی کتاب میں جن راویوں کے توسط سے مغیرہ بن شعبہ سے روایات نقل کی ہیں وہ بھی وثاقت واعتماد کے شرائط پر نہیں اترتے، کیونکہ ان روایات کی سند میں زیاد بن علاقہ اور جریر واقع ہیں جو ناصبی، کذاب اور دشمن علیؑ تھے اور ہمیشہ حکومت بنی امیہ کے نمک خوار اور علوی حکومت کے کٹر مخالف رہے ہیں، دوسرے یہ کہ جریر مغیرہ کی بیوی کا باپ تھا لہٰذا اسسر کا داماد

....

⇐ چاہی تو مسجد میں ایک شور و ہنگامہ مچ گیا اور لوگوں نے اس کو نماز پڑھانے سے روک دیا، یہاں تک کہ تمام اہل بصرہ نے اس کے اس عمل کو حضرت عمر کے پاس ایک خط میں لکھ کر روانہ کیا، جس کے نتیجہ میں حضرت عمر نے ابوموسی اشعری کو بصرہ کا گورنر بنا کر بھیجا اور مغیرہ کو اپنے پاس بلوالیا۔
فتوح البلدان، ص ۳۴۰، و تاریخ طبری ج ۵ا ص ۲۵۳، تاریخ ابن خلدون جلد ۲، صفحہ ۱۱۰ مطبوعہ: بیروت، مزید معلومات کے لئے تاریخ فتوح البلدان و تاریخ طبری وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔
میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی نابالغ بچہ مغیرہ کی تاریخ زندگی پڑھ لے تو ذہنی طور پر بالغ ہو جائے گا، اس قدر اس کی زندگی خباثتوں اور نجاستوں میں آلودہ ہے، اللہ ایسے لوگوں سے بچائے (العیاذ باللہ) نہ جانے امام بخاری کا کس طرح ایسے افراد سے روایت لینے پر استخارہ آ گیا؟!! سچ کہا گیا ہے:

کند جنس با ہم جنس پرواز　　　　کبوتر با کبوتر باز با باز

۷۔ سمرہ بن جندب

سمرہ بن جندب کے بارے میں ابن حجر، ابن عبدالبر سے نقل کرتے ہیں: یہ بصرہ کا رہنے والا اور زیاد بن ابیہ کا معاون تھا، جب بھی زیاد بن ابیہ کسی کام سے باہر جاتا تھا تو اس کو اپنی جگہ پر چھوڑ کر جاتا تھا اور جب زیاد بن ابیہ مر گیا تو معاویہ نے اس کی جگہ سمرہ کو بصرہ کا گورنر بنا دیا اور ایک سال کے بعد اسے معزول بھی کر دیا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۴، ص ۲۳۶.)
امام بخاری نے اپنی صحیح میں سمرہ سے ۱۳؍حدیثیں نقل کی ہیں جو حیض و نفاس، نماز، جنازہ، کتاب البیوع، شہادات، بدء الخلق، کتاب التفسیر، کتاب الاطعمہ، کتاب الادب، کتاب التعبیر سے متعلق ہیں اور صحیح مسلم میں تقریباً چھ عدد حدیثیں چند طریقوں سے منقول ہیں جو کتاب الجنائز حدیث ۹۶۴، کتاب الصیام حدیث ۱۰۹۴، کتاب الآداب حدیث ۲۱۳۶، ۲۱۳۷، کتاب الرؤیا حدیث ۲۲۷۵، کتاب الجنۃ حدیث ۲۸۴۵ سے متعلق ہیں۔

سمرہ اور اس کے منافیٔ اسلام کارنامے

تاریخ طبری میں مرقوم ہے: جب معاویہ نے سمرہ کو بصرہ کی گورنری سے معزول کر دیا تو سمرہ نے کہا: خدا معاویہ پر لعنت کرے اگر میں معاویہ کی طرح خدا کی اطاعت کرتا تو کبھی خدا مجھ پر عذاب نہ کرتا۔ (طبری جلد ۷، ص ۶۲، مطبوعہ: بیروت)
سمرہ نے بارہ مرتبہ رسول اسلامؐ کے حکم کی نافرمانی کی ہے، جب رسول تنگ آ گئے تو آپ نے غصہ میں ایک انصاری مرد سے فرمایا: ''**اذهب فاقلعها و ارم بها وجهه فانه لاضرر و لاضرار فی الاسلام**''
جاؤ سمرہ کے درخت خرمہ کو اکھاڑ کر اس کے منہ پر مار دو، کیونکہ دین اسلام میں نہ ضرر اٹھانا صحیح ہے اور نہ کسی کو ضرر پہنچانا ٹھیک ہے اور سمرہ کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا: ''انک رجلٌ مضار'' (بیشک تو بہت ہی موذی شخص ہے) شرح ابن الحدید جلد ۴، ص ۷۸.
ایک روز خراسان سے تعلق رکھنے والا ایک شخص بصرہ آیا اور اموالِ بیت المال کو بیت المال کے سرپرست کے ⇐

حوالے کر کے مسجد گیا اور دو رکعت نماز پڑھی، اتنے میں سمرہ نے اسے گرفتار کر کے فوراً بغیر کسی جرم کے قتل کر دیا۔
جب زیاد بن ابیہ کے بھائی ابو بکرہ نے اعتراض کیا کہ کیا تو نے قرآن کی آیت نہیں سنی ہے؟!
﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَاسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى﴾ (سورہ اعلیٰ، پ ۳۰)
ترجمہ:۔ جس نے زکاۃ ادا کی اور ذکر خدا کیا اور نماز ادا کی وہ کامیاب ہے۔
اس وقت سمرہ نے کہا میں کیا کروں مجھے یہی حکم ملا ہے۔
شرح ابن ابی الحدید ج ۴، ص ۷۷، مطبوعہ: مصر، تاریخ طبری ج ۷، ص ۱۶۲۔

سمرہ اور قتل حفاظ قرآن:

سمرہ نے ایک روز میں ۴۷ر حفاظ قرآن کو موت کے گھاٹ اتار دیا جو قبیلہ بنی سوار عدوی سے تعلق رکھتے تھے۔ تاریخ طبری ج ۸، ص ۹۰
مسلم عجلی سے مصنف تاریخ طبری نقل کرتے ہیں: ایک روز سمرہ کے پاس بیس آدمی لائے گئے تو پہلے تو سمرہ نے ان سے دین پوچھا ان سب نے کہا ہمارا دین یہ ہے: "اَشهدُ ان لا اله الا اللّٰه و حده لاشریک له و ان محمداً عبده و رسوله و انی بری منا الحروریه (الخوارج)"
ترجمہ:۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ سوائے خدائے وحدہ لاشریک کے کوئی دوسرا خدا نہیں اور محمدؐ اس کے بندہ و رسول ہیں اور ہم خوارج سے برائت کرتے ہیں، یہ سنکر سمرہ نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ، سب کی گردن اڑا دیں۔ تاریخ طبری ج ۷، ص ۱۶۳۔
الختصر یہ کہ جب کبھی سمرہ کے پاس کوئی خارجی ہونے کی تہمت میں لایا جاتا تھا تو وہ اسے فوراً بغیر تحقیق کے قتل کر دیتا تھا، یہاں تک کہ اس کے بارے میں مشہور ہو گیا تھا کہ سمرہ صرف گمان پر آدم کشی کرتا ہے، خدا کو نہ جانے کیا جواب دے گا؟ اس نے کہا: جس طرح اہل بہشت جنت کی طرف سرعت کے ساتھ جائیں گے، اسی طرح کچھ اہل بدعت اور جہنمی بھی جہنم کی طرف بڑی تیزی اور جلدی میں جائیں گے۔ شرح ابن ابی الحدید ج ۴، ص ۷۷۔
اسی طرح ایک روز زیاد ابن ابیہ کسی کام سے کوفہ گیا، جب واپس ہوا تو کیا دیکھا کہ سمرہ نے ۸ر ہزار مسلمان قتل کر دیئے ہیں، زیاد ابن ابیہ نے کہا: اے سمرہ! کیا تجھے خوف خدا نہیں؟ ایک آدمی کے قتل کرنے سے انسان رحمت خدا سے دور ہو جاتا ہے؟
سمرہ نے کہا: مجھے کوئی خوف نہیں ہے اگر ۸ر ہزار اور لائے جائیں تب بھی میرے پیروں میں لغزش نہ آئے گی۔
تاریخ طبری جلد ۷، ص ۹۰۔

سمرہ اور شراب فروشی:

صحیح مسلم اور مسند احمد بن حنبل میں آیا ہے: سمرہ شراب فروش تھا، چنانچہ ایک مرتبہ عمر کو خبر دی گئی کہ سمرہ نے شراب فروخت کی ہے تو حضرت عمر نے کہا: خدا سمرہ پر لعنت کرے کیا اسے نہیں معلوم ہے کہ خدا نے یہودیوں پر اس لئے لعنت کی ہے کہ انہوں نے حیوانوں کی شحم (چربی) جو کہ حرام تھی پانی کر کے فروخت کی۔

....

ﮯ صحیح مسلم کتاب البیوع،باب"تحریم بیع الخمر والمیتہ" مسند أحمد بن حنبل، باب مسانید عمر،ص ۲۵.

یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی ہے مگر امام بخاری نے سمرہ کی عزت بچانے کی خاطر نام کی جگہ فلاں فلاں کا لفظ استعمال کیا ہے:

" بلغ عمر؛ ان فلاناً باع خمراً فقال: قاتل اللّٰه فلانا"(وائے نہ یک بار بصد بار وائے)

صحیح بخاری ج ۳ ،کتاب البیوع،باب ,,لایذاب شحم المیتہ ولایباع"

(عرض مترجم تمام شد).

دوسری دلیل: مؤلفینِ صحیحین کا شدید تعصب!!

متذکرہ دونوں کتابوں کے ضعیف ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ ان کے مؤلفین خاندانِ رسالت سے بے حد تعصب، کینہ اور بغض رکھتے تھے اور یہ حسد و تعصب بخاری میں مسلم سے زیادہ کارفرما نظر آتا ہے، جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ بے جا اور افراطی بغض و محبت انسان کو اس منزل پر لے آتا ہے کہ وہ چشم رکھنے کے باوجود حقائق دیکھنے سے اندھا، کان رکھتے ہوئے سننے سے معذور ہو جاتا ہے(۱) **(حبک الشئ یعمی ویصم)** اسی طرح تعصب انسان کو حقائق سمجھنے سے باز اور اظہار حق کرنے سے مانع ہو جایا کرتا ہے، یہی نہیں بلکہ انسان کو حقائق کی پردہ پوشی، واقعیات کی تبدیلی اور باطل کو حق کا لباس پہنا کر ظاہر کرنے پر مجبور کر دیا کرتا ہے، درحقیقت یہی تعصب ہے جو بغض و حسد کے وجود میں آنے کا ریشہ اور سبب ہے، افسوس کہ بخاری اور مسلم دونوں ہی افراد شدید اور بے انتہا تعصب کے شکار ہوئے ہیں، اس کے چند شواہد ذیل میں ہم نقل کرتے ہیں:

صحیحین اور حضرت علی علیہ السلام کے فضائل

بخاری اور مسلم کے تعصب کے شواہد میں سے ایک شاہد یہ ہے کہ حضرت علیؑ کے روز روشن کی طرح وہ مشہور فضائل و مراتب جو کہ حضرتؑ کو مقام خلافت میں اولی اور تمام لوگوں پر آپ کو برتر و بالا ثابت کرتے ہیں، ان لوگوں نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کرنے سے گریز کیا ہے!! حالانکہ یہ وہ فضائل ہیں جنھیں اہل سنت کی تمام معتبر و صحیح کتب نے نقل کیا ہے، کیونکہ یہ فضائل بین الفریقین محلِ اتفاق اور تاریخ اسلام کے مسلمات میں شمار ہوتے ہیں، جیسے حدیث غدیر "**وحدیث من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ**" آیۂ تطہیر، حدیث طیر، قضیہ سدابواب سوائے حضرت علیؑ کے دروازہ کے اور حدیث "**انا مدینة العلم وعلیبابھا**" وغیرہ......(۲)

---

(۱) ایسا شخص عقل و فہم رکھتے ہوئے درک کرنے سے مفلوج ہو جاتا ہے، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے ارشاد ہوتا ہے:
﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ بقرہ، ۷.

(۲) نوٹ: مسلم نے آیت تطہیر اور حدیث غدیر کو ذکر تو کیا ہے، لیکن سیکڑوں صحیح حدیثوں میں سے تحریف شدہ متن والی حدیث غدیر کو ساتھ نقل کیا ہے، جس سے ان کی بدنیتی ظاہر ہوتی ہے، بقیہ بحث انشاءا...... فصل ہشتم باب فضائل علی میں نقل کریں گے.

ان حدیثوں کو خود اہل سنت نے دسیوں صحابہ سے اپنی معتبر کتابوں میں نقل کیا ہے۔(۱)

امام بخاری کو معاویہ جیسے بد کردار اور اسلام پر بدنما دھبہ جیسے افراد کے فضائل تو نظر آ گئے لیکن حضرت علی کے متعدد مسلم الثبوت فضائل نظر نہیں آئے!! اور جب باب فضائل معاویہ میں رسولؐ کی جانب سے کوئی حدیثِ فضیلت نہ ملی تو دو عدد روایتیں ابن عباس کی طرف منسوب کر کے آخر لکھ ماریں، ایک روایت میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ابن عباس نے معاویہ کی مصاحبت رسولؐ ہونے کی وجہ سے تعریف کی ہے اور ایک حدیث میں فقیہ کے لقب سے یاد کیا ہے!!(۲) (۳)

جی ہاں! جو شخص ایک ایسی کتاب لکھنا چاہتا ہے جو جامعِ حدیث، تفسیر اور تاریخ ہو اس حد تک کہ وہ ایک صحابی کی طرف سے دوسرے صحابی (معاویہ) کی مدح کو بھی ذکر کرتا ہے تو پھر ایسے شخص کیلئے یہ کیسے سوچا جاسکتا ہے کہ وہ مشہور احادیث فضائل مانند (انا مدینۃ العلم وعلی بابہا وحدیث غدیر) جو مسلم الثبوت تھیں انہیں بھول جائے؟!!!

چنانچہ امام بخاری کی ان احادیث سے بے اعتنائی کسی فراموشی اور عدم دسترسی کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ سب عمداً کیا گیا اور امام بخاری کی اس بے اعتنائی اور نظر اندازی کا سبب بس ایک ہی ہوسکتا ہے وہ یہ کہ باطل کی نمائندگی کرتے ہوئے حضرت امیر المومنینؑ کے فضائل پر پردہ ڈال کر حقائق اور واقعیات کو ختم کرنا اس کے علاوہ اور کوئی سبب ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔

بیشک صحیحین کے مؤلفین اس طریقہ سے چاہتے تھے کہ حساس مطالب کو مخفی کردیں، تاکہ آئندہ آنے والی نسل ان مطالب سے واقف نہ ہوسکے اور کوئی اس فکر میں نہ پڑ جائے کہ کون منصبِ خلافت کا حقدار تھا؟ اور

---

(۱) مزید معلومات کیلئے کتاب عبقات الانوار، کتاب غایۃ المرام، الغدیر ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) صحیح بخاری ج۵، کتاب فضائل الصحابہ، باب ذکر معاویہ۔

(۳) قارئین کرام! امام بخاری کی اس سے بڑھ کر بے اعتنائی اور تعصب کیا ہوسکتا ہے کہ جن میں ہزاروں عیب ہوں ان کے باب فضائل قائم کر کے فضائل کے ڈھیر لگادئے لیکن جو کعبہ میں پیدا ہوا ہو، زبان رسالت چوس کر پروان چڑھا ہو، اسلام کی اکثر جنگیں فتح کیں ہوں اور مسجد کوفہ میں سجدہ کی حالت میں فزت ورب الکعبہ کہہ کر خدا کی راہ میں جان دی ہو، اس ذات والا صفات کے جم غفیر فضائل ومناقب امام بخاری کو نظر نہ آئے!! (العجب ثم العجب) عرض مترجم

آیا اس بارے میں رسول اسلام ﷺ سے نص وارد ہوئی بھی تھی یا نہیں؟!!

اتفاقاً یہ لوگ ظاہری طور پر اپنے اس ناپاک مقصد میں ایک حد تک کامیاب بھی رہے، یہی وجہ ہے کہ ابن تیمیہ حدیث غدیر کو رد کرتے ہوئے کہتا ہے:

''یہ حدیث (**من کنت مولاه فهٰذا علی مولاه**) صحاح ستہ میں نقل نہیں ہوئی ہے، اس کو فقط مؤرخین نے نقل کیا ہے اور اس کے صحیح ہونے میں اختلاف پایا جاتا ہے''!!(۱)

شیعوں کے خلاف مسلم کا مضحکہ خیز بہتان!

تعصب کے منحوس درخت کے آثارِ سوء میں سے ایک سوء اثر اور تعصب کے شجرۂ خبیثہ کے پھلوں میں سے ایک زہریلا پھل وہ مطلب اور بہتان ہے جسے مسلم نے اپنی کتاب (صحیح مسلم) کے (مقدمہ میں شیعوں کے بارے میں نقل کیا ہے!! چنانچہ جس جگہ آپ جعلی اور خلاف واقع احادیث کی بحث کرتے ہیں، وہاں بڑے طُرہ وطمطراق کے ساتھ تفصیل وشرح کرتے ہوئے اس طرح فرماتے ہیں:

''جعلی حدیثوں میں سے وہ حدیث بھی جعلی ہے جس کو شیعہ حضرات نے حضرت علی علیہ السلام کی شان میں بیان کیا ہے: **"ان الرافضة تقول ان علیاً فی السحاب"** شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ علیؑ ابر کے درمیان ہیں۔''(۲)

عرض مؤلف

یاد رہے کہ شیعہ احادیث کی جمع آوری آنحضرتؐ کے زمانہ سے ہوئی ہے اور شیعہ عقائد ہماری علم کلام کی کتابوں میں مفصل مذکور ہیں، چنانچہ ہمارے عقائد کی کتابوں سے کتب خانے بھرے پڑے ہیں، لیکن کسی بھی

(۱) منهاج السنة ج۴، فصل " قال الرافضی : الثانی الخبر المتواتر عن النبیؐ لما نزل قوله تعالیٰ : یا ایها الرسول بلغ . " ص۸۶.

(۲) مقدمه الجامع الصحیح ؛ مسلم بن الحجاج .

کتاب میں یہ انوکھا نظریہ نہیں ملتا کہ شیعہ قائل ہیں کہ علیؑ ابر میں رہتے ہیں!! کیا ہمارے تمام محدثین اور مورخین کا یہ عقیدہ نہیں کہ حضرت علی علیہ السلام شقی اور بدبخت ترین انسان ابن ملجم کے ہاتھوں مسجد کوفہ کی محراب میں حالت سجدہ میں شہید ہوئے اور بمقام غری (نجف اشرف) دفن کئے گئے؟!!

محترم قارئین! آپ نے گزشتہ مطالب کو پڑھ کر اندازہ لگایا ہوگا کہ صحیحین میں مذکورہ حدیث کی مانند بے شمار جعلی حدیثیں ہیں! اور افسوس کا مقام یہ ہے کہ انھیں جعلی اور بے اساس مطالب کو سادہ لوح مسلمان صحیح سمجھ کر آج بھی عمل پیرا ہیں اور ان خرافاتی حدیثوں کو قول رسولؐ جان کر ایمان لائے ہوئے ہیں اور انھیں احادیث کو اہل سنت حضرات اپنے مخالفین کے مقابلہ میں حملہ کے طور پر دلیلیں قرار دیتے ہیں!!

مذکورہ حدیث کا ریشہ کیا ہے؟!

یقینی طور پر تاریخی مدارک کے مطابق اس حدیث میں "سحاب" کے معنی بادل نہیں ہیں بلکہ "سحاب" رسولؐ کے اس عمامہ کا نام تھا جسے آپ نے روز غدیر حضرت علیؑ کے اوپر بعنوان تاج افتخار رکھا تھا، لہٰذا جب حضرت علیؑ اس کو رکھ کر رسولؐ کے پاس تشریف لاتے تھے تو آنحضرتؐ خوشی و مسرت کے عالم میں فرماتے تھے:

"اقبل علی فی السحاب" علیؑ سحاب عمامہ میں آرہے ہیں۔

ہم شیعیان حیدر کرار بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے آپ کے ان جملوں کو بقیہ صحابۂ رسول کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کیلئے ایک بہت بڑا افتخار اور امتیاز سمجھ کر تکرار کرتے ہیں: **"جاء علی فی السحاب"**.

اس واقعہ کو صاحب سیرۂ حلبیہ نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے:

"کان له عمامة تسمی السحاب فوهبها علی ابن ابی طالب کرم الله وجهه فکان ربما طلع علیه علی فیقول اتاکم علی فی السحاب، یعنی عمامته التی وهبها له" (۱)

(۱) **سیرة حلبی** ج ۳، ص ۳۶۹ (النهایة؛ابن اثیر ج ۲، ص ۳۴۵،ماده سحب . نظم درر السمطین ص ۱۱۲ . الریاض **النضرة** ج ۲، ص ۱۶۲، ذکر اختصاصه باحالة جمع من الصحابة . فرائد السمطین ج ۱، ص ۷۶، باب ۱۲ .مترجم).
نوٹ: علامہ امینی نے اپنی کتاب الغدیر جلد اول میں اس واقعہ کے مدارک کو بالتفصیل تحریر کیا ہے).

مایۂ تعجب اور مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ مسلم نے اصل حدیث کو نقل کرنے کے بجائے ایک دوسری جعلی حدیث نقل کر کے اس کی جھوٹی نسبت شیعوں کی طرف دے دی ہے!!

بخاری اور امام جعفر صادق علیہ السلام

جیسا کہ ہم گزشتہ مباحث میں بیان کر چکے ہیں کہ صحیحین کی کثیر احادیث کے راوی وہ لوگ ہیں جو ناصبی، فاسق، فاجر و خوارج ہیں، خلاصہ یہ کہ صحیحین کی حدیثوں کے اکثر و بیشتر رجال خاندان عصمت و طہارتؑ سے بطور آشکار عداوت و دشمنی رکھتے تھے!! مخصوصاً امام بخاری نے ان دشمنان دین خدا اور فاسق و فاجر راویوں سے احادیث اخذ کرنا کچھ زیادہ ہی بہتر سمجھا ہے جیسے عمران بن حطّان (یہ خوارج کا رئیس اور ان کا بہت بڑا خطیب اور فقیہ سمجھا جاتا تھا) اور ان لوگوں سے ایک حدیث بھی نہیں اخذ کی جو نور دیدۂ رسولؐ و بتولؑ تھے، جن کا تقوی، ورع، ایمان اور علم محتاج تعارف نہیں۔(۱)

امام بخاری کے شدید تعصب کا پردہ اس وقت اور بھی فاش ہو جاتا ہے جب ہم مندرجہ ذیل نکات کو مدنظر رکھتے ہوئے امام صادقؑ اور بخاری کی شخصیت کو اس وقت کے زمان اور مکان کے اعتبار سے قابل توجہ قرار دیں اور اس وقت یہ سوال بھی خود بخود مندفع ہو جاتا ہے کہ امام بخاری کی خاندان رسالت تک پہنچ تھی یا نہیں۔

۱۔ بخاری زمانے کے اعتبار سے حضرت امام جعفر صادقؑ سے نزدیک تھے کیونکہ بخاری کی وفات امام صادقؑ کے تقریباً سو سال بعد ہوئی ہے۔(۲)

---

(۱) حضرت امام جعفر صادقؑ کی وہ شخصیت تھی کہ جن کے کمالات و فضائل کسی پر پوشیدہ نہیں تھے آپ کے فضل و کمال کا قصیدہ تمام علماء اسلام پڑھتے تھے، قطع نظر اس کے اگر امام بخاری کو ان کے تقوی، ورع اور صداقت پر اعتماد نہ تھا تو کم سے کم خاندانِ رسالت کے افراد سمجھ کر ایک دو روایتیں ہی اخذ کر لیتے، جب کہ آپ نے فاسق، فاجر، خوارج اور نواصب سے حدیثیں نقل کیں تھیں؟!! پس امام بخاری کا خاندان رسالت سے حدیث نقل نہ کرنا اس تعصب اور شدید حسد کی حکایت کرتا ہے جو آپ کے دل میں اہل بیتؑ کے متعلق جاگزین تھا۔ مترجم۔

(۲) امام جعفر صادقؑ کی شہادت ۱۴۸ھ میں اور بخاری کی وفات ۲۵۶ھ میں ہوئی ہے۔

۲۔ بخاری نے چھ سال حجاز میں قیام کیا اور حجاز مرکز علوم امام جعفر صادقؑ تھا، اسی طرح انہوں نے شیعوں کے دیگر علمی مراکز جیسے بغداد اور کوفہ کی طرف دسیوں سفر کئے، حتیٰ کہ آپ خود کہتے تھے کہ میں ان سفروں کی تعداد کو بھول گیا ہوں اور ان تمام جگہوں میں امام صادقؑ کے بے شمار شاگرد موجود تھے یہی نہیں بلکہ امامؑ کے علم وفضل کی شہرت تمام وسیع مملکت اسلامیہ میں دور دور تلک پھیلی ہوئی تھی اور اس بات کی خبر تمام اہل سنت کے محدثین کے کانوں تک بھی پہنچ چکی تھی، چنانچہ امام کے ہوتے ہوئے کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ فقہ وحدیث کا دعویٰ کرے، مگر وہ شخص جو امام کے علم کے بارے میں کسی طرح کی حقیقتاً اطلاع نہ رکھتا ہو، تو پھر ان تمام وسائل اور مواقع کے فراہم ہونے کے باوجود بخاری نے امامؑ کے شاگردوں سے کیوں نہیں روایات اخذ کیں؟! آیا تعصب اور بغض وعناد کے علاوہ بھی کوئی سبب متصور ہوسکتا ہے؟!

۳۔ بخاری نے ان لوگوں سے تو حدیثیں اخذ کیں ہیں جنہوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی روایات نقل کیں ہیں، جیسے عبد الوہاب ثقفی، حاتم بن اسماعیل، مالک بن انس، وہب بن انس، وہب بن خالد (یہ سب مشائخ حدیث بخاری ہیں)، (۱) لیکن ان لوگوں سے اُن حدیثوں کو اخذ نہیں کیا جنھیں ان راویوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا تھا!!

امام بخاری کی جانب سے ابن تیمیہ کی معذرت خواہی

ابن تیمیہ کہنا ہے کہ چوں کہ امام بخاری نے یحیٰی ابن سعید کی زبانی امام جعفر صادقؑ کے بارے میں کچھ غلط پروپیگنڈہ سن رکھا تھا اس وجہ سے بخاری نے مناسب نہ سمجھا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے حدیثیں اخذ کرے۔ (۲)

---

(۱) الجمع بین رجال الصحیحین، مؤلفه ابی الفضل محمد بن طاهر بن علی المقدسی المعروف به ابن القیسرانی الشیبانی، متوفی ۵۰۷ھ، مطبوعه مجلس دائرة المعارف نظامیه حیدر آباد دکن ۱۳۲۳ھ۔
(یہ کتاب ابی نصر کلاباذی اور ابوبکر اصفہانی کی دونوں کتابوں کی جمع ہے جس کا نام "الجمع بین رجال الصحیحین" سے مشہور ہے مذکورہ اسماء کے ذیل میں ان کی وضاحت دیکھئے۔

(۲) منہاج السنہ جلد ۴، ص ۱۴۳۔

اس بات کو ابن تیمیہ نے مبہم ذکر کیا ہے اور یحییٰ بن سعید کے بارے میں صرف اشارہ پر اکتفا کیا ہے، میں کہتا ہوں کہ اگر امام جعفر صادقؑ فضل، تقوی، علم، دانش، عدالت اور صداقت کے لحاظ سے غیر معروف ہوتے یا امام بخاری علم رجال کے قواعد و قوانین سے واقف نہ ہوتے تو ابن تیمیہ کا عذر بخاری کے بارے میں قابل قبول ہو سکتا تھا اور بخاری کو غیر متعصب فرد شمار کیا جا سکتا تھا، لیکن حقائق اور واقعیات ان تمام احتمالات و توجیہات کی تکذیب کرتے ہیں اور بخاری کے تعصب و عناد کی تائید اور تثبیت کرتے ہیں، کیونکہ امام جعفر صادقؑ کی شخصیت کوئی غیر معروف نہ تھی کہ ایک معمولی شخص کے پروپیگنڈہ کی بنا پر تحت الشعاع اور بے وقعت قرار پا جاتی! یعنی ایسا نہیں تھا کہ ایک فرد (یحییٰ بن سعید) کے جرح کی وجہ سے امام کی ساری علمی اور معنوی فضیلت و اہمیت ختم ہو جاتی (بلکہ آپ کا امام ابوحنیفہ کے اساتذہ میں شمار ہوتا تھا) اور دوسری جانب یہ کہ امام بخاری علم رجال میں مہارت تامہ و تخصص کامل رکھتے تھے جس کا بین ثبوت ان کی کتاب "التاریخ" دیتی ہے جس میں تشخیص رجال پر ہی بحث و تمحیث کی گئی ہے چنانچہ آپ اس میں کہتے ہیں:

ناقلین حدیث میں سے کوئی ایسا نادر فرد ہی ہوگا جس کے بارے میں میرے پاس کوئی معلومات اور خبر نہ پائی جاتی ہو، لیکن چونکہ میں چاہتا ہوں کہ میری کتاب (التاریخ) کا حجم اس سے زیادہ نہ ہو لہٰذا ساری تفصیل نقل کرنے سے اجتناب کرتا ہوں: "**قل اسم فی التاریخ الاوله عندی قصة**"(۱)

پس مذکورہ تمام شرائط فراہم ہونے کے باوجود بخاری کا امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایتیں نقل نہ کرنا ان کی خاندان رسالت سے کھلی دشمنی اور تعصب و عناد کا پتہ دیتا ہے!! کیا اس کے علاوہ ہم اور بھی کوئی توجیہ اور تاویل کر سکتے ہیں؟!!

خاندان عصمت و طہارت سے بخاری اور مسلم کی کھلی دشمنی

قارئین کرام! یہاں پر ہم متذکرہ مباحث کے علاوہ ایک اور نکتہ کا اضافہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ خاندان عصمت و طہارت (ع) کے بارے میں بخاری اور مسلم کا بغض و عناد اور شدید تعصب بالکل آشکار ہو جائے،

(۱) تاریخ بغداد جلد ۲، محمد ابن اسماعیل بن ابراهیم، ص ۷. ضُحَی الاسلام ج ۲، احمد امین _ الباب الثالث: الحرکة العلمیة تفصیلا، الفصل الرابع: الحدیث و التفسیر. ص ۱۲۲..

اور اس کے ساتھ ساتھ یہ مطلب بھی آپ پر واضح ہو جائے کہ ابن تیمیہ کا بخاری کی جانب سے بیجا دفاع کر کے معذرت خواہی کرنا بے معنی اور آفتاب پر خاک ڈالنے کے مترادف ہے اور وہ نکتہ یہ ہے:

''صحیحین کا دقیق مطالعہ کرنے سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ صحیحین میں امام بخاری اور مسلم نے تقریباً چوبیس سو (۲۴۰۰) سے زیادہ راویوں سے حدیثیں نقل کی ہیں اور ان راویوں میں اکثر تعداد ان لوگوں کی ہے جو دشمنان خاندان رسالت یا پھر مجہول الحال ہیں۔''

پتہ نہیں ان دونوں کو خاندانِ رسالت سے کتنی دشمنی تھی کہ ایک حدیث تک ان سے نقل نہ کی؟!! اگر ایک دو حدیثیں نقل بھی کی ہیں تو وہ حدیثیں جو خود ساختہ اور وضع کر کے ان لوگوں کی طرف منسوب کی گئی ہیں، جن سے خود خاندان رسالت کی توہین ہوتی ہے!! چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بخاری اور مسلم نے ۲۶ را یسے راویوں سے حدیثیں نقل کی ہیں جن کا نام حسن ہے، لیکن جگر گوشۂ رسول حضرت امام حسنؑ سے روایت نقل نہیں کی، اسی طرح ۲۳ رراوی ایسے ہیں جن کا نام موسی ہے لیکن پیغمبر اسلام کے زاہد فرزند امام موسی ابن جعفر سے روایت نقل نہیں کی، اسی طرح ۳۹ رعدد ایسے راویوں سے حدیثیں نقل کی ہیں جن کا نام علی ہے مگر علی ابن موسی الرضا سے روایت نقل نہیں کی کہ جن کے علم وفضل کو دوست و دشمن دونوں قبول کرتے تھے۔(۱)

بہر کیف صحیحین کے مؤلفین نے نہ امام حسن سے، نہ امام رضا، امام محمد تقی، امام علی نقی اور امام حسن عسکری علیہم السلام سے کوئی روایت اخذ نہیں کی حالانکہ حضرت امام حسن عسکریؑ تو بخاری کے زمانہ میں موجود تھے!!(۲)

اسی طرح ان لوگوں نے ائمہ علیہم السلام کے خاندان سے جو افراد تعلق رکھتے تھے اور علم وفضل میں نابغۂ زمان تھے ان سے بھی حدیثیں نقل نہیں کی ہیں جیسے زید شہید ابن علی بن الحسینؑ اور حسن ابن حسن مثنیٰ اسی طرح

---

(۱) جو حدیثیں امام رضاؑ سے منقول ہیں ان تمام حدیثوں کی جمع آوری جناب عطاردی نے دو ضخیم جلدوں میں فرمائی ہے جس کا نام مسند الرضا ہے۔

(۲) امامؑ کی وفات بخاری کی وفات کے چار سال بعد ہوئی ہے۔

دسیوں افراد خاندان نبوت میں ایسے تھے کہ جو ائمہ کے ہم نام تھے، باوجود اس کے یہ افراد احادیث کے راوی اور کئی ایک کتب احادیث کے مؤلف تھے حتی کہ نمونہ کے طور پر ان سے ایک حدیث بھی نقل نہیں کی۔(۱)

البتہ بخاری اور مسلم نے اہل بیت نبوتؑ سے حدیث نقل کرنے کے بارے میں جس شاہکار کا مظاہرہ کیا وہ یہ ہے کہ انھوں نے (دو عدد) خود ساختہ (گڑھی) حدیثیں امام زین العابدین علیہ السلام سے نقل کی ہیں جن سے اہل بیت علیہم السلام عصمت وطہارت کی توہین ہوتی ہے:

۱۔ حضرت امام علیؑ اور فاطمہ زہرا (س) نماز صبح کے لئے بیدار نہ ہوتے تھے اور رسول خداؐ بیدار کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت علی نے رسول اسلام کی شان میں کوئی نامناسب جملہ کہا تو رسولؐ نے تنقید وتعریض کے طور پر یہ آیت پڑھی: ﴿وَكَانَ الْإِنسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾(۲)

۲۔ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضرت حمزہ سید الشہداء ایک مرتبہ مردار جانور کا گوشت، شراب کے ساتھ ایک رقاصہ عورت کے ہاتھ سے تناول فرما کر مست ہو گئے!(۳)

شاید بخاری ومسلم کے نزدیک خاندان عصمت وطہارت کے یہاں ان دو حدیثوں کے علاوہ دیگر صحیح حدیثیں نہ تھیں اسی لئے نقل کرنے سے گریز کیا!!((در حیرتم بر این عقل ودانش))

کیا ممکن ہے کہ والد حسنین، برادر رسول، مصداق انا مدینۃ العلم، ہارون امت محمدیہ اور بضعۃ الرسول حضرت فاطمہ زہرا (س) سوتے رہیں اور رسول اسلام ان کو بیدار کریں؟!! کیا سید الشہداء، اسد رسول خدا حضرت حمزہ کہ جن کی میت پر رسول اکرمؐ نے ستر مرتبہ تکبیر پڑھی، ممکن ہے خاکم بدہن ایک بدکردار اور رقاصہ عورت کے ہاتھ سے شراب کے ساتھ مردار جانور کا گوشت کھا کر مستی کریں؟!!

(خدا لعنت کرے ایسے چنڈو خانے کی روایتوں کے ناقلین پر)۔

---

(۱) جو روایات زید شہید سے منقول ہیں وہ مسند زید کے نام سے متعدد بار چھپ چکی ہیں.

(۲) سورۂ کہف، آیت ۵۴، پ ۲۵.

(۳) گزشتہ اور اس حدیث کی تحقیق انشاء اللہ جلد سوم میں کریں گے .

فصل ۵

احادیث صحیحین باعتبارِ متن ضعیف ہیں

تیسری دلیل: منبع صدور سے تدوین احادیث کا فاصلہ ضعفِ حدیث پر دلالت کرتا ہے

کتب صحیحین کی احادیث کے ضعیف ہونے پر ہماری پہلی اور دوسری دلیل ان کی اسناد کا ضعف اور مؤلفین کا شدید تعصب تھا جیسا کہ آپ نے گزشتہ مباحث میں تفصیل کے ساتھ ملاحظہ فرمایا، اب ہم آپ کی توجہ صحیحین کی احادیث کے ضعیف ہونے کی تیسری دلیل کی جانب مبذول کراتے ہیں:

جیسا کہ ہم نے آپ کی خدمت میں کتاب ھٰذا کے مقدمہ میں جمع آوریٔ حدیث کی کہانی خلاصہ کے طور پر نقل کی اور رسول اسلام ﷺ کے بعد عمر بن عبدالعزیز کے زمانۂ خلافت تک نقل و تدوین اور جعل حدیث کے بارے میں قدرے تحقیق آپ کے سامنے پیش کی کہ صحیحین میں جو حدیثیں نقل کی گئی ہیں ان کی جمع آوری اوران کے صادر ہونے کے زمانہ میں ایک طولانی فاصلہ ہے، کیونکہ وفات رسولؐ کے بعد حدیث نقل کرنے پر پابندی لگادی گئی تھی! اور جب نقل حدیث کا باب کھلا تو جعلی اور جھوٹی حدیثوں کا بازار لگ چکا تھا! (۱) لہٰذا اب

---

(۱) چنانچہ اس زمانے میں ایسی ایسی حدیثیں گڑھی گئیں کہ انسان سن کر تعجب کرے! مثلاً ابو ہریرہ نے حدیث بیان فرمائی کہ اگر کوئی شخص عکہ کی پیاز مکہ میں کھائے گا تو اس پر جنت واجب ہوجائے گی!"من اکل بصل العکه فی مکة وجبت له الجنة"، مترجم.

کتبِ صحیحین اور جو لوگ ان دو کتابوں کی تمام حدیثوں کو صحیح جانتے ہیں وہ اس سوالیہ نشان کے سامنے قرار پاتے ہیں:

جب ایک طرف عمر بن عبدالعزیز کے دور خلافت (تقریباً ایک صدی) تک حدیث لکھنے اور زبانی بیان کرنے پر پابندی تھی اور دوسری جانب اس ایک صدی کے دوران سینکڑوں حدیثیں گڑھنے والے افراد اور دیگر علل واسباب پیدا ہو چکے تھے اور پھر یہ کہ حدیث گڑھنے والے اپنے تمام اختیارات اور امکانات کو بروئے کار لا کر حدیث گڑھنے میں کوشاں رہے اور جتنا بھی ان سے ممکن تھا انھوں نے اس سلسلے میں فائدہ اٹھایا!! تو پھر اس طولانی مدت میں ان حالات کے باوجود خدا جانے حدیث پر کیا کیا گزری ہوگی؟! نہیں معلوم کیسا کیسا تغیر و تبدل متن حدیث میں وقوع پذیر ہوا ہوگا؟! اور پتہ نہیں سنت نبوی سے جو کہ قانون اسلام کا اہم ترین منبع اور پایہ ہے کتنے ہی حقائق ختم کر دیئے گئے ہوں گے؟! اور نہ جانے کیا کیا خرافاتی اور باطل مطالب ان حقائق کی جگہ رکھ دیئے گئے ہوں گے؟! کیونکہ ایک طویل زمانہ تک بعد میں آنے والے اپنے پہلے والوں سے اور اولاد اپنے آباء واجداد سے مطالب کو بعنوان احادیث جو کہ ان کے معتقدات اور اسلام کے اصول وفروع پر مشتمل ہوتیں تھیں نقل کرتے رہے، لیکن انھیں یہ خبر نہیں تھی کہ آیا یہ حدیثیں صحیح بھی ہیں یا نہیں؟ ان کی اصل کیا ہے؟ پتہ نہیں؟!

یہ ایک ایسا سوال اور اعتراض ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور ان کتابوں کو دل وجان سے صحیح تسلیم کرنے والوں کے سامنے قائم ہے، جس کا صحیح اور قابل اطمینان جواب دینے سے یہ لوگ قاصر ہیں۔(۱)

(۱) عرض مترجم: مذکورہ اسباب کے ہوتے ہوئے اگر ایک صدی کے بعد حدیث کی جمع آوری کا کام شروع ہو تو لامحالہ ان حدیثوں کی صحت پر ایک سوالیہ نشان قائم ہو جائے گا: آیا یہ حدیثیں صحیح ہیں یا نہیں؟ یہ واقعاً کلام رسول ہیں یا نہیں؟ کیونکہ صدور حدیث میں زیادہ فاصلہ ہونے کی وجہ سے متعدد چیزوں کا احتمال پیدا ہو جاتا ہے مثلاً: حدیث کے بعض الفاظ کے حذف ہونے اور حدیث کے جعلی ہونے کا احتمال ہے، بہت سی حدیثیں مجمل ہیں اور ان کی تفصیل ایسی دوسری حدیثوں میں بیان کی گئی ہے جو ہماری دسترس میں نہیں ہیں، پس ان حالات کے باوجود کوئی انسان کیسے کما حقہ تمام حدیثوں کی جمع آوری کر سکتا ہے؟

ایک شبہ

بعض اہل سنت (۱) کہتے ہیں کہ اگر چہ حدیثوں کی جمع آوری ایک طویل فاصلہ کے بعد کی گئی ہے مگر اس میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی کیونکہ راویوں کے حافظے قوی تھے لہٰذا انھوں نے جو حدیثیں نقل کیں وہ سب درست ہیں، اس طرح ان لوگوں نے راویوں کے حافظوں کو کتابوں کا جانشین قرار دیا ہے!!

جواب

اولاً: حافظہ کتنا ہی قوی کیوں نہ ہو کتاب کا کام نہیں کر سکتا۔

ثانیاً: اگر حدیث کم واسطوں کے ذریعہ کتاب میں نقل ہو تو مذکورہ سوال کے مقابلہ میں ایک لمحہ کے لئے اس بات کو تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ راویوں کے حافظے قوی تھے، لہٰذا ان پر اعتماد کیا جا سکتا تھا، لیکن صحیحین کا مطالعہ کرنے والے افراد پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ان کتابوں کی متعدد حدیثیں کئی واسطوں کے ذریعہ رسول اکرمؐ سے نقل کی گئی ہیں، لہٰذا رواۃِ صحیحین کا حافظہ کے اعتبار سے قوی ہونے کا بہانہ ان کیلئے کسی درد کی دوا نہیں ہو سکتا، کیونکہ جب خلافتِ عمر ابن عبد العزیز کے زمانے میں تدوین حدیث کا آغاز ہوا تو اب رسولؐ اسلام تک لامحالہ کئی سال اور کتنے ہی واسطوں کے بعد سند پہنچے گی اور یہ فطری امر ہے کہ ایسی خبر کے نقل بالمعنی ہونے اور اس میں کمی و زیادتی کا قطعی اور یقینی احتمال پایا جاتا ہے، اگر چہ اس کے پس پشت کذب بیانی کا مقصد نہ بھی ہو اور سونے پہ سہاگہ یہ کہ جب ایک خبر نقل بالمعنی بھی چند واسطوں کے ذریعہ ہوئی ہو تو پھر تو ایسی حدیث کا حال روشن ہے!!

قارئین کرام! یہ تھی صحیحین کی حدیثوں کے ضعیف ہونے کی **تیسری دلیل** اب ہم آپ کی توجہ **چوتھی دلیل** کی طرف مبذول کراتے ہیں۔

---

(۱) ابو کمال عبد الغنی عبد الخالق مقدمہ صحیح بخاری. مطبوعہ، مکہ معظمہ ۱۳۷۶ھ.

چوتھی دلیل: بخاری کا احادیث رسولؐ میں کتر بیونت کرنا!

صحیح بخاری کی احادیث کے ضعیف اور غیر معتبر ہونے پر چوتھی دلیل، امام بخاری کا احادیث میں کتر بیونت کرنا ہے اور اس عمل یا با الفاظ دیگر اس خیانت کے دو سبب ہو سکتے ہیں:

۱۔ چونکہ امام بخاری خاندان رسالت سے شدید تعصب رکھتے تھے لہٰذا اس تعصب نے ان کو اس بات سے باز رکھا کہ کوئی ایسی حدیث اپنی صحیح میں درج کریں جس سے حضرت علی علیہ السلام کی شان اور فضیلت ظاہر ہوتی ہو۔

۲۔ احادیث میں کتر بیونت کرنے کی دوسری وجہ خلفائے ثلاثہ اور مخصوص صحابہ کی عزت محفوظ رکھنا تھا، لہٰذا اگر کسی حدیث میں خلفاء کی توہین، مذمت، جہل و تنقیص کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تو اس میں آپ نے اپنے ذوق کی بنا پر کتر بیونت (تقطیع) کر دی ہے! چنانچہ کبھی صدر حدیث کو حذف کر دیا ہے، تو کبھی ذیل حدیث کو اور کبھی وسطِ حدیث کو حذف کر دیا ہے، موصوف نے اس طرح اہل بیتؑ کی فضیلت اور خلفاء کی منقصت پر پردہ ڈالنے کی سعیٔ لاحاصل فرمائی ہے جسے علم حدیث کی رو سے تدلیس در حدیث (حدیث میں خیانت) کہا جاتا ہے۔ امام بخاری کا یہ عمل اس بات کا بین ثبوت ہے کہ آپ نے ایک محدث ہونے کی حیثیت سے حدیث کی جمع آوری میں جو فریضہ ادا کرنا چاہیئے تھا وہ ادا نہیں کیا، کیونکہ ایسا عمل ایک محدث، مفسر اور مؤرخ کے لئے زیب نہیں دیتا، ہر مورخ اور محدث کا فرض ہے کہ حقائق کو بیان کرے، نہ کہ حدیثوں میں تقطیع کر کے حقائق و واقعیات سے لوگوں کی فکروں کو منحرف اور گمراہ کر دے!! امام بخاری کا مذکورہ عمل (اپنے ذوق کے مطابق حدیثوں میں کاٹ چھانٹ کرنا) اس حقیقت کو آشکار کر دیتا ہے کہ امام بخاری کی دسترس میں بہت سی صحیح روایات تھیں جو موصوف کے ذوق اور سلیقہ کے مطابق نہ تھیں لہٰذا آپ نے ان کو لکھنے سے اجتناب کیا! اس طرح بہت سے حقائق ہم تک نہ پہنچ سکے اور رفتہ رفتہ نابود ہو گئے! پس جو شخص چند حدیثوں میں ایسا کام کرے اس سے بعید نہیں کہ وہ ہر اس حدیث کے ساتھ یہی سلوک کرے جو اس کے ذوق کے مطابق نہ ہو! چنانچہ ہم ان احادیث کے چند نمونے پیش کرتے ہیں جن میں بخاری نے اپنے خاص ذوق کے مطابق کاٹ چھانٹ کی ہے!!

۱۔ حدیث حکم جنابت

ایک شخص نے حضرت عمر ابن خطاب سے سوال کیا کہ اگر میں مجنب ہو جاؤں اور پانی دست یاب نہ ہو تو نماز کا کیا حکم ہے؟ حضرت عمر نے جواب میں کہا: نماز نہ پڑھو! لیکن صحابیٔ رسول جناب عمار یاسر اس وقت موجود تھے اور آپ دونوں حضرات نے حکم تیمّم کو رسول خداؐ سے سن رکھا تھا لہٰذا حضرت عمار نے فوراً عمر کو یاد دلایا اور خلیفہ کے اس حکم پر کہ نماز نہ پڑھی جائے اعتراض فرمایا۔

عرض مؤلف

اس میں کوئی شک نہیں کہ مجنب کے لئے نماز ترک کرنے کا حکم صادر کرنا نصِ قرآن اور سیرت رسولؐ کے خلاف ہے! اور چونکہ امام بخاری کی نظر میں خلیفۂ وقت کیلئے کسی ایسے حکم شرعی (مانند حکم تیمم) سے واقف نہ ہونا، یا اس سے غفلت برتنا جو کہ روزمرہ کا مبتلا بہ مسئلہ ہو باعث شرم وحیا اور آبروریزی کے مترادف تھا، لہٰذا آپ نے خلیفہ صاحب کی عزت بچانے کے لئے حدیث میں خورد برد کر کے خلیفہ صاحب کے جواب کو حذف کر دیا ہے جو کہ **"فقال: لاتُصَلِ"** تھا!!(۱) لیکن برخلاف اس کے مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کو کامل نقل کیا ہے، لہٰذا پہلے ہم صحیح بخاری کی روایت نقل کرتے ہیں، اس کے بعد صحیح مسلم وغیرہ کی روایت نقل کریں گے تاکہ دونوں روایتوں کے درمیان تطبیق اور موازنہ کے ذریعہ امام بخاری کی تقطیع روایت مکمل طور سے ثابت ہو جائے۔

"......حدثنا آدم قال: حدثنا شعبه حدثنا الحکم عن ذرٍّ عن سعید بن عبد الرحمن بن اَبزیٰ عن ابیه، قال: جاء رجل الیٰ عمر بن الخطاب فقال: انی اجنبت فلم

(۱) قارئین کرام! کسی اسلامی خلیفہ کا صحیح شرعی حکم بتانے کے بجائے غلط حکم بتانا موجب بنتا ہے کہ تمام اسلامی امت اس غلط اور فاسد حکم کی مرتکب قرار پائے کیونکہ جب امام امت ہی کسی غیر شرعی فعل انجام دینے کا حکم دے گا تو پھر امت کیسے بچ سکتی ہے؟! ظاہری بات ہے کہ امت بھی اپنے خلیفہ اور امام کی پیروی میں اس فعل کو انجام دی گی جو جائز نہ تھا لہٰذا امت کی گمراہی کا سبب خلیفۃ المسلمین قرار پایا اور جو خلفاء اسلامی امت کے لئے گمراہی کا سبب بنیں وہ اسلامی خلفاء نہیں ہو سکتے۔ مترجم۔

اصب الماء ......(اس کے بعد سے جملہ: "فقال لاتصل" حذف کیا گیا ہے)فقال عمار بن یاسر لعمر بن الخطاب: اما تذکر انّا کنا فی سفر اناوانت؟افامّا انت فلم تصل وامّا انافتمعکت فصلیت،فذکرت ذالک للنبی(ص) فقال النبیؐ: "انما کان یکفیک ھکذا ""فضرب النبیؐ بکفیه الارض ونفخ فیھما ثم مسح بھما وجھه وکفیه" (۱)

ایک شخص حضرت عمر کے پاس آیا اور کہنے لگا: میں مجنب ہوگیا ہوں اور پانی دست یاب نہیں ہے کیا کروں آیا نماز پڑھوں؟ (یہاں سے یہ جملہ: عمر نے کہا نماز نہ پڑھو: حذف کردیا گیا ہے) عمار یاسر نے کہا اے عمر! کیا تمھیں یاد نہیں جب ہم اور تم دونوں کسی جنگ میں تھے (اور ہم دونوں مجنب ہوگئے) تو میں نے زمین میں لوٹ پوٹ کر کے نماز پڑھی اور آپ نے نہیں پڑھی اور پھر ہم نے واپسی پر جب رسولؐ سے معلوم کیا تو آپؐ نے فرمایا ایسے موارد پر نماز کیلئے تیمّم کافی ہے......

صحیح مسلم، سنن نسائی اور ابن ماجہ کی عبارت اس طرح ہے:

"...... عن شُعبة؛ قال :حد ثنی الحکم عن ذرّعن سعیدبن عبد الرحمن بن ابزیٰ عن ابیه؛ ان رجلاً اتی عمر، فقال: انی اجنبت فلم اجد ماءً فقال: لاتصل! فقال عمار :اما تذکریا امیر المؤمنین اذْ اَناوانت فی سریة فاجنبنا فلم نجد ماءً فاماانت فلم تصل،واماانا فتمعکت فی التراب و صلیت،فقال:فقال النبیؐ:انما کان یکفیک ان تضرب بیدیک الارض ثم تنفخ ثم تمسح بھما وجھک وکفیک فقال عمر:اتق الله یاعمار! قال:ان شئتَ لم اُحَدِّث به ! "(۲)

محترم قارئین! آپ نے روایت کی دونوں عبارتوں کو ملاحظہ کیا اور دیکھا کہ ذرہ برابر بھی فرق نہیں، دونوں کی سند ایک، متن ایک، لیکن بخاری نے صرف یہ "لاتصل" کا جملہ حذف کیا ہے بلکہ روایت کا آخری جملہ حضرت عمر اور عمار یاسر کی گفتگو بھی حذف کردی ہے اور بقیہ کتابوں میں خیانت کرنے سے پرہیز کیا گیا ہے۔

---

(۱) بخاری، ج ۱،کتاب التیمم، باب(۳)" المتیمم ھل ینفخ فیھما "حدیث ۳۳۱.

صحیح بخاری کے اس باب کی بقیہ احادیث میں بھی اسی قسم کی متعدد روایات نقل کی گئی ہیں جن سے تقطیع ثابت ہوتی ہے۔

(۲) صحیح مسلم ج ۱،کتاب الطھارة،باب "التیمیم" حدیث ۳۶۸،سنن نسائی ، باب التیمم، سنن ابن ماجه باب ۹۱.

۲۔ ایک دیوانی عورت کی سنگساری کی حدیث!

صحیح بخاری کی متعدد شرح اوراسی طرح سنیوں کی دیگر معتبر کتابوں میں ابن عباس سے نقل کیا گیا ہے:

" ......عن ابن عباس قال: اتی عمر بمجنونة قد زنت،فاستشار فیھا أناساً، فامر بھا عمر ان ترجم،فمربھا علٰی علی بن ابی طالب، فقا ل:ما شان ھذه؟قالوا مجنونةُ بنی فلانة زنت:فامربھا عمر ان ترجم قال:فقال: ارجعوا بھا،ثم اتاه فقال: یاامیرالمومنین اما علمت ان القلم قدرفع عن ثلاثة:عن المجنون حتی یبرأ وعن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یعقل؟! قال:بلی،قال:فما بال ھذه ترجم قال:فارسلھا ،قال:فارسلھا، قال:فجعل یکبر."(۱)

ایک روز حضرت عمر کے پاس ایک دیوانی عورت لائی گئی، جس نے زنا کا ارتکاب کیا تھا،حضرت عمر نے لوگوں سے مشورہ کرکے اس کی سنگساری کا حکم دیا، چنانچہ جب اس کو لے کر جا رہے تھے تو راستے میں حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ سے ملاقات ہوگئی، آپ نے پوچھا کیا ماجرہ ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ فلاں قبیلہ کی مجنون عورت ہے جس نے زنا کا ارتکاب کیا ہے اور حضرت عمر نے اسے سنگسار کرنے کا آڈر دیا ہے، راوی کہتا ہے: آپؑ نے فرمایا: اسے واپس لے چلو اور آپ خود عمر کے پاس آئے اور فرمایا: اے عمر! کیا تمہیں نہیں معلوم تین افراد سے تکلیف ساقط ہے؟ دیوانہ جب تک اس کا جنون ختم نہ ہوجائے، اس وقت تک وہ مرفوع القلم ہوتا ہے، اسی طرح سویا ہوا انسان اور بچہ ہے، چنانچہ سویا ہوا انسان جب تک بیدار نہ ہوجائے اور بچہ بالغ نہ ہوجائے تب تلک ان سے تکلیف ساقط ہے؟! حضرت عمر نے کہا: ہاں، امام علیہ السلام نے فرمایا: تو پھر اس کو کیوں سنگسار کرتے ہو؟ اسے آزاد کردیا جائے، الغرض عمر کے حکم سے اسے آزاد کردیا گیا اور حضرت عمر نعرہ تکبیر بلند کرنے لگے۔

---

(۱) ارشاد الساری شرح صحیح البخاری ج۱۴، کتاب المحاربین،باب(۸)"لایرجم المجنون و المجنونة"ص ۲۵۹،سنن ابن داؤد ج۲ ،کتاب الحدود ، باب [۱۶] عن المجنون یسرق ...... ، ص ۳۳۹،سنن ابن ماجه ج۲ ،کتاب الطلاق ، باب[۱۵]طلاق المعتوه والصغیر ......ص ۲۲۷.

یہ حدیث مسند احمد بن حنبل میں بھی مختصر فرق کے ساتھ منقول ہے،(۱) اسی طرح ابن عبد البر نے استیعاب میں اس حدیث کو نقل کر کے اس کے ذیل میں یہ جملہ بھی تحریر کیا ہے کہ عمر نے کہا: "**لولا علی لھلک عمر**" اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔(۲)

افسوس کہ بخاری نے اپنی صحیح میں دو جگہ اس حدیث کو نقل کیا ہے مگر دونوں جگہ خلیفہ صاحب کی جہالت و غفلت پر پردہ ڈالنے کی غرض سے (یا اس حقیقت کو ختم کرنے کیلئے کہ حضرت علیؑ اور صحابہ کے ایک گروہ نے عمر کے حکم کے برخلاف فیصلہ فرمایا اور عمر کا حکم خدا اور رسول کے حکم کے خلاف تھا) صدر روایت کے تمام جملے معہ اسناد حذف کر کے ناقص روایت نقل کی ہے، چنانچہ موصوف اس جگہ سے روایت نقل کرتے ہیں:

"قال علیٌ لعمر: اما علمت ان القلم رفع عن المجنون حتی یُفیق، وعن الصبی حتی یُدرک، و عن النائم حتی یستیقظ".(۳)

علیؑ نے عمر سے فرمایا: کیا تمھیں نہیں معلوم مجنون افاقہ ہونے تک مرفوع القلم ہے، اسی طرح بچہ اور سویا ہوا انسان ہے جب تک کہ بچہ بالغ اور سویا ہوا انسان بیدار نہ ہو جائے مرفوع القلم ہیں؟!(۴)

---

(۱) مسند احمد بن حنبل ج ۱، ص ۱۵۴.

(۲) الاستیعاب فی اسماء الاصحاب، حرف العین، باب علی، مصنفہ ابی عبد اللہ عبد البر النمری القرطبی (یہ کتاب الاصابہ کے حاشیہ میں چھپی ہے. جلد۳، ص ۳۹).

(۳) صحیح بخاری ج ۸، کتاب المحاربین، باب(۷) "لایرجم المجنون و المجنونۃ" یہ جملہ حدیث نمبر ۶۴۳۰ سے پہلے مذکور ہے، جلد۷، کتاب الطلاق، باب(۱۰) "الطلاق فی الاغلاق و الکُرہ والسکران و المجنون و امرھما ..." حدیث نمبر ۴۹۶۸ سے قبل مذکورہ جملہ امام بخاری نے نقل کیا ہے۔

(۴) قارئین کرام! آپ نے دیکھا کہ خود مفہوم روایت حکایت کرتا ہے کہ حدیث ناقص ہے کیونکہ حضرت علی علیہ السلام کے اس جملہ [کیا عمر تمھیں نہیں معلوم فلاں فلاں سے تکلیف ساقط ہے] کا انداز خطاب کسی واقعہ اور قضیہ خارجیہ کی طرف اشارہ کر رہا ہے جسے ناقل روایت نے حذف کر دیا ہے۔ مترجم.

۳۔ حدیث حد شراب خور!

صحیح مسلم اور دیگر کتب صحاح کی حدیثوں سے ثابت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں شراب پینے والے کی سزا چالیس تازیانے تھی اور یہی سزا حضرت ابوبکر کے دور خلافت میں رہی، (۱) لیکن حضرت عمر نے اپنے دور خلافت میں عبدالرحمٰن بن عوف کی رائے کی بنا پر شراب پینے والے کو ۸۰/ تازیانے لگائے۔

قارئین محترم! اس میں تعجب کرنے کی ضرورت نہیں کہ خلیفہ صاحب نے ایسا کیوں کیا؟ کیونکہ جو شخص حق خلافت غصب کر کے مسند رسول پر بیٹھ سکتا ہو! جس کی عادت ہی یہ رہی ہو کہ متعدد اسلامی احکام کو دوسروں کے مشورے سے بدل دے! اور کسی طرح رسولؐ اور خلیفۂ سابق کی سیرت کے ترک ہونے کا خیال نہ کرے، اس سے بعید نہیں کہ مذکورہ تحریف بھی انجام دیدے!! لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خلیفہ صاحب ایسے امور میں دوسروں سے مشورہ کیوں کرتے تھے؟ کیا آپ واقعاً ایک اسلامی حکم کو نہیں جانتے تھے کیونکہ آپ کو بازاری کاموں سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی کہ حکم خدا کو یاد کرتے؟ یا پھر حکم خدا کو جانتے تو تھے مگر آپ چاہتے تھے کہ حکم خدا اور رسولؐ کے خلاف فتویٰ دیں، گویا موصوف ایسا عمل انجام دینا اپنے لئے ایک امتیاز سمجھتے تھے، لہٰذا ہر حکم خدا اور رسولؐ کے آگے خود بھی اظہار نظر فرماتے تھے؟!

بہر کیف یہ حدیث بھی امام بخاری کے ذوق کے مطابق نہیں تھی لہٰذا آپ نے خلیفہ صاحب کی عزت بچانے کیلئے حدیث کا ابتدائی حصہ نقل کر دیا (کیونکہ امام بخاری نے سوچا کہ اگر ہم یہ روایت بعینہ نقل کرتے ہیں تو حضرت عمر کی دین میں مداخلت ثابت ہوتی ہے جو باعث کفر اور بدعت ہے) جس میں رسولؐ کا شراب خور کی تعزیر (سزا دینا) اور ابوبکر کا اس کی اتباع کرنا بیان کیا گیا ہے، لیکن حدیث کا آخری حصہ نقل نہیں کیا جس میں حضرت عمر نے مشورہ کر کے ۸۰/ کوڑے مارنے کا حکم بیان کیا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم کی اس عبارت سے ظاہر ہے:

---

(۱) یہ مطلب اہل سنت کی معتبر کتابوں کے اعتبار سے ہے شیعوں کے عقیدہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

"......عن انس ابن مالک؛ ان النبی اتی برجل قد شرب الخمر، فجلده بجریدتین نحواربعین(قال)وفعله ابوبکر،فلما کان عمر، استشار الناس فقال عبد الرحمن ابن عوف:اخف الحدود ثمانین، فامر به عمر!!"(۱)

انس بن مالک سے مروی ہے کہ ایک دفعہ آنحضرتؐ کے پاس ایک شخص کولایا گیا جس نے شراب پی تھی، آپ نے اسے چوب خرمہ سے چالیس تازیانے مارنے کا حکم صادر فرمایا، انس کہتے ہیں:اور یہی کام ابوبکر نے اپنے دور خلافت میں کیا،لیکن جب عمر کا زمانہ آیا تو آپ نے لوگوں سے اس بارے میں مشورہ کیا تو عبدالرحمان بن عوف نے کہا: کمترین سزا اسی کوڑے ہے، چنانچہ عمر نے (اسے پسند فرما کر)اسی کوڑے مارنے کا حکم صادر کردیا!!

امام بخاری نے جب اس حدیث کونقل کیا تو ان فقروں (عمر نے لوگوں سے مشورہ کیا :**"فلما کان عمر استشار الناس......"**) کوحذف کردیا!ملاحظہ ہو:

" عن انس ابن مالک؛ان النبی ضرب فی الخمر بالجرید و النّعال وجَلَدَ ابوبکر اربعین"(۲)

یادوسری روایت:

عن انس؛قال:جلد النبی فی الخمر بالجرید و النّعال وجَلَدَ ابوبکر اربعین."(۳)

---

(۱) صحیح مسلم جلد۵ ،کتاب الحدود، باب(۸)"حد الخمر" حدیث ۱۷۰۷ .

(۲) صحیح بخاری جلد ۸، کتاب الحدود ،باب(۲) "ما جاء فی ضرب شارب الخمر" حدیث ۶۳۹۱، باب(۵) " الضرب بالجرید و النِعال"حدیث ۶۳۹۴ .

(۳) انس بن مالک سے مروی ہے: حضرت رسول خداؐ نے شارب الخمر کونعل اور چوب خرمہ سے سزا دی اور ابوبکر نے چالیس تازیانہ لگائے ۔ مترجم.

۴۔ حدیث " فَاكِهَةً وَابًّا "اور حضرت عمر کی نادانی!

امام بخاری نے ''کتاب الاعتصام'' میں ایک حدیث نقل کی ہے، جس کا متن یہ ہے:

"......عن ثابت عن انس؛ قال: کنا عند عمر، فقال: نهينا عن التكلف"(۱)

ثابت نے انس سے نقل کیا ہے: ہم عمر کے پاس تھے کہ آپ نے فرمایا: خدا نے ہم کو زحمت میں پڑنے سے منع کیا ہے۔

امام بخاری کی نقل کردہ مذکورہ حدیث کے ناقص جملے پڑھنے کے بعد اچھی طرح اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس حدیث سے ضرور کوئی ٹکڑا حذف کیا گیا ہے، کیونکہ اس حدیث کے متن میں اگر کوئی تھوڑی سی توجہ کرے تو یہ بات اس پر روشن اور واضح ہو جاتی ہے کہ مذکورہ جملوں کے کوئی صحیح معنی نظر نہیں آتے اور حدیث کے معنی میں ایک قسم کی تشنگی اور طلب پائی جاتی ہے اور جب تک اس حدیث کے ساتھ اُن جملوں کو نقل نہ کیا جائے جن کو دیگر محدثین نے نقل کیا ہے تب تلک اس حدیث کے صحیح معنی نہیں ہو سکتے (کیونکہ حدیث میں اس بات سے سکوت اختیار کیا گیا ہے کہ آخر خلیفہ صاحب نے اس جملہ کو کیوں بیان کیا؟ منشاء صدور کیا تھا؟ کس بات کے جواب میں خلیفہ صاحب نے یہ کہا؟) پس مفہوم حدیث کی تشنگی اس بات کی حکایت کرتی ہے کہ امام بخاری نے مذکورہ حدیث میں ضرور کوئی گھٹالا کیا ہے!! حسن اتفاق سے سنیوں کے دیگر علمائے محدثین نے اس حدیث کو کامل الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے جس سے امام بخاری کی نقل حدیث میں خیانت اور خورد برد کا پردہ فاش ہو جاتا ہے، چنانچہ علامہ ابن حجر اپنی کتاب ''فتح الباری شرح صحیح البخاری'' میں اس حدیث کے متن کو اس طرح نقل کرتے ہیں:

"ان رجلاً سأل عمر ابن الخطاب عن قوله تعالى؛ ﴿وَ فَاكِهَةً وَ ابًّا﴾ ما الاب؟

---

(۱) صحیح بخاری ج۹، کتاب الاعتصام، باب(۳)"ما یکره من کثرة السؤال وتکلیف ما لایعنیه" حدیث نمبر ۶۸۶۳.

فقال عمر: نهينا عن التعمق و التكلف"(۱)

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت عمر کے پاس آیا اور آیہ ﴿وَفَاكِهَةً وَأَبًّا﴾ (۲) کے معنی دریافت کیے تو آپ نے فرمایا: خدا نے ہم کو منع کیا ہے کہ ہم غور و خوض، تکلف اور زحمت میں پڑیں!

ابن حجر کہتے ہیں:

مذکورہ حدیث کا متن ثابت (راوی) سے دو طریق سے نقل کیا گیا ہے۔

دوسری جگہ ابن حجر مزید کہتے ہیں:

اس حدیث کو محدثین نے دوسرے مضمون کے ساتھ بھی نقل کیا ہے لیکن ہم نے جس مضمون کے ساتھ انس سے نقل کیا ہے اس صورت میں صحیح بخاری کی مقطوع حدیث کی تکمیل و تتمیم بہتر طریقہ سے ہوسکتی ہے۔(۳)

محترم قارئین! ابن حجر کے قول کے مطابق فتح الباری اور صحیح بخاری کی حدیث ملاحظہ کرنے کے بعد یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مذکورہ حدیث بھی ان دسیوں حدیثوں کی مانند تھی جو بخاری کے ذوق کے مطابق نہ تھیں اور عقیدۂ خلافت پر یہ حدیث چونکہ بارگراں ثابت ہورہی تھی لہٰذا آپ نے حدیث کے ابتدائی حساس جملے حذف کرنا بہتر سمجھے تا کہ اپنا عقیدہ بھی سالم رہے اور کام بھی چل جائے!! کیونکہ اگر کوئی شخص صدر و ذیل سمیت اس پوری حدیث کا مطالعہ کرے تو فطری طور پر اس کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ اگر قرآن کے ایک کلمہ کے معنی معلوم کرنے اور اس پر غور و فکر کرنے سے منع کیا گیا ہے تو پھر ہمیں کوئی سوال اور فکر کرنے کا حق نہیں! جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہمیں کسی اسلامی حکم میں سوال اور تفکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے!! آیا واقعاً

---

(۱) فتح الباری شرح البخاری ج ۱۷، کتاب الاعتصام، باب(۳)"ما یکره من کثرة السؤال وتکلیف ما لایعنیه" حدیث نمبر ۶۸۶۳. ص ۳۱.

(۲) سورہ عبس آیت ۳۱ پ ۳۰.

(۳) فتح الباری شرح البخاری ج ۱۷، کتاب الاعتصام، باب(۳)"ما یکره من کثرة السؤال وتکلیف ما لایعنیه" حدیث نمبر ۶۸۶۳. ص ۳۱.

ایسا ہی ہے تو پھر کیوں اسلام میں اس قدر تعلیم وتعلم کو اہمیت وفضیلت دی گئی ہے؟! یہ ساری تعلیم وتعلم کی فضیلتیں کس کام آئیں گی؟! اگر اسلام میں بقول حضرت عمر غور، فکر، تفکر اور سوال ممنوع ہے تو پھر کیا اسلام میں جہالت کا راج ہے؟!! اور پھر یہ کہ جو خلیفہ قرآن مجید کے ایک کلمہ کے معنی سے ہی واقف نہ ہو جبکہ اسآیت کے بعد والی آیت نے پہلی آیت کی تشریح کرتی ہے، وہ کس طرح مسندِ رسول پر بیٹھ سکتا ہے؟!! جو خلیفہ ایک چھوٹے سے سوال کے جواب میں "نُهینا" (ہمیں منع کیا گیا ہے) کہے وہ اسلامی امت کی عظیم زعامت کا حقدار کیسے ہوسکتا ہے؟! یقیناً مذکورہ اور ان کے مانند سوالات امام بخاری کے ذہن میں کھٹک رہے تھے جن کی بنا پر آپ نے حدیث کو مقطوع اور ناقص نقل کرنا بہتر سمجھا!!

مفسرین میں سے علامہ جلال الدین سیوطی، ابن کثیر، زمخشری، خازن، بغوی نے اپنی اپنی تفاسیر میں اور حاکم نے مستدرک میں مذکورہ حدیث کو مختلف متن کے ساتھ سورۂ عبس کی تفسیر کے ذیل میں نقل کیا ہے، اسی طرح شارحین صحیح بخاری میں سے ابن حجر، عینی اور قسطلانی نے اپنی اپنی شرحوں میں(۱) اور علمائے لغت میں سے ابن اثیر نے کلمہ اب کے ذیل میں نقل کیا ہے۔ (۲)

انشاءاللہ ہم اس کتاب کی دوسری جلد کی بحث خلافت میں مذکورہ چار حدیثوں کی مزید تحقیق وتفصیل بیان کریں گے۔

---

(۱) فتح الباری ج ۱۷، ص ۱۳۱. عمدة القاری ج ۲۵. ارشاد الساری جلد ۱۴، ص ۲۸۴.

(۲) النہایہ

۵۔ حدیث تنقیدِ اسامہ بر عثمان!

۶۔ سمرہ کی شراب فروشی اور عمر کا اس پر لعنت بھیجنا!

امام بخاری کے ذوق پر جو حدیثیں پوری نہیں اتریں، آپ نے ان میں متعدد طریقے سے ردوبدل کئے ہیں! چنانچہ کبھی آپ نے اسم ظاہر کی جگہ اسم اشارہ کا استعمال کیا ہے اور اگر اس سے بھی کہیں مقصد پورا نہیں ہوا تو کنایہ وغیرہ (جیسے لفظ فلاں) سے کام لیا ہے، اس طرح موصوف نے متعدد حدیثوں میں تدلیس و تقطیع فرما کر حقائق چھپانے کی بھر پور کوشش کی ہے، ذیل میں ہم اس کے دو نمونے آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

۱۔ صحیح مسلم اور دیگر کتب تواریخ میں اسامہ بن زید سے ایک حدیث منقول ہے جس کے ذریعہ حضرت اسامہ نے عثمان پر ان کی دین کے خلاف روش کی وجہ سے تنقید کی ہے اور موصوف کو اس حدیث کا بارز مصداق قرار دیا ہے:

" ...... عن شقيق عن اسامة بن زيد ؛قال: قيل له: الا تدخل على عثمان فتُكلّمه؟فقال: أترون إنّي اكلّمه إلاَّ أسمِعُكم، واللّٰه اقد كلّمته فيمابيني وبينه، مادون ان افْتَتِحَ أمرا لااحب ان اكون اول من فَتَحَه ولا اقول لِاَحد يكون عليَّ اميرا انّه خير الناس بعد ما سمعت رسول اللّٰه (ص) يقول: يوتى بالرجل يوم القيامه فيلقى في النار فَتَنْدَلِقُ اقتاب بطنِه فيدوربها كما يدور الحمار بالرحى فيجتمع اليه اهل النار فيقولون: يا فلان! مَالَكَ؟الم تكن تامر بالمعروف وتنهىٰ عن المنكر؟فيقول: بلىٰ: قد كنت آمر بالمعروف ولاآتيه وانهىٰ عن المنكر وآتيه"(۱)

اسامہ بن زید سے منقول ہے: لوگوں نے اسامہ سے کہا: بہتر تھا کہ تم خود عثمان کے پاس جاتے اور ان کے ناشائستہ اعمال پر تنقید کرتے! اسامہ نے جواب میں کہا: تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ میری گفتگو

---

(۱) صحيح مسلم ج۸ ،كتاب الزهد والرقائق باب۷" عقوبة من يأمر بالمعروف" حديث ۲۹۸۹.

تم بھی سنو! جب کہ میں پوشیدہ طور پر ان سے گفتگو کر چکا ہوں تا کہ دوسروں کیلئے ان پر تنقید کے دروازے نہ کھل جائیں، اس کے بعد اسامہ نے کہا: جب سے میں نے رسولؐ سے اس حدیث کو سنا ہے تب سے ہر ایسے شخص کو جو میرے اوپر امیر و حاکم ہوا اچھا نہیں کہہ سکتا کیونکہ رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا تھا: روز محشر ایک شخص کو لایا جائے گا اور اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا، آتش جہنم اس کے جسم کو اس طرح جلا دے گی کہ اس کی آنتیں سب باہر نکل پڑیں گی اور وہ شدت درد سے چکی کے گدھے کی طرح چکر لگائے گا، اس وقت اہل جہنم اس کے ارد گرد جمع ہو جائیں گے اور کہیں گے تو ایسا کیوں ہے، تو ہمیں تو دنیا میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتا تھا اب یہاں کیسے؟! وہ کہے گا: میں یہ سب کرتا تھا مگر خود اعمالِ نیک نہیں کرتا تھا، میں دوسروں کو برائیوں سے روکتا تھا مگر خود مبتلا رہتا تھا۔

اس حدیث کو مسلم نے دو طریق اور دو سندوں کے ذریعہ نقل کیا ہے اور دونوں مورد پر روایت میں حضرت عثمان کا ذکر آیا ہے۔

قارئین کرام! آپ نے صحیح مسلم کی مذکورہ روایت ملاحظہ فرمائی کہ حضرت اسامہ بن زید نے اس حدیث کے ذریعہ عثمان پر ان کی احکام الٰہی میں خلاف ورزیوں کی وجہ سے تنقید کی ہے اور ان کے ناروا سلوک پر اعتراض کیا ہے اور ان کی تشبیہ ایک چکی کے گدھے سے دی ہے اور خلیفہ صاحب کو ان لوگوں میں سے قرار دیا ہے جن کی آنتیں آتش جہنم باہر نکال دے گی اور پھر تنقید بھی اس نے کی ہے جس کو رسول اسلامؐ نے اپنی زندگی کے آخر وقت میں اپنے لشکر کا کہ جس میں بزرگ صحابہ بھی موجود تھے سردار بنایا تھا اور ان کے لشکر سے روگردانی کرنے والوں پر آپؐ نے لعنت بھیجی تھی، چونکہ امام بخاری کے عقیدہ کے مطابق مذکورہ باتوں سے حضرت عثمان کی توہین ہوتی ہے کیونکہ ان کی طرف صریحاً ناروا اعمال کی نسبت دی گئی تھی جو خلیفہ صاحب کے لئے صحیح نہیں تھی، لہٰذا امام بخاری نے اپنے یار کی ہمدردی میں اس حدیث کو ایک دوسرے رنگ و لباس میں پیش کر کے رسول خداؐ اور اسامہ کے صریح انتقاد اور اعتراض کو عثمان سے دور کرنے کی کوشش کی ہے، چنانچہ آپ نے اس حدیث کو دو مقامات پر نقل تو کیا ہے، لیکن جہاں لفظ عثمان آیا تھا وہاں ایک جگہ [**قیل لاسامة الاتکلم هذا....**] **هذا** ''اسم اشارہ'' استعمال کیا ہے، اور دوسری جگہ فلان [**قیل لاسامة لو اتیت فلانا**

فـکـلـمتـه...] (۱) کا استعمال کر کے موصوف نے اپنے محبوب کو رسوا ہونے سے بڑے اچھے انداز میں بچانے کی کوشش فرمائی ہے!!

۲۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ سمرہ بن جندب کو حضرت عمر نے اپنے دور خلافت میں بصرہ کی گورنری دے رکھی تھی، مسلم اپنی صحیح اور امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں سمرہ کے شراب فروخت کرنے کے واقعہ کو اس طرح نقل کرتے ہیں:

"......ابن عباس يقول: بلغ عمر بن الخطاب ،ان سمرة باع خمراً فقال: قاتل الله سمرة ؛الم يعلم ان رسول الله قال: قاتل الله اليهود حرمت عليهم الشحوم فحملوها فباعوها؟!" (۲)

ایک روز لوگوں نے عمر کو بتلایا کہ سمرہ نے شراب فروخت کی ہے، عمر نے یہ سن کر کہا: خدا سمرہ کو قتل کرے کیا وہ نہیں جانتا کہ رسول اسلامؐ نے فرمایا ہے کہ خدا یہودیوں کو ہلاک کرے کیونکہ خدا نے ان پر حیوانوں کی چربی حرام قرار دی تھی لیکن انھوں نے حکم خدا کی مخالفت کرتے ہوئے بازار میں جا کر خرید و فروخت کی۔

مذکورہ حدیث میں سمرہ کا نام دو جگہ آیا ہے، لیکن جب امام بخاری نے اس حدیث کو نقل کیا ہے تو سمرہ کی جگہ **"فلاناً"** کا لفظ استعمال کیا ہے تا کہ سمرہ کی عزت باقی رہ جائے:

"بلغ عمر ؛ان فلانا باع خمرا فقال قاتل الله فلانا الم يعلم؟!" (۳)

البتہ صحیح بخاری کی اکثر شرح لکھنے والوں نے یہاں تک کہ امام نووی (شارح صحیح مسلم) نے بھی اس حدیث کی شرح کے ضمن میں امام بخاری کی مذکورہ چوری کی طرف اشارہ کیا ہے۔

---

(۱) صحيح بخاری ج۴ ،کتاب بدء الخلق، باب[۱۰] "صفة النار" حديث ۳۰۹۴ ، ج۹ ،کتاب الفتن باب [۱۷] "الفتنة اللتی تموج كموج البحر" حديث ۶۶۸۵ .

(۲) صحيح مسلم ج ۵ ،کتاب المساقات، باب[۱۳] "تحريم بيع الخمر والميتة" حديث ۱۵۸۲ ، مسند احمد بن حنبل ج ۱ ،باب مسانيد عمربن خطاب ص ۲۵ .

(۳) صحيح بخاری ج۳ ،کتاب البيوع، باب[۱۰۳] "لايُذابُ شحم الميتة ولايباع".

پانچویں دلیل : صحیح بخاری کی روایات نقل بالمعنیٰ ہیں!

چنانچہ خطیب بغدادی اس بارے میں خود امام بخاری سے اس طرح نقل کرتے ہیں:

''میں نے بہت سی حدیثیں بصرہ میں سنیں اور انھیں شام میں لکھا اور بہت سی شام میں سنیں اور مصر میں لکھیں'' اور جب اس بارے میں بخاری سے سوال کیا گیا کہ یا ابا عبداللہ کیا آپ نے ہو بہو تمام حدیثوں کو بغیر کسی الفاظ کی کمی وبیشی کے نقل کیا ہے؟ تو بخاری نے جواب میں کچھ نہ کہا بلکہ خاموش رہے۔(۱)

ابن حجر کہتے ہیں:

"وهذا من نوادر ما وقع في البخاري ان يخرج الحديث تاما باسناد واحد بلفظين......" (۲)

صحیح بخاری میں تعجب خیز بات یہ ہے کہ اس کتاب میں جس سند کے ساتھ ایک جگہ روایت نقل کی گئی ہے اسی سند کے ساتھ دوسری جگہ وہی روایت نقل کی ہے مگر دونوں کے الفاظ و متن جدا جدا ہیں جیسے سحر النبی کی حدیث میں!

عرض مؤلف

محترم قارئین! اگر آپ تحقیق اور جستجو کریں تو صحیح بخاری میں بہت سی ایسی حدیثیں مل جائیں گی جو نقل بالمعنیٰ ہیں، جن کی طرف ابن حجر نے بھی اشارہ کیا ہے کیونکہ ابن حجر نے جو بیان کیا ہے وہ مثال کے طور پر ہے نہ کہ از باب انحصار۔

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ جس کتاب کی حدیثوں کی جمع آوری ۱۶ ر سال کی مدت میں اس طرح ہو کہ خود امام بخاری اعتراف کریں: اگر ایک حدیث میں نے بصرہ میں سنی اور اسے شام میں لکھا: تو خدا جانے وہ کتاب کس قدر قابل اعتماد ہو سکتی ہے؟! کیونکہ یہ بات مسلم ہے کہ جس حدیث کے لکھنے میں اس قدر زمانی

---

(۱) تاریخ بغداد ج۲، حالات محمد ابن اسماعیل، (ذكر من اسمه محمد واسم ابيه اسماعيل) ص ۱۱.

(۲) فتح الباری شرح البخاری ج۱۰، کتاب الطب، باب "السحر" ص ۱۹۲.

فاصلہ ہوتو اس کے نقل کرنے میں ضرور اشتباہ ہوا ہوگا، کیونکہ ایسی صورت میں حدیث کے الفاظ فراموشی کے شکار ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ دیگر الفاظ لے لیتے ہیں، لہٰذا اس طرح کی حدیثیں نقل بالمعنی قرار پائیں گی اور اس صورت میں وہ مطالب جو حدیث میں بیان کئے گئے ہیں اپنی اہمیت کھو بیٹھیں گے، کیونکہ ایسی صورت میں قوی احتمال پایا جاتا ہے کہ وہ دقیق نکات جو پہلی حدیث کے متن میں پائے جاتے تھے وہ فراموشی کے سپرد ہو چکے ہوں، اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ صحیح بخاری کی حدیثیں نقل بالمعنی ہونے کی وجہ سے ضعیف اور قابلِ اعتماد نہیں ہیں۔

چھٹی دلیل : صحیح بخاری دوسروں کے ذریعہ تکمیل ہوئی!

چھٹی دلیل صحیح بخاری کے ضعیف ہونے کی وہ ہے جس کی طرف جناب قسطلانی نے اشارہ کیا ہے:

موصوف کہتے ہیں:

جو نسخہ صحیح بخاری کا ہمارے پاس ہے اس میں بہت سے باب ایسے ہیں کہ جن کے عنوان اور سرخیاں ہیں مگر ان کے ذیل میں کوئی حدیث درج نہیں ہے، کچھ ابواب ایسے ہیں کہ عنوان کی مناسبت سے ان کے ذیل میں حدیثیں مرقوم نہیں ہیں، چنانچہ صحیح بخاری کے اس نامنظم ابواب، عنوان، مطالب، احادیث اور ترتیب پر بعض لوگوں نے اشکال اور اعتراض کیا ہے، لیکن ان لوگوں کا یہ اشکال وارد نہیں ہوتا کیونکہ حافظ ابوذر ہروی نے ان اشکالات کو اس طرح حل فرمادیا ہے: ''ابوذر ہروی نے حافظ ابواسحاق سے انھوں نے ابوالولید باجی سے نقل کیا ہے: میں نے صحیح بخاری کے اصل نسخہ جو فربری (امام بخاری کا کتابدار) کے پاس تھا اس سے ایک نسخہ نقل کیا ہے، کیونکہ اس میں بعض چیزیں ایسی تھیں جو ابھی تک تمام نہیں ہوئی تھیں اور بعض چیزیں ایسی دیکھیں جو ابھی تک لکھی نہیں گئیں تھیں، میں نے ان تمام چیزوں کو ایک دوسرے کے ساتھ اضافہ کرکے منظم کیا اور اس طرح صحیح بخاری کی تکمیل ہوگئی'': **''وقد وقع في وضع نسخ الكتاب ضم باب لم يذكر فيه حديث الى حديث لم يذكر فيه فاستشكله بعضهم'' (۱)**

قارئین محترم! اس جگہ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو کتاب دوسروں کے ذریعہ تنظیم و تکمیل ہوئی ہو اور اس کے باوجود ابواب و احادیث میں کثرت کے ساتھ بے نظمی کے آثار نمایاں ہوں، وہ تکمیل و تنظیم ہونے سے پہلے کتنی نامنظم اور بے ترتیب ہوگی؟! اور پھر اس کا مکمل اور منظم کرنے والا کون تھا؟ اس کا بھی دقیق اتا پتہ نہیں ہے! آیا اس نے بھی امام بخاری کی طرح احادیث میں خورد بُرد کی یا نہیں؟ یعنی اس نے بھی اپنے ذوق کی بنا پر حدیثوں میں تصرف، تکسیر، تقطیع اور کاٹ چھانٹ فرمائی ہے یا نہیں؟ ہمیں نہیں معلوم! یہی وہ

---

(۱) ارشاد الساری ج ۱، الفصل الرابع فيما يتعلق بالبخاری ص ۱۵. هدی الساری (مقدمه فتح الباری) فصل دوم، ص ۴.

اسباب وعلل ہیں جو ہمارے لئے مجہول الحال ہیں!! بہر حال اتنا تو مسلم ہے کہ جو کتاب دوسروں کے ذریعہ مکمل اور منظم ہو اگر چہ اصل کتاب میں کوئی خدشہ اور اشکال نہ بھی ہو تب بھی اطمینان واعتماد نہیں رہ جاتا، کیونکہ ہم اس طرح کی کتاب کے مطالب ومضامین کے بارے میں ہمیشہ شک وتردید میں مبتلا رہیں گے، پس یہ بھی صحیح بخاری کے ضعیف ہونے کی ایک دلیل ہو سکتی ہے۔

گزشتہ بحث کا خلاصہ

۱۔ صحیحین کی اہمیت!!

۲۔ ان دونوں کتابوں کے راوی اور رجال کا مختصر تعارف!!

۳۔ صحیحین کے مؤلف، اہل بیت اطہارؑ سے شدید تعصب رکھتے تھے!!

۴۔ ان دونوں کتابوں کی احادیث میں تقطیع کی گئی ہے!!

۵۔ احادیث صحیحین نقل بالمعنی ہیں!

پس جس کتاب کی ایسی حالت ہو (جسے آپ نے گزشتہ اوراق میں ملاحظہ فرمایا) تو کیا وہ صحیح کہنے کے لائق ہے؟! آخر کس طرح اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تائید ہو سکتی ہے؟!

رسول اسلامؐ ایسی تمام حدیثیں نقل کرنے کے لئے کیسے اجازت دے سکتے ہیں؟! کیا معاذ اللہ رسول اسلامؐ ان روایات سے جن میں تعصب، کاٹ چھانٹ اور ردوبدل کی گئی ہے، راضی تھے؟!(۱)

بہر کیف جو کتاب اس قسم کے خرافات اور واہیات مطالب سے مملو ہو، کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو اپنی کتاب بتلائیں گے؟! اور اس کو پڑھنے کی تشویق دلائیں گے!! "العیاذ باللہ"

میں ان سوالات کے جوابات ان قارئین پر چھوڑتا ہوں جو روح فکر رکھتے ہیں اور ہر قسم کے تعصب سے آزاد ہو کر انصاف کے ساتھ غور وفکر کر کے فیصلہ دیتے ہیں۔ یہ تھے ہمارے محکم اور ٹھوس شواہد جو صحیحین کے ضعیف اور متزلزل ہونے پر دلالت کرتے ہیں، انشاءا...... دلیل ہفتم باب توحید اور دلیل ہشتم باب نبوت اور دلیل نہم متفرقات میں بیان کریں گے۔

(۱) کیا آنحضرتؐ ان روایات سے خوش ہیں جن میں آپ کو عورتوں کا رسیا اور شہوت پرست دکھلایا گیا ہے؟! کیا آپ ان روایات کے نقل کرنے پر راضی ہیں جن میں بخاری نے رسول اسلام کو موسیقی کا شوقین بتلایا ہے؟ جیسا کہ آپ آئندہ اسی کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ مترجم.

فصل ٦

توحید باری تعالیٰ صحیحین کے آئینہ میں

خداوند متعال صحیح بخاری اور مسلم کی نظر میں

۱۔خدا قابل دیدار ہے! ۲۔خدا احتاج مکان ہے! ۳۔وہ ہنستا ہے!۴۔وہ مکان بدلتا رہتا ہے!۵۔وہ اپنے بندوں کے پہلو میں کھڑا ہو جاتا ہے!

خلاصہ یہ کہ صحیحین کا خدا مختلف اعضاء و جوارح سے مرکب ہے!!

"سُبْحَانَهُ وَ تَعالى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوّاً كَبِيراً" (۱)

ترجمہ:وہ پاک و پاکیزہ اور نہایت بلند و برتر ہے اس چیز سے جو وہ کہتے ہیں۔

یعنی بخاری اور مسلم نے جس خدا کی نشان دہی فرمائی ہے وہ مختلف اعضاء کا مجموعہ ہے:

صورت......؛آنکھ......؛ہاتھ......؛انگلی......؛ پیر......؛پنڈلی وغیرہ......۔

﴿مَا يَكُوْنُ لَنَا اَنْ نَتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ﴾ (۲)

---

(۱) سورۂ اسراء ۴۳ .

(۲) سورہ نور آیت نمبر ۱۶.

ساتویں دلیل : توحیدِ صحیحین؛ خلاف عقل ونقل ہے!

ساتویں دلیل؛ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے غیر معتبر ہونے پر یہ ہے کہ ان میں کچھ حدیثیں ایسی موجود ہیں جو اصول مذہب (توحید، نبوت، قیامت) اور عقل سلیم کے خلاف ہیں، چنانچہ آئندہ مباحث میں ہم اُن روایات کو تحریر کریں گے جو اصول مذہب اور عقل سلیم سے کوسوں دور ہیں، ان میں سے کچھ تو توحید باری تعالیٰ سے متعلق ہیں اور کچھ نبوت وخلافت کے بارے میں اور کچھ متفرقات احادیث ہیں، لہٰذا ہم تین فصلوں میں بحث کریں گے: ۱۔توحید۔ ۲۔نبوت۔(۱) ۳۔متفرقات۔

قارئین کرام! پہلے ہم **"صحیحین کی نظر میں توحید باری تعالیٰ"** سے بحث کریں گے کیونکہ مسئلہ توحید ہی وہ مسئلہ ہے جس پر تمام آسمانی مذاہب کا دار ومدار ہے، دین اسلام میں تمام آسمانی مذاہب سے زیادہ اس کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے، کاش کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں توحید سے متعلق صحیح بحث کی جاتی!(۲)

بہر کیف چونکہ ان دو کتابوں میں توحید سے متعلق بے اساس اور خلاف واقع مطالب پائے جاتے ہیں لہٰذا ہم ان تمام مطالب پر علیحدہ علیحدہ مکمل بحث کر کے اپنی کتاب کے موضوع کو مدنظر رکھتے ہوئے ان تمام بے اساس مطالب کے رخ سے حقیقت کا پردہ اٹھانے کی انشاء اللہ بھرپور کوشش کریں گے۔

الغرض اس باب میں سب سے پہلے جو مسئلہ صحیحین میں محل بحث اور قابل توجہ قرار دیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ خداوند متعال بھی عالم مادی وجسم ممکن کی طرح قابل دید ہے!(۳)

لہٰذا ان کتابوں میں جو روایات دیدارِ خدا سے متعلق ہیں پہلے ہم ان کو نقل کر کے ان پر بحث کرتے ہیں۔

---

(۱) بمناسبت بحث نبوت آئندہ ہم خلافت کی بحث بھی کریں گے۔

(۲) سچ تو یہ ہے کہ جو صحیحین میں روایات توحید سے متعلق پائی جاتی ہیں ان میں حقیقتاً توحید سے بحث نہیں کی گئی ہے، کیونکہ یہ روایتیں کچھ تو خدا کے دیدار سے مربوط ہیں اور کچھ اس کے جسم، صورت اور مکان سے، ظاہر ہے کہ یہ ساری چیزیں توحید کے منافی ہیں۔ مترجم۔

(۳) درحقیقت مسلمانوں کے درمیان رویت خدا ہی وہ مسئلہ ہے جو توحید کے لئے اولین نقطۂ ضعف قرار دیا جاسکتا ہے لیکن اس کی طرف علمائے اہل سنت متوجہ نہیں ہیں۔

؎ کون سمجھائے بھلا ایسے مسلمانوں کو:: جھوٹ گڑھنا بھی تو آتا نہیں نادانوں کو

۱۔ دیدار خدا صحیحین کی روشنی میں!

پہلی روایت: ......عن جریر؛ قال: کناجلوساً عند النبیؐ فنظر الی القمر، لیلة البدر فقال:" اِنَّکُم سَتَرَونَ ربَّکم کما ترون هذا القمر، لاتُضامون فی رؤیته، فان استطعتم ان لا تُغلَبوا علی صلوٰة قبل طلوع الشمس وقبل غروبها فافعلوا ثم قرأ (وسبّح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل الغروب (ق/۳۹).(۱)

جریر سے منقول ہے: میں ایک مرتبہ چودھویں رات میں رسول کی خدمت بابرکت میں حاضر تھا کہ اچانک آنحضرتؐ نے چاند کی طرف نگاہ کی اور فرمایا: جس طرح ہم چودھویں رات کا چاند دیکھ رہے ہیں اسی طرح خدا کا بھی دیدار کریں گے اور خدا کے دیکھنے میں ہم کو کسی طرح کی پریشانی کا سامنا نہ ہوگا اور تم حتی الامکان کوشش کرو کہ نماز صبح وعصر کو پابندی سے پڑھو اور تمام موانع کو برطرف کرو، اس کے بعد رسالت مآبؐ نے اس آیت ﴿وسبح بحمد ربک......﴾(۲) کو تلاوت فرمایا جس کا ترجمہ یہ ہے: تم لوگ طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے قبل خدا کے نام کی تسبیح پڑھو۔

اس حدیث کو امام بخاری اور مسلم نے اپنی کتابوں میں مختلف اسناد کے ساتھ تحریر کیا ہے، جیسا کہ ہم نے گزشتہ صفحہ پر مکمل حوالے آپ کی خدمت میں قلمبند کئے۔

بدرالدین عینی جو صحیح بخاری کے شارح ہیں، علامہ کرمانی (یہ بھی شارحین صحیح بخاری سے ہیں) سے نقل کرتے ہیں :

---

(۱) صحیح بخاری :جلد، کتاب الصلاة ، ابواب مواقیت الصلاة، باب[۱۵]"فضل صلوٰة العصر" حدیث ۵۲۹، باب[۲۵]"فضل الصلاة الفجر"حدیث نمبر ۵۴۷، جلد۶، کتاب التفسیر سورۂ ق، تفسیر باب[۳۳۴]﴿سبح بحمد ربک﴾ آیت نمبر ۳۹، حدیث ۴۵۷۰، جلد ۹، کتاب التوحید، باب[۲۴]" قول اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وجوه یومئذ ناضرة الی ربها ناظرة﴾ سوره القیامة آیت نمبر ۲۲ - ۲۳ حدیث ۶۹۹۷، ۶۹۹۸، ۶۹۹۹، ۷۰۰۰، ۷۰۰۱. صحیح مسلم : ج۲، کتاب المساجد باب[۳۷] "فضل صلوتی الصبح والعصر والمحافظة علیها" حدیث نمبر۶۳۳. مسلم نے بھی متعدد طریقوں سے اس باب میں مذکورہ بحث سے متعلق متعدد روایات ذکر کی ہیں.

(۲) سوره ق آیت ۳۹.

''جملۂ ''فان استطعتم'' میں حرف ''فاء'' اس بات کی حکایت کرتا ہے کہ خدا کی رونمائی صرف نماز صبح اور عصر کی پابندی پر موقوف ہے اور ہر کسی کے لئے بغیر ان دو نمازوں کی پابندی کے خدا کی رونمائی باعث زحمت ومشقت ہے''۔(۱)

دوسری روایت:۔ ......عن ابی هريرة؛ان اناساً قالوا:يارسول اللّٰه! هل نرىٰ ربنا يوم القيامة؟ قال:"هل تُضارُّون في الشمس ليس دونها سحاب؟" قالوا:لا يارسول اللّٰه! قال: فهل تضارُّون في القمر ليلة البدر ليس دونه سحاب"؟قالوا:لا يارسول الله! قال:" فانكم ترونه يوم القيامة كذالك يجمع اللّٰه الناس!!" فيقولُ: من كان يعبد شيئاً فَليَتَّبِعهُ فَيَتبَعُ من كان يعبد الشمس ويَتبَعُ من كان يعبد القمرو يَتبَعُ من كان يعبد الطواغيت وتَبقى هذه الامة فيها منا فقوها، فياتِيهِمُ اللّٰه في غير الصورة الّتي يعرفون، فيقول: اناربكم ، فيقولون: نعوذ باللّٰه منک، هذا مكاننا حتىٰ ياتينا ربُّنا، فاذا اتينا ربُّناعرفناه، فياتيهم اللّٰه في الصورة التي يعرفون، فيقول:انا ربّكم، فيقولون:انت ربنافَيَتبَعُونَهُ،ويُضرَبُ جِسرجهنم، قال رسول اللّٰه: فاكون اوّلَ من يُجيز ودعاء الرّسل يومئذٍ " اللّٰهم سلّم سلم وبه كلاليب مثل شوک السعدان،اما رأيتم شوک السعدان؟، قالوا:بلى يا رسول اللّٰه! قال:فانها مثل شوک السعدان غيرانها لايعلم قدر عظمها الا اللّٰه، فَتَخطَفُ الناسَ باعمالهم منهم الموبَق بعمله ومنهم المُخَردَلُ ثم يَنجُوحتى اذا فرغ اللّٰه من القضاء بين عباده واراد ان يخرج من النار......الخ.

---

(۱) عمدة القارى، ج۲۵،كتاب التفسير سورة قٓ،تفسير باب[۳۳۴]﴿سبح بحمد ربک﴾ آيت نمبر ۳۹،حديث ۴۵۷۰، جلد ۹،كتاب التوحيد، باب[۲۴]" قول اللّٰه تعالىٰ: ﴿ وجوه يومئذ ناضرة الى ربها ناظرة﴾ سوره القيامة آيت نمبر ۲۲ – ۲۳ حديث ۶۹۹۷، ۶۹۹۸، ۶۹۹۹، ۷۰۰۰، ۷۰۰۱.

امام بخاری ابو ہریرہ سے نقل کرتے ہیں:

کچھ لوگوں نے ایک مرتبہ حضرت رسالتمآب ﷺ سے سوال کیا کہ کیا ہم روز قیامت خدا کا دیدار کریں گے؟ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جب ابر نہ ہو تو کیا تم لوگ سورج دیکھنے میں شک کرتے ہو؟ سب نے کہا: نہیں یا رسول اللہ! اس وقت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: کیا تم لوگ چودھویں رات کا چاند دیکھنے میں شک کرتے ہو، جبکہ بادل بھی نہ ہو؟ سب نے کہا: نہیں یا رسول اللہ! اس وقت رسولؐ نے فرمایا: بے شک ہم روز قیامت خدا کو مثل آفتاب و ماہتاب دیکھیں گے!

اس کے بعد رسولؐ نے فرمایا: جب روز قیامت تمام لوگوں کو محشور کیا جائے گا تو ایک آواز آئے گی کہ جو دنیا میں جس کی عبادت اور پرستش کرتا تھا وہ اس کی اتباع کرے، پس جو لوگ دنیا میں سورج کی پرستش کرتے تھے وہ سورج کی پیروی کریں گے اور جو لوگ چاند کی عبادت کرتے تھے وہ چاند کے پیچھے ہو جائیں گے، اور تیسرا گروہ ان خود ساختہ معبودوں کے پیچھے ہوگا جن کی دنیا میں عبادت کرتا تھا، خلاصہ یہ کہ تمام لوگ اپنے اپنے خداؤں کے ساتھ ہو جائیں گے، صرف ہماری امت باقی رہ جائے گی جن میں منافق بھی شامل ہوں گے، خدا اس وقت ہمارے درمیان اس شکل و صورت سے مختلف آئے گا جس کو ہم (دنیا میں) پہچانتے تھے، اور کہے گا: میں تمہارا خدا ہوں! اس وقت تمام لوگ کہیں گے: ہم اپنے خدا سے پناہ مانگتے ہیں اور ہم اس جگہ اس وقت تک رہیں گے جب تک کہ ہمارا خدا نہ آجائے! اگر ہمارا خدا ہمارے درمیان آئے گا تو ہم ضرور پہچان لیں گے! پس اس کے بعد خدا اس شکل و صورت میں ظاہر ہوگا جس کو امت مسلمہ پہچانتی تھی! اور یوں کہے گا: میں تمہارا خدا ہوں! اس وقت تمام لوگ خدا کا اتباع کریں گے، اور پھر جہنم کے اوپر ایک پُل آمادہ کیا جائے گا، اے لوگو! خدا کے انبیاء میں، میں سب سے پہلے اس پل سے گزر کر جاؤں گا اور اس وقت انبیاء کے علاوہ کسی کو کلام کرنے کی جرأت نہ ہوگی، اور ہم پیغمبروں کا کلام اس وقت یہ ہوگا:

"اللّٰھم سَلِّم سلِّم وبه کلالیب مثل شوک السعدان"

خداوندا! اپنے بندوں کو اس پریشانی اور تکلیف سے سالم اور محفوظ رکھ! اور جہنم میں ایسے کانٹے ہیں

جو ببولوں کے کانٹوں کی مثل ہیں (چونکہ یہ لوگ اس کی سختی نہ جھیل پائیں گے اس لئے اے میرے خدا! تو ان کو محفوظ رکھ)۔اس کے بعد رسول اسلامؐ نے فرمایا: کیا تم لوگوں نے ببولوں کے کانٹوں کو دیکھا ہے؟ سب نے کہا جی ہاں یارسول اللہؐ! رسول خدا ﷺ نے فرمایا: بس جہنم میں بھی ایسے ہی کانٹے ہوں گے مگر ان کی لمبائی و چوڑائی سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا، پس کچھ لوگ اپنے برے اعمال کی وجہ سے مصیبت اور بلا میں مبتلا ہوں گے اور کچھ ہلاک ہو جائیں گے، کچھ لوگوں کے جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور آتش جہنم میں پڑے ہوں گے اور اس کے بعد نجات حاصل کریں گے۔

اس کے بعد رسولؐ نے فرمایا: جب خداوند متعال بندوں کے فیصلہ سے فارغ ہو جائے گا تو وہ چاہے گا کہ کچھ لوگوں کو آتش جہنم سے نجات دے، لہٰذا جو لوگ اس کی وحدانیت پر ایمان رکھتے ہوں گے ان کو بخش دے گا، اور اپنے ملائکہ کو حکم دے گا کہ ان کو آتش جہنم سے نکالا جائے، ملائکہ ان کو سجدہ کی علامتوں سے پہچان لیں گے، کیونکہ خداوند عالم آتش جہنم پر حرام قرار دے گا کہ وہ ان کے سجدوں کی علامتوں کو جلائے، اس وقت ملائکہ ان لوگوں کو جہنم سے اس حال میں نکالیں گے کہ ان کے بدن جل کر سیاہ ہو چکے ہوں گے، اس کے بعد ان کے بدن پر آب حیات چھڑکا جائے گا، جس کی بنا پر ان کا بدن تیزی سے روئیدہ اور ہرا بھرا ہو جائے گا، جیسے سیلاب کی وجہ سے جمع ہونے والے کوڑا کرکٹ میں گرا ہوا دانہ جلد روئیدہ ہو جاتا ہے۔

اس وقت اہل محشر سے ایک شخص اس جہنم میں باقی رہ جائے گا جو اپنے منھ کے بل آتش جہنم میں پڑا ہوگا اور وہ کہے گا: اے میرے خدا! جہنم کی عفونت (بدبو) نے مجھے مسموم کر دیا ہے، اس کے شعلوں نے مجھے جلا ڈالا ہے، میرے چہرے کو اس آتش بلاسوز سے بچالے! اس طریقہ سے جب وہ چند بار دعا کرے گا تو خداوند عالم کہے گا: اگر تیری اس دعا کو میں قبول کرلوں تو دوسری خواہش کرنے لگے گا؟ اس وقت وہ کہے گا: قسم ہے مجھے تیری عزت کی اس کے علاوہ میری اور کوئی دوسری خواہش نہیں ہوگی، اس وقت خدا اس کے چہرے کو آتشِ جہنم سے محفوظ کر دے گا، اس کے بعد وہ کہے گا:

میرے خدا! مجھے درِ بہشت سے نزدیک کردے، اس وقت خدا کہے گا: کیا تو نے یہ نہ کہا تھا کہ بس میری ایک ہی حاجت ہے، اب کیوں دوسری حاجت کررہا ہے؟ وائے ہو تیرے اوپر اے ابن آدم !تو کس قدر مکار ہے! وہ شخص پھر اپنی دعائیں تکرار کرے گا، اس کے بعد خدا دوبارہ اس سے کہے گا: اگر میں تیری اس حاجت کو پورا کردوں تو پھر تو تیسری حاجت بیان کرے گا؟ اس وقت وہ شخص کہے گا: مجھے تیری عزت کی قسم اس کے بعد کوئی اور حاجت نہیں، اس کے بعد خدا عہد و میثاق لینے کے بعد اسے بہشت کے دروازے سے نزدیک کردے گا، اس کے بعد وہ ایک مدت تک خاموش رہے گا، لیکن کچھ مدت کے بعد پھر کہے گا: اے خدا! مجھے بہشت میں داخل کردے!

اس وقت خدا اس سے کہے گا: کیا تو نے مجھ سے وعدہ نہ کیا تھا کہ میں صرف درِ بہشت تک رہوں گا اور اس کے علاوہ میری دوسری کوئی حاجت نہیں ہے؟ فرزند آدم تو کتنا چالاک اور مکار ہے! وہ کہے گا: اے خدا! تو مجھے اپنے محروم ترین بندوں میں سے قرار نہ دے! چنانچہ وہ بہت زیادہ گریہ وزاری کرکے دعا کرے گا، یہاں تک کہ خداوند عالم کو اس کے الحاء واصرار پر ہنسی آجائے گی!! اور جب خدا کو ہنسی آئے گی تو اس کو بہشت میں داخل ہونے کا اذن دیدے گا اور اس وقت اس سے کہا جائے گا: جو کچھ تیرا دل چاہتا ہے اب خدا سے سوال کرلے، پس وہ جو چاہتا ہوگا سوال کرے گا، پھر اس سے یہی کہا جائے گا، پھر وہ جو کچھ چاہتا ہوگا اس کے بارے میں سوال کرے گا، پھر خدا فرمائے گا کہ جو کچھ تو چاہتا ہے میں اس کا دُگنا دیتا ہوں۔

ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ یہ آخری شخص ہوگا جو جنت میں داخل ہوگا!!(۱)

تیسری روایت: "...... عن ابی سعید الخدری؛ان اناسا فی زمن النبی قالوا: یارسول

(۱) صحیح بخاری: ج۵، کتاب الرقاق، باب[۵۲]"الصراط جسر جهنم" حدیث ۶۲۰۴، جلد۶، کتاب التوحید، باب[۲۴] ﴿وجوه یومئذٍ ناضرة الی ربها ناظرة﴾ حدیث ۷۰۰۰، جلد۱، کتاب صفة الصلاة ،باب[۴۵]"فضل السجود" حدیث ۷۷۳. صحیح مسلم، ج۱، کتاب الایمان، باب[۸۱]"معرفة طریق الرویة" حدیث ۱۸۲.

الله اهل نری ربنا یوم القیامة ؟اقال رسول الله: نعم اقال:هل تُضَارُوْن فی رؤیة الشمس بالظهیرة ضوء لیس فیها سحاب؟قال: لا .قال: وهل تضارون فی رؤیة القمر لیلة البدر؟ ضوء لیس فیها سحاب؟قالوا: لا .قال النبیؐ: ما تضارون فی رؤیة الله تبارک وتعالی یوم القیامة اِلّا کما تُضَارُوْنَ فی رؤیة احدهما، اذا کان یوم القیامة اذن مؤذن تَتْبَعُ کل امة ما کانت تعبد، فلا یبقی من کان یعبد غیر الله من الاصنام والانصاب الا یتساقطون فی النار،حتی اذا لم یبق الا من کان یعبد الله ،بر وفاجر وغُبَّراتُ اهل الکتاب......" (۱)

ابوسعید خدری کہتے ہیں:

کچھ لوگوں نے ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ آیا روز قیامت ہم خدا کو دیکھیں گے؟ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ہاں ہم خدا کو دیکھیں گے، اس کے بعد آپؐ نے کہا: کیا تم ظہر کے وقت اپنے سروں پر اس آفتاب کو دیکھنے میں تردید کرتے ہو، جبکہ اس کے سامنے بادل نہ ہو؟ تمام لوگوں نے کہا نہیں، یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا: کیا تم اس چودھویں رات کے چاند کو دیکھنے میں کہ جس کی روشنی تمام جگہ پھیلی ہو اور اس کے سامنے بادل بھی نہ ہو تردید کرتے ہو؟ لوگوں نے کہا: نہیں یا رسول اللہؐ! تب رسول اسلامؐ نے فرمایا: اسی طرح ہمیں روز قیامت خدا کا دیدار بغیر کسی مشکل کے حاصل ہوگا (یعنی جس طرح ہم سب لوگ اس دنیا میں آسانی سے چاند اور سورج دیکھتے ہیں اسی طرح روز قیامت ہم خدا کو باآسانی دیکھیں گے!) اس کے بعد رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: روز قیامت خدا کی طرف سے اعلان ہوگا کہ جو امت دنیا میں جس کی پیروی کرتی تھی وہ آج اس کے پیچھے ہو جائے، اس وقت تمام بت پرست جہنم میں ڈال دیے جائیں گے، لیکن جو لوگ خدا پرست ہوں گے صرف وہ باقی رہ جائیں گے، جن میں معصیت کار اور کچھ اہل کتاب مانند یہود

---

(۱) صحیح بخاری: ج ۶، کتاب التفسیر، تفسیر سورۂ نساء، باب ۸،" ان الله لا یظلم مثقال ذرة" حدیث ۴۵۸۱، ج ۹، کتاب التوحید، باب (۲۴)" قول الله تعالی: وجوه یومئذ ناضرة الی ربها ناظرة"(سورۂ قیامة آیت ۲۳ ،۲۲)، حدیث ۷۴۳۴. صحیح مسلم جلد ۱، کتاب الاعیان، باب (۸۱) معرفة طریق الرؤیة .

ونصاریٰ بھی ہوں گے، اس وقت حکم الٰہی ہوگا کہ ان اہل کتاب یہودیوں سے کہو کہ تم لوگ کس کی پرستش کرتے تھے؟ وہ کہیں گے: ہم خدا کے بیٹے عزیر کی پوجا کرتے تھے! پس ان سے کہا جائے گا: تم لوگوں نے جھوٹ کہا، خدا پر افتراء باندھتے ہو! خدا نے نہ تو کسی کو اپنا بیٹا اور نہ کسی کو اپنا ہمسر بنایا، بتاؤ اب تم کیا چاہتے ہو؟ وہ لوگ کہیں گے: اے ہمارے خدا! ہم پیاسے ہیں، ہمیں سیراب کردے! جواب ملے گا: تمہیں کبھی بھی سیراب نہ کیا جائے گا، اس کے بعد ان کو ایسی آتش میں ڈال دیا جائے گا جس کے شعلے اس ریت کی طرح چمکتے ہوں گے جو دھوپ کی وجہ سے پانی کی طرح نظر آتی ہے اور وہ ایک دوسرے پر قرار پائے ہو...... یہ لوگ یہودی ہوں گے۔

اس کے بعد نصاریٰ کو عدالت الٰہیہ میں لایا جائے گا، اور پوچھا جائے گا کہ تم کس کی پرستش کرتے تھے؟ وہ لوگ کہیں گے: عیسیٰ ابن اللہ کی! ان سے کہا جائے گا: یہ خدا پر کذب وافتراء ہے خدا نے کب اپنے لئے کسی کو اپنا فرزند اور ہمسر چنا تھا؟! پھر ان سے کہا جائے گا اب تم کیا چاہتے ہو؟ وہ لوگ بھی یہی کہیں گے کہ ہمیں سیراب کردے! ان کو بھی یہودیوں کی طرح جواب دیا جائے گا اور بالآخران کو بھی جہنم میں ڈال دیا جائے گا، یہاں تک کہ خدا پرست نیک افراد اور کچھ معصیت کار لوگ باقی رہ جائیں گے اس وقت خدا اس ملتی جلتی صورت میں ان کے پاس آئے گا کہ جسے ان لوگوں نے دیکھ رکھا ہوگا! (یا ایسی صورت میں آئے گا جس کا خدا کے بارے میں وہ تصور رکھتے تھے) اور ان سے کہے گا: کس کا انتظار کررہے ہو دنیا میں تم جس کی پیروی کرتے تھے ان کی پیروی کرو؟ جواب میں سب لوگ کہیں گے: خدایا! ہم جبکہ دنیا میں لوگوں کی نصرت و کمک کے محتاج تھے لیکن اس کے باوجود ہم نے ان سے کنارہ کشی کی، تو اب یہاں صرف خدا کے منتظر ہیں جس کی ہم پرستش کرتے تھے، اس وقت خدا کہے گا: میں ہی تمہارا خدا ہوں، وہ لوگ کہیں گے کہ ہم کسی کو خدا کا شریک نہیں جانتے، یہ جملہ دو یا تین مرتبہ تکرار کریں گے، یہاں تک کہ بعض لوگ مایوس ہو جائیں گے اور عنقریب ان کی حالت بدلنے والی ہوگی کہ خدا ان سے کہے گا: کیا تمہارے اور خدا کے درمیان کوئی علامت ہے جس کے ذریعہ تم خدا کو پہچان سکو؟ وہ لوگ کہیں گے: ہاں خدا کی پنڈلی کو ہم پہچانتے ہیں

اس وقت خدا اپنی پنڈلی ظاہر کردے گا اور ہر مومن خدا کے آگے سجدہ ریز ہو جائے گا...

چوتھی روایت:۔ جریر ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

خدا کو تم لوگ بطور آشکار اپنی آنکھوں سے دیکھو گے **"وانکم سترون ربکم عیاناً"**.(۱)

جناب قسطلانی صحیح بخاری کے شارح کہتے ہیں:

"عیاناً" عین کے کسرے کے ساتھ **"عاینت الشی عیاناً"** (۲) سے اخذ کیا گیا ہے یعنی وہ شئے جو آنکھ سے دیکھی جاسکتی ہو اسے عیاناً کہتے ہیں۔

پانچویں روایت:۔......عن صہیب عن النبی؛قال: اذا دخل اھل الجنۃالجنۃ،قال:یقول اللہ تبارک و تعالی :تریدون شیئاًازیدکم ! فیقولون : الم تبیض وجوھنا ؟ الم تدخلنا الجنۃو تجنبنا من النار!!قال: فیکشف الحجاب فما اعطوا شیئاًاحب الیھم من النظرالی ربھم عزو جل .(۳)

صہیب نقل کرتے ہیں:

رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا: جب اہل بہشت روز قیامت جنت میں داخل ہوں گے تو اس وقت خدا ان سے کہے گا: کیا تم چاہتے ہو کہ تم پر اس سے زیادہ احسان کیا جائے؟ اس وقت وہ لوگ کہیں گے: اے خدا! یہی تیرا احسان کیا کم ہے کہ تو نے ہمارے چہرے کو روشن قرار دیا! اور کیا تو نے ہمیں آتش جہنم سے نجات نہیں دی ؟ کیا تو نے ہمیں جنت میں داخل کر کے اس کی نعمتوں سے نہیں نوازا؟! (اس سے بھی بالاتر نعمت اور کیا متصور ہو سکتی ہے؟ !) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اس کے بعد تمام وہ پردے ہٹا دئے جائیں گے جو جمال الٰہی دیکھنے میں حائل تھے اور اہل بہشت کے لئے سب سے بڑی نعمت یہی ہوگی۔

چھٹی روایت:۔......" عن ابی بکر بن عبد اللّٰہ بن قیس عن ابیہ عن النبیؐ؛

---

(۱) صحیح بخاری ج۹،کتاب التوحید، باب[۲۴]"وجوہ یومئذ ناظرۃ" حدیث ۷۰۰۱،۶۹۹۸.

(۲) ارشاد الساری ج۱۵،کتاب التوحید، باب[۲۴]"وجوہ یومئذ ناظرۃ"ص ۴۶۴.

(۳) صحیح مسلم، ج ۱،کتاب الایمان، باب[۸۰]"اثبات رؤیۃ المؤمنین بربھم فی الآخرۃ" حدیث ۱۸۱.

قال: جنتان من فضة آنیتهماوما فیهما، وجنتان من ذهب آنیتهماوما فیهما، ومابین القوم وبین ان ینظروا الی ربهم، الارداءُ الکبریاء علی وجهه فی جنة عدنٍ"(۱)

ابوبکر بن عبداللہ بن قیس اپنے پدر سے نقل کرتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

دو جنتیں ایسی ہیں جن کی عمارت اور ان کے تمام اسباب ووسائل چاندی کے ہیں اور دو بہشت دوسری اور ہیں جو سونے کی ہیں، جن کا سارا سامان اور وسائل سونے کے ہیں اور لوگوں اور خدا کے درمیان اس کے دیدار سے کوئی شیٔ مانع نہیں ہے مگر وہ حجابات کبریائی جو اس کی صورت اور جنت عدن پر پڑے ہوئے ہیں۔

محترم قارئین! میں نے چھ عدد حدیثیں صحیح بخاری ومسلم سے آپ کی خدمت میں پیش کی ہیں انھیں سے ملتی جلتی حدیثیں دیگر کتب صحاح مثل ابن ماجہ ج۱، باب الرد علی الجہمیہ، وسنن ترمذی ج۴، باب رویۃ الرب میں بھی دیکھی جا سکتی ہیں چنانچہ دو عدد روایت ہم ان کتابوں سے بھی نقل کرتے ہیں:

۱...... "عن ابن عمر؛ یقول: قال رسول اللّٰہؐ: ان ادنی اهل الجنة منزلة لمن ینظر الی جنانه وازواجه و نعیمه وخدمه وسرره مسیرةالف سنة واکرمهم علی اللّٰہ من ینظره الی وجهه غدوۃً وعشیة، ثم قرء رسول اللّٰہ: ﴿وجوہ یومئذ ناضرة، الی ربها ناظرة﴾(۲)

عبداللہ ابن عمر کہتے ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا:

سب سے کمتر مقام اہل بہشت کا یہ ہے کہ وہ اپنی بہشت، ازواج، خدمت گزاروں اور تخت کی طرف دیکھتے ہوں گے جنہوں نے ہزار سال کا فاصلہ پر کر رکھا ہوگا اور سب سے زیادہ صاحب منزلت خدا کے نزدیک وہ ہے جو صبح وشب جمال خدا کو دیکھتا ہوگا پھر آنحضرت نے یہ آیت پڑھی:

﴿وجوہ یومئذ ناضرة ☆الی ربها ناظرة﴾(۳)

---

(۱) صحیح مسلم ج۱، کتاب الایمان، باب(۸۰)"اثبات رؤیة المومنین ربهم فی الآخرة" حدیث ۱۸۰. صحیح بخاری، ج۹، کتاب التوحید، باب "من کان عرشه علی الماء"

(۲) سنن ترمذی ج۴، باب "رویة الرب" ص ۶۸۸. اس آیت کے بارے میں آئندہ مفصل بحث آئے گی. مترجم.

(۳) القیامة، آیت ۲۲.

۲. "...... عن جابر بن عبد الله؛قال :قال رسو ل الله:بينا اهل الجنةفی نعيمهم اذ سطح لهم نور فرفعوا رو ٔسهم ،فاذا الرب قد اشرف عليهم من فوقهم ، فقال: السلام عليكم يا اهل الجنة !! قال:و ذالک قول الله, ,سلام قولاً من رّبّ رّحيم"فينظر اليهم و ينظرون اليه فلايلتفتون الى شى ٔمن النعيم، مادامو اينظرون اليه حتى يحتجب عنهم ويبقى نوره و بر كته عليهم فی ديارهم "

جابر بن عبداللہ انصاری سے منقول ہے:

آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا: جب اہل بہشت جنت کی نعمتوں سے سرفراز ہوتے ہوں گے اس وقت ان کے سروں پر ایک نور ظاہر ہوگا تب اہل بہشت اپنے سروں کو بلند کریں گے تو کیا دیکھیں گے کہ خدا اوپر سے ان کو دیکھ رہا ہے!! خدا ان سے کہے گا: درود ہو تمہارے اوپر اے اہل بہشت! اس وقت رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا: یہ ہے اس آیت کا مطلب **" سلام قولاً من رّبّ رّحيم"** پھر آنحضرتؐ نے فرمایا: خدا اہل بہشت کو دیکھے گا اور اہل بہشت خدا کو اور اس وقت جب خدا کو دیکھتے ہوں گے انھیں جنت کی کسی بھی نعمت کا خیال نہ ہوگا اس قدر جمال الٰہی دیکھنے میں مست ہوں گے یہاں تک کہ خدا غائب ہو جائے گا اور اس کا نور اور خیر و برکت اس کی جگہ باقی رہ جائے گی!!(۱)

مذکورہ احادیث کے نتائج

مذکورہ حدیثوں سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں

۱۔ خداوند عالم روز قیامت اپنے جسم کے ساتھ انھیں چشم ظاہری سے دکھائی دے گا اور انسان کی آنکھوں کی شعائیں روز قیامت خدا کے جسم وجودی سے اتصال پیدا کریں گی اور جسمِ خدا ان شعاؤں کے اتصال کی

---

(۱) سنن ابن ماجه ج ۱ ،باب"الرد علی الجهمية".

وجہ سے انسان کی آنکھوں کے سامنے منعکس ہو جائے گا جیسا کہ "انکم سترون ربکم کما ترون هذا القمر" سے ظاہر ہے!

۲۔ اللہ تعالی کا دیدار صرف خدا کے مخلص ومومن بندوں کے لئے ہی مخصوص نہیں بلکہ منافق، فاسق اور فاجر لوگ بھی خدا کا دیدار کریں گے!! جیسا کہ "وتبقی هذه الامة فیهما منافقوها فیاتیهم الله ......" سے ظاہر ہوتا ہے!

۳۔ خدا بھی عام انسانوں کی طرح جسم وصورت رکھتا ہے اور جس طرح ہم لوگوں کا مادی جسم محل حوادث (مانند تحول، انتقال اور حرکت پذیر) ہے اسی طرح خدا کے جسم پر بھی یہ چیزیں عارض ہوتی ہیں یعنی خدا کا وجود بھی ہمارے وجود کی طرح ان اوصاف سے متصف ہوتا ہے!

۴۔ خدا مکان رکھتا ہے اور ایک خاص جگہ پر اپنے بندوں کے سامنے اپنی صورت کی نمائش کرائے گا!

۵۔ خدا بہت سی صورتیں اور شکلیں رکھتا ہے چنانچہ بعض صورتیں ایسی ہیں کہ بندگان خدا اس کو پہچان نہیں سکتے اور بعض صورتیں ایسی ہیں کہ اس کے بندے پہچان کر اس کے پیچھے دوڑ پڑیں گے جیسا کہ اس جملہ:

"فیاتیهم الله فی غیر الصورة التی یعرفون فیقول: انا ربکم فیقولون نعوذ بالله منک...... فیاتیهم الله فی الصورة التی یعرفون......" سے ظاہر ہوتا ہے!

۶۔ خدا کبھی مخصوص نشانی اور علامت کے ذریعہ پہچانا جائے گا جیسے اس کی پنڈلی اور جب تک وہ اپنی پنڈلی ظاہر نہیں کرے گا کوئی اسے نہیں پہچان سکتا!

"فیقول هل بینکم وبینه علامة فتعرفونه بها، فیقولون: الساق، فیکشف الساق..."!!

۷۔ آخری مطلب جو ان روایتوں سے اخذ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ خدا کو ضحک (ہنسی) اور تعجب عارض ہو جاتا ہے! اور بالآخر وہ ایک فرزند آدم سے دھوکہ کھا جائے گا جس کے نتیجہ میں وہ گناہگار شخص کو بھی جنت میں داخل کر دے گا! (۱)

---

(۱) قارئین محترم! اگر ہم ان روایتوں کی اسناد سے چشم پوشی کر لیں پھر بھی متن روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ روایتیں مذہب فروش اور بے مایہ محدثین کی جیب کی ہیں، کیونکہ حدیث میں آیا ہے: جب خدا دوسری صورت میں آئے گا تو لوگ پہچان نہ پائیں گے لیکن جب اس صورت میں آئے گا جس کو لوگوں نے دیکھا ہوگا تو پہچان لیں گے! اس کا مطلب یہ ہوا کہ روز محشر ←

یہ تھیں صحیحین کی چند روایتیں جو دیدار خدا کے بارے میں باب توحید کے ضمن میں نقل کی گئی ہیں ان سے بہت سارے مطالب اخذ ہوتے ہیں جن میں سے بعض کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں۔

بہر کیف چونکہ اہل سنت والجماعت کے یہاں دیدار خدا ایک متفق علیہ مسئلہ ہے لیکن شیعہ حضرات اس کو خرافات سے تعبیر کرتے ہیں لہٰذا اس بارے میں شیعوں کے عقیدے سے پہلے ہم علمائے اہل سنت کے اقوال اور نظریات نقل کرتے ہیں اور بعد میں ان نظریات واقوال پر تحقیقی نظر ڈالیں گے کہ آیا دیدار خدا ممکن ہے یا نہیں؟!

← کے علاوہ بھی خدا کو اس صورت میں لوگوں نے دیکھا ہوگا! یہاں پر چند سوال پیدا ہوتے ہیں:

۱۔ ان باایمان افراد نے کس زمانے میں خدا کو دیکھا تھا اور کس صورت میں؟

۲۔ اگر کوئی یہ کہے: خدا کو ان لوگوں نے اس کی واقعی صورت میں دیکھا تھا، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر خدا کا اس نمائش سے کا مقصد کیا ہے کہ پہلی دفعہ واقعی صورت میں نہ آئے گا اور جب لوگ انکار کریں گے تو وہ پھر اسی واقعی صورت میں آئے گا، جس کو لوگوں نے پہلے سے دیکھ رکھا تھا؟! آخر یہ فعل خدا عبث نہیں؟ حالانکہ خدا سے کوئی عبث فعل صادر نہیں ہوتا!!

۳۔ جب مومنین خدا کی پنڈلی دیکھیں گے تو سجدے کے لئے گر پڑیں گے اور منافقین کی کمر شل تخت ہو جائے گی تاکہ وہ سجدہ ریز نہ ہو پائیں، جیسا کہ صحیح مسلم، جلد ۱، کتاب الایمان، باب ''معرفۃ طریق الرؤیۃ'' حدیث ۱۸۲ اص ۱۱۵، کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے؟ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان مومنین نے اس پنڈلی کو کس زمانے میں دیکھا تھا کہ وہ محشر میں اس کے ذریعہ خدا کو پہچان لیں گے؟!

۴۔ اگر خدا ساق (پنڈلی) رکھتا ہے تو جسم بھی رکھتا ہوگا اور جسم کے لئے تمام اعضاء جسمانی لازم ہیں اس طرح تو خدا مجسم ہو کر محدود ہو جائے گا حالانکہ خدا لامحدود ذات کا نام ہے!!۔ (عرض مترجم تمام شد)

دیدار خدا علمائے اہل سنت کی نظر میں

علمائے اہل سنت کیا کہتے ہیں؟!

اکثر علمائے اہل سنت اور ائمہ اربعہ بلکہ اہل سنت کے تمام دانشور اور محدثین حضرات کا رویت باری تعالیٰ کے بارے میں وہی عقیدہ ہے جو ان کی فرسودہ روایات کہتی ہیں اور یہی نہیں بلکہ یہ لوگ اس عقیدے کو اپنے اصول عقائد میں شمار کرتے ہیں اور اس کے منکر کو اسلام سے خارج، کافر و مشرک سمجھتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

۱] امام احمد بن حنبل اور دیدار خدا:۔ آپ کا ان اکابر چار اماموں میں شمار کیا جاتا ہے جن کی فقہ کو تمام مذہب اہل سنت میں قابل قبول قرار دیا گیا ہے، چنانچہ آپ دیدار خدا کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جو دیدار خدا کا قائل نہ ہو وہ اسلام سے خارج ہے:

"ولکنهم لا تفا قهم علی کون احمد بن حنبل من کبار ائمة السنة......"(۱)

۲۔۳] امام مالک و امام شافعی:۔ آپ حضرات کا بھی اہل سنت کے ائمہ اربعہ میں شمار ہوتا ہے اور ان دونوں کا عقیدہ بھی وہی ہے جو دیگر علمائے اہل سنت کا ہے اور خدا کے دیدار کے منکر کو اسلام سے خارج سمجھتے ہیں، چنانچہ اشہب کہتے ہیں:

> میں نے امام مالک سے پوچھا: اے ابوعبداللہ! آیہ ﴿ **وجوہٌ یومئذٍ ناضرة الیٰ ربها ناظرة......** ﴾ کے معنیٰ کیا یہ نہیں کہ لوگ روز قیامت انھیں دونوں ظاہری آنکھوں سے خدا کو دیکھیں گے؟ امام مالک نے کہا: جی ہاں ہم لوگ انھیں دونوں آنکھوں سے خدا کا دیدار کریں گے! میں نے پوچھا کہ بعض لوگ ﴿ **الیٰ ربها ناظرة** ﴾ کے معنی یہ کرتے ہیں کہ روز قیامت کچھ لوگ اس کے عذاب و ثواب کے منتظر ہوں گے، اس بارے میں آپ کا کیا نظریہ ہے؟
>
> امام مالک نے میرے جواب میں فرمایا: یہ لوگ جھوٹ کہتے ہیں اور خدا خود لوگوں کو اپنا دیدار کرائے گا!(۲)

---

(۱) تفسیر المنار ج ۹، فصل فی اختلاف المسلمین فی الرؤیة و کلام الرب ، صفحه ۱۴۵.

(۲) تزئین الممالک فی مناقب الامام المالک، مولفه سیوطی؛ اس کتاب سے محمد ابوزہرہ نے اپنی کتاب مالک ص ۲۷ پر اس بحث "القسم الثانی: آرائه وفقهه" کے تحت نقل کیا ہے.

مزنی؛ابن ہرم سے نقل کرتے ہیں:

میں نے امام شافعی سے سنا ہے کہ آپ نے تفسیر آیۂ ﴿كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ﴾(۱) کے ذیل میں یہ فرمایا: ''یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ روز قیامت اولیاء اللہ، خدا کا دیدار کریں گے۔''

اور ربیع سے نقل کرتے ہیں:

''میں ایک روز امام شافعی کے پاس تھا کہ سعید کا ایک خط امام شافعی کے پاس پہنچا جس میں تفسیر آیۂ ﴿كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ﴾ کے بارے میں سوال کیا گیا تھا، امام شافعی نے جواب میں تحریر فرمایا: چونکہ بعض لوگوں پر خدا غضب کی وجہ سے محجوب ہوگا لہٰذا بعض لوگ خدا سے راضی ہونے کی بنا پر اس کو دیکھیں گے، میں نے امام شافعی سے پوچھا: کیا آپ کا اس پر عقیدہ ہے؟ امام شافعی نے کہا: خدا کی قسم اگر محمد ابن ادریس (شافعی) اس پر یقین نہ رکھتا ہوتا تو اس خدا کی عبادت نہ کرتا''۔(۲)

اسفرائینی (متوفی ۴۲۹ھ) کہتے ہیں:

''تمام ائمۂ فقہ جو اصحاب رائے و حدیث ہیں یعنی اصحاب مالک، شافعی، ابو حنیفہ، احمد بن حنبل، ثوری، ابن ابی لیلیٰ اور اوزاعی نے ثابت کیا ہے کہ روز قیامت دیدارِ خدا انھیں ظاہری چشم سے بغیر تشبیہ و تعطیل کے ہوگا!! اس کے بعد فرماتے ہیں: اہل سنت کا اتفاق ہے کہ خداوند عالم روز قیامت مومنین کو اپنا دیدار کرائے گا اور رویتِ خدا سے متعلق میں نے تمام مباحث کو ایک مستقل کتاب میں جمع کیا ہے''۔(۳)

---

(۱) سورۂ مطففین آیت ۱۵، پ۳۰.

(۲) طبقات الشافعیہ الکبری ج۲، ''ومن المسائل والفوائد عن ابی ثور، ۱۷/ ابراهیم بن محمد بن هرم'' ص ۸۱، کتاب الامام الشافعی ص ۲۴۹ مؤلفه عبد الغنی الدقر کی نقل کے مطابق. (یہی بات کتاب'' الامام الشافعی'' مؤلفه ابو زهره ص ۱۷۲، پر بھی موجود ہے۔ مترجم)

(۳) الفرق بین الفرق، باب خامس، فصل اول، فی بیان اصناف اهل السنت والجماعة، ص ۳۱۳، ۳۱۴ و ۳۳۵.

۴] احمد محمد شاکر اور دیدار خدا کا عقیدہ:۔ احمد محمد شاکر کہتے ہیں:

''دیدار خدا کے بارے میں احادیث تواتر کے ساتھ وارد ہوئی ہیں! لہٰذا اگر کوئی رویتِ خدا کا انکار کرے تو اس نے ضروریاتِ مذہب کا انکار کیا ہے اور رویت خدا کا انکار فرقۂ جھمیہ، معتزلہ، شیعہ اور خوارج نے کیا ہے''۔(۱)

۵] فاضل نووی شارح صحیح مسلم:۔ آپ کہتے ہیں:

''اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ دیدار خدا عقلاً محال نہیں ہے بلکہ ممکن ہے اور تمام اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ روز قیامت خدا کا دیدار ہوگا، فقط ایک بدعت نواز گروہ اس کا منکر ہے، جیسے معتزلہ، خوارج و مرجئہ، یہ لوگ رویتِ خدا کے منکر ہیں اور دیدار خدا کو محال سمجھتے ہیں، لیکن ان کا یہ نظریہ غلط اور خطرناک جہل ہے۔

اس کے بعد فاضل نووی کہتے ہیں:

اور رویتِ خدا اس عالم میں جیسا کہ ہم نے قبلاً بیان کیا ممکن ہے''۔(۲)

پھر فاضل نووی چند صفحات میں رویت خدا کی ادلہ نقل کرنے کے بعد نتیجہ اس طرح اخذ کرتے ہیں:

''راجح اور صحیح یہ ہے کہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کو شب معراج دیکھا تھا **(رای ربّہ بعینی راسہ)** لہٰذا حضرت عائشہ سے جو روایت وارد ہوئی ہے کہ رسولؐ نے معراج کی شب خدا کو نہیں دیکھا یہ غلط ہے، چنانچہ دیار بکری کہتے ہیں: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے یہ تھا کہ آپ نے خدا کو اپنی دونوں آنکھوں سے دو مرتبہ دیکھا تھا!! **[ور أیته للباری مرتین]**(۳)

۶] بدرالدین عینی:۔ رویتِ خدا سے متعلق آپ ایک حدیث کی تشریح کے ضمن میں کہتے ہیں:

''اس حدیث کا مضمون ان لوگوں کے عقیدہ کو رد کرتا ہے جو دیدارِ خدا کو محال سمجھتے ہیں''۔

اس کے بعد کہتے ہیں:

---

(۱) شرح مسند احمد بن حنبل ج۱۴، ص۱۳۷، حدیث نمبر ۷۷۰۳.

(۲) شرح صحیح مسلم ج ۳، نووی ص ۵.

(۳) تاریخ الخمیس ج ۱، النوع الاول: ما اختص به فی ذاته(ص) فی الدنیا ...... ص ۲۱۳، ۲۱۴. مطبوعة مؤسسة شعبان، بیروت.

"اولاً: جولوگ رویتِ خدا کے منکر ہیں ان کی بہت بڑی نادانی ہے کیونکہ قرآن وسنت سے دیدارِ خدا ثابت ہے۔
ثانیاً: صدر اسلام سے لے کر اب تک تمام امتِ مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ خداوند متعال روز قیامت اپنے کو مومنین کے سامنے ظاہر کر کے دیدار کرائے گا!!

اس کے بعد موصوف کہتے ہیں:

اور اس جہان میں رویتِ خدا ممکن ہے، لیکن اکثر علمائے علم کلام قائل ہیں کہ رویتِ خدا اس جہان میں واقع نہیں ہوگی اور اشعری قائل تھے کہ رویتِ خدا اس دنیا میں بھی واقع ہوگی"!!(۱)

۷) **قسطلانی:۔** کہتے ہیں:

بدون شک وشبہ ہم خدا کا روز قیامت دیدار کریں گے!!(۲)

۸) **ابن حجر:۔** آپ ابن بطال سے نقل کرتے ہیں:

اہل سنت والجماعت اور تمام امت مسلمہ قائل ہے کہ آخرت میں خدا کا دیدار ہوگا۔(۳)

۹) **شیخ محمد عبدہ:۔** آپ کہتے ہیں:

رویتِ خدا کے بارے میں اس قدر صریح اور واضح حدیثیں پائی جاتی ہیں کہ کسی کو شک وشبہ کرنے کی گنجائش نہیں۔(۴)

رویت خدا کے بارے میں پانچ سوال اوران کے جوابات

قارئین کرام! ابن حجر مکی (۵) نے دیدار خدا کے بارے میں پانچ سوال قائم کر کے ان کے جوابات دیئے ہیں بہتر ہے کہ ان سوالات کو بھی معہ جوابات ملاحظہ فرمالیں:

---

(۱) عمدة القاری ج۱۸، کتاب التوحید، باب قوله تعالی :"ووجوه یومئذ ناضرة الی ربها ناظرة" ۱۷۲.
(۲) ارشاد الساری ج۱۵، کتاب التوحید، باب قوله تعالی :"ووجوه یومئذ ناضرة الی ربها ناظرة "ص ۴۶۴.
(۳) فتح الباری ج۱۷، کتاب التوحید باب قوله تعالی :"ووجوه یومئذ ناضرة الی ربها ناظرة" ص ۳۵۶ .
(۴) تفسیر المنار ج۹، فصل فی اختلاف المسلمین فی الرؤیة و کلام الرب ..... ، ص ۱۴۴ .
(۵) ابن حجر ہیثمی مکی (متوفی ۹۷۳ھ) اہل سنت کے مشہور ومعروف عالم دین ہیں اور آپ نے بہت سی کتابیں تالیف فرمائیں ہیں، چنانچہ آپ کی کتابوں میں سے صواعق محرقہ بھی ہے جسے آپ نے مذہب شیعہ کی رد میں لکھا تھا اور ایک کتاب آپ کی الفتاوی الحدیثہ ہے جو مصر ۱۳۹۰ھ میں چھپ چکی ہے اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۴۷۔۱۴۹۔۲۱۶ اور ۲۱۸ میں متذکرہ پانچ سوال معہ جواب تفصیل کے ساتھ آپ نے تحریر کئے ہیں.

پہلا سوال

اگر کوئی اعتقاد رکھتا ہو اور یہ دعویٰ کرے کہ اس نے اسی دنیا میں بیداری کی حالت میں انھیں ظاہری آنکھوں سے خدا کو دیکھا ہے تو آیا اس کا یہ دعوی صحیح ہے یا نہیں؟ جیسا کہ بعض لوگ قائل ہیں کہ خدا کو اس دنیا میں دیکھا جا سکتا ہے؟

جواب

یہ مطلب دو جہت سے قابل بحث ہے:

۱۔ آیا دیدار خدا اس دنیا میں ممکن ہے یا نہیں؟ اس بارے میں اہل سنت قائل ہیں کہ ممکن ہے۔

۲۔ آیا کسی کو دیدار خدا اس دنیا میں ہوا بھی ہے یا نہیں؟ اس بارے میں علمائے اہل سنت کی اکثریت قائل ہے کہ اس دنیا میں فقط رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کا دیدار کیا ہے وہ بھی شب معراج لہٰذا دوسرے لوگوں کے لئے ثابت نہیں۔

دوسرا سوال

کیا مذہب اسلام کے علاوہ دیگر الٰہی ادیان کے باایمان افراد بھی مسلمانوں کی طرح روز قیامت خداوند متعال کا دیدار کریں گے؟

جواب

جیسا کہ ابن ابی حمزہ مالکی نے نقل کیا ہے کہ گزشتہ الٰہی ادیان کے ماننے والوں کے بارے میں دو احتمال پائے جاتے ہیں اور قوی احتمال یہ ہے کہ وہ بھی مسلمانوں کی طرح خدا کا دیدار کریں گے یہاں تک کہ ملائکہ، جن اور عورتیں بھی خدا کو دیکھیں گی! کیونکہ ایک روایت میں آیا ہے کہ تمام خلائق خدا کو دیکھے گی اور لفظ خلائق عمومیت رکھتا ہے یعنی تمام مخلوق کو شامل ہے۔

تیسرا سوال

رویتِ خدا قیامت ہی میں کیوں واقع ہوگی اور دنیا میں کیوں نہیں؟

جواب

جیسا کہ امام مالک نے بیان فرمایا ہے: اس کی علت ضعفِ قواء ہے یعنی چونکہ ہمارے اعضاء و جوارح اس دنیا میں ضعیف ہیں ہماری آنکھیں اس قدر قوی نہیں کہ خدا کو اس دنیا میں دیکھ سکیں، لہٰذا جب روز قیامت ہمارے حواس قوی ہو جائیں گے تو یہ آنکھیں خدا کو با آسانی دیکھ سکیں گی! اور اگر کوئی کہے کہ آنخضرت ﷺ نے شب معراج خدا کو انھیں آنکھوں سے اسی دنیا میں پھر کیونکر دیکھا حالانکہ آپ بھی ہماری طرح جسمانی قواء رکھتے تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آپ پر خدا کا لطف اور کرم تھا جو آپ کے لئے مخصوص تھا یہ لطف آپ کے علاوہ دوسروں کو عنایت نہیں کیا گیا۔

چوتھا سوال

کیا بہشت میں مردوں کی طرح عورتیں بھی خدا کو دیکھیں گی یا نہیں؟

جواب

نہیں! کیونکہ اس پر کوئی خاص دلیل موجود نہیں ہے، البتہ بعض علماء قائل ہیں کہ عورتیں بھی مردوں کی طرح خدا کا دیدار کریں گی کیونکہ روایات کا مفہوم اور دلالت عمومیت رکھتا ہے جو عورتوں کو بھی شامل ہے، چنانچہ کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ عورتیں خدا کو بہشت میں صرف بروز عید دیکھ سکتی ہیں مردوں کے ساتھ نہیں۔

اگر چہ یہ نظریہ ادلہ کے اعتبار سے قوت رکھتا ہے لیکن جلال الدین سیوطی نے صدیقات (۱) کو استثناء کیا

(۱) وہ عورتیں جن کو خدا نے قرآن میں نیک شمار کیا ہے۔

ہے، فرماتے ہیں: یہ عورتیں تنہا خصوصیت کے ساتھ ہی نہیں بلکہ مردوں کے ساتھ بھی بہشت میں خدا کا دیدار کریں گی یہ خدا کا خاص لطف وکرم ہے جو ان عورتوں کو خدا نے عنایت کیا ہے۔

پانچواں سوال

کیا عورتیں بھی بہشت میں وارد ہونے سے پہلے ''موقف'' پر خدا کا دیدار کریں گی؟

جواب

ہاں! بلکہ بعض علمائے اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ منافق اور کفار بھی موقف پر خدا کا دیدار کریں گے لیکن کچھ مدت کے بعد ان سے ممنوع کر دیا جائے گا اور بہشت میں خدا کا دیدار پیمبر، مرسلین، صدیقین اور امت اسلامی کے مومن افراد سے مخصوص ہے اور اس پر علمائے اہل سنت کا اتفاق ہے لیکن اس امت کی عورتیں بھی آیا خدا کا دیدار کریں گی یا نہیں یہ محل اختلاف ہے۔

اس باطل عقیدہ کے وجود میں آنے کا سبب کیا ہے؟!

علمائے اہل سنت کے مذکورہ اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ اثباتِ دیدار خدا کا مدرک اور منبع وہ حدیثیں ہیں جو کتب صحیحین اور دیگر کتب صحاح میں پائی جاتی ہیں، یہی حدیثیں ہیں جنھوں نے آیاتِ قرآن میں تدبر وتفکر کرنے سے مسلمانوں کو روک رکھا ہے، انھیں احادیث کی وجہ سے ان کے مضمون کی موافقت میں مسلمانوں نے بعض ان آیات کی تاویل بھی کر ڈالی ہے جس میں دیدار خدا کا صریحاً انکار کیا گیا ہے!

چنانچہ رویت خدا کے بارے میں جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں ان کے بارے میں ابن حجر کہتے ہیں:

> دار قطنی نے ان احادیثِ رویت کے طریق کو جمع کیا ہے جو بیس سے زیادہ ہیں۔

اس کے بعد کہتے ہیں:

> اور ابن قیم نے اس بارے میں اور بھی زیادہ تحقیق کی ہے اور اپنی کتاب ''حادی الارواح'' میں تیس سے زیادہ طریق احادیثِ رویت کے بارے میں نقل کی ہیں اور ان احادیث کے بیشتر طریق خوب اور صحیح ہیں۔

اس کے بعد ابن حجر کہتے ہیں:

ابن معین کا کہنا ہے کہ میرے پاس ۱۷ صحیح حدیثیں رویت خدا کے بارے میں ہیں۔(۱)

شیخ محمد عبدہ کہتے ہیں:

جو آیات قرآن مجید میں رویت خدا کا انکار کرتی ہیں یہ ان آیات سے صریح اور واضح تر ہیں جو اثبات رویت باری تعالیٰ کرتی ہیں جیسے ﴿**لن ترانی**﴾ و آیۃ ﴿**لاتُدْرِكُهُ ٱلابْصَارُ**﴾(۲) یہ دونوں آیتیں صراحت کے ساتھ خدا کے دیدار کا انکار کرتی ہیں، لیکن جو آیات رویت باری تعالیٰ کو ثابت کرتی ہیں وہ یہ ہیں:

﴿**وُجُوْهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ**﴾ (۳) روز قیامت کچھ چہرے ایسے ہوں گے جو خوشحال ہوں گے اور اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے۔

لیکن لفظ نظر قرآن کریم اور کلمات عرب میں انتظار کے معنی میں زیادہ استعمال ہوا ہے جیسے یہ آیات: ﴿**مَايَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً**﴾(۴) ﴿**هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ**﴾(۵)

ان آیات میں لفظ ''نظر'' انتظار کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور مفسرین مثل مجاہد نے بھی آیہ مذکور میں لفظ نظر کے معنی انتظار لئے ہیں۔(۶)

قارئین کرام! شیخ محمد عبدہ کے مذکورہ بیان کے مطابق قرآن مجید کی آیات کے مقابلہ میں رویت خدا کا نظریہ ضعیف ہے کیونکہ موصوف نے آیاتِ رویت (۷) کو قرآن مجید کی دیگر صریح آیات، کلماتِ عرب اور اقوال مفسرین سے تضعیف فرمایا ہے، لیکن جب یہی صاحب (محمد عبدہ) احادیث رویت کو دیکھتے ہیں تو انھیں صریح آیات کی تاویل شروع کر دیتے ہیں جن میں خدا کو دیکھنے سے منع کیا گیا ہے! فرماتے ہیں: رویت

---

(۱) فتح الباری ج۱۳، کتاب التوحید باب قولہ تعالی :" ان رحمۃ اللہ قریب من المسلمین"، ص ۳۶۵.

(۲) سورۂ انعام، آیت ۱۰۳ پ ۷.

(۳) سورۂ القیامۃ، آیت ۲۲، پ۲۹ .

(۴) سورۂ یٰسین، آیت ۴۹، پ۲۳ .

(۵) سورۂ اعراف، آیت ۵۳، پ۸.

(۶) تفسیر المنار، ج۹، فصل فی اختلاف المسلمین فی الرؤیۃ و کلام الرب ......، ص ۱۳۴ .

(۷) وہ آیات جن سے بظاہر دیدار خدا کا شبہ ہوتا ہے۔ مترجم.

خدا کے بارے میں اس قدر صحیح حدیثیں پائی جاتی ہیں کہ کسی کو دیدار خدا کے بارے میں شک کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی !!(۱)

خلاصہ یہ کہ عقیدۂ رویت خدا اہل سنت کے درمیان اس لئے پیدا ہوا کہ کتب صحاح میں اس موضوع پر متعدد احادیث پائی جاتی ہیں جو اہل سنت کی نظر میں صحیح ہیں اور یہی نہیں بلکہ جسم خدا اور تشبیہ خدا سے متعلق بھی احادیث ہیں جن کی ہم آئندہ تحقیق کریں گے، بہر حال یہی احادیث موجب بنی ہیں کہ خدا شناسی اور معرفت باری تعالیٰ کے بارے میں اہل سنت نے وہ راستہ اپنایا جو قرآن مجید کے مخالف ہے۔

جی ہاں! جب معمار کے ذریعہ عمارت کا سنگ بنیاد ہی ٹیڑھا رکھا جائے گا تو ہمیشہ اس عمارت میں اثر انحراف، اعوجاج اور کج باقی رہے گا۔

خشت اول چوں نہد معمار کج   تا ثریا می رود دیوار کج

کیا خواب میں دیدار خدا ہو سکتا ہے؟!

قارئین کرام! گزشتہ مباحث میں آپ نے رویت خدا کے بارے میں صحیحین کے ماننے والوں کا عقیدہ ملاحظہ فرمایا لہٰذا مناسب ہے کہ ہم یہاں پر آپ کی توجہ اس موضوع کی جانب مبذول کرائیں کہ اہل سنت حضرات دیدار خدا کے صرف عالم شہود ہی میں قائل نہیں ہیں بلکہ ان کی معتبر کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کو خواب میں بھی دیکھا جا سکتا ہے!! اس مدعیٰ کے اثبات کے لئے بہت سے افراد نے رسول اسلامؐ سے حدیثیں نقل کی ہیں کہ آپ نے خدا کو خواب میں دیکھا ہے!

اور اہل سنت نے اس نظریہ کی تبلیغ کے لئے موضوع دیدار خدا کو صرف رسول اسلامؐ ہی سے خاص نہیں رکھا ہے بلکہ اس عقیدہ کو مزید وسعت دی ہے یہاں تک کہ منصب نبوت سے گرا کر دیدار خدا میں بعض علمائے اہل سنت کو بھی شامل کر دیا ہے! کہتے ہیں کہ علمائے اہل سنت کے ایک گروہ نے خدا کو تنہا خواب میں دیکھا ہی نہیں ہے بلکہ اس سے محو گفتگو ہو کر اپنا درد دل بھی بیان کیا ہے!! اور پھر ان خوابوں کے بارے میں مشہور و معروف

(۱) تفسیر المنار ج ۹، فصل فی اختلاف المسلمین فی الرؤیة و کلام الرب ....، ص ۱۴۴ .

خواب کی تعبیر بیان کرنے والے علماء نے بہترین تعبیریں بھی نقل کی ہیں!! یہی نہیں بلکہ اس عقیدہ کے ماننے والوں نے ان لوگوں کے لئے جو دیدارِ خدا کے خواب میں مشتاق ہوں اس کے دیکھنے کیلئے نسخوں کی بھی راہنمائی فرمائی ہے۔(۱) : مثلاً اگر دو رکعت نماز ایک خاص طریقہ سے پڑھی جائے تو خواب میں خدا کا دیدار ہوسکتا ہے!(۲)

آخر کار اہل سنت کے مشہور مؤرخ جناب سہیلی صاحب ''کتاب روض الانف'' (متوفی ۵۸۱ھ) نے اس بارے میں ایک کتاب بھی لکھ ماری جس میں موصوف نے اپنے زعم ناقص میں اس مسئلہ کے بارے میں دقیق بحث کی ہے اور کہیں کہیں پر اس سے متعلق پیدا ہونے والے مختلف سوالوں کے جواب بھی قلمبند کئے ہیں! اس کتاب کا نام یہ ہے **''مسئلة رؤية اللّٰه فی المنام والنبیؐ''**(۳)

قارئین کرام! اب ہم مذکورہ موضوع سے متعلق مطالب تفصیل کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور فیصلہ آپ کے اوپر چھوڑتے ہیں۔

کیا رسولؐ نے خواب میں خدا کا دیدار کیا تھا؟!

امام ترمذی نے اپنی سنن میں اس موضوع سے متعلق چند حدیثیں نقل کی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے کئی مرتبہ عالم خواب میں خدا کو اس کی خوبصورت شکل کے ساتھ دیکھا اور اس سے محو گفتگو ہوئے!!

''......عن معاذ بن جبل؛ قال: احتبس عنّا رسول اللّٰه ذات غداة من صلوٰة الصبح حتیٰ کدنا نتراءی عین الشمس، فخرج سریعاً فثوب بالصلوٰة فصلیٰ رسول اللّٰه و تجوز فی صلوته فلما سلّم دعا بصوته، فقال: لنا علی مصافکم کما انتم ثم انفتل الینا فقال: أما انی سأحدثکم ما حبسنی عنکم الغداة انّی قمت من اللیل فتوضأت

(۱) دیدار خدا سے متعلق نسخہ جات اہل سنت کی کتب ادعیہ، اعمال اور وظائف میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ دیکھئے شمع شبستان رضا۔ مترجم

(۲) سنن دارمی، ج۱، ص۱۱۹۔ مترجم۔

(۳) مقدمۂ سیرۂ ابن ہشام، راقم : طٰہٰ عبدالرؤف، مطبوعہ: مصر ۱۳۹۱ھ۔

فصلیت ما قدر لی فنعست فی صلاتی فاستشقلت فاذا انا بربی تبارک و تعالی فی احسن صورة، فقال: یا محمد! قلت ربی لبیک! قال: فیم یختصم الملأالاعلیٰ؟ قلت لا ادری رب، قالها ثلاثا: قال: فرأیته وضع کفه بین کتفی قد وجدت بردانا مله بین ثدیی.“ (۱)

معاذ بن جبل کہتے ہیں: ایک روز رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز صبح میں تاخیر کی، نزدیک تھا کہ آفتاب نکل جاتا، اچانک آپ مسجد میں جلدی سے وارد ہوئے اور نماز ادا کرکے فرمایا: ابھی آپ لوگ اپنی اپنی جگہ سے حرکت نہ کریں، اس وقت رسولؐ اپنی تاخیر کی علت یوں بتلانے لگے: ”میں آج شب بھر بیدار رہا اور نمازیں ادا کرتا رہا، اچانک جب سویا تو کیا دیکھا کہ خدا حسین وجمیل شکل وصورت میں آیا اور کہتا ہے: اے محمد! میں نے کہا: لبیک یا ربی! خدا نے فرمایا: میرے مقرب ملائکہ کس چیز کے بارے میں نزاع کررہے ہیں؟ میں نے کہا: مجھے نہیں معلوم، اس کے بعد اس نے تین مرتبہ اس سوال کو دہرایا لیکن میں نے کہا مجھے نہیں معلوم، تو خدا نے اپنے ہاتھوں کو میری پشت پر رکھا اور فرمایا: اے محمدؐ!...... چنانچہ میں ابھی تک اس کے ہاتھوں کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں محسوس کررہا ہوں۔

تائید بخاری : ترمذی مذکورہ حدیث نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

یہ حدیث صحیح اور حسن ہے کیونکہ جب میں نے اس حدیث سے متعلق امام بخاری سے پوچھا تو آپ نے بھی میری تائید میں فرمایا: یہ حدیث صحیح ہے۔ (۲)

علمائے اہل سنت اور خواب میں خدا کا دیدار!!

۱) حافظ ابن عربی مالکی :۔ (متوفی ۵۴۳ھ) آپ اپنی شرح سنن ترمذی میں مذکورہ حدیث کی تائید کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں:

(۱) سنن ترمذی، تفسیر سورہ ص، آیت نمبر ۵۔

(۲) ترمذی شریف ج۵، کتاب تفسیر القرآن، تفسیر سورہ صٓ، ص ۳۹، حدیث ۳۲۳۳۔

استاد الزہاد جناب ابو اسحاق اسفرائینی نے خدا کو ایک مرتبہ خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا: اے خدا! میں تیس یا چالیس سال سے تجھ سے توبہ قبول کرنے کی دعا کر رہا ہوں، کیا ابھی تک میری توبہ قبول نہیں ہوئی ہے؟!

خدا نے فرمایا: اے ابو اسحاق! تو نے مجھ سے ایک اہم شئے مانگی ہے کیونکہ تو میری محبت اور دوستی چاہتا ہے۔(۱)

۲)امام احمد بن حنبل :۔ شعرانی، ابن جوزی اور شبلنجی نے احمد بن حنبل سے نقل کیا ہے:

میں (احمد بن حنبل) نے خدا کو خواب میں دیکھا تو میں نے اس سے پوچھا: اے خدا! تجھ سے تقرب کا سب سے بہترین وسیلہ کیا ہے؟ فرمایا: ہمارا کلام ہے، میں نے کہا: فہم وادراک کے ساتھ یا بغیر فہم وادراک کے؟ فرمایا: دونوں کے ساتھ!

"وكان يقول :رأيت رب العزة في المنام فقلت ، فقلت ما افضل ما تقرب به المتقربون اليک فقال كلامي يا احمد ! فقلت بفهم او بغير فهم" (۲)

۳)آلوسی بغدادی (متوفی ۱۲۷۰ھ):۔ آپ کہتے ہیں:

میں خدا کا شکر گزار ہوں کہ ساری عمر میں اس نے مجھے تین مرتبہ اپنا دیدار کرایا اور آخری مرتبہ میں نے ۱۲۴۶ھ میں دیکھا، جبکہ اس کے اردگرد ایک نورانی ہالہ تھا اور وہ مشرق کی جانب متوجہ تھا اور چند جملے بھی اس نے مجھ سے بیان فرمائے لیکن جب میں بیدار ہوا تو ان کو بھول گیا!(۳)

---

(۱) عارضة الاحوذی، جلد ۲، تفسیر سوره صٓ، ص ۳۱۰.

(۲) الطبقات الكبرى (المسماة بلواقح الانوار في طبقات الاخيار)، ابی المواهب عبد الوهاب بن احمد بن علی الانصری الشافعي المصری المعروف بالشعرانی (دسویں صدی کے عالم دین)، ج ۱، حالات احمد بن حنبل، نمبر ۹۴، ص ۵۴، مطبوعه: دار العلم، مصر ۱۳۱۶ھ.
شعرانی کی دوسری کتاب بھی مذکورہ کتاب کے حاشیہ پر شائع ہوئی ہے جس کا نام الانوار القدسیہ فی بیان آداب العبودیۃ، ہے۔
مناقب احمد بن حنبل ص ۴۳۴، مصنفه جوزی، نور الابصار ص ۲۲۵ شبلنجی.

(۳) تفسیر روح المعانی ج ۹، ص ۴۶.

مذکورہ خوابوں کی تعبیر!!

دارمی اپنی کتاب سنن میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں:

''رسول اکرم ﷺ نے خدا کو خواب میں دیکھا تھا'' اس خواب کی تعبیر کے بارے میں ابن سیرین سے جن کا شمار مشہور و معروف خواب کی تعبیر بیان کرنے والوں میں ہوتا ہے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص بھی خدا کو خواب میں دیکھے وہ بہشت میں داخل ہوگا۔(۱)

خدا کو خواب میں دیکھنے کا ایک بہترین نسخہ!!

اہل سنت والجماعت کے بزرگ علماء اور محدثین؛ ابن عباس سے نقل کرتے ہیں:

جو شخص روز جمعہ نماز ظہر وعصر کے درمیان دو رکعت نماز پڑھے گا اور رکعتِ اول میں سورۂ **الحمد** کے بعد ایک مرتبہ **آیۃ الکرسی** اور ۲۵ رمرتبہ **قل اعوذ برب الفلق** پڑھے اور دوسری رکعت میں سورۂ **الحمد** اور سورہ **توحید** کے بعد ۲۵ رمرتبہ **قل اعوذ برب الناس** پڑھے اور سلام کے بعد ۵۰ رمرتبہ **لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم** کہے، تو وہ دنیا سے نہیں جائے گا مگر یہ کہ وہ خدا کو خواب میں دیکھ لے!!

اس حدیث کو علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب "**اللئالی المصنوعہ**" میں تحریر کیا ہے۔(۲)

اور ابن جوزی نے بھی اپنی کتاب "**الموضوعات**" میں ابوطالب مکی اور ابوحامد غزالی سے نقل کیا ہے، لیکن اس حدیث کے ذیل میں تحریر کیا ہے کہ یہ حدیث جعلی اور من گھڑت ہے، کیونکہ اس کے سلسلۂ سند میں مجہول الحال افراد واقع ہیں۔(۳)

تعجب یہ ہے کہ ابن جوزی نے اس حدیث کے متن میں کوئی اعتراض نہیں کیا، گویا ان کی نظر میں اس کا متن مسلمات سے ہے صرف اسناد میں اعتراض کیا ہے یعنی اس حدیث کے راوی مجہول الحال ہیں۔

---

(۱) سنن دارمی ج۲، کتاب الرؤیا باب فی رؤیۃ الرب تعالی فی النوم، ص ۱۲۶.

(۲) اللئالی المصنوعۃ ج۱، ص ۵۲، ج۲، ص ۱۱۹.

(۳) الموضوعات جلد ۲، باب ذکر صلوات ......، (صلاۃ الجمعۃ) ص ۱۱۹ .

رویت خدا؛ شیعہ رہنماؤں کی نظر میں

شیعوں کے پیشوا کیا کہتے ہیں؟!

چونکہ خاندان رسالت یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ دیدار خدا دنیا وآخرت میں محال ہے، لہٰذا شیعہ بھی اپنے رہنماؤں کی تعلیم وتربیت کے مطابق خدا کا دیدار دونوں جہان میں محال سمجھتے ہیں اور خدا کو اس بات سے بلند وبالاتر جانتے ہیں کہ وہ بھی دیگر اجسام کی مانند مثل آفتاب ومہتاب...دیکھا جاسکے اور ہماری آنکھوں کی روشنی اس کے جسم کے اوپر منعکس ہوسکے، یہ ہے خاندان رسالت کا خدا کے دیدار کے بارے میں مختصر نظریہ؛ جسے ہم نے آپ کے سامنے پیش کیا اور دیدار خدا کے بارے میں خاندان رسالت کے نظریہ پر اعتماد کرنا ضروری ہے، کیونکہ روز قیامت خاندان عصمت وطہارت کے علاوہ کسی کی مجال نہیں کہ وہ حضرت حق تعالیٰ کے حضور کلام اور شفاعت کرے، فقط اہل بیت علیہم السلام ہیں جن کی بات کو خدا قبول کرے گا، یہی وہ ہستیاں ہیں جن کو خدا نے ہر رجس اور پلیدی سے پاک، ہر لغزش، انحراف اور گزاف گوئی سے مبرا ومنزہ قرار دیا ہے، چنانچہ سورہ احزاب آیت ۳۳ میں ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْراً﴾(۱)

بیشک اللہ کا ارادہ ہے کہ اے اہل بیت! تم سے ہر قسم کے رجس کو دور رکھے اور تمہیں پاک رکھے اس طرح سے جو پاک رکھنے کا حق ہے۔

اسی طرح رسول خداؐ نے اہل بیت کو قرآن کا ہم پلہ قرار دیا ہے، ارشاد فرمایا:

"انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللّٰہ وعترتی اهل بیتی ما ان تمسکتم بهما لنتضلوا بعدی ولن یفترقا حتیٰ یردا علیّ الحوض"

اے لوگو! میں تمھارے درمیان دوگراں قدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں ایک کتاب خدا سے اور دوسرے میری عترت جو میرے اہل بیتؑ ہیں، اگر تم نے ان سے تمسک کیا تو گمراہی سے محفوظ

---

(۱) سورہ احزاب آیت ۳۳۔

رہو گے اور یہ دونوں چیزیں کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گی یہاں تک کہ یہ دونوں ساتھ ساتھ ہمارے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں گی ۔

رویتِ خدا کا محال ہونا وہ مطلب ہے جس پر اہل تشیع نے قرآن کے ذریعہ محکم دلائل قائم کئے ہیں اوراس کے علاوہ محققین و متکلمین شیعہ علماء نے بھی بہت سی عقلی دلیلیں قائم کی ہیں، جن کا علمائے اہل سنت آج تک جواب دینے سے قاصر رہے ہیں، نیز اس عقیدہ کی تائید میں ائمہ اطہار کی روایات بھی دلالت کرتی ہیں، چنانچہ درج ذیل دلائل عقلی ونقلی (قرآن وحدیث) آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

عدم دیدار خدا پر عقلی اور فلسفی دلائل

دلیل اول

فلاسفہ کہتے ہیں کہ کسی شئے کو آنکھوں سے دیکھنے کی دو شرطیں ہیں:

۱۔ پہلی شرط یہ ہے کہ وہ ''شے مرئی'' جہت وطرفِ معین میں واقع ہو اور شے مرئی (وہ شئے جو دیکھی جارہی ہے) اور دیکھنے والے کے درمیان ایک معین فاصلہ ہو، اگر یہ فاصلہ اس معین حد سے کم یا زیادہ ہو تو وہ شے نہیں دیکھی جاسکتی۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ شے مرئی کے درمیان اور دیکھنے والے کے درمیان مقابلہ ومحاذات ہو یعنی شئے مرئی، دیکھنے والے کے محاذات اور مقابل میں ہو۔

اگر ان شرائط کو مدنظر رکھا جائے تو رویتِ خدا ناممکن امر ہے، اس لئے کہ خدا کو ہم کسی جہت اور معین مکان میں محدود نہیں کر سکتے، کیونکہ خدا لامحدود ذات کا نام ہے، اسی طرح نہ ہی خدا اور دیکھنے والے بشر کے درمیان فاصلہ، مسافت، محاذات اور مقابلہ معقول اور متصور ہے، کیونکہ فاصلہ، محاذات، جہت اور مکان کا لازمہ یہ ہے کہ خدا جسم، مکان اور محل رکھتا ہو اور یہ سب خدا کیلئے محال ہیں۔

دوسری دلیل

اگر خدا کا دیکھنا ممکن ہوا تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ خدا محدود اور مرکب ہے!

توضیح : اگر خدا کا دیکھنا ممکن ہوا تو اس صورت میں یا تو ہماری آنکھیں اس کے تمام وجود کو دیکھیں گی یا اس کے بعض وجود کو؟ دونوں ہی صورتیں غلط ہیں، کیونکہ اگر ہماری آنکھوں نے اس کے تمام وجود کو دیکھا تو اس کا لازمہ یہ ہوگا کہ اس کا وجود ایک خاص مکان میں محدود ہوگا اور بقیہ نقاط اور علاقے اس کے وجود سے خالی ہوں گے، کیونکہ انسان کی نگاہ محدود ہے تمام نقاط پر محیط نہیں، صرف اسی قدر دیکھ سکتی ہے جو اس کے سامنے ہو، لہٰذا اگر اس کی نگاہ کے سامنے تمام وجودِ خدا آ گیا تو گویا خدا کا وجود محدود ہو گیا، اور جہاں جہاں انسان کی نگاہ نہیں ہے وہ تمام نقاط وجودِ خدا سے خالی ہوں گے! اور یہ کہنا کہ خدا کے وجود سے بہت سے مکان خالی ہیں اس سے واضح فساد پیدا ہوتا ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ صرف انسان کی آنکھیں خدا کے اتنے ہی وجود کو دیکھ سکتی ہیں، جو اس کے محاذات میں واقع ہو، کیونکہ انسان کی بصارت محدود ہے، تمام وجود کو نہیں دیکھ سکتی، تو اس کا لازمہ یہ ہوگا کہ وجود خدا اجزا اور ترکیب رکھتا ہے اور جسے انسان کی آنکھیں دیکھ رہی ہیں اتنا خدا کا وجود ایک معین جگہ کو احاطہ کئے ہوئے ہے!! یہ ساری باتیں خدا کیلئے محال ہیں، کیونکہ نہ خدا محدود ہے اور نہ اس کا وجود ایسا ہے کہ ایک جگہ ہو اور بقیہ جگہ اس سے خالی ہو اور نہ وجود خدا مرکب ہے! مزید یہ کہ جو شئے دیکھی جاتی ہے وہ لون (رنگ) رکھتی ہے اور وجودِ خدا الوان (رنگ) سے مبرا ہے، پس ہماری اس وضاحت سے ثابت ہو گیا کہ خدا کی رویت محال ہے۔

مزید معلومات کیلئے شرح تجرید علامہ حلی، قوشچی اور علم کلام کی دیگر کتابیں دیکھئے۔(۱)

---

(۱) اضافہ مترجم:

قائلین رویت کی بھونڈی تاویلیں

قائلین رویتِ خدا جب اس عقلی شکنجہ میں پھنستے ہیں تو الٹی سیدھی تاویلیں کرنے لگتے ہیں کہ خدا کا ⇦

⇦ ۱۔احمد بن حنبل اور شیخ اشعری کہتے ہیں:
دیدار فقط اس دنیا میں محال ہے، ورنہ وہ مومنوں کو آخرت میں دکھائی دے گا بقولے! اگر وہ اس دنیا میں دکھائی دیتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر لن ترانی کی بجلیاں نہ گرتیں.
(مقالات الاسلامیین ص ۳۲۲، والرد علیٰ زنادقہ منسوب بہ احمد بن حنبل)

۲۔علامہ سعد الدین تفتازانی کہتے ہیں:
اہل سنت حضرات کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا آخرت میں مومنین کو دکھائی دے گا، مگر اس کی رویت جہت، مکان اور مقابلہ سے مبرا ہوگی اس کے بعد سعد الدین تفتازانی کسیشے کی شناخت کے لئے تین مرحلہ بیان کرتے ہیں: عقلی، خیالی اور حسی، مثلاً انسان کبھی آفتاب کی صرف حد ورسم کے ذریعہ شناخت کرتا ہے، اسے عقلانی شناخت کہتے ہیں، لیکن جب وہ اس سورج کو دیکھ کر آنکھیں بند کرلے تو یہ شناخت خیالی ہے، لیکن جب اس نے آنکھیں اس سورج کی طرف کر دیں اور بند نہ کیں، تو اس کو رویت حسی کہتے ہیں، بحث ہماری یہ ہے کہ کیا حسی طریقہ سے خدا کو دیکھا جا سکتا ہے؟ علامہ تفتازانی کی کوشش یہ ہے کہ وہ رویت خدا کو ثابت کریں مگر آثار جسمی نہ ہوں، جیسے جہت ومکان، تقابل وغیرہ، یعنی خدا میں آثار جسمی نہ ہوں اور رویت خدا ممکن ہو۔شرح مقاصد ج۲، ص۱۱۱.
جواب:۔عقل حیران ہوتی ہے ایسی ایسی تاویلیں دیکھ کر! آخر یہ کس قسم کا دیکھنا ہے کہ دیکھنے والے کے درمیان تقابل نہ ہو اور شئے مرئی (دکھائی دینے والی شئے) مکان وجہت بھی نہ رکھتی ہو اور پھر بھی انھیں حسی آنکھوں سے دیکھا جائے؟!!
جب کہ رویت کے لئے مسلمہ مسئلہ ہے کہ اس کے لئے چند شرائط ہیں (۱) حس کی بینائی سالم ہو (۲) رائی (دیکھنے والے) اور مرئی (دکھائی دینے والی شئے) کے درمیان مقابلہ ہو (۳) شئے مرئی (دکھائی دینے والی شئے) زیادہ دور اور نزدیک نہ ہو (۴) دیکھنے والے اور شئے مرئی کے درمیان کوئی شئے حائل نہ ہو (۵) شئے مرئی رنگ دار ہو (۶) دیکھنے کے لئے کافی نور پایا جاتا ہو، جب یہ تمام شرائط پائے جائیں گے تب رویت ممکن ہے اور خدا کے لئے مذکورہ شرائط باعث نقص وعیب ہیں لہٰذا رویت باری تعالیٰ ناممکن امر ہے۔
اس دام سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لئے کچھ لوگوں نے کہا: اس دنیا میں رویت کے لئے مکان، جہت اور مقابلہ ضروری ہے، مگر آخرت میں ان چیزوں کی ضرورت نہیں، بلکہ وہاں کے احکام جداگانہ ہیں۔
اس بہانہ اور سفسطہ سے انسان ایک شخص کو چند لحوں کیلئے خاموش تو کرسکتا ہے لیکن جو عقل سلیم رکھتا ہوگا وہ کبھی بھی تسلیم نہ کرے گا، کیونکہ جب رویت کے لئے مذکورہ شرائط عند العقلاء مسلم الثبوت ہیں تو یہ شرائط جگہ بدلنے سے بدلا نہیں کرتے، یہ تو بس ایسا ہی ہے کہ جیسے ۲۔۲، چار اس دنیا میں ہوتے ہیں مگر آخرت میں ۲ اور ۲=۵ ہوں گے!! قربان جاؤں ایسی منطق پر!! ایک صاحب نے کہا کہ دیدار خدا سے چوں کہ امر محال لازم نہیں آتا لہٰذا دیدار خدا روز قیامت ممکن ہے۔ ⇦

....

⇐ دلیل: کیونکہ رویت خدا اس کے وجود کے لئے حادث ہونے کو ثابت نہیں کرتی اور نہ ہی اس سے تشبیہ و تجسیم لازم آتی ہے اور نہ ہی اس سے خدا کی طرف ظلم و کذب کی نسبت ثابت ہوتی ہے اور اگر دیدار اس کے وجود کے حادث ہونے پر دلالت کرتا تو ہر موجود حادث دیکھا جا سکتا تھا حالانکہ ایسا نہیں اسی طرح تشبیہ و تجسیم۔

کتاب اللمع شیخ اشعری ص ۶۱۔۶۱

جواب: دیدار خدا دونوں اعتبار سے قابل اشکال ہے کیونکہ دیدار مستلزم ہے کہ جو شئے دیکھی جائے (شئے مرئی) وہ حادث ہو، پس رویت مستلزم حدوث مرئی ہے اور آپ نے جو ملازمہ قائم کیا ہے کہ ہر شئے حادث کا لازمہ ہے کہ وہ دیکھی جاتی ہو یہ غلط ہے، کیونکہ ملازمہ ایک طرف سے ہے نہ کہ دونوں طرف سے یعنی قابل دید شئے حادث ہوتی ہے نہ کہ ہر شئے حادث مرئی ہوتی ہو، قائلین رویت کا جب یہ بہانہ بھی کارگر نہ ہوا تو ایک دوسری چال چلی، وہ یہ کہ شیخ اشعری کہتے ہیں: رویت خدا امکان پذیر ہے مگر عادت اور سنت خدا یہ رہی ہے کہ رویت واقع نہ ہو۔ یہ سارے بہانے انھیں روایات اور ان کی غلط تفسیر کی بنا پر ہیں جن کو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، مزید یہ کہ اگر آپ اس کی جڑ تلاش کریں گے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ یہ عقائد صدر اسلام میں نہ تھے بلکہ اہل کتاب نے ایک سازش کے تحت ان عقائد کو آہستہ آہستہ اسلام میں داخل کیا ہے اور اسلام کے نام نہاد، علماء نے ان عقائد کو جزء اسلام قرار دے دیا اور تائید میں آیات و روایات کی غلط تفسیریں کرنے پر تل گئے۔ چنانچہ مناسب ہے کہ ہم ذیل میں رویت خدا کے بارے میں اہل کتاب کے عقائد پیش کر دیں تاکہ واضح ہو جائے کہ اسلام میں ان عقائد کا داخل ہو جانا اصل میں انھیں لوگوں کی کاوشوں اور سازشوں کا نتیجہ ہے۔

رویت خدا اور اہل کتاب کے عقائد:

۱۔ کتاب اشعیا میں مرقوم ہے: اشعیا نبی نے کہا: میں نے خدا کو دیکھا جو ایک بلند تخت پر بیٹھا ہوا تھا، میں نے کہا: وائے ہو مجھ پر میری آنکھیں بادشاہ سپہ دار کو دیکھ رہی ہیں! کتاب الاشعیا۔۶۔۱۔۶

۲۔ جناب دانیال نبی سے منقول ہے: میں نے دیکھا کہ ایک تخت بچھا ہوا ہے اور خدائے قدیم اس پر بیٹھا ہے، اس کا لباس برف کی طرح سفید ہے اور اس کے سر کے بال صاف ستھرے ریشم کی طرح تھے اور اس کا تخت نوری شعاعوں کا تھا۔ دانیال ۷!۹

۳۔ میں اس کی صورت کی طرف برابر دیکھ رہا ہوں! مزامیر داؤد ص ۱۷۔۱۵

۴۔ جناب سلیمان نبیؑ اپنے پروردگار پر ناراض ہو گئے، کیونکہ ان کا دل خدا سے برگشتہ ہو گیا تھا، اسرائیل نے اپنے خدا کو دو دفعہ دیکھا۔ ملوک اول ص ۱۱

۵۔ میں نے خدا کو دیکھا جو اپنے تخت پر بیٹھا تھا اور اس کے تمام سپاہی اس کے اردگرد کھڑے تھے! ملوک اول ص ۲۲۔

(عرض مترجم تمام شد)

عدمِ دیدارِ خدا پر قرآنی دلائل

قرآن مجید کی متعدد آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ رویت خدا دنیا و آخرت دونوں جگہ محال ہے ملاحظہ ہوں:

۱۔ ﴿لَاتُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِیفُ الْخَبِیرُ﴾(۱)

اس کو آنکھیں دیکھنے اور درک کرنے سے قاصر ہیں اور وہ آنکھوں کو درک کرتا ہے اور وہ لطیف و خبیر ہے۔

شیعوں کے مشہور مفسر قرآن مرحوم علامہ طبرسی تحریر فرماتے ہیں:

جب مادہ ٔادراک بصر کے ساتھ ذکر ہو تو ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ آیہ مذکورہ میں استعمال ہوا ہے، لہٰذا اگر کوئی کہے: (**ادرکته ببصری وما رأیته**) میں نے اس کو آنکھوں سے درک کیا لیکن اس کو نہیں دیکھا تو غلط ہوگا، کیونکہ جب ادراک کے معنی یہاں دیکھنے کے ہیں تو "**ما رأیتهٗ**" کہنا ہی غلط ہے (کہ جس کے معنی نہیں دیکھنے کے ہیں)۔(۲)

۲۔ ﴿وَاِذْ قَالَ مُوسیٰ لِقَوْمِهِ یَا قَوْمِ اِنَّکُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَکُمْ بِاتِّخَاذِکُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا اِلیٰ بَارِئِکُمْ فَاقْتُلُوا اَنْفُسَکُمْ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَکُمْ عِنْدَ بَارِئِکُمْ فَتَابَ عَلَیْکُمْ اِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیمُ ☆ وَاِذْ قُلْتُمْ یَا مُوسیٰ لَنْ نُؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْکُمُ الصَّاعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُونَ﴾(۳)

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے لوگو! تم نے گوسالہ کی پرستش کر کے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، لہٰذا خدا کی بارگاہ میں توبہ کرو اور وہ یہ ہے کہ اپنے کو قتل کر ڈالو، یہی عمل تمہارے لئے خدا کے نزدیک بہتر ہے، پس خدا نے تمہاری توبہ کو قبول کرلیا، وہی وہ ذات ہے جو رحیم اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا کہ ہم خدا پر ایمان نہیں لائیں گے مگر دیکھ کر! پس ان پر بجلی گری اور ہلاک کر ڈالا اور تم یونہی دیکھتے رہے۔

---

(۱) سورۂ انعام آیت نمبر ۱۰۳۔

(۲) مجمع البیان جلد ۴، ص ۱۲۶۔

(۳) سورۂ بقرہ، آیت ۵۴، ۵۵۔

مذکورہ دونوں آیات جو باہم ایک دوسرے سے متصل ہیں، اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ دیدارِ خدا محال ہے، کیونکہ پہلی آیت [۵۴] میں ان لوگوں کے عذاب کا صراحت کے ساتھ تذکرہ ہے جنھوں نے گوسالہ پرستی کو اپنا آئین قرار دیا اور ان کی توبہ قبول کرنے کو اس شرط پر موقوف کیا ہے کہ وہ خودکشی (ایک دوسرے کو قتل) کریں۔

دوسری آیت [۵۵] نے ان لوگوں کی سزا کو بیان کیا ہے جنھوں نے اپنے پروردگار کو دیکھنے کی خواہش کی اور ان لوگوں پر آسمان سے بجلی گری۔

پس ان دونوں آیتوں سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ صرف گوسالہ پرستی ہی موجب کفر، ارتداد، عقوبت اور عذاب نہیں بلکہ جس نے خدا کو دیکھنے کی خواہش کی وہ بھی گوسالہ پرستوں کی مانند مجرم اور آسمانی عذاب کا مستحق ہے۔

اور یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ جس جگہ قرآن مجید میں اس موضوع (بنی اسرائیل کی جانب سے رویت خدا کی خواہش) کو ذکر کیا گیا ہے وہاں قدرت نے ایسے جملے استعمال کئے ہیں جن سے اس گناہ (دیدار خدا کی خواہش) کی سنگینی کا پتہ چلتا ہے چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿یَسْئَلُکَ اَهْلُ الْکِتَابِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْهِمْ کِتَاباً مِنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسیٰٓ اَکْبَرَ مِنْ ذٰالِکَ فَقَالُوا اَرِنَا اللهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰاعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ﴾ (۱)

(اے رسول!) اہل کتاب تم سے سوال کرتے ہیں: تم آسمان سے ان پر کوئی کتاب نازل کر دو، تو موسیٰ سے تو انھوں نے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا اور کہا: خدا کو ہمیں کھلم کھلا دکھلا دو، پس ان پر اسی ظلم کے سبب بجلی گری تھی۔

اور دوسری جگہ یوں فرماتا ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِینَ لاٰیَرْجُونَ لِقَآئَنَا لَوْلآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْمَلآئِکَةُ اَوْنَریٰ رَبَّنَا لَقَدِ اسْتَکْبَرُوْا فِیٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْعُتُوًّا کَبِیرًا﴾ (۲)

---

(۱) سورۂ نساء، آیت نمبر ۱۵۳، پ ۶.

(۲) سورۂ فرقان، آیۃ ۲۱، پ ۱۹.

اور جو لوگ (قیامت میں) ہماری ملاقات کا یقین نہیں رکھتے کہا کرتے ہیں: آخر فرشتے ہمارے لئے کیوں نہیں نازل کئے گئے، یا ہم اپنے پروردگار کو کیوں نہیں دیکھ سکتے؟ ان لوگوں نے اپنے جی میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ لیا ہے اور بڑی سرکشی کی ہے۔

پس اگر دیدارِ خدا ممکن ہوتا تو پھر ان آیات میں دیدار کا تقاضہ کرنے والوں کو مستکبر، متجاوز اور سرکش نہ کہا جاتا، لہٰذا جو لوگ اس بات کے قائل ہیں: ''خداوند متعال اپنے بندوں کو روز قیامت سب سے عمدہ اور لذت آمیز جو نعمت عنایت کرے گا وہ اپنے جمال کی زیارت ہے''!! ان کے لئے ان آیات کی توجیہ کیسے ممکن ہے؟!

بہر حال قرآن مجید میں متعدد آیات ہیں جو عدم دیدارِ خدا پر دلالت کرتی ہیں، ہم نے صرف چند آیات کو نمونہ کے طور پر پیش کیا ہے، بقیہ آپ کی صوابدید پر چھوڑتے ہیں۔(۱)

---

(۱) آیہ ﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ ...﴾ پر ایک تحقیقی نظر (مترجم)

علمائے اہل سنت آیات ذیل سے استدلال کرتے ہیں کہ خداوند متعال بروز قیامت مومنین کو اپنا دیدار کرائے گا۔

﴿كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ☆ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ☆ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ☆ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ☆ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ☆ تَظُنُّ أَنْ يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ﴾ (سورۂ قیامت آیہ ۲۰ الیٰ ۲۵، پ ۲۹)

ترجمہ:۔ ہرگز نہیں (عذر بیکار ہے) بات یہ ہے کہ تم لوگ دنیا کو پسند کرتے ہو، روز آخرت کو چھوڑے بیٹھے ہو، کچھ چہرے تو اس دن چمکتے ہوں گے اور اپنے پروردگار (نعمتوں) کی طرف دیکھتے ہوں گے اور کچھ چہرے اس دن اداس ہوں گے اور یہ گمان کرتے ہوں گے کہ کمر توڑنے والی مصیبت ہم پر پڑے گی۔

مسلمانوں کے بعض گروہ نے متذکرہ آیات میں کلمہ ناظر بمعنی دیکھنے کے مراد لئے ہیں اور ایک گروہ نے اس کی رد کی ہے، وہ کہتا ہے: یہاں ناظر بمعنی انتظار کے ہیں، بہر کیف ہر ایک نے اپنے اپنے مدعا کے اثبات کے لئے آیات، روایات اور اشعار عرب پیش کئے ہیں۔

آیۃ ا...... جعفر سبحانی دام ظلہ العالی اپنی کتاب ''فرہنگ و مذاہب اسلامی'' ص ۱۶۷، میں تحریر کرتے ہیں:

اگر ناظر کو دیکھنے کے معنی میں استعمال کیا جائے تب بھی یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ ہم خدا کو بروز قیامت اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے، کیونکہ دیکھنا بھی کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے، مثلاً میں مثال کے طور پر یہ بات کہوں: میں اپنے دوست کو بارہا اسی سڑک سے گزرتے ہوئے دیکھتا ہوں۔

اس مثال میں آنکھ سے دیکھنا مراد ہے اور اگر ایک سرکاری ملازم کہے: میں ہمیشہ اوپر والے حاکم کو دیکھ کر کام کرتا ہوں، تو یہاں آنکھ سے دیکھنا مراد نہیں ہے، بلکہ اپنے کو غیر مستقل ظاہر کرتا ہے، یعنی وہ سرکاری ملازم کام کرنے میں غیر کا تابعدار ہے، جب تلک اس کے حاکم کا آڈر نہ ہو، وہ اپنا کام نہیں کرسکتا، اسی طرح اس عرب کے شاعر نے دیکھنے سے مراد رحمت و لطف پروردگار کی طرف نظر کرنا لیا ہے، جس کا نتیجہ خدا کے فضل کا انتظار کرنا ہوتا ہے۔

وُجُوهٌ نَاظِرَاتٌ يَوْمَ بَدْرٍ إِلَى الرَّحْمٰنِ يَاتِي بِالْفَلَاحِ ⇐

⇦ کچھ چہرے جنگ بدر میں ایسے تھے جو اپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے تھے تا کہ (ان کا پروردگار انھیں) فلاح ونجات عنایت کرے.
اسی طرح اس شعر میں بھی شاعر نے بمعنی فضل ونعمت کا انتظار مراد لیا ہے: ؎

انی الیک لما وعدت لناظر ☆ نظیر الفقیر الیٰ الغنی المؤسر

میں تیری اس چیز کی طرف دیکھ رہا ہوں جس کا تو نے وعدہ کیا تھا (اور یہ میرا دیکھنا ایسا ہے جیسے) کوئی فقیر ثروتمند اور تو انگر کی طرف دیکھے. اسی طرح اس شعر میں نظر سے مراد لطف ورحمت کی طرف نظر کرنا مراد ہے نہ کہ ذات کی طرف نظر کرنا مراد لیا ہے.

اذانظرت الیک من ملک ☆ ولبحر دونک زدنی نعما

اے بادشاہ! جس وقت میں تیری طرف دیکھتا ہوں تو دریا اور سمندر کی سخاوت تیری داد ودہش کے سامنے کمتر معلوم ہوتی ہے۔
بہر حال ناظر کے معنی دیکھنے کے ہوں یا انتظار کرنے کے اس سے مسئلہ حل ہونے والا نہیں ہے، اگر آپ خود آیت کے سیاق وسباق کو دیکھ کر معنی کریں گے تو بات بالکل واضح ہو جائے گی، میں کہتا ہوں: ناظر کے معنی یہاں دیکھنے کے ہی ہیں، مگر ہر دیکھنا جسمانی دیکھنا نہیں ہوتا، بلکہ موقع ومحل سے دیکھنے کے معنی بدل جاتے ہیں، جیسا کہ گزشتہ مثالوں میں آپ نے ملاحظہ فرمایا! اگر آپ چاروں آیتوں کو ایک دوسرے سے ملائیں اور ربط پیدا کریں تو فوراً معنی سمجھ جائیں گے، یعنی آیہ اول کو آیہ سوم کے مقابل رکھیئے اور آیہ دوم کو آیہ چہارم کے مقابل رکھیئے، تب معنی بالکل صاف ہو جائیں گے.

۱) ﴿وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ...... ۳) وَوُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ﴾
۲) ﴿اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ......... ۴) تَظُنُّ اَنْ یُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ﴾

۱) کچھ چہرے روز قیامت خوشحال ہوں گے، ۳) اور کچھ چہرے روز قیامت غمگین ہوں گے۔
(یعنی دو قسم کے افراد روز قیامت ہوں گے) (۲) پہلا گروہ خدا کی طرف سے رحمت وفضل کا منتظر ہوگا (۴) اور دوسرا گروہ اپنے عذاب وسزا کا منتظر ہوگا۔ اگر اہل سنت والجماعت کے اعتبار سے معنی کئے جائیں تو یہ ہوں گے: (۱) پہلا گروہ خوشحال ہوگا (۲) اور خدا کی صورت کی طرف دیکھ رہا ہوگا (۳) اور دوسرا گروہ غمگین ہوگا (۴) اور عذاب کا منتظر ہوگا، اس جگہ نظر سے مراد اس کے رحم وفضل اور عذاب کی طرف دیکھنا ہے، جس سے اس کی رحمت وفضل اور عذاب کا انتظار کرنا مراد ہے۔
اولاً: اس طرح معنی میں ایک خامی لازم آتی ہے وہ یہ کہ جب دوسرا گروہ عذاب وکیفر کا منتظر ہوگا تو لازماً گروہ اول کی جزاء خدا کی صورت دیکھنا تو ہے نہیں بلکہ اس دوسرے گروہ کی برعکس والی جزا ہونا چاہیئے اور وہ فضل اور نعمت سے نوازنا ہے، اس طرح آیتوں کے معنی میں ہم آہنگی، ربط اور انسجام برقرار نہیں رہتا، کیونکہ خدا کا مقصد یہاں اپنی صورت نمائی نہیں کرنا ہے، بلکہ بتلانا یہ ہے کہ جو لوگ ایمان نہیں رکھتے، وہ مایوس ہوں گے اور دردناک عذاب کے منتظر ہوں گے اور جو لوگ ایمان رکھتے ہوں گے وہ خوشحال اور فضل ورحمت الٰہی کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔
ثانیاً: آیت میں لفظ ''عیون'' کے بجائے ''وجوہ'' آیا ہے، یعنی کچھ چہرے خوشحال اور خدا کی طرف دیکھ رہے ہوں گے اگر خدا کو دیکھنے کے معنی اخذ کرنا ہوتے تو لفظ ''عیون'' استعمال کرتا، کیونکہ دیکھا آنکھوں سے جاتا ہے نہ کہ چہرے سے.

(عرض مترجم تمام شد).

عدم دیدار خدا پر احادیث سے دلائل

۱) حدیث اول

من كلام له (عليه السلام) وقد سأله ذِعلبُ اليماني، فقال: هل رأيت ربك يا امير المومنينٌ؟ فقال: أفاعبد مالا ارى؟ قال: و كيف تراه؟ قال: لاتدركه العيون بمشاهدة العيان، ولكن تدركه القلوب بحقائق الايمان...... (۱) (۲)

ذعلب یمانی نے حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا: اے امیر المومنین! کیا آپ نے خدا کو دیکھا ہے؟ امام نے فرمایا: کیا میں ایسے خدا کی عبادت کرتا ہوں جس کو دیکھا نہ ہو؟ پھر ذعلب نے سوال کیا: اے مولا! آپ نے کیسے خدا کو دیکھا ہے؟ فرمایا: خدا ان ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا بلکہ اس کو قلوب حقائق ایمانی کے ساتھ دیکھتے ہیں۔

۲) حدیث دوم

وسئل الامام الصادق؛ هل يرىٰ الله فى المعاد؟ قال: سبحانه تبارك و تعالىٰ عن ذالك علوا كبيرا، ان الابصار لايدرك الا ماله لون و كيفية والله خالق الالوان والكيفية. (۳)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا: کیا خدا کو روز قیامت دیکھا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: خداوند متعال ان باتوں سے منزہ و بلند و بالاتر ہے کہ وہ دیکھا جائے! کیونکہ آنکھیں صرف ان چیزوں کو دیکھ سکتی ہیں جو رنگ و کیفیت (اجسام) رکھتی ہوں اور خداوند متعال نہ رنگ رکھتا ہے اور نہ کیفیت بلکہ وہ ان رنگوں اور کیفیتوں کا خالق ہے۔

---

(۱) نهج البلاغه خطبه نمبر ۱۷۹.

(۲) اصول كافى جلد ۴، باب ابطال الرؤية، بحار الانوار جلد ۴، باب نفى الرؤية، ص ۲۶.

(۳) اصول كافى جلد ۴، باب ابطال الرؤية، بحار الانوار جلد ۴، باب نفى الرؤية، ص ۲۶.

۳) حدیث سوم

"عن ابی عبد الله ؑقال: جاء حبر الی امیر المؤمنینؑ، فقال: یا امیر المؤمنین! هل رأیت ربک حین عبدته ؟فقال: ویلک ! ما کنت اعبد رباً لم اره، قال: و کیف رأیته؟ قال: ویلک ! لا تدرکه العیون فی مشاهدة الابصار ولکن رأته القلوب بحقائق الایمان". (۱)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے: ایک مرتبہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں ایک یہودی عالم آیا اور پوچھنے لگا: اے امیر المومنین! جس خدا کی آپ عبادت کرتے ہیں کیا کبھی اسے دیکھا بھی ہے؟! آپ نے فرمایا: وائے (پھٹکار) ہو تیرے اوپر! کیا میں ایسے خدا کی عبادت کروں گا جسے دیکھا نہ ہو؟ یہودی نے کہا: آپ نے خدا کو کس طرح دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا: خدا ان دو آنکھوں سے دیکھنے کی شئے نہیں بلکہ اس کا مشاہدہ حقائق ایمان کے ساتھ صرف دل ہی سے کیا جا سکتا ہے۔

۴) حدیث چہارم

عن الاشعث بن حاتم؛قال: قال: ذو الریاستین قلت لابی الحسن الرضاؑ: (جعلت فداک)، اخبرنی عما اختلف فیه الناس من الرؤیة؟فقال: یا ابا العباس امن وصف الله بخلاف ما وصف به نفسه فقد اعظم الفریة علی الله! قال الله: لا تدرکه الابصار وهو یدرک الابصار وهو اللطیف الخبیر...." (۲)

ایک مرتبہ فضل بن سہل ذو الریاستین نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے سوال کیا: اے مولا! آپ پر ہماری جانیں قربان ہوں، لوگ خدا کے دیدار کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں، آپ فرمائیں اس میں حقیقت کیا ہے؟

(۱-۲) اصول کافی جلد ۴، باب ابطال الرؤیة، بحار الانوار جلد ۴، باب نفی الرؤیة، ص۲۶.

آپ نے فرمایا: اے ابوعباس! جو بھی خدا کو اُن صفات کے علاوہ دیگر صفات سے متصف کرے جن کے ساتھ اس نے خود اپنے کو متصف کیا ہے، تو اس نے خدا پر بہتان باندھا ہے! پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ﴿لاتُدرِکُہُ الاَبصارُ...... ﴾ خدا کو درک کرنے سے آنکھیں عاجز ہیں، وہ ہے جو آنکھوں کو درک کرتا ہے اور وہ لطیف وخبیر ہے۔

قارئین کرام! اس موضوع سے متعلق ہمارے ائمہ سے مروی سینکڑوں حدیثیں شیعہ کتب میں موجود ہیں ہم نے صرف چند حدیثوں کو نمونہ کے طور پر پیش کیا ہے۔(۱)

(۱) مزید اطمینان کے لئے آپ مندرجہ ذیل کتابیں دیکھئے:
اصول کافی باب ''ابطال الرؤیۃ''، بحار الانوار ج۴، باب ''بحث نفی رؤیۃ اللّٰہ''۔ اور علم کلام کی دیگر کتابیں۔

۲۔ کیا خدا بھی مکان کا محتاج ہے؟!

مکان خدا!

صحیحین میں مسئلۂ توحید کا دوسرا نقطۂ ضعف یہ ہے کہ ان دونوں کتابوں میں خدا کو محتاج مکان ثابت کیا گیا ہے اور خدا کے استقرار کے لئے مختلف مکانات معین کئے گئے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے بحثِ رویت میں اشارہ کیا کہ ہر وہ موجود جو قابل دید ہے اس کا لازمہ یہ ہے کہ وہ ایک معین مکان میں ہو لہٰذا احادیث رویت کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خدا صحیحین کی نظر میں مکان اور محل رکھتا ہے، لیکن علمائے اہل سنت نے بحثِ رویت کے علاوہ اثباتِ مکانِ خدا کیلئے اپنی کتب صحاح میں جدا اور مستقل باب قائم کیا ہے اور اس بارے میں باقاعدہ علمائے اہل سنت نے کتابیں تالیف کی ہیں، صحیحین کے اعتبار سے نماز کے وقت خدا کا مکان نماز گزار کے سامنے ہوتا ہے اور سنن کی نظر میں خدا کا جائے قیام بالائے عرش تھا اور عرش خلق کرنے سے قبل ابر کے درمیان تھا!!

کیا خدا نمازیوں کے سامنے رہتا ہے؟!

۱. **"...... عن عبد اللّٰه بن عمر؛ان رسول اللّٰه رای بصاقا فی جدار القبلة فحکه بیده ثم اقبل علی الناس : فقال:"اذا کان احدکم یصلی فلا یبصق قبل وجهه، فان اللّٰه قبل وجهه اذا صلّی"!!(۱)**

عبداللہ ابن عمر کہتے ہیں:

ایک مرتبہ رسول خدا ﷺ نے قبلہ کی سمت میں مسجد کی دیوار پر تھوک دیکھا، تو آپؐ نے اسے صاف کیا، اس کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا: اے لوگو! جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۱، کتاب الصلوٰة، ابواب المساجد، باب (۳۳)"حک البزاق بالید من المسجد" حدیث ۴۰۵، ۴۰۶۔

لعاب دہن آگے نہ پھینکے، کیونکہ نماز پڑھنے کے وقت خدا سامنے موجود ہوتا ہے!!

امام بخاری نے اس مضمون کی تقریباً چھ روایات نقل کی ہیں میں صرف حوالہ نقل کرنے پر اکتفاء کرتا ہوں۔(۱)

۲. "...... عن عبد الله؛ قال: یصلی رأی فی قبلة المسجد نخامة فحکها بیده، فتغیظ، ثم قال: ان احدکم اذا کان فی الصلاة فان الله حیال وجهه، فلا یتنخمن حیال وجهه فی الصلاة." (۲)

عبداللہ سے مروی ہے:

ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نماز میں مشغول تھے کہ قبلہ کی سمت میں مسجد کی دیوار پر ناک کی کثافت دیکھی، آپ نے اپنے ہاتھوں سے اسے صاف کیا! اس حالت میں کہ آپ کے چہرے پر آثار غضب نمایاں تھے اس کے بعد فرمایا: تم میں سے جو شخص بھی نماز پڑھتا ہے خدا اس کے سامنے ہوتا ہے لہٰذا نماز پڑھتے وقت اپنے سامنے ناک کی رطوبت مت ڈالو!

۳. "...... عن ابی هریرة؛ ان رسول الله رأی نخامة فی قبلة المسجد، فاقبل علی الناس، فقال: ما بال احدکم یقوم مستقبل ربه فیتنخع امامه؟ ایحب احدکم ان یستقبل فیتنخع فی وجهه؟! فاذا تنخع احدکم فلیتنخع عن یساره تحت قدمه، فان لم یجد فلیفعل هکذا" (۳)

(۱_۲) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الصلاة، ابواب المساجد، باب(۳۳)، حدیث ۴۰۵، ۴۰۶، باب (۳۹) حدیث ۴۱۷، کتاب الصلوٰة، ابواب العمل فی الصلوٰة، باب(۱۲) "ما یجوز من البصاق والنفخ فی الصلاة" حدیث ۱۲۱۳، کتاب صفة الصلوٰة، باب(۹۴) "هل یلتفت لامرٍ ینزل به ...." حدیث ۷۵۳، ج۵، کتاب الادب، باب(۷۵) "مایجوز من الغضب والشدة لامر اللّٰه" حدیث ۵۷۶۰.
صحیح مسلم: جلد ۲، کتاب المساجد، باب(۱۳) "النهی عن البصاق فی المسجد فی الصلوٰة وغیرها" حدیث ۵۴۷.

(۳) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الصلاة، ابواب المساجد، باب(۱)، حدیث ۴۰۷، کتاب الصلوٰة، ابواب العمل فی الصلوٰة، باب "ما یجوز من البصاق" حدیث نمبر ۵۵، کتاب صفة الصلوٰة، باب "هل یلتفت لامرٍ ینزل به ...." حدیث ۷۲۰، ج۵، کتاب الادب، باب "مایجوز من الغضب والشدة لامر اللّٰه" حدیث ۵۷۶۰. صحیح مسلم: جلد ۲، کتاب المساجد، باب(۱۳) "النهی عن البصاق فی المسجد فی الصلوٰة وغیرها" حدیث ۵۴۷.

ابو ہریرہ سے مروی ہے:

رسول ﷺ نے ایک دفعہ محراب مسجد میں ناک کی رطوبت دیکھی تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے: تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے، جب تم میں سے کوئی خدا کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو کیوں اپنے سامنے تھوک و ناک کی رطوبت ڈالتا ہے؟ کیا تم یہ پسند کرو گے کہ تمہارے سامنے کوئی کھڑا ہوا اور وہ تمہارے سامنے تھوک دے؟! (تم کو یہ نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ سامنے خدا ہوتا ہے) اگر کوئی شخص تھوکنا چاہتا ہے تو اپنے بائیں پیر کے نیچے تھوکے۔

قاسم (راویٔ حدیث) کہتا ہے: رسول اسلام ﷺ نے اس وقت لباس کے دامن کو کھول کر اس پر تھوکا اور اس کے بعد اس پر کپڑا ڈال دیا! پھر یہی عمل راوی نے بھی (پریکٹیکل) کر کے دکھایا۔(۱)

کیا خدا آسمان میں رہتا ہے؟!

صاحبان صحاح ستہ سے تین افراد اور متعدد مسانید و سنن کے مؤلفین نے معاویہ ابن حکم سلمی سے ان کی ایک کنیز کے ایمان کے بارے میں ایک مفصل حدیث نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

''معاویہ بن حکم سلمی سے منقول ہے کہ میں نے رسول خداؐ سے عرض کیا کہ کیا اس کنیز کو آزاد نہ کروں؟ رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

"...فقالَ لها این الله؟ قالت فی السماء! قال من انا؟قال رسول الله قال اعتقها فانهامومنة...."(۲)

---

(۱) صحیح مسلم جلد۲، کتاب المساجد، باب"النهی عن البصاق فی المسجد والصلوٰة" حدیث ۵۵۰. حدیث نمبر۲ کو مسلم نے دو طریق سے ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے۔ سنن ابن ماجه کتاب الصلاة، باب ۶۱.

(۲) صحیح مسلم جلد۲ ،کتاب الصلوة، باب(۷) "تحریم الکلام فی الصلاة "حدیث ۵۳۷. سنن نسائی جلد۲، کتاب الایمان، باب" فی المرقبة، وکتاب السهو"و باب" الکلام فی الصلاة".موطأ امام مالک جلد۲ ،کتاب الرقاق، باب "ما یجوز من العتق فی الرقاق" سنن ابن داؤدجلد ۱ ،کتاب الصلاة ،باب" تشمیت العاطس الصلاة" مسند احمد بن حنبل جلد ۲،۵،مسند ابی هریره ،ص ۲۹۱، ۴۴۷، ۴۴۹.

پہلے اسے میرے پاس لے آؤ! جب میں اس کنیز کو رسولؐ کے پاس لایا تو آپؐ نے اس سے معلوم کیا: خدا کہاں ہے؟ اس نے کہا: آسمان میں! پھر آپ نے فرمایا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپؐ اس کے رسول ہیں، اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسے آزاد کر دو کیونکہ یہ ایمان رکھتی ہے!

کیا عرش خانۂ خدا ہے؟!

۱. " ......عن ابن عباس بن عبد المطلب؛ قال: کنت فی البطحاء فی عصابة، فیهم رسول اللّٰه، فمرت به سحابة: فنظر الیها، فقال: ماتسمون هٰذه؟ قالوا: السحاب، قال: والمزن؟! قالوا: والمزن، قال: والعنان؟! قالوا: والعنان، قال: ابو داؤد لم اتقن العنان جیداً قالؐ: هل تدرون مابین السماء والارض؟ قالوا: لاندری قالؐ: بعد ما بینهما اما واحدة اوالنتان او ثلاث وسبعون سنة، ثم السماء فوقها کذالک حتی عدد سبع سموٰات ثم فوق السابعة بحر، بین اسفله واعلاه مثل مابین السماء الی سماء ثم فوق ذالک ثمانیة اوعال بین اظلافهم ورکبهم مثل ما بین السماء الی سماء ثم علی ظهورهم العرش بین اسفله واعلاه مثل ما بین سماء الی سماء ثم الله تبارک وتعالی، فوق ذالک !!!(۱)

احنف بن قیس نے عباس ابن المطلب سے نقل کیا ہے:

میں اور چند دیگر افراد بطحا (۲) [ایک دریا کے کنارے] میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ابر کا ٹکڑا ظاہر ہوا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی طرف دیکھنے لگے اور اس کے بعد

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد ۴، کتاب السنة، باب" فی الجهمیة "حدیث ۴۷۲۶. سنن ابن ماجه جلد ۱، باب [۱۳] "فیما انکرت الجهمیة"

(۲) بطحا وادی مکہ کو بھی کہتے ہیں۔ مترجم۔

فرمایا: اس کو کیا کہتے ہیں؟ ہم لوگوں نے کہا سحاب، آپ نے فرمایا: کیا اسے مزن بھی کہتے ہیں؟ ہم لوگوں نے کہا: ہاں یا رسول اللہ! اسے مزن بھی کہتے ہیں، پھر رسول اسلام نے کہا: عنان بھی کہتے ہیں؟ ہم لوگوں نے کہا: ہاں یا رسول اللہ! اسے عنان بھی کہتے ہیں، اس کے بعد آپ نے فرمایا: آیا تمہیں معلوم ہے زمین و آسمان کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ ہم لوگوں نے کہا نہیں، پھر آپؐ نے کہا: ۷۱، ۷۲ یا ۷۳ رسال کا فاصلہ زمین سے آسمان اول تک کا ہے اسی مقدار میں آسمان اول سے آسمان دوم تک ہے اسی ترتیب سے بقیہ آسمانوں کے درمیان فاصلہ ہے، اس کے بعد رسول خدا ﷺ نے فرمایا: آسمان ہفتم پر ایک سمندر ہے جس کی گہرائی دو آسمانوں کے درمیان کے فاصلے کے برابر ہے اور اس سمندر کے اوپر آٹھ عدد جنگلی اور پہاڑی مینڈھے ہیں ان کے ناخن سے زانو تک کی لمبائی دو آسمانوں کے درمیانی فاصلہ کے برابر ہے اور عرش ان جنگلی اور پہاڑی مینڈھوں کے اوپر مستقر ہے اور پائین عرش سے لے کر بالائے عرش تک دو آسمانوں کے درمیان کے برابر فاصلہ ہے اور خدا بالائے عرش ہے!!

(۲) ."......جبیر بن مطعم ،عن ابیہ عن جدہ؛ قال: اتی رسول اللہ اعرابی،فقال: یا رسول اللہؐ جھدت الانفس وضاعت العیال ونھکت الاموال وھلکت الانعام فاستسق اللہ لنا، فانا نستشفع بک علی اللہ، ونستشفع با للہ علیک، قال رسول اللہؐ: ویحک! ا تدری ما تقول؟و سبح رسول اللہ،فما زال یسبح ،حتی عرف ذالک فی وجوہ اصحابہ، ثم قال : ویحک !اتدری ما اللہ!!ان عرشہ علی سماواتہ کھکذا وقال باصابعہ مثل القبة علیہ ،وانہ لیئط بہ اطیط الرجل باالراکب. قال ابن بشار: فی حدیثہ ان اللہ فوق عرشہ وعرشہ فوق سماواتہ وساق الحدیث ......"(۱)

جبیر بن محمد بن جبیر بن مطعم نے اپنے باپ سے انہوں نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے:

---

(۱) سنن ابی داؤد ج ۱ ،کتاب السنة باب" فی الجھمیة". سنن ابن ماجہ ج ۱ ،باب[۱۳]"فیما انکرت الجھمیة" ۱۹۲ .

ایک عرب خانہ بدوش رسول خدا ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا: اے رسول! خشک سالی اور بارش کے نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے بدن جھلس گئے اور ہم مشکلات، رنج و تعب میں گرفتار ہیں، ہمارے سب اہل و عیال ضائع ہو گئے، سارا مال و منال ختم ہو چکا ہے، جانور مر چکے ہیں، آپ خدا سے ہمارے لئے بارش کی دعا کریں! میں آپ کو خدا کی بارگاہ میں شفیع قرار دیتا ہوں اور خدا کو آپ کے لئے شفیع قرار دیتا ہوں۔

رسول خدا ﷺ نے فرمایا: وائے ہو تیرے اوپر! تو کیا کہہ رہا ہے آیا جانتا بھی ہے؟! اس وقت رسول اسلامؐ؛ خدا کی تسبیح و تقدیس بیان کرنے لگے اور اس قدر بیان کی کہ اصحاب کے چہروں پر خستگی (تھکن) کے آثار نمودار ہونے لگے اور اس کے بعد فرمایا: کبھی خدا کو کسی کا شفیع نہیں قرار دینا چاہیئے، خدا اس سے بھی بلند ہے کہ وہ بندوں کے سامنے شفاعت کرے، اے اعرابی! تیرے اوپر وائے ہو! کیا تو جانتا ہے کہ خدا کیا ہے؟! اس کے بعد رسول خدا ﷺ نے اپنی انگلیوں سے قبہ کی شکل بنائی اور فرمایا: خدا کا عرش آسمانوں کے اوپر مثل میری ان انگلیوں کے ہے اور عرش خدا کے بوجھ سے اس طرح آواز کرتا ہے جیسے اونٹ کا کجاوہ سوار کے وزن کی وجہ سے آواز کرتا ہے!!

ابوداؤد کہتے ہیں: ابن بشار نے اس حدیث کو اس طرح نقل کیا ہے:

" ان الله فوق عرشه وعرشه فوق سماواته ......" ''خدا عرش کے اوپر ہے اور عرش آسمانوں کے اوپر اور عرش؛ خدا کے نیچے اس کے وزن سے اس طرح آواز کرتا ہے جیسے اونٹ کا کجاوہ سوار کے وزن کی وجہ سے چر چراتا ہو...... ''

عرض مؤلف

ابوداؤد (صاحب سنن) نے اس حدیث کو چند سند کے ساتھ نقل کیا ہے اور سب کو صحیح جانا ہے۔

(۳) "......عن ابن مسعود،قال: بین السماء الدنیا والتی تلیها خمسمأة عام،وبین

کل سماء وسماء خمسمأة عام،وبین السماء السابعة و الکرسی خمسمأةعام،وبین الکرسی والماء خمسمأةعام،والعرش فوق الماء،والله فوق العرش،لا یخفی علیه شی ٔمن اعمالکم......(۱)

ابن مسعود سے نقل کیا گیا ہے کہ آسمان اول سے آسمان دوم تک کا فاصلہ پانچ سو(۵۰۰)سال کا ہے،اسی طریقہ سے آسمان دوم سے بقیہ آسمانوں کا فاصلہ ہے اور آسمان سے کرسی تک کا فاصلہ بھی پانچ سو سال کا ہے اور یہی فاصلہ کرسی اور پانی کے درمیان ہے اور عرش خدا اس پانی کے اوپر واقع ہے اور خدا اس عرش پر ہے!!اور تمھارا کوئی عمل اس سے پوشیدہ نہیں!!

کیا خدا خلقت عالَم سے پہلے بادلوں میں رہتا تھا؟!

۱. "......عن ابی رزین؛ قال:قلت: یا رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم! این کان ربنا قبل ان یخلق خلقه؟ قال:کان فی غماء، ما تحته هواء، ومافوقه هواء،وما ثم خلق، عرشه علی الماء"(۲)

ابورزین کہتے ہیں:

میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا: خدا موجودات کو خلق کرنے سے پہلے کہاں تھا؟ رسولؐ نے فرمایا: وہ ایک ضخیم ابر کے درمیان رہتا تھا جس کے نیچے اور اوپر ہوا نہ تھی اور عالم میں کچھ بھی موجود نہ تھا اور اس کا عرش پانی کے اوپر ہے!!

(۱) کتاب التوحید ،ص ۲۱۲. مؤلفه محمد ابن عبد الوهاب متوفی ۱۲۰۶ھ.

اس کتاب کی شرح "فتح المجید شرح کتاب التوحید،شیخ عبدالرحمان،ص۵۱۴.

(۲) سنن ابن ماجه ج ۱، باب[۱۳]" فیما انکرت الجهمیة" سنن ابن ترمذی ج۴،ابواب تفسیر القرآن "تفسیر سورهٔ هود"ص ۳۵۱.

مذکورہ روایات سے مستفاد مطالب

۱۔ خدا حیّز اور مکان رکھتا ہے اور وہ عالم کے خلق کرنے سے قبل ابر میں رہتا تھا!!(۱)

۲۔ خدا نے موجودات کو خلق کرنے کے بعد عرش کو اپنا مسکن اور مکان قرار دیا اور خود اس عرش کے اوپر بیٹھ گیا اور اس کے وزن سے عرش اونٹ کے کجاوہ کی طرح چر چراتا ہے!! ۳۔ خدا ایک زمانے تک ابر میں رہتا تھا، اس کے بعد ترقی کر کے عرش پر مستقر ہوا، لیکن وہ کبھی اپنا مکان بدل کر نمازیوں کے سامنے بھی آ جاتا ہے!!

۴۔ مذکورہ احادیث سے جو مطلب ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ خدا مجسم ہے اور جو تفصیل آسمان، عرش، کرسی اور عرش کے ایک سمندر پر اور سمندر کے جنگلی بکرے یا مینڈھے کے اوپر مستقر ہونے کے بارے میں ہے، یہ سب ایک محقق کیلئے دقت طلب ہے، ان تمام مطالب کی حقیقت اور اہمیت اصل حدیث کی مانند ہے چنانچہ مزید تحقیق قارئین کی صوابدید پر چھوڑتے ہیں۔(۲)

---

(۱) **عرض مترجم:**
ان عقل کے اندھوں سے ذرا کوئی یہ پوچھے کہ کیا ابر، عالم اور مخلوق خدا میں داخل نہیں ہے؟ اور جب ابر نہ تھا تب وہ کہاں تھا آخر اس ابر کو کس نے پیدا کیا؟ کیا توحید میں چار چاند لگائے ہیں!! جب بات آ گئی ہے تو توحید علیؑ بھی ملاحظہ فرمالیں: خطبہ نمبر ۱۔ امام علی علیہ السلام خدا کے صفات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَمَنْ قَالَ "فِيمَ" فقد ضَمَّنَهُ وَ مَنْ قال "عَلامَ" فَقَدْ اَخْلٰى مِنْه كَائِنٌ لاعن حَدَثٍ موجودٌ لاعَنْ عَدَمٍ مَعَ كُلِّ شَيءٍ لا بِمُقَارنةٍ وغيرُ كلِ شيءٍ لابمزايلَةٍ فَاعلٌ لابمعنى الحركات والآلة.

اور جس نے یہ کہا کہ وہ کسی چیز میں ہے؟ تو اس نے اسے کسی شئے کے ضمن میں فرض کر لیا اور جس نے یہ کہا کہ وہ کسی چیز پر ہے، اس نے اور جگہیں اس سے خالی سمجھ لیں، وہ ہے، ہوا نہیں، موجود ہے، مگر عدم سے وجود میں نہیں آیا، وہ ہر شئے کے ساتھ ہے، نہ جسمانی اتصال کی طرح، وہ ہر چیز سے علیحدہ ہے، نہ جسمانی دوری کے طور پر، وہ فاعل ہے، لیکن حرکات و آلات کا محتاج نہیں۔

(۲) عرض مترجم: سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس کا اتنا وزن ہو کہ عرش بھی چر چرائے تو وہ جب اس زمین پر آتا ہے تو زمین کیوں نہیں پھٹتی؟ آخر جب نمازیوں کے سامنے آتا ہے تو دکھائی کیوں نہیں دیتا؟!!! اور پھر جب خدا مجرد ہے تو مجرد کے لئے ہاتھ، پیر، جسم اور مکان وغیرہ کی کیا ضرورت؟! اس شئے مجرد میں وزن کہاں سے آیا؟ کیونکہ جو چیز مجرد ہوتی ہے اس میں وزن نہیں ہوتا، پس جب خدا مثل روح کے مجرد ہے تو آسمان اس کے وزن سے کیسے چر چراتا ہے؟! اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ خدا نور ہے ﴿اَللّٰـهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ﴾ تو پھر نور کے لئے مکان کی کیا ضرورت؟ بالکل صحیح مقولہ ہے کہ حور پر مرنے والے نور کی عظمت کیا جانیں!! قارئین کرام! اگر چہ مؤلف کی بحث احادیث صحیحین کی تحقیق و تنقید ہے مگر الکلام یجر الکلام کی مناسبت سے دیگر کتب صحاح سے مذکورہ بحث یہاں ذکر کی گئی ہے۔

مکان خدا اور علمائے اہل سنت کا عقیدہ!

اہل سنت کی علم کلام کی کتابیں ہوں یا کتب تاریخ وحدیث ان سب کتابوں سے مذکورہ احادیث کے مضمون کی طرح استفادہ ہوتا ہے کہ اکثر علمائے اہل سنت خصوصاً ائمہ اربعہ (۱) بھی اس بات کے قائل تھے کہ خدا عرش پر بیٹھا ہوا ہے! اور آج کل کے علماء بھی اپنے ان بزرگ علماء کی پیروی کرتے ہوئے مکان خدا کے قائل ہیں!! چنانچہ ذیل میں ہم قدرے تفصیل کے ساتھ ان لوگوں کے نظریات قلمبند کرتے ہیں:

۱) عقیدۂ ابوحنیفہ اور مکان خدا!

ابوحنیفہ کا عقیدہ یہ تھا کہ خدا عرش کے اوپر مستقر ہے، چنانچہ ذہبی اپنی کتاب ''العلو'' میں ''نوح جامع'' سے نقل کرتے ہیں:

امام ابوحنیفہ کی شہرت کے زمانۂ اوائل میں ایک عورت ترمذ سے آپ کی خدمت میں کوفہ آئی جو جہمیوں کی ہم عقیدہ تھی اور اعتقادی مسائل میں لوگوں سے بحث ومناظرہ کیا کرتی تھی، لوگوں نے اس سے کہا: اس شہر میں ایک شخص بنام ابوحنیفہ علوم عقلیہ میں بہت شہرت رکھتا ہے، بہتر ہے کہ تو اس سے ملاقات کر! نوح کہتے ہیں: میں ابوحنیفہ کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ یہ عورت وارد ہوئی اور کہنے لگی: تو ہی ہے جو لوگوں کو دین واعتقاد کا درس دیتا ہے اور اپنے عقیدہ کو ترک کر رکھا ہے، بتا تیرا خدا کہاں ہے؟ ابوحنیفہ ساکت ہوگئے اور سات روز تک کچھ نہ کہا، اس کے بعد جب لوگوں کے درمیان آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی، جس کو انہوں نے ان ایام میں لکھا تھا اور فرمایا: لوگو! خدا آسمان میں ہے نہ کہ زمین میں، کسی نے ابوحنیفہ سے کہا: اے ابوحنیفہ! کیا تو نے قرآن کی یہ آیت نہیں پڑھی ہے جس میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ﴾ خدا تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہوگا؟!!

---

(۱) احمد بن حنبل، امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، آپ مذہب اربعہ کے مؤسس مانے جاتے ہیں اور اس وقت تمام اہل سنت انھیں لوگوں کی پیروی کرتے ہیں.

ابوحنیفہ نے اس کے جواب میں کہا: یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ اپنے دوست کو خط لکھیں اور اس میں لکھیں میں تیرے ساتھ ہوں حالانکہ آپ اس سے دور ہیں۔

امام ذہبی اس واقعہ کونقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ بیہقی کہتے تھے:

ابوحنیفہ نے خدا کے زمین پر ہونے سے جو انکار کیا ہے وہ بالکل حق بجانب ہے اور آیت کی یہی تفسیر ہوسکتی ہے جوانہوں نے اطلاق آیات وروایات کی روشنی میں کی ہے۔(۱)

۲) احمد بن حنبل

آپ بھی انھیں لوگوں میں سے ہیں جو خدا کو صاحب مکان اور بالائے عرش تصور کرتے ہیں اور اس آیت ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنتُم: تم جہاں بھی ہوگے خدا تمھارے ساتھ ہے﴾ کے معنی جو خدا کے لامکان اور اس کے تمام موجودات پر محیط ہونے کی نقلی اور سمعی دلیل ہے، موصوف نے یوں کئے ہیں:

''تم جہاں کہیں بھی ہو، خدا تمہارے اعمال کا علم رکھتا ہے اور تمھارا کوئی عمل اس سے پوشیدہ نہیں یعنی خدا کا علم تمہارے اعمال کے ساتھ ہے، نہ کہ وہ خود کیونکہ وہ تو عرش پر بیٹھا رہتا ہے: **فخصه بالعلم** ...''(۲)

پس احمد بن حنبل نے مذکورہ اور اس کے مانند دیگر آیات کی تاویل جو کہ آپ کے عقیدہ کے خلاف تھیں علم خدا سے کی ہے۔

---

(۱) کتاب: العلو للعلي الغفار صفحه ۱۰۱، ۱۰۳، ۱۲۰.

نوٹ: مذکورہ کتاب امام شمس الدین ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ) نے میں خدا کے عرش کے اوپر استقرار سے متعلق تالیف کی ہے اور یہ کتاب ۱۳۸۸ھ میں مصر سے دوسری مرتبہ چھپی ہے اور مدینہ منورہ میں سلفیہ کتاب فروشی سے نشر ہو چکی ہے۔

(۲) التفسیر المنار، ج۹ تفسیر سورۂ اعراف، فصل فی اختلاف المسلمین فی الرؤیۃ، ص۱۳۱۔

۳)امام شافعی

شیخ الاسلام ابوالحسن ہکاری اور حافظ ابومحمد مقدسی، ابی ثور اور ابی شعیب سے نقل کرتے ہیں:

امام شافعی فرمایا کرتے تھے: میرا اور ہمارے تمام ہم عصر علماء جن سے میرا سابقہ پڑا ہے مانند سفیان و امام مالک ان سب کا عقیدہ یہی ہے کہ خدائے وحدہ لاشریک کے علاوہ کوئی معبود نہیں، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول برحق ہیں اور خداوند عالم آسمانوں میں عرش کے اوپر ہے اور جب وہ چاہتا ہے تو اپنے بندوں سے نزدیک ہوجاتا ہے اور جب چاہتا ہے آسمان پر چلا جاتا ہے!

اسی طرح امام شافعی نے جو وصیت نامہ تحریر کیا اس میں یہ جملے موجود ہیں:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور میرا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن مجید مخلوق نہیں، خداوند متعال روز قیامت آشکارہ دکھائی دے گا اور لوگ اس کے کلام کو حضور اً سنیں گے، خدا بالائے عرش مستقر ہے''(۱)

۴)امام مالک

آپ کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ خدا بالائے عرش رہتا ہے اور اس کا علم تمام لوگوں پر محیط ہے اور کچھ بھی اس کے علم سے مخفی نہیں، اسی وجہ سے عبداللہ اپنے باپ احمد بن حنبل سے نقل کرتے ہیں:

''امام مالک بن انس عقیدہ رکھتے تھے کہ خدا بالائے عرش مستقر ہے اور اس کا علم تمام لوگوں پر محیط ہے اور کچھ بھی اس کے علم سے مخفی نہیں۔''(۲)

۵)ابن حجر

آپ اپنی کتاب ''فتح الباری'' میں ابن تیمیہ سے نقل کرتے ہیں:

خدا تمام موجودات عالم کے اوپر بالائے عرش مستقر ہے!! اس کے بعد اوزاعی سے اس طرح نقل کرتے ہیں: ہم اور تمام اہل سنت حضرات اس بارے میں متفق ہیں کہ خداوند عالم بالائے عرش

(۱-۲) العلو للعلی الغفار، ص ۱۰۱، ۱۰۳، ۲۱۰.

مستقر ہے کیوں کہ جو سنت واحادیث میں وارد ہوا ہے اس پر ہم ایمان رکھتے ہیں!!

اس کے بعد ابن حجر ابو عمر طلمنکی سے اس طرح نقل کرتے ہیں:

تمام مسلمان (اہل سنت) اس بارے میں ہمارے ہم عقیدہ ہیں کہ خدا بذات خود عرش کے اوپر بیٹھا ہوا ہے!!

اور دوسری جگہ ابن حجر اس مطلب کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

تمام اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ خدا عرش پر حقیقتاً مستقر ہے نہ کہ مجازاً!!! اور آیہ شریفہ ﴿وَ هُوَ مَعَكُمْ اَيْـنَـمَـا كُنْتُمْ﴾ اور اس کی مانند دیگر آیات کا مطلب یہ ہے کہ خدا کا علم تمام لوگوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور خدا کا علم ان کے ساتھ ہے نہ کہ خود خداوند متعال ان کے ساتھ ہے۔(۱)

۶) شمس الدین حافظ ذہبی

آپ بھی مکان خدا کے قائل تھے اور فرماتے تھے:

اہل سنت اور تمام حدیث کے ماننے والے اس بات پر متفق اور ہم عقیدہ ہیں کہ خداوند عالم بذاتہ واقعاً بالائے عرش مستقر ہے اور سب سے پہلے جس نے اس بات کا انکار کیا وہ جعد بن درہم ہے، موصوف نے اپنے اس عقیدہ کے اثبات میں ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام العلو للعلی الغفار ہے:

" ان الله استوی علی عرشه علی الحقیقة لا المجاز ،.و اول وقت سمعت مقالة من انکر ان الله فوق عرشه هو الجعد بن درهم ..." (۲)

---

(۱) فتح الباری

(۲) فتح المجید شرح کتاب التوحید، باب "فی قول الله [وما قدروا حق قدره]آیت ۶۷، عنوان بحث : بعد بین السماء ..... مؤلفه شیخ عبد الرحمان، متوفی ۱۲۵۸ھ، مطبوعه: قاهره مصر، ۱۳۷۷ھ، ص ۵۱۴.
مذکورہ کتاب میں یہ قول طلمنکی سے ان کی کتاب الاصول سے نقل ہوا ہے ذہبی سے نہیں، البتہ ممکن ہے مؤلف نے کسی دوسرے نسخہ میں ذہبی کے حوالے سے دیکھا ہو، واللہ اعلم. مترجم.

۷) محمد اشرف

آپ شرح سنن داؤد میں جملۂ ﴿ثُمَّ اللّٰہُ فَوقَ ذَالِکَ﴾ کے ذیل میں جو ابن عباس کی حدیث کے آخر میں آیا ہے، تحریر کرتے ہیں:

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ خدا عرش کے اوپر بیٹھا ہوا ہے اور یہ مطلب بالکل درست اور مطابق واقع ہے اور اس پر احادیث اور آیات بھی دلالت کرتی ہیں، چنانچہ گزشتہ تمام صحابہ وتابعین اور ہمارے اہل علم حضرات اسی عقیدہ کے قائل ہیں کہ خدا عرش پر مستقر ہے اور اس عقیدہ میں کسی قسم کی توجیہہ وتاویل کرنا صحیح نہیں ہے۔

اس کے بعد کہتے ہیں:

یہ بات تو مسلم ہے کہ خدا عرش پر بیٹھا ہے، لیکن اس کی کیفیت ہمارے لئے مجہول ہے اور جہمیہ عرش کے اور خدا کے عرش پر ہونے کے منکر ہیں، اس فرقہ کے علماء کہتے ہیں: خدا تمام جگہ موجود ہے، یہ لوگ اپنے عقیدہ کے اثبات کے لئے باطل دلیل، بھونڈے اقوال اور قبیح استدلال پیش کرتے ہیں.

جناب محمد اشرف صاحب اس کے بعد کہتے ہیں:

اگر کسی کو ہمارے علماء کے دلائل اور فرقۂ جہمیہ کی رد سے آشنا ہونے کا شوق ہے تو کتاب الاسماء والصفات وافعال العباد، کتاب العلو للعلی الغفار، قصیدہ نونیہ، جیوش الاسلام ابن قیم وغیرہ کا مطالعہ فرمائے۔(۱)

عرض مؤلف

مذکورہ علماء کے علاوہ علامہ اوزاعی شامی جو اپنے زمانہ میں شام کے سب سے بڑے عالم تھے، شیخ الحرم ابن جریج، مفتی حجاز، مقاتل بن حیان خراسانی اور امام بخاری بھی مذکورہ عقیدہ کے قائل تھے۔(۲)

اور ابن قدامہ نے بھی مکانِ خدا کے اثبات کے لئے ایک کتاب تحریر کی ہے، جس کو شیخ عبدہ نے ذکر کیا ہے۔(۳)

---

(۱) عون المعبود فی شرح سنن ابن داؤد ج۴، کتاب السنة، باب [۱۸] "فی الجهمیة" حدیث ۴۷۲۱.

(۲) دیکھئے: کتاب العلو للعلی الغفار.

(۳) دیکھئے: تفسیر المنار، ج۹ تفسیر سورۂ اعراف، آیت ۱۴۴، خلاصة القول فی مسئلة الکلام الالٰہی، ص ۱۸۰.

۳۔ کیا خداوند متعال آسمان اول پر اترتا ہے؟!

صحیح بخاری اور مسلم میں مسئلہ توحید سے متعلق تیسرا نقطۂ ضعف یہ ہے کہ ان دونوں کتابوں میں مختلف اسناد ومتون کے ساتھ خدا کو عرش سے آسمان اول پر اترنے کو دکھلایا گیا ہے! اور اس موضوع سے متعلق اگرچہ تمام روایات ابو ہریرہ دوسی سے منقول ہیں لیکن یہاں ہم چند روایات نمونہ کے طور پر نقل کرتے ہیں:

۱۔ "......عن ابی هريرة؛ ان رسول اللّٰهؐ قال: ينزل ربنا تبارك وتعالىٰ من كل ليلة الى السماء الدنيا حين يبقى ثلث اليل الآخر، فيقول: من يدعونى فاستجيب له؟ ومن يسئلنى فاعطيه؟ ومن يستغفرنى فاغفر له؟!

ابو ہریرہ نے رسولؐ خدا سے روایت کی ہے:

خدا ہر شب کے تیسرے حصہ میں آسمان اول پر اترتا ہے اور کہتا ہے: کون ہے جو مجھے بلائے تا کہ میں اس کی حاجت بجالاؤں؟ کون ہے جو حاجت طلب کرے تا کہ اس کی منھ مانگی حاجت پوری کروں؟ کون ہے جو طلب مغفرت کرے تا کہ میں اسے بخش دوں؟!!

اس حدیث کو امام بخاری نے تین جگہ نقل کیا ہے لیکن ایک جگہ **"ينزل ربنا"** اور دو جگہ **"يتنزل ربنا"** آیا ہے اور مسلم نے اس روایت کو سات طریق سے نقل کیا ہے اور ہر جگہ **"يتنزل ربنا"** نقل کیا ہے۔(۱)

جیسا کہ ہم نے کہا کہ امام مسلم نے خدا کے آسمان اول پر نازل ہونے کے بارے میں سات عدد حدیثیں نقل کی ہیں، ہم یہاں ان میں سے صرف دو حدیثیں نقل کرتے ہیں:

۱۔ "......ان اباهريرة ؛ يقول: قال رسول اللّٰهؐ: ينزل الله فى سماء الدنيا لشطر الليل، اولثلث الليل الآخر، فيقول: من يدعو نى فاستجيب له او يسألنى

---

(۱) صحیح مسلم: جلد۲، کتاب صلوٰة المسافر، باب "الترغيب فى الدعا" حديث ۷۵۸.

صحیح بخاری: جلد۲، کتاب التهجد، باب(۱۴) "الدعا والصلوٰة فى آخر الليل" حديث ۱۰۹۴، جلد۸، کتاب الدعوات، باب "الدعا نصف الليل" حديث ۵۹۶۲، جلد۹، کتاب التوحيد، باب "قول الله تعالىٰ: يريدون ان يبدلوا كلام الله" حديث ۷۰۵۶. سنن ابن ماجه جلد ۱، باب(۱۸۲) باب "الصلوٰة"

فاعطیه ثم یقول: من یقرض غیرعد یم ولاظلوم: حدثنا هارون بن سعید بهذا الاسناد...و زاد ثم یبسط یدیه تبارک و تعالی یقول من یقرض غیرعدوم ولا ظلوم"(۱)

ابو ہریرہ سے منقول ہے:

خدا شب کے کسی ایک حصہ یا شب کے آخری ثلث میں آسمان اول پر اترتا ہے اور کہتا ہے: کون ہے جو مجھے بلائے تاکہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ یا مجھ سے سوال کرے اور میں اس کو جو وہ چاہتا ہے عطا کروں؟ کون ہے جو اسے قرض دے جو مستغنی اور ثروتمند ہے اور کسی پر ظلم نہیں کرتا؟!

مسلم کہتے ہیں کہ یہ حدیث ہارون بن سعید سے نقل کی گئی ہے اور اس حدیث کے آخر میں یہ جملہ بھی موجود ہے: ''خدا اپنے ہاتھ کھول دے گا اور کہے گا کون ہے جو خدائے غنی وعادل کو قرض دے''؟!

۲. "... قالت عائشة: ان رسول اللّٰہ قال: ما من یوم، اکثر من ان یعتق اللّٰہ فیه عبدا من النار، من یوم عرفة وانه لیدنو، ثم یباهی بهم الملائکه، فیقول: ما اراد هٰؤ لآء؟ " (۲)

حضرت عائشہ سے منقول ہے:

خدا روز عرفہ (۹/ذی الحجہ) سے زیادہ اپنے بندوں کو کسی دن نہیں بخشے گا، اور اس دن خدا اپنے بندوں کے قریب آتا ہے اور پھر خدا اپنے ملائکہ پر ان بندوں کے ذریعہ فخر ومباہات کرتا ہے اور کہتا ہے: آخر یہ لوگ (جو میدان عرفات میں جمع ہوئے ہیں) کیا چاہتے ہیں ان کا ہدف اور مقصد کیا ہے؟!

قارئین کرام! مذکورہ احادیث سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں :

۱۔ خدا کا مجسم ہونا!

۲۔ خدا کا محتاج مکان ہونا!

---

(۱) صحیح مسلم ج۲، کتاب صلٰوۃ المسافر، باب "الترغیب فی الدعا والذکر فی آخر اللیل "حدیث ۷۵۸.

(۲) مسلم ج۴، کتاب الحج، باب" فی فضل الحج والعمرة ویوم عرفة"

۳۔ خدا کا جہت وطرف کا محتاج ہونا! جیسا کہ اہل سنت کے علمائے متکلمین جو خدا کیلئے جہت وطرف کے قائل ہیں مانند ابن قتیبہ وابن عبدالبر نے انھیں مذکورہ روایات کو اپنے عقیدہ کا مدرک قرار دیا ہے۔(۱)

۴۔ خدا محدود اور صاحب مکان ہے اور وہ ہمیشہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا رہتا ہے!

ایک مختصر تحقیق

خدا کے عرش سے نزول اجلال کے بارے میں یہ متعدد حدیثیں مختلف متون کے ساتھ ابو ہریرہ سے نقل ہوئی ہیں اور چونکہ ان بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ رات کے آخری تیسرے حصہ میں خدا نازل ہوتا ہے اور بعض میں آیا ہے کہ شب کے تیسرے حصہ کے گزر جانے کے بعد اور بعض میں ہے شب کے دوسرے حصہ کے گزر جانے کے بعد اور بعض میں آیا ہے رات کے کچھ حصے گزر جانے کے بعد نازل ہوتا ہے اور مزید یہ کہ ان احادیث کے ذیل میں مختلف تعبیرات بھی دیکھی جا سکتی ہیں، لہٰذا ان چھ حدیثوں کا ایک قرار دینا ناممکن امر ہے، بلکہ ان میں سے دو حدیثوں کا جمع کرنا بھی ممکن نہیں ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے اشارہ کیا کہ چونکہ یہ سب حدیثیں ابو ہریرہ سے منقول ہیں، لہٰذا یہ ایک حدیث اور ایک واقعہ ہے جسے متعدد حدیثوں میں بالکل ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد نقل کیا گیا ہے، سچ کہا گیا ہے: ''دروغ گو را حافظہ نباشد''

بہر حال یہ حدیثیں بھی جو توحید کے بارے میں نقل ہوئی ہیں چونکہ قرآن مجید اور مسلمات عقل کے خلاف ہیں لہٰذا قابل اعتبار نہیں ہیں۔

اثبات مکان کی اہل سنت کو کیوں ضرورت ہوئی؟

جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے عرض کیا کہ رویت خدا کا عقیدہ مسلمانوں کے درمیان اس لئے وجود میں آیا کہ چوں کہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور اہل سنت کی دیگر مشہور کتابوں میں ابو ہریرہ اور ان کے ہم خیال افراد سے

---

(۱) عمدۃ القاری جلد ۷، کتاب التهجد، باب(۱۴)"الدعا والصلوٰۃ فی آخر اللیل".

منقول جعلی احادیث بکثرت موجود تھیں اور ان روایات میں رویت خدا کی طرف واضح طور پر اشارہ کیا گیا تھا، لہٰذا جن حضرات نے ان روایات کو صحیح جانا ان کے درمیان رویتِ خدا کا عقیدہ بھی خود بخود سرایت کر گیا اور دوسرا سبب وہ آیات ہیں جن میں رویت خدا کی طرف بدون صراحت اشارہ ملتا ہے، حالانکہ ان آیات سے بھی خدا کی جسمانی رویت ثابت نہیں ہے، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، بہرکیف بعینہ یہی چیزیں یعنی جعلی روایات (اور آیات قرآنیہ کی غلط تفسیر) مکان خدا کے عقیدہ کی موجب قرار پائیں ہیں کیونکہ کتب سنن و صحیحین میں ایسی حدیثیں پائی جاتی ہیں جن سے مکان خدا کا مفہوم اخذ ہوتا ہے، چنانچہ بعض علمائے اہل سنت نے اس حقیقت کا اعتراف بھی کیا ہے کہ خدا کے لئے مکان کا معین ہونا ان احادیث سے ثابت ہے جو اہل سنت کی معتبر کتابوں میں وارد ہوئی ہیں۔

ابن حجر اپنی کتاب ''فتح الباری'' میں اوزاعی کے اس عقیدہ کو کہ ''تمام اہل سنت کا اتفاق ہے کہ خدا مکان معین رکھتا ہے'' لکھنے کے بعد اوزاعی کی اس بات کو بھی نقل کرتے ہیں:

''مکانِ خدا کا اثبات ان احادیث سے ہوتا ہے جو ہماری معتبر کتابوں میں نقل کی گئی ہیں اور ہمارا ان تمام چیزوں پر کامل ایمان واعتقاد ہے جو سنت میں نقل کی گئی ہیں''۔

اسی طرح شیخ عبد الرحمان (۱) اپنی کتاب شرح کتاب التوحید میں مکان خدا کے بارے میں علمائے اہل سنت کے اقوال اور ان کے عقیدہ کو بیان کرنے کے بعد اس موضوع سے متعلق ایک حدیث نقل کرتے ہیں اس کے بعد مضمون حدیث کی تائید میں کہتے ہیں:

''اس حدیث کے مضمون کی تائید ان تمام حدیثوں سے ہوتی ہے جو اس بارے میں کتب صحیحین اور غیر صحیحین میں نقل کی گئی ہیں۔'' (۲) (۳)

---

(۱) آپ کا شمار اہل سنت کے متکلمین میں ہوتا ہے۔

(۲) فتح المجيد شرح كتاب التوحيد، باب "في قول الله [وما قدروا حق قدره] آيت ٦٧، عنوان بحث : بعد بين السماء ... مؤلفه شيخ عبد الرحمان، متوفى ۱۲۵۸ھ، مطبوعه: قاهره مصر، ۱۳۷۷ھ، ص ۵۱۴.

(۳) علمائے اہل سنت کا آیات کے ذریعہ خدا کیلئے اثبات مکان کرنا

محترم قارئین! یہاں ہم ان آیات کو مع جواب نقل کرتے ہیں جن سے اہل سنت حضرات خدا کے لئے اثبات ⇦

⇐ مکان کرتے ہیں، لیکن بحث کا آغاز کرنے سے قبل چند چیزوں کی یہاں پر وضاحت کر دینا مناسب سمجھتے ہیں:

صفات خبری وغیر خبری:

اہل سنت حضرات کے یہاں خدا کے صفات دو حصوں میں تقسیم ہوتے ہیں:

(۱) صفات خبری (۲) صفات غیر خبری.

صفات خبری: ان صفات کو کہتے ہیں جو قرآن و حدیث میں خدا کے لئے استعمال کے گئے ہیں، اگر قرآن وحدیث میں یہ صفات خدا کے لئے استعمال نہ ہوتے تو عقلی طور پر خدا کے لئے یہ صفات اثبات کرنا محال تھا، جیسے ہاتھ، پیر، آنکھ، کان، مکان، وغیرہ ان صفات کو اہل سنت ظاہری معنی پر حمل کرتے ہیں یعنی اگر خدا کے لئے قرآن میں ہاتھ کا لفظ استعمال ہوا ہے تو وہ (خدا) واقعاً ہاتھ رکھتا ہے، اگر لفظِ وجہ کا استعمال ہوا ہے تو وہ واقعاً وجہ (چہرہ) رکھتا ہے، تعجب یہ ہے کہ اہل سنت ان صفات پر عقیدہ رکھنے کے باوجود خدا کو تجسیم، تشبیہ اور مکان سے مبرا سمجھتے ہیں، کہتے ہیں: خدا کے ہاتھ، پیر اور منہ ہم جیسے نہیں ہیں!!.

چنانچہ انھیں صفات خبری کے قائل ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ آیۂ ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوىٰ﴾ (سورہ طٰہٰ آیت ۵، پ۱۶) کے معنی خدا کے عرش پر بیٹھنے کے لئے ہیں، یا آیۂ ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنتُم﴾ (سورہ حدید آیت ۴، پ۲۷.) کے معنی معیت مکانی کے لئے ہیں۔

جواب: آیۃ... جعفر سبحانی مدظلہ العالی فرماتے ہیں: اگر فرزندان اسلام ان آیات پر ذرا سی توجہ کر لیتے تو معنی کرنے میں کبھی غلط فہمی کا شکار نہ ہوتے! یہ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ﴿الرحمٰنَ عَلَى العَرْشِ اسْتَوىٰ﴾ قرآن میں موجود ہے اور اس کے معنی خدا عرش پر مستوی ہے، لیکن کیا عرش کے معنی لغت عرب میں یہی استعمال ہوئے ہیں جو آپ مراد لیتے ہیں؟ جس سے خدا کا محتاج مکان ہونا ثابت ہوتا ہے، یا اور دیگر معانی میں بھی لفظ عرش استعمال ہوا ہے ؟ اور پھر آیۂ کریمہ میں لفظ استویٰ کے معنی بیٹھنے کے کس لغت میں استعمال ہوئے ہیں؟ بالفرض اگر بیٹھنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے تو پھر اس آیت میں کون سا قرینہ موجود ہے جو بیٹھنے کے معنی کا مقتضی ہے؟ بظاہر آیت میں کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں ہے جو استویٰ سے بیٹھنے کے معنی کا لتا ہو اور پھر آیت کا سیاق وسباق بھی معنیٰ مذکور کی نفی کرتا ہے، بحول پروردگار اب ہم آیۂ مذکورہ کی لغوی تحلیل پیش کرتے ہیں تا کہ روز روشن کی طرح آیۂ قرآن کے معنی واضح ہو جائیں:

اولاً: لغت عرب میں عرش اس تخت کو کہتے ہیں جس پر حاکم بیٹھ کر فرمان حکومت صادر کرے، لیکن آہستہ آہستہ عرش قدرت اور طاقت کے معنی میں استعمال ہونے لگا، جیسے عرش (المملکۃ)

ثانیاً: استویٰ کبھی بھی بیٹھنے اور استقرار کے معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے، ہاں بعض مقامات پر استویٰ ایسے معنی میں استعمال ہوا ہے، جس کا لازمہ جلوس (بیٹھنا) ہے، جیسا کہ قرآن میں چار جگہ استویٰ استعمال ہوا ہے:

(۱) ﴿وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِىِّ﴾ (ھود آیت ۴۴، پ ۱۲) ⇐

(۲) ﴿فَاِذَا اسْتَوَیْتَ اَنْتَ وَ مَنْ مَّعَکَ عَلَی الْفُلْکِ﴾ (مومنون آیت ۲۸، پ۱۸)
ترجمہ:۔اور جب تم اپنے ہمراہیوں کے ساتھ کشتی پر درست بیٹھو۔
(۳) ﴿لِتَسْتَوٗا عَلٰی ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَیْتُمْ عَلَیْهِ﴾ (سورہ زخرف آیت ۱۳، پ۲۵)
ترجمہ:۔تا کہ تم اس کی پیٹھ پر چڑھو اور جب تم اس پر اچھی طرح سیدھے ہو بیٹھو۔
آیہ مذکورہ میں لفظ استوی کا استعمال اعتلاء اور استیلاء ہے جس کا لازمہ بیٹھنا قرار پایا ہے ''استوی'' کے ابتدائی معنی جلس نہیں ہے، جب گھاس حد کمال تک پہنچتی ہے تو عرب کہتے ہیں ﴿فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ﴾ (سورہ فتح آیت ۲۹) کشت وزرع حد کمال تک پہنچ گئی، یا جب انسان جوان ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے استوی الرجل یعنی انسان مرحلہ جوانی کے آخری حصے تک پہنچ گیا، اسی طریقہ سے عرب صحیح وسالم انسان کو اَلسوی کہتے ہیں، یا جب انسان کام کرنے کے لئے قدم اٹھاتا ہے اور ساری رکاوٹیں دور کر کے اپنے کام میں مشغول ہو جاتا ہے تو ''استوی لفلان امرہٗ'' کہا جاتا ہے، جب کوئی شخص کسی کی زمین پر تسلط کر لیتا ہے تو کہا جاتا ہے ''استویٰ فلان علی الملک'' جیسا کہ شاعر کہتا ہے۔

قَدِ اسْتَوی بِشْرٌ عَلی العراق ☆ مِنْ غیر سیفٍ ودَم مهراقٍ

ترجمہ:۔بشر نے بغیر کسی خونریزی اور تلوار کے عراق پر قبضہ کر لیا۔
اسی وجہ سے کلمہ علو استوی کے معنی میں باہم استعمال ہوتا ہے جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

ولما علونا و استوینا علیهم ☆ ترکنا هم مرعی لنسر و کاسر

اور جب ہم نے ان پر برتری اور فوقیت حاصل کر لی، تو ان کی سرزمین کو باز اور گدھ کے لئے چراگاہ بنا دیا۔(یعنی ان کی زمین کو مرگھٹ بنا دیا)۔
مذکورہ شواہد سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ لفظ استوی کے معنی بلندی، علو، استعلاء اور ارتفاع کے ہیں جن کا لازمہ کبھی بیٹھنا ہوتا ہے، کیونکہ جب انسان کسی مرکب (سواری) پہ سوار ہوتا ہے تو ایک طرح کی اسے بلندی حاصل ہوتی ہے، اگر جوان مرد کو مستوی کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی جوانی میں برتری اور ارتفاع کے درجہ پر پہنچ چکا ہے، مشکل یہ ہے کہ اہل سنت حضرات نے کلمہ استوی کو بیٹھنے کے معنی میں استعمال کر لیا اور مکانی علو و برتری مراد لے لی ہے۔
ثالثاً: جن جگہوں پر قرآن میں اس لفظ کا استعمال کیا گیا ہے وہاں خدا نے آسمان وزمین کی خلقت وآفرینش کا ذکر فرمایا ہے، اس کائنات کی تدبیر میرے دست قدرت میں ہے اور کوئی بھی شے موجود بغیر اس کے اذن کے مؤثر نہیں، مثلاً سورہ رعد آیت نمبر۲، سورہ اعراف آیت ۵۴، سورہ یونس آیت ۳، سورہ فرقان آیت ۵۹، سورہ سجدہ آیت ۴، سورہ حدید آیت ۴۴۔
ان تمام آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا اپنی قدرت وسلطنت کا اظہار کر رہا ہے اور اس کی قدرت کے آگے کسی کی قدرت کارگر نہیں، وہی ہے جو مدبر زمین وآسمان ہے، تو اب ﴿الرحمٰن علی العرش استوی﴾ کے معنی ہرگز یہ نہیں کہ وہ عرش پر بیٹھا ہوا ہے بلکہ اس سے خدا کی قدرت کاملہ کا اندازہ ہوتا ہے کہ خدا اس ذات کا نام ہے جو کہ شئے تمام کائنات کی نظروں میں سب سے بلند ہے وہ اس پر بھی غلبہ اور قدرت رکھتا ہے۔
قارئین کرام! حقیقت تو یہ ہے کہ مکان خدا کے بارے میں عقیدہ وجود میں آنے کا سبب یہی مذکورہ آیات سے غلط معنی کا استفادہ کرنا ہے۔ چون ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند۔
پس اگر ان آیات کی صحیح تفسیر کی جاتی تو ہرگز ایسا خرافاتی عقیدہ وجود میں نہ آتا۔ (عرض مترجم تمام شد)

۴۔خدا کی ہنسی!

صحیح بخاری اور مسلم میں مسئلۂ توحید پر **چوتھا نقطۂ ضعف** یہ ہے کہ ان کتابوں کی روایات میں خدا کو صفتِ ضحک (ہنسی) اور حالت تغیر سے متصف کیا گیا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل روایات سے استفادہ ہوتا ہے:

١. ".....فیقول اللّٰہ: أولیس قدزعمت ان لاتسئلنی غیرہ؟ویلک یابن آدم!ما اغدرک؟فیقول: یارب! لاتجعلنی اشقی خلقک!فلایزال یدعوحتی یضحک اللّٰہ!!فاذا ضحک منہ!! اذن بالدخول فیھا!!"(١)

قارئین کرام! اگرچہ رویت خدا کی بحث میں ہم مذکورہ حدیث کو مفصل ذکر کر چکے ہیں لیکن خدا کی ہنسی سے متعلق اس حدیث کے مذکورہ جملے قابل توجہ ہیں،اس لئے آپ کی خدمت میں دوبارہ نقل کیا ہے:

خدا نے فرمایا: اے فرزند آدم! مگر تو نے وعدہ نہیں کیا تھا کہ دوسرا سوال نہ کروں گا؟ وائے ہو تجھ پر اے فرزند آدم! تو کتنا بڑا مکّار ہے؟! وہ کہے گا اے خدا! تو مجھے اپنے محروم ترین بندوں میں سے قرار نہ دے! اس بات کی وہ تکرار کرے گا اور گریہ وزاری کرے گا، یہاں تک کہ خدا کو ہنسی آ جائے گی اور جب خدا ہنسنے لگے گا تو اس کو بہشت میں جانے کی اجازت دیدے گا!!

٢. ".....فلما اصبح غداً الی رسو ل اللّٰہ فقال :ضحک ا للّٰہ اللیلۃ اوعجب من فعالکما!!"(٢)

ایک مفصل حدیث ابو ہریرہ کے ذریعہ رسول خداؐ سے ایک صحابی کی مہمان نوازی کے بارے میں مروی ہے جس کا آخری حصہ ہم نقل کرتے ہیں:

چنانچہ دوسرے دن وہ مہمان نواز مرد آنخضرت ﷺ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا، آپ نے فرمایا: آج کی شب خداوند متعال کو تمہاری مہمان نوازی نے ہنسی میں ڈال دیا یا تمہارے کام سے وہ تعجب میں پڑ گیا!!

---

(١) اس کے حوالے وہی ہیں جو دوسری روایت کے بعد اگلے صفحہ پر نقل کئے گئے ہیں۔

(٢) صحیح بخاری جلد۵، کتاب فضائل الصحابۃ، باب "ویؤثرون علی انفسھم "(سورہ حشر آیت ۹] حدیث۳۵۸۷،(مترجم: بخاری ج۴ ،کتاب التفسیر،باب" ویؤثرون علی انفسھم "حدیث ۴۷۰۷.)

۳۔"...... عن ابی هریرة ؛ان رسول اللّٰہ قال : یضحک ا للہ الی رجلین، یقتل احدهما الآخر، فکلاهما یدخل الجنة فقالو ا:کیف یا رسول اللہ ؟! قال: یقاتل هذا فی سبیل اللہ عز وجل فیستشهد ،ثم یتوب اللہ علی القاتل فیسلم فیقاتل فی سبیل ا للہ " (۱)

ابو ہریرہ سے تین سند اور دو عدد متن کے ساتھ ایک حدیث منقول ہے جس میں اس طرح وارد ہوا ہے:

خدا ان دو افراد پر ہنسے گا جن میں ایک دوسرے کا قاتل تھا اور وہ دونوں (قاتل و مقتول) بہشت میں داخل ہوئے!! لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ کیسے ممکن ہے کہ قاتل و مقتول دونوں بہشت میں ہوں؟! رسولؐ نے ارشاد فرمایا: چونکہ ان دونوں میں سے ایک نے پہلے راہ خدا میں جہاد کیا اور وہ اس دوسرے شخص کے ہاتھوں شہید ہو گیا، پھر اس کے قاتل نے بھی توبہ کر لی اور اسلام قبول کر لیا اور وہ بھی راہ خدا میں جہاد کر کے شہید ہو گیا۔

۴۔"...... عن ابن مسعود ؛ان رسول اللّٰہ قال :آخر من یدخل الجنة رجل فهو یمشی مرة،و یکبو مرة و تسفعه النار مرة،فاذاما جاوز ها ،التفت الیها فقال: تبارک الذی نجانی منک ،لقد اعطانی اللّٰہ شیئاً،ما اعطاه احداً من الاولین والآخرین، فترفع له شجرة،فیقول:ای رب ادننی من هذه الشجرة فلا ستظل بظلها واشرب من مائها افیقول اللّٰہ عز وجل :یا ابن آدم العلی ان عطیتکها سالتنی غیرها؟فیقول:لا .یا رب !و یعاهد ہ ان لا یسئله غیرها،وربه یعذره ،لانه یری، مالا صبر له ،علیه، فیدنیه منها فیستظل بظلها ویشرب من مائها ثم ترفع له شجرةهی احسن من الاولی ، فیقول ای رب ! ادننی من هذه ! لا شرب من مائها واستظل بظلها لا اسئلک غیرها......" (۱)

---

(۱) صحیح مسلم جلد ٦ ،کتاب الامارة ،باب(۳۵)"بیان الرجلین قتل احدهما الآخر یدخلان الجنة" حدیث ۱۸۹۰ .

(۲) مترجم:صحیح مسلم، جلد ۱ ، کتاب الاعیان ،باب(۸۳) "آخر اهل النار خروجاً" حدیث ۲۷۴ .

ابن مسعود رسول خداﷺ سے نقل کرتے ہیں:

آخری فرد جو داخل بہشت ہوگا اس کی کہانی یہ ہے: وہ کبھی راستہ چلتا ہوگا اور کبھی زمین پر گر پڑے گا اور کبھی آگ اس کو لپیٹ لے گی اور اس کے چہرے کو جھلس دے گی اور جب وہ اس آتش سے گزر جائے گا تو اس آگ کی جانب رخ کر کے کہے گا: شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے تجھ سے گزرنے کی قوت دی، خدا نے مجھے وہ نعمت عنایت کر دی ہے جو اولین و آخرین میں کسی بھی شخص کو نہیں دی، پھر اس کے لئے ایک درخت ظاہر ہوگا وہ اس درخت کو دیکھ کر کہے گا: اے خدا! مجھے اس درخت کے نزدیک کر دے تا کہ اس کے سایہ میں چلا جاؤں اور وہاں کے پانی سے سیراب ہوسکوں، خدا اس کے جواب میں کہے گا: اگر میں اس وقت تجھے اس کے قریب کر دوں گا تو تو دوسری خواہش کرنے لگے گا! وہ کہے گا: میرے معبود! اس کے علاوہ اور کوئی حاجت نہیں ہے، جب خدا اس سے عہد و پیان کر لے گا تو اس درخت کو قریب کر دے گا، یا وہ خود اس کے قریب چلا جائے گا، کیونکہ وہ اس حالت میں ہوگا اور نعمتوں کو دیکھ رہا ہوگا کہ صبر و تحمل نہیں کر سکتا، پھر اس سے بھی زیادہ زیبا اور خوبصورت دوسرا درخت ظاہر ہوگا، یہ شخص اس درخت کو بھی دیکھ کر صبر و تحمل نہ کر سکے گا اور پہلے کی طرح تمنا کرنے لگے، خدا کہے گا: کیا میں نے تجھ سے عہد و پیان نہیں لیا تھا کہ اب کوئی تمنا نہ کرنا؟!! الغرض اسی طرح ایک تیسرا خوبصورت ترین درخت بہشت کے کنارے ظاہر ہوگا، یہاں بھی یہ شخص پہلے کی طرح اپنی تمنا کا اظہار کرے گا اور جو گفتگو اور عہد و پیان خدا نے پہلے لئے تھے وہی یہاں لے گا، المختصر یہ کہ وہ یونہی تمنا کرتے کرتے بہشت کے دروازے تک پہنچ جائے گا اور جب یہاں اہل بہشت کی صدائیں سنے گا (اور وہاں کی نعمتوں کی خوشبوؤں سے لطف اندوز ہوگا) تو کہے گا: اے خدا! مجھے جنت میں داخل کر دے! خدا فرمائے گا: تو نے مجھ سے عہد نہیں کیا تھا کہ اس کے بعد کوئی خواہش نہیں کرے گا؟! اے فرزند آدم! کوئی ایسی چیز ہے بھی جو تجھ کو راضی کر دے؟ اگر اس دنیا سے تجھے دوگنا عطا کر دوں تو کیا پھر تیرا دل بھر جائے گا؟! وہ کہے گا: اے خدا! تو عالمین

کا خالق اور مالک ہے تو پھر کیوں استہزاء اور تمسخر کر رہا ہے؟!

اس جگہ ابن مسعود روایت کو بیان کرتے کرتے ہنس کر کہنے لگے: میرے ہنسنے کا سبب جانتے ہو کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: ہمیں نہیں معلوم اے ابن مسعود! آپ ہی بیان فرمایئے؟ ابن مسعود نے کہا: چونکہ آنحضرت ﷺ بھی اسی جگہ ہنسنے لگے تھے: اور جب آپؐ سے اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا: میرا ہنسنا خدا کے ہنسنے کی وجہ سے ہے!! کیونکہ جب اس بندہ نے خدا سے کہا: اے دونوں جہان کے خدا!! تو مجھ سے مذاق کرتا ہے؟! تو خدا نے کہا: نہیں میرے بندہ میں جو چاہتا ہوں اس پر قادر بھی ہوں!!

زندہ باد وہ خدا جو ہنستا ہے!!

ابورزین کہتے ہیں:

رسول خدا ﷺ نے فرمایا: خدا اپنے بندوں کی اطاعت دیکھ کر ہنستا ہے، میں نے رسول خدا ﷺ سے دریافت کیا: کیا خدا بھی ہنستا ہے؟ تو رسول اسلام ﷺ نے فرمایا: ہاں! اس کے بعد میں نے یہ جملے کہے: زندہ باد وہ خدا جو ہر نیکی وخیر پر ہنسے!(۱)

مذکورہ روایات سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں

مذکورہ حدیثیں جو خدا کی ہنسی کے بارے میں صحیح بخاری اور مسلم میں نقل کی گئی ہیں ان سے جن مطالب کا استفادہ ہوتا ہے ان میں سے بعض یہ ہیں اور ان میں سے ہر ایک ان روایات کے جعلی ہونے پر دلالت کرتا ہے:

۱۔ انسان کی طرح خدا بھی ہنستا ہے یعنی بشر کی طرح خدا کو بھی ضحک اور تعجب عارض ہوتا ہے!!

۲۔ خدا کے بندے عہد و پیمان کے بعد بھی خدا کو دھوکا اور فریب دے سکتے ہیں! اور جب خدا کسی کے ساتھ مہربانی کرنا چاہے گا تو مثبت جواب دینے سے قبل اس سے عہد و پیمان باندھے گا تا کہ بندہ اس کی

---

(۱) سنن ابن ماجہ ج ۱ ،باب[۱۳]"فیما انکرت الجھمیۃ" ص ۷۱.

مخالفت نہ کرسکے! لیکن بندہ اتنا چالاک ہوگا کہ خدا کو بھی دھوکہ دیدے گا! اور اس سے جھوٹا وعدہ کرے گا اور جب اس کی پہلی خواہش پوری ہو جائے گی تو پھر پیمان شکنی کر کے دوسرا سوال کرے گا! اور دوسری دفعہ بھی خدا کو فریب دیدے گا، اس طرح بندہ خدا کو مسلسل فریب دیتا رہے گا، لیکن خدا پھر بھی اس کی مکاری کی طرف متوجہ نہ ہوگا!!!

عرض مؤلف

اے مسلمانو! تمہاری غیرت کو کیا ہو گیا ہے؟! آخر ایسی بیہودہ روایات کو کون صحیح قرار دے سکتا ہے؟! آیا تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو ان حدیثوں کو صحیح ماننے والوں سے یہ سوال کرے کہ جو خدا رحمٰن و رحیم ہو وہ کسی نعمت کے عنایت کرنے کے وقت بندہ سے عہد و پیمان لے کر کسی دوسری خواہش کیلئے اس کے منھ میں تالا ڈال دے گا؟! کیا خدا بھی دوسری نعمت عنایت نہ کرنے کے لئے بہانے تلاش کرتا ہے؟! آخر یہ عہد و پیمان کس لئے؟! اور پھر بندہ کا عہد و پیمان توڑنا، کیا معنی رکھتا ہے؟!

۳۔ کیا ایک بندۂ مومن بھی خدا سے استہزاء اور مذاق کرسکتا ہے؟ یعنی ایک بندۂ مومن جو مقدس اور خداشناس ہے وہ دوزخ کی آگ سے نجات حاصل کر کے اس قدر مغرور ہو جائے گا کہ خدا کے سامنے جسارت کرتے ہوئے اس کی طرف ایسی چیز کی نسبت دے گا جو جاہل لوگوں کی صفت ہے! اور کہے گا: اے خدا! تو مجھ سے استہزاء اور مذاق کرتا ہے؟!" **أتستهزء مني وانت رب العالمين**"؟!! اے خدا! تو مجھ سے مذاق کرتا ہے حالانکہ تو عالمین کا رب ہے؟!!

محترم قارئین! ہم ایسے ہذیانات، خرافات اور جعلیات سے خدا کی بارگاہ میں پناہ چاہتے ہیں خدا بچائے ایسے جھوٹے اور مکار لوگوں سے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوا قَوْلاً سَدِيْدَاً ☆ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيْماً﴾(۱)

---

(۱) سورۂ احزاب آیت ۷۱۔۷۰، پ۲۲.

۵۔ خدا کی سرگوشی!

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں مسئلۂ توحید پر **پانچواں نقطۂ ضعف** یہ ہے کہ ان دونوں مؤلفین نے توحید سے متعلق ایسی ایسی روایتیں نقل کی ہیں جو نہ تنہا عقل ونقل کے صریحاً خلاف ہیں بلکہ شانِ الوہیت کے بھی منافی ہیں، مثلاً ذیل کی حدیث ملاحظہ کریں جس میں جامہ عُدالت الٰہیہ کو چاک چاک کر کے خدا کا بندہ سے ہم پہلو ہو کر اس سے کانا پھوسی کا منظر دکھلایا گیا ہے!!

۱۔ "...... عن صفوان بن محرز؛ قال: بينا ابن عمر يطوف، اذ عرض رجل فقال: يا ابا عبد الرحمان! اوقال يا ابن عمر! سمعت النبيّ في النجوى ؟فقال: سمعت النبي يقول : يدني المؤمن من ربه ،وقال: هشام: يدنو المؤمنحتى يضع الله عليه كتفه، فيقرره بذنوبه تعرف ذنب كذا ؟ يقول اعرف يقول رب اعرف مرتين ، فيقول: سترتها في الدنيا واغفرها لک اليوم. "(۱)

صفوان ابن محرز کہتے ہیں: ایک روز عبداللہ ابن عمر طواف کر رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور عرض کی: اے ابوعبدالرحمٰن! کہا: اے عمر کے بیٹے! کیا رسول خدا ﷺ سے آپ نے خدا کی بندہ سے سرگوشی کے بارے میں کچھ سنا ہے؟ عبداللہ ابن عمر نے کہا: ہاں میں نے سنا ہے کہ رسول اسلام ﷺ نے فرمایا: روز قیامت بندہ اس قدر اپنے خدا سے نزدیک ہو جائے گا کہ خدا اس کو اپنی بغل میں لے لے گا اور اس سے پوچھے گا: اے میرے بندہ! تجھے یاد ہے کہ فلاں موقع پر فلاں گناہ کیا تھا؟! تب یہ بندۂ مومن کہے گا: ہاں ہاں! اور جب اس ترتیب سے تمام گناہوں کا اعتراف کر لے گا تو خدا کہے گا: اے بندہ! اطمینان رکھ! جس طرح میں نے دنیا میں تیری لاج رکھی اور تیرے تمام گناہوں کی پردہ پوشی کی، اسی طرح (یہاں تیرے گناہوں کی پردہ پوشی کروں گا اور) تیرے سارے گناہ بخش رہا ہوں"!!

---

(۱) صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب المظالم والغضب، باب(۳) "الا لعنة الله على الظالمين" حدیث ۲۳۰۹، ج۵، کتاب الادب، باب(۶۰) "ستر المؤمن على نفسه" حدیث ۵۷۲۲. ۵۷۲۱، جلد ۶، کتاب التفسير، تفسير سوره هُود، باب(۱۷۵) "ويقول الاشهاد هؤلاء الذين" آیت نمبر ۱۸، حدیث ۴۴۰۸، مترجم: (صحیح بخاری ج۶، کتاب التوحيد، باب (۳۶) حدیث ۷۰۷۶) صحیح مسلم جلد ۸، کتاب التوبه، باب" قبول التوبه" حدیث ۲۷۶۸. ۲۷۶۶، سنن ابن ماجه جلد ۴، باب[۱۳] " فيما انكرت الجهمية" ص ۶۱.

۶۔ کیا خدا مختلف اعضاء سے بنا ہے؟!

اہل سنت کے یہاں مسئلۂ توحید پر **چھٹا نقطۂ ضعف** یہ ہے کہ کتب صحیحین جو کہ اہل سنت کے عقیدہ کی مدرک وماٴخذ مانی جاتی ہیں خدا کے لئے شکل وصورت بیان کرتی ہیں!!

قارئین کرام! اس موضوع سے متعلق احادیث کی تحقیق سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ان احادیث کے ذریعہ صحیح توحید، خدا شناسی اور معرفت باری تعالیٰ حاصل کرنا ناممکن امر ہے، کیونکہ ان احادیث میں خدا کو ایک معمولی موجودات کی مانند پیش کیا گیا ہے، بلکہ ان روایات کی روشنی میں یہ بات یقینی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک خداوند متعال ایک مادی جسم ہے جو مختلف اجزاء سے مرکب ہوا ہے اور وہ ایک کامل انسان کی مانند شکل، صورت، ہاتھ، پیر، انگلی اور بقیہ جسمانی اعضاء سے متشکل ہوا ہے!!

چنانچہ بعض مباحث بالخصوص بحثِ رویت میں ہم نے اس قسم کی احادیث نقل کی تھیں جنھیں آپ نے ملاحظہ فرمایا! اب ہم ذیل میں صرف خدا کے اعضاء سے متعلق دیگر روایات نقل کرتے ہیں تاکہ آپ کو یقین کامل حاصل ہو جائے کہ اہل سنت حضرات نے خدا کو ایک عام آدمی کی طرح پیش کیا ہے!!

ا۔ کیا خدا بھی شکل وصورت رکھتا ہے؟!

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی کئی ایک روایتوں میں خدا کیلئے انسان جیسی شکل وصورت ثابت کی گئی ہے چنانچہ ذیل میں ہم ان میں سے بعض روایات ذکر کرتے ہیں:

ا. "......عن ابی هريرة ؛ عن النبی(ص) قال: خلق الله آدم علی صورته ، طوله ستون ذراعاً فلما خلقه قال: اذهب فسلم علی اولئک النفر من الملائكة، جلوس، فاستمع ما یحیونک ،فانها تحیتک وتحية ذريتک، فقال: السلام عليكم : فقالوا: السلام عليک ورحمة الله ،فزادوه ورحمةالله، فكل من يدخل الجنة على صورة آدم، فلم يزل الخلق ينقص بعد حتىٰ الآن".

ابو ہریرہ سے نقل ہے کہ رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

خدا نے آدم کو اپنی شکل وصورت پر خلق کیا اور آپ کا قد ساٹھ ہاتھ قرار دیا اور اس کے بعد آدم کو حکم دیا: جاؤ ان بیٹھے ہوئے فرشتوں کو سلام کرو اور ان کے جواب سلام کو غور سے سنو کیونکہ ان کا جواب ہی تم اور تمہاری اولاد کیلئے تحیت وسلامت ہے، چنانچہ جناب آدمؑ ملائکہ کے پاس تشریف لائے اور کہا: السلام علیکم: فرشتوں نے جواب سلام میں فرمایا: **"السلام علیک ورحمۃ اللہ"** (ورحمۃ اللہ کا اضافہ کیا) پس جو شخص بھی جنت میں داخل ہوگا وہ آدم کی صورت میں ہوگا اور اس کے بعد انسان قد کے لحاظ سے چھوٹے ہوتے گئے یہاں تک ہم جیسے (ناٹے) ہو گئے!!(۱)

۲ ."............عن ابی هريرة؛عن النبی؛اذا قاتل احدكم اخاه،فليجتنب الوجه، فان الله خلق آدم علی صورته !! "(۲)

ابو ہریرہ سے منقول ہے:

رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارا کسی برادر مومن سے جھگڑا ہو جائے تو اس کے چہرے پر طمانچہ مارنے سے پرہیز کرے کیونکہ خدا نے انسان کو اپنی شکل وصورت پر خلق کیا ہے!!

۳ ."...... خلق آدم علی صورة الرحمان" (۳)

دوسری جگہ مسلم روایت کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ نے رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے:

انسان خدائے رحمٰن کی شکل پر خلق کیا گیا ہے!!

۴ ."...... عن ابی هريرة؛قال: لا تقولن قبح الله وجهک ووجه من اشبه وجهک فان لله عز وجل خلق آدم علی صورته" (۴)

---

(۱) صحيح بخاری: جلد ۸،کتاب الاستئذان،باب" بدؤ السلام" حديث نمبر ۵۸۷۳.

(مترجم : صحیح بخاری جلد۳، کتا ب الانبياء، باب(۲) حديث نمبر ۳۱۴۸)

صحيح مسلم جلد ۸،کتاب الجنة،... باب ۱۱ "يدخل الجنة اقوام"حديث نمبر ۲۸۴۱.

(۲) صحيح مسلم ۸،کتاب البر و الصلة والآداب، باب"النهی عن ضرب الوجه" ح ۲۶۱۲ طريق پنجم.

(۳) ارشاد الساری جلد۱۰ ،کتاب الاستئذان،باب" بدؤ السلام"یاکتا ب الانبياء، باب(۲) ح ۳۱۴۸.

(۴) ادب المفرد، باب"لا تقل قبح اللهوجهک"

امام بخاری اپنی کتاب ''ادب المفرد'' میں ابو ہریرہ سے نقل کرتے ہیں:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کسی کو بھی یہ نہ کہو کہ خدا تیرا چہرہ اور تیرے چہرہ جیسی شکل کو قبیح کر دے کیونکہ خدا نے آدم کو اپنی صورت کے مطابق پیدا کیا ہے!!

مذکورہ احادیث سے یہ استفادہ ہوتا ہے:

۱) خدا بھی جسم اور شکل وصورت رکھتا ہے!

۲) خدا کی صورت انسان کے چہرے سے مشابہ ہے، اسی وجہ سے انسان کے چہرے پر طمانچہ مارنے سے منع کیا گیا ہے!!

ایک تحقیقانہ نظر

علامہ فقید مرحوم سید شرف الدین فرماتے ہیں:

''یہ حدیث اسرائیلیات سے لی گئی ہے، کیونکہ توریت میں بھی ایسی روایت موجود ہے، چنانچہ اصحاح اول سفر تکوین قسمت ۲۷ میں آیا ہے کہ خدا نے انسان کو اپنی صورت پر نر و مادہ خلق کیا ہے''۔(۱)

عرض مؤلف

اگر کوئی شخص توریت کا مطالعہ اور تحقیق کرے تو اس پر واضح ہو جائے گا کہ یہ عقائد اسرائیلیوں سے لئے گئے ہیں، کیونکہ اس طرح کے نظریات کہ انسان خدا کی طرح ہے اور وہ خدا کی شکل وصورت رکھتا ہے، توریت میں آپ کو جا بجا مل جائیں گے (لیکن مایۂ تأسف یہ ہے کہ توریت میں جو مضامین اس بارے میں منقول ہیں وہ قابل تاویل ہیں مگر صاحبان صحیحین نے تو اس قدر بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے کہ تصحیح وتاویل ہی مشکل ہے، مثل مشہور ہے کہ دیگ سے زیادہ چمچہ گرم) چنانچہ سفر تکوین کی قسمت اول کی فصل پنجم میں یوں وارد ہوا ہے:

''جس دن خدا نے آدم کو خلق کیا تو اپنی صورت پر خلق کیا''

پولس ان جملوں کی اس طرح تاویل کرتا ہے کہ یہ شباہت انسان اور خدا کے درمیان قدوسیت، عدالت

(۱) دیکھئے: کتاب ابو ہریرہ، مؤلفہ سید شرف الدین طاب ثراہ۔

اور سیرت کے اعتبار سے ہے اور صورت سے مراد انسان کی واقعی صورت ہے نہ کہ انسان کا مادی قیافہ ہے''۔(۱)

ہم کہتے ہیں کہ اگر تشبیہ سے مراد وہی ہو جو پولس نے کہا تو تورات کی ایک حد تک اصلاح کی جاسکتی ہے اور تجسیم و تشبیہ کے اشکال کو برطرف کیا جاسکتا ہے، لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ توریت سے اس مطلب کو اخذ کرنے والے دیگ سے زیادہ چمچہ گرم کی مانند توریت سے بھی زیادہ آگے بڑھ گئے ہیں اور انھوں نے ہر طریقے کی تاویل و توجیہ کا راستہ مسدود کردیا ہے، کیونکہ دوسری حدیث میں آیا ہے:

''تم لوگ کسی کے چہرے پر طمانچہ نہ مارو کیونکہ خدا نے انسان کو اپنی صورت پر خلق کیا ہے''

بتایئے! اس کی آپ کیسے تاویل اور توجیہ کریں گے؟! کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں صورت سے مراد انسان کا چہرہ نہیں ہے؟!

حضرت آدمؑ کا عرض کتنے گز تھا؟!

جناب عینی صاحب اپنی شرح بخاری میں تحریر فرماتے ہیں: مذکورہ حدیث میں جناب آدم علیہ السلام کے جسم کے طول کی تو تعیین کی گئی ہے لیکن آپ کے عرض (چوڑائی) کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا ہے، البتہ دیگر احادیث میں آپ کا عرض سات گز بتلایا گیا ہے۔(۲)

عرض مؤلف

مضمونِ احادیث اور قول عینی کے مطابق (قطع نظر اس سے کہ جناب آدم خدا کی صورت رکھتے تھے) نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جناب آدم کا طول ۶۰ر اور عرض ۷ر گز تھا اور یہ وہ مطلب ہے جو خود مذکورہ روایت کے جعلی ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ:

---

(۱) قاموس کتاب مقدس، مادہ آدم

(۲) عمدۃ القاری جلد ۲۲، کتاب الانبیاء، باب (۲) حدیث نمبر ۳۱۴۸.

اولاً: ساٹھ گز قد ہونے کا لازمہ یہ ہے کہ حضرت آدم کا سر دو گز سے زیادہ حجم رکھتی ہو! حالانکہ موجودہ تحقیق کے مطابق جو آثار قدیمہ (کھوپڑیاں اور سر کی ہڈیاں) زمین کھودنے وغیرہ سے حاصل ہوئے ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ قدیم زمانے کے انسانوں کی کھوپڑیاں اس وقت کے انسانوں سے زیادہ تفاوت نہیں رکھتی ہیں، چنانچہ ابھی تک کوئی ایسا ثبوت دریافت نہیں ہوا ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ قدیم زمانہ میں انسانوں کی کھوپڑیاں دو گز کے برابر ہوتی تھیں اور نہ ہی آج تلک کوئی اثر ایسا کشف ہوا ہے جس سے یہ پتہ چلتا کہ قدیم زمانہ میں انسان ۶۰ رگز طول رکھتے تھے!!

ثانیاً: اگر کوئی انسان ۶۰ رگز کا طول رکھتا ہے تو اس کا عرض ؛۷ ار اور ایک ہفتم گز ہونا چاہیئے، کیونکہ معمولاً انسان کا عرض قد کے دو (۲/۷) کی مقدار کا ہوتا ہے نہ کہ سات (۷) گز پس اگر سات گز عرض کے اعتبار سے جناب آدم کو دیکھا جائے تو پھر آپ کا طول ساڑھے چوبیس گز ہونا چاہیئے نہ کہ ساٹھ گز، لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ یا تو ان حدیثوں میں حضرت آدم کے طول و عرض کا اندازہ لگانے میں غلطی ہوئی ہے، یا پھر حضرت آدم غیر متناسب اعضاء رکھتے تھے حالانکہ قرآن مجید فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الاِنسَانَ فِي أَحسَنِ تَقوِيمٍ﴾(۱) بالتحقیق ہم نے انسان کو بہت ہی اچھی شکل وصورت میں پیدا کیا۔

۲۔ خدا کی آنکھیں!

خدا اندھا نہیں!!

۱ . " ...... عن نافع؛ قال عبد الله: ذكر النبيّ يوماً بين ظهري الناس: "المسيحَ الدّجال" فقال صلى الله عليه و آله وسلم: ان الله ليس باعور، ألاَ ان المسيح الدجّال اعور العين اليمنى، كَأَنّ عينه عَنَبَةٌ طافية "

نافع نے عبداللہ سے نقل کیا ہے:

---

(۱) سورہ التین آیت ۴، پ ۳۰!!.

حضرت رسول اکرم ﷺ ایک مرتبہ لوگوں کے درمیان دجال کی گفتگو کر رہے تھے کہ درمیان میں آپ نے فرمایا: خدا کانا نہیں ہے، لیکن دجال کانا ہے اور اس کی ایک آنکھ ایسی ہے جیسے انگور سے اس کا دانہ نکل گیا ہو۔(۱)

۲۔...... عن عبد الله؛قال: ذكر الدجال عند النبي،فقال: لا يخفى عليكم ان الله ليس باعورو اشار بيده الى يمينه وقال: ان المسيح الدجال اعور العين اليمنى، كان عينه عنبة طافية." (۲)

عبداللہ سے منقول ہے:

ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کے سامنے دجال کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا: یہ بات تم پر واضح ہو جانی چاہئے کہ خدا کانا نہیں ہے (راوی کہتا ہے:) رسول اکرمؐ نے اپنے ہاتھ سے اپنی داہنی آنکھ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: لیکن دجال کی داہنی آنکھ اندھی ہے اور اس کی آنکھ انگور کے دانہ کی مانند اس کے حدقہ سے باہر نکل گئی ہے۔

مذکورہ دونوں حدیثوں کا مطلب: مذکورہ اور ان جیسی دیگر حدیثوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خدا آنکھیں رکھتا ہے!! کیونکہ حدیث میں دجال کو کانا اور خدا کو سالم ثابت کیا گیا ہے اور بینائی اور نابینائی کے درمیان موازنہ کیا گیا ہے!اس پر ذرا توجہ فرمائیں تو پتہ چلے گا کہ دجال اور خدا کے درمیان صرف بینائی اور نابینائی کا فرق ہے (بقیہ کوئی فرق نہیں) نیز کسی چیز کا ثبوت کسی چیز کے لئے فرع ثبوتِ مثبت لہ ہے اور پھر خدا کا مقائسہ بھی مخلوقات میں سب سے شریر ترین شخص سے کیا!! سبحان اللہ!!

(۱-۲) صحیح بخاری: جلد ۴، کتاب الانبیاء، باب(۴۹)"ذکر فی الکتاب مریم "حدیث ۳۲۵۶، ۳۲۵۷، جلد ۶، کتاب الفتن، باب(۲۴)" ذکر الدجال" حدیث ۶۷۰۸.۹، ۶۷۱۲، جلد ۵، کتا ب المغازی، باب(۷۳)"حجة الوداع" حدیث ۴۱۴۱ .جلد ۹، کتاب التو حید، باب(۹)" یذکر فی الذات والنعوت واسامی اللہ" حدیث ۷۴۰۲ .(مترجم :صحیح بخاری: جلد ۴، کتاب الانبیاء ، باب(۵) حدیث ۳۱۵۹، ۳۱۶۰، جلد ۳، کتاب الجهاد، باب(۷۴) حدیث ۱۸۹۲، جلد ۲، کتاب التوحید، باب (۱۷)حدیث ۲۹۷۲، ۲۹۷۳، کتاب التعبیر، باب" رؤیا اللیل" حدیث ۶۵۵۸، باب"الطواف بالکعبة فی المنام" حدیث ۲۲۲۳، جلد ۵، کتاب اللباس، باب"الجعد" حدیث ۵۵۶۲). صحیح مسلم جلد ۸، کتاب الفتن، باب "ذکر الدجال وصفته"طریق اول و دوم حدیث ۲۹۳۳ وحدیث ۶۹ طریق دوم .

۳۔ خدا کے ہاتھ!!

۱۔ "......ابوهريرة عن النبیؐ قال: ان يمين الله ملاى لايغيضها نفقته سحاء الليل والنهار، ارئيتم ما انفق منذ خلق السماوات والارض فانه لم ينقص مافى يمينه ،وعرشه على الماء، وبيده الاخرى الفيض او القبض يرفع ويقبض"(۱)

ابو ہریرہ سے مروی ہے:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خدا کا داہنا ہاتھ پُر ہے اور وہ احسان وانفاق میں بخل نہیں کرتا۔ اس کا احسان شب وروز بندوں پر جاری وساری رہتا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب سے اس نے زمین وآسمان کو خلق کیا ہے تب سے بندوں پر انفاق کر رہا ہے؟ چنانچہ جو کچھ اس کے ہاتھ میں تھا اس کے خرچ وانفاق میں اس نے کمی نہیں کی اور نہ ہی اس کی نعمتوں میں کسی طرح کی کمی ہوئی ہے؟ اس کا عرش پانی پر مستقر ہے اور خدا کے دوسرے ہاتھ میں فیض واحسان یا قبض واخذ ہے، کسی کو دولت و ثروت دیتا ہے، تو دوسرے سے اخذ کرتا ہے۔

۲۔...... عن ابى هريرة ؛ قال :يمين الله ملاى لايغيضها شئ ،سحاء الليل والنهار ،بيده الاخرى الميزان، يرفع القسط و يخفض، قال: ارأيت ما انفق منذ خلق السماوات والارض فانه لم ينقص ممافى يديه شيئاً" (۲)

ابو ہریرہ سے مروی ہے:

رسولؐ نے فرمایا: خدا کا داہنا ہاتھ پُر ہے، اس سے کچھ کم نہیں ہوتا دن رات اس کی نعمتیں جاری وساری رہتی ہیں اور اس کے دوسرے ہاتھ میں میزان ہے، کسی کے حصہ کو زیادہ کر دیتا ہے تو کسی کے حصہ میں کمی کر دیتا ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب سے اس نے زمین وآسمان کو خلق کیا ہے تب سے انفاق واحسان کر رہا ہے اور جو کچھ اس کے ہاتھ میں تھا اس میں کچھ کمی بھی واقع نہیں ہوئی ہے؟

---

(۱) صحیح بخاری: جلد ۹، کتاب التوحید، باب (۲۲) "وکان عرشه علی الماء" حدیث ۶۹۸۳، جلد ۶، کتاب التفسیر، تفسیر سورہ ہود، باب (۱۷۴) حدیث نمبر ۴۴۰۷.

(مترجم: صحیح بخاری: جلد ۹، کتاب التوحید، باب (۱۹) حدیث ۶۹۷۶)

(۲) سنن ابن ماجه جلد ۱، باب [۱۳] "فیما انکرت الجهمیة" ص ۶۱.

۳۔۔۔۔۔۔"سمعت رسول الله وهو على المنبر يقول: ياخذ الجبار سماواته وارضه بيده(وقبض بيده فجعل يقبضها و يبسطها)ثم يقول: انا الجبار اين الجبارون؟اين المتكبرون؟ويتحيل رسول الله عن يمينه وعن يساره ،حتى نظرت الى المنبر يتحرک من اسفل شيء منه حتى انى اقول:أساقط هو رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ؟! (۱)

میں نے رسول خداﷺ کو بالائے منبر یہ فرماتے ہوئے سنا: جب خداوند عالم اس زمین وآسمان کو اپنے ہاتھ سے گرفت میں لے گا (اس وقت رسولؐ نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور اسے بند کر کے کھولا اور کھول کر دکھلایا) تو کہے گا: میں جبار ہوں کہاں ہیں وہ لوگ جو ظلم ،تشدد اور فساد کرتے تھے؟ کہاں ہیں متکبر لوگ؟ اس وقت رسولؐ دائیں بائیں جھک رہے تھے! میں نے دیکھا کہ منبر نیچے سے ہل رہا ہے میں نے سوچا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ منبر سے نیچے گر پڑیں!!

۴۔ خدا کی انگلیاں!!

۱۔ "۔۔۔۔۔۔عن عبد الله؛ قال: جاء حبر من الاحبار الى رسول الله، فقال: يامحمد! انا نجد :ان الله يجعل السماوات على اصبع، والارضين على اصبع، والشجر على اصبع ،والماء على اصبع ،والثرى على اصبع ، وسائر الخلائق على اصبع، فيقول: انا الملک. فضحک النبى (ص) حتى بدت نواجذه تصديقاً لقول الحبر،ثم قرء رسول الله :﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالاَرْضُ جَمِيعاً قَبْضَتُهُ يَومَ القِيَامَةِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ . سورهٔ زمر ۶۷،پ۲۴﴾ .

عبداللہ کہتے ہیں:

علمائے یہود میں سے ایک یہودی عالم، رسول اسلامﷺ کی خدمت میں شرفیاب ہوا اور کہنے لگا: اے رسول! میں نے توریت میں پڑھا ہے: خدا روز قیامت آسمانوں ، زمینوں، درختوں، آب

---

(۱) سنن ابن ماجه جلد ۱ ،باب[۱۳] " فيما انكرت الجهمية"ص ۶۱ .

وخاک غرض تمام موجوداتِ عالم کو ایک ایک انگلی پر اٹھالے گا، پھر کہے گا: میں ان موجودات کا واقعی سلطان اور مالک ہوں عبداللہ کہتے ہیں: جب اس یہودی کا کلام یہاں تک پہنچا تو آنحضرت ﷺ بھی اس کی تائید کرتے ہوئے ہنسنے لگے، یہاں تک رسول ﷺ کے دندان مبارک نظر آنے لگے!!اور اس آیت کو بطور تصدیق تلاوت فرمایا: ''اور ان لوگوں نے جیسے خدا کی قدر کرنا چاہیے تھی قدر نہ کی، حالانکہ وہ ایسا قادر ہے کہ قیامت کے دن ساری زمین گویا اس کی مٹھی میں ہوگی اور سارے آسمان گویا اس کے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہیں''۔(۱)

امام مسلم نے دیگر طریق سے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ (۲)

۲. ''......الکلابی؛ قال: سمعت رسول اللّٰہ (ص) یقول: ما من قلب، الا بین اصبعین من اصابع الرحمان، ان شاء اقامه و ان شاء اذاغه.....''(۳)

کلابی کہتے ہیں: میں نے رسول خدا ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: کائنات میں ایسا کوئی قلب نہیں جو خدا کی دو انگلیوں کے درمیان نہ ہو، چنانچہ اگر وہ چاہے تو ان کو ثابت رکھے اور اگر چاہے تو ان میں لغزش پیدا کردے۔

محترم قارئین! جو حدیثیں ہاتھ اور انگلی کے بارے میں وارد ہوئی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا بھی دیگر زندہ موجودات کی طرح ہاتھ، پیر، انگلی وغیرہ رکھتا ہے اور خدا بھی انسان کی طرح محدود ہے اور وہ بھی دیگر ممکنات کی طرح دستِ راست وچپ رکھتا ہے!!

---

(۱) صحیح بخاری: جلد۶، کتاب التفسیر، تفسیر سورۂ زمر، باب(۲۹۷) حدیث ۴۵۳۳، ۴۵۳۴، جلد ۹، کتاب التو حید ، باب(۳۶)''کلام الرب یوم القیامة مع الانبیاء'' حدیث۷۰۷۵،

(مترجم: صحیح بخاری جلد ۹، کتاب التوحید، باب(۱۹)''لما خلقت بیدی'' حدیث ۶۹۸۷، ۶۹۷۹،باب'' ان اللہ یمسک السموات والارض ان تزول'' (سورہ فاطر آیت ۴۱) حدیث نمبر ۷۰۱۳)

(۲) صحیح مسلم جلد۳، کتاب صفات المنافقین،باب ''صفة القیامة و الجنة و النار''حدیث ۲۷۸۶ .

(۳) سنن ابن ماجه جلد۲ ،باب[۱۳]'' فیما انکرت الجهمیة''ص ۶۱ .

سنن ترمذی جلد۴،ابواب عن قدر رسول اللہ (ص)باب'' ان القلوب بین اصبعیی الرحمان'' حدیث ۲۲۲۶ .

۵۔ خدا کی کمر!

"......عن ابی هریرة؛عن النبیؐ؛قال:خلق الله ،فلمافرغ منه،قامت الرحم، فاخذت بحقو الرحمان، فقال:مه! قالت:هذا مقام العائذ بک من القطیعة، قال:الا ترضین ان اصل من وصلک ،واقطع من قطعک؟قالت:بلیٰ یارب! قال: فذاکِ"(۱)

امام بخاری نے ابوہریرہ سے روایت نقل کی ہے:

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا: جب خداوند متعال مخلوقات کے خلق کرنے سے فارغ ہوگیا تو اس کی رحمت اور قرابت نے قیام کیا اور خدا کی کمر کو پکڑ لیا!! اس وقت خدا نے کہا: ٹھہر جا ٹھہر جا! اس نے کہا: یہ اس کی جگہ ہے جس نے قطع رحم کرنے سے تیری بارگاہ میں پناہ لی ہے، خدا نے فرمایا: کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ تیرے اوپر احسان کرنے والوں کو اپنے احسان سے نوازوں اور تجھ سے قطعِ رحم کرنے والوں کے ساتھ قطع رحمی سے پیش آؤں؟ اس نے کہا: اے پروردگار! راضی ہوں۔ اس پر خدا نے فرمایا: تو میں تیرے اوپر احسان وقطع رحم کرنے والوں کے ساتھ ایسی ہی رفتار کروں گا۔

۶۔ خدا کی پنڈلی کی زیارت!!

قارئین کرام! چونکہ گزشتہ مباحث میں ہم ایک حدیث نقل کر چکے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے: خداوند متعال روز قیامت مومنین کو اپنی پنڈلی دکھلائے گا جس کے ذریعہ مومنین اپنے خدا کو پہچان لیں گے...... لہٰذا اس حدیث کو عدم تکرار کی بنا پر چھوڑتے ہیں اور یہاں ایک دوسری حدیث آپ کی خدمت میں نقل کرتے ہیں:

۲...'عن ابی سعید؛ قال:سمعت النبی(ص)یقول :یکشف ربنا عن ساقه، فیسجد له کل مومن ومومنة،ویبقی من کان یسجد فی الدنیاریاء وسمعة..."

---

(۱) صحیح بخاری جلد۶،کتاب التفسیر، تفسیر سورہ محمد،باب ۱ حدیث نمبر ۴۵۵۲.

ابو سعید کہتے ہیں کہ میں نے رسول خداؐ کو فرماتے ہوئے سنا:

خداوند متعال روز قیامت اپنی پنڈلی کھول دے گا (جس کو مومنین دیکھ کر خدا کو پہچان لیں گے اور خداوند متعال کا دیدار ہو جائے گا یعنی اگر کسی نے پنڈلی نہیں پہچانی تو وہ خدا کا دیدار نہیں کر سکتا) اور تمام باایمان مرد و زن خدا کے سامنے سجدہ میں گر پڑیں گے!!! اور جو لوگ اس دنیا میں ریا کارانہ اور بناوٹی سجدہ کرتے تھے وہ سجدہ ریز نہیں ہو پائیں گے......!!(۱)

حدیث ''کشف ساق'' کی تحقیق

مذکورہ دونوں حدیثوں سے استفادہ ہوتا ہے کہ خدا کو روز قیامت پنڈلی کے ذریعہ پہچانا جا سکتا ہے، جیسا کہ بخاری نے آیہ ''**وَ یَومَ یَکشِفُ عَن سَاقٍ**'' کی تفسیر میں لکھا ہے: خدا کو روز قیامت پنڈلی سے پہچانا جائے اور گا جب تک وہ پنڈلی ظاہر نہ کرے گا اس وقت تک خدا کے وجود اور اس کے شناخت کے بارے میں لوگ شک و تردید میں مبتلا رہیں گے: ''**تعالیٰ اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا**''

محترم قارئین! چونکہ اثباتِ ساق، آیہ شریفہ ''**یَوْمَ یَکْشِفُ عَنْ سَاقٍ**'' سے مرتبط ہے جیسا کہ امام بخاری نے دوسری حدیث کو اسی آیت کی تفسیر کے عنوان سے بیان کیا ہے لہٰذا مناسب ہے کہ ہم آیہ مذکورہ کے اجمالی معنی اور مفسرین کے اقوال نقل کریں جو فائدہ سے خالی نہیں ہیں۔

مذکورہ آیت کے بارے میں شیعہ مفسر کا بیان

مشہور شیعہ مفسر قرآن، صاحب تفسیر مجمع البیان جناب طبرسی قدس سرہ اس آیت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

''چونکہ روز قیامت ہولناک اور پریشان کن دن ہوگا لہٰذا کشف ساق سے تعبیر کیا گیا ہے، یعنی

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۶، کتاب التفسیر، باب'' تفسیر یوم یکشف عن ساق'' (سورہ ن والقلم آیت نمبر ۴۲) حدیث ۴۶۳۵،

(مترجم: صحیح بخاری جلد ۶، کتاب التوحید، باب (۲۴) ''قول وجوہ یومئذ ناضرۃ'' (سورۂ قیامت) حدیث ۷۰۰۱)

کشفِ ساق آیت میں اپنے لغوی معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے، بلکہ اشارۃً اور کنایۃً روز قیامت کے ہولناک اور پُر خطر ہونے کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور اس مَثَل کی اصل یہاں سے اخذ کی گئی ہے کہ چونکہ لوگ جنگ کے مواقع اور خوف وخطر کے موارد پر لباس کو سمیٹ کر اوپر چڑھا لیتے تھے تا کہ فرار اور دیگر کوئی حرکت کرنے سے یہ لباس مانع نہ ہو، یہ جملہ ان مواقع پر استعمال ہوتا تھا اس کے بعد کشفِ ساق کی مثل آہستہ آہستہ ہر خطرناک اور شدید امر کے لئے کنایہ اور اشارہ کے طور پر استعمال ہونے لگی، چنانچہ یہی کنائی معنی ابن عباس، حسن، قتادہ، مجاہد اور سعید بن جبیر نے اس آیت کے ذیل میں لئے ہیں۔

اس کے بعد مرحوم طبرسی مزید فرماتے ہیں کہ جب ابن عباس سے اس آیت کے معنی پوچھے گئے تو آپ نے فرمایا:

اگر قرآن کے کسی جملہ یا آیت کے معنی تمہاری سمجھ میں نہ آئیں اور ان کے کنائی معنی بھی سمجھ میں نہ آتے ہوں تو ان کو اشعار عرب سے حل کرو، پھر ابن عباس نے فرمایا: کیا تم نے شاعر کے اس قول کو نہیں سنا ہے جو کہتا ہے" **و قامت الحرب بنا علی ساق؟**"۔ جنگ نے ہم کو ساق تک پہنچا دیا۔ جب جنگ سے انسان غم، اندوہ اور تباہی کی انتہا تک پہنچ جائے، تب یہ جملہ کہا جاتا ہے اور یہی کنائی معنی امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہما السلام سے بھی مروی ہے"۔(۱)

شیخ محمد عبدہ کا نظریہ

آپ بھی مذکورہ آیت کی تفسیر میں وہی کنائی معنی (جو مجمع البیان اور قدیم مفسرین نے نقل فرمائے ہیں) تفسیر بیضاوی سے نقل کرنے بعد کہتے ہیں:

"بعض لوگ ساق کے معنی ذاتِ پروردگار لیتے ہیں" اس کے بعد موصوف نے اس مطلب کی تائید کے لئے کہ لفظِ ساق نفس اور ذات کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے حضرت علی علیہ السلام سے اس

(۱) تفسیر مجمع البیان جلد ۱۰، ص ۳۳۹

جملہ کو نقل کیا ہے :**"لا بد من قتالهم و لو تلفت ساقي."**

ان سے جنگ کرنا بہت ضروری ہے چاہے ہم جنگ کرتے کرتے اپنی جان دے دیں۔

اس جملہ میں لفظِ ساق نفس (جان) کے معنی میں استعمال ہوا۔

اس کے بعد شیخ محمد عبدہ کہتے ہیں:

اگر ہم کشفِ ساق کے معنی کشفِ ذات اور وجود قرار دیں یعنی خدا روز قیامت اپنی ذات سے حجاب اٹھالے گا تو کوئی اشکال لازم نہیں آتا اور اس طرح حدیث کے یہ معنی ہوں گے: **"یوم یکشف ربنا عن ساقه"** خدا روز قیامت اپنی ذات سے حجاب اٹھالے گا اور خود کو لوگوں کے سامنے ظاہر کردے گا!!(۱)

محترم قارئین! یہ ہے حقیقتِ تعصب اور صحیح بخاری کی حدیثوں کی اندھی تقلید کرتے ہوئے ان کا بیجا دفاع کرنا! یہ ہے فرسودہ اور فاسد مطالب پر سونے کے پانی کی قلعی فرما کر اصلاح کرنا! یہ ہے حقائق کی پردہ پوشی اور ان سے عمداً کج روی اختیار کرنا! اگر یہ اندھی تقلید اور بیجا تعصب موصوف میں کارفرما نہ ہوتا تو دیگر مفسرین کے اس ضمن میں اقوال نقل کرنے کے بعد سب سے بھونڈا قول اختیار کر کے صحیح راستہ سے منحرف نہ ہوتے!!

کیا خدا اپنا پیر جہنم میں ڈال دے گا؟!

۱۔ "......عن انس، عن النبیؐ، قال: یلقی فی النار، وتقول هل من مزید؟ حتیٰ یضع الله قدمه، فتقول: قط قط!!"(۲)

امام بخاری و مسلم انس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جب خدا روز قیامت تمام اہل جہنم کو جہنم میں ڈال دے گا تو اس وقت جہنم کہے گا: **" هَل مِن مَزِيدٍ،**

---

(۱) تفسیر المنار جلد ۹، تفسیر اعراف، آیت ۱۴۳، فصل فی اختلاف المسلمین فی الرؤیة ص ۱۴۰ .

(۲) اگلے صفحہ پر دوسری روایت کے حوالے دیکھئے۔

هل من مزید " یعنی میرا شکم ابھی پُر نہیں ہوا ہے مجھے اور کچھ دو! اس وقت خداوند متعال اپنا پائے اقدس اس جہنم میں ڈال دے گا!! اور جہنم اس وقت کہے گا: بس، بس!!

۲۔ ......**"عن ابی هریرة؛ واکثر ما یوقفه ابو سفیان: یقال لجهنم هل امتلئت؟ وتقول هل من مزید؟ فیضع الرب تبارک وتعالیٰ قدمه علیها فتقول: قط قط!!"** (۱)

ابو ہریرہ سے مروی ہے:

جب جہنم سے پوچھا جائے گا: کیا تیرا پیٹ بھر گیا؟ تو جہنم جواب میں کہے گا: ابھی نہیں، اس وقت خدا اپنا پیر ڈال دے گا!! جہنم اس وقت کہے گا: بس بس!!

اس مطلب کو بخاری نے کئی حدیثوں میں مختلف اسناد و متون کے ساتھ نقل کیا ہے، اسی طرح مسلم نے چار حدیثوں کے ضمن میں بعض میں "کلمۂ رِجل" اور بعض میں "کلمۂ قدم" کے ساتھ نقل کیا ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

قارئین کرام! یہ تھیں چند روایات جو اہل سنت کی معتبر ترین کتابوں میں توحید کے بارے میں نقل ہوئی ہیں، جن کا متن ہی ان کے جعلی ہونے پر سب سے بڑا شاہد ہے، کیونکہ وہ خدا جو مکان رکھتا ہو! کبھی عرش کے اوپر اور کبھی ابر کے اندر رہتا ہو! کبھی نمازیوں کے سامنے آجاتا ہو! اور کبھی مخصوص شبوں میں آسمان اول پر اترتا ہو! (کبھی مسلمانوں کی زیارت کرے!) اور کبھی بعض لوگوں کی باتوں پر ہنستا ہو! اور وہ خدا جو انسان کی طرح مختلف اعضاء و جوارح سے متشکل ہوا ہو وہ حقیقت میں خدا نہیں ہے۔

چنانچہ ایسے خدا کی نقلی دلائل کے علاوہ تمام عقلی اور فلسفی دلائل بھی نفی کرتے ہیں، آخر کیسے ہماری عقل

---

(۱) صحیح بخاری: جلد۶، کتاب التفسیر، تفسیر سورۂ قٓ، باب(۳۳) حدیث ۴۵۶۷، ۴۵۶۸، ۴۵۶۹، جلد۸، کتاب الایمان و النذور، باب(۱) "الحلف بعزة اللّٰه وصفاته" حدیث ۶۲۸۴، جلد۹، کتاب التوحید، باب(۲۵) "ان رحمة اللّٰه قریب من المحسنین" حدیث ۷۰۱۱، باب(۷) قوله تعالی ((وهو العزیز الحکیم)) حدیث ۶۹۴۹.

صحیح مسلم جلد۸، کتاب الجنة وصفة نعیمها، باب "النار یدخلها الجبارون" حدیث ۲۸۴۶ طریق دوم، طریق چهارم، طریق ششم اور طریق هشتم.

ایسے خدا کو مانے جو سراپا محتاج اور محدود ہو! اور جو ایک معمولی مخلوق کی مانند ہو؟ کیا ایسا خدا اس کائنات کا خالق ہوسکتا ہے؟!

ممکن ہے کچھ لوگ جو اہل سنت حضرات کے عقائد سے کما حقہ واقف نہ ہوں اور ان کے علماء و محدثین کے اقوال و نظریات سے علم و آگاہی نہ رکھتے ہوں وہ ہمارے اوپر یہ اعتراض کریں کہ جب ہر جملہ و کلام، ہر آیت اور حدیث قابل توجیہ اور تاویل ہوسکتی ہے تو کیا وہ حدیثیں جن کو ہم نے نقل کیا ہے وہ توجیہ اور تاویل کے قابل نہیں ہیں؟!

آخر یہاں تاویل کا قاعدہ کیوں نہیں جاری کیا جاتا؟! اس جگہ کیوں نہیں روش توجیہ جاری کی جاتی؟! ان حدیثوں کے کیوں نہیں ایسے معنی کئے جاتے جو قابل قبول ہوں؟!

جواب: جاننا چاہیئے کہ مندرجہ ذیل علل و اسباب کی بنا پر ہم مذکورہ حدیثوں کی توجیہ کرنے سے قاصر ہیں:

۱۔ ان احادیث کی توجیہ (جو صحیحین اور اہل سنت کی دیگر معتبر کتابوں میں خدا کے دیدار اور اس کے تمام اعضاء جسمانی کے بارے میں نقل کی گئیں ہیں) اس وقت ہوسکتی تھی جب ان کے مقابلہ میں دیگر ایسی احادیث کثیر تعداد میں پائی جاتیں جو اِن کے مفہوم کو رد کرتیں، یعنی اگر اِن احادیث میں خدا کے اعضاء و جوارح کو ثابت کیا گیا ہے تو اُن احادیث میں خدا کو عدمِ محتاج و محدود اور اعضاء و جوارح سے منزہ ثابت کیا گیا ہوتا، لیکن افسوس ایسی حدیثیں سنیوں کی کسی بھی معتبر کتاب بالخصوص صحیحین میں موجود نہیں ہیں کہ جن کی بنا پر ہم مذکورہ حدیثوں کی تاویل کرسکیں۔

۲۔ چونکہ اِن میں سے بعض احادیث کا متن خود اس بات کا مقتضی ہے کہ ان میں کسی قسم کی توجیہ اور تاویل نہ کی جائے، لہٰذا ہمارے لئے ان کے ظاہری معنی کے علاوہ اور دوسرے معنی اخذ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

کیا ہم اُن احادیث کی تاویل کرسکتے ہیں جن میں یہ کہا گیا ہے کہ تم لوگ خدا کو اس چودھویں کے چاند کی طرح دیکھو گے؟! کیا ہم اس جملہ کی تاویل کرسکتے ہیں: تم لوگ ایک دوسرے کے چہرے پر طمانچہ نہ مارو کیونکہ خدا نے انسان کو اپنی شکل و صورت پر خلق کیا ہے؟!

کیا ہم اُس حدیث کی توجیہہ کر سکتے ہیں جس میں یہ کہا گیا ہے: عرش تمام موجودات کے اوپر ہے اور عرش کے اوپر خدا ہے؟! کیا ہم اِس حدیث کی تاویل کر سکتے ہیں: خدا کائنات خلق کرنے سے پہلے ابر کے درمیان رہتا تھا؟! کیا ہم ان حدیثوں سے خدا کو مجسم، محدود اور محتاج ہونے کے علاوہ اور بھی کوئی دوسرے معنی سمجھ سکتے ہیں؟!!

۳۔ چونکہ مذکورہ احادیث اوران کا مضمون ہمارے لئے کوئی تازہ نہیں ہے لہٰذا ہمیں اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ ہم ان کی تاویل اور توجیہہ کر کے صحیح اور درست معنی سمجھنے کی کوشش کریں، بلکہ یہ بحث آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد شروع ہو چکی تھی، یعنی جب باب علم الٰہی بند ہو گیا تو تدریجاً یہ مطالب وجود میں آئے اور امام بخاری (متوفی ۲۵۶ھ) کے زمانہ سے لے کر امام نسائی (متوفی ۲۷۹ھ) کے زمانہ تک صحاح ستہ میں منتقل ہوتے رہے اور یہی مطالب ہمارے ائمہ، مانند امام محمد باقر، امام جعفر صادق، امام رضا علیہم السلام کے سامنے بھی پیش کئے گئے اوران کے بارے میں ان سے سوال کیا گیا، لیکن ائمہ ھدیٰ علیہم السلام نے ان کی تاویل و توجیہہ نہیں کی، بلکہ صریحاً ان کو رد فرمایا اوران احادیث کو رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صادر ہونے کو قبول نہیں کیا، بلکہ صراحت کے ساتھ کہا: یہ حدیثیں جعلی اور ساختگی ہیں، ان پر کوئی اعتبار و اعتماد نہ کرے، پس اگر سوال کرنے والے بھی ان حدیثوں کو قابل توجیہہ سمجھتے تو سوال کرنے نہیں آتے اور نہ ہی ان کے بارے میں کوئی وضاحت طلب کرتے؟ جیسا کہ ہم نے ایسی بعض احادیث کو بحث رویت میں ذکر کیا اور بعض دیگر احادیث بھی اس بحث کے آخر میں ذکر کریں گے۔

۴۔ جو چیز ہم کو توجیہہ اور تاویل کرنے سے باز رکھتی ہے وہ علمائے اہل سنت کے اقوال ہیں، کیونکہ خود اہل سنت حضرات ان احادیث میں ہر قسم کی تاویل اور توجیہہ کرنے کو غیر مجاز اور ان احادیث کے ظاہری معنی پر اعتقاد رکھنے کو واجب اور لازم جانتے ہیں، چنانچہ علمائے اہل سنت ان حدیثوں میں توجیہہ کرنے والوں کو کافر و زندیق جیسے القاب سے نوازتے ہیں اور انہیں خارج از مذہب قرار دیتے ہیں، لہٰذا ذیل میں ہم ان علمائے اہل سنت کے اقوال نقل کرتے ہیں تاکہ ہماری بات بدون دلیل قرار نہ پائے۔

مذکورہ احادیث سے متعلق سنی علماء کا نظریہ

۱۔**مسلم:** آپ نے اپنی کتاب (صحیح مسلم) میں رویت خدا کے بارے میں ایک علیحدہ فصل معین کی ہے اور ایک دوسری فصل رویت خدا کے لئے جو طریقے بیان کئے گئے ہیں ان کے بارے میں تحریر کی ہے اور ان دونوں فصلوں میں آپ نے دیدار خدا سے متعلق جن حدیثوں کو نقل کیا ہے ان میں کی بعض حدیثوں سے صراحت کے ساتھ خدا کا مجسم اور محتاج ہونا لازم آتا ہے۔

یقیناً یہ تمام حدیثیں مسلم کی نظر میں صحیح و معتبر ہوں گی جس کی بنا پر موصوف نے ان فصلوں میں ان کو نقل فرمایا، لہٰذا آپ کے نزدیک سارے مسلمانوں کا ان پر اعتقاد اور ایمان لانا ضروری ولازم ہے اور کسی مسلمان کو ان حدیثوں میں توجیہ و تاویل کرنے کا حق نہیں ہے۔

۲۔۳۔**ابن ماجہ قزوینی وابی داؤد سجستانی:** آپ صحاح ستہ کے مؤلفین میں سے ہیں اور اہل سنت کے یہاں بڑے معتمد و مؤثق مانے جاتے ہیں، آپ لوگوں نے اپنی اپنی کتابوں میں باقاعدہ ان باتوں کے بارے میں جن کا فرقۂ جہمیہ منکر و معتقد ہے اور خود فرقۂ جہمیہ کے بارے میں جدا جدا دو فصلیں معین کی ہیں اور ان فصلوں میں رویت خدا، مکان اور تجسیم خدا جیسے خدا کا ہنسنا، بندہ کے پہلو میں خدا کا کھڑا ہونا، خدا کا ظاہر اور غائب ہونا وغیرہ کو نقل کیا ہے!

فرقۂ جہمیہ: وہ فرقہ جو مذہب شیعہ کی طرح خدا کے دیدار اور اس کے مکان کا منکر ہے اور خدا کو صاحب اعضاء وجوارح اور جسم والا نہیں مانتا اور نہ ہی ان احادیث کے ظواہر پر اعتقاد رکھتا ہے، لہٰذا ابن ماجہ وابی داؤد کا اس قسم کا عنوان "**الباب فی ردوانکار عقاید جھمیہ**" (جہمیہ کے عقائد کے انکار اور ان کی رد میں) قرار دینے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں حضرات کا عقیدہ وہی ہے جو مسلم و بخاری کا ہے اور ان کے نزدیک اس عقیدہ کے منکرین مثل جھمیہ ہیں جو ان لوگوں کی نظر میں مطرود و مردود ہیں اور ان احادیث میں تاویل و توجیہ کرنے والے کافر اور اسلام سے خارج ہیں۔

۴۔**ابن تیمیہ کا قول:** "لیکن خدا کا آسمان اول پر ہر شب میں نازل ہونا یہ وہ مطلب ہے جو ان احادیث سے استفادہ ہوتا ہے جو محدثین کے درمیان ثابت اور مسلم ہے" "اسی طرح سے خدا کا روز عرفہ نازل ہونا اور اس کے بعد اس کا بندہ سے قریب ہونا صحیح ہے اور مسلم نے نقل کیا ہے:" "اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ خدا

شب ۱۵ رشعبان میں بھی نازل ہوتا ہے لیکن اس کی سند میں اختلاف ہے'' اس کے بعد ابن تیمیہ کہتے ہیں:
''علمائے اہل سنت کی اکثریت قائل ہے کہ خدا آسمان اول پر اترتا ہے اور عرش اس سے خالی نہیں ہے!! جیسا کہ یہ مطلب اسحاق بن راہویہ، حماد بن زید اور احمد بن حنبل سے نقل کیا گیا ہے''(۱)

۵۔ محمد اشرف: سنن ابی داؤد کے شارح جناب محمد اشرف صاحب پہلے جملہ'' وانہ لیئط بہ؛ اطیط الرجل بالراکب (یعنی خدا کے وزن کی وجہ سے اس کا عرش اونٹ کے کجاوہ کی طرح چر چراتا ہے) کے ذیل میں پہلے امام خطابی کے قول کو نقل کرتے ہیں، اس کے بعد اس کو ہدفِ تنقید قرار دے کر ان پر سخت حملہ کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: امام خطابی کے قول میں ایک قسم کی تاویل وتوجیہہ پائی جاتی ہے اور تاویل خلافِ ظاہر ہے جس کی ہمیں کوئی احتیاج نہیں ہے، کیونکہ راہ صواب اور قابل اعتماد راستہ یہ ہے کہ وہ احادیث جو صفات خدا سے متعلق ہیں ان کو ان کے ظاہری معنی پر حمل کریں اور ہر قسم کی توجیہہ وتاویل کرنے سے پرہیز کریں۔(۲)

۶۔ بغوی: آپ شرح السنۃ میں کہتے ہیں: جو کچھ کتاب وسنت میں صفات خدا کے بارے میں وارد ہوا ہے جیسے چہرہ، آنکھیں، انگلیاں، پیر، آسمان اول پر اترنا، عرش پر بیٹھنا، خوش ہونا اور ہنسنا وغیرہ، یہ تمام خدا کے صفات ہیں اور ان کے بارے میں بہت سی حدیثیں نقل ہوئیں ہیں، لہٰذا ان تمام صفات پر ایمان رکھنا چاہئے اور ان احادیث کے ظاہری معنی کو محفوظ رکھنا ضروری ہے اور ان میں ہر قسم کی تاویل وتوجیہہ کرنے سے پرہیز کریں۔(۳)

ہم گزشتہ مباحث میں نووی، عینی، قسطلانی، احمد محمد شاکر، محمد عبدہ، اسفرائینی، احمد ابن حنبل، ابن تیمیہ، ابو عمر، ذہبی اور شیخ عبدالرحمان وغیرہ کے نظریات بیان کر چکے ہیں کہ یہ تمام حضرات بھی خدا کے مجسم ہونے کے قائل ہیں، اگر تمام علمائے اہل سنت کے نظریات کو نقل کریں تو (مثنوی ہفتاد من کاغذ شود) یہ خود ایک ضخیم کتاب بن جائی گی۔

---

(۱) منہاج السنہ جلد ۱، فصل: قال الامامی: " و ذھب بعضھم الی ان اللہ ینزل کل لیلۃ جمعۃ بشکل امرد " ص ۲۶۲.

(۲) عون المعبود جلد ۴، کتاب السنۃ، باب [۱۸] "فی الجھمیۃ" حدیث ۴۷۲۱.

(۳) سنن ابن ماجہ کے حاشیہ سے نقل کردہ عبارت، جلد ۱، ص ۱۷.

ایک قابل توجہ نکتہ

ابھی تک مذکورہ احادیث جو توحید کے بارے میں صحاح ستہ میں نقل کی گئی ہیں ان سے ثابت ہو گیا کہ خدا قابل رویت، صاحب مکان اور مختلف اعضاء و جوارح کا مجموعہ ہے، خلاصہ یہ کہ ان احادیث کے ذریعہ یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ خدا ایک عادی اور مادی موجود ہے اور علمائے اہل سنت تنہا اسی نظریہ کے قائل ہی نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کو اس نظریہ کی پیروی کرنے کی سفارش بھی کرتے ہیں! لیکن قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ آخر یہ انحرافی عقیدہ اور صحیح راستہ سے علمائے اہل سنت کا دور ہونا وہ بھی مہم اور حساس ترین مذہبی عقیدہ (خدا شناسی اور معرفت باری تعالیٰ میں) یہ چیز ان لوگوں میں کس وجہ سے پیدا ہوئی؟ اس کے اسباب و علل کیا ہیں؟ تو آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس عقیدہ کی پیدائش کا سبب یہی حدیثیں ہیں جو صحیحین اور اہل سنت کی معتبر کتابوں میں مرقوم ہیں، اگر ان احادیث کو صحیح اور معتبر نہ جانا جاتا تو یہ نادرست اور خرافاتی، عقل سے کوسوں دور عقیدہ اہل سنت میں ہرگز پیدا نہ ہوتا! چنانچہ خود علمائے اہل سنت بھی اس بات کے معترف ہیں کہ ہمارا یہ عقیدہ انھیں احادیث کی وجہ سے ہے جن کو آپ گزشتہ مباحث میں ملاحظہ کر چکے ہیں! لہٰذا مذکورہ مباحث کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاتی ہے کہ ان ''صحیح کتابوں'' اور جعلی حدیثوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا کھیل کھیلا ہے؟!

بیشک ان کتابوں کے صحیح ہونے کے عقیدہ اور ان میں موجود حدیثوں کے معتبر ہونے کے اعتقاد نے مسلمانوں کے ساتھ یہ کھیل کھیلا کہ آج بھی مسلمانوں میں خداوند عالم کے بارے میں مضحکہ خیز اور اندھا عقیدہ موجود ہے جس کا عقل سے دور کا بھی واسطہ نہیں، یہی وجہ ہے کہ مقاتل بن سلیمان، داؤد جواربی اور ان کے ماننے والے خدا کو ہاتھ، پیر، زبان، سر اور دو آنکھوں والا مانتے ہیں اور فقط ان لوگوں نے خدا کی شرمگاہ (معاذ اللہ) کو استثناء کیا ہے! افسوس تو یہ ہے کہ بعض اس کے بھی قائل ہو گئے ہیں!! جیسے عنبری خدا کے آلہ ذکوریت کے قائل ہیں!!! اور موصوف نے اپنے اس عقیدہ کے اثبات میں آیہ ذیل کو پیش کیا ہے ﴿وَ لَيْسَ الذَّكَرُ كَالأُنثىٰ﴾ اسی طرح علمائے اہل سنت کے متکلمین کا ایک گروہ قائل ہے کہ خدا انسان کی طرح گوشت، پوست اور ہڈیاں بھی رکھتا ہے! اور یہ لوگ کبھی خدا کو ایک سونے کی ہودج میں بیٹھاتے ہیں! اور کبھی ایک سرخ اونٹ پر سوار کرتے ہیں! اور کبھی شب عرفہ میں نازل کرتے ہیں! اور کبھی فرماتے ہیں: خدا نے پہلے

آئینہ میں اپنے کو دیکھا اس کے بعد آدم کو اپنی شکل پر پیدا کیا!!

کبھی کہتے ہیں: خدا ایسے ہنستا ہے کہ اس کے دانت باہر آجاتے ہیں! کبھی کہتے ہیں: خدا نے ملائکہ کو اپنے بازوؤں کے نازک اور لطیف بالوں سے خلق کیا ہے! اور ایک دفعہ خدا آنکھوں کے شدید درد میں مبتلا ہو گیا تھا اور ملائکہ نے اس کی عیادت کی! کبھی فرماتے ہیں: خدا روز قیامت انسانی شکل میں آئے گا اور بندوں کا حساب کرے گا وغیرہ وغیرہ جیسا کہ آپ مذکورہ مباحث وفصول میں پڑھ چکے ہیں!! علمائے اہل سنت کے یہی وہ عقائد اور نظریات ہیں جنھیں توحید اور خداشناسی کے ابواب میں ذکر کیا جاتا ہے، ان ہی فاسد عقائد کو عالم اہل سنت علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نقل کرتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں: ''اس قدر فاسد اور عجیب وغریب عقائد علمائے اہل سنت کے درمیان پیدا ہونے کا سبب وہ حدیثیں ہیں جو صحاح ستہ میں نقل کی گئی ہیں''(۱)

اس جملہ کے ذریعہ ابن ابی الحدید نے اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے جس کو آپ کے سامنے ہم نے بیان کیا ،اس کے بعد ابن ابی الحدید مولا علیؑ کے اس خطبہ (**یأتی علی الناس زمان لایبقی فیهم من القرآن الا رسمه...**) کے ذیل میں فرماتے ہیں: یہ وہی لوگ ہیں جو مسجدوں میں بیٹھے ہیں اور مسئلہ توحید کو تشبیہ وتجسیم سے آلودہ کرتے ہیں اور خدا کے لئے شکل وصورت کے قائل ہیں، کہتے ہیں: خدا آسمان سے نازل ہوتا ہے، خدا تمام اعضاء وجوارح رکھتا ہے، وغیرہ.... یہ لوگ خدا کی طرف کفر آمیز اور قبیح باتوں کی نسبت دیتے ہیں، یہ سب فتنہ ہیں جو لوگ سادہ اور ان مطالب سے دور ہیں، وہ ان کی طرف کھنچ کر آجاتے ہیں۔(۲)

عرض مؤلف

ابن ابی الحدید کے مذکورہ بیان سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے زمانہ میں بھی یہ عقائد رائج اور شائع تھے اور اکثر مسجدوں میں بیٹھک کرنے والے ایسے ہی عقائد رکھتے تھے۔

﴿وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَدُوْدٌ......﴾(۳)

---

(۱) سورہ ہود آیت ۹۰۔

(۲) شرح نهج البلاغه ابن ابی الحدید جلد ۳،خطبة ۴۹،صفحه ۲۲۴ تا ۲۲۷ .

(۳) شرح نهج البلاغه ابن ابی الحدید، جلد ۱۹ ،خطبة ۳۷۵، ص ۲۹۹ .

توحید کے بارے میں شیعوں کا عقیدہ

ایک اعتراض

ممکن ہے گزشتہ مباحث پڑھ کر بعض قارئین ہم سے یہ سوال کریں: جناب! جو روایات آپ نے اہل سنت کی معتبر کتابوں سے توحید کے بارے میں نقل کیں، ان سے اگر چہ ان کتابوں کا واقعی قیافہ معلوم ہو جاتا ہے اور علمائے اہل سنت کا عقیدہ بھی ان احادیث کے بارے میں روشن ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی ان کتابوں کے ذریعہ صحیح توحید اور خدا کی معرفت حاصل کرنا چاہے تو اسے ان علمائے اہل سنت کی راہنمائی کے ساتھ ان کتابوں کی روشنی میں اپنے اساسی عقیدۂ توحید سے متعلق ایک مٹھی بے سروپا مطالب کے علاوہ اور کچھ نصیب نہ ہوگا! یہ ساری باتیں ہمیں قبول ہیں، لیکن یہاں پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعض شیعہ کتابوں میں بھی تو ایسی روایات کبھی کبھی باب توحید میں دیکھنے میں آتی ہیں کہ جن سے صحیحین کی حدیثوں کی طرح خدا کا مجسم اور قابل دیدار ہونا ثابت ہوتا ہے، لہٰذا جس طرح آپ نے اہل سنت اور ان کی معتبر کتابوں کو ہدف تنقید قرار دیا ہے، اسی طرح شیعہ حضرات اور ان کی بعض کتابیں بھی قابل تنقید و طعن قرار دی جا سکتی ہیں! لہٰذا آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب

ا۔ کتب حدیث کے بارے میں فریقین کے درمیان ایک بنیادی اختلاف نظر پایا جاتا ہے

وضاحت: ہمارے درمیان بنیادی فرق کا سب سے پہلا نکتہ یہ ہے کہ شیعوں کی جن کتابوں میں اس طرح کی روایات پائی جاتی ہیں انہیں وہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے مثل صحیح نہیں مانتے، یعنی ہمارا یہ عقیدہ نہیں کہ جو کچھ ان میں موجود ہے وہ صحیح ہے، بر خلاف علمائے اہل سنت کے، کیونکہ اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ جو کچھ صحیحین میں ہے وہ صحیح ہے، جیسا کہ ہم تفصیل کے ساتھ اقوال علمائے اہل سنت اس بارے میں نقل کر چکے ہیں اور یہی نہیں بلکہ یہ حضرات یہاں تک صحیحین سے عقیدت رکھتے ہیں کہ اگر کوئی قسم کھا کر یہ کہے کہ ''ان میں

موجودتمام روایات کلام رسول اور واقع کے مطابق ہیں تواس پر کفارۂ قسم واجب نہ ہوگا کیونکہ اس کی یہ قسم درست ہوگی''!لیکن علمائے اہل تشیع کسی بھی کتاب کے بارے میں یہ نظریہ نہیں رکھتے، یہاں تک کہ ہم کتب اربعہ کوبھی سند و متن کے اعتبار سے محل بحث و تحقیق قرار دیتے ہیں اور ایک معین و مشخص تعداد میں ان کتابوں کی احادیث کوصحیح اور بقیہ کوموثق، حسن اور ضعیف جانتے ہیں،(۱) لہٰذا اگر کوئی حدیث ہماری کتابوں میں ایسی پائی جاتی ہو جس سے تجسیم خدا ثابت ہوتی ہوتو وہ دلیل نہیں ہوسکتی کہ علمائے شیعہ اسے صحیح جانتے ہوں، خلاصہ یہ کہ ایسی روایات کومعیار نہیں قرار دیا جاسکتا کہ شیعہ علماء انھیں قبول کرتے ہیں۔

۲۔شیعہ کتب میں احادیث توحید

وضاحت: پہلے نکتہ کومدنظر رکھتے ہوئے اس نکتہ کوبھی ذہن میں رکھیں کہ کتب اہل سنت میں تجسیم خدا سے متعلق کثیر روایات موجود ہیں جو صراحت یا اشارے کے ساتھ خدا کے جسمانی اعضاء پر دلالت کرتی ہیں اور ان روایات کے مقابلہ میں ان کے یہاں کوئی ایک حدیث بھی نمونہ کے طور پر نہیں پائی جاتی جس کے مضمون سے ان کی نفی اور تجسیم خدا کی رد ہوتی ہو! گویا ان کتابوں کی روشنی میں خداشناسی کا مطلب ہی یہی ہے کہ ہم اس کو اعضاء جسمانی کا مجموعہ مانیں!! لیکن اگر ہماری کسی کتاب میں ایسی روایت موجود ہو جو تجسیم پروردگار پر دلالت کرتی ہوتو وہ عقیدہ تشیع کے خلاف حجت نہیں ہوسکتی کیونکہ اس کے مقابلہ میں ہزاروں معتبر اور معتمد روایتیں ہماری اساسی اور معتبر کتابوں میں موجود ہیں، جو اس ایک روایت کے مضمون کو شدت کے ساتھ مردود قرار دیتی ہیں۔(۲)

چنانچہ ہماری کتابوں (مانند کتب اربعہ) کے ابواب وفصول کے عنوان؛ جیسے **''ابطال الرؤیة، النهی**

---

(۱) مراجعه هو مرآت العقول،ا لذریعه، کلمه کافی اور مقدمه رجال آیة ا... الخوئی طاب ثراه.

(۲) اولاً: اگر کوئی روایت خدا کے جسم کے بارے میں شیعہ کتب میں پائی جاتی ہوتو وہ اس وقت تک حجت نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس کی صحیح صورت اور اسناد واضح نہ ہوجائیں الحمدللہ: اولاً: ایسی کوئی روایت کتب شیعہ میں موجود نہیں جو صحیح ہو اور خدا کے جسمی خد وخال کو بیان کررہی ہو. ثانیاً: اگر کسی کتاب میں بالفرض مل بھی جائے تو اسے ان ہزارہا صحیح روایات کے مقابلہ میں ہرگز مقدم نہیں کیا جاسکتا جو اس کے مضمون کو رد کررہی ہیں اور ضعیف روایت کی تو بات ہی چھوڑ دیں. مترجم.

عن الجسم والصورة، نفی الحركة والانتقال، نفی التشبيه ......" سے اس حقیقت اور واقعیت کا بخوبی علم ہوجاتا ہے۔(۱)

پس شیعہ اور سنیوں کی حدیث کی کتابوں اور ان کی حدیثوں کے درمیان میں یہ ایک بہت بڑا فرق اور حساس امتیاز ہے، جس سے مذکورہ اور اس کے مانند دیگر اشکال جو اس جگہ وارد ہوسکتے ہیں بالکل دور ہوجاتے ہیں۔

۳۔ احادیثِ توحید شیعہ رہنماؤں کی نظر میں

وضاحت: جو روایات شیعہ کتب میں نفیٔ دیدار اور بطلان تجسیم وتشبیہ سے متعلق نقل کی گئی ہیں وہ صریح اور روز روشن کی طرح واضح اور سند کے اعتبار سے متقن ومحکم ہیں اور ان حدیثوں کو ہمارے تمام علماء اور دانشور قبول کرتے ہیں اور انہیں پر اپنے عقائد وکلام کی عمارت قائم ہے، درحقیقت یہی وہ حدیثیں ہیں جن سے ہمارا علم کلام وضع ہوا ہے اور اگر ان کے مقابلہ میں بعض روایات پائی بھی جاتی ہوں تو ان کی شیعہ مذہب کے نزدیک کوئی اہمیت اور ارزش نہیں ہے، یعنی یہ روایات شیعوں کے یہاں ساقط الاعتبار مانی جاتی ہیں، لہٰذا ان کے ذریعہ ہمارے اوپر کوئی اشکال نہیں کرسکتا، برخلاف اہل سنت کے، کیونکہ یہ حضرات جسمِ خدا سے متعلق مذکورہ تمام روایات کو کلام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھتے ہیں، اسی بنا پر انھوں نے اپنے عقائد وافکار کو ان احادیث کے مضامین کے مطابق جعل کیا ہے، جیسا کہ ہم گزشتہ مباحث میں تفصیل کے ساتھ بیان کرچکے ہیں۔

۴۔ جعلی روایات

وضاحت: چوتھا نکتہ قابل توجہ یہ ہے کہ جن روایات سے شیعہ کتب میں تجسیم خدا ثابت ہوتی ہے وہ شیعہ علمائے رجال کی طرف سے سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں، لہٰذا جب شیعہ علمائے رجال نے ان روایات کو غیر معتبر قرار دیا ہے، تو پھر کیسے ان کے ذریعہ ہمارے اوپر اعتراض کیا جاسکتا ہے؟ اور حقیقت تو یہ ہے کہ ان

---

(۱) اصول کافی، جلد ۱، کتاب التوحید، ابواب ابطال الرؤية، النهی عن الجسم، ص ۹۵. توحید صدوق، جلد ۱، باب ۲، "التوحيد ونفی التشبيه" ۶ "انه ليس بجسم، باب ۸. صفحات ۳۱، ۹۷، ۱۰۷. بحار الانوار جلد ۳، باب ۱۳، ۱۴ "نفی الجسم والصورة والتشبيه،" ص ۲۸۷. نفی الزمان والمكان والحركة، ص ۳۰۹.

روایات کو مقاتل بن سلیمان جیسے افراد نے جعل کر کے اپنے انحرافی عقیدہ کی ترویج کے لئے سلسلۂ سند کو گڑھ کر شیعہ علماء کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

بہر کیف مذکورہ نکات کے پیش نظر خداشناسی کے بارے میں شیعہ عقائد مندرجہ ذیل مدارک سے حاصل کئے جاسکتے ہیں:

۱۔ پہلے ہماری صحیح اور قابل اعتماد احادیث کی طرف رجوع کیا جائے جو اس موضوع سے متعلق ہیں جیسے اہل سنت کے یہاں صحاح ستہ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

۲۔ دوسرے ہمارے مذہب کے علماء و رہبر کے افکار، نظریات و اقوال کو دیکھا جائے جیسے اہل سنت کے عقائد مشہور و معروف علماء سے اخذ کئے جاتے ہیں۔

پس اگر کسی صاحب کو شیعوں کے عقائد سمجھنا ہیں تو وہ ہماری معتبر کتبِ احادیث اور علمائے علم کلام کے اقوال و نظریات کی طرف رجوع کرے! تخفیفِ زحمت کی غرض سے نمونہ کے طور پر یہاں ہم اُن چند احادیث کو نقل کرتے ہیں جو توحید سے متعلق ہیں تا کہ مذکورہ اشکال کا جواب بالکل کامل اور روشن ہو جائے پھر اِن احادیث کو اپنی اُن احادیث سے مطابقت کرے جو کتب اہل سنت کے باب توحید میں موجود ہیں اور پھر انصاف سے فیصلہ کرے کہ کس کا عقیدۂ توحید درست ہے؟

شیعوں کی احادیث اور عقیدۂ توحید

۱. "......عن ابی بصیر؛ عن ابی عبد الله؛ قال: ان الله تبارک وتعالیٰ لایوصف بزمان ولامکان، ولاحرکة ولاانتقال، ولاسکون. بل هو خالق الزمان والمکان والحرکة والسکون، تعالی عما یقول الظالمون علواً کبیراً."(۱)

ابوبصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ امام نے خدا کی توصیف کرتے ہوئے فرمایا:

''خداوند متعال کی توصیف زمان ومکان سے بیان نہیں ہوسکتی (یعنی اس کے لئے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ کہاں تھا اور کس زمانہ میں تھا؟) اسی طرح اس کی توصیف حرکت اور سکون وانتقال سے نہیں ہوسکتی (یعنی اس کے لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کہاں مستقر ہے اور کہاں منتقل ہو رہا ہے؟) کیونکہ خدا تو اس ذات کا نام ہے جس نے زمان، مکان، حرکت وسکون کو خلق کیا ہے اور وہ ان اوصاف سے بہت بلند وبالا ہے جن اوصاف کو یہ ظالم لوگ اس سے منسوب کرتے ہیں''۔

۲. "......عن داؤد الرقی؛ قال: سئلت ابا عبد الله علیہ السلام عن قول الله عز وجل "وکان عرشه علی الماء" فقال ما یقولون؟ قلت: یقولون: ان العرش کان علی الماء والرب فوقه، فقال: کذبوا من زعم هذا، فقد صیر الله محمولاً ووصفه بصفة المخلوق، ولزمه ان الشی الذی یحمله اقوی منه..."(۲)

داؤد رقی کہتے ہیں:

میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا: اے فرزند رسول! **"وکان عرشه علی الماء"** سے کیا مراد ہے؟

---

(۱) بحار الانوار ج ۳، باب ۱۳، ۱۴ "نفی الجسم والصورة والتشبیه"، ص ۲۸۷. نفی الزمان والمکان والحرکة، ص ۳۰۹. توحید صدوق ج ۱، ب ۲، "التوحید ونفی التشبیه" ۶ "انه لیس بجسم"، ب ۸. ص ۳۱، ۹۷، ۱۰۷.

(۲) توحید صدوق، جلد ۱، باب ۲، "التوحید ونفی التشبیه" ۶ "انه لیس بجسم، باب ۸. صفحات ۳۱، ۹۷، ۱۰۷. اصول کافی جلد ۱، کتاب التوحید " باب" العرش والکرسی"

حضرت نے فرمایا: لوگ (اہل سنت) اس آیت کی کیا تفسیر کرتے ہیں؟ میں نے کہا: وہ کہتے ہیں کہ عرش پانی پر ہے اور خدا اس عرش کے اوپر ہے! امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: وہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں اور جو شخص ایسا عقیدہ رکھتا ہو اس نے خدا سے دو محال چیزیں متصف کیں:

الف۔ اس نے خدا کو ایسا موجود تصور کیا ہے جو اٹھانے کے قابل ہو، لہٰذا اس نے اس کو مخلوق کی صفت سے متصف کر دیا ہے۔

ب۔ اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ عرش نے خدا کو اٹھا رکھا ہے تو اس کا لازمہ یہ ہوگا کہ عرش خدا سے قوی ہے، کیونکہ حامل محمول سے قوی ہوتا ہے۔

۳.''...... عن یعقوب السراج؛ قال: قلت: لابی عبد اللّٰہ،ان بعض اصحابنا یزعم:ان للّٰہ صورۃ مثل الانسان وقال آخر:انہ فی صورۃ امرء جعد قطط، فخرابوعبد اللّٰہ ساجداً، ثم رفع راسہ،فقال: سبحان اللّٰہ الذی لیس کمثلہ شیء، ولاتدرکہ الابصار ولایحیط بہ علم، لم یلد لِانَّ الولد یشبہ اباہ، و لم یولدفیشبہ من کان قبلہ ،ولم یکن لہ من خلقہ کفواً احد، تعالیٰ عن صفۃ من سواہ،علواً کبیراً''

یعقوب سراج کہتے ہیں:

میں نے مصحف ناطق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: ہمارے بعض اصحاب یہ گمان کرتے ہیں کہ خدا بھی مثل انسان صورت رکھتا ہے اور کچھ لوگ گمان کرتے ہیں: خدا ایسے جوان انسان کی صورت رکھتا ہے کہ جس کے چہرے پر ابھی بال بھی روئیدہ نہ ہوئے ہوں اور اس کے سر کے بال کم، گرہ دار اور گھنگھرالے ہیں!!

یعقوب سراج کہتے ہیں: امام علیہ السلام نے جب میری گفتگو سنی تو فوراً سجدہ ریز ہو گئے اور پھر سجدہ سے سر بلند کر کے ارشاد فرمایا: منزہ اور پاک و پاکیزہ ہے وہ خدا جس کا کوئی بھی مثل نہیں، آنکھیں اس کے درک کرنے سے عاجز و ناتواں ہیں، انسان کا علم و دانش اس کی ذات کو سمجھنے سے قاصر ہے، خدا نے کسی کو اپنے جیسا نہیں جنا کہ وہ خدا سے مشابہت رکھتا ہو، کیونکہ ہر فرد اپنے باپ سے شباہت

رکھتا ہے اور خدا نہ ماں باپ کے توسل سے وجود میں آیا ہے کہ کہا جائے وہ ان سے شباہت رکھتا ہے، جو اس سے پہلے موجود تھے مخلوقات عالم میں کوئی اس کا مثل و ہمسر نہیں، وہ بلند و بالاتر ہے ان اوصاف سے جن کو مخلوقات سے متصف کرتے ہیں، (یعنی مخلوقات کے اوصاف سے اسے متصف کرنا غلط ہے)۔(۱)

۴. "......عن یونس بن ظبیان؛ قال دخلت علی الصادق جعفر بن محمد علیهما السلام فقلت: یا بن رسول اللّٰه! انی دخلت علی مالک واصحابه، وسمعت بعضهم یقول: ان لِلّٰه وجهاً کالوجوه، و بعضهم یقول: له یدان، واحتجوا لذالک بقوله تعالیٰ "بیدی استکبرت" وبعضهم یقول: هو کالشاب من ابناء ثلاثین سنة! افما عندک فی هذا یابن رسول اللّٰه؟ قال: وکان متکئاً فاستوی جالساً، وقال: اللّٰهم عفوک عفوک، ثم قال: یا یونس، من زعم ان لِلّٰه وجهاً کالوجوه: فقد اشرک و من زعم ان لله جوارح کجوارح المخلوقین فهو کافر باللّٰه، فلاتقبلوا شهادته، ولاتاکلوا ذبیحته، تعالی اللّٰه عما یصفه المشبهون بصفة المخلوقین، فوجه اللّٰه انبیائه و اولیائه، وقوله "خلقت بیدی استکبرت" الید: القدرة کقوله" ایدکم بنصره" فمن زعم ان اللّٰه فی شیٔ ،اوعلی شی...او یحول من شیٔ الی شیٔ ،او یخلو منه شیٔ او یشغل به شیٔ فقد وصفه بصفة المخلوقین، واللّٰه خالق کل شیٔ، لایقاس بالقیاس، ولایشبه بالناس، لایخلو منه مکان، ولایشتغل به مکان، قریب فی بعده، بعید فی قربه ،ذالک اللّٰه ربنا، لا اله غیره، فمن اراد اللّٰه و احبه بهذه الصفة فهو من الموحدین، ومن احبه بغیر هذا الصفة، فاللّٰه منه بریء ونحن منه براء "

---

(۱) توحید صدوق ،ج۱ ،باب ۲، "التوحید ونفی التشبیه" ۲ "انه لیس بجسم ،باب ۸. صفحات ۳۱، ۹۷، ۱۰۷. بحار الانوار، ج۳ ،باب ۱۳، ۱۴ " نفی الجسم والصورة والتشبیه ،ص ۲۸۷. "نفی الزمان والمکان والحرکة ،ص ۳۰۹.

یونس بن ظبیان کہتے ہیں:

میں نے حضرت امام جعفر صادق کی خدمت بابرکت میں عرض کیا: ''اے فرزند رسول! میں امام مالک(۱) اوران کے اصحاب کے درمیان تھا ان میں سے بعض لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ خدا بھی دیگر موجودات کی طرح چہرہ اور صورت رکھتا ہے اوران میں سے بعض کہہ رہے تھے کہ خدا دو ہاتھ رکھتا ہے اوران ہاتھوں کے اثبات میں قرآن کی یہ آیت ﴿بِيَدَيَّ اِسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ (۲) پیش کرر ہے تھے: اور بعض کہہ رہے تھے کہ خدا تمیں سالہ جوان جیسی شکل و صورت رکھتا ہے! اے فرزند رسول! آپ کا اس بارے میں کیا عقیدہ ہے؟ یونس کہتے ہیں: امام علیہ السلام کسی چیز پہ تکیہ کیئے بیٹھے تھے، لیکن جب ان باتوں کو سنا تو اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: اے میرے معبود! ان افتراء و کذب سے تیری عافیت چاہتا ہوں، اس کے بعد فرمایا: ''اے یونس! جو شخص خداوند متعال کے بارے میں ایسے عقائد و خیالات رکھتا ہے کہ وہ مخلوقات کی طرح چہرہ رکھتا ہے! اس نے شرک کیا ہے! اور جو خیال کرے کہ خدا دیگر موجودات کی طرح اعضاء رکھتا ہے، اس نے خدا سے کفر کیا! اور ایسے شخص کی گواہی قابل قبول نہیں اور اس کے ہاتھ کا ذبیحہ نہ کھاؤ! خدا اس سے بالاتر ہے کہ اس کو مخلوقات کی صفت سے متصف کیا جائے، اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا: وجہ خدا سے مراد اس کے انبیاء اور رسول ہیں، جو خدا کی معرفت کرانے والے ہیں اور آیہ شریفہ ﴿خَلَقْتُ بِيَدَيَّ اسْتَكْبَرْتَ﴾ میں ید سے مراد قدرت پروردگار ہے جس طرح اس آیہ ﴿اَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهِ﴾ میں ''اید'' بمعنی قدرت ہے۔(۳)

اے یونس! جو شخص یہ خیال کرے کہ خدا فلاں شئے میں تھا یا کسی شئے پر بیٹھا ہے، یا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے، یا کوئی موجود اس سے خالی ہے یا کوئی موجود اس سے آمیختہ ہے، تو اس نے خدا کو مخلوقات کی صفت سے متصف قرار دیا ہے، حالانکہ خدا تمام مخلوقات کا خالق ہے، اس کا کسی مخلوق

---

(۱) امام مالک کا شمار اہل سنت کے ائمہ اربعہ سے ہوتا ہے آپ نے ۱۷۹ھ میں وفات پائی اور قبرستان بقیع میں دفن ہوئے۔

(۲) سورہ صٓ آیت ۷۵، پ۲۳.

(۳) بحار الانوار کتاب التوحید ،باب[۱۴]"نفی الجسم والصورة"

سے قیاس نہیں کیا جا سکتا، وہ مخلوقات سے شباہت نہیں رکھتا، کوئی جگہ اس کے وجود سے خالی نہیں، اس کے وجود سے کوئی فضاء و مکان پر نہیں، یہ ہے ہمارا خدا اے یونس! جو چاہتا ہو کہ خدا کو ایسے صفات سے پہچانے وہ حقیقت میں موحد اور خدا پرست ہے اور جو شخص ان صفات کے ذریعہ خدا کو نہ پہچاننا چاہے بلکہ دیگر اوصاف سے اس کی معرفت حاصل کرنا چاہے، تو خدا ایسے لوگوں سے دور ہے اور ہم خاندان اہلِ بیتؑ بھی ایسے لوگوں سے دوری اور بیزاری رکھتے ہیں۔

۵. "......عن یعقوب بن جعفر الجعفری؛ عن ابی ابراهیم قال: ذکرعنده قوم یزعمون: ان اللّٰه تبارک و تعالی ینزل الی السماء الدنیا، فقال: ان اللّٰه لاینزل ولایحتاج الی ان ینزل، انما منظره فی القرب و البعد سواء، لم یبعد منه قریب، ولم یقرب منه بعید ولم یحتج الی شیء، بل یحتاج الیه، و هوذوالطول لا اله الا هو العزیز الحکیم.

اما قول الواصفین: انه ینزل تبارک و تعالیٰ. فانما یقول ذالک من ینسبه الی نقص، اوزیادة و کل متحرک محتاج الی من یحرکه او یتحرک به، فمن ظن باللّٰه الظنون هلک، فاحذروا فی صفاته من ان تقفوا له علی حد تحدونه بنقص اوزیادةٍ او تحریک او تحرک او زوال اواستنزال او نهوض او قعود، فان اللّٰه جل و عزّ عن صفة الواصفین ونعت الناعتین و توّهم المتوهّمین وتوکل علی العزیز الرحیم الذی یراک حین تقوم تقلبک فی الساجدین"

یعقوب بن جعفر الجعفری کہتے ہیں:

میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت بابرکت میں تھا تو یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ خدا آسمان اول پر اترتا ہے!!

امام علیہ السلام نے فرمایا:

خدا نیچے نہیں اترتا اور درحقیقت اس کے لئے نیچے اترنے کے معنی ہی عبث ہیں، وہ نیچے یا اوپر جانے کا محتاج نہیں، کیونکہ تمام مخلوقات چاہے وہ بعید ہوں یا قریب اس کے لئے سب برابر ہیں، نہ نزدیک اس سے بعید ہے اور نہ دور اس سے نزدیک، خدا کسی شے کا محتاج نہیں، بلکہ خود اشیاء اس کی محتاج ہیں، وہی ذات ہے جو صاحب قدرت ہے، وہی ہے جو غنی بالذات ہے (تمام اشیاء سے بے نیاز) اور اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ حکیم اور صاحب قدرت ہے، جو لوگ خدا کو نیچے اترنے کی صفت سے متصف کرتے ہیں، وہ خدا کی طرف نقص یا زیادتی کی نسبت دیتے ہیں، کیونکہ جو موجود حرکت کرتا ہے وہ محتاج ہوتا ہے اس شئے کا جو اس کو حرکت دے رہی ہے، یا محتاج ہوتا ہے ایسی شے کا جس کے ذریعہ وہ متحرک ہے۔

اے یعقوب! جو شخص ایسے باطل خیالات رکھتا ہو وہ ہلاک ہونے والوں میں سے ہے، اے یعقوب! خدا کو کسی وصف سے متصف کر کے اس کی حد معین کرنے سے اور اس کی طرف نقص وزیادتی کی نسبت دینے سے ڈرو! اور خوف کرو، اس بات سے کہ اس کی طرف حرکت یا انتقال یا نشست و برخاست کی نسبت دو! کیونکہ خدا بالا و بزرگتر ہے اِن توصیف کرنے والوں کے وصف اور توہم کرنے والوں کے وہم سے اور وہ خدا جو عزیز و مہربان ہے اس پر توکل و بھروسہ رکھو! وہ خدا جو تجھے اس حال میں بھی دیکھتا ہے جب تو اس کی نماز کے لئے تنہائی میں کھڑا ہوتا ہے اور اسی طرح اس حال میں بھی دیکھتا ہے جب تو خدا شناسوں اور ستائش کرنے والوں کے درمیان ہوتا ہے۔(۱)

الحمد لله رب العالمین و صلی الله علی محمد و آله الطاهرین .

زیر نظر جلد اول شب جمعرات ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ، مطابق ۱۸ خرداد ۱۳۵۱ش، ق نصف شب کے تقریباً ایک گھنٹے بعد اختتام پذیر ہوئی۔ والسلام .

محمد صادق نجمی

---

(۱) اصول کافی، جلد ۱، کتاب التوحید، ابواب ابطال الرؤیة، النهی عن الجسم، ص ۹۵ . توحید صدوق، جلد ۱، باب ۲، "التوحید و نفی التشبیه" ۶ "انه لیس بجسم، باب ۸، صفحات ۳۱، ۹۷، ۱۰۷ . بحار الانوار جلد ۳، باب ۱۳، ۱۴ " نفی الجسم والصورة والتشبیه، "نفی الزمان والمکان والحرکة. احتجاج طبرسی، جلد ۲، ص ۳۸۳.

صحیحین کا ایک مطالعہ

جلد دوم

محمد صادق نجمی

ترجمہ و تحقیق:
محمد منیر خان لکھیم پوری (ہندی)

مرکز جہانی علوم اسلامی

ابن خلدون

ا۔تمام مسلمانوں نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیثوں کو صحیح تسلیم کیا ہے کیونکہ علمائے حدیث نے ان دونوں کتابوں کی حدیثوں کو صحت کے تمام شرائط کے مطابق جانا اور مانا ہے اور یہ ایک حقیقت ہے جس میں کسی کو شک وشبہ نہیں کرنا چاہیئے کہ نا فلاں حدیث کے بارے میں سوئے ظن نہ کرے بلکہ حسن ظن سے کام لے!!

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام

۲۔ (اس وقت) جو حدیثیں عوام الناس کے درمیان موجود ہیں ان میں حق، باطل، جھوٹی اور سچی، حقائق اور اوہام آپس میں (اس طرح) مخلوط ہو گئے ہیں (کہ صحیح حدیث کا تشخیص دینا ایک مشکل امر ہے) یہاں تک کہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں بھی کچھ لوگ ایسے تھے جو جھوٹی حدیثیں جعل کر کے آپؐ کی طرف منسوب کرتے تھے، چنانچہ رسولؐ اسلام نے اس بارے میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا: جو شخص میری طرف ایک جھوٹے مطلب کی نسبت دے اس کا ٹھکانا جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ہے!

ہمارا مقصد:

۳۔وما ارید ان اخالفکم الیٰ ما انھاکم عنہ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

محترم قارئین! مذکورہ مباحث چھیڑنے سے ہمارا مقصد امت مسلمہ کے درمیان اختلاف پیدا کرنا نہیں ہے، بلکہ ہمارا مقصود علمی تحقیق کی روشنی میں اتحاد کی دعوت، اصلاح امت مسلمہ اور افکار و حقائق کو واضح کر دینا ہے اور چونکہ اس الٰہی اور روحانی ہدف میں ہمارا مطلوب صرف خوشنودیٔ پروردگار ہے لہٰذا اسی سے مدد اور توفیق کے خواہاں ہیں، اس کے علاوہ اور کسی سے کوئی امید نہیں اور ہم سب کو اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

مقدمہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمدللہ الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم والصلوٰۃ والسلام علی خاتم انبیائہ ورسلہ محمد وآلہ الطیبین الطاہرین واللّعن علی اعدائھم من الآن الی یوم الدین(آمین)۔

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ تمام اسلامی قوانین کی اساس وبنیاد قرآن مجید اور احادیث رسولؐ ہے، لیکن ان دونوں میں سب سے زیادہ مسلمانوں کو فروعات میں احادیث رسول کی طرف احتیاج ہوتی ہے، کیونکہ قرآن مجید میں احکام سے مربوط آیات محدود ہیں بقول مشہور پانچ سو آیات احکام سے متعلق ہیں، ظاہر ہے کہ یہ پانچ سو آیات اسلام کے ہزارہا احکام کو کیسے بیان کرسکتی ہیں؟ لہٰذا دین فہمی کیلئے کلام رسولؐ کی اشد ضرورت ہے، المختصر یہ کہ دو اعتبار سے قرآن مجید احکام اور فروعات میں ناکافی ہے۔

۱۔ قرآن کی آیاتِ احکام مطلق اور مجمل ہیں لہٰذا ان کی وضاحت کیلئے احادیث کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔

۲۔ آیاتِ احکام محدود اور معدود ہیں لہٰذا حدیث کی طرف رجوع کئے بغیر آیات سے اسلام کے غیر محدود احکامات کو اخذ نہیں کرسکتے اور نہ ہی تمام فروعات کو ان میں بیان کیا گیا ہے، چنانچہ خود قرآن مجید حدیث کی

اہمیت کی طرف راہنمائی کرتا ہوانظر آتا ہے:

﴿مَآ آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا......﴾(۱)

پیغمبر جو تمہیں دے اسے لےلواور جس سے منع کرے اس سے رک جاؤ۔

﴿وَاَطِيعُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا......﴾(۲)

اللہ کی اطاعت کرواور اس کے رسول کی اطاعت کرو......۔

اسی وجہ سے شیعہ وسنی دونوں فرقے کے علماء قائل ہیں کہ جس حدیث کا معصوم سے صادر ہونا: یقینی ہو وہ حجت اور اس کا ماننا تمام مسلمانوں پر واجب ہے۔ پس جہاں ایک طرف حدیث کی شریعت میں بے انتہا اہمیت اور خصوصیت ہم کو متوجہ کرتی ہے کہ ہم کتب احادیث کو تکریم و تعظیم کی نظر سے دیکھیں، وہیں دوسری جانب چونکہ یہ حدیثیں اسلامی احکام، قوانین اور فروعات پر مشتمل ہیں اور ایک آسمانی اور جاویدانی مذہب و آئین کی نشان دہی کرتی ہیں اور رسول اسلام کے کردار وافکار کی آئینہ دار ہیں، لہٰذا ضروری ہے کہ ہم ان پر زیادہ سے زیادہ تحقیق کریں اور ان احادیث کے اسناد، متون اور ان کتابوں کے مؤلفین کے عقائد وافکار کے بارے میں دقیق معلومات حاصل کریں۔

واضح ہو کہ اہل سنت کے درمیان صحیح بخاری اور صحیح مسلم حدیثوں کی تمام کتابوں میں مقدم مانی جاتی ہیں، چنانچہ اہل سنت کے یہاں یہ بات ہر خاص وعام کی زبان زد ہے: یہ دونوں کتابیں قرآن مجید کے بعد روئے زمیں پر سب سے زیادہ صحیح کتابیں ہیں۔

اسی طرح اہل سنت کہتے ہیں: اس نیلے آسمان کے نیچے صحت کے اعتبار سے دنیا کی کوئی کتاب ان کتابوں کے ہم پلہ نہیں ہے، لہٰذا جن راویوں سے ان کتابوں میں حدیثیں نقل کی گئیں ہیں وہ ہر تنقید اور ہر عیب جوئی کے پل سے گزر چکے ہیں اور ان کتابوں کے راوی اُن اعمال سے دور ہیں جن سے ان کی عدالت آلودہ ہورہی ہو اور اگر کوئی قسم کھا کر کہے کہ ان میں موجود تمام حدیثیں واقع کے مطابق اور کلام رسولؐ ہیں تو اس کی

---

(۱) سورۂ حشر، آیت۷، پ ۲۸.

(۲) سورۂ مائدہ، آیت ۹۲، پ٦.

قسم صحیح ہے اور اس پر کفارہ قسم واجب نہ ہوگا وغیرہ وغیرہ......!!(۱)

بہرکیف ایک طرف حدیث کی اس اہمیت پر توجہ رکھتے ہوئے کہ یہ اسلام کا دوسرا بنیادی پایہ شمار کیا جاتا ہے اور دوسری طرف اس چیز کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کہ کتب صحیحین اہل سنت کی نظر میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہیں لہٰذا ہم آمادہ ہوئے کہ ان دونوں کتابوں کی احادیث کی تحقیق اور مطالعہ کریں جو اسلام کے مہم اور حساس مذہبی مسائل سے مرتبط ہیں، چنانچہ متذکرہ کتابوں سے متعلق ہمارا نتیجہ مُطالعہ تین حصوں میں تقسیم ہوا:

۱۔ جلد اول آپ کی نظر سے گزر چکی ہے جس میں ہم نے قارئین کے سامنے حدیث کی اہمیت، شیعہ وسنی کے درمیان اس کی تدوین کی تاریخ اور کیفیت، نیز صحیحین کا ایک خلاصہ، ان کے مؤلفین کی تاریخ حیات اور پھر ان کا خاندان رسالت سے نقل حدیث میں شدید تعصب برتنا پانچ فصلوں میں بیان کیا اور چھٹی فصل میں ہم نے اسلامی عقیدہ کی سب سے بنیادی شئے یعنی توحید کو ان کتابوں کی روشنی میں پیش کیا اور اس باب میں ان کتابوں کے انحراف کی نشان دہی کی۔

۲۔۳۔ اب ہم آپ کی خدمت میں دوسری جلد جو نبوت وخلافت سے متعلق ہے اس امید کے ساتھ پیش کر رہے ہیں کہ انشاءاللہ جلد سوم بھی جو صحیحین کے متفرقات سے مربوط ہے جلد ہی منظر عام پر آ جائے گی۔

"انه ولی التوفیق وهو یهدی السبیل"

محمد صادق نجمی

قم۔ ایران، فروردین، ۱۳۵۵ھ،ش

(۱) تفصیل جلد اول میں ملاحظہ کریں۔

فصل ۷

نبوت صحیحین کی روشنی میں

انبیائے کرام قرآن کی نظر میں [1]

نبوت اور شائستگی

نبوت اور رسالت وہ منصب ہے جس کا بشری فکر سے قیاس نہیں کیا جاسکتا، یعنی اس منصب کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان اخلاقی، عقلانی اور روحانی اعتبار سے جب تک اپنے آپ کو کمال تک نہ پہنچائے تب تک اس مرحلہ تک نہیں پہنچ سکتا ہے، لہٰذا اگر کوئی انسانی کمال کے مرحلہ تک نہیں پہنچا ہو تو وہ اس آسمانی مرتبہ اور منصب الٰہی کا حامل نہیں ہوسکتا، چنانچہ قرآن مجید کی متعدد آیات کے ضمن میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور قرآن میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ انبیائے کرام کمال انسانی کے آخری مرحلہ

---

[1] قارئین کرام! محترم مؤلف صاحب نے انبیاء کرام کے صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بیان کئے گئے اوصاف کو نقل کرنے سے پہلے انبیائے کرام کے ان اوصاف کو قلمبند کیا ہے جو قرآن مجید اور شیعہ وسنی روایات میں بیان کئے گئے ہیں، تاکہ قاری کو صحیحین میں منقول اور قرآن میں بیان شدہ اوصاف کے درمیان موازنہ کرنے سے اندازہ ہوجائے کہ امام بخاری و مسلم کے نزدیک انبیائے کرام کا شمار (معاذ اللہ) پست ترین افراد میں ہوتا ہے!! مترجم.

پر فائز تھے، اسی طرح ان کے اور بالخصوص آنحضرت ﷺ کے خصوصیات اور امتیازات کا ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ قرآن مجید کی جن آیات میں شناختِ نبوت سے متعلق خداوند متعال نے رہنمائی فرمائی ہے ان میں سے ہم چند آیات کو ذیل میں قلمبند کرتے ہیں:

۱. ﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلآئِكَةِ رُسُلاً وَمِنَ النَّاس...﴾(۱)

خدا فرشتوں میں سے بعض کو اپنے احکام پہنچانے کے لئے منتخب کر لیتا ہے اور اسی طرح آدمیوں میں سے بھی۔

اس آیت سے استفادہ ہوتا ہے کہ انبیائے کرامؑ صفوت ونجابت کے اعتبار سے تمام انسانوں سے برگزیدہ افراد ہیں اسی وجہ سے خدا نے انہیں عہدۂ رسالت سے سرفراز فرما کر اپنے پیغام کا امین بنایا ہے۔

۲. ﴿......اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ......﴾(۲)

اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ منصبِ رسالت کہاں قرار دے۔

اس آیت سے استفادہ ہوتا ہے کہ انبیائے کرام عظمت، قوت روح، صفائے نفس، شجاعت، معارف الٰہی، خداشناسی اور تمام اخلاقی مسائل کے اعتبار سے اس قدر بلند تھے کہ خدا نے ان کو اپنی رسالت کے لائق قرار دیا اور انھیں سعادت، انسانیت، ہدایت اور معرفت کا مرجع بنایا۔

پس اگر انبیائے کرام میں یہ لیاقت پہلے سے نہ پائی جاتی تو خدا ہرگز اپنی امانتِ رسالت، نبوت اور ہدایت ان کو سپرد نہ کرتا، لہٰذا خدا کا ان حضرات کو تاج رسالت ونبوت سے سرفراز کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ پہلے سے رذائل وخباثت سے دور تھے، چنانچہ قوم ثمود کی جناب صالحؑ سے مندرجہ ذیل گفتگو ہماری اس بات کی تائید کرتی ہے:

۳. ﴿قَالُوا يَاصَالِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَا......﴾(۳)

وہ لوگ کہنے لگے: اے صالح! اس کے پہلے تو تم سے ہماری امیدیں وابستہ تھیں۔ چونکہ قوم ثمود

---

(۱) سورہ حج، آیۂ ۷۵، پ۱۷.

(۲) سورہ انعام، ۱۲۴، پ۷.

(۳) سورہ ہود، آیت ۶۲، پ۱۲.

پہلے سے جناب صالح نبیؑ کے رشد وکمال سے واقف تھی، لہٰذا وہ انتظار اس بات کا کررہی تھی کہ جنا
ب صالح آئندہ ان لوگوں کو شاہراہ ترقی پر گامزن کریں گے اور اجتماعی خدمت سے اپنی قوم کو آگے
بڑھائیں گے اور ان کی رہبری کی باگ ڈور سنبھال لیں گے۔

پس یہ آیت بیّن دلیل ہے کہ انبیائے کرام قبل بعثت اپنی اقوام وعشیرہ (قوم وقبیلہ) کے درمیان ایک خاص اخلاقی امتیاز اور پاکیزہ زندگی کے مالک تھے اور ان کو لوگ ایک عادی فرد کی حیثیت سے نہ دیکھتے تھے، یہی شیوۂ اخلاقی وآمادگی یعنی پرستش وعبادت الٰہی سبب بنی کہ لوگ آپ سے کچھ زیادہ ہی توقع رکھتے تھے اور اپنی اس بات کا اظہار اس جملہ سے کیا: ﴿قَدْ کُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَا﴾ چنانچہ پہلے سے انبیاء کا منصب نبوت کے لئے آمادہ اور شائستہ ہونا سبب ہوا کہ جب آپ کو دعوت حق کا حکم ملا تو جو لوگ سرکش اور ضدی مزاج نہ تھے انہوں نے پہلی ہی مرتبہ میں آپ کی بات مان لی اور آپ کے حکم پر کمر بستہ ہوکر میدان عمل میں آگئے (رسول اکرمؐ کی زندگی کو اس کے لئے گواہ کے طور پیش کیا جاسکتا ہے)۔

نبوت کے ساتھ عصمت ضروری ہے

قرآن کریم کی متعدد آیات سے استفادہ ہوتا ہے کہ انبیائے کرام ہر گناہ، خطا ولغزش سے معصوم (محفوظ) ہوتے ہیں، چنانچہ ذیل میں، ہم چند آیات بعنوان نمونہ پیش کرتے ہیں:

۱. ﴿أُولٰئِکَ الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ......﴾(۱)

اور یہ اگلے پیغمبر وہ لوگ تھے جن کی خدا نے ہدایت کی، اے میرے رسولؐ! آپ بھی ان کی ہدایت کی پیروی کریں۔

اس آیۂ شریفہ سے پہلے خداوند متعال نے اٹھارہ انبیائے کرام کے اسماء کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: ''میں نے ان کے آباء واولاد میں سے بھی بعض کو رسول بنایا اور یہ وہ لوگ ہیں جن کی خود خدا نے ہدایت کی'' جملۂ ''فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ'' سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمومی ہدایت نہیں ہے، بلکہ ایک ایسی ہدایت

---

(۱) سورہ انعام، آیت ۹۰، پ۷۔

ہے جو صرف انبیاء سے مخصوص ہے، لہٰذا اس ہدایت اور امتیاز کے ہوتے ہوئے کوئی نبی گناہ نہیں کرسکتا اور نہ وہ ہدایت کے راستے سے گمراہ ہوسکتا ہے، چنانچہ دوسری آیت میں صراحت کے ساتھ ارشاد ہوا:

﴿وَ مَنْ یَهْدِ اللّٰهُ فَمَالَهُ مِنْ مُضِلٍّ ......﴾(۱)

اور جس کی خدا ہدایت کرے اسے کون گمراہ کرسکتا ہے؟

مذکورہ دونوں آیتوں کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ تمام انبیاء و مرسلین کی ہدایت و راہنمائی خدا نے کی ہے اور ہدایت بھی ایسی کی ہے کہ گناہ صغیرہ کا بھی کوئی نبی و رسول ارتکاب نہیں کرسکتا، لہٰذا جب ضلالت، گمراہی اور گناہ ان سے سرزد نہیں ہوسکتا تو اب دوسرے لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ ان برگزیدہ افراد کی پیروی کریں، اب رہا یہ کہ ضلالت، گمراہی، معصیت اور نافرمانی کسے کہتے ہیں، تو قرآن میں اس کی بھی نشان دہی کی گئی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْكُمْ یَا بَنِیْ آدَمَ اَنْ لَاتَعْبُدُوْا الشَّیْطَانَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ﴾(۲)

اے فرزندان آدم! آیا تمہارے ساتھ یہ پیان نہیں باندھا گیا تھا کہ تم شیطان کی پیروی نہیں کرو گے؟ بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے (اور تمہارے جیسے بہت سے افراد کو اس نے گمراہ کردیا)۔

اس آیت میں شیطان کی پرستش اور پیروی کو گمراہی کہا گیا ہے، یعنی ہر وہ معصیت جو شیطان کی وجہ سے وجود میں آئے اسے قرآن کی زبان میں اضلال و گمراہی کہا جاتا ہے، لہٰذا تینوں آیتوں کا مفہوم یہ ہوگا: انبیاء و مرسلین ہر اس گمراہی اور معصیت سے محفوظ ہوتے ہیں جسے ضلالت کہا گیا ہے، پس خلاصہ یہ ہوا:

۱۔ انبیاء و رسول انہیں کو منتخب کیا جاتا ہے جن کو خدا نے اپنی خاص ہدایت سے نوازہ ہو۔

۲۔ انبیاء و مرسلین میں ضلالت و گمراہی کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا، کیونکہ وہ خاص ہدایت سے نوازے گئے ہیں۔

۳۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں ہر وہ معصیت جو خداوند متعال کے حکم کے مقابلہ میں ہو اسے ضلالت اور گمراہی کہا جاتا ہے۔

---

(۱) سورۂ زمر، آیت ۳۷، پ ۲۴.

(۲) سورۂ یٰس، آیت ۶۰، پ ۲۳.

نتیجہ

مذکورہ تینوں مطالب کی روشنی میں نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تمام انبیاء و مرسلین پاک و پاکیزہ اور معصوم ہوتے ہیں اوران سے کوئی خطا اور گناہ سرزد نہیں ہوتا۔

۲۔﴿ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ...... ﴾(۱)

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگراس لئے کہ ہماری اجازت سے اس کی اطاعت کی جائے۔

اس آیت سے استفادہ ہوتا ہے کہ کوئی رسول اس وقت تک مبعوث بہ رسالت نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی اطاعت وفرمانبرداری نہ کی جائے، یعنی اللہ کا منشاء یہ ہے کہ انبیاء ہر حال میں مُطاع قرار پائیں گویا گفتار و کردار دونوں کے اعتبار سے ان کی اطاعت کی جائے، کیونکہ جس طرح انبیائے کرام کی گفتار ذریعۂ تبلیغ ہے اسی طرح آپ لوگوں کا کردار بھی وسیلہ تبلیغ ہوتا ہے۔

پس آیت کے مطابق انبیاء ومرسلین کے کردار وگفتار دونوں کی اطاعت کرنا چاہیئے لہٰذا اگر انبیاء سے خطا اور گناہ صادر ہوتو اس کالازمہ یہ ہوگا کہ یہ گناہ اور خطا محبوب اور خواستۂ خدا ہے اور چونکہ خدا نے انبیاء کی پیروی لوگوں پہ فرض کی ہے، لہٰذا جیسے افعال بھی انبیائے کرام سے صادر ہوں گے چاہے برے افعال ہوں یا اچھے، ان کی اطاعت ہر حال میں ہمارے اوپر من جانب اللہ لازم قرار پائے گی حالانکہ خداوند متعال نے اس سے منع فرمایا ہے۔

پس تسلیم کرنا پڑے گا کہ انبیاء کو معصوم ہونا چاہئے تاکہ خدا کی ذات پر حرف نہ آئے، بالفاظ دیگر اگر انبیاء معصوم نہ ہوں تو لازم آئے گا کہ جس چیز کے بارے میں خدا نے نہی کی ہے اسی کو بجالانے کا امر بھی فرمایا ہے!! یعنی جو چیز محبوب خدا ہے وہی چیز مبغوض خدا بھی ہے اور ذات پروردگار کیلئے ایسا تصور کرنا واضح الفساد ہے۔

۳۔﴿قَالَ فَبِعِزَّتِکَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ☆ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ﴾(۲)

وہ (شیطان) بولا تیرے ہی عزت وجلال کی قسم ان میں سے تیرے خالص بندوں کے سوا سب کے سب کو گمراہ کروں گا۔

---

(۱) سورہ نساء، آیت ۶۴، پ۵.

(۲) سورۂ صٓ، آیت ۸۲، ۸۳، پ ۲۳.

اس آیت میں شیطان کے قول کونقل کیا گیا ہے کہ وہ سوائے مخلص بندوں کے تمام لوگوں کو بہکائے گا لہٰذا اگرانبیاءؑ سے کوئی چھوٹے سے چھوٹا گناہ سرزد ہوا تو گویا وہ شیطان کے بہکاوے میں آ گئے! اور جب انبیاء پر شیطان اپنا پھندہ ڈال سکتا ہے تو پھر وہ مخلصین عباد اللہ میں نہ رہیں گے حالانکہ خداوند متعال انبیاء کو اپنے برگزیدہ اور مخلصین بندوں میں سے شمار کرتا ہے جیسا کہ مذکورہ آیت سے پہلے چند آیات کے اندر خداوند متعال نے انبیاء کو مخلصین بندوں میں سے قرار دیا ہے:

﴿اِنَّا اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ﴾(۱)

بیشک ہم نے ان لوگوں کو ایک خاص صفت (آخرت کی یاد) سے ممتاز کیا ہے (یعنی مؤمنین وہ ہیں جن کو خدا نے ذکر آخرت کی بنا پر مخلص قرار دیا)

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ خود شیطان اس بات کا اقرار و اعتراف کرتا ہے کہ وہ ان لوگوں کو نہیں بہکا سکتا جو مخلص ہیں اور (یہی نہیں بلکہ) خدا نے بھی انبیائے کرام کے مخلص ہونے کی گواہی دی ہے اور ان کے مرتبہ اخلاص کی اپنی طرف سے تضمین اور تائید فرمائی ہے، لہٰذا اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ شیطان کے وسوسہ کی پہنچ اور اس کے فریب کی کمند کی رسائی انبیاء کے دامن تک نہیں ہو سکتی اور یہاں سے ہمیں اس بات کا بھی یقین کامل حاصل ہو جاتا ہے کہ انبیاء سے کسی گناہ و معصیت کا صادر ہونا ممکن نہیں ہے، البتہ بعض آیات میں گناہ کی نسبت ظاہراً انبیاء علیہم السلام کی طرف دی گئی ہے، لیکن اِن آیتوں کا مضمون چونکہ اُن صریح آیتوں سے متعارض اور متضاد ہے جن میں انبیاء کی عصمت بیان کی گئی ہے لہٰذا اس تناقض اور تضاد سے بچنے کے لئے ہم اِن آیات کے ظاہری مفہوم کو صریح آیات کے سامنے ترک کرتے ہوئے اُن معانی پر حمل کریں گے جن کا استفادہ روایات اور ان کتابوں سے ہوتا ہے جو اس بارے میں لکھی گئیں ہیں، کیونکہ یہی معانی آیات سے ہم آہنگی اور ارتباط رکھتے ہیں۔(۲)

---

(۱) سورۂ صٓ، آیت ۴۶، پ ۲۳.

(۲) اس سلسلے میں مزید معلومات کے لئے علم کلام کی کتابیں اور شیعہ تفاسیر ملاحظہ فرمائیں: منشور جاوید مصنفہ جعفر سبحانی، تفسیر نمونہ و تفسیر میزان وغیرہ ۔ مترجم.

رسول اسلامؐ آیات وروایات کی روشنی میں

بعض آیات کریمہ سے صراحت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبل بعثت ایمان، عقیدہ، اخلاقی شائستگی اور صداقت کے اعتبار سے تمام لوگوں سے افضل و برتر تھے، حتیٰ کہ آپ کفار کے درمیان بھی امین وصادق جیسے لقب سے مشہور ومعروف تھے اور اسی طرح آپ کے آباء واجداد سب موحد، خدا پرست، شرک سے دور اور پیغمبران خدا میں سے تھے، چنانچہ اس بارے میں ذیل میں ہم چند آیات کو نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہیں:

۱. ﴿......اَلَّذِی یَرَاکَ حِیْنَ تَقُوْمُ ☆وَ تَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیْنَ﴾(۱)

جب تم نماز تہجد میں کھڑے ہوتے ہو اور سجدہ کرنے والوں کی جماعت میں تمہارا پھرنا (خدا) دیکھتا ہے۔

ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"وَ تَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیْنَ" سے مراد یہ ہے: اے رسول! خدا نے آپ کو نبیوں کے صلب سے منتقل کرتے ہوئے (صلب عبداللہ سے) خلق کیا اور پھر آپ کو مبعوث برسالت فرمایا۔ "**من نبی الی نبی و من نبی الی نبی**"(۲)

پس اس آیہ شریفہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کا پاک نطفہ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عبداللہ تک پاک صلبوں میں رہا ہے جو سب کے سب ساجدین (خدا پرست) تھے، چنانچہ یہ کہنا غلط ہے کہ آپ کے اندر منصب رسالت کی لیاقت بچپن سے پیدا ہوئی، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ عہدۂ رسالت کے لئے خلقت آدم سے ہی آمادگی رکھتے تھے، اسی لئے آپ کا نطفہ پاک صلبوں سے منتقل ہوتا ہوا صلب حضرت عبداللہ میں پہنچا۔

۲۔ اور جو آیت اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے اور منصب رسالت کے لئے آپ کی شائستگی کو بیان کرتی ہے، وہ وہی آیت ہے جو آپ کی مکی زندگی کے وسط میں نازل ہوئی جب کہ صنادید کفار قریش نے آپ پر اعتراض کیا اور یہ کہنے لگے:

---

(۱) سورہ شعراء، آیت ۲۱۸، ۲۱۹ پ ۱۹.

(۲) الطبقات الکبری، در بیان ذکر ولد رسول اللہ جلد ۱، صفحہ ۲۵ محمد ابن سعد. تفسیر ابن کثیر جلد ۳، تفسیر سورہ نمل، قصہ داؤدؑ و سلیمانؑ صفحہ ۳۶۵. کنز العمال، ص ۱۰۶.

۲. ﴿......لَنْ نُؤْمِنَ حَتَّى نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللهِ...... ﴾(۱)

(اور جب ان کے پاس کوئی نشانی دین کی تصدیق کے لئے آتی ہے تو کہتے ہیں:) جب تک ہم کو خود ویسی چیز (وحی وغیرہ) نہ دی جائے گی جو پیغمبران خدا کو دی گئی ہے اس وقت تک ہم ایمان نہیں لائیں گے (یعنی ہم بھی مقام نبوت پر فائز ہوں)۔

ان کے جواب میں خدا نے ارشاد فرمایا:

﴿ اَللهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ...... ﴾(۲)

خدا زیادہ بہتر جانتا ہے کہ رسالت کو کس جگہ ودیعت کرے۔

یہ آیت انبیائے کرام کے منتخب ہونے کی حکمت کو بطور عموم اور آنحضرت ﷺ کے انتخاب کرنے کی علت کو بطور خصوص کو بیان کرتی ہے یعنی منصب رسالت ایسا نہیں ہے کہ بغیر پہلے سے شرائط ولیاقت کے ہر کس وناکس کو خدا عنایت کردے، بلکہ یہ منصب اس کو ملتا ہے جو اپنے وجود میں پہلے سے اس کے تمام لازمی شرائط اور مقدمات کو آمادہ رکھتا ہو، خداوند متعال ایسے داناترین افراد کو مقام رسالت سے سرفراز کرتا ہے، یعنی اس پاک منصب کیلئے ضروری ہے کہ انسان پہلے ایمان، صداقت اور اخلاقی ارزش میں کامل اور تمام رذائل اور خبائث سے پاک ہو تب خدا کہیں اپنا خاص عہدہ عنایت کرتا ہے۔

۳۔﴿وَاِنَّكَ لَعَلىٰ خُلُقٍ عَظِيْمٍ . اے میرے پیغمبر بیشک تم خلق عظیم پر فائز ہو﴾ (۳)

اکثر مفسرین کے مطابق یہ آیت بعثت کے ابتدائی دنوں میں رسول اسلامؐ پر نازل ہوئی، (۴) جو تمام اعتبار سے حضرت رسالتمآب کی روحانی زندگی کی طرف ایک انوکھے انداز میں اشارہ کرتی ہے اور صراحت کے ساتھ لفظ خلق عظیم کے ذریعہ آپ کی رسالت سے قبل لیاقت اور استعداد پر بطور عموم دلالت کرتی ہے،

---

(۱) سورہ انعام، آیت ۱۲۴، پ۷.

(۲) سورۂ انعام، آیت ۱۲۴، پ۷.

(۳) سورہ قلم، آیت ۴، پ۲۹.

(۴) علامہ جلال الدین سیوطی (الاتقان جلد ۱. نوع ۵، نقل از جابر) اور دیاربکری مصنف تاریخ الخمیس جلد ۱، ص ۱۰، کے نظریہ کے مطابق ''سورۂ ن والقلم'' نزول کے اعتبار سے دوسرا سورہ ہے۔

(کیونکہ یہ آیت بعثت کے روز نازل ہوئی، اگر چند ایام گزر جانے کے بعد نازل ہوتی تو سمجھا جا سکتا تھا کہ خلق سے مراد نبوت و رسالت ہے یا وہ اوصاف جو رسالت و نبوت ملنے کے بعد آنحضرتؐ میں پیدا ہوئے لہٰذا ماننا پڑیگا کہ) "خلق عظیم" سے مراد آپ کے وہ کمالات ہیں جو آپ کے وجود میں مبعوث بر رسالت ہونے سے پہلے نمایاں تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی مدح کے لئے اس آیت سے بہتر اور کوئی جامع اور وسیع جملہ نہیں ہو سکتا اور اس جملہ میں جو مفہوم اور معنویت پائی جاتی ہے وہ کسی اور جملہ میں نہیں ہے، کیونکہ لفظ خلق تمام اچھے اعمال، امتیاز اور عبادت کو شامل ہے، یعنی صفتِ خلق وہ صفت ہے جو تمام شخصی، اجتماعی، انسانی، سماجی، خانوادگی اور مذہبی اوصاف کی مظہر ہے اور خداوند متعال نے ایسی صفت کے بارے میں فرمایا کہ رسولؐ اس صفت کے عالی اور عظیم مرحلہ پر فائز ہیں، کیونکہ آیت میں صرف خلق کا ہی لفظ نہیں ہے بلکہ عظیم بھی آیا ہے اور پھر اس آیت کے ذریعہ خدا نے آپ کے امتیازی اخلاق کی دوبارہ تصدیق بھی فرما دی ہے:

﴿......اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ ......﴾(۱)

خدا زیادہ بہتر جانتا ہے کہ رسالت کو کس جگہ ودیعت کرے۔

چنانچہ مذکورہ مطلب کی تائید میں ہمارے چھٹے امام حضرت جعفر صادقؑ بھی اشارہ فرماتے ہیں:

"اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اَدَّبَ نَبِيَّهُ فَاَحْسَنَ اَدَبَهُ فَلَمَّا اَكْمَلَ لَهُ الْاَدَبَ قَالَ: ﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾(۲)

خدا نے اپنے رسولؐ کی تربیت کی ذمہ داری خود اپنے ہاتھ میں رکھی اور بہترین واحسن طریقہ سے رسول کو تربیت دی اور جب تربیت کامل ہوگئی تو فرمایا: ﴿اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ ☆ اے میرے پیغمبر تم خُلقِ عظیم پر فائز ہو﴾

۴. ﴿...... اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾(۳)

---

(۱) سورۂ انعام، آیت ۱۲۴، پ ۸.

(۲) تفسیر نور الثقلین، جلد ۵، صفحہ ۳۸۹.

(۳) سورہ احزاب، آیت ۳۳، پ ۲۲.

بیشک اللہ کا ارادہ ہے کہ اے اہل بیت! تم سے ہر قسم کے رجس کو دور رکھے اور تمہیں پاک رکھے اس طرح سے جو پاک رکھنے کا حق ہے۔

یہ آیت رسولؐ اور آپؐ کے خاندان کی شان میں نازل ہوئی ہے، جو آپ اور آپ کے خاندان کی طہارت پر دلالت کرتی ہے، یعنی رسولؐ اور آپؐ کے اہل بیتؑ ہر قسم کے شرک، کفر، گناہ، معصیت، آلودگی، نجاست اور رذائل سے دور ہیں، کیونکہ رجس کا اطلاق اِن تمام چیزوں پر ہوتا ہے، پس آیت کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خاندان عصمت وطہارت ہر قسم کے رجس سے پاک و پاکیزہ ہیں۔

چنانچہ جناب طبری اپنی تفسیر میں اس آیت کے ضمن میں رسول خداؐ سے نقل کرتے ہیں:

یہ آیت پانچ افراد یعنی میری (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے: "**نزلت هذه الآية في خمسة فيّ وعلي وحسن وحسين و فاطمه.**"(۱)

یہی قول جناب محبّ الدین طبری اور جلال الدین سیوطی کا ہے۔(۲)

راغب اصفہانی کہتے ہیں:

ارادۂ خدا کے معنی یہ ہیں کہ خدا کسی امر کے واقع ہونے کا یا واقع نہ ہونے کا حکم کرے جیسے: "**اراد بكم سوأاو اراد بكم رحمة.**"(۳)

اس کے بعد آپ کہتے ہیں:

ہر نجس شے کو رجس کہا جاتا ہے اور نجاست و پلیدی چار طریقے کی ہوتی ہے:

۱۔ کبھی رجس (نجاست) خود انسان کی طبیعت کی وجہ سے ہوتا ہے، یعنی انسان کی طبیعت رجس کا حکم لگاتی ہے۔

۲۔ اور کبھی رجس (نجاست) انسان کے عقل و دانش کی بنا پر ہوتا ہے، یعنی ہماری عقل حکم لگاتی ہے

---

(۱) تفسیر طبری، جلد ۲۲، تفسیر سورہ احزاب آیہ: "قرن فی بیوتکن الا تبرجن "صفحہ ۵۔

(۲) ذخائر العقبیٰ صفحہ ۲۴۔ تفسیر درمنثور جلد ۵، تفسیر سورہ احزاب" آیہ" انما یرید اللہ لیذھب ...... "ص ۱۹۸۔

(۳) مفردات راغب مادہ رود و مادۂ رجس۔

کہ فلاں چیز رجس ہے۔

۳۔ اور کبھی رجس شریعت کے دستور کے مطابق وجود میں آتا ہے، یعنی شریعت نے جس کو رجس کہا ہے وہ رجس ہے۔

۴۔ اور کبھی حکم شرع وعقل دونوں کے مطابق رجس کا اطلاق کسی شے پر ہوتا ہے، جیسے جوا کھیلنا، مردار کھانا، خدا کا شریک قرار دینا۔(۱)

پس مذکورہ وضاحت کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہل بیت تمام اخلاقی مفاسد اور صفات رذیلہ سے پاک اور منزہ تھے، کیونکہ تمام وہ اوصاف جو خداوند عالم کے نزدیک ناپسند ہیں، وہ رجس میں داخل ہیں اور رجس بحکم خدا اہل بیت کے قریب جا نہیں سکتا، لہٰذا ان اوصاف سے اہل بیت طہارت کا آلودہ ہونا ممکن نہیں ہے اور اس آیت سے اس بات کا بھی استفادہ ہوتا ہے کہ اہل بیت علیہم السلام محرمات کو انجام نہیں دے سکتے، چاہے سہواً ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ (شیعہ اور معتزلہ عقیدہ کی بنا پر) فعل حرام مفسدہ رکھتا ہے، جس کی وجہ سے یہ فعل منہی عنہ (ولہ) قرار دیا گیا ہے، اگرچہ سہو و نسیان تکلیف کو ساقط کر دیتا ہے، کیونکہ تکلیف قدرت، تمکن اور ارادہ سے مشروط ہے یعنی سہو ونسیان، عقاب خدا کو رفع تو کر دیتا ہے، مگر اس فعل کا وضعی اثر (ذاتی اثر) جو قبح اور رجس ہے اس کو سہو ونسیان ختم نہیں کر سکتا ہے، لہٰذا اہل بیت علیہم السلام سہواً بھی فعل حرام انجام نہیں دے سکتے تاکہ ثابت ہو سکے کہ ان سے رجس ہر معنی میں دور ہے۔

۵. ﴿ اَرَاَیتَ الَّذِی یَنْهٰی ☆ عَبْداً اِذَا صَلّٰی ﴾(۲)

بھلا تم نے اس شخص کو بھی دیکھا جو ایک بندہ کو جب نماز پڑھتا ہے تو روکتا ہے؟!

یہ آیت آنحضرت کی تعریف اور ایک مغرور اور سرکش شخص کی مذمت میں نازل ہوئی ہے، جو آپ کو ہمیشہ خدا کی عبادت سے منع کرتا تھا، بہرکیف اس آیت سے دو نکتوں کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

---

(۱) مفردات راغب مادہ رود ومادۂ رجس.

(۲) سورۂ علق، آیت ۱۰، ۱۱، پ ۳۰.

۱۔ حضرت رسالتمآبؐ بعثت سے قبل نہ تنہا موحد تھے بلکہ آپ ہمیشہ خدا کی پرستش و عبادت میں مشغول رہتے تھے، کیونکہ یہ سورہ علق کی آیت ہے کہ جو ائمہ ہدیٰ کی کثیر روایات اور مفسرین کے نظریہ کے مطابق سب سے پہلے نازل ہوا، لہٰذا یہاں عبادت کا تذکرہ بعثت سے قبل کی زندگی کی جانب ہے۔(۱)

۲۔ یہ عبادت جزیرۃ العرب کے رہنے والوں کی عبادت کے خلاف تھی اسی وجہ سے وہ اس کی مخالفت کرتے تھے اور اس مطلب کا استفادہ متعدد روایات سے بھی ہوتا ہے کہ رسول اسلامؐ بعثت سے پہلے کبھی مخفی طور پر اور کبھی سب کے سامنے اپنے خدا کی عبادت کرتے تھے، چنانچہ صاحب ''سرائر'' جامع بزنطی سے اور آپ زرارہ سے نقل کرتے ہیں:

"......السرائر من جامع البزنطي عن زرارة ؛ قال : سمعت اباجعفر و ابا عبد الله يقولان: حج رسول الله عشرين حجة مستترا منها عشرة حجج اوقال:تسعة (الوهم من الراوى)قبل النبوةوقد كان صلى قبل ذالك وهو ابن اربع سنين وهو مع ابى طالب فى ارض بصرى. "(۲)

''میں (زرارہ) نے امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے اس بارے میں سنا کہ آپؑ نے فرمایا: رسولؐ خدا نے ۲۰ مرتبہ اعمال حج بجالائے مگر یہ سارے حج مخفی طور پر تھے، ان میں ۹ یا ۱۰ (تردید راوی کی جانب سے ہے) تو آپ نے بعثت کے اعلان سے قبل کئے اور نماز تو بہت پہلے سے پڑھتے تھے، کیونکہ جب آپ چار سال کے تھے اور جناب ابوطالبؑ کے ساتھ بصرہ کا سفر کیا تھا تو آپ نماز پڑھتے تھے۔''

---

(۱) روایات کے سلسلہ میں دیکھئے: تفسیر در منثور، تفسیر نور الثقلین، تفسیر برہان، مفسرین کے نظریہ کے بارے میں دیکھئے: تفسیر تبیان، تفسیر مجمع البیان، تفسیر المیزان، تفسیر مراغی (محاسن التاویل)، تفسیر خازن و تفسیر بغوی۔
اس نکتہ کی تائید علامہ طباطبائی نے مفسرین سے فرمائی ہے ۔

(۲) بحار الانوار جلد ۱۵ ،باب[۴] "منشاه و رضاعه... ...صلعم. صفحه ۳۶۱.

آمادگی رسولؐ برائے رسالت، روایات کی روشنی میں

معتبر اور اصلی کتابوں میں رسول خداؐ اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام سے کثیر تعداد میں ایسی روایات وارد ہوئی ہیں، جن سے آیات کے اس مطلب کی تائید ہوتی ہے: رسول اسلامؐ قبل بعثت سے ہی منصب رسالت کیلئے آمادگی رکھتے تھے، اسی لئے آپ اعلان بعثت سے پہلے ہمیشہ خدا کی عبادت و پرستش میں مشغول رہتے تھے اور آپ میں وہ تمام اوصاف پائے جاتے تھے جو ایک رسول کے لئے ضروری ہیں، چنانچہ ذیل میں ہم بعنوان نمونہ چند شواہد شیعہ و سنی کتب سے نقل کرتے ہیں:

۱۔۔۔۔۔۔ابن سعد اپنی کتاب ''الطبقات'' میں رسولؐ خدا سے نقل کرتے ہیں:

''آدم سے لے کر میرا نطفہ جائز نکاح کے ذریعہ صلبوں میں منتقل ہوتا رہا ہے''

((خرجت من لدن آدم من نکاح غیر سفاح)) (۱)

شیعہ مدرک سے اگر آپ ملاحظہ فرمانا چاہیں تو مولا علیؑ کا خطبۂ قاصعہ جو کہ نہج البلاغہ کا بہت ہی مفصل، فصیح و بلیغ خطبہ مانا جاتا ہے ملاحظہ ہو:

۲۔۔۔۔۔۔خطبہ (۱۹۲): ولقد قَرَنَ اللّٰہُ بہٖ مِنْ لَدُن اَنْ کانَ فطیماً اَعظَمَ مَلَکٍ من مَلائِکتِہ یَسْلُکُ به طَرِیقَ المکارمِ، ومحاسن اخلاق العالم، لَیْلَه وَنَهارَه، وَ لَقَدْ کُنْتُ معه اَتَّبِعَه اِتِّبَاعَ الفَصیل اَثَرَ اُمِّه، یَرْفَعُ لی فی کلِّ یومٍ من اخلاقه علما، و یامُرنی بالِاقْتِداءِ به، ولَقَدْ کَانَ یُجَاوِرُ فی کُلِّ سَنَةٍ بِحَرَاءِ، فَاَرَاهُ وَلایَرَاه غیری۔۔۔۔۔۔ (۲)

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

اور اللہ نے آپ کی دودھ بڑھائی کے وقت ہی سے فرشتوں میں سے ایک عظیم المرتبت ملک (روح القدس) کو آپ کے ساتھ لگا دیا تھا، جو انہیں شب و روز بزرگ خصلتوں اور پاکیزہ سیرتوں کی راہ پر لے چلتا تھا اور میں ان کے پیچھے پیچھے یوں لگا رہتا تھا جیسے اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے، آپ ہر

---

(۱) الطبقات الکبری، "ذکر الفواطم والعواتک ۔۔۔۔۔۔ ابن سعد جلد ۱، ص ۶۱.

(۲) شرح نهج البلاغه ابن ابی الحدید، خطبه نمبر ۱۹۲، فضل الوحی، ص ۲۳۸.

روز میرے لئے اخلاق حسنہ کے پرچم بلند کرتے تھے اور مجھے ان کی پیروی کا حکم دیتے تھے اور ہر سال غار حرا میں کچھ عرصہ قیام فرماتے تھے اور وہاں میرے علاوہ کوئی انہیں نہیں دیکھتا تھا۔

۳۔اصحاب امام محمد باقر علیہ السلام میں سے کسی نے آپ سے اس آیت ﴿ **اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا**☆ : خدا اپنے غیب کی بات کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر جس پیغمبر کو وہ پسند فرمائے تو اس کے آگے اور پیچھے نگہبان فرشتے مقرر کر دیتا ہے ﴾ (۱) کی تفسیر پوچھی تو حضرتؑ نے فرمایا:

خداوند متعال ہر رسولؐ کے ساتھ فرشتہ کو مقرر کرتا ہے تا کہ وہ رسولؐ کے اعمال پر نگرانی رکھے اور روشِ تبلیغ یاد کرائے، لہٰذا خدا نے حضرت محمد مصطفیؐ کے ساتھ بھی قبل اس کے کہ آپ کی مدتِ شیر خوارگی ختم ہوتی فرشتہ کو مقرر کر دیا تھا، تا کہ وہ نیک اوصاف اور پسندیدہ اخلاق کی طرف آپ کی رہنمائی کرے، یہی وہ فرشتہ تھا جو رسولؐ کو مبعوث برسالت ہونے سے قبل" **السلام علیک یا محمد یا رسول اللّٰہ**" کہہ کر سلام کرتا تھا اور رسولؐ خیال کرتے تھے کہ یہ صدا کسی در و دیوار سے آرہی ہے! چنانچہ آپ کھڑے ہو جاتے تھے لیکن کسی کو نہیں دیکھتے تھے۔(۲)

۴۔......حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

" انا عبد اللّٰہ واخو رسولہ وانا الصدیق الاکبر لایقولھا بعدی اِلَّا کاذبٌ مُفترٍ صَلَّیتُ قبلَ الناس بسبع سنین"

میں بندۂ خدا، برادرِ رسول اور صدیقِ اکبر ہوں، میرے بعد جو صدیق اکبر ہونے کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا اور افترا ساز ہے، میں تمام لوگوں سے سات سال پہلے سے نماز پڑھا کرتا تھا۔

اس روایت کو ابن ماجہ نے سنن، احمد بن حنبل نے مسند، طبری نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔(۳)

---

(۱) سورۂ جن، آیت ۲۷، پ ۲۹.

(۲) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، جلد ۱۳، خطبہ ۱۹۲، صفحہ ۲۰۰.

(۳) مقدمہ سنن ابن ماجہ، باب (۱۱) حدیث نمبر ۱۲۰ . مسند احمد بن حنبل جلد ۱، مسند علی بن ابیطالب، ص ۹۹ . تاریخ الطبری جلد ۲، ذکر الخبرعما کان من امر النبی، ص ۳۱۰، مطبوعہ: معارف. اسد الغابۃ جلد ۴، باب العین واللام ص ۱۷ .

اور نسائی نے خصائص میں اس روایت کو یوں نقل کیا ہے:

"عبدت اللّٰہ قبل ان یعبدہ احد من ھذہ الامۃ تسع سنین" میں نے خدا کی عبادت سب لوگوں سے نو سال پہلے شروع کر دی تھی جب کوئی اس امت میں سے خدا پرست بھی نہ ہوا تھا۔(۱)

ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ حضرت امیر المؤمنینؑ کا یہ فرمانا:

"صَلَّیتُ قَبلَ الناس بسبع سنین" میں سات سال کی عمر میں تمام لوگوں سے سات سال پہلے رسولؐ کے پیچھے نماز پڑھتا تھا۔

" فانما یعنی ما بین الثمان والخمس عشرۃ ولم یکن دعوۃ ولا رسالۃ ولا ادعاء نبوۃ ......"

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام آٹھ سال سے ۱۵ سال تک رسولؐ کے ساتھ ایک ایسے وفادار شاگرد کی حیثیت سے رہے تھے جو ہمہ وقت اپنے استاد کی خدمت میں حاضر رہتا تھا، حالانکہ ابھی تک رسالت و نبوت کی کوئی خبر بھی نہ تھی اور اس دوران آنحضرتؐ دین ابراہیمؑ کی پیروی کرتے تھے، چنانچہ آپ لوگوں سے جدا ہو کر عبادت میں مشغول رہتے تھے اور کبھی آپ چند روز کیلئے غار حرا میں عبادت کیلئے چلے جاتے اور حضرت امیرؑ آپ کے ساتھ رہتے۔ (۲)

عرض مؤلف

ابن ابی الحدید کی بات کلی طور پر تو صحیح ہے جو آپ نے مولا علیؑ کے خطبے کی شرح میں بیان فرمائی، لیکن یہ کہنا کہ آپ قبل بعثت دین ابراہیم کی پیروی کرتے تھے، یہ مذہبِ شیعہ کے محققین کے نزدیک صحیح نہیں ہے، کیونکہ رسولؐ روز اول سے ہی اپنے دین پر عمل کرتے تھے، البتہ آپ چالیس سال تک خداوند متعال کی جانب سے تبلیغ احکام پر مامور نہ تھے۔

---

(۱) خصائص نسائی صفحہ ۳.

(۲) شرح نھج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی، خطبۃ ۱۹۲، جلد ۱۳، ص ۲۴۸.

قرآن کی روشنی میں اخلاق رسولؐ

قارئین کرام! جیسا کہ ہم نے آپ کی خدمت میں مذکورہ بحث میں یہ بیان کیا کہ حضرت رسالتمآب بچپن ہی سے وحی ونبوت کے لئے کامل آمادگی رکھتے تھے، اب ہم رسول کی اس قبلی آمادگی کا نتیجہ آپ کے حوالہ کرتے ہیں: اور وہ رسول اکرمؐ کا بعد میں اخلاقی فضائل میں کامل ترین مرتبہ پر فائز ہونا اور اصول انسانی کے عالی ترین مقام کا حاصل کرنا ہے۔

چنانچہ ذیل میں ہم آپ کے خارق العادۃ اور حیرت انگیز اخلاق پر بعنوان مشتے از خروار روشنی ڈالتے ہیں، تاکہ عظمت رسول خداؐ زیادہ سے زیادہ قارئین کے سامنے واضح و روشن ہو جائے اور آئندہ آنے والے مباحث سمجھنے کیلئے افکار بیشتر آمادگی پیدا کرلیں۔

پروردگار عالم نے قرآن کریم میں متعدد آیات کے ذریعہ رسولؐ اکرم کے معاشرتی اخلاق حسنہ کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا ہے، بعنوان نمونہ ہم صرف تین آیتوں کو آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

۱. ﴿لَقَدْ جَآئَکُمْ رَسُوْلٌ مِنْ اَنفُسِکُمْ عَزِیزٌ عَلَیْهِ مَاعَنِتُّمْ حَرِیصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُوْفٌ رَحِیْمٌ﴾(۱)

لوگو! تم ہی میں سے ہمارا ایک رسول تمہارے پاس آچکا ہے جس کی شفقت کی یہ حالت ہے کہ اس پر شاق ہے کہ تم تکلیف اٹھاؤ وہ تمہاری بہبودی پر حریص ہے مومنین پر حد درجہ شفیق و مہربان ہے۔

اس آیت سے استفادہ ہوتا ہے کہ رسولؐ مسلمانوں سے بے حد محبت وعطوفت رکھتے تھے، چنانچہ اسی شدید محبت کا نتیجہ تھا کہ آپ مسلمانوں کی پریشانی اور دشواری پر ہمیشہ رنجیدہ خاطر رہتے تھے۔

۲. ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِکَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ......﴾(۲)

تو (اے رسول!) یہ بھی خدا کی ایک مہربانی ہے کہ تم سا نرم دل سردار ان کو ملا اور اگر تم بدمزاج اور

---

(۱) سورۂ توبہ، آیت ۱۲۸، پ ۱۱.

(۲) سورۂ آل عمران، آیت ۱۵۹، پ ۴.

سخت دل ہوتے ،تب تو یہ لوگ (خدا جانے کب کے) تمہارے اردگرد سے تتر بتر ہو گئے ہوتے ، پس ان کو معاف فرمادو اور ان کے لئے مغفرت کی دعا کرو۔

محترم قارئین! اس آیت میں رسولؐ اسلام کے عالی اخلاق، خوئے نیک اور حسن رفتار کو، رحمتِ پروردگار عالم کے نمونہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور تند مزاجی، خشونت، ناراضگی، سختی اور دل شکنی کو رسولؐ اکرم کے لئے لفظ ''لو'' کے ذریعہ ناممکن امر کہا گیا ہے، کیونکہ لفظ ''لو'' ان موارد پر استعمال ہوتا ہے جہاں کسی امر کا وقوع پذیر ہونا عادۃً ممکن نہ ہو۔

۳. ﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَاتَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَايَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ......﴾(۱)

اے ایمان لانے والو! تم لوگ پیغمبر کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر تم کو جب کھانے کے واسطے اجازت دے دی جائے، لیکن اس کے پکنے کا انتظار (نبی کے گھر میں) بیٹھ کر نہ کرو، مگر جب تم کو بلایا جائے تو ٹھیک وقت پر جاؤ اور پھر جب کھا چکو تو فوراً اپنی جگہ سے چلے جایا کرو اور باتوں میں نہ لگ جایا کرو، کیونکہ اس سے رسول کو اذیت ہوتی ہے، تو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور خدا تو ٹھیک ٹھیک کہنے میں جھینپتا نہیں۔

اس آیۂ شریفہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق، حیا اور شرم پر قدرے روشنی پڑتی ہے، جو آپ اپنے اصحاب کے ساتھ برتتے تھے، کیونکہ کچھ لوگ آپ کے گھر میں بغیر اجازت کے داخل ہو جاتے تھے اور چاہتے تھے کہ کھانے کے قبل اور بعد آپ کے گھر میں بیٹھے بیٹھے گفتگو کرتے رہیں، اگر چہ رسولؐ کو ان کی بیٹھک سے اذیت ہوتی تھی، مگر چونکہ آپ اخلاق حسنہ رکھتے تھے، لہٰذا صبر وتحمل سے کام لیتے اور اصحاب کی ہر ممکن دل شکنی سے پرہیز کرتے تھے، چنانچہ اس قدر صبر وتحمل سے کام لینا بزرگ ترین اور شریف ترین اخلاقی امتیاز اور خصوصیت ہے، جو سوائے انبیاءؑ ومرسلین کے دنیا کے قدرت منداور ذی وقار افراد میں نہیں پایا جاتا۔

---

(۱) سورہ احزاب، آیت ۵۳، پ ۲۲.

مسئلہ وحی واجتہاد [۱]

وحی کی کیفیت

قرآن مجید کی متعدد آیات سے استفادہ ہوتا ہے کہ خداوند متعال نے جن لوگوں کو منصب رسالت ونبوت کیلئے منتخب اور اپنے کلام سے مشرف فرمایا ہے، ان سے ارتباط برقرار رکھنے کیلئے متعدد طریقے اپنائے ہیں ، چنانچہ اس آیت میں (۲) شاید انھیں تمام طریقوں کی جانب اشارہ کیا گیا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْمِنْ وَرَآءِ حِجَابٍ اَوْيُرْسِلَ رَسُوْلاً فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ﴾

---

[۱] محترم قارئین! مسئلہ وحی واجتہاد کو محترم مؤلف صاحب نے اس لئے چھیڑا ہے کہ آگے چل کر آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ قرآن کی اس تصریح کے باوجود کہ آنحضرتؐ اپنی رائے واجتہاد سے حکم نہیں کرتے تھے، امام بخاری اور مسلم نے کئی مقامات نقل کئے ہیں جہاں رسول اسلامؐ نے حکم الٰہی میں اپنی رائے واجتہاد سے تبدیلی کردی اور بعد میں جب خدا نے سرزنش کی تو آپؐ نے معافی مانگی!!

اسی طرح اگر آپ کتب عہدین یعنی عیسائیوں ویہودیوں کی کتابوں کی روشنی میں انبیائے کرام، جیسا کہ مؤلف صاحب نے آگے ذکر کیا ہے زندگی ملاحظہ فرمائیں تو آپ پر روشن ہوجائے گا کہ امام بخاری اور مسلم کی فکر بھی کتب عہدین سے ملتی جلتی ہے، میرا نظریہ تو یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان ان روایات سے آگاہ ہوجائے کہ جن فرسودہ روایات کے توسط سے انبیاء علیہم السلام خصوصا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی امام بخاری ومسلم نے تصویر کشی کی ہے، تو وہ آپ لوگوں کو ہرگز موحد اور خدا پرست قبول نہیں کرسکتا اور مجھے اس بات کا یقین ہے کہ ان روایات کو یہودیوں اور عیسائیوں نے زرخرید راویوں کے ذریعہ اپنے عقائد کی تبلیغ کی خاطر کتب اسلامی میں نقل کروادیا ہے اور امام بخاری ومسلم اس سازش کے شکار ہوئے ہیں اور اگر کوئی سادہ لوح مسلمان یہ کہے: ان ساری روایتوں کے نقل میں غیر مسلم کا ہاتھ نہیں ہے بلکہ امام بخاری اور امام مسلم نے اپنے عقائد کے مطابق نقل کیا ہے تو پھر اس صورت میں ایک ہی بات ماننا پڑے گی کہ امام بخاری اور آپ کے شاگرد رشید امام مسلم کا اسلام سے دور کا بھی رشتہ نہ تھا ، بلکہ یہ لوگ اسلام کی نقاب ڈال کر یہودیت اور عیسائیت کی تبلیغ کر رہے تھے ، چنانچہ اس بات کا احتمال یہاں سے اور بھی پیدا ہوتا ہے کہ امام بخاری کے جد سوم مسلمان نہ تھے۔

دیکھئے: امام بخاری کی مختصر سوانح حیات ص ۴۳۔ مترجم

(۲) کیفیت وحی کی جانب قرآن میں مختلف موارد پر اشارہ کیا گیا ہے مثلاً: سورۂ بقرہ آیت نمبر ۹۷، نحل ۲۔۱۰۲، شعراء ۱۹۳۔ ۱۹۴، نجم ۱۔۱۰، فاطر ۱، تکویر ۱۹۔۲۱۔

اور کسی آدمی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ خدا اس سے بات کرے مگر وحی کے ذریعہ سے (جیسے داؤد سے)، یا پردے کے پیچھے سے (جیسے موسیٰ سے) یا کوئی فرشتہ بھیج دے (جیسے محمدؐ سے) غرض وہ اپنے اختیار سے جو چاہتا ہے پیغام بھیجتا ہے بیشک وہ عالیشان حکمت والا ہے۔(۱)

۱۔الہامی وحی: مفسرین کے اقوال سے استفادہ ہوتا ہے کہ اس آیت کے پہلے حصہ میں تقسیم ومقابلہ کے قرینہ کو مدنظر رکھتے ہوئے، وحی سے مراد الہام ہے جو بغیر فرشتہ کے توسل سے رسولؐ پر ہوتا تھا اور یہ الہام بغیر کسی آواز کے، عالم بیداری یا عالم خواب میں رسول کے دل پر القاء ہوتا ہے اور رسول بھی اس حکم کے وحی ہونے کو سمجھتا اور درک کرتا ہے اور پھر اسی حکم کے مطابق عمل کرتا ہے، جیسے قرآن میں صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا کہ خدا ان کو حکم دے رہا ہے کہ وہ اپنے بیٹے اسمٰعیل کو ذبح کریں، آیت کے پہلے حصہ میں اسی الہامی وحی کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔

۲۔کسی چیز میں آواز پیدا کر کے وحی: دوسرا طریقہ پشت پردہ سے بغیر فرشتہ کے واسطے سے وحی ہوتی ہے، البتہ اس میں آواز پیدا کی جاتی ہے، لیکن افرادِ بشر کے انس اور ان میں پائے جانے والے سابقہ ذہنی کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ احتمال پیدا ہوسکتا تھا کہ اس طرح کی گفتگو اور مکالمہ کا لازمہ یہ ہے کہ طرفین، کلام کرنے کے وقت ایک دوسرے کا مشاہدہ کریں، لہٰذا خدا نے اس (وحی) کو پشت پردہ سے مقید کر کے بتلا دیا کہ اس مکالمہ میں خدا کا دیکھنا ممکن نہیں اور خدا کے نبیوں میں سے جن پر یہ وحی ہوتی تھی ان میں سے حضرت موسیٰ ہیں کیونکہ آپ اکثر خدا سے کوہ طور پر مذکورہ طریقۂ وحی کے ذریعہ ہمکلام ہوا کرتے تھے۔

۳۔ ملکوتی وحی: تیسرا طریقہ وحی کا یہ ہے کہ فرشتہ نازل ہو کر کلام الٰہی کو رسول تک پہنچائے۔

پس کبھی انبیاء پر ان تینوں طریقوں سے اور کبھی ان میں سے بعض سے وحی ہوتی تھی، لیکن ایک دوسرے اعتبار سے حضرت رسالتمآبؐ کے بارے میں وحی کی دو قسمیں اور بھی ہیں:

۱۔ قرآنی وحی: اگر الفاظ، ترکیبِ الفاظ اور ان کے معنیٰ ومفہوم سب خدا کی جانب سے ہوں تو اسے وحی قرآنی کہتے ہیں اور قرآن اسی وحی کے ذریعہ متشکل ہوا ہے۔(۲)

---

(۱) سورۂ شوریٰ، آیت ۵۱، پ ۲۵۔

(۲) اگر الفاظ، معانی اور ان کی ترکیبات خدا کی جانب سے بعنوان تحدی اور معجزہ ہوں تو قرآن کہتے ہیں اور اگر بعنوان غیر تحدی صادر ہو تو اسے حدیث قدسی کہتے ہیں۔ مترجم۔

۲۔غیرِ قرآنی وحی: معنی ومفہوم خدا کی جانب سے ہوں اور الفاظ رسول اسلامؐ کی طرف سے یعنی مطلب خدا کی طرف سے رسولؐ پر وحی ہو اور رسول خداؐ اپنے الفاظ و بیان میں اسے لوگوں تک پہنچائیں اس کو غیر قرآنی وحی کہتے ہیں، سنت کی اصل یہی وحی ہے (گویا احادیث رسول منشاء الٰہی کے مطابق مفہوم ادا کرتی ہیں) قرآن مجید کی آیات کا مطالعہ کرنے سے استفادہ ہوتا ہے کہ جس طرح سے رسول خداؐ پر وحی قرآنی نازل ہوتی تھی اسی طرح کبھی آپ پر وحی غیر قرآنی بھی نازل ہوتی تھی، یعنی آنحضرتؐ کو خدا کی جانب سے کبھی عالم خواب میں اور کبھی بیداری کی حالت میں حکم صادر ہوتا تھا اور آپ اس حکم (وحی) کے مطابق عمل کرتے تھے، چنانچہ بعض موارد پر آیات قرآنیہ (وحی قرآنی) اسی مطلب (وحی غیر قرآنی) کی تائید کرنے کیلئے بالمستقیم یا دیگر مناسبت کے ضمن میں نازل کی گئیں ہیں، چنانچہ ذیل میں چند نمونے قارئین کرام کی خدمت میں وحی غیر قرآنی کے نقل کرتے ہیں:

۱۔ان موارد میں سے ایک مورد، سورۂ انفال ہے جو جنگ بدر کے بعض واقعات پر مشتمل ہے اور تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ سورہ جنگ بدر کے بعد نازل ہوا، چنانچہ درج ذیل آیات کے ذریعہ خداوند متعال اس وحی غیر قرآنی کی تائید فرماتا ہے جو رسول پر جنگ بدر کے اقدام سے پہلے نازل فرمائی تھی:

﴿کَمَا اَخْرَجَکَ رَبُّکَ مِنْ بَیْتِکَ بِالْحَقِّ....☆وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّائِفَتَیْنِ اَنَّھَا لَکُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَةِ تَکُوْنُ لَکُمْ﴾(۱)

اے رسول! (یہ جنگ بدر کے مال غنیمت کا جھگڑا ویسا ہی ہے کہ) جس طرح تمہارے پروردگار نے تمہیں بالکل مصلحت اور حق کے ساتھ اپنے گھروں سے میدان جنگ بدر کی طرف نکالا تھا حالانکہ مومنین کا ایک گروہ اس بات سے ناخوش تھا....(اے رسول یاد کیجئے اس وقت کو) جب تمہارے پروردگار نے تم سے وعدہ کیا کہ کفار مکہ کی دو جماعتوں میں سے ایک گروہ تمہارے لئے ضروری ہے (یعنی ان پر تم فتحیابی حاصل کروگے) اور تم چاہتے تھے کہ کمزور جماعت تمہارے ہاتھ لگ جائے (تاکہ بغیر لڑے بھڑے مال غنیمت ہاتھ آجائے) اور خدا یہ چاہتا تھا کہ اپنی باتوں سے

(۱) سورۂ انفال، آیت۵، ۷، پ۹۔

حق کوثابت کرےاور کافروں کی جڑ کاٹ ڈالے۔(۱)

۲۔دوسرا مورد وہ ہے جب رسولؐ اسلام اپنے اصحاب کے ساتھ ۶ ھ میں مکّہ کی جانب زیارت کعبہ کے لئے خارج ہوئے یہ حکم آنحضرتؐ کو الہام اور خواب کی صورت میں ہوا تھا، رسول خداؐ اسی حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مدینہ سے خارج ہوئے اور چونکہ آپ نے کفار قریش کے مانع ہونے کی وجہ سے حدیبیہ کے مقام پر ان سے صلح کر لی اور اس سال بغیر اعمالِ حج انجام دیئے واپس ہونے کیلئے تیار ہو گئے، تو بعض اصحاب جو اپنے کو بہت بڑا تیس مار خاں سمجھتے تھے، انھوں نے اس صلح پر اعتراض کرنا شروع کر دیا! اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰہُ رَسُوْلَہُ الرُّؤْیَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَالْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ آمِنِین......﴾(۲)

بیشک خدا نے اپنے رسول کو سچا مطابق واقعہ خواب دکھایا تھا کہ تم لوگ انشاء اللہ مسجد الحرام میں (اپنے سر منڈوا کر اور اپنے تھوڑے سے بال کترواکر بہت) امن وامان سے داخل ہو گے (اور کسی طرح کا خوف نہ کروگے تو جو بات تم نہیں جانتے تھے اس کو معلوم تھی تو اس نے فتح مکہ سے پہلے ہی بہت جلد فتح عطا کی)

۳۔تیسرا مورد، سورۂ جمعہ ہے، جس میں وحی غیر قرآنی کی تائید کی گئی ہے، ارشاد ہوا:

﴿یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ آمَنُوْااِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْااِلٰی ذِکْرِاللّٰہِ وَذَرُوْاالْبَیْعَ ......﴾(۳)

اے ایماندارو! جب جمعہ کے دن نماز (جمعہ) کے لئے اذان دی جائے تو خدا کی یاد (نماز) کی طرف دوڑ پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو اگر تم سمجھتے ہو تو یہی تمھارے حق میں بہتر ہے۔

اس آیت کے سیاق وسباق سے اور وہ روایات جو اس کی شانِ نزول اور تفسیر میں وارد ہوئی ہیں ان سے یہ

---

(۱)اس مطلب کی توضیح کے لئے سورہ انفال، تفسیر طبری جلد ۹، معالم التنزیل فی التفسیر والتاویل، بغوی، جلد۲، ص ۵۹۸. مجمع البیان، جلد۴، ابن کثیر جلد۲، اور تفسیر الخازن جلد۳، ص ۷. کی طرف مراجعہ فرمائیں۔

(۲) سورۂ فتح ،آیت ۲۷ ،پ۲۶.

(۳) سورۂ جمعہ،آیت ۹ ،پ۲۸.

بات ظاہر ہوتی ہے کہ سورۂ جمعہ کے نازل ہونے سے قبل نماز جمعہ واجب (تشریع) ہو چکی تھی، چنانچہ مسلمان اس کو بجالاتے تھے، لہٰذا یہ آیت نماز جمعہ کی اہمیت جتانے کے لئے نازل ہوئی ہے، کیونکہ بعض مسلمان مال، ثروت اور تجارت میں اتنے مست رہتے تھے کہ انھیں نماز جمعہ کی خبر بھی نہ رہتی تھی لہٰذا سورہ جمعہ اس لئے نازل ہوا تا کہ ان کی تہدید کی جائے اور انھیں سمجھایا جائے کہ نماز جمعہ چھوڑ کر تجارت اور خرید وفروخت کرنا صحیح نہیں ہے۔

آپ کو علم ہوگا کہ اس آیت کے علاوہ نماز جمعہ کے بارے میں قرآن میں کوئی دوسری آیت نہیں ہے جس سے نماز جمعہ کے وجوب کا اثبات کیا جا سکے لہٰذا نماز جمعہ کا حکم وحی غیر قرآنی کے ذریعہ ہوا، پس مذکورہ چند نمونے جو ہم نے آپ کی خدمت میں وحی غیر قرآنی کے تقدیم کیے، انھیں کی روشنی میں آپ دوسرے موارد بھی استخراج کر سکتے ہیں، کیونکہ اسلام کے دسیوں احکام ایسے ہیں جن کا قرآن میں کوئی اشارہ نہیں کیا گیا ہے، یہ سب الہام اور وحی غیر قرآنی کے ذریعہ رسول کو حاصل ہوئے۔

کیا رسول خدا بھی اجتہاد کرتے تھے؟!

شیعہ حضرات کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت رسالتمآب ﷺ احکام، قوانین الٰہی اور اپنے دستورات میں اجتہاد نہیں کرتے تھے، بلکہ وحی کے مطابق عمل کرتے تھے اور اگر کسی مورد پر دستور الٰہی نہ ہوتا تھا تو وحی کے منتظر رہتے تھے، چنانچہ متعدد قرآنی آیات اور کثرت کے ساتھ روایات اس بات کی تائید کرتی ہیں، نمونہ کے طور پر چند آیات یہاں قلمبند کرتے ہیں:

۱. ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰٓ ☆ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوحَىٰ﴾ (۱)

اپنی خواہش و چاہت سے کلام ہی نہیں کرتا اگر کلام کرتا ہے تو وہ وحی کے مطابق (جب وحی کا اشارہ ہو تب وہ کچھ کہتا ہے)

اس آیت سے استفادہ ہوتا ہے کہ کلام رسول کا مستند بلا واسطہ وحی اور حکم خدا ہے اور یہ آیت رسولؐ کے بارے میں ہر قسم کے اجتہاد، نفسانی خواہش اور اپنی من مانی کی نفی کرتی ہے۔

(۱) سورہ نجم، آیت ۳. ۴، پ ۲۷.

۲. ﴿وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ......﴾(۱)

اور جب لوگوں کے سامنے ہماری روشن آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو جن لوگوں کو (مرنے کے بعد) ہماری حضوری کا کھٹکا نہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اس کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن لاؤ یا اس کو ردو بدل کرد، واے رسول! تم کہہ دو کہ مجھے یہ اختیار نہیں کہ میں اسے اپنے جی سے بدل ڈالوں میں تو بس اسی کا پابند ہوں جو میری طرف وحی کی گئی ہے۔

جملہ ''ان اتبع الاما یوحی الیّ'' کے ضمن میں اہل سنت کے مشہور مفسر قرآن جناب فخر الدین رازی کہتے ہیں:

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول خداؐ وحی کے علاوہ نہ کوئی حکم دیتے تھے اور نہ کبھی بھی اپنی رائے و اجتہاد پر عمل کرتے تھے۔(۲)

۳. ﴿قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ......﴾(۳)

اے رسول! ان سے کہدو کہ میں تو یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں (کہ ایمان لانے پر دیدوں گا) اور نہ میں غیب کے (کل) حالات جانتا ہوں اور نہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو بس جو خدا کی طرف سے میرے پاس وحی کی جاتی ہے اسی کا پابند ہوں۔'' اس آیت کے ذیل میں بھی فخر الدین رازی کہتے ہیں:

اس آیت سے صراحت کے ساتھ استفادہ ہوتا ہے کہ رسول اسلامؐ کبھی بھی احکام الٰہیہ میں اپنی رائے و اجتہاد سے کام نہیں لیتے تھے، بلکہ آپ کی گفتگو کا سرچشمہ وحی الٰہی ہوتا تھا، چنانچہ اس مطلب کی تائید و تاکید اس آیت سے اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ☆ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾(۴)

---

(۱) سورہ یونس، آیت ۱۵، پ ۱۱۔

(۲) تفسیر کبیر جلد ۱۷، تفسیر سورہ یونس، آیت ۱۵، صفحہ ۵۶، پہلا ایڈیشن: بیروت لبنان۔

(۳) سورۂ انعام آیت ۵۰، پ ۷۔

(۴) سورہ نجم، آیت ۳۔۴، پ ۲۷. تفسیر کبیر ج ۱۲، تفسیر سورہ انعام آیت ۵۱، المسئلۃ الثالثۃ، ص ۱۹۱، پہلا ایڈیشن۔

۴. ﴿اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَا اَرَاکَ اللّٰہُ......﴾(۱)

اے رسول! ہم نے تم پر برحق کتاب اس لئے نازل کی ہے کہ جس طرح خدا نے تمہاری ہدایت کی ہے، اسی طرح لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔

امام فخر رازی اس آیت کے بارے میں بھی کہتے ہیں:

جو کچھ ہم نے قبلاً کہا اس سے ثابت ہو گیا کہ جملہ "**لتحکم بین الناس بما اراک......**" کا مطلب یہ ہے: اے رسول! جو آپ کو خدا نے تعلیم دیا ہے ویسا ہی لوگوں کے درمیان حکم اور فیصلہ کریں، گویا خداوند متعال نے اپنے رسول کیلئے بجائے تعلیم و تعلم کے لفظ اراک (رویت) کا استعمال اس لئے کیا ہے کہ وہ علم و دانش جو یقینی اور ہر قسم کے شک و تردید سے خالی ہو وہ اس قدر قوی اور روشن ہے کہ انسان نے گویا اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو، لہٰذا خدا نے بجائے تعلیم کے رسول کیلئے لفظ رویت کا استعمال کیا، یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر کہتے تھے: کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ مجھ سے یہ کہے کہ میں ویسا ہی حکم (حکومت) کرتا ہوں جو خدا نے کیا ہے، کیونکہ ایسا حکم (حکومت) صرف پیمبر کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد فخر رازی کہتے ہیں:

جب یہ بات ثابت ہو گئی تو میں کہتا ہوں: اس آیت کے بارے میں جو بات محققین کہتے ہیں وہ صد در صد درست ہے، کیونکہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رسولؐ بغیر وحی الٰہی کے کوئی حکم اپنی طرف سے نہیں دیتے تھے اور جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ آپؐ بغیر وحی الٰہی کے کوئی حکم اپنی طرف سے نہیں دیتے تھے، تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کے لئے درحقیقت اپنی رائے اور اجتہاد کا استعمال کرنا جائز نہ تھا۔(۲)

اسی سے ملتا جلتا نظریہ امام بخاری کا بھی ہے کیونکہ آپ نے اپنی کتاب صحیح میں ایک مخصوص باب اس

---

(۱) سورہ نساء، آیت ۱۰۵، پ۵.

(۲) تفسیر کبیر جلد ۱۱، تفسیر سورہ نساء، آیت نمبر ۱۰۶، المسئلۃ الثلثۃ، ص۲۷.

طرح قائم کیا ہے:

''جب رسولؐ سے کوئی ایسے حکم کے بارے میں سوال کرتا کہ جس کے متعلق آپ پر وحی نازل نہ ہوئی ہوتی تو آپ وحی کا انتظار کرتے تھے اور جواب نہیں دیتے تھے، یا تو فرماتے تھے: میں نہیں جانتا، یا فرماتے کہ ابھی حکم ثابت نہیں ہوا، یہاں تک کہ اس بارے میں آپ پر وحی نازل ہوتی، چنانچہ آپؐ اپنی رائے اور قیاس کے ذریعہ کچھ نہیں کہتے تھے جیسا کہ آیۂ'' **بما اراک اللہ**'' سے ثابت ہے''(۱)

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۹، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب(۸)''ماکان النبی یسئل''حدیث ۶۸۷۹. ۶۸۸۰.

مترجم: صحیح بخاری جلد ۹، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب(۹)، باب(۳) حدیث ۶۸۶۷. کتاب الفرائض جلد ۶، باب(۱) حدیث ۶۳۴۴. کتاب التوحید، باب(۲۹)''قول اللہ: انماقولنا بشئی'' (آیت ۴۰)حدیث ۷۰۲۴. کتاب المرضیٰ، باب(۵) ''عیادۃالمغمیٰ علیه'' حدیث ۵۳۲۷. جلد ۱، کتاب العلم باب'' قول اللّٰہوما اوتیتم من العلم الاقلیلا'' حدیث ۱۲۵. جلد ۴، کتاب التفسیر ،تفسیرسورہ الاسراء، باب(۸۵۰) ''ویسئلونک عن الروح'' حدیث ۴۴۴۴.

نبوت؛ صحیحین اور کتب عہدین کی روشنی میں

توریت اور انجیل میں انبیاءؑ

محترم ناظرین! مذکورہ مباحث میں آپ نے آیات اور معتبر روایات کی روشنی میں انبیاءؑ بالخصوص حضرت رسالتمآبؐ کے اخلاق و کردار کو ملاحظہ فرمایا کہ آپ حضرات نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد کن کن اوصاف و کمالات کے حامل تھے، چنانچہ مذکورہ آیات و روایات اس بات کی صراحت کے ساتھ تاکید کرتی ہیں کہ انبیاء علیہم السلام طہارت، نزاہت، قداست، عظمت اور عصمت خلاصہ یہ کہ تمام اوصاف حمیدہ سے آراستہ اور ہر گناہ اور آلودگی سے طیب و طاہر تھے۔

افسوس کہ مختلف اسباب و علل کی بنا پر جن کا یہاں تحریر کرنا ہمارے موضوع بحث سے خارج ہے توریت و انجیل میں تحریف کرنے والوں (یہود و نصاریٰ) نے انبیاء علیہم السلام کی تصویر کشی کچھ دوسرے ہی انداز میں کی ہے، جس کا انسان تصور بھی نہیں کرسکتا! توریت اور انجیل میں نہ تنہا انبیائے کرام کو عصمت، طہارت، نزاہت، قداست، تقویٰ اور ورع سے عاری ثابت کیا گیا ہے بلکہ مقام نبوت کو اس قدر پست کر دیا ہے اور ایسے ایسے نامناسب افعال آپ حضراتؑ کی طرف منسوب کئے ہیں کہ ایک عام آدمی بھی ایسے امور انجام دینا اپنے لئے شرم و عار سمجھتا ہے!! اور صرف یہی نہیں بلکہ انبیاء علیہم السلام کے اصلی چہرے کو مسخ کر کے ایک عام اور معمولی انسان سے نیچے گرا کر ان افراد کی صف میں لا کر کھڑا کر دیا ہے جو عیاش اور ہوا و ہوس کے پرستار ہوں! جن کی خواہشات نفسانی کے سامنے کوئی اخلاقی اور معنوی روک ٹوک موجود نہ ہو!! چنانچہ چند نمونے ہم یہاں توریت و انجیل(۱) سے نقل کرتے ہیں۔

---

(۱) عرض مترجم:۔ قارئین کرام! ''کتب عہدین'' سے مؤلف صاحب کی مراد تحریف شدہ انجیل و توریت ہیں جو آجکل علمائے یہود و نصاریٰ میں رائج ہیں، کیونکہ اصلی توریت و انجیل میں ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ انبیاء علیہم السلام کو عیاش، شہوت پرست، اخلاق و کردار کے لحاظ سے پست ترین افراد بتلایا گیا ہو، انبیاء کی دوران نبوت کی زندگی تو جانے دیجئے ان کی سابقہ زندگی بھی رذائل، خبائث، شہوت پرستی اور عیاشی سے آئینہ کی طرح صاف و شفاف نظر آئے گی جیسا کہ محترم مؤلف صاحب گزشتہ بحث میں قرآن مجید اور روایات کی روشنی میں اوصاف انبیاء پر نظر ڈال چکے ہیں اور ثابت کر چکے ہیں کہ انبیاء کی سابقہ زندگی کا پاک ہونا ضروری تھا، تاکہ خدا اپنی پاک و پاکیزہ امانت (رسالت و نبوت) انھیں عطا کر سکے۔۱۲

۱۔موجودہ توریت جناب لوط اور آپ کی لڑکیوں کے بارے میں اس طرح ناقل ہے:

''جب جناب لوط اپنی دونوں جوان لڑکیوں کو لے کر ایک پہاڑ میں ساکن ہو گئے، تو ایک روز آپ کی بڑی لڑکی نے چھوٹی بہن سے کہا: ہمارے والد بوڑھے ہو چکے ہیں اور یہاں کسی مرد کا نام و نشان نہیں ہے جو ہم سے شادی کرے، لہٰذا ایسا کرتے ہیں کہ بابا کو شراب پلا کر بے ہوش کر دیا جائے اور پھر ہم لوگ باری باری ان سے ہمبستر ہو لیتے ہیں، تا کہ ہمارے بابا کی نسل باقی رہے، الغرض اسی شب میں جناب لوط کو ان لوگوں نے شراب پلا دی اور پہلے بڑی لڑکی اپنے باپ (جناب لوط) کے ساتھ ہمبستر ہوئی اور جناب لوط کو خبر تک نہیں ہوئی! اس کے بعد دوسرے دن بڑی لڑکی نے اپنی چھوٹی بہن سے ایسا کرنے کو کہا، چنانچہ وہ بھی شراب پلا کر ہمبستر ہوئی اور جناب لوط کو اس فعل کی مطلقاً خبر نہ ہوئی!! اس طرح وہ دونوں باپ سے حاملہ ہوئیں، بڑی لڑکی سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ''موآب'' رکھا گیا جو ''موآبیین'' کا باپ کہلایا اور چھوٹی لڑکی سے جو لڑکا پیدا ہوا اس کا نام ''ابن عمی'' رکھا گیا جو ''بنی عمون'' کا باپ ہوا!''(۱)

۲۔ نیز موجودہ توریت میں آیا ہے:

حضرت داؤد نے اپنے لشکر کے ایک جنگجو اور باایمان شخص اُوریا کی بیوی سے زنا کیا اور وہ اس زنا سے حاملہ ہو گئی جب حضرت داؤدؑ نے دیکھا کہ میری عزت و آبرو خطرے میں ہے تو میدان جنگ سے ''اوریا'' کو بلا کر اس سے کہا: تو چند ایام آرام کر لے تا کہ جنگ کی تھکن ختم ہو جائے (جناب داؤد کا مقصد یہ تھا کہ جب یہ اپنی بیوی کے ساتھ رہے گا تو میرے کئے ہوئے زنا پر پردہ پڑ جائے گا) اوریا نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرا سردار لشکر ''یوآب'' اور سپاہی میدان جنگ میں رہیں اور میں گھر میں بیوی کے ساتھ مستی کروں؟! مجھے میری جان کی قسم میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔ جب جناب داؤد اس حیلہ وفریب سے مایوس ہو گئے تو آپ نے ایک روز اس کو بلایا اور اسے شراب پلا کر بے ہوش کر دیا اور سپہ سالار لشکر ''یوآب'' سے کہا کہ اس کو میدان جنگ میں سب سے

---

(۱) توریت سفر تکوین اصحاح ۱۹، بند ۳۰۔۳۸

آگے رکھنا اور جب دشمن کی فوج حملہ آور ہو تو تم سب پیچھے ہٹ جانا، تاکہ یہ موت کے گھاٹ اتر جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور جب ''اوریا'' کی موت کی خبر اس کی بیوی کو ملی تو وہ اپنے شوہر کے غم میں رونے پیٹنے لگی، خلاصہ یہ کہ جناب داؤد نے ایام غم گزرنے کے بعد اس کو اپنے پاس پناہ دیدی اور اس سے شادی کر لی، (اس طرح راستے میں حائل کانٹوں کو صاف کر کے حضرت داؤد معاذ اللہ اپنے مقصود تک پہنچے) اور اس زنا کے ذریعہ ایک لڑکا پیدا ہوا، لیکن خدا نے داؤد کے اس کام کو ناپسند فرمایا۔(۱)

۳۔انجیل میں آیا ہے کہ جناب سلیمان بن داؤد اسی عورت سے پیدا ہوئے۔(۲)

۴۔انجیل یوحنا میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰؑ ایک شادی کی تقریب میں شریک ہوئے اور جب شراب ختم ہو گئی تو آپ نے معجزہ سے چھ عدد شراب کے مٹکے یار کئے!!(۳)

۵۔ انجیل لوقا میں آیا ہے کہ حضرت عیسی صرف شراب پیتے ہی نہ تھے بلکہ آپ پکے شراب خوروں میں سے تھے۔معاذ اللہ(۴)

محترم قارئین! یہ ہیں عیسائیوں اور یہودیوں کے کارنامے جوانھوں نے اپنی کتاب توریت اور انجیل میں انجام دئے ہیں کہ کبھی ایک نبی کے ساتھ ان کی لڑکیاں شراب کے ذریعہ مست کر کے ہمبستر ہوتی ہیں! اور کبھی جناب داؤد اپنے ایک لشکری کی بیوی سے زنا کرتے ہیں! اور جب وہ حاملہ ہو جاتی ہے تو اس کے شوہر کو ایک حیلہ کے ذریعہ جنگ میں موت کے گھاٹ اتروا دیتے ہیں اور خود اس سے شادی کر لیتے ہیں! اور آخر میں جناب سلیمان نبیؑ اسی عورت سے پیدا ہوتے ہیں! اور کبھی شراب سازی کو ایک نبی کا سب سے بڑا معجزہ اور خود آپ کو شرابی، کبابی بتلایا جاتا ہے!!(۵)

---

(۱) توریت صموئیل دوم اصحاح ۱۱. ۱۲.

(۲) انجیل متی اصحاح ۱.

(۳) انجیل یوحنا باب ۲۔

(۴) انجیل لوقا، باب ۷، انجیل متی باب ۱۱۔

(۵) خدا لعنت کرے ان لوگوں پر جو ایسے بیہودہ افعال کی نسبت اللہ کے پاک نبیوں کی طرف دیتے ہیں، افسوس کہ کچھ ایسی باتیں صحیح بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں چنانچہ چند روایات آئندہ ہم آپ کی خدمت میں پیش کریں گے۔مترجم.

صحیحین کی روشنی میں انبیائے کرامؑ

افسوس کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی جو ہماری تحقیق کا موضوع بحث ہیں تحریف شدہ توریت وانجیل کی طرح ایسی روایتیں پائی جاتیں ہیں جن سے انبیاء علیہم السلام کی توہین ہوتی ہے، ان دو کتابوں نے انبیاء ومرسلین کا واقعی قیافہ بدل کر ان کے روحانی اور معنوی چہرے اور ملکوتی اور آسمانی اخلاق کے بجائے ان کی طرف رذائل و خبائث کی نسبت دی ہے اور جہاں انبیائے کرامؑ کا ان دو کتابوں میں تذکرہ کیا گیا ہے وہاں یہود و نصاریٰ کے قصے اور کہانیاں گڑھنے والوں کی بیہودہ اور فرسودہ کہانیوں سے ماخوذ الٹے سیدھے واقعات آپ حضرات (انبیاء علیہم السلام) کے بارے میں صحیح حدیث کا نام دے کر نقل کئے گئے ہیں اور نہ تنہا سابقہ انبیائے کرام کی حیثت کو ان کتابوں نے مضحکہ خیز ثابت کیا ہے، بلکہ حضرت رسالتمآبؐ کے واقعی چہرہ کو بھی مسخ کر کے پیش کرنے کی لا حاصل سعی کی ہے اور آپؐ کے روحانی و معنوی اخلاق کو توڑ مروڑ کر ایک دوسرے انداز میں جو قرآن مجید سے بالکل مطابقت نہیں کرتا نقل کیا ہے!!

۱۔ جھوٹ گڑھنے کی تاریخ

صحیحین میں جو روایات حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے بارے میں منقول ہیں ان کی تحقیق اور مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح عیاں اور ان واقعات کو تحریف کرنے اور حقائق کو بدلنے کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ "کچھ لوگوں نے زمانۂ رسالت سے ہی جھوٹی اور من گڑھت حدیثوں کو آنحضرتؐ کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیا تھا اور خود آپ کے زمانۂ حیات ہی میں بہت سے ایسے افراد پائے جاتے تھے جو محبت، بغض، حسد، کینہ اور عناد یا پھر دیگر وجوہات کی بنا پر آپ کی طرف جھوٹی اور غلط سلط خلاف واقع باتوں کو منسوب کرتے تھے، خلاصہ یہ کہ رسول اکرمؐ کی زندگی ہی میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو چکا

(۱) مترجم: جناب محترم مؤلف نے مذکورہ موضوع سے متعلق صحیحین سے روایات نقل کرنے سے قبل مقدمۂ اختصار کے طور پر تاریخ جعل حدیث پیش کی ہے تا کہ قارئین کرام کو بخوبی علم ہو جائے کہ صحیحین میں توہین آمیز جعلی روایات پائی جاتی ہیں۔۱۲

تھا، جس نے با قاعدہ آپ کے خلاف ایک بہت بڑی سازش کا آغاز کر دیا تھا۔

چنانچہ جب رسول اسلام کو اس بات کا علم ہوا تو آپ برسر منبر تشریف لائے اور جھوٹ گڑھنے والوں کو اس طرح آگاہ فرمایا:

"لا تکذبوا علیّ من کذب علیّ فلیلج النا ر"(۱)

"لوگو میرے اوپر جھوٹ مت باندھو جو مجھ سے جھوٹ بات منسوب کرے گا وہ جہنم میں جائے گا"

یہی وجہ ہے کہ جب سلیم بن قیس نے حضرت امیر المومنینؑ سے لوگوں کے درمیان ایسی رائج احادیث کے صحیح و معتبر ہونے کے بارے میں سوال کیا کہ آیا یہ حدیثیں واقعاً صحیح ہیں؟ امامؑ نے جواب میں ایک عظیم الشان خطبہ دیا اور اس میں ان حدیثوں کی اور ان کے نقل کرنے والوں کی اس طرح قسمیں بیان فرمائیں:

"ان فی ایدی الناس حقاً وباطلاً وصدقاً و کذباً وناسخاً ومنسوخاً ومحکماً ومتشابهاً وحفظاً ووهماً ولقد کذب علی رسول الله علی عهده.."(۲)

بیشک جو حدیثیں لوگوں کے درمیان رائج ہیں ان میں بعض حق ہیں اور بعض باطل، کچھ صادق ہیں اور کچھ کاذب، کچھ ناسخ ہیں اور کچھ منسوخ، کچھ محکم ہیں کچھ تشابہ، کچھ حقائق پر مبنی ہیں اور کچھ وہم، گمان وخیال پر، گویا ان میں صحیح وغیر صحیح دونوں طرح کی حدیثیں مخلوط ہیں اور یہ اس لئے ہوا کہ حدیث گڑھنے کا سلسلہ خود زمانہ رسالت سے شروع ہو چکا تھا چنانچہ با قاعدہ کچھ افراد حدیثیں گڑھ گڑھ کر رسول کی طرف منسوب کرتے تھے......!!

المختصر یہ کہ زمانۂ رسالت کے بعد روایت سازی کے علل واسباب کا بازار اور زیادہ گرم ہوا اور رفتہ رفتہ دور رسالت کی دوری اس بات کی موجب بنی کہ بے بنیاد اور برہنہ کذب کے اسباب وعلل بام عروج پر پہنچ گئے، چنانچہ آنحضرتؐ کی نبوت سے پہلے کی زندگی اور آپ کی داخلی، خانوادگی اور آپ کی مسلمانوں کے ساتھ معاشرتی زندگی اسی طرح آغاز وحی کی کیفیت خلاصہ یہ کہ آپ کی زندگی کے تمام جوانب اور جہات کو

---

(۱) تحف العقول صفحہ ۳۵ (شیعہ کتاب)۔

صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب العلم، حدیث نمبر ۱۰۶ سے لے کر ۱۱۰ تک۔ باب (۳۸) "اثم من کذب علی النبی" (جلد ۵، کتاب الادب، باب (۱۰۹) "من سمی باسماء الانبیاء" حدیث ۵۸۴۴۔ مترجم)

(۲) شرح نهج البلاغه ابن ابی الحدید جلد ۱۱، ص ۳۸، خطبه نمبر ۲۰۳۔ کتاب سلیم بن قیس، ص ۱۰۴۔

لوگوں کے ذاتی اغراض و مقاصد کے رنگ میں رنگ دیا گیا، ہر شخص اپنے شخصی و ذاتی مفاد و اغراض کی خاطر جب چاہتا حدیث گڑھ لیتا اور اپنے عقیدہ کے اثبات کیلئے اس کو رسول کی طرف منسوب کر دیتا، تا کہ اس پر کوئی اعتراض نہ کر سکے! اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ معاویہ کے دورِ حکومت میں اور ہی زیادہ بام عروج تک پہنچا اور یہ کام اس دور میں ایک خطرناک اور اساسی شکل اختیار کر گیا، کیونکہ معاویہ نے خود ہی بہت سے حدیث گڑھنے کے کارخانے تیار کر رکھے تھے، وہ ان جعلی حدیثوں کے ذریعہ مختلف اہداف و مقاصد رکھتا تھا منجملہ ان کے اپنے غیر اسلامی اور ناشائستہ افعال کی پردہ پوشی اور اپنے بیٹے یزید کی حکومت کا مسلمانوں پر مستحکم کرنا تھا، چنانچہ جو شخص اس کی خدمت میں حدیث گڑھ کر لاتا اسے وافر انعام و اکرام دے کر حدیث گڑھنے کی اور زیادہ تشویق کرتا تھا، اس طرح اس نے حدیث سازی کے ان کارخانوں سے خوب اچھی طرح فائدہ اٹھایا، وہ ان جھوٹی اور جعلی حدیثوں کے ذریعہ رسول کی شخصیت کو کمتر کر کے انہیں اپنی اور اپنے بیٹے کی سطح میں لانا چاہتا تھا، رسولؐ کے مقام کو لوگوں کے اذہان سے اتنا گرا دینا چاہتا تھا کہ مسلمان اس کے بعد یزید جیسے فاسق و فاجر شخص کو خلیفۃ المسلمین تسلیم کرنے میں شش و پنج میں مبتلا نہ ہوں، یعنی آنحضرتؐ کی شخصیت کو گرانے کا مقصد یزید کے لئے حکومت سازی کا راستہ ہموار کرنا تھا اور دوسری طرف اس کے ذریعہ اپنے مخالفین کو متہم اور ان کو نیچا دکھانا اور اپنی خاندانی حقارت و ذلت کے ساتھ ساتھ اپنے ظلم و تشدد پر پردہ ڈالنا بھی مقصود تھا۔

الغرض مذہب فروش راویوں نے معاویہ کے منشاء کے مطابق اس کی اور اس کے خاندان کی شان میں اس قدر حدیثیں گڑھیں کہ ان حدیثوں کی کثرت سے مسلمانوں کے درمیان یہ تصور پیدا ہو گیا کہ حضرت رسالتمآب اور اہل بیت عصمت و طہارت ان لوگوں کے سامنے حقیر ہیں۔(۱)

بہر کیف معاویہ کی طرح اس کے بعد جن حضرات کے ہاتھوں میں زمام حکومت آئی انہوں نے بھی اسی طریقہ کو اپنایا اور ان لوگوں نے نہ تنہا ان حدیثوں کو ضائع ہونے سے بچایا بلکہ ان کی زیادہ سے زیادہ حفاظت کے ساتھ ساتھ خوب نشر و شاعت بھی کی، کیونکہ ان کی حکومت اور سلطنت کا دار و مدار انہیں جعلی حدیثوں پر تھا،

---

(۱) مزید معلومات کے لئے بحث ''جعل حدیث اور دور معاویہ'' اسی کتاب کی جلد اول میں ملاحظہ فرمائیں۔ مترجم.

چنانچہ یہ جھوٹی اور فرسودہ روایات رفتہ رفتہ ایک دوسرے تک منتقل ہوتی رہیں، یہاں تک کہ ان کو حدیث کی کتابوں میں بھی منتقل کر دیا گیا! ان میں سرفہرست صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہیں، اس کے بعد یہ حدیثیں اِن کتابوں کے ذریعہ حدیث، تاریخ اور تفسیر کی دوسری کتابوں میں منتقل ہو گئیں، کبھی کبھی ایسی حدیثیں شیعہ کتب میں بھی دیکھی جاتی ہیں، کیونکہ بعض شیعہ مؤلفین نے بغیر کسی تحقیق و تنقید کے ایسی حدیثوں کو بعنوان نقل حدیث، تاریخ اور تفسیر کی کتابوں میں لکھ مارا ہے (البتہ ان تمام حدیثوں کو ہمارے علمائے محققین نے رد فرمایا ہے)

محترم قارئین! ان تفصیلات کے بعد آپ کو یقیناً یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ کتب احادیث میں کس قدر جعلی روایات موجود ہوں گی، چنانچہ کتب صحیحین میں بھی یقیناً ایسی بہت سی روایات موجود ہیں جو حقائق پر مبنی نہیں ہیں، ہم آپ کی معلومات کے لئے اور اپنے دعوی کی تصدیق میں سابقہ انبیاء کے بارے میں پانچ عدد حدیثیں نمونہ کے طور پر صحیح بخاری و مسلم سے نقل کرتے ہیں، اس کے بعد انشاء اللہ ان احادیث کی تحقیق کریں گے جو صحیحین میں آنحضرتؐ کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔

ا۔ حضرت ابراہیمؑ کا جھوٹ بولنا اور آپ کا مقام شفاعت سے محروم ہو جانا!!

ا۔ "......عن ابی هریرة ؛ ان النبیؐ قال لم یکذب ابرا هیم النبی(ع) قط الا ثلاث کذبات،اثنتین فی ذات الله قوله:﴿اِنّیْ سَقِیْمٌ﴾ وقوله:﴿بَلْ فَعَلَهُ کَبِیْرُهُمْ هٰذَا﴾وواحدة فی شان سارة فانه قدم ارض جبار، ومعه سارة ،وکانت احسن الناس، فقال لها: ان هٰذا الجبا ر ان یعلم انک امرأتی یغلبنی علیک، فان سئلک فاخبریه انک اختی،فانک اختی فی الاسلام، فانی لا اعلم فی الارض مسلماً غیرک وغیری،فلما دخل ارضه رأها بعض اهل الجبار،فأتاه فقال:لقد قدم ارضک امرأةلاینبغی لهاان تکون، الالک،فارسل الیها،فأُتِی بها،فقام ابراهیم الی الصلوٰة،فلمادخلت علیه لم یتمالک ان بسط یده الیها، فقبضت یده شدیدة فقال لها:ادعی الله ان یطلق یدی ولا اضرک...... "

ابوہریرہ نے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین مرتبہ جھوٹ بولا ہے، دو جھوٹ تو خدا کی ذات کے لئے بولے اور ایک اپنی زوجہ سارہ کے لئے، چنانچہ پہلا جھوٹ اس وقت بولا جب کفار نے آپ سے بازار چلنے کے لئے کہا اور آپ نے فرمایا: میں بیمار ہوں اور دوسرا جھوٹ اس وقت بولا جب آپ نے کفار کے بتوں کو توڑ ڈالا، جب آپ سے ان لوگوں نے دریافت کیا تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میں نے ان بتوں کو نہیں توڑا ہے بلکہ ان میں سے جو ان کا بڑا ہے اس نے توڑا ہے اور تیسرا جھوٹ اس وقت بولا جب آپ اپنی حسین و جمیل زوجہ سارہ کے ساتھ ایک ظالم بادشاہ کے ملک میں وارد ہوئے، تو جناب ابراہیمؑ نے سارہ سے کہا: یہ ظالم بادشاہ ہے اگر میں تم کو اپنی زوجہ کہوں گا تو یہ مجھ سے تم کو زبردستی لے لے گا، لہٰذا جب یہ پوچھے تو کہہ دینا کہ میں ان کی بہن ہوں اور درحقیقت ایمان و عقیدہ کے اعتبار سے تم میری بہن ہو اور اس وقت میرے اور تمھارے علاوہ روئے زمین میں کوئی مسلم نہیں ہے، بہرحال جب آپ اپنی زوجہ کے ساتھ وہاں سے گزرے

تو اس کے سپاہیوں نے جناب سارہ کو دیکھ لیا اور آپ کی خوبصورتی کی اپنے بادشاہ کے سامنے تعریف کی اور کہنے لگے: اے بادشاہ! تیرے ملک میں ایک ایسی خوبصورت عورت آئی ہے جو تیری ہمسری کے علاوہ اور کسی کے لائق نہیں، الغرض اس نے سارہ کو بلوایا اور آپ کے حسن و جمال کو دیکھ کر وہ برداشت نہ کر سکا اور فوراً دست ظلم بڑھا دیا، لیکن ادھر جناب ابراہیمؑ بارگاہ احدیت میں مشغول نماز و دعا تھے لہٰذا فوراً اس کا ہاتھ شل ہو گیا اور اس نے کہا: اے سارہ! اپنے پروردگار سے کہو کہ میرے ہاتھ درست ہو جائیں، پھر میں تجھے ضرر نہیں پہنچاؤں گا۔(۱)

حضرت ابراہیمؑ کا حق شفاعت سے محروم ہو جانا!!

پھر ابو ہریرہ سے صحیحین میں رسول اسلامؐ کی شفاعت کے بارے میں ایک مفصل حدیث مختلف مضمون کے ساتھ نقل کی گئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

فیقولون انت نبی اللّٰہ وخلیلہ من اهل الارض، اشفع لنا الی ربک، الا تری الی ما نحن فیه، فیقول لهم: ان ربی قد غضب الیوم غضباً لم یغضب قبله مثله، ولن یغضب بعده مثله، وانی قد کنت کذبت ثلاث کذبات نفسی نفسی نفسی.

خلاصۂ روایت: ابو ہریرہ سے صحیحین میں نقل کیا گیا ہے:

جب روز محشر ہو گا تو ہر انسان اپنے گناہوں کی خاطر پریشان ہو گا اور شفاعت کی خاطر نبیوں کے پاس جائے گا لیکن ہر نبی شفاعت کرنے سے اپنے گناہوں کی وجہ سے معذرت کرے گا اور اپنے بعد والے پیغمبر کے پاس بھیج دے گا، یہاں تک کہ لوگ رسول آخر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۷، کتاب الفضائل، باب" من فضائل ابراهیم الخلیل"حدیث ۲۳۷۱.

صحیح بخاری جلد۴، کتاب الانبیاء، باب(۱۱)"قول اللّٰہ :واتخذ اللّٰہ ابراهیم خلیلًا"حدیث ۳۱۷۹.

مترجم: صحیح بخاری جلد۲، کتاب البیوع، باب(۱۰۰)"شراء المملوک من الحربی ...". حدیث ۲۱۰۴.

جلد ۵، کتاب النکاح باب(۱۳)حدیث ۴۷۹۶.

کے پاس آئیں گے اور آپ ان کو مثبت جواب دیں گے اور اس روایت میں آیا ہے: جب یہی لوگ حضرت ابراہیم کے پاس آ کر درخواستِ شفاعت کریں گے تو آپ فرمائیں گے: مجھ سے تو حق شفاعت چھین لیا گیا ہے کیونکہ میں نے تین مرتبہ جھوٹ بولا تھا!!(۱)

امام بخاری کی جعلی روایتوں کا پوسٹ مارٹم

۱۔ ارباب عقل وفہم اگر تھوڑی سی دقت فرمائیں تو فیصلہ کرنا آسان ہوگا کہ صحیحین کی مذکورہ دونوں روایتیں جو حضرت ابراہیمؑ کے جھوٹ اور آپ سے حق شفاعت سلب کرنے سے مربوط ہیں صریحاً قرآن اور اہل بیت عصمت وطہارت سے مروی روایات کی مخالف ہیں (کیونکہ انبیاء دلیل عقلی اور نقلی کی بنا پر عصمت رکھتے ہیں اور جھوٹ عصمت کے منافی ہے)

۲۔ یہ روایات ذرہ برابر بھی اسرائیلیات سے جدا نہیں ہیں، بلکہ توریت کے متن کو قرآن مجید کی آیات کے ساتھ مخلوط کر کے مسلمانوں کے دامن میں ڈال دیا گیا ہے، کیونکہ اگر جناب ابراہیمؑ کے جملوں ﴿اِنِّی سَقِیْمٌ﴾ اور ﴿بَلْ فَعَلَهٗ کَبِیْرُهُمْ هٰذَا﴾ پر غور کیا جائے تو بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ یہ آپ کا جھوٹ نہ تھا، بلکہ عین توحید تھا کیونکہ آپ نے بت پرستوں کے عقیدہ کو باطل کرنے کے لئے کہا تھا کہ ان بتوں کو ان کے ہی بڑے بت نے توڑا ہے اور اگر یقین نہ ہو تو ان سے پوچھ لو، جب کفار نے سنا تو کہا: بت کلام نہیں کر سکتے جو ہم ان سے معلوم کریں کہ تم کو کس نے توڑا ہے؟ جب ابراہیمؑ نے ان سے اقرار کروالیا کہ یہ بول نہیں سکتے تب آپ نے فرمایا: جب یہ کلام کرنے کی اور اپنے سے دفاع کرنے کی بھی قوت نہیں رکھتے تو پھر خدا کیسے ہو گئے؟!

---

(۱) صحیح بخاری جلد۶، کتاب التفسیر، تفسیر سورۂ بنی اسرائیل باب(۲۰۳)"ذاہتمن حملنامع نوح"حدیث۴۴۳۵.
مترجم: صحیح بخاری :جلد۳، کتاب الانبیاء، باب(۱۲)"یزفوّن"۳۱۸۲. جلد ۵ ،کتاب الرقاق، باب"صفۃالجنۃ و النار"حدیث۶۱۹۷. جلد۶، کتاب التوحید، باب(۱۹، ۲۴)حدیث ۶۹۷۵. ۷۰۰۲.
صحیح مسلم جلد ۱ ،کتاب الایمان،باب(۸۴)"اد نی اہل الجنۃ منزلۃفیہا"حدیث ۱۹۴.

یہ تھا حضرت ابراہیمؑ کا استدلال، اسے کوئی انسان جھوٹ نہیں کہہ سکتا بلکہ یہ استدلال، پیش کرنے کی ایک بہترین روش ہے، جیسے جب آپ نے آفتاب کو طلوع ہوتے دیکھا تو فرمایا: یہ میرا خدا ہے لیکن جب غروب ہو گیا تو فرمایا جو غروب ہو جائے وہ خدا نہیں ہو سکتا، اسی طریقہ سے چاند وستاروں کے لئے کہا، کیونکہ جناب ابراہیمؑ کا مقصد یہ تھا کہ جو ان (غیر ثابت) صفات کو رکھتا ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا اگر اس طرح کی باتوں کو کذب کہا جائے تو جناب ابراہیمؑ کا یہ کہنا کہ آفتاب و ماہتاب خدا ہیں اور جب غروب ہو جائیں تو انکار کر دیں یہ بھی جھوٹ ہوگا حالانکہ جناب ابراہیمؑ کا یہ مکالمہ عین توحید تھا۔

۳۔ اگر تسلیم کرلیا جائے کہ جناب ابراہیمؑ نے تین مرتبہ جھوٹ بولا، تو یہ تین جھوٹ ان کو حق شفاعت سے محروم نہیں کر سکتے، کیونکہ جناب ابراہیم نے یہ جھوٹ مجبوری میں بولے اور آپ کا وظیفہ ہی اس وقت یہی تھا کہ اس طرح سے جھوٹ بولیں، بلکہ یہ جھوٹ آپ کا راہِ دین اور امرِ پروردگار کے احیاء کی خاطر تھا نہ کہ اپنی دلی خواہش کی بنا پر اور یہ آپ کا ایک امتحان تھا کہ آپ کو اس طرح جھوٹ بولنے پڑے اور ایسا جھوٹ مقام شفاعت کو سلب نہیں کرتا بلکہ اس سے مقام شفاعت اور بلند ہوتا ہے۔(۱)

۴۔ اگر جملۂ ﴿اِنِّیْ سَقِیْمٌ﴾ و ﴿بَلْ فَعَلَهُ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا﴾ کو جھوٹ تسلیم کرلیا جائے تو پھر آپ کے جھوٹ کی تعداد تین سے بھی بڑھ کر ۶/عدد ہونا چاہیئے کیونکہ آفتاب و ماہتاب وستاروں کو دیکھ کر بھی آپ نے ان کو خدا کہا تھا۔

(۱) عرض مترجم:۔ اگر مصلحت آمیز کذب سے کہیں دین خدا کی بقاء ہو تو اسے کذب نہیں کہتے، کیونکہ صدق وہ ہے جو مرضی پروردگار کے مطابق ہو اور جو مرضی پروردگار کے مطابق نہ ہو، وہ کذب و افتراء ہے، اب دیکھو اگر جو کام حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا وہ خدا کی مرضی کے خلاف اور اس سے دین کا نقصان تھا تو اسے کذب کہو اور اگر حکم خدا کے مطابق تھا تو وہ کذب نہ ہوگا بلکہ عین توحید و صدق ہے اور اگر بالفرض کذب تسلیم کرلیا جائے تو جس قدر ابراہیمؑ نے امر خدا کے زندہ کرنے میں سختیاں جھیلیں مصیبتیں اٹھائیں، آگ میں ڈالے گئے، حکم خدا پر اپنے عزیز بچے کے گلے پر چھری چلائی، وغیرہ وغیرہ تو کیا خدا آپ کے ساتھ اتنی بے انصافی کرے گا کہ تین مرتبہ جھوٹ بولنے کی وجہ سے حق شفاعت سلب کرلے گا حالانکہ یہ جھوٹ بھی خدا کے امر کے زندہ کرنے کی خاطر بولا تھا؟!۱۲

ابو ہریرہ کی چوری پکڑی گئی!!

٦۔ یہ دونوں حدیثیں توریت کی عبارت سے اخذ کی گئی ہیں، ملاحظہ ہو:

اور جب جناب ابراہیم علیہ السلام اپنی زوجہ سارہ کے ساتھ شہر مصر کے قریب پہنچے تو آپ نے جناب سارہ سے کہا: تو حسین وجمیل ہے، لہٰذا جب مصر کے رہنے والے تجھے دیکھیں گے، تو یہ سمجھیں گے کہ تو میری زوجہ ہے اس لئے مجھے قتل کردیں گے اور تم کو ہتھیا کر اپنی زوجہ بنالیں گے، لہٰذا بہتر ہے کہ تم مجھے اپنا بھائی بتلا دینا تاکہ میری جان محفوظ رہے، چنانچہ جب آپ مصر پہنچے اور وہاں کے لوگوں نے فرعون سے جناب سارہ کی خوبصورتی بیان کی، تو اس نے جناب سارہ کو جناب ابراہیم سے حاصل کرکے اپنے گھر میں رکھ لیا۔ (اور ابراہیم کو اس طرح فرعون کا قرب حاصل ہوگیا)۔(۱)

انحطاط روایت

محترم قارئین! کس قدر توہین آمیز داستان ہے!! بھلا ایک نبی اپنی زوجہ کو اپنی جان بچانے کی خاطر دوسروں کے حوالہ کردے! (**نعوذ باللہ من ذالک**) اور ایک جھوٹ بول کر بادشاہوں کا تقرب حاصل کرے اور اپنے کو بادشاہ کے آزار سے محفوظ کرے اور اپنی بیوی کو دوسروں کے تصرف میں رکھ دے؟! اگرچہ ابو ہریرہ کی حدیث میں اس طرح کی وضاحت نہیں ہے، لیکن جناب ابراہیمؑ کا اپنی زوجہ کو بہن بتلانے کا مقصد کیا ہوسکتا ہے؟! صرف تقرب بادشاہ؟! چنانچہ علاوہ ازین یہ حدیث بعینہ توریت کی روایت ہے بالکل بال برابر بھی فرق نہیں رکھتی، صرف اجمال وتفصیل کا فرق ہے، پس ہم ابو ہریرہ کی حدیث کا فیصلہ منصف مزاج قارئین کے اوپر چھوڑتے ہیں اور اپنی بحث کو فخر رازی کے اس حقیقت پسند جملوں پر ختم کرتے ہیں:

جناب فخر الدین رازی نے جب مذکورہ حدیث کی بیہودگی کو درک کیا تو کہتے ہیں:

بعض حشویہ کہتے ہیں: حضرت ابراہیمؑ نے تین مرتبہ جھوٹ بولا، میں نے ان میں سے ایک شخص

---

(۱) توریت سفر تکوین اصحاح ۱۲، بند ۱۱۔ ۱۶۔

سے کہا کہ بہتر ہے کہ ان حدیثوں کو قبول نہ کیا جائے۔

اس نے جواب میں کہا: اگر اس طرح کی حدیثیں قبول نہ کریں تو ناقلان وراویانِ حدیث کا جھوٹا ہونا ثابت ہوتا ہے؟!

میں نے جواب میں کہا: اس طرح کی احادیث قبول کرنے سے پیغمبران خدا کی تکذیب لازم آتی ہے، لہٰذا مقام نبوت کو حفظ کرنا نادان اور جھوٹ بولنے والے راویوں کی حفاظت سے زیادہ بہتر ہے۔(۱)

---

(۱) تفسیر کبیر سورۂ یوسف آیت ۲۴ کے ذیل میں.

۲۔ ایک شب میں حضرت سلیمانؑ کا اپنی ۹۹ر بیویوں سے جماع کرنا!

۱۔ "...... عن عبد الرحمان بن هُرْمُز؛ قال: سمعت ابا هريرة عن رسولَ الله "صلى الله عليه وآله وسلّم" قال: قال سليمان بن داؤد: لَاَطوفنّ الليلة على مائة امرأة او تسع و تسعين، كلهن ياتى بفارس يجاهد فى سبيل الله، فقال له الملك(صاحبه): قل ان شاء الله فلم يقل ان شاء الله فلم تحمل منهن الا امرأة واحدة جائت بِشِقِّ رجُل والّذى نفس محمد بيده لو قال ان شاء الله، لجاهدوا فى سبيل الله فرساناً اجمعون"(۱)

ابو ہریرہ نے حضرت رسول اکرمؐ سے نقل کیا ہے:

ایک شب حضرت سلیمانؑ نے کہا: قسم خدا کی آج رات میں اپنی سو یا ننانوے بیویوں کے ساتھ ہمبستری کروں گا تاکہ ہر ایک سے ایک لڑکا پیدا ہو، جو جنگجو اور بہادر ہو، تاکہ وہ سب راہ خدا میں جہاد کریں، جو فرشتہ آپ کے پاس بیٹھا تھا اس نے کہا: اے سلیمانؑ! کہو انشاء اللہ! لیکن حضرت سلیمانؑ نے انشاء اللہ نہ کہا، لہٰذا کسی بھی بیوی سے بچے پیدا نہ ہوئے سوائے ایک کے، وہ بھی جو بچہ اس سے پیدا ہوا وہ گوشت کا ایک لوتھڑا تھا! رسول خداؐ نے اس داستان کو نقل کرنے کے بعد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے، اگر سلیمانؑ اس دن انشاء اللہ کہہ دیتے تو یقیناً ہر ایک بیوی سے مجاہد و جنگجو فرزند پیدا ہوتے!!(۲)

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۴، کتاب الجهاد، باب(۲۳)" من طلب الولد للجهاد "حديث ۲۶۶۴. جلد ۷، کتاب النکاح باب(۱۱۸)"قول الرجل لاطوفنّ الليلة" حديث ۴۹۴۴. جلد ۸، کتاب الأيمان والنذور، باب(۳) كيف كانت يمين النبى حديث ۶۲۶۳. كتاب كفّارات الأيمان، باب (۹) حديث ۱۴۳۱، جلد ۹ کتاب التوحيد، باب "۳۱" حديث ۷۰۳۱. مترجم: (صحیح بخاری، جلد ۴، کتاب الانبیآء، باب(۴۱) حدیث ۳۲۴۲.) صحیح مسلم جلد ۵، کتاب الأيمان، باب(۵) "الاستثناء" حديث ۱۶۵۴.

مسلم نے تقریباً چھ طریق کے ساتھ اس حدیث کو بیان کیا ہے.

(۲) محترم ناظرین! مذکورہ حدیث کو صحیحین میں ایک صحیح حدیث کے عنوان سے نقل کیا گیا ہے اور امام بخاری کو تو اس حدیث کا مضمون اس قدر پیارا و دل نشین لگا کہ ایک جگہ نقل کرنے پر اکتفا نہ کی، بلکہ پانچ جگہ پر نقل کیا ہے، جیسا کہ آپ حوالے ملاحظہ فرمائیں گے، سچ کہا گیا ہے کہ جہاں نشیب ہوتا ہے پانی وہیں مرتا ہے. مترجم.

مذکورہ روایات پر چند اعتراض

اس حدیث کے جعلی ہونے پر کئی عنوان سے بحث کی جاسکتی ہے

۱۔سب سے پہلی بات تو یہی ہے کہ متن حدیث میں اختلاف پایا جاتا ہے، کیونکہ بعض حدیثوں میں ۹۹رعورتوں کا ذکر ہے اور بعض میں ۱۰۰راور بعض میں ۷۰راور بعض میں ۶۰، خلاصہ یہ کہ ہر حدیث میں جداگانہ تعداد بتلائی گئی ہے اور یہ سب روایات صحیحین میں موجود ہیں، لہٰذا متن حدیث میں اختلاف ہونا دلالت کرتا ہے کہ یہ حدیث جعلی ہے، کیونکہ راوی نے ہر حدیث میں جناب سلیمانؑ کی بیویوں کی تعداد کے بارے میں زمانہ کے لحاظ سے اپنے نظریہ کو بیان کیا ہے، چنانچہ صحیحین کے بعض شارحین نے بھی اس اختلاف کی طرف اپنی توجہ مبذول کی ہے، (لیکن اس کے باوجود انھوں نے اس اختلاف کو حتی الامکان دور کرنے کی کوشش کی ہے)۔(۱)

۲۔انسان کتنا ہی قوی کیوں نہ ہو لیکن پھر بھی وہ ایک رات میں سو بیویوں کے ساتھ ہمبستری کرے ایک ناممکن امر ہے، البتہ ایک صورت میں ممکن ہے کہ معجزہ کے طور پر یہ عمل انجام پائے لیکن اس جگہ معجزہ دکھانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی (کیونکہ معجزہ ایسے امور کے لئے نہیں دکھایا جاتا!!)

۳۔اگر تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت سلیمانؑ کی ۱۰۰، یا نناوے بیویاں تھیں تو وہ ایک رات میں ۱۰۰ر بیویوں سے کیسے ہمبستر ہو سکتے ہیں؟! ایک رات کی وسعت اس قدر نہیں ہوتی کہ سو بیویوں کے ساتھ انسان ہمبستر ہو پائے!

۴۔ حضرت سلیمان علیہ السلام منصب نبوت پر فائز تھے لہٰذا آپ کے لئے یہ زیب نہیں دیتا کہ کلمۂ انشاءاللہ ترک کردیں، اگر مان لیا جائے کہ آپ پر بھی فراموشی اور نسیان عارض ہوسکتا ہے، لیکن ایک نبی جو خلق کا ہادی اور راہنما ہو وہ بھی ملائکہ کی پہلے سے یاددہانی کرانے کے باوجود انشاءاللہ بھول جائے ممکن نہیں؟! یہ کام ایسے افراد کیلئے تو سوچا جاسکتا ہے کہ جو اپنے کو تمام امور میں مستقل سمجھتے ہیں اور خداوند متعال کو بھولے ہوئے ہیں۔(۲)

(۱-۲) شرح مسلم نووی جلد ۱۱ ،کتاب الایمان، باب الاستثناء ، ص ۱۲۰ .

۳۔ حضرت موسیٰ کا طمانچہ اور ملک الموت کی آنکھ!!

ا ۔"......عن ابی هُرَیرة؛ قال اُرسِل ملک الموت الی موسّیٰ ،فلمّا جاء ہ صکّہ، فرجع الی ربہ ،فقال: ارسلتنی الی عبد لایرید الموت،فرد اللّٰہ عینہ، وقال:ارجع،فقل له: یضع یدہ علی متن ثور، فله بکل ما غطّت یدُہ بکل شعرة سنَةٌ،قال:اَیْ رَبِّ ثم ماذا؟قال:ثم الموت،قال: فَآلان(فسأل اللّٰہ ان ید نیه من الارض المقدسة رمیة بحجر)قال: قال رسولُ اللّٰہ:"فَلو کنت ثَمّ لاَرَیتکم قبرہ الی جانب الطریق عند الکثیب الاحمر."(۱)

ابو ہریرہ نے حضرت رسول خداؐ سے نقل کیا ہے:

جب ملک الموت کو خدا نے حضرت موسیٰؑ کی روح قبض کرنے کے لئے بھیجا،تو موسی ملک الموت کو دیکھ کر جنگ کے لئے آمادہ ہوگئے اور آپ نے اسے ایک طمانچہ مارا، جس کی بنا پر ملک الموت روتے پیٹتے خدا کی بارگاہ میں واپس پہنچے اور کہنے لگے: خدایا! تونے ایسے بندہ کے پاس بھیجا جو مرنے کے لئے تیار نہیں ہے، (اور دیکھ یہ تیرے بندہ نے موت کا نام سن کر مجھے یہ سزا دی ہے؟) خدا نے ملک الموت کو دوبارہ آنکھ دی اور کہا: دوبارہ موسیٰؑ کے پاس جاؤ اور کہو: وہ اپنا ہاتھ ایک بیل کی پشت پر رکھے،جس تعداد میں ان کے ہاتھ کے نیچے بال ہوں گے،اس کے ہر بال کے بدلے ایک سال کی عمر میں بڑھادوں گا، چنانچہ پھر ملک الموت حضرت موسی کے پاس تشریف لائے اور سارا قضیہ کہہ سنایا،اس پر حضرت موسیٰؑ نے خدا سے کہا: اے خدا! اس عمر کے اختتام کے بعد پھر کیا ہوگا ؟ کہا: موت سے ہمکنار ہونا پڑے گا،موسی نے کہا: جب آخر موت ہے تو آج ہی میری روح قبض کرلے اور اے ملک الموت! خدا سے کہو کہ مجھے زمین بیت المقدس کے قریب کردے

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲، کتاب الجنائز، باب(۶۷)"من احب الدفن فی الارض المقدسة"حدیث ۱۲۷۴. جلد ۴، کتاب بدء الخلق، باب(۳۲)"وفات موسی" حدیث ۳۲۲۶. صحیح مسلم جلد ۷، کتاب الفضایل، باب"فضائل موسی" حدیث نمبر ۲۳۷۲. اس حدیث کو مسلم نے دوسرے طریق سے بھی نقل کیا ہے۔

میری تا کہ روح وہیں قبض ہو؟ اس وقت رسولؐ نے اصحاب سے کہا: اگر میں اس وقت بیت المقدس میں ہوتا تو تم کو جناب موسیٰؑ کی قبر کا نشان بتا تا کہ کثیب احمر(۱) کے پاس راستہ کے قریب واقع ہے۔

مؤلف

یہ روایت صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں موجود ہے البتہ صحیح مسلم میں اس فرق کے ساتھ آیا ہے: "**فلما جاء صکه، ففقأ عینه**" جب ملک الموت موسیٰؑ کے پاس آئے تو اسے موسیٰ نے ایسا طمانچہ مارا کہ اس کی آنکھ پھوٹ گئی اور اس روایت کو ثعلبی اپنی کتاب "**المضاف و المنسوب**" میں لطمہ موسیٰ (موسیٰؑ کا طمانچہ) کے عنوان سے تحریر کرنے کے بعد کہتے ہیں:

یہ روایت گڑھی ہوئی اور پرانے زمانہ کے قصے کہانیوں میں سے ہے، جو لوگوں کے درمیان فرضی طور پر دل بہلانے کی خاطر کچھ افراد گڑھ لیا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ عوام میں مشہور ہے کہ ملک الموت اندھا ہے حتی کہ اسی فرضی افسانے کو سن سنا کر بعض افراد نے اپنے اشعار میں نظم کر دیا!!

یا ملک الموت لقیت مکرھاً ☆ لطمة موسی ترکتک اعوراً

اے ملک الموت تم موسیٰؑ کے پاس آئے (تو تمہارا خیر مقدم یہ کیا گیا کہ) تم کو موسیٰؑ کے ایک طمانچہ نے کانا کر دیا!!

علامہ ثعلبی آخر کلام میں لکھتے ہیں:

میں ایسی فرسودہ داستانوں کی صحت وسقم سے بری ہوں!(۲)

جس طرح علامہ ثعلبی اس داستان سے اپنے آپ کو بری کر رہے ہیں اسی طرح ہم بھی ان مفروضہ

---

(۱) الکثیب الاحمر زمانۂ رسالت میں کوئی جگہ تھی جس کے قریب حضرت موسیٰؑ کی قبر تھی، لیکن فی الحال اس نام کی کوئی جگہ نہیں ہے، دیکھئے: ترجمہ وشرح صحیح بخاری اردو، مولانا ظہور الباری اعظمی دیوبندی، ص ۶۱۶۔ مترجم۔

(۲) نقل کردہ از کتاب ابو ہریرہ مؤلف سید شرف الدین۔

کہانیوں سے بری ہیں، اسے گنوار عورتوں کی کہانی کے علاوہ اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ جو اپنے بچوں کے دل بہلانے کے لئے بیان کرتی ہیں اور یہ ان کہانی سنانے والوں کے بے سر و پیر قصہ کی مانند ہے کہ جو جاہل اور سیدھے سادے عوام کے سامنے بیان کر کے ان کو بہکاتے ہیں، اس لئے کہ مضمونِ روایت مقام الوہیت، ملائکہ اور نبی کی شان کے خلاف ہے، بہر حال اگر ہم اس روایت کو قبول کر لیں تو مندرجہ ذیل اشکالات سے دوچار ہونا پڑے گا۔

روایت پر چند اعتراض

ا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جس شخص کو خدا نبوت و رسالت سے نوازے اور کلیم اللہ جیسا لقب عنایت کرے اور وہ کلیم اللہ ایسے کہ غرور و تکبر کی حد توڑ دیں؟! اور بغیر کسی سبب کے فرستادۂ خدا کی آنکھ پھوڑ دیں؟! آخر ملک الموت بے چارہ کا کیا قصور تھا، جس کی بنا پر حضرت موسیٰ نے ان کو یہ سزا دی؟! ملک الموت کو تو خدا نے بھیجا تھا؟ کیا معاذ اللہ موسیٰ ان لوگوں میں سے تھے جن کے لئے یہ کہاوت مشہور ہے کہ دھوبی کا کچھ نہ کر سکے تو گدھے کا کان اینٹھیں؟

۲۔ اگر جناب موسیٰ نے بالفرض ملک الموت کو طمانچہ مارا تھا تو اس کے عوض میں خدا کو موسیٰ پر عقاب و عتاب کرنا چاہئے تھا، تاکہ موسیٰ آئندہ ایسا کام نہ کرتے؟ لیکن بر خلاف اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ موسیٰ کو اور ہزاروں سال طول حیات کی خوشخبری دی جا رہی ہے؟! ملک الموت بیچارہ ایک آنکھ دے بیٹھا اور خدا کو (معاذ اللہ) حضرت موسیٰ کو وافر انعام دینے کی سوجھی ہے! میرے خیال سے اگر موسیٰ دو چار طمانچہ اور رسید کر دیتے تو ان کو قیامت تک کی زندگی تو مل ہی جاتی! جب ایک ظالمانہ طمانچہ کا اتنا انعام تھا!!

۳۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک نبی جسے خدا نے امین وحی، اولوالعزم پیغمبروں میں سے قرار دیا ہو، جسے اپنی مناجات کے لئے انتخاب کیا ہو، جس کی قرآن میں یوں تعریف کی گئی ہو:

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا﴾(۱)

اور اے رسول! وہ وقت یاد کرو جب ہم نے (اور) پیغمبروں سے اور خاص تم سے اور ابراہیم وموسیٰ اور مریم کے بیٹے عیسی سے عہد وپیمان لیا اور ان لوگوں سے ہم نے سخت عہد لیا تھا﴾

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا☆وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا﴾(۱)

اے رسول! قرآن میں (کچھ) موسی کا (بھی) تذکرہ کرو، اس میں شک نہیں کہ وہ میرا (بندہ) اور صاحب کتاب وشریعت نبی تھا اور ہم نے ان کو کوہ طور کی داہنی طرف سے آواز دی اور ہم نے ان کو راز ونیاز کی باتیں کرنے کے لئے قریب بلایا﴾

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا﴾(۲)

اے ایمان والو! (خبردار کہیں) تم لوگ بھی ان کے جیسے نہ ہو جانا جنھوں نے موسی کو تکلیف دی تو خدا نے ان کی تہمتوں سے موسی کو بری کر دیا اور موسی خدا کے نزدیک (ایک) رودار پیغمبر تھے﴾

وہ لقاء اللہ (موت) سے فرار کرے اور ایک طمانچہ کے ذریعہ قرب پروردگار اور مقام اعلی علیین کے حاصل کرنے پر خط بطلان کھینچ دے؟!!

۴۔ کیا انبیاء اور اولوالعزم رسولوں کے لئے یہ جائز تھا کہ اگر خدا کی طرف سے ان پر فرشتہ نازل ہو تو اس کی توہین کریں؟! حالانکہ خدا کی جانب سے ان پر فرض کیا گیا تھا کہ فرشتوں سے اوامر ونواہی اخذ کریں؟! آج ہم مشرکین، کفار، متکبر اور متجبر افراد مانند فرعون، نمرود، ابوجہل سے اس لئے برأت اور نفرت کرتے ہیں کہ جب خدا کا امر اور اس کے فرستادہ انبیاء ان کے پاس آئے تو انھوں نے انکار کر دیا اور خدا کے حکم کے سامنے سرکشی اور نافرمانی کی، لہٰذا اگر ہم مذکورہ حدیث کو صحیح مان لیں تو پھر جناب موسیٰؑ کو بھی انھیں متکبر اور ظالم افراد میں شمار کرنا پڑے گا کیونکہ جو کام فرعون جیسوں نے خدا کے بھیجے ہوئے نبیؑ کے خلاف کیا

(۱) سورہ احزاب، آیت ۷، پ ۲۱.
(۲) سورۂ مریم، آیت ۵۱، ۵۲ پ ۱۶.
(۳) سورۂ احزاب، آیت ۶۹، پ ۲۲.

وہی کام حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی فرستادۂ خدا کے ساتھ انجام دیا؟!

۵۔ جب یہ بات مسلم الثبوت ہے کہ فرشتے (نوری ہوتے ہیں اور وہ) ہماری طرح جسم نہیں رکھتے تو حضرت موسیٰ نے طمانچہ مار کر کیسے ان کی آنکھ پھوڑ دی؟ ابو ہریرہ نے جب یہ دیکھا کہ یہ اشکال وارد ہو جائے گا تو فوراً ایک دوسری حدیث گڑھ ماری وہ یہ کہ حضرت موسیٰ کے زمانہ تک ملک الموت انسان کی صورت میں روح قبض کرنے آتے تھے، لیکن جب موسیٰ نے طمانچہ مارا تب سے مخفی طور پر روح قبض کرنے آتے ہیں!!!

"ان ملک الموت کان یأتی الناس عیاناً حتی اتی موسی فلطمه ففقأ عینه ......ان ملک الموت انما جاء الی الناس خفیاً بعد موت موسی "(۱)

اس طرح کے بہانے بنا کر اشکالات سے دامن نہیں بچایا جا سکتا ہے، تعجب تو یہ ہے کہ مسلم نے اس داستان کو صحیح مسلم باب فضائل موسیٰ میں ذکر کیا ہے، نہ جانے مسلم کو اس میں موسیٰ کی کیا فضیلت نظر آئی ہے؟! کیا مسلم کو یہ بات پسند آ گئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مقرب فرشتے کو اپنے پروردگار عالم کی اطاعت کی وجہ سے طمانچہ مار کر اندھا بنا دیا؟!!

---

(۱) مسند احمد بن حنبل ج ۲ ،مسند ابی ھریرۃ ، ص ۵۳۳. مستدرک الصحیحین ج ۲، کتاب تواریخ المتقدمین من لانبیاء والمرسلین ......((بیان کان ملک الموت یاتی الناس ......))ص ۵۷۸.

تاریخ طبری ج ۱ ،ذکر وفات موسیٰ،ص ۳۰۵ .

۴۔ حضرت موسیٰؑ کا برہنہ حالت میں پتھر کے پیچھے دوڑنا!!

۱۔"......عن ابی ھریرۃ، قال:قال رسول اللّٰہ (ص): ان موسیٰ کان رجلاً حَیِیّاً سَتِیراً لایُری من جلدہ شَیٌ استحیاءً منہ ،فَآذاہ مَن آذاہ من بنی اسرائیل،فقالوا:مایستتر ھذاالتستُّرَاِلّامن عیب بجلدہ؛اِمّابرص،واِمّا اُدرَۃٌواِمّاآفۃ،وان اللّٰہ اراد ان یُبرِئَہ مما قالوالِموسی،فخلا یوماًوحدہ ،فوضع ثیابہ علی الحجر،ثم اغتسل فلما فرغ اَقبل الی ثیابہ لیأخذھا، وان الحجرعدا بثوبہ، فاخذ موسی عصاہ، وطلب الحجر، فجعل یقول:ثوبی حجرا ثوبی حجراحتی انتھی الی ملاءٍ من بنی اسرائیل، فرأوہ عریاناً احسن مما خلق اللّٰہ،وابرَأہ ممّا یقولون،وقام الحجرُوفاخذ بثوبہ،فلبسہ،وطفق بالحجرضرباًبعصاہ ،فواللّٰہ ان بالحجرلندباًمن اثرضربہ ثلاثاًاواربعاً اوخمساً،فذالک قولہ تعالی:﴿ یا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْالاتَکُوْنُوْا کَاَلَّذِیْنَ آذَوْا مُوسٰیٰ فَبَرَّاَہُ اللّٰہُ مِمَّا قَالُوْا وَکَانَ عِنْدَ اللّٰہِ وَجِیْھاً﴾(۱)

ابو ہریرہ نے رسولؐ خدا سے نقل کیا ہے:

آنحضرتؐ نے فرمایا: حضرت موسیٰ بہت باحیا شخص تھے، اس قدر باحیا تھے کہ کبھی بھی ان کے بدن کا ایک نقطہ بھر حصہ کوئی نہ دیکھ سکتا تھا، چنانچہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں کو شک ہوا کہ اس قدر حضرت موسیٰؑ اپنے کو کیوں ملبوس رکھتے ہیں؟ لہٰذا حضرت موسیٰؑ کو اذیت دینے پر تل گئے اور کہنے لگے: حتمی طور پر موسی کے بدن میں کچھ عیب ہے یا تو برص ہے یا مرض فتق، لہٰذا خدا نے چاہا کہ موسیٰؑ کو اس تہمت سے بری کرے تو موسی ایک روز تنہا نہانے کی غرض سے ایک دریا پر پہنچے اور اپنے لباس کو اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیا اور مشغولِ غسل ہو گئے، جب غسل سے فارغ ہوئے تو چاہا کہ اپنے لباس کو پہنیں، لیکن کیا دیکھا کہ پتھر جناب موسیٰ کے لباس کو لے کر نو دو گیارہ ہو چکا ہے، اب کیا تھا حضرت موسی اپنا عصا (ڈنڈا) لے کر اس پتھر کے پیچھے پیچھے بھاگنے لگے، ادھر آپ کی بھاگتے

(۱) سورۂ احزاب، آیت ۶۹، پ ۲۲.

بھاگتے حالت خراب ہوئی جارہی ہے اور ادھر وہ پتھر ہے کہ بھاگے جارہا ہے، موسیٰ چیخ رہے ہیں اے پتھر! میرا لباس کہاں لئے جارہا ہے؟! میرا لباس دیتا جا؟! لیکن پتھر (کمبخت) سن ہی نہیں رہا ہے، بالآخر وہ پتھر بنی اسرائیل کے ایک جھرمٹ (جم غفیر) میں جا پہنچا، ادھر سے موسیٰ بھی اس کے پیچھے پہنچ گئے، اس طرح وہاں پر موجود تمام بنی اسرائیل نے آپ کی عریانی حالت میں زیارت کی اور سمجھا کہ موسیٰ بے عیب اور بے نقص ہیں (اور کسی بات کی کمی نہیں ہے) خدا نے موسیٰ کو اس طرح اس الزام سے بری کیا، بہر حال جب وہ پتھر رک گیا تو موسیٰ نے اپنا لباس زیب تن کیا، لیکن غصہ کی وجہ سے چہرہ لال پیلا ہور ہا تھا اور اپنے عصا کو اس پتھر پر اس قدر زور زور سے مارنے لگے کہ قسم بخدا اس پتھر پر عصا مارنے سے کئی نشان بن گئے، چنانچہ اسی واقعہ کی طرف خدا نے اس آیۂ کریمہ میں اشارہ کیا ہے: **﴿اے ایمان والو! (خبردار) کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ کو اذیت دی اور خدا نے موسیٰ کو بری کیا اور موسیٰ خدا کے نزدیک (ایک) روادار پیغمبر تھے﴾**

یہ حدیث بھی صحیحین میں موجود ہے!(۱)

من گڑھت روایتوں کا تجزیہ

قبل اس کے کہ اس روایت کی تحقیق کی جائے صحیحین کی شرح لکھنے والوں کا نظریہ بھی اس روایت کے بارے میں ملاحظہ فرمالیں چنانچہ علامہ بدر الدین عینی اپنی شرح بخاری میں کہتے ہیں کہ اس روایت سے دو باتوں کا استفادہ ہوتا ہے:

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۱، کتاب الغسل، باب (۲۰) "من اغتسل عریاناً وحدة فی الخلوة" حدیث ۲۷۴.
جلد ۳، کتاب الا نبیاء، باب (۲۹) "حدیث الخضر مع موسی" حدیث ۲۳۳۲.
مترجم: (صحیح بخاری جلد ۴، کتاب التفسیر، باب (۲۸۳) "وقوله تعالی کا الذین آذوا موسی" ......حدیث ۴۵۲۱.)
صحیح مسلم جلد ۱، کتاب الحیض، باب (۸) "جواز الاغتسال عریاناً فی الخلوة" حدیث ۳۳۹. جلد ۷، کتاب الفضایل، باب (۴۲) فضائل موسی۔ اس باب میں مسلم نے دو طریق سے مذکورہ حدیث نقل کی ہے۔

۱۔ضرورت کے وقت انسان خود عریان بھی ہوسکتا ہے اور دوسرے کی شرمگاہ بھی دیکھ سکتا ہے۔

۲۔اس روایت سے حضرت موسیٰ کا ایک بہت بڑا معجزہ ثابت ہوتا ہے خصوصاً آپ کا اس پتھر کو مارنا اور اس پر عصا کے نشان بن جانا، جب کہ آپ جانتے تھے کہ یہ کام پتھر نے حکم پروردگار سے کیا ہے۔(۱)

نووی نے اپنی شرح صحیح مسلم میں تحریر کیا ہے:

اس حدیث سے حضرت موسیٰ کے دو معجزے ثابت ہوتے ہیں:

۱۔پتھر کا لباس لے کر بھاگنا۔

۲۔آثارِ ضرب کا پتھر پر نمایاں ہونا۔ (۲)

عرضِ مؤلف

محترم قارئین! اس حدیث کو صحیح حدیث کے عنوان سے صحیحین میں درج کیا گیا ہے، لیکن عقل سلیم رکھنے والے انسان کے ذہن میں اس کے بارے میں مندرجہ ذیل سوال پیدا ہوتے ہیں۔

۱۔آیا خدا کا حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو تمام لوگوں کے درمیان عریاں کر دینا حتیٰ کہ شرمگاہ بھی عیاں ہو جائے صحیح ہے؟! کیا یہ مضحکہ خیز ڈرامہ ایک رسول کی شخصیت کی توہین نہیں؟! وہ بھی ایک بے جان پتھر جو کہ نہ قوت درک رکھتا ہے اور نہ قوت سامعہ، اس کے پیچھے (ننگے باباؤں کی طرح) لوگوں کے سامنے دوڑے جانا اور بلند آواز سے یہ کہنا: ثوبی حجر، ثوبی حجر؟!!! اے پتھر میرے کپڑے، اے پتھر میرے کپڑے!

---

(۱) عمدۃ القاری جلد ۱۵، کتاب الغسل، باب(۲۰)" من اغتسل عریاناً وحدۃ فی الخلوۃ "حدیث ۲۷۴۔ جلد ۳، کتاب الانبیاء، باب(۲۹) "حدیث الخضر مع موسی" حدیث ۲۲۳۲۔

مترجم: (صحیح بخاری جلد ۴، کتاب التفسیر، باب(۲۸۳) "وقولہ تعالی کا الذین آذوا موسی" ... حدیث ۴۵۲۱.) صفحہ ۳۰۲۔

(۲) شرح نووی جلد ۱۵، کتاب الحیض، باب(۸)" جواز الاغتسال عریاناً فی الخلوۃ" حدیث ۳۳۹. جلد ۷، کتاب الفضایل، باب(۴۲) فضائل موسیٰ. صفحہ ۱۲۷۔

۲۔ اگر مان لیا جائے کہ حضرت موسیٰ کا لباس پتھر لے کر بھاگ گیا، تو کیا یہ لباس لے کر بھاگنا امر خدا کی بنا پر نہ تھا؟! اور جب حکم خدا کی بنا پر تھا تو موسیٰ کو غصہ وغضب دکھانے کی کیا ضرورت تھی؟! اور پھر پتھر پر عقاب وعتاب کرنا چہ معنی دارد؟! پتھر پر اس کا کیا اثر؟!

۳۔ اگر پتھر لباس لے کر چلا گیا تھا تو جناب موسیٰ کو مجمع کے درمیان عریاں حالت میں آنے کی کیا ضرورت تھی؟! کیا شرع وعقل اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ حضرت موسیٰ بجائے کسی گوشہ وکنارے میں چھپنے کے ننگے ننگے (معاذ اللہ) پبلک میں اپنی زیارت کروانے تشریف لے آئیں؟!

۴۔ بقول نووی وعینی اگر مان لیا جائے کہ موسیٰ کا معجزہ تھا تو کیا معجزہ اثباتِ نبوت یا تحدی اور تعجیز کے مقام پر دکھایا جاتا ہے یا یونہی جب دل چاہے دکھادو؟! مذکورہ جگہ ایسی نہیں تھی کہ موسیٰ معجزہ پیش کرتے!

۵۔ اگر یہ کہا جائے کہ چونکہ اس سے موسیٰ کا عیب سے بری کرنا مقصود تھا اس لئے یہ سب کھیل کھیلا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی عیب سے بری کرنے کا مقصد یہ نہیں کہ ایک نبی کی منظر عام پر توہین کردی جائے اور آیات ومعجزات کے ظہور کا سبب قرار پائے؟! کیونکہ اگر حضرت موسیٰ کسی مرض میں مبتلا تھے تو کیا عیب تھا؟! کیا حضرت شعیبؑ نابینا نہ تھے؟ کیا انبیاء مریض ہو کر وفات نہیں پائے؟ کیا انبیاءؑ کے مخفی عیب سے لوگ واقف نہیں ہوئے؟! اور اگر حضرت موسیٰ کا مرض مخفی تھا کہ جس سے اکثر لوگ واقف نہ تھے تو کیا خدا پر بھی لازم نہ تھا کہ وہ بھی ان ہی کے سامنے ان کو برہنہ کرتا جن لوگوں کو شک تھا؟!

۶۔ جب تفاسیر میں آیت کی شان نزول دوسری ہے اور اس آیت سے اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے جب ہارون کو لوگوں نے قتل کرنے کا پروگرام بنایا، یا بعض مفسرین نے قارون اور اس کی زن فاحشہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور بعض نے سحر وجنون کی طرف اشارہ کیا ہے،(۱) پس جب مختلف واقعہ کی طرف آیت کا اشارہ پایا جاتا ہے تو کیا ضرورت ہے کہ صرف ابو ہریرہ کی جھوٹی روایت پر اعتماد کرتے ہوئے ایسی تفسیر کریں جو مقامِ نبوت کے لئے توہین آمیز ہو؟!

---

(۱) دیکھئے کتب تفاسیر۔

چیونٹی کوآزارمت دو(جواپناشکم پرکرنے کی خاطر)دانہ کھینچ کرلارہی ہے کیونکہ وہ جان رکھتی ہے اورہرایک کواپنی جان پیاری ہوتی ہے۔

ابوہریرہ کی جعلی روایتوں کاآپریشن

قارئین کرام!اگرچہ مذکورہ پانچ عددروایات جوپیغمبران خداکے بارے میں صحیحین سے ہم نے آپ کی خدمت میں نقل کیں اوران تمام روایتوں کے ذیل میں ہم نے ان کے نقاطِ ضعف اوران کے فرسودہ ہونے کی علت بیان کردی ہے،لیکن ان پانچوں روایتوں میں جوبات مشترک طورپرقابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ''یہ ساری روایتیں اورانبیائے کرام کی شان میں مذکورہ تمام غلط،سلط فرسودہ نسبتیں جن سے توہین نبوت ورسالت کے علاوہ دوسری کوئی شیٔ ظاہرنہیں ہوتی شیخ المضیر ہ،تاجرحدیث،حضرت ابوہریرہ صاحب سے ہی مروی ہیں!اورکوئی دوسراان حدیثوں کاناقل نظرنہیں آتا،آخراس کی کیاوجہ ہے؟!(۱) چنانچہ جب ہم اس بات پرغورکرتے ہیں توہم کومصرکے بہت بڑے سنی محقق مرحوم ابوریہ کی بات یادآجاتی ہے جوتحریرفرماتے ہیں:

جب ابوہریرہ کوبحرین کی گورنری سے معزول کردیاگیااورموصوف مدینہ واپس چلے آئے،تو یہودیوں کے بہت بڑے دانشورکعب الاحبارنے اسے اپنی گرفت میں لیناشروع کردیااورابوہریرہ نے اس سے کسب علم کرناشروع کردیا،چنانچہ کعب الاحباراپنی خرافات اوراسرائیلیات ابوہریرہ کو تعلیم دیاکرتااورکبھی کبھی جاہل مسلمان بھی اپنے مجہولات میں اس کعب الاحبارکی طرف رجوع کرتے تھے اوراس وقت سے کچھ مسلمان زیادہ ہی رجوع کرنے لگے جب اس کعب الاحبارنے قیس بن خرشہ کویہ جھوٹی خبربتائی کہ''روئے زمین پرایک بالشت کے برابربھی ایسی زمین نہیں

---

(۱) ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتاکہ ابوہریرہ نے اس قدرحدیثیں کیسے نقل کیں؟!بھلابتایئے ایک معمولی شخص جس نے مدرسۂ علمیہ کامنھ تک نہ دیکھاہواورنہ ہی رسولؐ کی صحبت میں زیادہ عرصہ گزاراہو،وہ اس قدرحدیثیں کیسے نقل کرسکتاہے؟!اس کثرت سے احادیث نقل کرنے کے لئے توتخصص حدیث''پی-ایچ-ڈی''درکارہے؟!اورپھرحدیثیں بھی ایسی ایسی جن کانہ سرہواور نہ پیر،اگرکہاجائے کہ رسولؐ نے ان کوعلم دےدیاتھا،تورسولؐ نے تواوربھی حضرات کوعلم دیاتھا،مثلاًخلفائے راشدین ان سے اتنی روایات کیوں نہیں منقول ہیں؟!لہٰذاماننا پڑے گاکہ موصوف کے پس پشت ضرورکوئی کام کررہاتھا؟!مترجم۔

جس کے بارے میں توریت میں ذکر نہ آیا ہو، یعنی وہاں کیا کیا واقع ہوگا ساری خبر توریت میں موسیٰ نے دی ہے'' چنانچہ اس جھوٹ کے پھیلتے ہی مسلمانوں کے گروہ جوق در جوق اس کے پاس برابر معلومات حاصل کرنے کے لئے آنے لگے اور شیخ المضیرہ، تاجر حدیث، حضرت ابو ہریرہ صاحب بھی باقاعدہ ان کی شاگردی میں آ کر کعب الاحبار کے توسط سے حدیثوں کے دریا بہانے لگے، لیکن یہ کام اس وقت اور تیز رفتاری سے شروع ہوا جب حضرت عمر نے انتقال فرمایا، کیونکہ آپ ابو ہریرہ کو حدیث نقل کرنے پر تازیانے مارتے تھے، لہٰذا ابو ہریرہ تازیانے کی وجہ سے نقل حدیث سے باز رہے اور جب حضرت عمر موت سے ہمکنار ہوئے تو ان کا بازار چمک گیا۔

پھر ابوریہ کہتے ہیں:

محققین علماء میں سے ایک صاحب کا یہ کہنا ہے کہ ابو ہریرہ اور کعب الاحبار نے یہ آپس میں طے کر لیا تھا کہ اس قدر حدیث گڑھ دو کہ اسلام کا اصلی چہرہ مسخ ہو جائے۔

اس کے بعد ابوریہ کہتے ہیں:

مجھے تعجب جمہور (اکثریت اہلسنت) کی عقلوں پر ہے کہ اس قدر ان دونوں (کعب الاحبار و ابو ہریرہ) کے کھلے ہوئے جھوٹ بولنے کے باوجود ان پر اعتماد اور تکیہ کرتے ہیں اور ان سے وارد شدہ احادیث کو قبول کرتے ہیں؟! حالانکہ ان سے اکثر ایسی روایتیں نقل ہوئیں ہیں جن کو عقل اور صحیح روایات کی تائید حاصل نہیں اور ظلم بالائے ظلم یہ ہے کہ کعب الاحبار کو تابعین صحابہ میں شمار کرتے ہیں اور ابو ہریرہ کو راویۃ الاسلام'' سب سے زیادہ روایات نقل کرنے والا'' سمجھتے ہیں؟!!(۱) (یہ ہے ابو ہریرہ کی کہانی ؟!)

(۱) شیخ المضیرہ، تیسرا ایڈیشن، صفحہ ۹۰۔

''حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبل بعثت''

۱۔ کیا آپ کے والدین مشرک تھے؟!

محترم ناظرین! متذکرہ مباحث میں آپ نے ماسبق انبیاء کی شخصیات کو صحیحین کی روشنی میں ملاحظہ فرمایا، اب ہم اس بحث میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کو، ان دو کتابوں کی نظر میں، آپ کے حوالے کرتے ہیں اور چونکہ آپؐ کے دور زندگی کو، محل بحث قرار دینے کیلئے ہم نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے ''قبل بعثت اور بعد بعثت'' لہٰذا ہم اپنی بحث کو بالترتیب قبل بعثت سے شروع کرتے ہیں: واضح ہو کہ صحیحین میں جو نامناسب نسبتیں بعثت سے پہلے آنحضرتؐ کی طرف منسوب ہیں، ان میں سے ہر ایک کو ہم جداگانہ فصل میں نقل کریں گے۔(۱)

چنانچہ اس بحث میں، ہم حضرت رسول خداؐ کے والدین کے ایمان سے مربوط بحث صحیح مسلم سے نقل کرتے ہیں:

۱۔ "...... عن انس؛ان رجلاً قال: یارسول اللہ!این ابی ؟قال: فی النار، فلما قفی

---

(۱) عرض مترجم: قارئین کرام! قبل اس کے کہ ہم محترم مؤلف کے عرائض کو تقدیم کریں اس بات کو دوبارہ تذکر اور یاددہانی کے طور پر پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں جس کی مؤلف صاحب قرآن واحادیث کی روشنی میں گزشتہ اوراق میں مفصل وضاحت کر چکے ہیں وہ یہ کہ ایک نبی ورسولؐ کے لئے ضروری ہے کہ وہ رسولؐ و نبی ہونے سے قبل بھی تمام اخلاقی وجنسی مسائل سے پاک وپاکیزہ ہو اور اس کے دامن پر کسی بھی نقص کا دھبہ نہ ہو چنانچہ خدا اپنا خاص لطف ایسے لوگوں پر پہلے سے رکھتا ہے، مثلاً رسولؐ کے لئے ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَلَّذِیْ یَرَاکَ حِیْنَ تَقُوْمُ☆وَتَقَلُّبَکَ فِی السَّاجِدِیْنَ☆ سورہ شعراء، آیت ۲۱۹، پ ۱۹﴾

اور جب تم نماز تہجد میں کھڑے ہوتے ہو اور وہ سجدہ کرنے والوں کی جماعت میں تمہارا پھرنا دیکھتا ہے۔

اس آیت سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ رسول اسلام کا نطفہ بھی پاک اصلاب وارحام سے منتقل ہوتا ہوا آیا ہے اور پاک وپاکیزہ آغوش میں پروان چڑھا ہے، کیونکہ اگر رسولؐ کی پاک آغوش میں پرورش نہ ہو تو ان کی زندگی کفر کے دھبہ سے داغدار ہو جائے گی، لہٰذا آنحضرتؐ کے والدین کے بارے میں یہ کہنا کہ مشرک تھے خود آپ کی شخصیت کو مجروح کرنے کے مترادف ہے اور اس طرح کا نظریہ رکھنے والا شخص یقیناً دولت ایمان سے بے بہرہ ہے۔۱۲

دعاہ،فقال:ان ابی و اباک فی النار"(۱)

انس سے مروی ہے:

ایک شخص نے رسولؐ سے پوچھا: یارسول اللہؐ! میرا باپ کہاں ہے؟ (جہنم یا جنت میں) آپؐ نے فرمایا: تیرا باپ اس وقت جہنم میں ہے، جب وہ شخص پوچھ کر چلنے لگا تو آپؐ نے اس سے پکار کر کہا: اے شخص! تیرا باپ اور میرا باپ دونوں (استغفراللہ) جہنم میں ہیں!!

۲. "......عن ابی هریرة ،زار النبیؐ قبر امه، فبکیٰ،وابکیٰ من حوله،فقال استئذنت ربی فی ان استغفر لها،فلم یوذن لی،واستئذنته فی ان ازور قبرها،فاذن لی، فزورُوْاالْقبورَفانها تذکر الموت"(۲)

ابوہریرہ نے روایت کی ہے:

ایک مرتبہ رسول اسلامؐ اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کرنے گئے تو رونے لگے، جو لوگ رسول اکرمؐ کے ساتھ تھے وہ بھی رونے لگے، اس کے بعد رسول خداؐ نے فرمایا: میں نے خدا سے اجازت طلب کی تھی کہ اپنی والدہ کیلئے مغفرت طلب کروں، لیکن خدا نے اجازت نہیں دی، اس کے بعد میں نے اپنی والدہ کے قبر کی زیارت کرنے کی اجازت مانگی، تو خدا نے اس کو قبول کرلیا، لہٰذا تم لوگ بھی قبروں کی زیارت کیا کرو، کیونکہ قبور کی زیارت موت کو یاد دلاتی ہے۔

ان دو حدیثوں کے گڑھنے والوں نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ رسول اسلامؐ کے والدین کو کافر ثابت

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۱، کتاب الایمان، باب(۸۸)" بیان ان من مات علی الکفر فهو فی النار"حدیث ۲۰۳. سنن ابن ماجه جلد ۱، ، حدیث ۱۵۷۲. سنن داؤد جلد ۲ ،کتاب السنة،حدیث ۴۷۱۸،باب[۱۸]فی ذراری المشرکین ، صفحه ۴۱۷.

(۲) صحیح مسلم جلد ۳ ،کتاب الجنائز، باب(۳۶)" استیذان النبی ربه فی زیارت قبر امه" حدیث ۹۷۶،طریق دوم، سنن داؤد جلد ۲ ،کتاب الجنائز، باب زیارة القبور ،حدیث ۳۲۳۴، ص۸۷.

کیا جائے اور اس مطلب کو خود آنحضرتؐ کی زبان سے ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ خود آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ میرے ماں باپ جہنم میں ہیں اور چونکہ پیغمبرؐ اور مومنین کے لئے جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے دعا واستغفار کریں لہٰذا خدا نے رسولؐ کو اپنی والدہ کے حق میں دعا واستغفار کرنے کی ان کے مشرک ہونے کی وجہ سے اجازت نہیں دی۔

عرض مؤلف

اول یہ کہ گزشتہ دلائل اور مباحث کی روشنی میں ان دونوں روایتوں کا جعلی ہونا آشکار ہے، دوسرے یہ کہ معتبر روایات اور تاریخی مسلمات سے ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ایسے افراد کافی پائے جاتے تھے جو اپنے خدا کی عبادت پہاڑوں میں جا کر کیا کرتے تھے، ان میں سرفہرست خاندان عبدالمطلب، ابوطالب اور عبداللہ ہیں خلاصہ یہ کہ آنحضرتؐ کے والدین مشرک نہیں تھے بلکہ توحید خالص کا اعتقاد رکھتے تھے اور اس وقت کے عام لوگوں کی طرح بت پرستی وشرک سے دور رہتے تھے، چنانچہ یہ حضرات کبھی مکہ والوں کے درمیان اور کبھی پہاڑوں میں جا کر معبود حقیقی سے راز ونیاز کرتے تھے۔

"فاما الذین لیسو ا المعطلة من العر ب فا القلیل منهم وهم المتألهون اصحاب الور ع و التحر ج عن القبائح کعبد الله ، و عبد المطلب و ابنه ابی طالب و زید بن عمر و بن نفیل " .(۱)

ذیل میں دلیل کے طور پر دو عدد روایت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کے بارے میں نقل کرتے ہیں:

۱۔ اصبغ ابن نباتہ حضرت امیر المؤمنینؑ سے نقل کرتے ہیں:

---

(۱) سیره ابن هشام ج ۱ ،ص ۲۵۲. شرح نهج البلاغه ابن ابی الحدید ج ۱، خطبة ۱ ، ص ۱۲۰. المحبر ،اسماء الذین رفضوا عبادة الاوثان ، ص ۱۷۱ ،تالیف محمد بن حبیب بغدادی متوفی ۲۴۵ھ. اسنی المطالب فی نجاة ابی طالب. شیعه کتب: کمال الدین .ص ۱۷۴ ، باب الثانی عشر فی خبر عبد المطلب و ابی طالب . الخصال،ص ۳۱۳، سن عبد المطلب فی الجاهیة خمس سنن اجراها الله تعالی فی الاسلام ،ص ۳۱۲. من لا یحضره الفقیه، باب النوادر، وصیةالرسول لعلی .

واللہ ما عبدابی ولا جدی عبدا لمطلب ولا ھاشم ولا عبد مناف صنماً قط، قیل فما کانوا یعبدون؟ قال: کانوا یصلون الیٰ البیت علیٰ دین ابراھیم متمسکین بہ

خدا کی قسم میرا باپ ابو طالبؑ اور میرے اجداد عبدالمطلبؑ، ہاشمؑ اور عبد منافؑ کبھی بھی بت پرست نہ تھے، کسی نے سوال کیا کہ تو پھر وہ کس کی عبادت کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا وہ دین ابراہیمؑ پر باقی تھے اور خانہ کعبہ کی طرف عبادت کرتے تھے۔(۱)

۲۔رسول اسلامؐ، امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے اپنے جد عبدالمطلب کے بارے میں فرماتے ہیں:

"یا علی ان عبد المطلب کا ن لا یستقسم بالازلام، ولا یعبد الاصنام، ولا یاکل ماذبح علیٰ النصب، ویقول: انا علی دین ابراھیم "(۲)

اے علی! عبدالمطلبؑ جاہلیت کے برے افعال (استقسام بالازلام یعنی دور جاہلیت کے برے افعال) اور بت پرستی سے دور تھے اور وہ حیوان جو بتوں کے نام سے ذبح کئے جاتے تھے، ان کا گوشت نہیں کھاتے تھے اور فرماتے تھے ہم دین ابراہیمؑ پر قائم ہیں۔

کتاب "مسند احمد بن حنبل" اور طبقات ابن سعد میں ابوذر کے بارے میں اس طرح آیا ہے:

ابوذر بھی ان افراد سے تھے جو زمانۂ جاہلیت میں رسول اسلامؐ کے مبعوث برسالت ہونے سے قبل توحید پرستوں میں سے تھے۔(۳)

متذکرہ حدیثوں کے گڑھنے والوں نے اپنے ماں باپ اور اجداد کے بت پرستی اور شرک کے سنگین بار کو ان سے ہلکا کرنے کے لئے مذکورہ دونوں حدیثوں کو جعل کیا ہے، ایسے آباء واجداد جو ہمیشہ شریعتِ محمدی کو نابود اور شرک و بت پرستی کی دیوار کو مضبوط کرنے کی خاطر اسلام کے مقابلہ میں جنگ کرتے رہے اور قرآن اور

(۱-۲) کمال الدین. ص ۱۷۴، باب الثانی عشر فی خبر عبد المطلب و ابی طالب. الخصال، ص ۳۱۳، سن عبد المطلب فی الجاھیة خمس سنن ......من لا یحضره الفقیه، جلد۴، باب النوادر، وصیة الرسول لعلی، ص ۳۶۵.

(۳) مسند احمد بن حنبل جلد ۵، حدیث ابوذر، ص ۱۷۴. الطبقات الکبری، ابوذر و اسمه جندب، جلد۴، ص ۲۱۹.

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں علم بغاوت لے کر بت پرستی اور شرک کی حالت میں واصل جہنم ہو گئے، یا پھر باجبر واکراہ مال دنیا کے لالچ میں ظاہری ایمان لے آئے اور درحقیقت وہ لوگ ہمیشہ شرک و بت پرستی کے اوپر قائم رہے۔

ان حدیثوں کے گڑھنے والوں کی کوشش یہ تھی کہ اپنے خاندان کے ننگ وعار کو اس طرح برطرف کریں اور اپنی حقارت وذلت کو اس طرح دور کریں کہ پیغمبر اکرمؐ کے والدین کو بھی ان کی صف میں لے آئیں اور انھیں بھی ان کے ہم پلہ قرار دیں (جی ہاں! ایسے لوگوں کو خاندان رسالت سے قیاس کرنا از زمین تا آسمان فرق دارد) مجھے تعجب ہے مسلمانوں کی جمہوریت پر جو صحیحین کی ایسی روایات کو صحیح اور درست مان کر ان کے مضمون پر اپنے عقیدہ کی دیوار قائم کر کے عقل واحتیاط کا دامن چھوڑے ہوئے ہیں!!(۱)

---

(۱) عرض مترجم: بھلا بتائیے خاندان رسولؐ کہے کہ ہم توحید پرست ہیں اور مسلمان دوسروں کی باتوں پر صدق دل سے ایمان لاکر ان کو کفر کا ٹائٹل دے؟! ذرا غور فرمائیں! گھر والوں کی بات گھر والا بہتر جانے گا یا باہر والا؟! ''ادریٰ اہل البیت بما فی البیت'' احتیاط کا تقاضا تو یہ ہے کہ جن افراد کا کفر آپ کے نزدیک مسلم دلائل عقلیہ ونقلیہ کے ذریعہ ثابت نہیں ان کو کافر نہ کہیں بلکہ حسن ظن سے کام لیں کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ سے سوءظن کی وجہ سے روز قیامت یہ سوال ہو جائے کہ جب تمہیں رسولؐ کے آباء واجداد کے بارے میں قطعی اور یقینی دلیل کے ذریعہ کافر ہونا نہیں معلوم تھا تو کیوں ہر جگہ بغلیں بجا کر انھیں کافر کہتے تھے؟!۱۲

۲۔ کیارسول اللہؐ حرام گوشت کھاتے تھے؟!

روایت سازوں اور حدیث گڑھنے والوں کو جب پیغمبرؐ کے والدین کو کافر و مشرک ثابت کرنے پر تشفی نہ ہوئی تو انہوں نے یہ بھی گڑھ مارا کہ خود رسول خداﷺ قبل بعثت صنم پرست اور حرام گوشت کھاتے تھے!!

محترم قارئین! مذکورہ بحث (رسول کے والدین مشرک تھے!) میں جو مطالب ہم نے بیان کئے ان کی روشنی میں اس حدیث کی اہمیت اور اس کے ضعیف یا اور صحیح ہونے کے بارے میں آپ اچھی طرح فیصلہ کر سکتے ہیں۔

۱۔ " ...... اخبرنی سالم ؛انه سمع عبدَ الله يُحدِّث عن رسول ؐالله: انه لَقِيَ زيدبن عمروبن نُفَيل باسفل بَلْدَحَ قبل ان يُنزَل على رسولؐ الله الوحى، فقدم رسولَ الله سفرتاًفيها لحم،فأبَى ان ياكل منها،ثم قال: انى لا آكل مما تذ بحون على انصابكم،ولا آكل الامما ذكراسم الله عليه"

عبداللہ ابن عمر نے رسولؐ سے نقل کیا ہے:

ایک مرتبہ رسول خداؐ نے بعثت سے پہلے زید ابن عمرو بن نفیل سے کوہ بلدح کے دامن میں ملاقات کی، تو رسولؐ نے وہیں پر دستر خوان بچھا دیا اس میں گوشت بھی تھا، زید نے اس گوشت کے کھانے سے انکار کیا اور جب ان سے پوچھا گیا کہ کیوں نہیں کھا رہے ہو؟ تو کہنے لگے: میں اُس گوشت کو نہیں کھاتا جو اصنام (بتوں) اور انصاب (۱) کے نام پر ذبح کیا جائے، میں فقط ان حیوانوں کا گوشت کھاتا ہوں جو خدائے وحدہ لاشریک کے نام پر ذبح کئے جائیں۔

اس حدیث کو امام بخاری نے دو جگہ نقل کیا ہے اور ان میں سے ایک جگہ پر کچھ اضافہ کے ساتھ نقل کیا ہے۔(۲)

---

(۱) صحيح بخارى: ج۷، كتاب الذباح والصيد، باب" ما ذبح على النصب والاصنام" حديث ۵۱۸۰. ج ۳، كتاب فضائل الصحابة، باب" حديث زيد بن عمر ابن نفيل" حديث ۳۶۱۴.

(۲) دور جاہلیت کے عرب مجسمہ بنا کر ان کی پوجا اور عبادت کرتے تھے انھیں صنم کہا جاتا ہے اور صنم کی جمع اصنام ہے اور کبھی کسی لکڑی یا پتھر کو زمین میں نصب کر کے ان کی عبادت کرتے اور ان کو نصب و انصاب کہتے تھے۔

روایت کا نتیجہ

۱۔ زید بن عمرو دور جاہلیت اور قبل بعثت رسولؐ سے زیادہ توحید پرست تھے!!

۲۔ رسول اسلام بھی دوسرے لوگوں کی طرح بت و اصنام رکھتے تھے اور انہیں کے نام پر حیوانوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت تناول فرماتے تھے: "**انی لا آکل مما تذبحون علی انصابکم ولا آکل الا مماذکر اسم اللہ علیہ**" لیکن زید ان بتوں اور بت پرستی سے دور وادی توحید کے باشندہ تھے!!

اس سے بھی صریح تر ایک اور دوسری حدیث ہے جس کو احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں نوفل بن ہشام بن سعید بن زید سے نقل کیا ہے:

"**عن نوفل بن هشام بن سعيد بن زيد عن ابيه عن جده ......؛ و مر با لنبي (يعني زيد بن عمرو) و معه ابو سفيان بن الحرث ياكلان من سفرة لهما فدعواه الى الغداة ، فقال: يا بن اخي انى لا آكل ما ذبح على النصب ، قال: فما رؤى النبى من يومه ذاک ياكل مما ذبح على النصب حتى بعث " (١)**

"......ایک مرتبہ رسول خداؐ ابوسفیان کے ساتھ ایسے حیوان کا گوشت تناول فرما رہے تھے جو بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا تھا، جب زید کو کھانے کے لئے بلایا گیا تو زید نے انکار کر دیا، اس کے بعد رسول اسلام بھی زید کی پیروی کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کے بعد سے رسول اکرمؐ نے اعلان بعثت تک اس گوشت کو نہیں کھایا جو اصنام و ازلام کے نام پر ذبح کیا جاتا۔"

مورخین اور سیرت نگاروں نے بھی اس روایت کو معتبر اور صحیح جانتے ہوئے صحیح بخاری اور مسند احمد بن حنبل کی پیروی کرتے ہوئے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے، مثلاً ابن عبدالبر نے اپنی کتاب "استیعاب" (۲) میں مسند احمد بن حنبل سے اور ابوالفرج اصفہانی نے اپنی کتاب "الاغانی" (۳) میں صحیح بخاری سے نقل کیا ہے۔

---

(۱) مسند احمد بن حنبل، جلد ۱، مسند سعید بن زید بن عمرو بن نفیل، ص ۱۸۹

(۲) استیعاب (جو اصابہ کے حاشیہ میں چھپی ہے) جلد ۲، حرف السین باب سعید بن زید بن عمرو بن نفیل، ص ۴۔

(۳) الاغانی جلد ۳، خبر زید بن عمرو نسبہ، ص ۱۲۶۔

زید بن عمرو بن نفیل کا تعارف

صحیح بخاری کی روایت سے استفادہ ہوتا ہے کہ زید بن عمرو خدا شناسی اور معرفت باری تعالی میں اتنے بلند مرتبہ پر پہنچے ہوئے تھے کہ حضرت رسالت مآب بھی قبل بعثت ان کے برابر نہ تھے اور موصوف خلیفۂ دوم حضرت عمر کے قریبی رشتہ دار تھے یعنی خلیفۂ دوم کے چچا کے لڑکے اور آپ کے سسر تھے، چنانچہ زوجۂ عمر ابن خطاب ''عاتکہ'' زید ہی کی لڑکی تھیں۔(۱)

مؤرخین اور سوانح حیات لکھنے والوں نے ان کے بارے میں کافی فضائل تحریر کئے ہیں، کہا جاتا ہے کہ یہ دور جاہلیت میں حنفاء سے تھے، یعنی ان کا شمار ان افراد میں ہوتا تھا جو توحید پرست، خدا شناسی اور معرفت باری تعالی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرتے تھے، یہ جہالت سے دور نماز و استغفار میں مشغول رہتے اور سجدے میں ایسے جملے کہتے تھے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ مسئلۂ توحید میں جناب ابراہیم علیہ السلام کے دین کی پیروی کرتے تھے۔(۲)

عرض مؤلف

ہم آیات وروایات کی روشنی میں تمام انبیاء ومرسلین بالخصوص حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت وفضیلت سے متعلق مطالب جلد اول میں اختصار کے طور پر نقل کر چکے ہیں کہ آپ زمانۂ جاہلیت میں تمام رذائل وخبائث سے پاک وپاکیزہ تھے اور آپ کا اوصاف حمیدہ میں کوئی ثانی نہ تھا، رہی آپ کے خاندان کی بات تو یہ بھی گزشتہ بحث میں صحیح اور معتبر مدارک کے ذریعہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ آپ کے آباء واجداد جن میں سرفہرست جناب عبد المطلب اور ابو طالب ہیں سب کے سب موحد اور دین ابراہیمؑ پر قائم تھے اور ان حیوانات کا

---

(۱) اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد ۴، باب العین والمیم (کلمہ عمربن الخطاب بن نفیل......) ص ۷۸.

(۲) تفصیل ملاحظہ کریں: اسد الغابہ جلد ۲، باب الزاء والیاء (کلمۂ زید بن نفیل) ص ۷۸، ص ۲۳۷، ۲۳۹.

الاغانی، جلد ۳، خبر زید بن عمرو نسبہ، ص ۱۲۷.

گوشت نہیں کھاتے تھے جو بتوں کے نام پر ذبح کئے جاتے تھے، چنانچہ رسولؐ اسلام بھی قطع نظر اس بات سے کہ آپ منصب نبوت کے لئے زمانہ شیر خوارگی سے ہی لیاقت وآمادگی رکھتے تھے جیسا کہ ہم گزشتہ مباحث میں نقل کر چکے ہیں۔اسی خاندان کے چشم وچراغ تھے۔اسی پاکیزہ خاندان میں آپ نے پرورش پائی تھی۔ کیا یہ سوچا جاسکتا ہے کہ رسولؐ اسلام اپنے خاندان کی اعلیٰ تعلیم وتہذیب کو جس کی تبلیغ وترویج کے لئے یہ حضرات ہمیشہ کوشاں رہتے تھے، چھوڑ کر بت پرستوں کی پیروی کریں گے اور نادان لوگوں کے ساتھ ناپاک گوشت تناول کریں گے؟! کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم توحید کے اس مرتبہ تک بھی نہیں پہنچے ہوئے تھے جو زید بن عمرو جیسے افراد کو حاصل تھا؟! تعجب یہ ہے کہ آپؐ حرام گوشت تناول کرتے ہیں، لیکن زید ابن عمرو دین خدا سے آشنا ہونے کی وجہ سے اس گوشت کو نہیں کھاتے جو بتوں کے نام پر ذبح کیا جائے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زید بن عمرو کی اس خدا پسندانہ عمل میں تا زمانہ بعثت پیروی کرتے ہیں اور زمانہ بعثت تک اس کو ایک سنت حسنہ اور اچھی عادت کے طور پر زندہ رکھتے ہیں؟!!

ہمارے نزدیک یہ دونوں حدیثیں بھی انھیں سینکڑوں حدیثوں کے مانند ہیں جو خلفاء اور ان کے خاندان کی اہمیت وعظمت اجاگر کرنے کے لئے اور خاندانی تعصب اور رقابت کی بنا پر جعل کی گئیں ہیں، کیونکہ زید بن عمرو کوئی دور کے رشتہ دار نہ تھے بلکہ خلیفہ صاحب کے چچازاد بھائی اور آپ کے خسر معظم تھے (اگر ان کے حق میں حدیثِ فضیلت جعل نہ کی جاتی تو زوجۂ محترمہ ناراض نہ ہو جاتیں!!) ہماری بات کی تصدیق اس چیز سے بھی ہوتی ہے کہ اس حدیث کے ناقل جناب عبداللہ ابن عمر (حضرت عمر کے صاحبزادے) اور نوفل بن ہشام بن سعد بن زید (زید کے پرپوتے) ہیں ان دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا راوی نظر نہیں آتا، لہٰذا اس سے پتہ چلتا ہے کہ دال میں ضرور کالا ہے؟!! کیا اس روایت کے گڑھنے والے اس بات کی طرف متوجہ نہ تھے کہ مذکورہ روایت کا مضمون، قرآن اور صریح روایات کے مخالف ہونے کے ساتھ ساتھ مرتبۂ رسالت کی ایسی توہین ہے کہ جس کا جبران ناممکنات میں سے ہے؟!(۱)

(۱) قطع نظر اس بات سے کہ اس روایت کو صرف خلیفہ صاحب کی عظمت دکھانے کی غرض سے گڑھا گیا ہے، ان دونوں حدیثوں کی روشنی میں مقام نبوت نہایت نیچے گر جاتا ہے! لیکن اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جسے عرفان رسالت ہو، ایرے غیرے نتھو خیرے کیا جانیں؟!! مترجم۔

کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ہم زید کے زمانۂ جاہلیت میں موحد ہونے کے منکر ہیں، بلکہ ہمارا مقصد آنحضرتؐ کی شخصیت کو زید کے مقابلہ میں دیکھنا ہے بس، وگرنہ شیعہ روایات میں بھی آیا ہے کہ زید ہمیشہ آئین توحید کی تلاش اور خدا پرستی کی جستجو میں رہنے کے ساتھ ساتھ بت پرستی سے بیزاری کرتے تھے۔(۱)

یوں کہا جائے تو بہتر ہے کہ حدیث جعل کرنے والوں نے ان دونوں حدیثوں میں زید ابن عمرو کے بارے میں جو مبالغہ آرائی فرمائی ہے، وہ جعلی اور من گڑھت ہے، یعنی آنحضرت ﷺ کو پست ظاہر کر کے زید کو جس بنا پر بلند کیا ہے وہ ایک خاص مقصد کے تحت ہے، اس کے بعد اس کو صحیح حدیث کے قالب میں اہل سنت کی اصلی اور معتبر کتابوں میں مسلمانوں کے حوالے کیا گیا ہے، تا کہ مسلمان باآسانی قبول کر لیں، چنانچہ ہوا بھی ایسا ہی کہ آج پڑھے لکھے اہل سنت بھی مذکورہ روایت کو صحیح اور معتبر مانتے ہیں!!

---

(۱) کمال الدین باب [۲۰]"خبر زید بن عمرو بن نفیل" ص ۱۱۵ ، بحار الانوار ،جلد ۱۵ ،"الشائر بمولده و نبوته من الانبیاء ... .." ص۲۰۵.

۳۔ جبرئیل امین اور سینۂ رسولؐ کا آپریشن!!

قارئین کرام! اس داستان کو بہت سے محدثین اور سیرت نگاروں نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے لیکن ہم یہاں پر صرف صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے نقل کرتے ہیں:

۱۔ "...... عن انس بن مالک؛ ان رسولَ اللّٰہ اتاہ جبرئیل وھو یلعب مع الغلمان، فاخذہ فصرعہ، وشق عن قلبہ، فاستخرج القلب، فاستخرج منہ عَلَقَۃً، فقال: ھذا حظ الشیطان منک، ثم غسلہ فی طست من ذھب بماء زمزم، ثم لامہ اعادہ فی مکانہ، وجاء الغِلمانُ یَسْعوَن الی امہ (یعنی ظِئْرَہُ) فقالوا: ان محمداً قد قتل، فاستقبلوہ وھو منتقع اللَّون، قال انس: وقد کنتُ اری اثر ذالک المِخیَط فی صدرہ......"(۱)

انس بن مالک سے روایت ہے:

ایک روز رسول خداؐ بچوں کے ہمراہ کھیل رہے تھے، (اچانک) جبرئیل ان کے پاس آئے اور انہیں پکڑ کر زمین پر پٹخ دیا اور ان کا سینہ چاک کر کے دل باہر نکالا اور حضرتؐ کے دل کے اندر سے خون کا ایک ٹکڑا باہر نکال دیا اور کہا یہ آپ کے اندر شیطان کا حصہ تھا، اس کے بعد آنحضرتؐ کے قلب کو سونے کے ایک طشت میں آب زمزم سے دھو کر اپنی جگہ پر لگا دیا اور سینہ کے شگاف کو سی دیا، ادھر بچے دوڑتے ہوئے ان کی دودھ پلانے والی ماں (حلیمہ سعدیہ) کے پاس آئے اور ان سے بولے: محمدؐ قتل کر دیئے گئے، لوگ ان کی تلاش میں نکلے اور انہیں ایسی حالت میں دیکھا کہ ان کا رنگ اڑا ہوا تھا، انس کہتے ہیں: میں آنحضرتؐ کے سینے پر ٹانکوں کے نشان دیکھا کرتا تھا۔

۲۔ ......"عن انس بن مالک؛ قال: کان ابو ذر یحدث: ان رسول اللّٰہ قال: فرج عن سقف بیتی وانا بمکۃ، فنزل جبرئیل، ففرج صدری، ثم غسل بماء زمزم، ثم جاء

(۱) صحیح مسلم جلد ۱، کتاب الایمان، باب (۷۴) "الاسراء رسول اللّٰہؐ" حدیث ۱۶۲. ۱۶۳.
مسلم نے دیگر طریق سے بھی اس باب میں اس بارے میں روایات نقل کی ہیں.

بطست من ذهب ممتلی حکمة وایمانا ًفافرغه فی صدری ثم اطبقه،ثم اخذ بیدی،فعرج بی الیالسماء الدنیا ."

انس بن مالک نے جناب ابوذر سے اور ابوذر نے رسول اسلامؐ سے روایت کی ہے:

میں مکہ میں تھا کہ گھر کی چھت اچانک ایک مرتبہ شگافتہ ہوئی اور جبرئیل نازل ہوئے اور میرے سینہ کو شگافتہ کیا اور اس کو آب زمزم سے دھویا، اس کے بعد ایک سونے کا طشت جو حکمت وایمان سے مملوٴ تھا اور اس کو میرے سینے میں ڈال دیا اور پھر میرے سینے کو سی دیا اس کے بعد میرا ہاتھ پکڑ کر آسمان اول کی طرف لے کر چلے گئے۔

امام بخاری نے اس روایت کو مختلف طریق اور متضاد مضمون کے ساتھ نقل کیا ہے، نیز یہی روایت تھوڑے اختلاف کے ساتھ صحیح مسلم میں بھی موجود ہے۔(۱)

روایت پر کئے گئے اعتراضات

یہ حدیث بھی ان عجائبات میں سے ایک ہے جو بیشتر صحیحین میں صحیح حدیث کے نام سے منقول ہیں! اور صحیحین کی اتباع میں اکثر سنی مؤرخین نے بھی اس روایت کو اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔(۲) اسی طرح صحیحین کی اندھی تقلید کرنے والے مفسرین نے بھی اس حدیث کو آیۂ ﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ﴾ کی تفسیر کے طور پر اپنی تفسیر کی کتابوں میں قلمبند فرمایا ہے۔(۳) لیکن ہمارے عقیدہ کے اعتبار سے مذکورہ حدیث چند

---

(۱) صحیح بخاری: جلد اول، کتاب الصلوٰة، باب "کیف فرضت الصلوات فی الاسرآء" حدیث ۳۴۲، جلد ۲، کتاب الحج، باب "ماجاء فی زمزم" حدیث ۱۵۵۵. جلد ۳، کتاب فضایل الصحابة باب (۴۱) "معراج" حدیث ۳۶۷۴. کتاب بدء الخلق، باب (۶) "ذکر الملائکة" حدیث ۳۰۳۵. جلد ۴، کتاب الانبیاء، باب (۷) ذکر ادریس حدیث ۳۱۶۴. جلد ۹، کتاب الانبیاء، باب (۲۳) "قوله تعالی: "وقال رجل مؤمن من آل فرعون" حدیث ۳۹۲. صحیح مسلم ج ۱، کتاب الایمان، باب (۷۴) "الاسراء برسول الله" حدیث ۱۶۳.

(۲) تاریخ الطبری، جلد ۲، ذکر الخبر عما کان من امر نبی الله ......ص ۵۴. تاریخ خمیس، بیان حالات مولد النبی، الطبقات الکبری ابن سعد، جلد ۱، ذکر علامات النبوة فی رسول الله ......ص ۱۵۰. مروج الذهب جلد ۲، مولد النبی، ص ۲۸۰. و سیرهٔ ابن هشام جلد ۱، ولادة رسول الله (ص) و رضاعته، ص ۱۷۵.

(۳) تفسیر در منثور، تفسیر خازن، تفسیر ابن کثیر، تفسیر نیشاپوری و تفسیر آلوسی.

جہت سے قابل بحث ہے اور جب تک ان جہات کی طرف توجہ نہیں کی جاتی اس وقت تک اس کے اوپر سے حقیقت کا پردہ اٹھایا نہیں جاسکتا، چنانچہ مندرجہ ذیل جہات سے ہم اس کو محل بحث قرار دیتے ہیں:

۱۔ زمانہ کے لحاظ سے اختلاف

مذکورہ حدیث رسول اکرمؐ کے سن کے لحاظ سے بہت متضاد نقل کی گئی ہے، کیونکہ یہ حدیث کئی مضمون کے ساتھ بیان کی گئی ہے، بعض جگہ آیا ہے کہ یہ واقعہ رسولؐ اسلام کے بچپنے میں پیش آیا، بعض روایتوں میں ہے کہ یہ واقعہ رسول خداؐ جب مبعوث برسالت ہوگئے تب پیش آیا اور اس کے فوراً بعد رسولؐ کو معراج ہوگئی، پس اختلاف اور تضادِ زمانی واقعۂ شق صدر کے جعلی ہونے پر بین دلیل ہے، کیونکہ اس صورت میں تقریباً ۴۰ رسال کا فرق پایا جاتا ہے۔ (یعنی جو راوی بچپنے کی بات کہہ رہا ہے وہی راوی چالیس سال کے بعد اسی روایت کو ۴۰ رسال کے فرق کے ساتھ بیان کرر ہا ہے۔(۱)

۲۔ مکان کے اعتبار سے اختلاف

مذکورہ روایت کا مکان ومحل ایک نہیں ہے بلکہ واضح طور پر تضاد وتناقض نظر آتا ہے، کیونکہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ یہ واقعہ مسجد الحرام، حجر اسمٰعیل یا حطیم میں پیش آیا اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ رسول اسلامؐ جب بیابان میں تھے تب پیش آیا اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ یہ واقعہ رسولؐ کے گھر میں پیش آیا اور چھت شگافتہ ہوئی، اسی طرح بعض میں آیا ہے کہ رسول خداؐ کا دل دھونے کے لئے جبرئیل آب زمزم کے پاس لے کر گئے اور بعض میں ہے کہ طشتِ طلا لاکر دل دھویا گیا، چنانچہ ان اختلافات اور تضادات کے ہوتے ہوئے ہم کونسی روایت کے مضمون کو قبول کریں پتہ نہیں؟! کیا ایسی حدیث کو صحیح کہا جاسکتا ہے؟!

---

(۱) صحیح کہا گیا ہے کہ دروغ گو را حافظہ نباشد اگر کئی مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا ہوتا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا رسولؐ کے دل میں کئی مرتبہ آپریشن کرنے کے بعد بھی یہ غدۂ شیطان واپس آجاتا تھا اور جبرئیل کا آپریشن کامیاب نہ ہوتا تھا؟!! مترجم۔

۳۔سینہ چاک کرنے کا واقعہ عصمت نبی سے منافات رکھتا ہے

تیسرا اشکال یہ ہے کہ سینہ چاک کرنے کا واقعہ عصمتِ رسول اسلامؐ کے منافی ہے کیونکہ رسول معصوم تھے، لہٰذا جب آپ تمام شیطانی خباثت، نجاست اور آلائش سے پاک و پاکیزہ تھے تو پھر آپ کے سینے میں شیطان کے حصہ کا کیا مطلب جسے جبرئیل نے آکر آپریشن کے ذریعہ نکالا؟!

۴۔شر انسان کے غدہ جسمی سے مترشح نہیں ہوتا

شر و فساد انسان کے وجود کے اندر ظاہری مادہ کی بنا پر نہیں ہوتا کہ ترشح کرے! یہ انسان کے جسم سے مربوط شے نہیں کہ منقطع کرنے سے منقطع ہو جائے! نیکی و بدی یا علم وحکمت غذائی مواد کی مانند نہیں کہ ایک ظرف سے دوسرے ظرف میں منتقل کر دیں! یا ان کو انجکشن کے ذریعہ انسان کے وجود میں داخل کر دیں اور جبرئیل آپریشن کر کے نکال لیں؟! بلکہ نیکی و بدی، علم وحکمت کا تعلق اعتقادی اور معنوی امور سے ہوتا ہے۔(۱) (۲)

---

(۱) اس اشکال کو فخر الدین رازی نے قاضی عبد الجبار سے نقل کیا ہے، ہم نے اختصار کے ساتھ یہاں ذکر کیا ہے، اسی طرح علامہ نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں اس اشکال کو قاضی عبد الجبار سے نقل کیا ہے اور اپنے عقیدہ کے لحاظ سے جواب بھی دیا ہے اور اسی جواب کو آلوسی نے اپنی کتاب روح المعانی میں نقل کیا ہے، بجائے اس کے کہ نیشاپوری کا نام ذکر کریں!

(۲) عرض مترجم: اس روایت سے نکلنے والے معنی ومطلب کو قرآن کریم کی ان آیات کے ساتھ کیسے جمع کیا جا سکتا ہے جن میں صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ شیطان انبیاء کرام و اولیاء اللہ حتی کہ مومنین و متوکلین علی اللہ کے دلوں پر قابو نہیں پا سکتا؟!

۱. ﴿إِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ...... سورہ بنی اسرائیل، آیت ۶۵، پ ۱۵﴾
اے شیطان تجھے میرے اطاعت گزار بندوں پر تسلط حاصل نہیں ہو سکتا۔

۲. ﴿إِنَّهُ لَیْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَی الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ☆نحل، آیت ۹۹، پ ۱۴﴾
اور وہ ایمان لانے والوں اور خدا پر بھروسہ کرنے والوں پر قابو نہیں پا سکتا۔

۳. ﴿......وَلَأُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ☆ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ☆ سورۂ حجر آیت ۳۹، ۴۰﴾
اور میں (شیطان) بے شک تیرے مخلص بندوں کے علاوہ سب کو گمراہ کروں گا۔۱۲۔

شرح صدر یعنی چہ؟!

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ مذکورہ واقعہ سورۂ "الم نشرح لک صدرک" کی تفسیر کے ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے، لیکن یہ بات یاد رکھیں شق صدر (سینہ کا چاک کرنا) اور شرح صدر میں کوئی رابطہ نہیں ہے، بلکہ شرح صدر سے مراد رسول اسلام کا وسیع القلب ہونا ہے یعنی خدا نے رسول اکرم کو وسعت قلب عطا کی تا کہ آپ احکام الٰہیہ کی تبلیغ میں جو زحمتیں اور مشقتیں اٹھائیں ان کو وسعت قلبی کے ساتھ برداشت کرلیں، چنانچہ شرح صدر سے مراد یہاں وہی ہے جس کی جناب موسیٰ نے بارگاہ خداوندی سے دعا کی تھی:

﴿قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ☆ وَيَسِّرْلِيْ اَمْرِيْ﴾(۱)

اے میرے خدا! میرے قلب کو وسیع کر اور میرے سینہ کو کشادہ کردے اور میرے امر کو آسان کردے۔

کتب تاریخ وحدیث میں روایات شق صدر

مذکورہ اشکالات کے ہوتے ہوئے روایت کا مضمون قابل قبول نہیں ہوسکتا اور واقعہ شق صدر ایک صحیح اور واقعی موضوع قرار نہیں دیا جاسکتا، لیکن افسوس کہ مذکورہ حدیث اہل سنت کی معتبر کتب تواریخ واحادیث میں پائی جاتی ہے اور اہل سنت کے یہاں واقعۂ شق صدر کو ایک حقیقت اور واقعیت سے تعبیر کیا گیا ہے، شاید اہل سنت کے یہاں یہی کثرت نقل سبب ہوا کہ اس روایت سے متعلق شیعہ علماء اور محققین نے باوجود اس اعتراف کہ یہ روایت شیعہ صحیح اور معتبر اسناد سے نقل نہیں ہوئی ہے کلام کرنے میں احتیاط سے کام لیا ہے۔(۲)

ڈنکے کی چوٹ پہ کہیے!

ہمارے سابقہ علماء کی اس واقعہ کے نقل کرنے سے روگردانی اور ہماری مذکورہ چار (بلکہ سات) دلیلیں اس بات کا امکان ختم کردیتی ہیں کہ ہم واقعۂ شق صدر کے رد کرنے میں تأمل سے کام لیں، چنانچہ ہم ڈنکے کی چوٹ

---

(۱) سورۂ طہ ۲۵، پ ۱۶.

(۲) بحار الانوار جلد ۱۵، باب [۴] منشأہ (ص) ورضاعتہ وما ظہر من اعجازہ ...... ص ۳۶۸ .

یہ کہتے ہیں مذکورہ واقعہ وقوع پذیر نہیں ہوا ہے، یہاں توقف اور احتمال وقوع کا محل ہی نہیں ہے، اگر ایسا اہم واقعہ رونما ہوا ہوتا تو ہمارے علماء، ائمہ علیہم السلام کے ذریعہ ضرور نقل فرماتے، اس لئے کہ جب ہمارے اماموں نے رسول اسلامؐ کے بارے میں ایک ایک جزئی واقعہ تک نقل کیا ہے تو پھر اس قدر اہم واقعہ کو نقل کرنا کیسے فراموش کر سکتے تھے؟! اور اگر نقل کیا جاتا تو کتب حدیث میں اس کا وجود پایا جاتا۔

علامہ مجلسی فرماتے ہیں:

''یہ واقعہ اطمینان اور صحیح سند کے ساتھ ہمارے یہاں نہیں ملتا''

عصر حاضر کے ایک محقق اس روایت کی تاویل وتفسیر میں اس طرح تحریر کرتے ہیں:

''یہ واقعہ رسول اکرمؐ کو عالم مثال میں پیش آیا''

محقق موصوف نے اصل روایت کو صحیح قرار دے کر موضوع کو مادی صورت سے خارج کر دیا ہے! لیکن اس ڈگر پہ قدم رکھنا اس وقت صحیح ہو سکتا تھا جب روایت کا سیاق وسباق اور اس کا ظاہری مفہوم اس کی تردید نہ کرتا ہوتا، چنانچہ اگر ان دو باتوں کو مدنظر رکھا جائے تو یہ توجیہہ ہرگز ذہن میں نہیں آئے گی:

۱۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ روایت میں صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ رسول خداؐ کے ساتھ جو بچے کھیل رہے تھے وہ سب اس ماجرا کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے اور دوڑ کر حلیمہ سعدیہ کے پاس آ کر کہنے لگے: محمد ﷺ قتل کر دئے گئے! اور جب وہ لوگ واپس آتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ آنحضرت کا رنگ اڑا ہوا ہے اور آپ پریشان کھڑے ہیں! کیا یہ سب عالم مثال میں ہوا؟!

۲۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ انس کہتے تھے: میں آنحضرت ﷺ کے سینہ پہ ہمیشہ وہ نشان دیکھا کرتا تھا جسے جبرئیل نے بخیہ کر کے سلا تھا؟! کیا یہ عالم مثال سے مربوط ہے؟! پس ان دو باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس واقعہ کو عالم تمثیل سے بتانا سخت بھول ہے! آخر مذکورہ تفصیل کے بعد کون ایسا بے عقل ہوگا جو واقعۂ شق صدر کو عالم تمثیل سے مطابقت کرے!!(۱)

پس نتیجہ یہ نکلا کہ مذکورہ واقعہ بھی ان واقعات کی مانند ہے جن کا حقیقت سے کوئی سروکار نہیں اور اس کا جعلی ہونا ویسے ہی مسلم الثبوت ہے جیسے جناب موسیٰؑ کا پتھر کے پیچھے دوڑنا اور آپ کا عزرائیل کو طمانچہ مارنا؟!

---

(۱) جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی = پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی.

''حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعد بعثت''

۱۔ کیا رسول اکرمؐ اپنی نبوت میں شک کرتے تھے؟!

ا . ''......عن عایشة ام المومنین؛انها قالت:اول ما بدء به رسولؐ اللّٰہ من الوحی الرویا الصالحة فی النوم، لا یری رؤیا الاجائت مثل فلق الصبح،ثم حبب الیه الخلاء، وکان یخلو بغار حراء، فیتحنث فیه وهو التعبد اللیالی ذوات العدد قبل ان ینزع الی اهله،ویتزود لذالک ثم یرجع الی خدیجة، فیتزود لمثلها،حتی جاء ہ الحق، وهو فی غار حراء، فجاء ہ الملک،فقال:اقرأ!قال:ماانا بقاریٔ، قال:فاخذنی فغطنی الثانیة حتی بلغ منی الجهد، ثم ارسلنی،فقال:اقرأ! قلت:ماانا بقارءٍ،فاخذ نی فغطنی الثانیة حتی بلغ من الجهد،ثم ارسلنی فقال: اقرأ! فقلت:ماانا بقارءٍ،فاخذنی فغطنی الثالثة، ثم ارسلنی فقال: ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ☆ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ☆ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ﴾فرجع بها رسولؐ اللّٰہ یرجف فواده، فدخل خدیجة بنت خویلد، فقال:زَمِّلونی زَمِّلونی،فزَمَّلوه حتی ذهب عنه الورع،فقال للخدیجة:واخبرها،الخبر،لقد خشیت علی نفسی ...... ''

حضرت عائشہ سے مروی ہے:

سلسلۂ وحی رسول اسلامؐ پر سچے خوابوں سے شروع ہوا، رسولؐ جو بھی خواب دیکھتے تھے، وہ سفیدۂ صبح کی طرح آشکار ہو جاتا تھا، اس کے بعد لوگوں سے کنارہ کشی کر کے غار حرا میں چلے جاتے اور وہاں ایک مدت تک عبادت خدا میں مشغول ہو جاتے تھے، اسی طرح ہر روز غار حرا میں عبادت کرنے کی خاطر غذا تہیہ کرتے تھے اور جب وہ ختم ہو جاتی تھی تو واپس خدیجہ کے پاس پلٹ آتے،

اور پھر غذا تہیہ کر کے عبادت کے لئے غار حرا میں چلے جاتے، چنانچہ ایک روز غار حرا میں تھے کہ آپ پر فرشتہ وحی نازل ہوا اور آپ سے کہنے لگا: اے محمدؐ پڑھو! رسول اکرمؐ نے کہا میں نہیں پڑھ سکتا، اس کے بعد رسول اسلامؐ کو اس فرشتہ نے پکڑ کر زور سے اس طرح دبایا کہ آنحضرتؐ کو تکلیف کا احساس ہونے لگا، اس کے بعد اس نے کہا: پڑھو! آپ نے کہا میں نہیں پڑھ سکتا، پھر اس فرشتہ نے زور سے دبا کر جھنجھوڑ دیا اور کہنے لگا: اے محمدؐ پڑھو! آپ نے پھر کہا: میں نہیں پڑھ سکتا، پھر اس نے تیسری مرتبہ زور سے جھنجھوڑ کر کہا: ﴿**اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ☆ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ☆ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ**﴾ اس وقت رسولؐ نے اضطراب و ناراحتی کی حالت میں اس کو پڑھا۔ اس کے بعد رسولؐ اسی اضطراب و پریشانی کی حالت میں گھر کی طرف پلٹے اور آپ کا جسم کانپ رہا تھا اور آپ کہہ رہے تھے مجھے چھپا دو مجھے چھپا دو، چنانچہ رسولؐ کے اوپر چادر ڈال دی گئی، کچھ دیر بعد جب رسول اسلامؐ کو آرام حاصل ہوا تو ساری داستان جناب خدیجہ سے رسولؐ نے کہہ سنائی اور فرمایا:

اے خدیجہ! مجھے اس واقعہ کے بعد سے ڈر لگ رہا ہے، جناب خدیجہ نے فرمایا: نہیں ایسا نہیں ہے خدا آپ کو کبھی ذلیل و رسوا نہیں کرے گا، کیونکہ آپ صلۂ رحمی کرتے ہیں، فقیر و مسکین کی مدد کرتے ہیں، مہمانوں کی قدر و منزلت کرتے ہیں، ہمیشہ حق و عدالت کے طرفدار رہے ہیں، اس کے بعد خدیجہ رسول اسلام (ص) کو ورقہ بن نوفل (اولاد عبد العزیٰ سے جناب خدیجہ کا چچازاد بھائی) کے پاس لے گئیں، ورقہ بن نوفل دین مسیحیت پر باقی اور عیسائیوں کے عالم تھے اور بڑھاپے کی وجہ سے آپ کی آنکھیں ضائع ہو چکی تھیں، وہ عبرانی خط سے واقف تھے اور آپ نے کافی قدیم کتابوں کو پڑھ رکھا تھا اور انجیل کے متعدد نسخے عبرانی زبان میں لکھے تھے۔

جناب خدیجہ نے ورقہ سے کہا: اپنے بھائی کے بیٹے محمدؐ کی باتیں ذرا غور سے تو سنو! ورقہ نے کہا: اے فرزند برادر! جو کچھ تم نے دیکھا ہے اسے بیان کرو؟ رسولؐ نے ورقہ کے دریافت کرنے پر ساری داستان کہہ سنائی، ورقہ نے رسول اسلامؐ سے کہا: اے محمدؐ! یہ وہی ناموس شریعت ہے جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوتا تھا، کاش کہ میں جوان ہوتا تو تیری اس وقت مدد کرتا جب کہ تجھے تیرے

ہی خاندان والے شہر بدر کر دیں گے، رسولؐ نے فرمایا: کیا مجھے شہر بدر بھی کیا جائے گا؟! ورقہ نے کہا: ہاں کیونکہ جو دین وشریعت تو لایا ہے وہ کوئی نہیں لایا مگر لوگوں نے اس سے عداوت اور دشمنی کی اور اسے اذیتیں دیں، اگر میں زندہ رہا تو تیری حتی المقدور نصرت کروں گا، ورقہ یہ کہہ ہی رہے تھے کہ آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور سلسلۂ کلام منقطع ہو گیا۔(۱)

جو روایت صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں نقل کی گئی ہے اس میں یہ جملے بھی آئے ہیں:

"رسولؐ نے خدیجہ سے کہا: "میں اپنے بارے میں ڈر محسوس کر رہا ہوں۔ **وانی خفت علی نفسی**"

البتہ اس جملہ میں ناقلین نے متعلّقِ خوف، کو حذف کر دیا ہے یعنی اس چیز کا ذکر نہیں ہے کہ رسول اسلامؐ کس چیز سے ڈر رہے تھے؟! لیکن ابن سعد نے متعلّق خوف کی دو حدیث کے ضمن میں تصریح کر دی ہے:

"وانی خشیت ان اکون کاھناً" "وانی اخشی ان یکون فی جنن"

میں ڈرتا ہوں اس بات سے کہ کہیں میں کاہن یا مجنون نہ ہو جاؤں۔(۲)

طبری نے بھی اس کو مزید وضاحت کے ساتھ عبداللہ ابن زبیر سے اس طرح نقل کیا ہے:

"ولم یکن من خلق اللہ عزوجل ابغض عَلَیَّ من شاعر او مجنون، کنت لا اطیق ان انظر الیھما، قلت: ان الابعد یعنی نفسہ لشاعر او مجنون، لا تحدث بھا عنی قریش ابدا، لاعمدن الی حالق من الجبل، فلا طرحن نفسی منہ فلا قتلھا، ولا ستر یحن ،قال: فخرجت ارید بذالک حتیٰ اذا کنت فی وسط الجبل سمعت صوتا من السماء: یقول یامحمد اانت رسولؐ اللہ " (۳)

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۱، کتاب الوحی، باب(۱) " کیف کان بدء الوحی" حدیث ۳۔ جلد ۴، کتاب بدء الخلق، باب "اذاقال احدکم آمین "حدیث ۳۰۶۲۔ جلد ۶، کتاب التفسیر، باب(۱) " تفسیر سورۂ اقرء" حدیث ۴۷۰ ۶۔ جلد ۹، کتاب التعبیر، باب "اول ما بدء بدی الوحی" حدیث ۶۵۸۱۔

مترجم: (صحیح بخاری جلد ۳، کتاب الانبیاء، باب(۲۴) "قال رجل مومن من آل فرعون" حدیث ۳۲۱۲)۔ صحیح مسلم جلد ۱، کتاب الایمان، باب "بدء الوحی برسول اللّٰہ" حدیث ۱۶۰۔

(۲) طبقات ابن سعد جلد ۱، ذکر نزول الوحی علی رسول اللہ صفحہ ۱۹۵۔

(۳) تاریخ الطبری جلد ۲، ذکر والخبر عما کان من امر رسول اللہ صفحہ ۴۹۔

پیغمبر فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک شعراء اور دیوانے بدترین اور مبغوض ترین لوگ تھے اور آپ ان کے چہرے دیکھ کر ہی نفرت کرتے تھے، لہٰذا جب آپ پر فرشتۂ وحی نازل ہوا اور اس نے پڑھنے کا حکم دیا تو آپ سمجھے کہ میں بھی شاعر یا دیوانہ تو نہیں ہو گیا ہوں؟! لہٰذا آپ نے ڈر محسوس کیا کہ اب آپ کے بارے میں بھی قریش چہ می گوئیاں کریں گے کہ یہ شاعر یا مجنون ہے، لہٰذا رسول اسلامؐ نے سوچا بہتر ہے کہ میں پہاڑ کی بلندی سے اپنے کو گرا کر ہلاک کر دوں، اسی مقصد کے تحت جب آپ پہاڑ کے درمیان آئے تو ایک آواز آئی: اے محمدؐ! تم کو منصب رسالت سے نوازا گیا ہے ڈرو نہیں۔

طبری اور ابن سعد کی روایت سے بخوبی ثابت ہو جاتا ہے کہ امام بخاری نے جو جملہ تحریر کیا ہے کہ "**اِنّی خفتُ علی نفسی**" اس کا مطلب وہی ہے جو طبری نے نقل کیا ہے: میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں کاہن اور شاعر نہ ہو جاؤں یا کہیں میرے اوپر بھی دیوانگی طاری نہ ہو جائے؟!

روایت پر اعتراضات

اگر چہ مذکورہ من گڑھت روایت سنیوں کے اکثر مؤرخین اور سیرت نگاروں نے نقل کی ہے لیکن ہم صحیحین کو اس بارے میں سب سے زیادہ قابل تنقید سمجھتے ہیں، کیونکہ صحیحین کے مؤلفین نے اسے ایک صحیح حدیث کے طور پر نقل کیا ہے، چنانچہ اس حدیث سے حسب ذیل چند باتیں استفادہ ہوتی ہیں:

۱۔ رسول خداؐ وحی قرآن اور جبرئیل کے نزول کے بعد بھی اپنی نبوت میں شک کرتے تھے اور محسوس کر رہے تھے کہ دیوانے ہو گئے ہیں یا یہ خیال کر رہے تھے کہ ان کے جسم میں جن حلول کر گئے ہیں، تا کہ ان کو کاہن یا شاعر بنا دیں! جیسا کہ جاہلیت میں یہ عقیدہ تھا اور حضرتؐ چونکہ کاہن اور شعراء سے نفرت کرتے تھے لہٰذا چاہا کہ پہاڑ پر جا کر اپنے کو نیچے گرا دیں، لیکن جناب خدیجہ اور ورقہ نے اس وہم کو دور کیا اور یاد دہانی کرائی کہ یہ مسئلہ جنوں سے مربوط نہیں ہے، بلکہ یہ وحی اور نبوت ہے، پس کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ رسولؐ پر وحی نازل ہو اور آپ کو اپنی رسالت و نبوت تک کی خبر نہ ہو اور کاہن و راہب اس بات کی مدتوں پہلے سے خبر رکھتے تھے؟!!

۲۔ کیا یہ ممکن ہے کہ خدا کسی کو مبعوث بر سالت فرمائے اور اسے اس عظیم منصب کی آ گاہی نہ دے؟!

۳۔ جو منصب رسالت پر فائز ہو رہا ہے کیا وہ وحیٔ الٰہی اور شیطانی الہام میں فرق نہیں کر سکتا؟! جب کہ حضرت عیسیٰ گہوارہ میں ہی اپنی نبوت کا اعلان کرتے ہوئے نظر آ رہے ہیں:

﴿قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ وَ آتَانِیَ الْکِتَابَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا﴾؟!(۱)

یا حضرت موسیٰ کو جب خدا نے انتخاب کیا تو آپ نے کسی طرح کی پریشانی محسوس نہیں کی بلکہ آمادہ ہو کر فرماتے ہیں: اے میرے معبود! جو تو نے مجھے کام سونپا ہے اسے میں انجام تو دوں گا مگر میرے سینہ کو کشادہ کر دے اور میرے امر کو مجھ پر آسان کر دے اور میری زبان کی گرہیں کھول دے:

﴿قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ☆ وَ یَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ☆ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ﴾؟!(۲)

۴۔ یہ کون سی انوکھی نبوت ہے کہ جو رسول کو دی جا رہی ہے اور رسولؐ اس سے خوفزدہ ہو رہے ہیں؟!

۵۔ یہ کون سی نئی رسالت ہے کہ ایک بیوی اور عیسائی کے دلاسہ دینے سے سارا تذبذب و اضطراب ختم ہو جاتا ہے؟!

۶۔ رسولؐ سے بہتر تو مقام رسالت کیلئے آپ کی بیوی اور وہ ورقہ بن نوفل ہیں جو وحی کو سمجھ کر دلاسے دے رہے ہیں؟ اور رسول اسلامؐ سے پہلے ہی اسلام کا اظہار کر رہے ہیں؟!

۷۔ جب جبرئیل نے رسول خداؐ سے کہا: اے رسولؐ! پڑھیے تو رسولؐ اسلام منع کر دیتے ہیں کہ میں نہیں پڑھ سکتا تا اینکہ دوسری دفعہ بھی انکار کر دیتے ہیں اور تیسری دفعہ وہی کلمات ادا کرنے لگتے ہیں جو جبرئیل سے کہہ رہے تھے، پس رسولؐ کا پہلی اور دوسری دفعہ یہ جملہ کہ میں نہیں پڑھ سکتا اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ رسول ابتداء میں جبرئیل کے مقصد کو نہ سمجھ پائے تھے، کیوں کہ جبرئیل کا مقصد یہ تھا کہ جو کچھ میں زبان سے ادا کر رہا ہوں رسولؐ اس کی پیروی کریں، لیکن ابتداء میں آپ یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ تختی پر لکھا ہے اسے

---

(۱) سورہ مریم، آیت ۳۰، پ۱۶۔

(۲) سورۂ طٰہٰ، آیت ۲۷، ۲۶، ۲۵، پ۱۶۔

پڑھنے کا حکم دیا جارہا ہے، یہی حال دوسری دفعہ ہوا لیکن جبرئیل نے جب تیسری دفعہ کہا تو جبرئیل کے کلمات دہرانے لگے یعنی رسولؐ پہلے یہ سمجھے کہ جبرئیل کسی شئے یا تختی کو پڑھنے کے لئے کہہ رہے ہیں اور ان کا مقصد یہ نہیں ہے کہ جو وہ ادا کررہے ہیں وہی میں ادا کروں، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا جبرئیل صحیح جملے ادا نہ کرسکے اور سمجھانے سے قاصر رہے؟ یا پھر رسولؐ کا فہم وادراک کم تھا لہٰذا جبرئیل کا مقصد نہ سمجھ سکے؟!(۱)

۸۔ جب رسول اسلامؐ نے پڑھنے سے انکار کردیا تو جبرئیل نے تین مرتبہ زور سے دبا کر اس طرح جھنجھوڑا کہ آنحضرتؐ کو اس سے شدید اذیت ہوئی، یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کیا یہ کیفیت دیگر نبیوں کے لئے بھی پیش آئی کہ جب ان پر وحی نازل ہوئی تو جبرئیل ان کو جھنجھوڑتے تھے؟ چنانچہ قسطلانی نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ یہ کیفیت گزشتہ کسی بھی نبی کو وحی کے نزول کے وقت پیش نہیں آئی اور ایسا مطلب کسی نبیؑ خدا کیلئے نقل نہیں کیا گیا، (۲) تو پھر آخری نبی کے لئے ایسا کیوں ہوا؟!(حالانکہ قرآن ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبدِيلاً﴾!!(۳)

۹۔ آخر جبرئیل رسول اسلام کو جھنجھوڑ کر کیوں زور آزمائی فرمارہے تھے؟ اس کا مطلب اور مقصد کیا تھا؟ آیا رسول اسلامؐ کی اس قسم کی اذیت دینا جب کہ رسولؐ خدا برابر کہے جارہے ہیں کہ ہم پڑھنے سے عاجز ہیں جبرئیل کے لئے جائز تھا؟! یا پھر جبرئیل اپنے بازوؤں کی قوت آزمارہے تھے اور رسول کو اپنی طاقت دکھانا چاہتے تھے؟!(اگر جبرئیل کا مقصد رسولؐ کا خوف وہراس دور کرنا تھا تو کیا آپ کو اذیت دے کر ہی خوف و ہراس دور کیا جاسکتا تھا اور کوئی دوسرا طریقہ نہ تھا؟!)

۱۰۔ اگر مسئلہ زور آزمائی کا تھا تو کیا رسولؐ میں جناب موسیٰؑ جتنی بھی طاقت نہ تھی کہ ایک طمانچہ مار کر جبرئیل کا چہرہ ٹیڑھا کردیتے؟! جیسا کہ امام بخاری نے جناب موسیٰؑ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ آپ نے

---

(۱) مذکورہ اشکال اہل سنت کی روایات کی بنا پر ہے ورنہ اہل تشیع کے یہاں رسولؐ کے پڑھنے کا مطلب وحی الٰہی کا حاصل اور تلقی کرنا ہے نہ کہ لفظی قرائت۔

(۲) ارشاد الساری جلد ۱، کتاب بدء الوحی، باب[۱]" بدء الوحی".

(۳) سورہ احزاب، آیت ۶۲، پ ۲۲.

طمانچہ مار کر ملک الموت کی ایک آنکھ پھوڑ دی تھی، جیسا کہ آپ نے اسی کتاب کی گزشتہ مباحث میں اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائی۔

یہ تھی پہلی دفعہ وحی نازل ہونے کی داستان جو حدیث شق صدر کی طرح صحیحین میں سورۂ علق کی تفسیر میں منقول ہے اور بغیر کسی تنقید وتبصرہ کے تواریخ وتفاسیر کی جدید وقدیم کتابوں میں نقل کی گئی ہے!!(۱)

اور چونکہ سنیوں میں یہ روایت اکثر وبیشتر نقل کی گئی ہے لہٰذا اس سے دھوکا کھا کر بعض شیعہ مؤلفین مانند صاحب منہج الصادقین وغیرہ نے بھی اپنی کتابوں میں بغیر تنقید وتبصرہ کے نقل کر دیا ہے، صرف علامہ طباطبائی نے اپنی تفسیر ''المیزان'' میں اس حدیث کو نقل کر کے ہدف تنقید قرار دیا ہے۔

---

(۱) در منثور، ابن کثیر، طبری، خازن، محاسن التاویل، روح المعانی، مراغی۔ اور دیگر تفسیریں۔

۲۔ کیا رسول اکرمؐ نماز بھول جایا کرتے تھے؟!

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں متعدد ایسی روایتیں پائی جاتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اسلام کو بھی کبھی کبھی نماز میں سہو و نسیان عارض ہو جاتا تھا، جس کی وجہ سے آپ کبھی کئی رکعتوں کا اضافہ اور کبھی کم کر دیتے تھے اور کبھی چار رکعت نماز کو دو رکعت پڑھا دیتے تھے اور خود اس بات کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے، بلکہ جب ماموین آپ کو یاد دلاتے تب نماز دوبارہ پڑھتے یا کمی و زیادتی کا تدارک کرتے تھے!

قارئین کرام! اس جگہ ہم علم کلام کی بحث نہیں چھیڑنا چاہتے کہ آیا انبیائے کرام کیلئے سہو و نسیان ممکن ہے یا نہیں؟ اور نہ ہی ہم صحیحین کی اس موضوع سے متعلق تمام حدیثوں کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ اس کے لئے ایک علیحدہ کتاب لکھنے کی ضرورت ہے، بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم قاری کو اس بات کی طرف متوجہ کریں کہ صحیحین میں اس موضوع سے متعلق بھی متعدد بے اساس اور جعلی حدیثیں پائی جاتی ہیں، بالفاظ دیگر ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ رسولؐ کی زندگی کے ہر موڑ کے لئے حدیث گڑھنے والوں نے حدیثیں گڑھی ہیں حتیٰ کہ عبادت کا پہلو بھی نہیں چھوڑا ہے! اور صدیوں سے مسلمان ان حدیثوں کو صحیح سمجھ کر ان کے مضمون پر عمل پیرا ہیں!

بہر حال مذکورہ موضوع سے متعلق بھی چند روایات ہم صحیحین سے نقل کرتے ہیں:

۱. ,,......عن ابی هريرة،قال: صلى بنا رسول الله(ص) احدى صلاتى العشاء، قال: ابن سِيرين سماهما ابوهريرة،ولكن نسيتُ انا،قال: فصلى بنا ركعتين،ثم سلّم فقام الى خَشَبَةٍ معروضةٍ فى المسجد،فاتّكا عليها،كَاَنَّه غَضبانُ ووضع يده اليمنى على اليسرى،وشبّك بين اصابعه ووضع خَدَّه الايمن على ظهر كفّه اليسرى،وخرجت السَّرعانُ من ابواب المسجد،فقالوا: قَصُرَتِ الصلوةُ؟وفى القوم ابوبكر وعمر،فهاباان يكلماه وفى القوم رجل فى يديه طُوْلٌ يقال له ذوا ليدين، قال: يارسولَ الله!أ نسيت ام قصرت الصلاةُ ؟قالَ: لَمْ اَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ،فقال: أكَمَا يقول ذواليدين؟فقالوا: نعم فتقدّم فصلى ماترك ثم سلّم ثم كبّر و سجد مثل سجوده او اَطْوَلَ ثم رفع راسه و كبر......"

ابن سیرین نے ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے:

ایک مرتبہ رسولؐ نے مغرب یا عشاء (شک ابن سیرین کو ہے) کی نماز ہمیں پڑھائی اور دوسری رکعت پر ہی سلام پڑھ دیا اور غصہ کی حالت میں اس خشک درخت سے تکیہ دیکر کھڑے ہو گئے جو مسجد کے وسط میں پڑا ہوا تھا اور اپنے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا اور اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کیا اور اپنے داہنے رخسار کو بائیں ہاتھ کی پشت پر قرار دیا، اسی اثناء میں جو افراد عجلت رکھتے تھے وہ سرعت کے ساتھ مسجد سے باہر نکل گئے، لوگوں نے دریافت کیا: یا رسول اللہؐ کیا نماز کم ہو گئی ہے؟ ابوبکرؓ و عمرؓ بھی لوگوں کے درمیان موجود تھے لیکن وہ بھی خوف کی وجہ سے رسولؐ سے اس بارے میں بات نہ کر سکے، چنانچہ ان میں سے ایک شخص اٹھا جس کا نام ذوالیدین تھا، اس کے ہاتھ تھوڑے سے بلند اور طولانی تھے وہ اپنے ہاتھوں کو بلند کر کے کہنے لگا: یا رسولؐ اللہ! کیا نماز کم ہو گئی ہے یا پھر آپؐ فراموش کر گئے؟! رسولؐ نے فرمایا: نہ میں نے فراموش کیا ہے اور نہ نماز کم ہوئی ہے، اس کے بعد رسولؐ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: کیا جو ذوالیدین کہتا ہے وہ درست ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں یا رسول اللہؐ! اس کے بعد رسول اسلامؐ آگے کھڑے ہوئے اور جو رکعتیں نہیں پڑھی تھیں ان کو بجالائے، اس کے بعد تکبیر کہی اور پھر نماز کی طرح کا یا اس سے طولانی سجدہ کیا اور سجدہ سے سر اٹھا کر بلند تکبیر کہی۔(۱)

---

(۱) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الصلوة، ابواب المساجد، باب (۸۸) "تشبیک الاصابع فی المسجد" حدیث ۴۶۸. جلد ۲، کتاب السهو، ابواب السهو، باب (۳) اذا سلم فی رکعتین، باب" من لم یتشهد فی سجدتی السهو" باب" من یکبر فی سجدتی السهو" جلد ۵، کتاب الادب، باب" ما یجوز من ذکر الناس" حدیث ۵۷۰۴. جلد ۹، کتاب التمنی، باب (۱۰)" ما جاء فی اجازة خبر الواحد الصدوق فی الاذان" حدیث ۶۸۲۳.

صحیح مسلم: جلد ۲، کتاب المساجد، باب" السهو فی الصلوة و السجود له" حدیث ۵۷۳.

مترجم: صحیح بخاری جلد ۱، کتاب الجماعة و الامامة، باب "هل یاخذ الامام اذا شک بقول الناس" حدیث ۶۸۲، ۶۸۳.

مسلم نے تقریباً اس مضمون کی (۱۶) روایات نقل کی ہیں جن سے استفادہ ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ پر بھی سہو و نسیان طاری ہوتا تھا! صحیح مسلم، ج ۲، کتاب المساجد، باب" السهو فی الصلوة و السجود له" مترجم.

مذکورہ روایت کہ جسے امام بخاری اور مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں کئی جگہ نقل کیا ہے اور جو دیگر صحاح میں بھی منقول ہے کئی جہات سے قابل بحث ہے:

روایت کی تحلیل و تجزیہ

۱۔ متذکرہ روایت سے استفادہ ہوتا ہے کہ جب ذوالیدین نے اعتراض کیا تو ابو ہریرہ بھی تھے، اسی وجہ سے ابو ہریرہ نے رسول کے بیٹھنے کے جزئیات اور کیفیت کو نقل کیا ہے کہ آپ غصہ کی حالت میں اس خشک درخت سے تکیہ دے کر کھڑے ہو گئے جو مسجد کے وسط میں پڑا تھا اور اپنے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا اور اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کیا اور اپنا داہنا رخسار بائیں ہاتھ کی پشت پر قرار دیا وغیرہ وغیرہ، لیکن قابل توجہ بات یہ ہے کہ کتب تواریخ میں مندرج ہے کہ ذوالیدین (۱) جنگ بدر میں شہید ہو گئے تھے۔

" فقیل له ذو الیدین و شهد بدراً و استشهدبها "(۲)

اور جنگ بدر ابو ہریرہ کے اسلام لانے سے پانچ سال قبل وقوع پذیر ہوئی تو ابو ہریرہ ذوالیدین کو دیکھنے کا کیسے دعوی کرتے ہیں؟!

۲۔ اس روایت سے استفادہ ہوتا ہے کہ بعض لوگ نماز پڑھ کر جا چکے تھے اور رسول بھی اٹھ کر ایک طرف درخت سے تکیہ دے کر کھڑے ہو چکے تھے، اس اختلاف کے باوجود رسولؐ نے نماز (معہ سجدہ سہو) کو وہیں سے شروع کیا جہاں سے دو رکعت نماز چھوٹی تھی، حالانکہ یہ مسئلہ متفق علیہ بین المسلمین ہے کہ اگر نماز کی صورت ختم ہو جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے، (کیونکہ استقبال قبلہ شرط نماز ہے) چنانچہ رسول کا یہ فعل (نماز کی صورت بگڑنے کے باوجود آپ نے نماز کو اسی جگہ سے پڑھا جہاں سے منقطع ہوئی تھی) اس حکم کے منافی

---

(۱) اس کو ذوالشمالین بھی کہتے ہیں جیسا کہ مؤطا امام مالک جلد ۱، کتاب الصلاۃ، باب [۱۵] "ما یفعل من اسلم من رکعتین ساهیا" حدیث ۶۰، سنن نسائی جلد ۳، کتاب السهو، باب [۱۱] "الصفق فی الصلاۃ" ص ۲۳. سنن دارمی جلد ۱، کتاب الصلاۃ، باب "اذا کان فی الصلاۃ نقصان ... " میں آیا ہے۔

(۲) الطبقات الکبری، ابن سعد جلد ۲ "غزوہ بدر" ص ۱۱۹. اصابہ جلد ۳، العین بعدها المیم، (۶۰۴۵)) "عمیر بن عبد عمرو بن نضلة" ص ۴۰۲ مطبوعہ: مصر، استیعاب در بیان حالات ذوالشمالین.

اور متناقض ہے جوآپ نے پہلے خود دیا تھا؟!(۱)

۳۔اس قسم کا سہو ونسیان ان لوگوں سے واقع ہوتا ہے جونماز سے بالکل غافل ہوں اور مناجات خداوندی سے بے پرواہ ہوں،اس قسم کا سہوایک ولی اللہ اور رسولؐ کے لئے مناسب نہیں، یہ سہو ونسیان تو ان لوگوں کو ہوتا ہے جواس شعر کے مصداق ہیں:

اصلّی فما ادری اذاماذکرتها　　　اثنتین صلیت الضحی ام ثمانیا

نماز (ظہر) پڑھتا ہوں لیکن جب اپنی معشوقہ کی یاد آجاتی ہے تو پتہ نہیں چلتا کہ دو رکعت پڑھی ہیں یا آٹھ رکعت۔

۴۔روایت سے استفادہ یہ ہوتا ہے کہ رسول اسلامؐ نے پہلے اشتباہ ونسیان سے انکار کیا اس کے بعد اعتراف کیا؟! پس رسولؐ کے مذکورہ جملے بتاتے ہیں کہ آپ پر سہو ونسیان عارض نہیں ہوتا اور یہ بات تمام مسلمانوں میں مسلم ہے کہ اگر آپؐ سہو ونسیان سے معصوم نہ بھی تھے تو کم از کم خلافِ واقع اور مکابرہ گوئی سے تو معصوم تھے،لہٰذا اس صورت میں آپ نے کیسے یہ فرمایا "**لم انس ولم تقصر**" اور پھر چند افراد کی شہادت پر اپنی بات سے پشیمان ہوگئے!! چنانچہ جلال الدین سیوطی شرح سنن نسائی میں قرطبی سے نقل کرتے ہیں:

قال القرطبی : هذا مشكل بما ثبت من حاله (ص) فانه يستحيل عليه الخلف ، والاعتذار عنه ......(۲)

رسولؐ کی تمام زندگی نے یہ ثابت کردیا کہ آپؐ نے اپنی تمام زندگی میں کوئی متضاد فعل انجام نہیں دیا یعنی ایسا کوئی کام رسولؐ نے انجام نہیں دیا کہ جس کی وجہ سے آپ کو بعد میں معذرت کرنا پڑی ہو، پس رسولؐ کی طرف کسی متضاد اور اختلافی فعل کی نسبت دینا درست نہیں ہے۔

---

(۱) ابن رشد نے تحریر کیا ہے : "قد انعقد الاجماع علی ا المصلی اذا انصرف الی غیر القبلة انه قد خرج من الصلوٰة " " بدایه المجتهد جلد ۱ ،باب [۱]مسئلة اولی (فمنها)صفحه ۱۴۴ .
اگر نماز پڑھنے والا قبلہ کے رخ سے پھر جائے تو وہ نماز سے خارج ہو چکا ہے اس کی نماز باطل ہے اور اس پر اجماع قائم ہے۔

(۲) شرح سنن نسائی جلد ۳،(کتاب السهو ، باب التصفيق)ص ۲۲ .

۳۔ کیا رسولؐ حالت جنابت میں نماز پڑھا دیتے تھے؟!

قارئین کرام! پیغمبر اکرمؐ کے سہو سے متعلق ابو ہریرہ کی نقل کردہ حدیث کے جعلی ثابت ہونے کے بعد مندرجہ ذیل حدیث کا بھی جعلی ہونا آشکار ہو جاتا ہے جس کو موصوف ہی نے نقل کیا ہے:

۱۔ "......عن ابی هریرة، قال: اقیمت الصلوة وعُدِلت الصُفُوف قیاما فخرج الینا رسول اللّٰهؐ، فلما قام فی مصلاه ذکر انه جنب، فقال لنا: مکانکم ثم رجع فاغتسل، ثم خرج الینا و راسه یقطر، فکبر فصلینا معه"(۱)

ابو ہریرہ نے روایت کی ہے:

نماز کی اقامت کہی جا چکی تھی اور صفیں درست ہوگئیں تھیں کہ رسول اسلامؐ نماز ادا کرنے کے لئے مسجد تشریف لائے، جس وقت آپ محراب میں آکر نماز شروع کرنا ہی چاہتے تھے کہ یاد آیا کہ آپ جنابت کی حالت میں ہیں، اس وقت رسولؐ نے ہم لوگوں سے فرمایا: تم لوگ اپنی جگہ پر اسی طرح کھڑے رہو اور اپنی صفوں کو اسی طرح برقرار رکھو! میں ابھی غسل کر کے آتا ہوں اور جب آپ غسل کر کے واپس ہوئے تو آپ کے سر وصورت سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، اس کے بعد تکبیر کہی گئی اور ہم لوگوں نے رسولؐ کے ساتھ نماز پڑھی۔(۲)

بہتر ہے کہ ہم ان دو حدیثوں کے ذیل میں صحیح بخاری کی اس حدیث کو نقل کر دیں جس میں ابو ہریرہ نے

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۱، کتاب الغسل، باب (۱۷) "اذا ذکر فی المسجد انه جنب" حدیث ۲۷۱. کتاب بدء الاذان، باب ۲۴ "هل یخرج من المسجد لعلة" حدیث ۶۱۳. ۶۱۴، باب "اذا قال الامام مکانکم حتی رجع". سنن دارمی جلد ۱، باب "فی الجنب......".

صحیح مسلم جلد ۲، کتاب المساجد، باب "متی یقوم الناس للصلوٰة" حدیث ۶۰۵.

(مسلم نے اس روایت کو اور بھی دوسرے طریق سے نقل کیا ہے۔ مترجم)

(۲) نوٹ: واہ رے ابو ہریرہ کیا تو نے احترام رسالت کا حق ادا کیا ہے!! شریعت کہتی کہ ہے جب تم مجنب ہو جاؤ تو فوراً غسل کرو لیکن برخلاف اس کے پاسبانِ شریعت خود اس حکم شریعت کو پس پشت ڈال کر صبح تک یونہی بغیر غسل کئے حالتِ جنابت میں سوتا رہے تعجب ہے!!! "استغفر اللہ من ذالک" مترجم۔

خود حدیث جعل کرنے کا اعتراف کیا ہے، قضیہ کچھ اس طرح ہے کہ جب ابو ہریرہ نے نفقہ کے بارے میں ایک ایسی حدیث بیان کی جس کا آخری ٹکڑا حدیث سننے والوں کے نزدیک قابل تضحیک اور تعجب خیز تھا، تو لوگوں نے دریافت کیا: اے ابو ہریرہ! کیا واقعاً تو نے یہ حدیث رسولؐ سے سنی ہے؟!! (چونکہ ابو ہریرہ سمجھ گئے کہ اگر حقیقت ظاہر نہ کی تو آج پول کھل جائے گی لہٰذا) آپ نے کہا: **"هذا من كيس ابی هريرة"** حدیث کا آخری حصہ میری جیب سے ہے!! (۱)

اس حدیث سے بخوبی ثابت ہو جاتا ہے کہ کچھ حدیثیں ضرور ایسی ہیں جنھیں ابو ہریرہ کی تھیلی سے رسولؐ کے نام پر کتابوں میں نقل کیا گیا ہے! لہٰذا ایسی صورت میں ہمیں کیا معلوم کہ کون سی حدیث ابو ہریرہ کی جیب والی صحیح بخاری و صحیح مسلم میں نقل ہوئی ہے اور کون سی حدیث صحیح ہے؟! ممکن ہے کہ مذکورہ دونوں حدیثیں ,,رسولؐ نماز بھول جاتے تھے! اور آپؐ حالت جنابت میں نماز پڑھادیا کرتے تھے'' بھی ابو ہریرہ کی جیب سے پیش کی گئی ہوں!! چنانچہ گزشتہ حدیث میں جو قرائن اور شواہد ہم نے نقل کئے ہیں ان سے ہماری اس بات کی تائید ہوتی ہے۔

اور رسول اسلامؐ کے غسل جنابت سے متعلق جو حدیث نقل کی گئی ہے وہ تو نہایت ہی رکیک اور غلیظ حرکت ہے، کیونکہ اس حدیث کو ابو ہریرہ اور ابو بکرہ کے علاوہ کسی اور سے نقل نہیں کیا گیا ہے، چنانچہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو دیگر راویوں سے بھی کثرت کے ساتھ نقل کی جاتی! اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرور دال میں کالا ہے!! (۲)

قارئین کرام! راویوں کی بات تو جانے دیجئے ہمیں تو علمائے اہل سنت پر تعجب ہوتا ہے کہ جنہوں نے ان جھوٹی حدیثوں سے متاثر ہو کر اپنے تمام عقائد کی عمارت ایسی ہی حدیثوں پر قائم کر رکھی ہے اور انھیں جھوٹی اور جعلی حدیثوں سے احکام اخذ کرتے ہیں! اور ان تمام حدیثوں کو صحیح اور غیر قابل شک قرار دیتے ہیں! اور پھر طرّہ کے ساتھ بدرالدین عینی جیسے افراد کہتے ہیں:

اس حدیث ''رسول حالت جنابت میں نماز میں حاضر ہو جایا کرتے تھے'' سے ثابت ہوتا ہے کہ رسولؐ پر حالت نماز میں سہو ونسیان طاری ہونا جائز تھا!! (۳)

---

(۱) صحيح بخاری جلد۵، كتاب النفقات، باب(۲) حديث نمبر ۵۰۴۰.

(۲) متذکرہ حدیث صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابن ماجہ، کتاب الصلاۃ اور سنن نسائی کتاب الامامۃ میں اور مسند احمد بن حنبل جلد۲ مسند ابو ہریرہ، ص ۲۳۷، ۲۸۳، ۳۳۹، ۴۴۸، ۵۱۸، میں صرف ابو ہریرہ سے نقل کی گئی ہے، لیکن سنن ابی داؤد جلد ۱ میں ابو ہریرہ اور ابو بکرہ دونوں سے نقل کی گئی ہے۔

(۳) عمدۃ القاری جلد۵، کتاب النفقات ص ۱۵۶، مؤلفہ بدرالدین عینی۔

۴۔ کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنین کو بغیر جرم وخطا سزا دیا کرتے تھے؟!

۱۔"عن ابی هريرة؛عن النبیؐ :اللّٰهم انّما محمد بشر يَغْضِبُ كمايغضب البشر، وانــى قــد اتــخــذت عــنــدک عهداً لم تُخْلِفَنِيْه، فَأيُّمامؤمن آذيته اوسببته(اولعنته)اوجلد ته، فاجعلهاله كفارة وقربة تقرّبهاا ليک يوم قيامه"

ابو ہریرہ نے روایت کی ہے:

رسولؐ نے فرمایا: بارالٰہا! محمد بھی عام بشر کی طرح ایک بشر ہے اور دوسرے لوگوں کی طرح میں بھی غضب ناک ہوتا ہوں، میں نے تجھ سے عہد و پیان کیا ہے اور تو یقیناً میرے عہد و پیان کو نہیں توڑے گا، لہٰذا میں اگر کسی مومن کو اذیت یا اسے گالی دوں یا اس پر لعنت کروں یا اسے تازیانے ماروں تو اس عمل کے بدلے اس کے گناہوں کو بخش دے اور اس عمل کے وسیلہ سے اسے مقرب بارگاہ قرار دے!!(۱)

۲۔دوسری حدیث میں آیا ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا:

اے خدا ! جس مومن کو میں نے گالی یا لعنت کی ہو اس کے لئے میری یہ گالی یا لعنت، پاک وسیلہ اور نیک جزا قرار دے!!(۲)

۳۔تیسری روایت میں آیا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا:

اے خدا! میں بھی دوسرے لوگوں کی طرح خوش اور ناراض ہوتا ہوں، لہٰذا جس پر بھی میں نے لعنت کی ہو اور وہ مستحق لعنت نہ تھا تو اس کے لئے یہ لعنت اپنے تقرب کا وسیلہ قرار دے!!(۳)

امام بخاری نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں کئی جگہ نقل کیا ہے اور مسلم نے تو اس کیلئے مخصوص باب درج ذیل عنوان سے قرار دیا ہے: **"باب من لعنه النبی وليس هو اهلاً"** وہ لوگ جن پر رسولؐ نے لعنت کی اور وہ مستحق لعنت نہ تھے۔

(۱-۲-۳)صحیح مسلم جلد۸، کتاب البر و الصلة، باب"من لعنه النبیؐ وليس هو اهلاًلذالک" حدیث ۲۶۰۱ .

صحیح بخاری جلد ۴، کتاب الدعوات، باب"قول النبی من آذيته فاجعل له زكاة ورحمة"حدیث ۶۰۰۰ .

ان روایات کا جواب

۱۔ اس حدیث سے استفادہ ہوتا ہے کہ رسول بھی عام لوگوں کی طرح بغیر کسی سبب کے غصہ ہو جاتے تھے اور بدون خطا مومنین کو اذیت اور گالی دیتے تھے!!

۲۔ یہ حدیث رسولؐ کے اخلاق حسنہ سے سازگار نہیں جیسا کہ ہم قرآن کی روشنی میں آنحضرتؐ کے اخلاق حسنہ کو مفصل ذکر کر چکے ہیں۔

۳۔ یہ حدیث ان احادیث کے مفہوم و مضمون سے متعارض اور مخالف ہے جنھیں خود امام بخاری، مسلم اور صحاح ستہ کے دیگر مؤلفین نے نقل کیا ہے، چنانچہ شاہد کے طور پر ہم ان میں سے صرف تین حدیثیں ذیل میں نقل کرتے ہیں:

۱۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں ایک باب اس مخصوص عنوان سے تحریر کیا ہے کہ ''نبی نہ گالیاں دیتے تھے اور نہ ہی آپ بد خلق تھے'' (**لم یکن النبی فاحشاً ولا متفحشاً**) اس باب میں آپ نے پیغمبرؐ کے حسن اخلاق سے مربوط متعدد حدیثیں نقل کی ہیں، ان میں سے ایک حدیث اس طرح ہے:

ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں:

> ایک مرتبہ کچھ یہودی رسولؐ اسلام کی خدمت میں آئے اور بجائے ''السلام علیکم'' کے، ''السام علیکم'' کہا یعنی تمہارے اوپر موت ہو (یہودی کبھی کبھی مسلمانوں کو ایسا کہتے تھے) عائشہ نے اس کے جواب میں ''علیکم السام'' کہا: یعنی تمہارے اوپر بھی موت ہو، ان جملوں کے اضافہ کے ساتھ کہ خدا تمھارے اوپر اپنا غضب نازل کرے اور تم پر لعنت کرے۔
>
> رسولؐ نے یہ سن کر فرمایا: عائشہ ساکت رہو! اپنا حسن اخلاق ہاتھ سے مت دو! گالیاں دینے سے پرہیز کرو! عائشہ نے کہا: یا رسول اللہؐ! کیا آپ نے نہیں سنا یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟!
>
> رسولؐ نے فرمایا: اے عائشہ! جو میں کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو! کیا تم نہیں جانتی کہ اگر میں ان لوگوں کے بارے میں بد دعا کروں گا تو میری بد دعا قبول ہو جائے گی لیکن ان کی بد دعا میرے حق میں ذرہ برابر بھی اثر نہ کرے گی؟ (۱)

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۸، کتاب الادب، باب (۳۸) ''لم یکن النبیؐ فاحشا و لا متفحشاً'' ←

یہ تھی امام بخاری کی بات اب سنئے امام مسلم کی! آپ نے بھی متعدد حدیثوں کے ضمن میں اس بات کو نقل کیا ہے:

۲۔ رسولؐ لوگوں کو گالی ولعنت سے روکتے تھے اور فرماتے تھے کہ اپنے حیوانوں کو بھی گالیاں نہ دو۔(۱)

۳۔ مسلم نے دوسری جگہ لکھا ہے:

کچھ لوگوں نے رسولؐ سے دریافت کیا: یارسول اللہ! آپ کفار ومشرکین پر لعنت اور ان کے لئے بدعا کریں! رسولؐ نے فرمایا: **" انی لم ابعث لعاناً وانما بعثت رحمة."** (۲)

⇐ حدیث ۵۶۸۲، ۵۶۸۳، ۵۶۸۴، ۵۶۸۵.

تحقیق مترجم:

صحیح بخاری جلد ۸، کتاب الادب ،با ب[۴]" لا یسب الرجل والدیة" حدیث ۵۶۲۸. ،باب[۳۵]" الرفق فی الامر کلہ" حدیث ۵۶۷۸. باب(۳۹)"حسن الخلق " حدیث ۵۶۸۸، باب(۴۴)" ماینهی من السباب واللعن" حدیث ۵۶۹۷، ۵۶۹۸، ۵۶۹۹، ۵۷۰۰، ۵۷۰۳ ،باب[۴۸] "ما یجوز من اغتیاب اهل الفساد" حدیث ۵۷۰۷، ،باب(۷۶)"الحذر من الغضب" حدیث ۵۷۶۴. باب[۸۲]" المدارة مع الناس" حدیث ۵۷۸۰. جلد ۳ کتاب الجهاد، باب(۲۲)"کیف الرد علی اهل الذ مة بالسلام "حدیث ۵۹۰۱.، باب[۹۸]" الدعاعلی المشرکین بالهزیمة والزلزلة" حدیث ۲۷۷۷. کتاب المناقب، باب[۲۳]" صفةالنبی" حدیث ۳۳۶۶. کتاب فضایل الصحابة، باب[۲۷] "مناقب عبداللہ ابن مسعود" حدیث ۳۵۴۹. کتاب الدعوات، باب(۵۸)"الدعا علی المشرکین "حدیث ۶۰۳۲ ،باب[۶۲]" قول النبیؐ: یستجاب لنا فی الیهود" حدیث ۶۰۳۸. جلد ۱، کتاب الایمان، باب (۳۵)"خوف المؤمن من ان یحبطوا عمله وهو لا یشعر" حدیث ۴۸. جلد ۶، کتاب الفتن، باب[۸] قول النبیؐ لا ترجعوا کفاراً حدیث ۶۶۶۵. کتاب المناقب ، باب[۴]" نسبةالیمن الیٰ اسمٰعیل" حدیث ۳۳۱۷. کتاب بدء الخلق، باب(۱۱)"صفة ابلیس وجنوده" حدیث ۳۱۰۸. کتاب الایمان، باب[۲۲]"المعاصی من امر الجاهلیة" حدیث ۳۰. کتاب العتق، باب(۱۵)" قول النبیؐ العبید اخوانکم" حدیث ۲۴۰۷. صحیح مسلم جلد ۴، کتا ب البر و الصلة، باب[۲۴]" النهی عن لعن الدواب وغیرها" حدیث ۲۵۹۵، ۲۵۹۶، ۲۵۹۷، ۲۵۹۸.

قارئین کرام! میں نے متذکرہ متعدد حوالے صحیح بخاری سے آپ کے سامنے اس لئے پیش کئے ہیں تا کہ ان کو ملاحظہ فرمانے کے بعد آپ کو خود اندازہ ہو جائے کہ جو رسولؐ اس شد ومد کے ساتھ گالی دینے کی مذمت کرتا ہو وہ خود اس مرض میں مبتلا ہو تعجب کی بات ہے! افسوس تو ان عقلوں پر ہوتا ہے جو اس قسم کی حدیثوں کو صحیح اور معتبر جانتی ہیں؟!!۱۲

(۱) صحیح مسلم جلد ۴، کتا ب البر و الصلة، باب" النهی عن لعن الدواب وغیرها" حدیث ۲۵۹۵، ۲۵۹۶، ۲۵۹۷، ۲۵۹۸.

(۲) صحیح مسلم جلد ۴، کتاب البر والصلة......باب" النهی عن لعن الدواب وغیرها" حدیث ۲۵۹۹.

خدا نے مجھے نہیں بھیجا ہے مگر یہ کہ رحمۃ اللعالمین بنا کر اور نہ ہی اس لئے کہ لوگوں کے لئے میں بددعا ولعنت کروں۔

قارئین محترم! رسول اسلامؐ عام بشر کی مانند نہیں تھے کہ جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراض ہو کر مومنین کو بے سبب گالیاں دیا کرتے! آپ خود انصاف سے بتائیں کہ جو خود ظالم، گالی دینے والا اور دوسروں پر بغیر سبب ظلم وزیادتی کرنے والا ہو، کیا ایسا شخص معاشرہ کو صدق وصفا، اخوت و بھائی چارگی، دوستی ومحبت، اتحاد و یگانگت، انصاف وعدالت کے بندھن میں باندھ سکتا ہے؟! کیا ایسے افراد خلق کی رہبری کر سکتے ہیں؟! کیا ایسی باتیں اس رسولؐ سے متصور ہو سکتی ہیں جو خلق عظیم پر فائز ہو؟!! (نعوذ باللہ) اخلاق پیغمبرؐ کا ایک نمونہ وہی ہے جسے حضرت عائشہ سے ہم نے اوپر نقل کیا کہ آپ نے عائشہؓ سے فرمایا: ان یہودیوں کو گالیاں مت دو! جبکہ وہ عائشہ کی ان کے حق میں جوابی کاروائی تھی! اور یہی نہیں بلکہ یہ لوگ اسلام کے کٹر دشمن اور اسلام کی ترقی میں سب سے زیادہ روڑے اٹکانے والے (یہودی) تھے، لیکن پھر بھی رسولؐ نے عائشہ سے کہا: انھیں برا بھلا مت کہو! ان سے نرم دلی کے ساتھ پیش آؤ! اور آپؐ فرماتے ہیں: خدا نے مجھے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے نہ اس لئے کہ لوگوں کے لئے بددعا ولعنت کروں۔

پیغمبرؐ کا اخلاق تو ایسا ہے کہ آپ حیوانوں کو گالی دینے سے منع کرتے تھے، سچ بتایئے جو پیغمبرؐ اتنا رحم دل ہو وہ مومنین کو بغیر کسی سبب اذیت دے گا اور ان پر لعنت کریگا؟!!

مذکورہ روایت گڑھنے کا ایک اہم مقصد!

تاریخ اسلام اس بات پر شاہد ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے حکم خدا کی تعمیل میں بعض مشخص افراد پر لعنت و ملامت کی تھی اور بعض کو شہر بدر کر دیا تھا، یہ وہ لوگ تھے جن کی دشمنی اسلام، رسول اسلامؐ اور خاص کر مسلمانوں کیلئے یہودیوں اور مشرکین سے زیادہ خطرناک تھی۔

(۱) متذکرہ روایت ''رسول بغیر خطا مومنین کو سزا دیتے تھے'' گڑھنے کے جہاں اور دیگر مقاصد واغراض ہیں وہاں ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ مخدوش شخصیت کو عوام الناس میں غیر مخدوش بنایا جائے۔ مترجم۔

پس چونکہ آنحضرتؐ کی لعنت وملامت اور آپ کا ان کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ ان کے لئے شرم آور ہی نہیں بلکہ چلو بھر پانی میں ڈوب مرنے کے مترادف تھا، لہٰذا (وفات رسولؐ کے بعد جب ایسے اشخاص برسر اقتدار آئے تو) انہوں نے اپنے سے اس ننگ کو دور کرنے کی خاطر (اور عوام پر اپنی سلطنت وحکومت کو قائم و دائم رکھنے کیلئے) ابو ہریرہ جیسے افراد کو مال و دولت کے ذریعہ اپنا ہمنوا بنایا، تاکہ ان جعلی حدیثوں کے ذریعہ یہ لوگ (اپنی شان نگاہِ رسولؐ میں بلند کرنے کے ساتھ ساتھ) اپنے ننگ و عار کے بدنما دھبہ کو مٹا سکیں، جسے رسول اسلامؐ ان کی خباثت بھری زندگی پر لگا گئے تھے، القصہ ابو ہریرہ جیسے جھوٹے راویوں نے ان حکام جور اور ان کے خاندان کی شان میں اور ان کے مخالفین کی مذمت میں مسلسل ہزار ہا روایتیں گڑھنا شروع کردیں اور ان لوگوں کے بعد ان کی اندھی تقلید کرنے والوں نے ان حدیثوں کی حفاظت فرمائی اور ان کے ذریعہ اپنے اور اپنے آقاؤں کے عقائد کا خوب پرچار کیا، چنانچہ ان جعلی روایتوں کی وجہ سے علمائے اہل سنت آج بھی ان جھوٹی حدیثوں کی تاویل اور توجیہ کرتے ہیں، بہر حال چند نمونے ذیل میں ہم پیش کرتے ہیں جن سے اچھی طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان جعلی روایات کی وجہ سے کیا کیا سوء استفادہ کیا گیا ہے اور پھر ان جعلی روایتوں کی وجہ سے کیسی کیسی صحیح روایات کی علمائے اہل سنت تاویل کرتے ہیں!

۱۔ مسلم نے اپنی کتاب کے ایک باب میں دس عدد سے زیادہ ایسی حدیثوں کو نقل کیا ہے جن میں رسول اسلامؐ نے کچھ افراد کو گالیاں دیں ہیں، یا ان پر لعنت کی ہے، حالانکہ وہ مستحق لعنت نہ تھے، اس کے بعد مسلم اس بات کو ثابت کرنے کیلئے کہ یہ حدیثیں موضوع اور من گڑھت ہیں فوراً بغیر کسی دوسرے باب کو قائم کئے مندرجہ ذیل حدیث کو نقل کرتے ہیں:

ابن عباس کہتے ہیں کہ جب میں چھوٹا تھا اور بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا تو اچانک رسول خداؐ کا ہمارے پاس سے گزر ہوا، میں شرم کی وجہ سے ایک دیوار کے کنارے چھپ گیا، لیکن رسول اسلامؐ نے دیکھ لیا اور مجھے طلب کر کے معاویہ کو بلانے کے لئے بھیج دیا، جب میں معاویہ کے پاس پہنچا، تو وہ کھانا کھا رہا تھا، لہٰذا میں نے واپس آکر رسول اکرمؐ سے کہا کہ معاویہ تھوڑی دیر کے بعد آئے گا کیونکہ وہ ابھی کھانا کھا رہا ہے، لیکن تھوڑی دیر کے بعد جب معاویہ نہ آیا، تو رسول اعظمؐ نے مجھے

دوبارہ بلانے کے لئے بھیجا، لیکن جب میں گیا تو معاویہ کو کھانا کھاتے ہی پایا! الغرض جب رسولؐ اسلام سے یہ ساری کیفیت میں نے عرض کی تو آپؐ نے فرمایا: ((**لا اشبع اللّٰہ بطنہ**)) خدا معاویہ کے پیٹ کو کبھی پر نہ کرے! (۱)

ناظرین محترم! مسلم کا بابِ "**من لعنه النبی ولیس هوا هلاً لذالک**" ((وہ لوگ کہ جن پر نبیؐ نے لعنت کی اور وہ مستحق لعنت نہ تھے!)) میں ایسی دس حدیثیں نقل کرنا جو نہ قرآن سے مطابقت کرتی ہوں اور نہ صحیح احادیث سے اور اس کے بعد فوراً اس معاویہ والی حدیث کا نقل کرنا، اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ آپ معاویہ سے اس ننگ و عار کو دور کرنا چاہتے ہیں جو عوام الناس میں اس وقت مشہور تھا کہ رسولؐ نے اس کے اوپر لعنت و ملامت کی ہے، گویا مسلم درحقیقت اس حدیث کو نقل کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر چہ رسولؐ نے معاویہ پر لعنت کی ہے مگر یہ لعنت خود رسولؐ کے فرمان کے مطابق معاویہ کو شامل نہیں ہے، بلکہ یہ لعنت معاویہ کے حق میں وسیلۂ تقرب ہے جیسا کہ آنحضرت نے خود فرمایا ہے:

"جو میری لعنت کا مستحق نہیں اس کے لئے میری لعنت وسیلۂ تقرب و رحمت ہے" (۲)

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمایا: مسلم نے حدیث کے حقیقی مفہوم سے ہٹ کر معاویہ پر رسولؐ کی لعنت کو قرب خدا کا وسیلہ، گناہوں کا کفارہ اور اس کے ظلم واستبداد کی جزائے خیر قرار دیا ہے!!

پس ہماری بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ اگر یہ جعلی روایات ((جو میری لعنت کا مستحق نہیں اس کے لئے میری لعنت رحمت اور وسیلہ ہے یا رسولؐ بغیر کسی سبب کے مومنین پر لعنت اور ان کو اذیت دیتے تھے اور کہتے تھے کہ جو میری لعنت و ملامت کا مستحق نہیں اس کے لئے یہ میری اذیت وسیلۂ تقرب ہے)) موجود نہ ہوتیں تو پھر معاویہ (جیسے بدکردار شخص) کے حق میں علمائے اہل سنت اس قسم کی الٹی سیدھی تاویلیں نہ کرتے!!!

۲۔ ابن حجر مکی اپنی کتاب "تطہیر الجنان" میں کہ جس کو آپ نے معاویہ کے فضائل میں تحریر کیا ہے مذکورہ حدیث (**لا اشبع اللّٰہ بطنہ**) کی تاویل میں متعدد جواب قلمبند کرنے کے بعد کہتے ہیں:

---

(۱) صحیح مسلم جلد۸، کتاب البر و الصلة، باب "من لعنه النبی و لیس هو اهلاً لذالک" حدیث ۲۶۰۴.

(۲) صحیح مسلم جلد۸، کتاب البر و الصلة، باب "من لعنه النبی و لیس هو اهلاً لذالک" حدیث ۲۶۰۴.

''حدیثِ ملامت، زبان رسالتؐ سے بغیر قصدوارادہ کے صادر ہوئی ہے (لہٰذا معاویہ مستحق ملامت نہیں ہے) نیز امام مسلم نے اس حدیث کے ضمن میں اشارہ کیا ہے: معاویہ اس لعنت کا مستحق نہیں ہے، کیونکہ آپ نے اس حدیث کو اس باب میں ذکر کیا ہے **((من لعنه النبی ولیس هوا هلاً لذالک))** وہ لوگ کہ جن پر نبیؐ نے لعنت کی اور وہ مستحق لعنت نہ تھے۔''(۱)

۳۔ عالم اہل سنت شمس الدین ذہبی نے اپنی کتاب تذکرۃ الحفاظ میں امام نسائی (صاحب سنن نسائی) کے حالات کے ضمن میں لکھا ہے:

ایک مرتبہ کچھ افراد امام نسائی سے آکر کہنے لگے: آپ معاویہ کے فضائل کیوں نہیں نقل کرتے؟ آپ نے فرمایا: معاویہ کی کون سی فضیلت بیان کروں، کیا حدیث **''لااشبع اللّٰہ بطنہ''** نقل کروں؟!

علامہ ذہبی کہتے ہیں:

اگر چہ امام نسائی اس حدیث کو معاویہ کی مذمت ومنقصت میں سمجھتے ہیں، لیکن میرے نزدیک یہ حدیث معاویہ کے لئے باعثِ فضیلت ہے کیونکہ رسولؐ کی لعنت اس شخص کو شامل ہی نہیں ہوتی جو اصلاً اس کا مستحق نہ ہو چنانچہ خود حضور اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے:

,,خدایا میری لعنت وملامت ایسے شخص کے حق میں جو اس کا مستحق نہ ہو رحمت میں تبدیل کردے اور میری لعنت وملامت کو اس کے لئے گناہوں کا کفارہ بنادے''(۲)

۴۔ ابن حجر مکی حکم اور اس کے بیٹے مروان پر رسولؐ کی لعنت سے متعلق سنیوں کی معتبر کتابوں سے مختلف طرق واسناد کے ساتھ متعدد روایات نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

''اگر چہ رسولؐ نے ان لوگوں پر بہت لعنت کی ہے مگر رسولؐ کی لعنتیں ان کو ضرر نہیں پہنچا سکتیں کیونکہ خود رسولؐ نے فرمایا ہے: میں بھی تمھاری طرح ایک بشر ہوں، اگر کسی پر لعنت کروں اور وہ مستحق نہ ہو تو میری لعنت اس کے لئے رحمت اور اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گی!!''(۳)

---

(۱) تطہیر الجنان صفحہ ۵۹ (یہ کتاب صواعق محرقہ کے حاشیہ پر چھپی ہے)۔
(۲) تذکرۃ الحفاظ، جلد ۲، الطبقۃ العاشرۃ، ۱۹۱۰/۶۵/۷، نسائی صفحہ ۶۹۹ ۔
(۳) صواعق محرقہ، ص ۱۰۸ ۔

مؤلف

فرزندان توحید! اگر گزشتہ تاویلات کو صحیح مان لیا جائے تو آیہ ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ☆ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (۱) کہاں جائے گی؟ اور اگر رسول کو عام بشر تسلیم کر لیا جائے تو آیہ ﴿اَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ﴾ اور ﴿يُوحَىٰ اِلَيَّ﴾ کی فصل ممیز کو کہاں لے جائیے گا جو عام انسانوں سے رسول کو جدا کر رہی ہے؟ پس اگر رسول کو وحی کے ذریعہ کسی پر لعنت کرنے کے لئے کہا گیا ہو تو یہ حکم خدا کی بنا پر ہے اور جو حکم خدا کی جانب سے ہو وہ کسی لعنت کے مستحق پر ہی ہو سکتا ہے؟ چنانچہ بعض نافہم مسلمانوں کے واویلا کرنے سے لعنت کا طوق اس کی گردن سے نہیں اتر سکتا؟! لہٰذا ابن حجر کی مذکورہ توجیہہ مقام رسالت میں توہین کے مترادف، آنحضرت کو ایک عام معمولی بشر جاننے کے مانند اور تعصب کی عینک لگا کر بنی امیہ کے دو نالائق افراد کی حمایت کرنا ہے۔

---

(۱) سورہ و النجم آیت ۳،۴.

۵۔ درختِ خرمہ کی داستان پیوندکاری اور رسول اکرمؐ

۱ ....، عن عائشۃ و عن ثابت بن انس، ان النبیؐ مرّ بقوم یُلَقِّحُون: فقالؐ: لولم تفعلوا لَصَلُحَ، قال: فخرج شیصاً، فمرّ بھم، فقال: ما لنخلکم؟ قالوا: قلت کذا و کذا، قال انتم اعلم بامور دنیاکم"(۱)

صحیح مسلم اور سنن ابن ماجہ میں تین حدیثیں اسی مضمون کی عائشہ اور ثابت بن انس سے نقل کی گئیں ہیں:

ایک مرتبہ رسولؐ نے کچھ لوگوں کو دیکھا جو خرمہ کے درختوں کی پیوند کاری کر رہے تھے، رسولؐ نے اس کام کی علت دریافت فرمائی! انہوں نے جواب دیا: یا رسول اللہ! یہ پیوند کاری ہے جو کھجوروں کے درختوں میں انجام دی جاتی ہے، رسولؐ نے فرمایا: اگر یہ کام ترک کر دیتے تو بہتر تھا، انہوں نے رسولؐ کے قول کے مطابق ان کھجوروں کی پیوند کاری ترک کر دی، اتفاقاً اس سال خرمہ کی ساری فصل خراب ہوگئی اور کوئی بھی خرمہ کا درخت بارآور نہیں ہوا! جب اس بات کو ان لوگوں نے رسول سے کہا تو رسولؐ نے فرمایا: جو میں نے کہا تھا وہ میری ذاتی رائے تھی، لہٰذا اس سلسلے میں میرا مواخذہ نہ کرنا، البتہ اگر کوئی حکم خدا کی جانب سے بیان کروں تو اس پر عمل کرنا ضروری ہے، کیونکہ میں ہرگز خدا پر جھوٹ نہیں باندھ سکتا۔

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا:

میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں، لہٰذا اگر دین کے بارے میں کوئی دستور دوں تو عمل کرو، لیکن اگر کوئی کام اپنی رائے سے کہوں، تو اس میں تم عمل کرنے پر مجبور نہیں ہو، تیسری حدیث میں آیا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: تم لوگ دنیاوی امور میں مجھ سے بہتر جانتے ہو!!

---

(۱) صحیح مسلم جلد۷، کتاب الفضائل، باب(۳۸)" وجوب امتثال ما قالہ شرعا دون ما ذکرہ من معائش الناس علی سبیل الرای" حدیث ۲۳۶۳. ۲۳۶۲. ۲۳۶۱، سنن ابن ماجہ جلد ۲، باب" تلقیح النخل"

حدیث کے جعلی ہونے کے شواہد

اس روایت کا جعلی ہونا اس قدر آشکار اور واضح ہے کہ بحث و تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ ان روایتوں میں سے بعض روایتوں میں آیا ہے کہ یہ واقعہ مدینہ میں پیش آیا، چنانچہ اگر اس واقعہ کا محل وقوع، مدینہ قرار دیا جائے تو اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو رسولؐ پچاس سال سے زیادہ مکہ میں رہ چکا ہو اور اس کا ایسے ہی لوگوں سے واسطہ ہو جو ہمیشہ کھجور کے درختوں اور اور ان کی پیوند کاری میں مصروف رہتے ہوں تو، کیا وہ مدینہ میں جا کر اچانک سب بھول جائے گا؟! اور اسے یہ بھی معلوم نہیں ہوگا کہ یہ پیوند کاری درختوں کیلئے کس قدر مثبت اثر رکھتی ہے؟! لہٰذا انسان سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آخر کیا وجہ تھی کہ اس روایت کو جعل کیا گیا؟!

اصل میں (صاحبانِ سلطنت و خلافت کی طرف سے) سازش یہ تھی کہ اگر کبھی حکم رسول اسلامؐ کی مخالفت کریں تو ہمارے اوپر اعتراض وارد نہ ہو کیونکہ رسولؐ نے خود فرمایا تھا: ہمارے ہر حکم کی تعمیل ضروری نہیں ہے، جیسا کہ آپ نے روایت میں ملاحظہ کیا کہ رسولؐ نے فرمایا:

''یہ میری ذاتی رائے تھی اور میری ذاتی رائے کی لوگ مخالفت کر سکتے ہیں کیونکہ میں امورِ دنیا میں لوگوں کی نسبت جاہل ہوں''

البتہ کچھ زمانے کے بعد اسی ذاتی رائے کو علمی رنگ دے دیا گیا اور اس کی اجتہاد کے نام سے شہرت کر دی گئی اور کہا گیا: ''اگر کوئی حکم رسولؐ نے صادر فرمایا اور اس کا قرآن میں وجود نہیں تو یہ حکم وحی سے ربط نہیں رکھتا، بلکہ اس کا سرچشمہ اجتہادِ رسولؐ ہے اور ظاہر ہے کہ علمی مسائل میں اگر مجتہدوں میں اختلاف ہو جائے تو کوئی حرج نہیں'' چنانچہ مناسب ہے ہم اس موضوع پر علمائے اہل سنت کے لحاظ سے قدرے روشنی ڈالیں۔

اجتہادِ رسولؐ اور علمائے اہل سنت کے اقوال

بہتر ہے کہ رسولؐ اسلام کے اجتہاد کے بارے میں پہلے علمائے اہل سنت کے نظریات نقل کر دیں اس کے بعد اس مسئلہ کی تحقیق کریں گے، چنانچہ آمدی کہتے ہیں:

علماء کے درمیان اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ جس جگہ قرآن کا صریح حکم نہ ہو آیا وہاں

رسولؐ اپنی رائے واجتہاد سے کام لیتے تھے یا نہیں؟! احمد بن حنبل، قاضی ابو یوسف، امام شافعی اور علمائے شافعیہ کا ایک گروہ اور قاضی عبدالجبار اور ابو حسین بصری کا عقیدہ یہ ہے کہ جس جگہ قرآن کا صریح حکم نہ ہو وہاں رسولؐ اپنی رائے واجتہاد سے کام لیتے تھے۔

اس کے بعد آمدی کہتے ہیں:

میرا عقیدہ بھی یہی ہے کیونکہ رسولؐ کا اجتہاد عقلاً بھی ممکن ہے اور نقلاً بھی ثابت ہے۔(۱)

چند صفحات کے بعد موصوف کہتے ہیں:

اور جو لوگ رسولؐ کے اجتہاد کے قائل ہیں ان کے درمیان اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے: آیا رسول اسلامؐ کے اجتہاد میں خطا واشتباہ بھی واقع ہوا ہے یا نہیں؟! ایک گروہ قائل ہے کہ رسول اسلامؐ کے اجتہاد میں خطا نہیں واقع ہوسکتی ہے، لیکن اکثر ہمارے اصحاب، اہل حنبل، اہل حدیث، پیروانِ جبائی اور معتزلیوں کے ایک گروہ کا عقیدہ یہ ہے کہ رسولؐ کے اجتہاد میں امکان خطا ہے۔(۲)

ڈاکٹر موسیٰ توانا(۳) اپنی کتاب **"الاجتهاد ومدى حاجتنا اليه في هذا العصر"** میں لکھتے ہیں:

اسلام میں مسئلہ اجتہاد رسولؐ اسلام سے شروع ہوا ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تمام مسائل میں اجتہاد کرتے تھے جو تبلیغ رسالت سے مربوط نہ تھے، اس کے بعد موسیٰ توانا نے اپنے عقیدہ کی تائید وتصدیق میں اسی داستانِ تلقیح سے رسولؐ کے اجتہاد کو ثابت کیا ہے۔(۴)

شیخ محمد عبدہ کہتے ہیں:

(۱. ۲) الاحكام في اصول الاحكام، جلد۴، المسئلة الاولى " هل كان النبي متعبدا بالاجتهاد...... " المسئلة الثانية ۲۹۰.

(۳) نوٹ: ڈاکٹر موسیٰ توانا کا اہل تسنن کے پایہ کے دانشور حضرات میں شمار ہوتا ہے اور افغانستان کے برجستہ اساتید میں موصوف کا نام لیا جاتا ہے، آپ کی ایک کتاب "الاجتہاد" کو جسے آپ نے ازہر یونیورسٹی میں ڈاکٹریٹ کے تھیسس کے طور پر لکھا تھا ازہر یونیورسٹی مصر کی طرف سے اعلیٰ درجہ میں قبول کرکے ۶۲۶ صفحات میں شائع کیا گیا۔

(۴) الاجتهاد ومدى حاجتنا اليه في هذا العصر.

تمام انبیاء اور ہمارے نبیؐ اس جگہ اجتہاد کرتے تھے جہاں وحی نازل نہ ہوتی تھی اور آپ حضرات کے اجتہاد میں خطا بھی واقع ہو سکتی ہے، البتہ تبلیغ وحی، اس کے بیان اور اس پر عمل کرنے میں، خطا کا امکان نہیں پایا جاتا ہے اور اس نظریہ کی تصدیق حدیث طلحہ سے ہوتی ہے، جو درخت خرمہ کی پیوند کاری کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ "**ویؤ د تفسیر القرآن حدیث طلحة فی تأبیر النخل ......**"(۱)

اہل سنت کے مشہور متکلم جناب فاضل قوشچی کہتے ہیں:

حضرت عمر کا حکم رسولؐ کی مخالفت کرتے ہوئے متعہ کو حرام قرار دینا کوئی نئی اور قابل تنقید بات نہیں ہے، بلکہ ایک مجتہد دوسرے مجتہد کے اجتہادی مسائل میں اختلاف کر سکتا ہے۔(۲)

اسی طرح قاضی القضاۃ "کتاب مغنی" میں لکھتے ہیں:

رسول خداؐ دنیاوی امور میں چونکہ اپنے اجتہاد سے دستور فرماتے تھے لہٰذا ہمارے لئے ضروری نہیں کہ ہم رسول اسلامؐ کے تمام دستورات اور اوامر کو مطابق وحی جانیں!! بلکہ وفات پیغمبرؐ کے بعد جو لوگ مجتہد تھے ان کے لئے جائز تھا کہ رسولؐ کے اجتہاد کی مخالفت کرتے، البتہ رسول کا اجتہاد حیات رسولؐ میں دیگر تمام افراد کے اجتہاد سے بہتر تھا! چنانچہ حضرت عمر کا رسولؐ کی مخالفت کرنا اور لشکر اسامہ میں جانے سے انکار کرنا آپ کے اجتہاد کی بنا پر تھا! کیونکہ حضرت عمر نے اپنے اجتہاد کی بنا پر یہ سمجھ لیا تھا کہ اس لشکر میں حکم رسول کی مخالفت کرنا بہتر ہے!!!(۳)

عرض مولف

قارئین کرام! آیا رسول خدا اجتہاد کرتے تھے یا نہیں؟ اس موضوع پر ہم تفصیل کے ساتھ کتاب کے گزشتہ بحث میں متعدد آیات کی روشنی میں بحث کر چکے ہیں اور اپنے قول کی تائید میں علمائے اہل سنت کے اقوال

(۱) تفسیر المنار جلد ۱۰، تفسیر سورۃ البرائۃ، ۴۳، صفحہ ۵۷۳.

(۲) شرح تجرید قوشچی، فصل امامت.

(۳) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، جلد ۱۷، مکتوب نمبر ۶۲. صفحہ ۱۷۶ .

بھی پیش کئے ہیں، لہٰذا مزید بحث کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، اسی طرح گزشتہ مباحث میں ہم نے ثابت کیا ہے کہ وحی کی دو قسمیں ہیں: قرآنی اور غیر قرآنی وحی، یہ دونوں قسمیں قرآن سے ثابت ہیں، لہٰذا اگر رسولؐ کی جانب سے کوئی حکم اور دستور صادر ہو اور وہ قرآن میں صریحاً نہ ہو تو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ اجتہاد ہے بلکہ وہ وحی غیر قرآنی ہے اور یہ بھی ایک قسم کا کلام خدا ہے چنانچہ ''داستان تلقیح وتابیر نخل'' کو گڑھ کر اجتہاد رسولؐ ثابت کرنا اہمیت نہیں رکھتا، پس علمائے اہل سنت کا یہ کہنا کہ آپؐ کے اجتہاد میں خطا واقع ہو سکتی ہے اور اس کیلئے واقعہ تلقیح نخل سے استدلال کرنا، بیہودہ گوئی کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

اور فاضل قوشچی کا یہ قول: ''حضرت عمر نے رسولؐ کے حکم کی مخالفت اپنے اجتہاد کی بنا پر کی تھی'' بے بنیاد بات ہے، کیونکہ رسولؐ کو امت کے کسی فرد سے قیاس نہیں کیا جا سکتا، بلکہ رسول جو کچھ کہتے ہیں وہ وہی ہے جو لوح محفوظ میں ثبت ہے، چنانچہ خدا کا یہ فرمان:

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ☆ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ☆ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ﴾(۱)

وہ تو اپنی نفسانی خواہش سے کچھ بولتے ہی نہیں، یہ تو بس وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے، ان کو نہایت طاقت ور [فرشتے جبرئیل] نے تعلیم دی ہے﴾

فاضل قوشچی کے اس نظریہ کی رد کرتا ہے کہ حکم رسولؐ کی مخالفت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں!! ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ایک مجتہد کی دوسرا مجتہد مخالفت کر سکتا ہے لیکن یہ رسولؐ کے بارے میں نہیں ہے، کیونکہ رسولؐ مجتہد نہیں بلکہ وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ قول خدا اور منشائے پروردگار کے مطابق ہوتا ہے، ان کی ہر بات نص ہے اور نص کے مقابل اجتہاد معنی ندارد!!(۲)

---

(۱) سورہ والنجم آیت ۳ تا ۵.

(۲) عرض مترجم: اگر یہی تسلیم کر لیا جائے کہ ہم رسولؐ کے حکم کی مخالفت کر سکتے ہیں تو پھر رسولؐ کے ہر حکم کی مخالفت جائز ہو جائے گی جس کا قرآن میں صریح ذکر نہ ہو، اس طرح نہ اسلام ہوگا اور نہ اسلام کے ماننے والے، نہ ہوگا بانس نہ بجے گی بانسری حالانکہ اسلام کے ۹۰% احکام قرآن میں مجمل کئے گئے ہیں، مثلاً پنجگانہ رکعتوں کی تعداد قرآن میں نہیں بیان کی گئی ہے، جو کچھ بتلایا ہے وہ رسولؐ نے ہی بتلایا ہے اب اگر ہم اسے اجتہادِ رسولؐ کہیں تو کل سے ہر آدمی اپنا اپنا اجتہاد کر کے رکعتوں کو بڑھا دے گا یا گھٹا دے گا! فاضل قوشچی اگر زندہ ہوتے تو میں ان سے کہتا کہ حضور نماز پنجگانہ کی رکعتوں میں ایک روز جماعت کے اندر اپنا اجتہاد کیجئے گا پھر دیکھئے گا عوام آپ کی کیا خبر لیتے ہے! آپ سے بہتر تو وہ جاہل عوام ہے جو قول رسول کو قول خدا سمجھتی ہے!! خدا ہی سمجھے ایسے لوگوں سے!۱۲.

۶۔ کیا رسول اسلامؐ پر بھی جادو کا اثر ہو جاتا تھا؟!

حضرت رسالتمآب ﷺ سے متعلق حقیقت سے کوسوں دور مطالب میں سے ایک مطلب یہ بھی صحیحین میں نقل کیا گیا ہے کہ آپ پر جادو کا اثر ہو جاتا تھا، جس کی وجہ سے آپ ایسے افعال انجام دیتے تھے جو آپ کی شان کے مناسب نہیں تھے!

قارئین کرام! یہ وہ نسبت ہے جس سے دشمنان اسلام نے سب سے زیادہ غلط فائدہ اٹھا کر ہمیں ہدف تنقید قرار دیا ہے۔(۱) اور یہ روایت حضرت عائشہ سے مروی ہے:

۱ ۔ ,,......عن عائشة؛ قالت: سُحِر رسولُ اللّٰه ،حتى انه ليخيل اليه انه يفعل الشي ومافعله، حتى اذا كان ذات يوم وهو عندى دعا اللّٰهَ، ودَعاه،ثم قال:اشعرت يا عائشة! ان اللّٰه قد افتاني فيمااستفتيته فيه،قلت:وماذاک یا رسول اللّٰه؟ قال: جاء نی رجلان فجلس احدهما عند راسي والآخر عند رِجلَيَّ، ثم قال احدهما لصاحبه،ما وجع الرجُل؟قال:مطبوب، قال:ومَنْ طَبّه؟قال:لبيد بن الاعصم اليهودى من بنى زريق، قال:فيماذا؟قال: في مشط ومشاطةٍ وجُفّ طلعةٍ ذَكَرٍ،قال: فاين هو؟ قال: في بئر ذی اروان، قال: فذهب النبیؐ في اناس من اصحابه الى البئر، فنظر اليها،وعليها نخل، ثم رجع الى عائشة، فقال:واللّٰهِ لَكَانَّ مائُها نُقَاعة الحِنّاء وَلَكَاَنَّ نخلَها رئووس الشياطين، قلت: يا رسولَ اللّٰه! افاخترجته، قال:لا .اماانا فقد عافاني اللّٰهُ وشفاني، وخشيت ان اُثَوّرَعلى الناس منه شر اًفامر بها فَدُفِنَت..“

عائشہ نے نقل کیا ہے:

ایک مرتبہ (لبید بن اعصم یہودی نے) رسول خداؐ کے اوپر جادو کر دیا جس کے اثر سے رسولؐ کی یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ آپ خیال کرتے تھے کہ فلاں فلاں امور انجام دے دیے ہیں حالانکہ وہ امور

(۱) اس موضوع کی مفصل بحث انشا......مؤلف کی کتاب اسلام اور......میں ملاحظہ فرمائیں۔

انجام نہ دیئے ہوتے تھے، چنانچہ ایک روز میرے پاس بیٹھے دعا پڑھے جا رہے تھے اور مجھ سے کہا: اے عائشہ! کیا تم نے سمجھا کہ خدا نے میری درخواست کا جواب مثبت دیا ہے؟ میں نے کہا: کیسے یا رسول اللہ؟ فرمایا: دو مرد میرے پاس آئے اور ایک بالائے سر بیٹھ گیا اور دوسرا پیر کی جانب، پھر ایک نے دوسرے سے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ اس مرد (رسولؐ) کو کیا مرض ہے؟ اس نے کہا: اس کو سحر کر دیا گیا ہے؟ کہا کس نے سحر کیا ہے؟ کہا: قبیلہ زُریق سے تعلق رکھنے والے لبید بن اعصم نے، جو یہودیوں میں سے ہے، ایک نے پوچھا، کس شئے کے ذریعہ جادو کیا گیا ہے؟ تو دوسرے نے کہا: بال، کنگھی اور شگوفۂ نر کی چھال سے......، اس نے کہا: کس جگہ ہے؟ دوسرے نے کہا ذی اروان کنویں میں۔

راوی کہتا ہے: اس کے بعد رسولؐ اپنے کچھ اصحاب کو لے کر اس کنویں تک گئے، دیکھا وہاں ایک کھجور کا درخت ہے، اس کے بعد عائشہ کے پاس آئے اور کہا: قسم خدا کی اس کنویں کا پانی جادو کی وجہ سے متغیر ہو گیا ہے اور مہندی کے مانند اس کا پانی ہو گیا ہے، اس جگہ خرموں کے درخت تو شیاطین کے سروں کی طرح ہیں!! عائشہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے اس سحر کو ختم کر دیا؟ فرمایا: نہیں، کیونکہ خدا نے مجھے شفا اور عافیت دیدی ہے اور اس جادو کو باہر نکالا جائے تو لوگوں میں اختلاف و شر پھیلنے کا اندیشہ ہے، اس کے بعد رسولؐ نے حکم دیا کہ اس کنویں کو پر کر دیا جائے۔(۱)

یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں کتابوں میں صرف عائشہ سے نقل کی گئی ہے، لیکن صحیح بخاری میں (ایک مقام پر) اس طرح حدیث نقل کی گئی ہے:

"کان رسول اللہ سحر حتیٰ کان یریٰ انه یأتی النساء ولا یاتیھن، قال سفیان وھذا اشد ما یکون من السحر اذا کان کذا...... "

---

(۱) صحیح بخاری: ج۴، کتاب بدء الخلق، باب" صفة ابلیس وجنوده" حدیث۳۰۹۵، ج۳، کتاب الجزیة، باب(۱۴) "ھل یعفی عن الذمی اذا سحر" حدیث ۳۰۰۴، ج۵، کتاب الطب، باب" السحر" حدیث۵۴۰۳، باب"ھل یستخرج السحر" حدیث۵۴۳۲، ۵۴۳۳ ، کتاب الادب، باب (۵۶) " ان الله یأمر بالعدل والاحسان " حدیث۵۷۱۶، کتاب الدعوات، باب" تکریر الدعا" حدیث ۶۰۲۸.
صحیح مسلم جلد ۷، کتاب السلام، باب(۱۷)"السحر" حدیث۲۱۸۹.

یعنی آپ کے ذہن پر اس قدر جادو کا شدید اثر ہو گیا تھا کہ آپ کبھی یہ خیال کرتے کہ اپنی بیویوں کے ساتھ جماع کر چکے ہیں، حالانکہ جماع نہ کئے ہوتے تھے!!

سفیان کہتے ہیں: اس طریقہ کا سحر سب سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔(۱)

عرض مؤلف

چونکہ متذکرہ واقعہ کا ذکر بعض مؤرخین اور مفسرین نے بھی کیا ہے لہٰذا اس کی تفصیل اور عمیق تحقیق وتنقید دوسری جگہ کے لئے موکول کرتے ہیں انشاءا...... کسی مناسب وقت پر اس کی تحقیق کی جائے گی اس وقت ہم اس جگہ محقق جناب ہاشم حسنی کے قول کو نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں جس کو موصوف نے مذکورہ حدیث کے بارے میں اپنی کتاب "**دراسات في الكافي والصحيح للبخاري**" میں نقل کیا ہے، آپ فرماتے ہیں:

"جس واقعۂ سحر النبیؐ کو عائشہ نے نقل کیا ہے اس کا لازمہ یہ ہے کہ رسولؐ خدا کی جادو کی وجہ سے عقل زائل ہو چکی تھی اور جادو اس قدر شدید تھا کہ آپ اشیاء میں تشخیص اور تمیز دینے کی قوت کھو بیٹھے تھے، چنانچہ ممکن تھا آپؐ خیال کرتے کہ نماز پڑھ چکے ہیں، حالانکہ نماز نہیں پڑھی تھی اور بعض موقعوں پر ایسے افعال انجام دینے کو سوچتے جو نبوت اور شؤون انسانیت کے خلاف تھے، کبھی یہ خیال کرتے کہ ان پر وحی نازل ہو چکی ہے حالانکہ وحی نازل بھی نہ ہوئی تھی وغیرہ وغیرہ، اگرچہ میں نے ارادہ کیا تھا کہ اس کتاب میں کسی پر تنقید وتبصرہ نہ کروں گا اور نہ کسی کے عقیدہ پر حملہ کروں گا لیکن اس جگہ اپنے اوپر واجب اور لازم سمجھتا ہوں کہ صراحت کے ساتھ تنقید اور تبصرہ کروں اور کہوں کہ جن افراد نے ایسی بیہودہ اور فرسودہ حدیثیں اپنی کتابوں میں نقل کی ہیں، یہ لوگ خود دیوانے اور سحر زدہ ہیں، کیونکہ ان لوگوں نے نہ یہ سوچا کہ کیا لکھ رہے ہیں، اور نہ یہ فکر کی کہ کیا نقل کر رہے ہیں؟ بلکہ صرف نقل کرنے پر اکتفاء کی؟ کم سے کم اپنے منقولات پر تھوڑا سا غور تو فرما لیتے! یہ کیسے ممکن ہے کہ جو رسولؐ وحی کے اشارہ پر زبان کھولتا ہو۔(۲)

---

(۱) صحیح بخاری، جلد۵، کتاب الطب، باب(۴۹)"هل يستخرج السحر"حدیث ۵۴۳۲ .

(۲) ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ☆ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾

وہ شعبدہ اور جادوگروں کا شکار ہوکر اپنی عقل وشعور کھو بیٹھے؟! اور پھر خداوند متعال تمام لوگوں پر فرض کرے کہ اس کی اطاعت اور پیروی کریں؟! ایسا ناممکن ہے کیوں کہ شخص مسحور کبھی نامناسب مطالب اپنی زبان پر لاتا ہے اور کبھی ایسے افعال انجام دیتا ہے جو دوسروں کے لئے غیر شائستہ محسوب ہوتے ہیں، اسی طرح کبھی ایسا شخص اپنا ادراک وشعور بھی یکبارگی کھو بیٹھتا ہے اور کبھی اپنی عقل بھی کلی طور پر زائل کر بیٹھتا ہے، چنانچہ اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ نبی مسحور ہوئے، تو پھر خدا کے اوپر حرف آتا ہے! خدا نے اس کی اطاعت ہر حال میں کیوں فرض کی"؟(۱) (۲)

---

(۱) دراسات فی الکافی و الصحیح البخاری ص۲۴۷.

(۲) اس حال میں اُس کی اطاعت اور پیروی اٹھانے کے لئے کوئی آیت قرآن میں نازل کرے، حالانکہ ایسی کوئی آیت قرآن میں موجود نہیں یا پھر ماننے کہ خدا نے بیہودہ اور شان انسانیت کے خلاف افعال میں بھی پیروی کرنے کی اجازت دی ہے اور یہ خدائے حکیم کے لئے قبیح ہے لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ نبی کو نہ سحر ہوا اور نہ آپ کی عقل زائل ہوئی، حقیقت یہ ہے کہ خود راوی اور ناقل حدیث کی عقل زائل ہوگئی تھی جس نے بغیر سوچے سمجھے اس طرح کی روایت نقل کردی۔ مترجم.

۷۔ قصۂ لدود اور ازواج رسولؐ

محترم قارئین! آپ نے گزشتہ بحثوں میں متعدد جعلی حدیثیں ملاحظہ فرمائیں جو صحیح بخاری و صحیح مسلم میں موجود ہیں، انہیں جعلی اور من گڑھت حدیثوں کی مانند ایک اور حدیث ہم آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جس میں راوی نے رسول خداؐ کی طرف یہ نسبت دی ہے کہ آپ اپنی آخر حیات میں لوگوں کو بغیر کسی جرم و خطا سزا دیا کرتے تھے اور سزا بھی ایسی چیز پر جس پہ عقل انسانی خندہ زن ہو۔

حدیث کا خلاصہ

اس حدیث کو "حدیثِ لدود" کہتے ہیں، اس کا قضیہ یہ ہے کہ جب رسول اسلامؐ اپنی حیات کے آخری ایام، حالت مرض میں گزار رہے تھے تو ایک دفعہ بیہوشی کی حالت میں آپ کی بیویوں یا آپ کے اصحاب کی رائے کے مطابق ایک تلخ دوا تیار کی گئی اور اسے رسولؐ کے دہن مبارک میں (جبر و اکراہ کے ساتھ) ڈالا گیا، (حالانکہ رسول اسلامؐ برابر منع فرماتے تھے) بہر حال جب آپ کو افاقہ ہوا تو محسوس کیا کہ کوئی تلخ آور دوا آپ کے منھ میں ڈالی گئی ہے، لہٰذا آپ نے غصہ کی حالت میں قسم کھائی اور کہا: اس جرم کی سزا یہ ہے کہ تمام حاضرین مجلس کے منھ میں یہ دوا زبردستی ڈالی جائے سوائے عباس (آپؐ کے چچا) کے، چنانچہ رسولؐ کے دستور کے مطابق تمام لوگوں کے منھ میں دوا ڈالی گئی، سوائے عباس کے، یہاں تک کہ جب آپ کی بیویوں کی باری آئی تو آپ کی ایک بیوی جس کا نام میمونہ تھا اس نے کہا: میں روزہ سے ہوں، لیکن کسی نے اس کا خیال نہ کیا اور ان کے منھ میں زبردستی دوا کو ڈال دیا گیا، کیونکہ رسولؐ کا یہی تاکیدی حکم تھا، اس حدیث کو عائشہ سے امام بخاری اور مسلم نے اس طرح نقل کیا ہے:

,,......قالت عائشة: لَدَدْنَاه في مرضهٖ، فجعل يشير الينا اَلّاتَلُدُّوني، فقلنا: كراهيَةَ المريض للدواء، فلمّا افاق، قال: الم انهكم ان تَلُدُّوني؟ قلنا: كراهيةَ المريض للدواء، فقالَ: لايبقى احدٌ في البيت اِلاّ لُدَّ وَاَنا انظر الاالعباس، فانه لم يَشْهَدْ كم"

عائشہ سے منقول ہے:

جب آنحضرتؐ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو ہم لوگوں نے آپ کے دہن اقدس میں ایک کڑوی دوا ڈال دی، جبکہ آپ اشارے سے ہم لوگوں کو دوا ڈالنے سے منع کر رہے تھے، لیکن ہم لوگ نہ مانے، کیونکہ ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ چونکہ آپ مریض ہیں لہٰذا دوا کھانے سے منع فرما رہے ہیں، چنانچہ جب آپ ہوش میں آئے تو فرمایا: کیا میں نے تم لوگوں کو دوا ڈالنے سے منع نہیں کیا تھا؟ ہم نے کہا: ہم سوچ رہے تھے کہ آپ اپنے مرض کی وجہ سے منع کر رہے ہیں؟! اس کے بعد آپ نے حکم دیا: اس گھر میں موجود تمام افراد کے منھ میں میری آنکھوں کے سامنے یہ کڑوی دوا ڈالی جائے، سوائے عباس کے کیونکہ وہ اس وقت موجود نہ تھے۔(۱)

مذکورہ روایت کی جانچ پڑتال

چونکہ اس واقعہ سے مربوط تمام حدیثوں کی معہ متن وسند، طول وتفصیل کے ساتھ تحقیق وتنقید ہماری کتاب کی گنجائش سے باہر ہے لہٰذا ہم صرف مذکورہ احادیث کے متن، اس کے مدارک اور اس میں موجود قابل غور نکات کی تحقیق کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں، چنانچہ سب سے پہلے متن حدیث میں جو مطلب انسان کی توجہ کو جذب اور اس حدیث کے جعلی ہونے کی تائید کرتا ہے وہ حدیث کے مفہوم کا تضاد اور تناقض ہے، ذیل میں اس کے ہم تین مورد نقل کرتے ہیں:

۱۔ اکثر حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ رسولؐ کو جب افاقہ ہوا تب آپ متوجہ ہوئے کہ آپ کے دہن اقدس میں تلخ دوا ڈالی گئی ہے، حدیث کا جملہ یہ ہے: **"وافاق فعرف انه قد لَدّوا و وَجَدَ الاثر اللدود"**(۲)

---

(۱) صحیح بخاری: جلد ۶، کتاب المغازی، باب(۸۵) "مرض النبی ووفاته" حدیث۴۴۵۸، جلد ۷، کتاب الطب، باب(۲۱)" اللدود" حدیث۵۳۸۲.

مترجم: (جلد ۹، کتاب الدیات، باب(۱۳)" القصاص بین الرجل والنساء فی الجراحات" حدیث۲۹۴۲). باب[۲۱]"اذا اصاب قوم من رجل هل یعاقب اویقتص منهم کلهم" حدیث ۱۵۰۶.

صحیح مسلم جلد ۷، کتاب السلام، باب(۲۷)" کراهیة التداوی باللدود" حدیث۲۲۱۳.

(۲) مسند احمد بن حنبل جلد۶، حدیث عائشة، خطبة ۲۳۵، صفحه ۱۱۸.

لیکن جو حدیث ہم نے صحیح بخاری و مسلم سے نقل کی ہے اس میں یہ ہے کہ جس دم رسولؐ کے دہن مبارک میں یہ کڑوی دوا ڈالی جا رہی تھی اسی وقت آپؐ متوجہ ہو چکے تھے چنانچہ اس عمل کو انجام دینے سے آپ نے روکا بھی، حدیث کے جملے یہ ہیں:

"فجعل یشیر الینا ان لاتلدونی.." "فلما افاق قال الم انهکم ان تَلُدُّونی"

پس یہ ایک تضاد ہے جو ان روایات میں پایا جاتا ہے۔

۲۔ صحیح ترمذی اور دیگر تمام علمائے اہل سنت کی روایات کے مطابق جناب عباس (رسول اسلامؐ کے چچا) ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے رسولؐ کے دہن مبارک میں دوا ڈالی **"لده العباس و اصحابه"**(۱)

لیکن ابن ابی الحدید کے قول کے مطابق جناب عباس نے دوا ڈالنے سے گریز کیا تھا **"فاجمعوا علی ان یلدوه فقال العباس لا الده"** (۲) اور صحیحین کی روایت کے مطابق عباس اس قضیہ کے وقت موجود ہی نہیں تھے بلکہ اس کام کے تمام ہونے کے بعد وارد ہوئے **"الا العباس فانه لم یشهد کم ......"** پس دوا ڈالنے والوں کے درمیان بھی اختلاف پایا جاتا ہے!! یہ دوسرا تضاد ہے جو ان روایات میں موجود ہے۔

۳۔ کن لوگوں کے منہ میں دوا ڈالی گئی؟ احمد بن حنبل کے نقل کے مطابق جو اصحاب وہاں موجود تھے ان کے اور تمام بیویوں کے منھ میں بحکم رسولؐ دوا ڈالی گئی۔ (۳) اور دوسری حدیث میں احمد بن حنبل کے نقل کے مطابق آیا ہے کہ رسولؐ کے دہن اقدس میں دوا ڈالنے والوں میں حضرتؐ کی بیویوں کے علاوہ کوئی دوسرا نہ تھا لہٰذا آپ کو افاقہ ہونے کے بعد دوا بھی انھیں لوگوں کے منھ میں بحکم رسول ڈالی گئی:

"عن العباس انه دخل علی رسول اللهؐ، وعنده ازواجه فاستترون منه الامیمونه، فقال لایبقی فی البیت احد شهد اللد الالد."(۴)

---

(۱) سنن ترمذی جلد ۳، ابواب الطب عن رسول الله "باب [۲۱] "ما جاء فی الحجاب" صفحه ۲۶۵.
الفائق فی غریب الحدیث ، زمخشری جلد ۳ ، اللام مع الدال ، صفحه ۱۹۸.

(۲) شرح نهج البلاغه ابن ابی الحدید جلد ۱۳ ، خطبة ۲۳۵ ، صفحه ۳۱.

(۳) مسند احمد جلد ۱ ، حدیث عائشة ، ص ۱۱۸.

(۴) مسند احمد ابن حنبل جلد ۱ ، حدیث العباس بن عبد المطلب ، صفحه ۲۰۹. جلد ۶ ۱۸۱.

مذکورہ تینوں باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ روایتوں کا تضاد ان کے جعلی اور چنڈوخانے کی روایت ہونے کی دلیل ہے۔

۴۔ اگر آپ روایت کے تضاد سے ایک لحہ کے لئے چشم پوشی کر بھی لیں پھر بھی عقل یہی کہتی ہے کہ جو شخص منصب رسالت پر فائز ہو ﴿اور جس کی زبان پر وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُوْحٰی ۱) کی مہر لگی ہو ﴾ وہ ایک ایسا فضول حکم صادر کرے گا جس کا کوئی فائدہ اور ما حصل نہیں؟! آیا ایسا فعل مقام رسالت ونبوت کیلئے زیب دیتا ہے؟! کیونکہ تمام حدیثوں میں آیا ہے کہ رسولؐ نے یہ عمل تاکید اور قسم کے ساتھ بدلہ لینے کی غرض سے انجام دلوایا: "لقسم رسول الله عقوبةلهم بما صنعوا". (۲)

مذکورہ روایت پر چند اشکال

۱۔ اکثر حدیثوں کے مضمون سے استفادہ ہوتا ہے کہ جب آپؐ ہوش میں آئے تب متوجہ ہوئے کہ منھ میں کڑوی دوا ڈالی گئی ہے، چنانچہ ان حدیثوں کے مطابق رسولؐ نے پہلے سے کسی کو منع نہیں کیا تھا، لہٰذا جب آپ نے کسی کو منع ہی نہ کیا تھا تو پھر دوسروں کو کیسے مخالفت پر سزا دے سکتے ہیں؟! کیونکہ دوا کا کڑوا پن ہوش میں آنے کے بعد آپ نے محسوس کیا، لہٰذا حکم رسولؐ کی مخالفت تو اس وقت ہوتی جب آپ پہلے سے منع فرماتے؟! پس جب آپ نے منع نہیں کیا تو ان لوگوں کو کس مخالفت اور جرم کی سزا دی گئی؟

۲۔ اگر دوسری روایت کو قبول کیا جائے کہ دوا ڈالتے وقت رسولؐ آگاہ ہو چکے تھے اسی لئے آپ نے منع فرمایا تھا، تو پھر ان لوگوں کی مخالفت کو ایسا جرم نہیں کہہ سکتے کہ جس کی بنا پر یہ لوگ سزا کے مستحق قرار پائیں، کیوں کہ ان لوگوں کی مخالفت اِس توجیہ کی بنا پر تھی: چوں کہ مریض اکثر دوا کھانے سے انکار کرتا ہے اسی وجہ سے حضرتؐ کے منع کو بھی لوگوں نے زیادہ اہمیت نہیں دی۔

۳۔ اگر یہ فرض کیا جائے کہ تمام حاضرین اس عمل کے انجام دینے میں مشورةً موافق تھے، لیکن تمام لوگوں نے ملکر دوا نہیں ڈالی تھی، بلکہ کچھ لوگوں نے یہ کام کیا، تو پھر سارے لوگوں کے منھ میں سزا کے طور پر دوا کیوں

---

۱ سورۂ والنجم۔ آیت ۳.

(۲) شرح ابن ابی الحدید جلد ۱۳، خطبة ۲۳۵، ص ۳۲ .

ڈالی گئی؟ ایک دو افراد کے جرم پہ تمام لوگوں کو سزا کیوں دی گئی؟ کیا یہ ایسا ہی نہیں کہ ایک شخص نے قتل کیا ہو اور سزا میں جو جو قتل پر راضی تھے ان سب کو قتل کیا جائے، حالانکہ قرآن کی رو سے ایک شخص کے جرم کی وجہ سے دوسرے کو سزا نہیں دی جا سکتی: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی﴾ (۱)

۴۔ کیا کوئی عقلمند انسان ایسا کام کر سکتا ہے کہ لوگ اس کے صحیح ہونے کی دوا دیں اور وہ اس کے بدلے بجائے شکریہ کے انہیں سزا کا مرتکب سمجھے؟! یہ بات تو ایک عام آدمی سے بھی صادر نہیں ہوتی رسولؐ تو اس سے کہیں بلند و بالاتر ہیں، (ارے یہ رسولؐ تو وہ ہے جس نے اپنے چچا کے قاتلوں کو بخش دیا اور جن لوگوں نے آپؐ پر ڈھیلے برسائے ان کو معاف کر دیا، وہ ذرا سی تلخ دوا میں لوگوں کو سزا دینے لگے تعجب خیز بات ہے؟!)

چنانچہ ابن حجر کہتے ہیں: رسولؐ اس ذات والا صفات کا نام ہے جس نے اپنی تمام زندگی میں اپنے ذاتی حق کو معاف کر دیا، حتیٰ کہ دشمنوں کو بھی مژدۂ عفو دے کر اسلام کا پیغام سنایا۔ (۲)

حدیث لدود گڑھنے کا سبب

محترم قارئین! آپ نے گزشتہ اوراق میں ملاحظہ فرمایا: بعض لوگوں پر رسولؐ نے لعنت کی تھی جیسے **"لعن الله من تخلف عن جیش اسامه"** **"لا شبع الله بطنه"** چنانچہ انہیں اس لعنت سے بچانے کیلئے ایسی احادیث گڑھی گئیں جن سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ جن پر رسولؐ نے لعنت فرمائی ہے یہ لعنت اور ملامت ان افراد کے لئے مایۂ افتخار اور بلندی کا سبب ہے نہ کہ ان میں مذمت کا پہلو پایا جاتا ہے، کیونکہ (بقول جعلی حدیثوں کے) خود آنحضرتؐ نے فرمایا ہے: "میری لعنت غیر مستحق کو مثل دعا و رحمت ہے"!

چنانچہ حدیث تلقیحِ درختِ خرمہ اس لئے جعل کی تا کہ خلفاء نے رسالتمآبؐ کے بعد جو اسلامی قوانین کی مخالفت اور آنحضرتؐ کے حکم کی نافرمانی ہو، اس کی توجیہہ و تاویل کی جا سکے، یعنی یہ کہا جا سکے کہ ایک مجتہد دوسرے مجتہد کی مخالفت کر سکتا ہے (گویا جس طرح آنحضرتؐ نے تلقیحِ خرمہ کے باب میں اجتہاد کیا اور اشتباہ

---

(۱) سورۂ انعام، آیت ۱۶۴، پ ۸۔

(۲) فتح الباری جلد ۸، باب مرض النبیؐ صفحہ ۱۱۲.

کے مرتکب ہوئے، اسی طرح اگر خلفاء اجتہاد کریں اور اس میں اشتباہ ہو جائے تو کوئی حرج نہیں)۔

بہرحال حدیث لدود، پیغمبرؐ کی شان میں ایک بہت بڑی توہین ہے جسے آج دشمنان اسلام ایک اسلحہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں، چنانچہ اس کے جعل کرنے کے دیگر اسباب کے ساتھ ساتھ مندرجہ ذیل دو سبب کے وجود کا زیادہ احتمال پایا جاتا ہے:

۱۔ خاندان عباس کی فضیلت بیان کرنے کے لئے بنی عباس کے ہاتھوں بکے ہوئے راویوں نے اس حدیث کو گڑھا ہے، کیونکہ بنی عباس کے خاندان کا اپنی خلافت کی خاطر ماحول سازگار کرنے کیلئے دوران خلافت ہی میں نہیں بلکہ شروع سے یہ سیاست تھی کہ جہاں تک ہو سکے، اپنے خاندان کے بارے میں احادیث فضیلت کے انبار لگا دیں تا کہ تمام فضائل کا رخ خاندان بنی عباس کی طرف ہو جائے، چنانچہ جناب عباس سے لے کر بنی عباس کے خاندان کے چھوٹے سے چھوٹے فرد کے حق میں حدیث گڑھنے کی کوشش کی گئی، چاہے اس سے خود رسولؐ کی اہانت ہی کیوں نہ ظاہر ہوتی ہو، لہٰذا واقعہ لدود میں بھی کچھ ایسا ہی نظر آتا ہے، فقط اس خاندان کے ایک فرد (جو کہ اس خاندان کے جد اعلیٰ کہلاتے ہیں) کی ایک فضیلت بیان کرنے کیلئے اس حدیث کو گڑھا گیا ہے، کیونکہ پوری روایت میں صرف ایک مورد ایسا ہے جہاں سب روایتیں متفق ہیں، وہ یہ کہ عباس کے منھ میں دوا نہیں ڈالی گئی اور بقیہ تمام حضارِ مجلس کے منھ میں دوا ڈالی گئی، یہاں تک کہ میمونہ جو روزہ دار تھیں ان کے منھ میں بھی دوا ڈالی گئی! اور یہی نہیں بلکہ اہل بیت اطہار علیہم السلام کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا گیا ہے، نہ حضرت علیؑ، نہ حسنینؑ اور نہ جناب فاطمہ زہراؑ۔

۲۔ ہوسکتا ہے خلیفۂ دوم کے قول کی تائید میں اس روایت کو گڑھا گیا ہو کیونکہ خلیفۂ دوم نے رسول اسلامؐ کے آخری ایام میں آپ سے کہا تھا: **"انه ليهجر"**(۱) (اس مرد کو چھوڑ دو معاذ اللہ) یہ ہذیان بک رہا ہے!! اس روایت سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ رسولؐ آخری وقت میں اپنے حواس کھو چکے تھے! جس کی وجہ سے آپ دیوانے جیسے کام انجام دے رہے تھے! کبھی کہتے تھے: ان تمام لوگوں کے منھ میں دوا ڈالو! اور کبھی کہتے تھے: مجھے قلم و دوات دیدو تا کہ تمھارے لئے کوئی ایسی چیز لکھدوں جو تمھیں گمراہی سے بچالے وغیرہ وغیرہ!!

(۱) اس موضوع سے متعلق مفصل بحث کتاب کے دوسرے حصہ میں "واقعہ قرطاس" کے عنوان کے تحت آئے گی۔

نقیب ابوجعفر اور حدیث لدود

محققین اہل سنت میں سے صرف نقیب ابوجعفر ''ابن ابی الحدید معتزلی'' کے استاد محترم نے اس حدیث کو مردود جانا ہے حالانکہ خود ابن ابی الحدید نے اس حدیث کو قبول کیا ہے، چنانچہ ابن ابی الحدید کہتے ہیں:

ایک روز میں نے اپنے استاد ابوجعفر سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا: کیا حضرت علی علیہ السلام کے دہن مبارک میں بھی دوا ڈالی گئی تھی؟! تو استاد نے فرمایا: معاذ اللہ اگر ایسا ہوتا تو عائشہ چپ نہ بیٹھتیں! کیونکہ آپ ہمیشہ حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں نقطۂ ضعف تلاش کرنے کی فکر میں رہتی تھیں، لہٰذا اگر ایسا ہوتا تو حضرت عائشہ بغیر ڈھنڈورا پیٹے چین سے نہیں بیٹھتیں۔ اس کے بعد استاد نے فرمایا: اس وقت دیگر افراد کی طرح حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا، امام حسنؑ، امام حسینؑ اور حضرت علی علیہ السلام بھی ہوں گے، کیونکہ یہ حساس موقع تھا لہٰذا کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان دل کے ٹکڑوں کے منہ میں بھی دوا ڈالی گئی ہوگی؟! ہرگز نہیں، خدا کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا۔

ابن ابی الحدید کہتے ہیں:

استاد نے ان جملوں پر اپنی بات کو تمام کیا کہ داستان لدود جعلی اور جھوٹی ہے اس کو صرف ایک شخص نے مقام و منصب حاصل کرنے کے لئے گڑھا ہے۔(۱)

نتیجہ

قارئین کرام! یہ تھا حدیث لدود کا افسانہ! یہ تھا مذکورہ حدیث کے اندر پایا جانے والا تضاد و تناقض! یہ تھے مضمون حدیث میں پائے جانے والے بے شمار اشکالات! یہ تھے حدیث گڑھنے کے اس قدر بیہودہ اور نامناسب مقاصد کہ اہل سنت کے ایک مشہور محقق و عالم دین کو کہنا پڑا کہ یہ حدیث جعلی اور فرسودہ ہے، پس چونکہ مذکورہ حدیث کا ضعیف ہونا شیعہ مذہب کے نزدیک بہت ہی واضح اور آشکار تھا لہٰذا اس حدیث کو ہمارے علماء نے سرے سے نقل ہی نہیں کیا، بلکہ اس کو رد کرنے کے لائق بھی نہیں سمجھا، خلاصہ یہ کہ ہمارے علماء نے اس حدیث کو نقل کر کے اسے قابل بحث قرار دینے سے بے اعتنائی فرما کر اسے نسیان اور فراموشی کی ٹوکری میں ڈال دیا ہے۔

---

(۱) شرح ابن ابی الحدید جلد ۱۳، خطبة ۲۳۵، صفحه ۳۲ .

۸۔ کیا رسولؐ آیاتِ قرآنیہ فراموش کر دیتے تھے؟!

۱. ......عن هشام عن ابیه عن عائشة؛قال:سمع النبیؐ رجلاً یقرأُ فی المسجد، فقال:رحمه اللّٰه اذکرنی کذاو کذاآیة، اسقطتها فی سورة کذا و کذا."(۱)

عائشہ نے نقل کیا ہے:

ایک مرتبہ رسول خداؐ نے ایک شخص کی صدا کو سنا جو مسجد میں قرآن کی تلاوت کر رہا تھا، آپ نے فرمایا: خدا اس پر رحمت نازل فرمائے کہ اس نے فلاں فلاں آیات مجھے یاد دلا دیں جن کو میں نے فلاں فلاں سوروں سے ساقط کر دیا تھا، بعض روایات میں فراموش کرنے کے الفاظ ہیں، یعنی جن آیات کو میں بھول گیا تھا اس نے مجھے وہ یاد دلا دیں۔

روایت کی تحقیق

اس حدیث کا جعلی ہونا اس قدر واضح ہے کہ اس پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ قرآن، احادیث اور عقل سلیم کے خلاف ہے، بھلا بتایئے! جس پر قرآن نازل ہوا وہ آیات فراموش کر جائے تعجب ہے؟! جو خود اس کے آئین و مذہب کا جاودانی معجزہ ہو اسے وہ حفظ نہ کر سکے اور بھول جائے؟! اگر ایسا ہی فرض کر لیا تو حضرت رسالتمآبؐ کی کوئی بھی تبلیغ قابل وثوق و اعتماد قرار نہیں پائے گی! کیونکہ آپ جو بھی حکم دیں گے اس میں یہ احتمال پایا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے یہ حکم آپ فراموش کر گئے ہوں؟! کوئی بھی قرآن کی آیت کامل نہ ہو پائے گی! کیونکہ ہر ایک آیت میں یہ احتمال پیدا ہو جائے گا: ممکن ہے یہ آیت رسولؐ کو کامل یاد

(۱) صحیح بخاری جلد ۸ ، کتاب الدعوات، باب"قول اللّٰه :وصل علیهم"(سورۂ توبه۱۰۳) حدیث ۵۹۷۶.
جلد۳، کتاب الشهادات، باب "شها دة الاعمی و امره و نکاحه" حدیث۲۵۱۲، جلد۶ ، کتاب فضائل القرآن، باب(۲۶) "نسیان القرآن" حدیث ۴۷۵۰. ۴۷۵۱.
صحیح مسلم ،جلد۲ ،کتاب صلوٰة المسافرین وقصرها، باب" فضائل القرآن"باب" الامر بتعهد القرآن و کراهة قول نسیت"حدیث۷۸۸، ۷۹۰.
مترجم: (صحیح بخاری جلد۶ ، کتاب فضائل القرآن،باب (۲۷)"من لم یر أباسا ان یقول" حدیث۴۷۵۵) .

نہ رہی ہو! ہوسکتا ہے آپ فراموش کر گئے ہوں وغیرہ وغیرہ!! (**اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال**) لہٰذا ماننا پڑے گا کہ رسولؐ کی طرف آیات قرآنیہ فراموش کرنے کی نسبت دینا سراسر غلط ہے اور آپ کی شان والا میں نہایت ہی توہین ہے، چنانچہ قرآن بھی اس کی نفی کر رہا ہے: ﴿**سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰی**﴾(۱) (اے رسول! ہم تمھیں ایسا پڑھا دیں گے کہ کبھی بھولو ہی نہیں)

اس کے علاوہ امام مسلم نے بھی اپنی صحیح باب "**بتعهد القرآن و کراهة قول نسیت**" میں بیان کیا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: کتنا بد بخت ہے وہ مسلمان جو یہ کہے: مجھے فلاں سورہ یاد تھا اب بھول گیا! اور فلاں آیت فراموش کر گیا!!

ملاحظہ فرمایئے رسولؐ دوسروں کی مذمت کریں کہ قرآن یاد کر کے کیوں بھولے اور خود بھول جائیں تو کچھ نہیں! اپنے گریبان کے اندر دیکھتے نہیں دوسروں پر اعتراضات؟!!

---

(۱) سورۂ اعلیٰ، آیت ۶، پ ۳۰۔

۹۔ کیا رسول اکرمؐ کھڑے ہوکر پیشاب کرتے تھے؟!

۱. ,,......عن ابی وائل؛ قال: کان ابوموسی الاشعری یُشَدِّ دُ فی البول، ویقول: ان بنی اسرائیل کان اذا اصاب ثوبَ احدِهم قَرَضَهُ ،فقال حذیفة: لَوَدِدْتُ اَنَّ صاحبکم لایُشَدِّدُ هذا التشدید، فلقد رَاَیتُنی انا ورسولُ اللّٰه نتماشیَ فاتٰی سباطةَ خلفَ حائطٍ،فقام کما یقوم احدکم ،فبال، فانتبذت منه، فاشار الَیّ، فجئت وقمت عقبه حتی فرغ."(۱)

ابووائل نے نقل کیا ہے:

ابوموسی اشعری نجاستِ بول (پیشاب) میں بہت سخت گیر تھے اور کہتے تھے: بنی اسرائیل کا قانون تھا کہ اگر کوئی شۓ پیشاب سے نجس ہوجاتی تھی تو اسے بجائے پاک کرنے کے قطع کر دیا کرتے تھے، حذیفہ کہتے ہیں: "کاش کہ ابوموسی اشعری اس سخت گیری کو چھوڑ دیتے تو کتنا اچھا ہوتا، کیونکہ ایک مرتبہ رسولؐ اور میں کسی جگہ جارہے تھے، جب رسولؐ کو پیشاب محسوس ہوا، تو ایک مزبلہ (کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ) کی طرف تشریف لے گئے جو ایک دیوار کی پشت کی طرف تھا اور ہم لوگوں کی طرح کھڑے ہوکر پیشاب کرنے لگے، میں نے اپنے کو ایک دم دور کیا تاکہ نجس نہ ہوجاؤں، لیکن رسولؐ نے اشارہ کیا تو میں پلٹ آیا اور رسولؐ کے پیچھے کھڑا رہا یہاں تک رسولؐ پیشاب کرنے سے فارغ ہوئے"!!

۲. ,,......عن ابی وائل عن حذیفة قال: اتی النبیﷺ؛ سباطة قوم خلف حائط، فبال قائماً......"(۲)

امام بخاری اور مسلم حذیفہ سے حدیث نقل کرتے ہیں:

(۱-۲) صحیح مسلم جلد ۱، کتاب الطھارة ،باب[۲۲]" المسح علی الخفین" حدیث ۲۷۴.

صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الوضوء، باب(۶۱)" البول عند صاحبه" حدیث ۲۲۲، باب(۶۰) "البول قائماً وقاعداً" حدیث ۲۲۳، باب(۶۲) "البول عند سباطة قوم" حدیث ۲۲۴، جلد ۳، کتاب المظالم، باب(۲۷) "الوقوف و البول عند سباطة قوم"حدیث ۲۳۳۹.

ایک مرتبہ رسول خداؐ ایک مزبلہ پر پہنچے جو ایک دیوار کی پشت کی طرف تھا اور کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگے اس کے بعد آپ نے پانی طلب فرما کر وضو کیا!!

مسلم نے اس باب میں اس روایت کو دوسرے طریق سے بھی نقل کیا ہے۔

روایت کا نتیجہ

اس روایت سے استفادہ ہوتا کہ رسول اللہؐ معاذ اللہ! ان لوگوں جیسے تھے جن کو کچھ تہذیب، تمدن اور اسلام کی تعلیم سے آگاہی نہ ہو! اور آپ بھی (خاکم بدہن) جاہل اور گنوار لوگوں کی طرح مزبلہ اور دیوار کے کنارے کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے: **"قام رسول الله كما يقوم احدكم فبال قائماً"**!! معاذ اللہ! کیا رسولؐ کو اس قدر بھی تمیز نہ تھی؟!

میں کہتا ہوں: نجاست (بالخصوص پیشاب اور پیخانہ) وہ چیز ہے کہ اگر حیوان بھی کرتے ہیں تو کوشش کرتے ہیں کہ ان کا بدن نجاست سے آلودہ نہ ہو، بھلا رسولؐ اسلام کے لئے یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ آپ پیشاب کرتے وقت اجتناب نہ کرتے تھے؟! اور مزہ کی بات یہ کہ آپ کے قریب کھڑے ہونے والے افراد اس قدر تہذیب یافتہ کہ نجاست سے بچنے کی خاطر رسولؐ کے پاس سے دور چلے جاتے تھے!! کیا معاذ اللہ! رسولؐ اللہ بنی اسرائیل اور ابوموسیٰ اشعری جیسا بھی شعور اور ادراک نہیں رکھتے تھے؟! بنی اسرائیل نجاست کو اس قدر قبیح سمجھتے تھے کہ نجس کپڑے کو قطع کرنا ہی ان کے نزدیک طہارت کا علاج تھا لیکن رسول اسلامؐ......(۱)

عذرِ گناہ بدتر از گناہ

قارئین کرام! اس روایت کا قبیح اور توہین آمیز ہونا اتنا آشکار ہے کہ خود علمائے اہل سنت نے جو شارحین صحیحین بھی ہیں جب اس روایت کو دیکھا تو طرح طرح کی حسب ذیل تاویلیں کرنے لگے اور عذرِ گناہ بدتر از گناہ کے مصداق ہوئے ملاحظہ ہوں:

(۱) خدا غارت کرے ایسے نجاست پھیلانے والے راویوں کو جنھوں نے رسولؐ اسلام کو بھی نہ چھوڑا!!! مترجم.

۱۔ کہتے ہیں کہ چوں کہ عرب لوگوں کے درمیان یہ گمان کیا جاتا تھا کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے سے کمر کا درد ختم ہو جاتا ہے لہٰذا ہوسکتا ہے کہ رسولؐ کو بھی کمر درد لاحق ہو اور آپ اس کے استشفاء کے لئے کھڑے کھڑے پیشاب کرتے ہوں!!

۲۔ ہوسکتا ہے کہ رسولؐ کی رانوں میں زخم یا کوئی پھوڑا ہو جس کی وجہ سے بیٹھنے میں کوئی مشکل پیش آتی ہو لہٰذا آپ کھڑے کھڑے پیشاب کرتے تھے!!

۳۔ ہوسکتا ہے کہ رسولؐ کو کوئی بیٹھنے کی جگہ نہ ملی ہو لہٰذا مجبوراً آپ نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا!!

۴۔ جو شخص کھڑے ہوکر پیشاب کرتا ہے وہ اس بات سے مطمئن رہتا ہے کہ اس کا پیخانہ نہیں نکلے گا چنانچہ ممکن ہے رسولؐ بھی اسی اطمینان کی خاطر کھڑے ہوکر پیشاب کرتے ہوں!! جیسا کہ حضرت عمر فرماتے تھے: کھڑے ہوکر پیشاب کرنے سے انسان پاخانہ نکلنے سے محفوظ رہتا ہے!!

۵۔ ہوسکتا ہے کہ رسولؐ کھڑے ہوکر اس لئے پیشاب کرتے ہوں تا کہ لوگوں کو بتا دیں کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا بھی جائز ہے۔

شارحین صحیح بخاری میں سے ابن حجر نے ''فتح الباری''، قسطلانی نے ''ارشاد الساری'' میں، نیز نووی (شارح صحیح مسلم) نے ''شرح نووی'' میں خطابی، بیہقی اور دیگر علمائے اہل سنت سے مذکورہ توجیہات کو کچھ اضافات کے ساتھ نقل کیا ہے:

" انما بال قائما لانها حالة يؤمن معها خروج الريح بصوت وفعل ذالک لکونه قريبا من الديار" ایک جگہ اس طرح آیا ہے: **" ان العرب کانت تستشفی لوجع الصلب بالبول قائما. "**(۱)

اسی طرح جلال الدین سیوطی نے بھی انہیں توجیہات کو کچھ اضافات کے ساتھ شرح سنن نسائی میں قلمبند کیا ہے۔(۲) (۳)

---

(۱) فتح الباری جلد ۱، کتاب الوضو، باب "اليوم عيد سباطة" صفحه ۲۸۴. ارشاد الساری جلد ۱، باب " البول قائما وقاعدا " صفحه ۵۲۷. و جلد ۴ صفحه ۲۶۵، مؤلفه قسطلانی . شرح صحیح مسلم نووی جلد۳، کتاب الطهارة باب "جواز البول قائما" صفحه ۱۶۵ .

(۲) شرح سنن نسائی جلد ۱، کتاب الطهارة، صفحه ۲۰.

(۳) افسوس صد افسوس ان توجیہ کرنے والوں پر آخر اس طرح کی توجیہ کرنے کی ضرورت کیا ہے؟! کیا ایک نبیؐ خدا کیلئے یہ زیب دیتا ہے کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرے؟! اگر ہر شئے کا پریکٹیکل کر کے ہی دکھانا ضروری تھا تو زنا و لواط میں آپ کیا کہتے ہیں؟ مترجم.

یہ توجیہہ اور تاویل کیوں؟!

قارئین کرام! یہ تھیں صحیحین کی اندھی تقلید کرنے والوں کی چند مضحکہ خیز توجیہیں جنھیں ہم نے آپ کی خدمت میں نقل کیا۔ یہ توجیہات تو خود اس نسبت سے بھی زیادہ شرم آور اور تعجب خیز ہیں جو حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ان علماء نے دی ہے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ علمائے اہل سنت مذکورہ حدیثوں کی خندہ آور، بھونڈی اور تنفر انگیز توجیہیں کیوں کرتے ہیں؟ ہماری سمجھ میں ان حدیثوں کو قبول کر کے ان کی توجیہہ کرنے کے دو ہی سبب ہو سکتے ہیں:

۱۔ یا تو یہ لوگ مقام نبوت کی صحیح معرفت اور درک نہیں رکھتے۔

۲۔ یا پھر اس لئے کہ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ امام بخاری اور مسلم جو بھی حدیث نقل کر دیں وہ صحیح اور معتبر ہے، (چاہے رسول کی توہین ہو جائے) یہی وجہ ہے کہ حافظ جلال الدین سیوطی شہر ہرات افغانستان کا ایک واقعہ تحریر کرتے ہیں: ''شہر ہرات کے سنی مسلمان ان دونوں حدیثوں کے مضمون پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو ایک مدت تک اسلامی وظیفہ سمجھتے تھے اور صحیحین کی مخالفت میں کہیں یہ سنت حسنہ ان سے متروک نہ ہو جائے، اس فکر میں یہ لوگ ایک طویل زمانہ تک کم از کم سال میں ایک مرتبہ کھڑے ہو کر ضرور پیشاب کرتے تھے۔''

((وصار هذا عادة لاهل هراة يبولون قياما فى كل سنة مرة احياء لتلك السنة)) (۱)

یہی بات عراق کے اہل سنت کے بارے میں بھی ہمارے بعض ہمعصر علماء نے بندہ سے نقل کی ہے.

عرض مؤلف

یہ حدیثیں ہمارے لئے قابل قبول نہیں، اگر یہ لوگ منصب نبوت و رسالت کی صحیح معرفت و شناخت کے ساتھ تعصب کی عینک اتار کے، صحیحین کے بارے میں اپنی خوش فہمی کو دور کر کے ذرہ برابر بھی توجہ کر

---

(۱) شرح سنن نسائی جلد ۱، کتاب الطهارة، صفحه ۲۰.

لیتے تو ان توہین آمیز روایات کو ہرگز قبول نہ کرتے اور اس بات کو ماننے کے لئے تیار ہو جاتے کہ ایسی روایت نہ تنہا رسالتمآب کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں ہیں بلکہ ایک معمولی سا معمولی آدمی جو کہ اسلام سے برائے نام واسطہ رکھتا ہے اس کے لئے بھی غیر مناسب ہے۔

ہم اس قسم کی روایات کو ہرگز قبول نہیں کرتے چاہے امام بخاری اور مسلم ہی نے کیوں نہ نقل کی ہوں، ہم رسولؐ کے بارے میں وہ حدیث قبول کرتے ہیں جس میں آیا ہے:

"کنت مع النبیؐ فی سفر فأتی النبیؐ حاجته فأبعد فی المذهب"(۱)

جس وقت رسولؐ پیشاب کرنا چاہتے تھے تو لوگوں سے دوری فرماتے تھے۔

ہم اس حدیث کو قبول کرتے ہیں جس میں یہ کہا گیا ہے: اگر رسولؐ کسی میدان میں پیشاب کرنے کے لئے مجبور ہوتے تو پہلے ایسی جگہ منتخب کرتے جہاں چھینٹیں نہ پڑیں: **"انه کان یرتاد لبوله مکانا کما یرتاد منزلاً".(۲)**

ہم اس حدیث کو قبول کرتے ہیں جس میں نقل کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اسلامؐ قبروں کے درمیان سے گزرے تو آپ نے فرمایا:

یہ دونوں صاحب قبر عذاب میں مبتلا ہیں، لوگوں نے دریافت کیا؟ تو آپ نے فرمایا: ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو پیشاب کرتے وقت اس کی چھینٹوں سے بچتا نہ تھا اور دوسرا چغل خوری کرتا تھا ہے:

"بلیٰ اما احدهما فکان یسعی بالنمیمة واما احدهما فکان لایستنزه من بوله "(۳)

---

(۱) سنن نسائی جلد ۱، کتاب الطهارة، ص ۱۹. (اس کتاب میں مذکورہ مفہوم کی حدیث ہے بعینہ نہیں۔ مترجم.)
سنن ترمذی جلد ۱، ابواب الطهارة، باب [۱۶] "ما جاء ان النبی کان اذا اراد الحاجة ......" ص ۱۷.

(۲) سنن ترمذی جلد ۱، ابواب الطهارة، باب [۱۶] "ما جاء ان النبی کان اذا اراد الحاجة ....." ص ۱۷.

(۳) صحیح بخاری جلد ۲، کتاب الجنایز، باب [۸۹] "عذاب القبر من الغیبة و البول" حدیث ۱۳۱۲. صحیح مسلم جلد ۱، کتاب الطهارة، باب (۳۴) "الدلیل علیٰ النجاسة البول" حدیث ۲۹۲. سنن ابی داؤد جلد ۱، کتاب الطهارة، باب [۱۱] الاستبراء حدیث ۲۰، ص ۵. سنن نسائی جلد ۱، کتاب الطهارة، باب "النهی عن مس الذکر بالیمین ......" ص ۲۸. مترجم: (صحیح بخاری جلد ۲، کتاب الوضؤ، باب (۵۷) "من الکبائر ان لا یستتر من بوله" حدیث ۲۱۳، باب (۵۸) "ما جاء فی الغسل البول" ح ۲۱۵، کتاب الجنایز، ج ۳، باب (۸۰) "الجرید علی القبر" حدیث ۱۲۹۵، کتاب الادب، باب (۴۶) "الغیبة" حدیث ۵۷۰۴، باب (۴۹) "النمیمة من الکبائر" حدیث ۵۷۰۸.)

اب آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ کیا رسول اللہؐ کے لئے یہ زیب دیتا ہے کہ دوسروں کو ترشحِ بول سے بچنے کا حکم دیں اور خود آپ اسی کام کو بجالائیں؟!!

حدیثِ بول گڑھنے کا مقصد

چوں کہ تاریخ اسلام میں کچھ نامور شخصیتیں ایسی نظر آتی ہیں جو کھڑے ہوکر پیشاب کرتی تھیں اور اپنی پرانی جاہلیت والی عادت پر قائم تھیں لہٰذا ان کو تنقید سے بچانے کیلئے اور ان کی شخصیت کی حفاظت کی خاطر، ان کے فعل کو جواز کا جامہ پہنایا گیا اور ایسی روایتیں گڑھی گئیں جن سے ثابت ہو کہ رسول بھی اس فعل سے بری نہ تھے، اس طرح انھوں نے رسولؐ کو شریکِ جرم قرار دیا، تا کہ آپ لوگوں کی شخصیت لوگوں کی نظر میں پست نہ ہو اور اپنی برائی کا دھبہ بھی ہلکا ہو جائے، چنانچہ ہمارے اس مطلب کی تائید متعدد وہ روایات کرتی ہیں، جو اس بارے میں سنیوں کی معتبر کتابوں میں نقل کی گئیں ہیں، لہٰذا ہم چند روایات نمونہ کے طور پر ذیل میں نقل کرتے ہیں:

۱۔ ابن ماجہ اپنی سنن میں تحریر کرتے ہیں:

زمانۂ جاہلیت میں عرب لوگوں کی عادت یہ تھی کہ وہ کھڑے ہوکر پیشاب کرتے تھے: **"وکان من شان العرب البول قائما"**(۱)

۲۔ مالک نے مؤطا میں عبداللہ بن دینار سے نقل کیا ہے:

میں نے خود دیکھا کہ حضرت عمر کے فرزند عبداللہ ابن عمر کھڑے ہوکر پیشاب کرتے تھے: **"رأیت عبدالله بن عمر یبول قائماً"**(۲)

۳. **"عن عمر، قال: رآنی النبیؐ وانا ابول قائماً فقال: یاعمر لاتبل قائماً، فما بلت بعد."**(۳)

---

(۱) سنن ابن ماجه جلد ۱، کتاب الطهارة وسننها، باب[۱۴] "فی البول قاعداً" حدیث ۳۰۹، ص ۱۱۲.

(۲) موطا امام مالک ج ۱، کتاب الطهارة، باب[۳۱] "ما جاء فی البول قائماً".

(۳) سنن ترمذی جلد ۱، ابواب الطهارة، باب [۸] "ما جاء فی النهی عن البول قائما" حدیث ۱۲، صفحه ۱۰. سنن ابن ماجه جلد ۱، کتاب الطهارة وسننها، باب[۱۴] "فی البول قاعداً" حدیث ۳۰۹، ص ۱۱۲.

عبداللہ ابن عمر حضرت عمر سے نقل کرتے ہیں:

ایک مرتبہ میں کھڑے ہوکر پیشاب کر رہا تھا کہ رسولؐ نے مجھے دیکھ لیا، تو آپؐ نے فرمایا: اے عمر! کھڑے ہوکر پیشاب نہ کرو، اس کے بعد سے میں نے کھڑے ہوکر پیشاب نہیں کیا!!

۴۔ عبداللہ ابن عمر اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں:

جس روز سے میں نے اسلام قبول کیا کھڑے ہوکر پیشاب نہیں کیا۔(۱)

توجہ:۔ صحابہ کے درمیان صرف حضرت عمر ایسے شخص تھے جنہوں نے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی عقلی و فلسفی علت بیان کی ہے، فرماتے ہیں:

کھڑے ہوکر پیشاب کرنے سے پاخانہ نکلنے سے انسان محفوظ رہتا ہے:

البول قائماً احفظ (احصن) للدبر.(۲)

جب یہ قضیہ حضرت عائشہ کے سامنے پیش ہوا کہ رسول کھڑے ہوکر پیشاب کرتے تھے تو آپ نے طیش میں آ کر کہا:

''یہ سب غلط ہے اور جو ایسی باتیں کرے اس کی تصدیق نہ کرو، رسولؐ ہمیشہ بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے: **"من حدثکم ان النبیؐ کان یبول قائماً فلا تصدقوہ ما کان یبول الا قاعداً"**

ترمذی اپنی کتاب سنن میں اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں:

یہ حدیث سند کے اعتبار سے صحیح ترین حدیث ہے جو اس باب میں نقل کی گئی ہے۔(۳)

---

(۱) سنن ترمذی جلد ۱، ابواب الطهارة، باب [۸] " ما جاء فی النهی عن البول قائما " حدیث ۱۲، ص ۱۰.

(۲) فتح الباری جلد ۱ ،کتاب الوضو ، باب[۶۲] " البول عند سباطة قوم"، ص ۲۸۴.

ارشاد الساری جلد ۱ ،کتاب الوضو ، باب[۶۲] " البول عند سباطة قوم"،ص ۵۲۷ و جلد ۴، ص ۲۶۵.

شرح نووی جلد ۳ ، کتاب الطهارة،باب" جواز البول قائما" ص ۱۶۶ .

(۳) سنن ترمذی جلد ۱ ،ابواب الطهارة ، باب [۸] " ما جاء فی النهی عن البول قائما " ص ۱۰ .

سنن ابن ماجه جلد ۱ ، کتاب الطهارة وسننها ،باب[۱۴] "فی البول قاعداً "حدیث ۳۰۹،ص ۱۱۲،۱۱۱.

سنن نسائی جلد ۱ ، کتاب الطهارة ،ص ۲۶ .

ابن حجر نے بھی حدیث عائشہ کو درست جانا ہے۔(۱)

عرض مؤلف

محترم قارئین! وہ روایات جن میں رسولؐ خدا نے حضرت عمر کو کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو منع کیا ہے اور پھر وہ روایات جن میں رسول کو کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو دکھایا گیا ہے اور پھر حضرت عمر کا کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا فلسفہ بیان کرنا، ان سب باتوں میں ضرور کوئی ارتباط معلوم ہوتا ہے!!

(۱) فتح الباری جلد ۱، کتاب الوضو، باب [۶۲] "البول عند سباطة قوم"، ص ۳۴۱.

شان رسالت میں صحیحین کی توہین آمیز چند اور روایتیں!!

جیسا کہ ہم نے کتاب کے شروع میں اشارہ کیا کہ تاریخ عالم میں ہمیشہ ایسے (کمینے) افراد پائے جاتے رہے ہیں جنھوں نے انبیاء علیہم السلام کے کردار کو توریت وانجیل میں گھنونا کر کے نقل کیا اور اپنے گھنونے، ظلم اور تشدد سے شرابور کردار پر پردہ ڈالنے کی غرض سے انبیاء کو عیاش، شرابخور اور زنا کار کی حیثیت سے پیش کیا۔ یہی نہیں بلکہ ایک پیغمبر خدا (جناب داؤدؑ) کے بارے میں یہاں تک لکھ مارا: آپ نے معاذ اللہ شوہر دار بیوی سے زنا کیا اور جب وہ اس زنا سے حاملہ ہوگئی تو آپؑ نے اس پر پردہ ڈالنے کی غرض سے اس کے شوہر کو حیلہ وفریب کے ذریعہ قتل کروادیا اور اس کی بیوی سے بعد میں شادی کر لی!!! اسی طرح ایک اور پیغمبر (جناب لوطؑ) کے بارے میں لکھا کہ آپ نے شراب پی کر مستی کی حالت میں اپنی دولڑکیوں سے زنا کیا، اور پھر ان دونوں لڑکیوں سے بچے بھی پیدا ہوئے! اس کے بعد ایک پیغمبر (حضرت عیسیٰؑ) کے بارے میں تحریر کیا: آپ کا سب سے بڑا معجزہ یہ تھا کہ آپ نے شادی کے براتیوں کیلئے معجزے کے ذریعہ کئی مٹکے شراب آمادہ کی!! وغیرہ وغیرہ۔

قارئین کرام! ایسا نہیں ہے کہ صرف گزشتہ انبیاء کے بارے میں ہی ایسی بیہودہ باتیں نقل کی گئیں ہوں بلکہ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھی گزشتہ انبیاء کی مانند، خلاف واقع باتوں اور نامناسب تہمتوں کا ہدف قرار دیا گیا ہے، چنانچہ برسر اقتدار آنے والے افراد نے جہاں تک ہو سکا ہے آپؐ کے اصلی چہرے کو بگاڑنے کی کوشش کی ہے، جتنا ان کے بس میں تھا انھوں نے آپ کی طرف بے اساس مطالب کی نسبت دی ہے، جن کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں اور آپ کی شان میں حتی الامکان گستاخیاں کی ہیں، لیکن:

وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے۔

چونکہ خداوند متعال نے قرآن کو تحریف سے محفوظ رکھا ہے، لہٰذا اسلام کا چہرہ بگاڑنے والے قرآن میں تو آپؐ کے خلاف کسی چیز کا اضافہ نہ کر سکے، مگر انھوں نے صحیح حدیث کے بھیس (قالب) میں مسلمانوں کے سامنے آنحضرتؐ کے واقعی چہرے کو بدل کر پیش کرنے کی بیجا سعی فرمائی ہے اور ان جعلی حدیثوں میں الٹی

سیدھی باتوں کو رسولؐ کی طرف منسوب کر کے مسلمانوں کی خدمت میں نقل کر دیا ہے، چنانچہ آج بھی اہل سنت کی اکثریت ان جھوٹی حدیثوں کی صحت پر اعتقاد رکھتے ہوئے ان پر عمل پیرا ہے!! لہٰذا بہتر ہے کہ ہم ان خلاف واقع مطالب اور نا مناسب تہمتوں کو معہ ان کے جوابات اور ان کے جعل کرنے کے علل واسباب کے چند نمونے آپ کے سامنے نقل کر دیں اور چونکہ ہم نے ان تہمتوں کو چار عنوان کے تحت تقسیم کیا ہے لہٰذا ذیل میں ہم پہلے ان کو بالترتیب نقل کرتے ہیں، اس کے بعد ان چار تہمتوں پر مشتمل روایات کا تفصیلی جائزہ لیں گے۔(۱)

(۱) عرض مترجم:۔ قارئین کرام! قبل اس کے کہ محترم مؤلف صاحب اپنی بحث کا آغاز کریں چند چیزوں کا بندہ نے اضافہ کیا ہے جو فائدے سے خالی نہیں لہٰذا اس کو بھی ملاحظہ فرمالیں: جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے کہ انبیاء علیہم السلام منصب نبوت پر فائز ہونے سے پہلے ہی تمام رذائل وخبائث سے پاک ہوتے ہیں، کیونکہ اگر وہ عام اور عادی افراد کی طرح ہوں تو معاشرہ انھیں قبول نہیں کرے گا، لہٰذا عقلی طور پر انبیاء کو تمام گناہوں سے دور ہونا چاہیئے اور اس بات کی تائید قرآن اور روایات دونوں سے ہوتی ہے،

لیکن افسوس ان لوگوں پر ہوتا ہے جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی طرف ایسی ایسی حدیثیں منسوب کیں جو قرآن، معتبر روایات اور مقام نبوت و رسالت سے صریحاً مخالفت رکھتی ہیں، چنانچہ چند روایات گزشتہ انبیاء اور خود رسول اسلام علیہم السلام کے بارے میں جناب مؤلف صاحب نے آپ کی خدمت میں پیش کیں، آپ کی مزید معلومات کے لئے بندہ چند اور روایات صحیحین سے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں نقل کرتا ہے جن کو امام بخاری و مسلم نے صحیح سمجھ کر اپنی کتابوں میں قلمبند کیا ہے، لیکن ان روایتوں کا مفہوم شان رسالت میں اس قدر غلیظ اور بیہودہ ہے جس کی بنا پر ہم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ یہ روایتیں رسول اسلام سے صادر ہوئی ہونگی، بلکہ ہم یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان روایتوں کا منبع چنڈو خانہ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے!! لہٰذا ایسی روایتوں کا صحیحین میں پایا جانا ان کتابوں کے ضعف پر دلالت کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر امام بخاری و مسلم کو احترام رسالت کا خیال نہ تھا تو کم سے کم ام المومنین حضرت عائشہ ہی کا خیال کر لیتے جن کی صداقت و محبت کا تمام علمائے اہل سنت دم بھرتے ہیں تو ایسی توہین آمیز روایات نقل نہ کرتے!! لیکن افسوس کہ ان حضرات نے بغیر کسی جھجک کے ایسی ایسی روایات رسول کی طرف منسوب کر دیں جن سے نہ تنہا توہین رسالت ظاہر ہوتی ہے بلکہ ازواج رسول خصوصاً حضرت عائشہ کا کردار اس طرح داغدار نظر آتا ہے کہ انسان پڑھ کر دانتوں تلے انگلیاں دبا لے!!

میں یہ سمجھتا ہوں کہ آج کل جو رسولؐ اور ازواج رسولؐ کی شان میں توہین آمیز کتابیں مانند رنگیلا رسول، شیطانی آیات وغیرہ، منظر عام پر آرہی ہیں، ان تمام چیزوں کا گناہ ان لوگوں کے سر جائے گا جنھوں نے الٹی سیدھی من گڑھت روایات ⇦

⇦ کو اپنی کتابوں میں درج کر کے انہیں صحیح کا جامہ پہنایا ہے!! کیونکہ رنگیلا رسول یا شیطانی آیات جیسی تمام کتابوں کا ماخذ، مدرک اور سر چشمہ یہی کتابیں ہیں جنہیں صحاح اور سنن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، لہٰذا اگر یہ لوگ (شیطانی آیات و رنگیلا رسول لکھنے والے) مجرم ہیں تو جن لوگوں کی کتابوں سے انہوں نے اس قسم کی روایات کو اخذ کیا ہے وہ لوگ بدرجہ اولیٰ مجرم قرار پائیں گے، چاہے یہ لوگ روایات نقل کرنے والوں میں سے ہوں یا راویوں میں سے!!

فرزندان اسلام! صحیحین کے علاوہ دیگر کتب صحاح میں بھی آپ کو ایسی بہت سی روایتیں مل جائیں گی جن سے توہین رسالت ظاہر ہوتی ہے، مگر چوں کہ ہمارا (مؤلف کا) مدرک و ماخذ صحیحین ہے لہٰذا ہم صرف ان روایات کو پیش کر رہے ہیں جن کو امام بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے، ملاحظہ ہو:

۱۔ کیا رسولؐ شہوت پرست تھے؟!

امام بخاری نے انس سے روایت کی ہے: نبی اکرم ایک رات دن میں اپنی گیارہ بیویوں سے ایک گھنٹے کے اندر اندر جماع کر لیا کرتے تھے! راوی کہتا ہے: میں نے انس سے پوچھا: نبی اس کی طاقت رکھتے تھے؟ انس نے کہا: ہم یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ انہیں تیس کی قوت عطا کی گئی تھی۔

صحیح بخاری جلد ۱، کتاب الغسل، باب (۱۲) "اذا جامع ثم اعاد" حدیث ۲۶۵، باب (۲۴) "الجنب یخرج" حدیث ۲۸۰. جلد ۵، کتاب النکاح، باب (۴) "کثرة النساء" حدیث ۴۷۸۱، باب (۱۰۱) "من طاف علی نسائه" حدیث ۴۹۱۷.

امام مسلم نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے مگر ازواج کی تعداد ذکر نہیں کی ہے (کہ رسولؐ ایک دفعہ میں کتنی بیبیوں سے جماع کرتے تھے؟) صرف اس قدر تحریر کیا ہے: رسولؐ ایک دفعہ میں اپنی تمام بیبیوں سے جماع کرتے تھے،

صحیح مسلم جلد ۱، کتاب الحیض، باب (۶) "جواز نوم الجنب" حدیث ۳۰۹.

اس روایت سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ رسول اسلامؐ اپنی گیارہ بیویوں سے ایک دفعہ میں جماع کرتے تھے کیونکہ آپ کی تمام بیویاں گیارہ ہی تھیں۔

تبصرہ:

قارئین محترم! اس اہانت آمیز روایت کو ملاحظہ فرمائیے کہ جو ہمارے سامنے رسول کو خواہشات کا پیکر بنا کر پیش کرتی ہے! (معاذ اللہ) آپ گیارہ بیویوں سے ایک گھنٹے کے اندر رات اور دن میں جماع کیا کرتے تھے، اس سرعت سے اور پھر بغیر غسل کئے ہوئے دوسری سے جماع کرنے لگتے تھے، حالانکہ آپ دوسروں کو حکم دیتے تھے کہ ہر جماع کے بعد غسل کیا کرو؟! کیا ہر بیوی کو دس منٹ بھی نہ دیتے تھے! آپ ایک گھنٹے کی وسعت دیکھئے اور پھر اس ایک گھنٹے میں گیارہ بیویوں سے جماع کیا، ⇦

⇦ اور ہر جماع کے بعد غسل کرنا اور پھر ہر بیوی کے پاس جب جاتے ہوں گے تو حیوان کی طرح تو معاذ اللہ جھپٹتے نہ ہوں گے ان کو آمادہ کرنے کے لئے کچھ تو خوش فعلی کرتے ہی ہوں گے! اور چونکہ یہ فعل تمام گیاروں بیویوں پر انجام دینا ہے لہٰذا ان تمام امور کو مدنظر رکھتے ہوئے، ایک گھنٹہ میں یہ عمل انجام نہیں دیا جا سکتا اور نہ اسے معجزہ کہا جا سکتا ہے، کیونکہ معجزہ اثبات نبوت کے لئے مقام تحدی اور تعجیز میں کیا جاتا ہے، پس ثابت ہوا کہ یہ روایت خود راوی کی جیب سے ہے نہ کہ زبان رسولؐ سے۔

اسی قسم کی روایات نے نبیؐ کے خلاف دشمنان اسلام کو زبان درازی کی جرأت دلائی ہے جس کی بنا پر رسولؐ کو آج یہ لوگ شہوت پرست اور جماع کا شوقین، عورتوں کا رسیا کہتے ہیں!!!

آیا ہم اس قصہ کے راوی انس بن مالک سے یہ پوچھ سکتے ہیں کہ آپ کو یہ واقعہ کس نے سنایا؟ آپ کو یہ کس نے بتلایا کہ رسولؐ ایک گھنٹے کے اندر گیارہ بیویوں سے ہمبستری کر لیتے تھے؟!

آیا خود رسولؐ نے اس واقعہ کو سنایا تھا؟ ! کیا ہم میں سے کسی کے شایان شان یہ بات ہے کہ وہ اپنی زوجہ سے ہمبستری کی روداد لوگوں کے سامنے سنائے؟! اگر مان لیا جائے کہ رسولؐ نے نہیں بیان کیا تو ازواج رسولؐ نے بیان کیا ہوگا؟ تو کیا کسی مسلمان عورت کو زیب دیتا ہے کہ اپنے شوہر سے مباشرت کی کیفیت کو مردوں کے سامنے بیان کرے، چہ جائیکہ ازواج رسولؐ؟!!

یا انس بن مالک خود نبی کے تجسس میں رہتا تھا اور جب رسولؐ جماع کرنے کے لئے جایا کرتے تھے تو یہ دیکھتا تھا؟ یا پھر سوراخوں سے جھانک کر دیکھتا تھا؟ اے خدا! شیطانی وسوسوں سے پناہ مانگتا ہوں اور جھوٹوں پر لعنت کرتا ہوں (العیاذ باللہ) مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ناقل روایت یا خود راوی ایسے کارناموں میں مبتلا ہوں گے لہٰذا اپنا عیب چھپانے کے لئے ایسی ویسی توہین آمیز حدیثیں گڑھ دیں ہیں۔

۲۔ کیا رسولؐ اپنی ازواج کے ساتھ مساوات نہیں کرتے تھے؟!

امام بخاری اور مسلم نے اپنی اپنی کتاب ''الصحیح'' میں عائشہ سے روایت نقل کی ہے:

''ایک روز چند ازواج نبیؐ نے جناب فاطمہ (سلام اللہ علیہا) کو آپ کی خدمت میں بھیجا، حضرت فاطمہ (س) آئیں اور اجازت چاہی آپؐ میرے پاس لیٹے ہوئے تھے، رسولؐ نے اجازت دی فاطمہ (سلام اللہ علیہا) نے عرض کی کہ یا رسولؐ اللہ! آپ کی ازواج نے مجھے آپ کی خدمت میں یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ آپؐ اپنی ازواج اور بنت ابوبکر عائشہ کے درمیان عدل و انصاف سے کام لیں!

عائشہ کہتی ہیں: میں خاموش تھی، پھر عائشہ کہتی ہیں: رسولؐ نے فاطمہؑ سے فرمایا: میری لخت جگر کیا وہ چیز تمہیں پسند نہیں جو مجھے محبوب ہے؟ فاطمہؑ نے عرض کی بالکل محبوب ہے، آپ نے فرمایا: تو اس (عائشہ) سے محبت کرو!

روایت آگے بڑھ کر پھر کہتی ہے: ⇦

← دوسری مرتبہ ازواج نبیؐ نے زوجہ نبیؐ زینب بنت جحش کو بھیجا کہ آپؐ سے عائشہ اور دوسری ازواج کے درمیان عدل و انصاف کا تقاضا کرے، چنانچہ زینب رسولؐ کی خدمت میں آتی ہیں اور رسولؐ عائشہ کے ساتھ ان کا لحاف اوڑھ کر لیٹے ہوئے ہیں، زینب ازواج نبی کی طرف سے ابوبکر کی بیٹی کے سلسلہ میں انصاف کا مطالبہ کرتی ہیں اور پھر عائشہ پر برس پڑتی ہیں، پھر عائشہ زینب پر لعن طعن کر کے جب خاموش ہوتی ہیں تو رسول کو ہنسی آ جاتی ہے اور کہتے ہیں کہ یہ ابوبکر کی بیٹی ہے!!

صحیح بخاری جلد ۲، کتاب الھبة، باب(۸)"من اھدی الیٰ صاحبه" حدیث ۲۴۸۱. صحیح مسلم جلد ۷، کتاب الفضایل الصحابة ،باب(۱۳)"فضل عائشة" حدیث ۲۴۴۲.

اقول: میں بلا خوف کے یہ بات کہتا ہوں: یہ روایت جو کہ رسولؐ کو ہوا و ہوس کا شیدا، بیویوں کے سلسلہ میں غیر عادل ہونا قرار دیتی ہے گڑھی ہوئی ہے، مسلمانو! یہ وہ رسولؐ ہے جس کی زبان سے قرآن کی یہ آیت بھی آئی ہے۔

﴿...... فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ☆......سورۂ نساء، آیت ۳، پ ۴﴾

اگر تمہیں ان میں انصاف نہ کر سکنے کا خطرہ ہو تو صرف ایک یا جو کنیزیں تمہاری ملکیت میں رہیں اپنے تصرف میں رکھو۔

اور پھر اپنی بیٹی فاطمہ (س) کو داخل ہونے کی کیسے اجازت دیتے ہیں، جب کہ وہ اپنی زوجہ کے پاس اور اس عالم میں کہ عائشہ کے پیر پر چادر بھی نہیں تھی اور رسولؐ نہ اٹھ کے بیٹھتے ہیں نہ کھڑے ہوتے ہیں، بلکہ لیٹے رہتے ہیں اور کہتے ہیں:: بیٹی کیا تمہیں وہ چیز پسند نہیں جو مجھے محبوب ہے؟! اور بالکل یہی حادثہ زینب کے داخل ہونے پر سامنے آتا ہے، جب وہ انصاف کا تقاضا کرتی ہیں، تو آپ مسکراتے ہیں اور یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ یہ ابوبکر کی بیٹی ہے!!

قارئین کرام! ان اہانت آمیز باتوں کو ملاحظہ فرمائیں جن کو رسولؐ سے منسوب کر دیا گیا ہے اور عدالت و مساوات کے بارے میں اہلسنت کا نظریہ دیکھیے، وہ کہتے ہیں کہ عدل تو عمر ابن خطاب کے ساتھ دفن ہو گیا اور رسولؐ کی ایسی تصویر کشی کرتے ہیں کہ جو اخلاقی اقدار سے عاری ہے، ارے بے حیائی کی کوئی حد ہوتی ہے؟!!

اس روایت کی کتب صحاح اہل سنت میں اور بہت سی مثالیں مل جائیں گی جن سے راویوں کا مقصد یا تو کسی صحابی کی عزت افزائی ہے، یا عائشہ کی فضیلت بڑھانا! کیونکہ آپ ابوبکر کی دختر ہیں! پس اہل سنت جان بوجھ کر یا لاشعوری طور پر رسولؐ کی منقصت کرتے ہیں، جیسا کہ میں گزشتہ بحث میں عرض کر چکا ہوں کہ یہ احادیث و روایات رسولؐ کی عظمت و منزلت کم کرنے کے لئے گڑھی گئی ہیں.

۳۔ کیا رسولؐ عثمان سے شرماتے تھے؟!

مذکورہ روایت کے مثل آپ کے سامنے تیسری روایت پیش کرتا ہوں: مسلم نے اپنی صحیح میں باب فضائل عثمان میں عائشہ اور عثمان سے روایت کی ہے:

''ایک مرتبہ ابوبکر نے رسولؐ کے پاس آنے کی اجازت چاہی، آپؐ عائشہ کے پاس لیٹے ہوئے تھے، آپؐ نے ابوبکر کو ←

اجازت دے دی اور ایسے ہی لیٹے رہے، جب ابوبکر واپس چلے گئے تو عمر نے داخل ہونے کی اجازت طلب کی، آپ نے انہیں بھی اجازت دیدی، اس وقت بھی آپ ایسے ہی لیٹے رہے اور جب وہ بھی لوٹ گئے، تو عثمان کہتے ہیں: جب میں نے اجازت طلب کی تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور عائشہ سے فرمایا! اپنے کپڑے صحیح کر کے بیٹھو!

بہر حال جب میں بھی واپس آ گیا، عائشہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسولؐ امین نے آپ کو ابوبکر و عمر کی آمد پر اس طرح گھبراتے نہیں دیکھا جس طرح آپ عثمان کی آمد سے گھبرا گئے تھے؟!

رسولؐ نے جواب دیا: اے عائشہ! عثمان شرم و حیا والے آدمی ہیں مجھے یہ خوف تھا کہ اگر میں ایسے ہی لیٹا رہا تو عثمان میرے پاس نہیں آئیں گے اور ان کی احتیاج پوری نہ ہو سکے گی!!"

صحیح مسلم جلد ۴، کتاب فضایل الصحابة، باب "فضایل عثمان" حدیث ۲۴۰۱، ۲۴۰۲ .

قارئین کرام! یہ روایت بھی اسی روایت کے مثل ہے جس کو مسلم نے فضائل عثمان ابن عفان میں نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

"ایک مرتبہ رسول اسلامؐ ران کھولے ہوئے لیٹے تھے کہ ابوبکر نے باریابی کے لئے اجازت طلب کی، آپ نے اجازت دیدی، لیکن آپ نے رانوں پر کپڑا نہ ڈالا! پھر عمر نے اجازت چاہی تو آپؐ نے ان کو بھی اجازت دے دی اور ایسے ہی لیٹے رہے! لیکن جب عثمان نے اجازت طلب کی تو رسولؐ نے رانوں کو چھپایا اور کپڑے درست کر کے بیٹھ گئے! جب عائشہ نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا: کیا میں اس شخص سے شرم نہ کروں جس سے ملائکہ بھی شرم کرتے ہیں!!"

صحیح مسلم جلد ۴، کتاب فضایل الصحابة، باب "فضائل عثمان" حدیث ۲۴۰۲ .

اس مضمون کی طرف امام بخاری نے بھی قدرے اشارہ فرمایا ہے۔

کتاب فضائل الصحابة، حدیث ۳۴۷۱، باب(۵) باب(۷) حدیث ۳۴۹۲ .

۴۔ مسئلہ غسل جنابت اور رسول کا انداز بیان!!

مسلم نے اپنی صحیح میں زوجہ نبیؐ حضرت عائشہ سے روایت کی ہے:

"ایک شخص نے رسولؐ سے دریافت کیا: ایک شخص اپنی بیوی سے جماع کرتا ہے اور اس کا بدن سست پڑ جاتا ہے، کیا دونوں (میاں، بیوی) پر غسل واجب ہے؟ عائشہ پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں، رسولؐ نے فرمایا: میں اور یہ (عائشہ) ایسے ہی کرتے ہیں پھر غسل کرتے ہیں!!"

صحیح مسلم جلد ۱، کتاب الحیض، باب (۲۲) "نسخ ((الماء من الماء)) وجوب الغسل بالتقاء ختانین" حدیث ۳۵۰ .

گزارش:۔ اس روایت کی حاشیہ آرائی ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں، کیا رسول کی راہنمائی سے آپ کی زوجہ عائشہ کے لئے جواز پیدا ہو گیا کہ وہ اپنے جماع کو ہر خاص و عام سے بیان کریں؟! عائشہ بنت ابوبکر کی بیان کردہ ایسی اور بہت سی

روایات ہیں جن سے رسول کی بزرگی پر حرف آتا ہے اور آپ کی عظمت جاتی رہتی ہے!!

۵۔ کیا رسول نماز صبح قضا کر دیتے تھے؟!

امام بخاری و مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں عائشہ سے روایت نقل کی ہے:

"ایک مرتبہ ہم رسولؐ کے ساتھ سفر میں تھے جب ہم "بیدا" (بیابان) یا ذات الجیش (خیبر اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے) پہنچے تو میرا ہار ٹوٹ کر گر گیا، رسولؐ اور دوسرے لوگ اسے تلاش کرنے کے لئے ٹھہر گئے، جب کہ ان کے پاس یا کہیں آس پاس پانی موجود نہ تھا، لوگ ابوبکر کے پاس آئے اور کہنے لگے: کیا آپ نے عائشہ کی حرکت کو نہیں دیکھا کہ رسولؐ اور ان کے ساتھ دوسرے لوگوں کو پریشان رکھا ہے، جب کہ ان کے پاس یا کہیں آس پاس پانی نہیں ہے؟ پس ابوبکر آئے تو کیا دیکھا کہ رسول اللہؐ عائشہ کے زانو پر سر رکھے ہوئے سو رہے ہیں! ابوبکر نے کہا: عائشہ تم نے رسول اللہؐ اور تمام لوگوں کو معطل کر دیا ہے حالانکہ یہاں یا ان کے پاس پانی نہیں ہے؟ عائشہ کہتی ہیں: ابوبکر مجھ پر بہت غضبناک ہوئے اور بہت کچھ کہا اور کوکھ میں مارتے رہے، مگر میں ان کی تعظیم کے لئے اس لئے نہ اٹھ سکی کہ میرے زانو پر رسول کا سر تھا، یہ پورا واقعہ گزر گیا لیکن رسولؐ سوتے ہی رہے، یہاں تک کہ اسی پانی نہ ہونے کی حالت میں صبح ہو گئی تو خدا نے آیت تیمم ﴿فَتَيَمَّمُوا..﴾ نازل فرمائی۔ اُسید ابن حُضیر جو کہ نقباء میں سے ایک ہیں، کہتے ہیں: اے آل ابوبکر! یہ تمہاری پہلی ہی برکت نہیں ہے بلکہ تمہارے اور بہت سے برکات ہیں! عائشہ کہتی ہیں: جب میرے اونٹ کو اٹھایا گیا تو میرا ہار اس کے نیچے سے نکل آیا"

صحیح بخاری جلد ۱ "اول کتاب التیمم" حدیث ۳۲۷، ۳۲۹۔ جلد ۳، کتاب فضایل الصحابة، حدیث ۳۵۶۹، ۳۴۶۲، کتاب التفسیر، باب سورۂ نساء، حدیث ۴۳۰۷، باب (۱۱۰)، سورۂ مائدہ، حدیث ۴۳۳۱، ۴۳۳۲.

صحیح مسلم جلد ۱، کتاب الحیض، باب "کتاب التیمم" حدیث ۳۴۷، صفحہ ۱۹۱۔

تحلیل:۔ ایک اسلام شناس مومن اس بات کی تصدیق نہیں کر سکتا ہے کہ رسول نماز کو اتنا حقیر سمجھتے تھے! اور مسلمانوں کو اپنی زوجہ کے ہار کیلئے ایک ایسے جنگل میں قید کر دیا تھا جہاں پانی کا نام و نشان نہ تھا اور نہ ہی ان لوگوں کے ہمراہ تھا!! اور اس روایت سے قابل توجہ بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ مسلمان نماز چھوٹ جانے کا افسوس کرتے ہیں اور اس کی ابوبکر سے شکایت کرتے ہیں! چنانچہ ابوبکر عائشہ کے پاس جاتے ہیں، لیکن دیکھا کہ رسولؐ اپنی زوجہ کے زانو پر سر رکھے سو رہے ہیں اور اس طرح نیند میں ڈوبے ہوئے ہیں کہ آپ کو ابوبکر کے آنے اور عائشہ کو ان کی ڈانٹ پھٹکار کی مطلق خبر نہیں ہوتی اور نہ ہی ان کی کوکھ میں مارنے کا علم ہوتا ہے!!

قارئین! کیا یہ رسولؐ کے لئے تصور کیا جا سکتا ہے کہ آپ لوگوں کو پانی کے لئے زحمت میں مبتلا کر دیں گے! اور جب نماز کا وقت آ جائے، تو اپنی زوجہ کی آغوش میں سر رکھے سوتے ہی رہیں، یہاں تک کی نماز قضا ہو جائے!!

⇐ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ روایت معاویہ ابن ابوسفیان کے زمانہ میں گڑھی گئی ہے، جس کی کوئی اساس نہیں ہے، ورنہ ایسے واقعہ کی ہم کیا تفسیر کریں گے؟ چنانچہ اس بحث میں اہم بات یہ ہے کہ ہم رسولؐ کے خلاف سازش کو پہچانیں، یہ بہت ہی پست اور رکیک سازش تھی جو رسولؐ کی شخصیت کو مجروح کر رہی تھی اور ان کی قدر و منزلت کو اس قدر داغدار بنا رہی تھی کہ آج (جبکہ فسق و فجور کا دنیا میں عام رواج ہے) بھی ان باتوں کو کوئی انسان اپنے لئے برداشت نہیں کرسکتا ہے چہ جائیکہ اس شخصیت کے بارے میں جو مصداق آیہ طہارت ہو۔

۶۔ رسولؐ کے ساتھ عائشہ کا نامناسب برتاؤ صحیح بخاری کے آئینہ میں!!

امام بخاری نے عائشہ کی رسولؐ کے ساتھ معاشرتی زندگی کی کچھ اس طرح تصویر کشی کی ہے کہ انسان پڑھ کر یہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ آیا عائشہ رسولؐ کے پاس زوجیت کے فرائض انجام دیتی تھی یا پھر کسی سازش کے تحت دوسرے کے لئے خانۂ رسالت میں کام کرتی تھیں؟! چنانچہ تاریخ اسلام کا دقیق مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ محترمہ کو رسول کی خدمت میں کسی اور ہی مقصد کے لئے پیش کیا گیا تھا! یہی وجہ ہے کہ کبھی خود وقتاً فوقتاً اس فریضہ کو انجام دیتی رہتی تھیں! اور کبھی دوسروں سے بھی اس بارے میں کمک حاصل کرتی تھیں! چنانچہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحاح اور تفاسیر کی دوسری کتابوں میں نقل ہوا ہے کہ حضرت عائشہ رسول اسلامؐ کی عین عبادت میں دخیل ہو جاتی تھیں تو کبھی حفصہ سے ملکر ایسی شرارتیں کرتی تھیں جس کی بنا پر آپؐ خدا کی حلال کردہ چیزوں کو اپنے لئے حرام فرمالیتے تھے، چند نمونہ ذیل میں صحیحین سے نقل کرتے :

۷۔ حالت نماز میں عائشہ کا رسولؐ کے سامنے لیٹ جانا!!

رسول اسلامؐ کے سامنے آپ اتنی غیر مؤدب اور نڈر تھیں کہ ایک مرتبہ نبیؐ نماز پڑھ رہے تھے اور آپ پیر پھیلائے سامنے بیٹھی تھیں اور جب آنحضرتؐ سجدہ میں جاتے تو آپ پیر سمیٹ لیتیں اور جب کھڑے ہوتے ہیں تو پھیلا دیتیں!!

صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب الصلاۃ، باب" الصلوٰۃ علی الفراش" حدیث نمبر ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ابواب سترۃ المصلی، باب (۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵)) حدیث ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۳، ۴۹۷، ابواب العمل فی الصلاۃ، باب (۱۰) حدیث ۱۱۵۱۔

صحیح مسلم جلد ۱، کتاب الصلوٰۃ، باب (۱۵)" الا عتراض بین یدی المصلی" حدیث ۵۱۲۔

اس حدیث کو مسلم نے پانچ اور دیگر طریق سے نقل کیا ہے اور حدیث نمبر ۵۱۳ میں مزید یہ جملہ بھی دیکھنے میں آتا ہے: جب رسولؐ سجدہ کرتے تھے تو میں حیض کی حالت میں تھی اور اس حالت میں ان کے لئے میں مانع سجدہ ہو جاتی، یہاں تک کہ آپ کے کپڑے بھی مجھ سے مس ہو جاتے تھے!!

اقول: توبہ توبہ کتنی بے حیائی اور بے شرمی کی بات ہے کہ خدا کا پاک رسولؐ نماز میں مشغول ہو اور آپ کی زوجہ محترمہ آپ ⇐

⇐ کے سامنے حالتِ حیض (نجاست) میں مانع سجدہ ہو کر آپ کو اپنے پروردگار کے حضور میں راز و نیاز سے باز رکھیں؟!!اور رسولؐ کو خضوع وخشوع کے ساتھ عبادت انجام دینے سے روک دیں۔

ایسی حرکت تو آج کل کی ایک جاہل اور گنوار عورت بھی نہیں کرسکتی اللہ بچائے ایسے روایت گڑھنے والوں سے!

۸۔عائشہ غصہ میں آپ کو نبی نہیں کہتی تھیں!!

جب عائشہ کو غصہ آتا تھا (اور زیادہ تر آتا تھا) تو آپ کو نبی کہنا چھوڑ دیتی تھی اور محمد بھی کہہ کے نہیں پکارتی تھیں بلکہ ابراہیم کے باپ کہہ کے صدا دیتی تھیں!!

صحیح بخاری جلد۶، کتاب النکاح،باب(۱۰۹)"غیرة النساء و وَجْدِهِنّ "حدیث ۵۲۲۸.

صحیح مسلم جلد۴ ،کتاب فضائل الصحابة،باب(۱۲) "فضل عایشه"حدیث ۴۴۶۹.

۹۔خود اپنی زبانی عائشہ کی کہانی!

محترم قارئین! اگر آپ صحاح ستہ کا ایک سرسری مطالعہ فرمائیں تو بیشتر واقعات آپ کو یقیناً ایسے ملیں گے جن میں راوی نے عائشہ کی کہانی خود ان کی زبانی کی تصویر کشی کی ہے اور ان کو ایک ایسی عورت کی مانند پیش کیا ہے جو اپنے شوہر کو صبح سے لے کر شام تک پریشان کرتی ہو مثلاً سنن نسائی اور صحیح ترمذی میں حضرت عائشہ سے منقول ہے:

۱۔ایک روز صفیہ (زوجہ نبی) نے آپؐ کی خدمت میں کھانا بھجوایا، رسولؐ میرے یہاں تھے، جب میں نے کنیز کو کھانا لاتے دیکھا، تو میرے تن و بدن میں آگ لگ گئی اور میں کانپنے لگی! پس میں نے پیالہ توڑ دیا اور کنیز کو بھگا دیا۔

پھر کہتی ہیں: میں نے جب رسولؐ کے چہرہ پر نظر کی تو غضب کے آثار دیکھے! لہٰذا میں نے کہا: آج میں رسولؐ سے پناہ چاہتی ہوں مجھ پر لعنت وملامت نہ کریں۔

آپؐ نے فرمایا: تم امان میں ہو، میں نے کہا: یا رسول اللہ! اس کا کفارہ کیا ہے؟ فرمایا: اس کھانے کے مثل کھانا اور پیالے کے مثل پیالہ۔

مسند امام احمد بن حنبل جلد۶ ،صفحه ۲۷۷. سنن نسائی صفحه ۱۴۸.

عائشہ پھر کہتی ہیں: "آپ کو ایسی ایسی صفیہ مبارک ہو! نبیؐ نے فرمایا: تم نے اتنی بڑی بات کہہ دی ہے کہ اگر اسے دریا کے پانی میں ملا دیا جائے تو سارا پانی گندا ہو جائے" صحیح ترمذی صفحہ۷۳۔

تبصره:

سبحان اللہ! ام المومنین کا اخلاق کہاں ہے اور ان حقوق کا نام و نشان کہاں ہے جو اسلام نے ان پر فرض کئے ہیں مثلاً غیبت، چغل خوری نہ کریں؟!اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان کا یہ قول "آپ کو ایسی ایسی صفیہ مبارک ہو" اور رسولؐ کا یہ کہنا: "تم نے ⇐

⇦ بہت بڑی بات کہی ہے، اگر اس کو دریا کے پانی میں ملا دیا جائے تو وہ بھی گندہ ہو جائے" عائشہ نے اپنی سوتن صفیہ کے بارے میں کتنی بڑی بات کہی ہے۔

میرا خیال تو یہ ہے کہ اس حدیث کے راویوں نے عائشہ کی عظمت کے پیش نظر اور اس حدیث کی حیثیت کو کم کرنے کے لئے، فقط کذا کذا (ایسی ایسی) کا اضافہ کر دیا ہے جیسا کہ ان کی عادت ہے۔

۲۔ ام المومنین عائشہ دیگر امہات المومنین سے اپنے حسد کے بارے میں خود فرماتی ہیں:

میں نے ماریہ سے زیادہ کسی سے حسد نہیں کیا! اور ان سے میرا حسد اس لئے تھا کہ وہ اتنی خوبصورت اور ایسے بالوں والی تھی کہ رسولؐ اس پر رشک کیا کرتے تھے! رسولؐ نے پہلی مرتبہ اسے حارث ابن نعمان کے گھر میں اتارا تھا وہ ہم سے خوف کھا گئی، تو رسولؐ نے اسے اس کے خاندان میں منتقل کر دیا! آپؐ وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے! لیکن آپؐ کا وہاں تشریف لے جانا ہمارے اوپر اور شاق گزرتا تھا، پھر خدا نے انہیں لڑکا عطا کیا اور ہم ایسے ہی رہ گئے۔

طبقات ابن سعد جلد ۸ ،صفحہ ۲۱۲ .انساب الاشراف جلد ۱ ، صفحہ ۴۴۹ . الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ ، مؤلفہ عسقلانی.

عائشہ اس بارے میں کہ ان کا حسد ان کی سوتن ماریہ سے ان کے فرزند ابراہیم تک پہنچ گیا تھا کہتی ہیں:

۳۔ فرزند رسول ابراہیم جب پیدا ہوئے تو رسولؐ اسے لے کر میرے پاس آئے اور فرمایا: میری طرف دیکھو! (یہ بالکل) میری شبیہ ہے، میں نے کہا: مجھے تو آپ کی شبیہ نہیں لگتا، رسولؐ نے فرمایا: کیا تمہیں اس کا گورا رنگ اور موٹا پن نظر نہیں آتا؟ عائشہ کہتی ہیں: میں نے کہا: جو زیادہ بچوں والی عورت کا دودھ پیئے وہ گورا اور موٹا ہوگا۔

طبقات ابن سعد جلد ۱ ، در بیان حالات ابراهیم بن النبیؐ ،صفحہ ۳۷ .انساب الاشراف

۴۔ اور جب حضرت عائشہ کو رسولؐ کے بارے میں شک ہوتا اور بدگمانی وسواس کا بھوت سر چڑھتا، تو ایسی ایسی حرکتیں کرتیں جن کو بیان نہیں کیا جا سکتا! چنانچہ کبھی اکثر ایسے لیٹ جاتی تھیں جیسے سو رہی ہیں جب کہ رسولؐ انہیں کے گھر میں سوئے ہوتے تھے وہ اپنے شوہر کے تعاقب میں رہتی تھیں اور اندھیرے میں ان کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھتی تھیں اور تعاقب کر کے دیکھتی تھیں کہ آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں! چنانچہ آپ کی خدمت میں انہیں کی بیان کردہ روایت پیش کرتے ہیں، جس کو مسلم نے اپنی صحیح میں اور امام احمد ابن حنبل نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے:

''ایک شب رسولؐ میرے پاس تشریف لائے اور ردا کو ایک طرف رکھ دیا نعلین اتار کر اپنے پاؤں کے پاس رکھ لی اور اپنے بستر پر لیٹ گئے، تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ آپ یہ سوچ کر کہ میں (عائشہ) سو رہی ہوں، جلدی سے اپنی ردا اٹھائی نعلین پہنی اور دروازہ کھول کر روانہ ہو گئے، میں نے روسری باندھی ڈوپٹہ ڈالا، مقنع اوڑھا پھر ان کا تعاقب کیا، یہاں تک کہ وہ بقیع (قبرستان) پہنچ کر ٹھہر گئے اور کافی دیر تک کھڑے رہے، پھر تین مرتبہ اپنے ہاتھوں کو بلند کیا، پھر واپس ہوئے، میں بھی واپس ہوئی وہ تیز تیز چلنے لگے، تو میں نے بھی اپنی رفتار بڑھا دی! انہوں نے اور تیزی اختیار کی تو میں دوڑنے ⇦

لگی وہ گھر میں داخل ہوئے تو میں ان سے پہلے پہنچ کر لیٹ گئی تھی! رسولؐ داخل ہوئے اور فرمایا: اے عائشہ! تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اپنے شوہر سے بدظن ہو؟! عائشہ کہتی ہیں: میں نے کہا: کچھ تو نہیں ہے۔
آپؐ نے فرمایا: تم بتاؤ گی یا لطیف وخبیر مجھے اس کی خبر دے گا؟ عائشہ کہتی ہیں: میں نے کہا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں! آپؐ ہی بتایئے! تو آپؐ نے فرمایا: تم ہی وہ سیاہی تھی جسے میں نے اپنے سامنے دیکھا تھا؟ میں نے کہا: ہاں! اس سے میرا دل کانپ اٹھا! پھر آپ نے فرمایا: کیا تمہیں یہ گمان تھا کہ خدا اور رسولؐ تم پر ظلم کریں گے؟!"

صحیح مسلم جلد ۲، کتاب الجنائز، باب (۳۴) "ما یقال عند دخول القبور و الدعا لاھلھا" حدیث ۹۷۴ طریق دوم. مسند احمد بن حنبل جلد ۲، صفحہ ۲۲۱.

۱۰۔ عائشہ اور حفصہ کا باہم ملکر رسولؐ کو پریشان کرنا!!

ایک مرتبہ عائشہ اور حفصہ نے نبی کو اتنا پریشان کیا کہ آپ نے ایک مہینہ کے لئے ازواج سے علیحدگی اختیار کر لی اور چٹائی پر سوتے رہے!!

صحیح بخاری: جلد ۳، کتاب النکاح، باب (۸۳) "موعظۃ الرجل ابنتہ لحال زوجھا" حدیث ۴۸۹۵، باب (۹۰) "الرجال قوامون علی النساء" حدیث ۴۹۰۵، باب (۹۱) حدیث ۴۹۰۶، ۴۹۰۷.

جلد ۱، کتاب الصلوٰۃ فی الثیاب، باب (۱۷) حدیث ۳۷۱. کتاب الصوم، باب (۱۱) حدیث ۱۸۱۱، ۱۸۱۲.

اس مضمون کی متعدد اور بھی روایات صحیح بخاری میں منقول ہیں، بہرحال جب رسولؐ نے اپنی ازواج سے علیحدگی اختیار فرمائی تو خداوند عالم نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِیْۤ اِلَیْکَ مَنْ تَشَآءُ..﴾ (سورۂ احزاب، آیت ۵۱، پ ۲۲)

ترجمہ: اے رسولؐ ان میں سے جس کو چاہیں آپ الگ کر دیں اور جس کو چاہیں اپنی پناہ میں رکھیں۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عائشہ بے حیائی کے ساتھ نبیؐ سے کہتی ہیں: میں نے آپؐ کے پروردگار کو آپ کی خواہشات نفسانی ہی کے بارے میں تعجیل کرتے دیکھا ہے!!

صحیح بخاری: جلد ۶، کتاب النکاح، باب " ھل للمرأۃ تھب نفسھا لاحد " حدیث ۴۸۲۳. جلد ۴، کتاب التفسیر، سورۂ احزاب، باب (۲۷۹) "قولہ ترجیٰ من تشاء ......" حدیث ۴۵۱۰.

صحیح مسلم جلد ۲، کتاب الرضاع، باب (۱۴) "جواز ھبتھا نوبتھا لضرتھا " حدیث ۱۴۶۴.

مسلم نے یہ روایت دیگر طریق سے بھی نقل کی ہے۔

۱۱۔ حضرت عائشہ اور حفصہ کی قرآن کی زبانی مذمت

جب عائشہ اور حفصہ نے رسول اسلام کو زیادہ پریشان کیا تو خدا نے ان آیات کو نازل فرمایا:

....

﴿اِنْ تَتُوْبَا اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا......﴾ (سورہ تحریم آیت ۴پ۲۸)
ترجمہ:۔تم دونوں توبہ کرو بیشک تمہارے دلوں میں کجی پیدا ہوگئی ہے (یعنی حق سے منحرف ہوگئی ہو)
ترجمہ: اور اگر تم اس کے خلاف سازش کروگی تو یاد رکھو اللہ اس کا سرپرست ہے اور جبرئیل اور نیک مومنین وملائکہ سب اس کے مددگار ہیں۔

عائشہ اکثر حفصہ کے کہنے کے مطابق عمل کیا کرتی تھیں، چنانچہ ایک جگہ خداوند عالم دونوں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:
﴿عَسىٰ رَبُّهُ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُبْدِلَهُ اَزْوَاجاً خَيْراً مِنْكُنَّ مُسْلِمَاتٍ مُؤْمِنَاتٍ......﴾ (سورہ تحریم، آیت ۵،پ۲۸.)
ترجمہ: وہ اگر تمہیں طلاق بھی دیدے گا تو خدا تمہارے بدلے اسے تم سے بہتر مسلمہ ومومنہ...... بیویاں عطا کردے گا۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عائشہ سے بہتر تو مسلمانوں کی مومنہ عورتیں ہیں۔
عمر ابن خطاب کہتے ہیں: یہ آیتیں عائشہ وحفصہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔
صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب العلم، باب (۲۷) حدیث ۸۹. جلد ۴، کتاب التفسیر تفسیر سورہ تحریم، باب (۲۸۷) حدیث ۴۶۲۹، ۴۶۳۰. جلد ۵، کتاب النکاح، باب (۸۳) "موعظة الرجل ابنته لحال زوجها" حدیث ۴۸۹۵. جلد ۶، کتاب التفسیر، باب (۲۸۸) تفسیر تحریم، باب (۳) "و اذا اسر النبیؐ الی بعض ازواجه" حدیث ۴۶۳۰، ۴۶۳۱، ۴۶۳۲. جلد ۳، کتاب المظالم، باب (۲۶) "الغرفة و العُلّية" حدیث ۲۳۳۶.
جلد ۷، کتاب اللباس، باب (۳۰) " ماكان النبی يتجوز من اللباس و البسط......" حدیث ۵۵۰۵.
صحیح مسلم میں تقریباً ۹ طریق سے منقول ہے کہ مذکورہ آیات عائشہ اور حفصہ کی مذمت میں نازل ہوئیں.
صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب " الایلاء و الاعتزال النساء" حدیث ۱۴۷۹، ۱۴۷۴.
صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب " بیان ان تخییر امرأة لایکون طلاق الا بالنیته" حدیث ۱۴۷۵.
اسی طرح سورۂ احزاب کی آیات ۲۸، ۲۹، ۵۱ کے بارے میں مسلم نے تقریباً دس طریق سے نقل کیا ہے کہ عائشہ اور حفصہ کی مذمت میں نازل ہوئیں۔

اسی طرح نبیؐ نے ایک مرتبہ انہیں دحیۂ کلبی کی بہن کو دیکھنے کے لئے بھیجا، کیونکہ آپؐ اس سے نکاح کرنا چاہتے تھے، آپؐ نے عائشہ سے کہا: جاؤ دیکھ کر آؤ! جب وہ دیکھ کر واپس آئیں تو ان پر حمیت وغیرت طاری ہو چکی تھی، رسولؐ نے دریافت کیا: عائشہ تم نے اسے کیسا پایا؟ کہنے لگیں: میں نے تو ان میں کوئی خاص بات نہیں دیکھی، آپؐ نے فرمایا: یقیناً تم نے کوئی انوکھی بات ان میں دیکھی ہے اور تم اسے چھپا رہی ہو، تم نے اسے اتنی خوبصورت اور حسین دیکھا کہ جس سے تمہیں اپنی ہوا اکھڑنے کا خوف لاحق ہوگیا! عائشہ نے کہا: یا رسول اللہؐ! بھلا آپؐ سے کوئی راز پوشیدہ رہ سکتا ہے اور کون آپ سے کوئی بات چھپا سکتا ہے؟
طبقات ابن سعد جلد ۸، صفحہ ۱۱۵. کنز العمال جلد ۶، صفحہ ۲۹۴.

⇦ **تبصرہ:** جو کچھ عائشہ نے نبیؐ کے ساتھ کیا ہے ان میںؐ سے اکثر سازشیں ایسی تھیں جن میں حفصہ بنت عمر بھی شریک رہتی تھی یہ عجیب و غریب بات ہے! ہم ان دونوں عورتوں (عائشہ وحفصہ) میں ایسے تعلقات اور فکری ہم آہنگی دیکھتے ہیں جیسی ان دونوں کے والد ابوبکر و عمر میں تھی، البتہ آپ کی ازواج میں عائشہ ہمیشہ قوی و جری رہتی تھیں، لیکن حفصہ بنت عمر اسے ہر چیز کے بارے میں اکسایا کرتی تھی، بالکل اسی طرح جس طرح ابوبکر جہاں کمزور پڑتے تھے وہاں عمر آگے بڑھتے تھے، وہ اس طرح ہر معاملہ میں قوی و جرأت مند نہ تھے اصلی حاکم عمر بن خطاب تھے، چنانچہ بعض مؤرخین نے لکھا ہے: جب عائشہ حضرت علیؑ سے جنگ کرنے کے لئے مدینہ سے بصرہ کی طرف چلیں تو دیگر ازواج نبیؐ سے بھی گزارش کی کہ تم بھی میرے ساتھ چلو، لیکن حفصہ بنت عمر کے علاوہ اور کسی نے عائشہ کی بات کو تسلیم نہ کیا، اس نے بھی عائشہ کے ساتھ چلنے کا ارادہ کیا، لیکن اس کے بھائی عبداللہ ابن عمر نے اسے روکا اور اس پر ناراض ہوئے تو اس نے رخت سفر کھول دیا۔ شرح ابن ابی الحدید جلد۲، صفحہ ۸۰۔

اسی لئے خداوند عالم نے عائشہ اور حفصہ دونوں کی ایک ساتھ تہدید کی ہے:

﴿......وَاِن تَظَاهَرَا عَلَيهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَولَاهُ وَ جِبرِيلُ وَصَالِحُ المُومِنِينَ وَ المَلَائِكَةُ بَعدَ ذٰلِکَ ظَهِيرٌ﴾ (سورہ تحریم، آیت ۴، پ ۲۸).

اور اگر تم دونوں اس کے خلاف اتفاق کروگی تو یاد رکھو کہ اللہ اس کا سرپرست اور جبرئیل و نیک مومنین اور ملائکہ سب اس کے مددگار ہیں۔

اسی طرح یہ قول: ﴿اِنْ تَتُوبَا اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا......﴾ (سورہ تحریم آیت ۴، پ ۲۸.)

تم دونوں توبہ کرو تمہارے دلوں میں کجی پیدا ہوگئی ہے۔

(ان دونوں آیتوں کی شان نزول ہم گزشتہ بحث میں درج کر چکے ہیں)

یقیناً سورۂ تحریم میں خداوند عالم نے ان دونوں (عائشہ وحفصہ) اور ان مسلمانوں کی آگہی کے لئے ایک مثال دی ہے جو ام المومنین کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ وہ بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہوں گی کیونکہ وہ رسولؐ کی بیوی ہیں، چنانچہ خداوند عالم نے اپنے بندوں میں سے ہر ایک مرد و عورت کو ان آیات کے ذریعہ آگاہ فرمایا ہے کہ زوجیت کوئی فائدہ یا نقصان پہنچانے والی نہیں ہے، خواہ شوہر رسولؐ ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ خدا کے نزدیک جو ضرر رساں یا سودمند ہے وہ انسان کے اعمال ہیں چنانچہ ارشاد ہے: ﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اُمْرَاَةَ نُوحٍ وَاُمْرَاَةَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَا هُمَا فَلَم يُغنِيَا عنهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيئاً وَ قِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِين﴾ (سورہ تحریم، آیت ۱۰، پ ۱۸) (خدا نے کافروں کی عبرت کے واسطے) نوح کی بیوی (واعلہ) اور لوط کی بیوی (واہلہ) کی مثل بیان کی ہے: یہ دونوں ہمارے بندوں کے تصرف میں تھیں، دونوں نے اپنے شوہروں سے دغا کی تو ان کے شوہر خدا کے مقابلہ میں ان کے کچھ بھی کام نہ آئے اور ان کو حکم دیا گیا کہ اور جانے والوں کے ساتھ جہنم میں تم دونوں بھی داخل ہو جاؤ۔

(اضافات مترجم تمام شد)

۱۔ خانۂ رسولؐ اور محفل غناء؟!!

صحیحین میں منقول احادیث کے مضمون کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر غنا و موسیقی کے دلدادہ تھے کہ اگر آپ کے بعض صحابہ (ابوبکر) ناچ گانے والی عورتوں کے درمیان حائل ہوتے تو آپ انہیں منع فرماتے اور کہتے اے ابوبکر! آج خوشی کا دن ہے انھیں گانے بجانے دو!!! اسی طرح چونکہ عائشہ کو گڑیا گڈے کھیلنے کا شوق بہت زیادہ تھا، لہٰذا آپ ہمیشہ صحن خانہ میں رسولؐ کے سامنے گڑیا گڈے کھیلا کرتی تھیں اور آپ کی سہیلیاں بھی آپ کے ساتھ مل جلکر کھیلتی تھیں اور جب رسولؐ وارد خانہ ہوتے تو عائشہ کی ساتھی لڑکیاں شرم کی وجہ سے گھر کے گوشوں میں چھپ جاتیں، جب رسولؐ ان کو دیکھتے، تو ان سب کو بلا بلا کر عائشہ کے نزدیک بھیج کر کھیلنے کے لئے اور شوق دلاتے!!

قارئین! آپ کی خدمت میں یہاں ہم ان احادیث کے چند نمونے قلمبند کرتے ہیں:

۱۔ ...... عن عائشة: انّ ابا بكر دخل عليها، والنبيّ عندها يوم فطر او اضحى وعند ها قينتان تغنّيان بما تقاذفت الانصارُ يومَ بُعاث، فقال ابو بكر: مزمار الشيطان؟! مرتين، فقال النبيّ: دعهما يا ابابكر ان لكل قوم عيدا وانّ عيدنا هذا اليومُ.“(۱)

عائشہ نے نقل کیا ہے:

روز عید فطر یا روز عید قربان تھا کہ دو نوجوان لڑکیاں جو گانا وغیرہ گاتی تھیں میرے گھر میں وارد ہوئیں اور ان اشعار کو گانے لگیں جن میں انصار نے جنگ بعاث کے موقع پر ایک دوسرے کو گالیاں دیں تھیں، اس وقت حضرت رسول خداؐ بھی موجود تھے، اچانک میرے پدر بزرگوار ابوبکر وارد خانہ ہوئے اور اس ناچ گانے کے پروگرام کو دیکھ کر ناراض ہونے لگے اور کہنے لگے، ارے بھئی یہ گانے بجانے کا پروگرام کیسا ہے!! رسول اسلامؐ نے فرمایا: اے ابوبکر! تم جاؤ اپنا کام کرو، تم کو اس سے کیا تعلق؟!! اور سنو! ہر مذہب وملت میں ایک عید ہوتی ہے اور آج ہم مسلمانوں کی عید کا دن ہے!!

(۱) صحیح بخاری جلد ۵، کتاب فضائل الصحابة، باب (۵۷) ”مقدم النبیؐ و اصحابه المدينة. یا كتاب مناقب الانصار“ باب (۴۶) حدیث ۳۷۱۶.

ایک وضاحت

حدیث میں لفظ " **قینة** " آیا ہے، جس کے معنی ابن اثیر نے ان نوجوان لڑکیوں کے تحریر کیے ہیں جن کا پیشہ ہی ناچ گانا ہو اور جملہ "**بما تقاذفت الانصار**" سے مراد یہ ہے کہ انھوں نے وہ اشعار پڑھے جن میں انصار نے آپس میں ایک دوسرے کو گالیاں دی تھیں۔ (۱)

مذکورہ حدیث حضرت عائشہ سے اس طرح بھی نقل کی گئی ہے:

۲. "......عن عايشة؛ قالت: دخل عليَّ ابوبكر وعندى جاريتان من جوارى الانصار تغنيان بما تقاولت الانصار يوم بغاث ،قالت: وليستا بمغنيتين، فقال: ابو بكر: أمزامير الشيطان في بيت رسول الله؟! وذالك في يوم عيد، فقال رسول الله: ياابا بكران لكل قوم عيداً وهذا عيدنا "(۲)

عائشہ نے نقل کیا ہے:

ایک روز میرے بابا ابوبکر وارد خانہ ہوئے تو کیا دیکھا انصار کی دو نوجوان لڑکیاں میرے گھر میں ان اشعار کو گا رہی ہیں جن میں انصار نے جنگ بغاث کے موقع پر ایک دوسرے کو گالیاں دیں تھیں، البتہ ناچ گانا ان کا پیشہ نہ تھا (اس وقت حضرت رسول خداؐ بھی موجود تھے) میرے بابا اس ناچ گانے کے پروگرام کو دیکھ کر ناراض ہونے لگے اور کہنے لگے، رسول کے گھر میں بھی ناچ گانا؟!! اور چونکہ یہ دن عید کا تھا لہٰذا رسول اسلامؐ نے فرمایا: اے ابوبکر! تم جاؤ اپنا کام کرو! تم کو اس سے کیا تعلق؟! اور سنو! ہر مذہب وملت میں ایک عید ہوتی ہے، چنانچہ آج ہم مسلمانوں کی عید کا دن ہے!!

۳. ......"عن عايشة؛ قالت: ان ابا بكر دخل عليها وعندها جاريتان في ايام منى تدففان وتضربان، والنبيُّ متغش بثوبه فانتهرهما ابو بكر، فكشف النبيُّ عن

---

(۱) "نهايه" مؤلفه ابن اثير.

(۲) صحيح بخارى: جلد ۲، كتاب العيدين، باب (۳) "سنة العيدين لاهل الاسلام" حديث ۹۰۹.
صحيح مسلم جلد ۳، كتاب صلوٰة العيدين، باب (۴) "الرخصه في اللعب الذى لامعصية فيه في ايام العيد".
مسلم نے اس باب میں مذکورہ حدیث کے علاوہ اور بھی متعدد حدیثیں نقل کی ہیں۔

وجهه، فقال: دعهما یا ابا بکر! فانها ایام عید، وتلک الایام ایام منی" (۱)

عائشہ سے منقول ہے:

ایک مرتبہ ابوبکر میرے گھر میں اس حال میں داخل ہوئے کہ روز عید قربان تھا اور دو نوجوان لڑکیاں میرے پاس بیٹھی ڈھول اور تالی بجا رہی تھیں اور رسول اسلامؐ (چادر) کپڑا اوڑھ کر آرام فرما رہے تھے، ابوبکر جب آئے تو آپ نے ان کو اس کام کے انجام دینے سے منع کیا، اس وقت رسولؐ نے چادر سے اپنا چہرہ باہر کیا اور فرمایا: اے ابوبکر! انہیں اپنے حال پر چھوڑ دو، کیونکہ یہ دن خوشی اور سرور کا دن ہے۔

۴.. **"عن عروة عن عایشة؛ قالت: دخل علیّ رسول الله، وعندی جاریتان تغنیان بغناء بغاث، فاضطجع علی الفراش، وحول وجهه، ودخل ابو بکر فانتهرنی، وقال: مزمارة الشیطان عند النبی؟! فاقبل علیه رسول الله، و قال: دعهما فلما غفل غمزتهما فخرجتا"**

عروہ نے عائشہ سے نقل کیا ہے:

ایک دفعہ رسول خداؐ وارد خانہ ہوئے تو میرے پاس دو نوجوان لڑکیاں ان فحش اشعار کو گا رہی تھیں جن کے ذریعہ انصار نے جنگ بغاث میں ایک دوسرے کو گالیاں دی تھیں، بہرحال رسولؐ جب آئے تو ایک طرف منھ کر کے اپنے بستر پر آرام میں مشغول ہو گئے، اس وقت میرے بابا ابوبکر آئے اور ان لڑکیوں کے اس کام کو دیکھ کر مجھے ڈانٹنے لگے اور کہنے لگے: کیا رسولؐ کے حضور میں بھی یہ ناچ گانا ہو گا؟!! رسولؐ نے ابوبکر کی طرف رخ کیا اور فرمایا: ابوبکر ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو! عائشہ کہتی

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۴، کتاب المناقب، باب(۱۵) "قصة الحبش" حدیث ۳۳۳۷، ۳۳۳۸. جلد ۲، کتاب العیدین، باب(۲۵) " اذا فاته العید یصلی رکعتین "حدیث ۹۴۴، ۹۴۵.

صحیح مسلم جلد ۳، کتاب صلوٰة العیدین، باب(۴) "الرخصة فی اللعب الذی لامعصیة فیه فی ایام العید" حدیث ۲ ۴۸۹.

مسلم نے اس باب میں مذکورہ حدیث کے علاوہ اور بھی متعدد حدیثیں نقل کی ہیں۔

ہیں: اس وقت ابوبکر دوسری طرف متوجہ ہوئے، تو میں نے ان لڑکیوں سے اشارہ سے چلے جانے کو کہا چنانچہ وہ چپکے سے چلی گئیں!! (۱)

۵.. عن عایشة، قالت: کنت العب بالبنات عند النبیؐ و کان لی صواحب یلعبن معی، فکان رسول اللّٰہ اذا دخل یتقمعن منه فیسر بهن الی فیلعبن معی.

عائشہ نے نقل کیا ہے:

میں لڑکیوں کے ساتھ گڑیا گڈے کھیلا کرتی تھی اور جب رسولؐ وارد خانہ ہوتے تو وہ شرم کی وجہ سے ایک گوشے میں پنہاں ہو جاتیں، لیکن رسولؐ میری سہیلیوں کو بلا کر کھیلنے کا شوق دلاتے اور ان کو ایک ایک کر کے میرے پاس بھیجتے اور فرماتے کہ جاؤ عائشہ کے ساتھ کھیلو!! (۲)

توضیح: ایک اور حدیث کے مضمون کے مطابق جس کو علامہ بغوی نے کتاب مصابیح میں تحریر کیا ہے: عائشہ جنگ تبوک یا جنگ حنین کے بعد گڑیا گڈے رکھتی تھیں اور یہ دونوں جنگیں فتح مکہ کے بعد ہوئیں، لہٰذا اس حدیث کی صحت کی صورت میں عائشہ کی عمر اس وقت پندرہ سے بیس سال کی تھی۔ (۳)

خانۂ رسولؐ میں گڑیا گڈے کا کھیل!!

مذکورہ روایت نمبر ۵ رسے استفادہ ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ گڑیا گڈے کے کھیل سے بہت شوق رکھتی تھیں اور رسولؐ ان کی دل جوئی کے لئے ان کی سہیلیوں کو ان کے پاس بھیجتے تھے۔

---

(۱) صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب العیدین، باب (۲) " الحراب و الدَّرَقِ یوم العید" حدیث ۹۰۷، ۹۰۸.

جلد ۴، کتاب الجهاد، باب (۸۰) "الدرق" حدیث ۲۷۵۰، ۲۷۵۱.

صحیح مسلم جلد ۳، کتاب صلوٰۃ العیدین، باب (۴) "الرخصه فی اللعب الذی لامعصیة فیه فی ایام العید" حدیث ۲۸۹۲.

(۲) صحیح بخاری ج ۸، کتاب الادب، باب (۸) " الانبساط الی الناس" حدیث ۵۷۷۹.

صحیح مسلم ج ۷، کتاب فضائل الصحابة، باب " فضل عائشه" حدیث ۴۴۷۰.

کتاب " ادب المفرد" حدیث نمبر ۳۶۸، ۱۲۹۷، مصنفه امام بخاری.

(۳) مصابیح السنة، کتاب النکاح، باب عشرة النساء.

قارئین کرام! ایک طرف آپ اس مذکورہ روایت کا مضمون ملاحظہ فرمائیں اور دوسری جانب اہل سنت کی معتبر کتابوں میں نقل شدہ ان احادیث کو کہ جن میں مجسمہ سازی کی حرمت اور ان سے اپنے گھروں کی زینت کرنے کی ممانعت کو بیان کیا گیا ہے، مدنظر رکھتے ہوئے انصاف سے فیصلہ کریں اور پھر نتیجہ نکالیں کہ کون سی روایات جعلی (اور چنڈوخانے سے لائی گئی) ہیں۔

چنانچہ چندوہ احادیث جو مجسمہ سازی کی ممانعت میں وارد ہوئی ہیں ہم نقل کرتے ہیں:

۱ . عن ابن عباس عن ابی طلحة؛ لا تدخل الملائكة بيتاً فيه كلب لا تصاوير "

ابن عباس نے ابی طلحہ سے نقل کیا ہے:

جس گھر میں مجسمہ اور کتا ہو، اس میں رحمت کا فرشتہ نہیں آتا۔(۱)

۲ . " عن اعمش :عن مسلم ،كنا مع مسروق في دار يسار بن نمير، فرأ في صفته تماثيل، فقال: سمعت النبي يقول: ان اشد الناس عذاباً يوم القيامة المصورون" (۲)

صحیح بخاری میں اعمش نے مسلم سے نقل کیا ہے:

میں مسروق کے ساتھ یسار بن نمیر کے گھر میں تھا کہ مسروق کی نگاہ ان مجسموں پر پڑی جو ایک طاقچہ میں رکھے ہوئے تھے، تو آپ نے کہا: عبداللہ نے رسولؐ سے نقل کیا ہے: مجسمہ بنانے والوں کو دیگر گناہگاروں سے بھی زیادہ عذاب دیا جائے گا۔

۳."......عن عايشة؛ انها اشترت نمرقة، فيها تصاوير ،فقام النبي بالباب، فلم

---

(۱) صحيح بخاری جلد۷، كتاب اللباس، ابواب " التصاوير ... "منجمله :باب ۸٦.۸۷.۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵.۹٦.

ان تمام ابواب میں مصوروں کی مذمت کی گئی ہے.

صحيح مسلم جلد ٦ ،كتاب اللباس و الزينة،باب(۲٦)تحريم تصوير صورة الحيوان......وان الملائكة لا يدخلون بيتاً فيه صورة ولا كلب " حديث۲۱۰۴ .۲۱۰۵.۲۱۰٦.

(۲) صحيح بخاری، ج۷ ،كتاب اللباس، باب(۸۷)" عذاب المصورين يوم القيامه"حديث ۵۹۵۰، ۵۹۵۱.

یدخل،فقلت:اتوب مما اذنبت،قالؐ:ما ھٰذہ النمرقة؟قلت:لتجلس علیھا وتوسدھا،قال:ان اصحاب ھٰذہ الصورة یعذبون یوم القیامة،یقال لھم، احیوا ماخلقتم وان الملائکة لاتدخل بیتافیه الصورة" (۱)

عائشہ نے روایت کی ہے:

ایک روز میں نے چند تکیے خریدے جن پر تصویریں بنی ہوئی تھیں، رسولؐ نے جب ان کو دیکھا تو گھر میں داخل نہ ہوئے، میں نے کہا: اے رسول اللہؐ! اگر کوئی گناہ مجھ سے سرزد ہوگیا ہے تو توبہ کرتی ہوں۔ رسولؐ نے فرمایا: یہ تکیے کہاں سے لائی؟ اور کیوں؟ میں نے کہا: یارسول اللہؐ! یہ آپ کی استراحت کے لئے خریدے ہیں، رسولؐ نے فرمایا: تصویریں بنانے والے روز قیامت معذب ہوں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ جن چیزوں کی تم نے تصویریں بنائی ہیں ان کو زندہ کرو اور اس کے بعد رسولؐ نے فرمایا: جس گھر میں تصویریں ہوں رحمت کے فرشتے اس میں داخل نہیں ہوتے۔

محترم قارئین! جو رسولؐ اس قدر مجسمہ سازی سے نفرت کرے کہ جس گھر میں مجسمہ ہو اس کے لئے کہے: رحمت کے فرشتے اس میں داخل نہیں ہوتے! اور جو یہ کہے: مجسمہ بنانے والوں کو سب سے زیادہ عذاب دیا جائے گا! اور خود جس گھر میں تصویردار تکیے ہوں اس میں داخل نہ ہووے! اور جس کی شریعت میں مجسمہ سازی ممنوع ہو! کیا ایسا رسولؐ اپنی بیوی کو اس بات کی اجازت دیگا کہ وہ اپنے گھر میں گڑیا گڈے (مجسمہ) رکھے؟! اور وہ ان سے پڑوس کی لڑکیوں کو بلا کر کھیل کھیلے؟! کیا رسولؐ سے یہ بات ممکن ہے کہ آپ پڑوس کی لڑکیوں کو بلا کر گڑیا گڈے کا کھیل کھیلنے کیلئے عائشہ کے پاس بھیج کر انھیں کھیلنے کا اور شوق دلاتے تھے؟! کیا حضرت عائشہ ایسے کام انجام دے سکتی ہیں جو منافیٔ حکم شریعت ہو؟!

---

(۱) صحیح بخاری جلد۳، کتاب البیوع باب(۴۰)"التجارۃ فیما یکرہ لبسه للرجال والنساء" حدیث۱۹۹۹. صحیح بخاری،۷، کتاب اللباس، باب[۹۲]"من کرہ القعود علی الصورة" حدیث ۵۹۵۷.صحیح بخاری ۷ ،کتاب اللباس والزینة ،باب(۹۵)" من لم یدخل بیتا فیه صورة"حدیث ۵۹۶۱.(مترجم :صحیح بخاری کتاب اللباس، باب[۹۱]"ما وطی من التصاویر "۵۹۵۴.) صحیح مسلم جلد ۲، کتاب اللباس و الزینة،باب(۲۶)تحریم تصویر صورة الحیوان......وان الملائِکة لا یدخلون بیتاً فیه صورة ولا کلب "حدیث۲۱۰۴، ۲۱۰۵، ۲۱۰۶.مترجم:(صحیح جلد۳، کتاب بدء الخلق، باب[۷]"اذاقال احدکم: آمین "حدیث ۳۰۵۲ تا ۳۰۵۴.کتاب النکاح، باب[۷۶]" ھل یرجع اذارایٔ منکرافی الدعوة" حدیث۴۴۸۶. کتاب التوحید، جلد ۲ ،باب(۵۶)"واللہ خلقکم بما تعملون" حدیث۷۱۱۸.)

۲۔ کیارسول خداؐ عائشہ کواپنے دوش پر بٹھا کر مسجد میں ناچ دکھاتے تھے؟!

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں منقول ہے:

حبشہ کے بعض مہاجرین بسااوقات مسجد میں آ کر ناچ گانا کرتے تھے، چنانچہ رسول خداؐ بھی کبھی کبھی عائشہ سے کہتے: ان کے ناچ گانے سے لطف اندوز ہوا کرو! اور کبھی عائشہ آپ سے ان لوگوں کا ناچ دیکھنے کیلئے خواہش کرتیں اور آنحضرتؐ خود بنفس نفیس ان کو لیجاتے اور ناچ دکھاتے! اور آپؐ عائشہ اور مسجد میں موجود دیگر لوگوں کے درمیان جو وہاں ناچ وغیرہ دیکھنے آتے تھے اپنی عبا حائل کر دیتے تھے، تا کہ وہ لوگ عائشہ کو نہ دیکھ سکیں! اور کبھی آپ پردہ کے لئے خود عائشہ کے سامنے کھڑے ہو جاتے اور عائشہ آپ کے شانوں پر سر رکھ کر تماشا دیکھتیں! لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ یہ ناچ گانا خلیفۂ دوم کو بہت ناگوار لگتا تھا، یہاں تک کہ ایک مرتبہ آپ نے مسجد سے کنکڑیاں اٹھا کر ناچنے والوں پر برسا کر انھیں ناچنے سے روک دیا، لیکن رسول خداؐ کو عمر کی یہ حرکت پسند نہ آئی ، لہٰذا آپ نے خلیفہ کو ایسی حرکت کرنے سے منع کیا اور حبشیوں سے کہا "**امناً بنی ارفدة**" (بنی ارفدہ امان میں ہیں) تم لوگ اپنا کام جاری رکھو! قارئین کرام! ذیل میں ہم اس داستان پر مشتمل چند روایات کو آپ کی خدمت میں نقل کرتے ہیں ملاحظہ فرمایئے:

۱ . . , ,...... ان عایشة قالت: لقد رأیت رسول اللهؐ یوماً علی باب حجرتی، والحبشة یلعبون فی المسجد، ورسول اللهؐ یسترنی بردا ئه لکی انظر الی لعبهم، ثم یقوم من اجلی حتی اکون انا التی انصرف، فاقدروا قدر الجاریة الحدیثة السن حریصة علی اللّهو."

عائشہ نے نقل کیا ہے:

ایک روز کچھ حبشی مسجد نبوی میں کھیل کود (ناچ) رہے تھے، رسولؐ نے میرے حجرے کے دروازے پر مجھے اپنی عبا میں چھپالیا (تاکہ دوسرے لوگوں کی نظریں میرے اوپر نہ پڑیں) اوراس طرح مجھے ان لوگوں کے کھیل کود دکھلانے لگے اور مجھے اتنی دیر تلک لے کر کھڑے رہے کہ میں خود بھی تھک گئی اور کافی دیر کے بعد ہم واپس پلٹے، اے لوگو! تم بھی پیغمبر کی طرح اُن جوان لڑکیوں کی قدر اور ان سے محبت کرو جولہو ولعب اور کھیل تماشے سے محبت کرتی ہوں۔(۱)

۲۔"...... و قالت عایشة: رایت النبیؐ یستُرُنی بردائه ،وانا انظر الی الحبشة ،وهم یلعبون فی المسجد، فزجرهم عمر، فقال النبی: دعهم اَمناً بنی ارفدة یعنی من الامن، وانا جاریة فاقدروا الجاریة العَرَبَةِ الحدیثةِ السِّنِ"(۲)

دوسری روایت میں عائشہ سے اس طرح مروی ہے:

ایک روز میں نے دیکھا کہ کچھ حبشی مسجد کے درمیان لہو ولعب میں مشغول ہیں، رسولؐ نے مجھے اپنی عبا میں چھپالیا اور ان حبشیوں کا ناچ دکھلانے لگے! اور جب عمر نے ان حبشیوں کو منع کیا تو رسولؐ نے فرمایا: اے عمر! ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو، اس کے بعد حبشیوں سے کہا: **"امناًبنی ارفدة"**۔

صحیح مسلم میں یہ جملے بھی دیکھے جاسکتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے کہا:

اے لوگو! اس وقت میری بھرپور جوانی کا عالم تھا لہٰذا تم لوگ بھی ان نو جوان لڑکیوں کی قدر کرو جو

---

(۱) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الصلوٰة ابواب مسجد، باب(۳۶)" اصحاب الحراب فی المسجد" حدیث ۴۴۳. جلد ۷، کتاب النکاح، باب(۱۱۳)" نظر المرائة الی الحبش......" حدیث ۴۹۳۸.
صحیح مسلم جلد۳، کتاب صلوٰة العیدین ،باب(۴) " الرخصه فی اللعب الذی لامعصیة فیه فی ایام العید".
اس باب میں مسلم نے چار طریق سے یہ روایت نقل کی ہے اور اس باب کی حدیث نمبر ۳۔۵۔۶ اور صحیح مسلم کی شمارۂ حدیث ۸۹۲ ہے۔ مترجم.
(۱) مسلم جلد۳، کتاب الصلوٰة العیدین، باب"الرخصه فی اللعب الذی لامعصیة فیه" حدیث ۸۹۲. صحیح بخاری: جلد۴، کتاب المناقب، باب(۱۳) "قصة الحبش" حدیث ۳۳۳۷. جلد۲، کتاب العیدین، باب(۲۵) "اذا فاته العیدین یصلی رکعتین" حدیث ۹۴۴.

ناچ گانے اور کھیل کود سے محبت کرتی ہوں: "**وانا جارية فاقدروا الجارية العَرَبَةِ الحديثةِ السِّن.**"

اور صحیح بخاری کی ایک روایت میں اس طرح آیا ہے:

"**فاقدروا قدر الجاريةِ الحديثةِ السِّن تسمع اللهو**" (۱) اے لوگو! تم بھی نو جوان لڑکیوں کی قدر و منزلت کرو، تا کہ وہ ناچ گانے اور موسیقی کو دیکھ اور سن سکیں!!

۳. ,,......وكان يوم عيد يلعب السودان بالدرق والحراب، فإمّا سئلت النبيَّ و إمّا قال: ((تشتهين تنظرين)) فقلت: نعم، فاقامني ورائه خدی علی خده وهو يقول: ((دونكم يا بنى ارفدة))حتى مللت قال: حسبك؟ قلت: نعم، قال: فاذهبي .(۲)

عروہ نے عائشہ سے نقل کیا ہے:

عید کا دن تھا اور حبشی اپنی شمشیر و سپر لے کر ناچ رہے تھے کہ رسولؐ نے مجھ سے یا رسولؐ سے میں نے (۳) کہا: اے رسولؐ! مجھے حبشیوں کا ناچ دیکھنے کا بہت شوق ہو رہا ہے لہٰذا مجھے لے چلئے، رسولؐ میری گزارش کی تعمیل کرتے ہوئے مجھے لے گئے! اور میں اپنا رخسار رسولؐ کے رخسار پر رکھ کر ناچ دیکھنے لگی اور آپ ان لوگوں کو ان جملوں (دونکم بنی ارفدۃ) کے ذریعہ ناچنے کی داد دے رہے تھے! یہاں تک کہ میں تھک گئی رسولؐ نے فرمایا: اے عائشہ! بس کافی ہے یا اور دیکھنا ہے؟ میں نے کہا: اب بس کافی ہے تو رسولؐ نے فرمایا پس یہاں سے چلی جاؤ! (چنانچہ میں پلٹ آئی!!) (۴)

---

(۱) صحيح بخاری: جلد ۲، کتاب العیدین ،باب" الحراب والدرق" حدیث۷ ۰ ۹ ،جلد۷، کتاب النکاح، باب(۸۲)"حسن المعاشرة مع الاهل" حدیث ۴۸۹۴.

(۲) گزشتہ تمام حوالے دیکھئے :صحيح بخاری: جلد ۲، کتاب العیدین ،باب" الحراب والدرق" حدیث۷ ۰ ۹ جلد۴، کتاب الجهاد، باب ۸۱" الدرق"حدیث۶ ۰ ۹ ۲،۷ ۰ ۹ ۲، صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ العیدین، باب" الرخصه فی اللعب" تا آخر......

(۳) صحیح مسلم میں مرقوم ہے کہ خود حضرت عائشہ نے رسولؐ سے ناچ دیکھنے کیلئے کہا تھا، لیکن امام بخاری نے شک و تردید کے طور پر نقل کیا ہے۔ مترجم.

(۴) قارئین کرام! اس روایت میں اگر چہ مسجد کا ذکر نہیں آیا ہے لیکن دیگر روایات میں صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ رسولؐ عائشہ کو مسجد میں ناچ دکھانے لے گئے تھے لہٰذا یہ ساری روایات قرینہ ہیں کہ اس روایت میں بھی مسجد کے اندر ناچنا مراد ہے۔ مترجم.

۴۔۔۔۔۔۔عن عائشة؛قالت: جاء حبش یزفنو ن فی یوم عید فی المسجد، فدعانی النبیؐ فوضعت راسی علی منکبه،فجعلت انظر الی لعبهم،حتی کنت اناالتی انصرف عن النظر الیهم .

عائشہ سے منقول ہے:

جب حبشی مدینہ آئے تو ایک روز عید کی مناسبت سے مسجد کے اندر یہ لوگ ناچ رہے تھے، رسولؐ نے مجھ سے بلا کر کہا: اے عائشہ! کیا حبشیوں کا ناچ دیکھوگی؟ میں نے آپ کی فرمائش کو قبول کرلیا اور آپؐ کے دوش پر اپنا سر رکھ کر ان کے رقص کو دیکھنے لگی، یہاں تک کہ جب میں ان کا ناچ دیکھ کر سیر ہوگئی تو پلٹ آئی!!(۱)

توضیح : ۔اس حدیث میں "یزفنون" کا لفظ استعمال ہوا ہے،نووی نے شرح مسلم میں زفن بمعنی رقص تحریر کیا ہے یعنی ناچنا۔

اور ابن ماباُبی اس حدیث کی شرح میں تحریر کرتے ہیں:

"دونکم ای الزموالعبکم وارفدقهم اجداد الحبش"

اے فرزندان ارفدہ! اپنے رقص اور اچھل کود میں مشغول رہو!(۲)

قسطلانی کہتے ہیں:

بیشک یہ ناچ اور اچھل کود کا مشغلہ حبشہ کے مہاجرین جب مدینہ وارد ہوئے تب پیش آیا: اور ان لوگوں کا آنا ۷ھ کو ہوا اور اس موقع پر حضرت عائشہ کی عمر سولہ سال تھی.(۳)

۵."......اخبرتنی عایشة، انها قالت: لِلعَّابِیْنَ وددت انی اراهم قالت: فقام رسول اللهعلی الباب ،انظر بین اذنیه وعاتقه، وهم یلعبون فی المسجد .

(۱) صحیح مسلم جلد ۳ ،کتاب الصلوٰۃ العیدین ،باب" الرخصه فی اللعب الذی لامعصیة فیه" حدیث ۸۹۲.

(۲) فتح المنعم شرح زادالمسلم فیما اتفق علیه البخاری، : قاهره .

(۳) ارشادی الساری جلد ۸،کتاب العیدین ......،ص ۱۱۳ .

عائشہ سے مروی ہے:

ایک مرتبہ میں نے رسولؐ سے کہا: یا رسول اللہ! مسجد کے اندر جو لوگ ناچ رہے ہیں میں ان کا ناچ دیکھنا چاہتی ہوں؟ رسولؐ یہ سن کر مجھے حجرہ کے دروازہ کے سامنے لے کر کھڑے ہو گئے اور میں آپ کے شانوں کے اوپر سے ان کا ناچ دیکھنے میں مشغول ہو گئی!!(۱)

۶۔ "......عن ابی هریرة؛قال: بینما الحبشة یلعبون عند رسو لاللہ بحرابهم،اذ دخل عمر بن الخطاب فاهوی الی الحصباء یحصبهم بها فقال له رسول اللہ: دعهم یا عمر!"

ابو ہریرہ سے منقول ہے:

ایک مرتبہ رسول خداؐ کے سامنے حبشی اپنی شمشیر و سپر سے لہو و لعب (ناچ) کر رہے تھے کہ اتنے میں عمر آ گئے اور دیکھ کر زمیں سے سنگریزے و کنکویاں اٹھانے کیلئے جھکے، تا کہ ان کو مار کر بھگائیں، لیکن جب رسولؐ نے دیکھا تو عمر سے کہا: اے عمر! ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو اور جو یہ کر رہے ہیں انہیں کرنے دو !!(۲)

عرض مؤلف

متذکرہ اکثر حدیثوں میں آیا ہے کہ رسولؐ نے عائشہ کو اپنی پشت کے پیچھے کھڑا کر رکھا تھا اور عائشہ کا چہرہ رسولؐ کے رخسار (یا دوش) پر تھا اور آپ وہاں سے ناچ دیکھ رہی تھیں! مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان کا قد رسولؐ کے قد سے بڑا تھا کہ آپ کا چہرہ رسولؐ کے چہرے پر آ گیا تھا؟! یا پھر پیروں کے نیچے کچھ چیز رکھ رکھی تھی جس سے بلند ہو گئی تھیں؟! یا پھر رسولؐ کے دوش انور پر سوار تھیں!؟ بہر حال کیا قصہ تھا قابل غور و خوض ہے؟! ہم تو وہاں موجود تھے نہیں کہ ساری کیفیت بیان کر سکیں، لہٰذا فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں!!

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۳، کتاب الصلوٰۃ العیدین، باب (۴) "الرخصہ فی اللعب الذی لا معصیۃ فیہ" حدیث ۸۹۲۔
نوٹ: صحیح مسلم کے مذکورہ باب میں مسلم نے متذکرہ مضمون کی متعلق متعدد احادیث نقل فرمائی ہیں۔ مترجم۔
(۲) صحیح بخاری جلد ۴، کتاب الجهاد و السیر، باب (۷۹) "اللهو بالحراب" حدیث ۲۹۰۱۔

۳۔ کیا رسولؐ عورتوں کی محفل میں شرکت کرتے تھے؟!

روایات کا ایک دوسرا گروہ جو کتب صحاح میں نقل کیا گیا ہے، ان سے استفادہ ہوتا ہے کہ رسول خداؐ کبھی شادی میں عورتوں کی محفل میں شریک ہوتے تھے اور ان میں ناچ گانے والی جوان لڑکیوں کی دل نشین آواز سے لطف اٹھاتے اور کبھی مردانی شادی میں شرکت کرتے، لیکن آپ کی خدمت اس میں خود دولھن کرتی تھی اور رسول اکرمؐ دلھن کی اس گرما گرم پذیرائی سے لذت حاصل کرتے تھے! یہ ہیں چند حدیثیں جو اس بارے میں نقل کی گئی ہیں:

۱. ..... خالد بن ذَكوان قال: قالت الرُبَيّعُ بنت مُعَوِّذُ بن عَفْرَاء: جاء النبيّ، فدخل حين بُنِيَ عَلَيّ فجلس على فراشي كمجلسک مني، فجعلت جُوَيريات لنا يضربن بالدف، ويَندُبْنَ من قتل من آبائي يوم بدر، اذ قالت احداهن: (وفينا نبي يعلم ما في غد)" فقالَ: دعي هذه، وقولي بالّذي كنتِ تقولين" (۱)(۲)

خالد بن ذکوان سے معوذ بن عفراء کی لڑکی ربیع نے روایت کی ہے:

جب میری شادی کا جشن منعقد کیا گیا تو رسول اسلامؐ نے بھی اس جشن میں شرکت کی اور جس طرح تو میرے نزدیک بیٹھا ہے ویسے ہی رسول اسلام بھی اسی چادر پہ میرے نزدیک بیٹھ گئے جو دلہن (میرے) کے لئے خصوصاً بچھائی گئی تھی، جوان جوان لڑکیاں میری شادی کی خوشی میں

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۷، کتاب النکاح، باب (۴۹) "ضرب الدّف في النكاح والوليمة" حديث ۴۸۵۲.
جلد ۵، کتاب المغازی، باب (۱۵)" في ذيل باب شهود الملائكة بدرا" حديث ۳۷۷۹.
(۲) متذکرہ حدیث کو بعض مورخین نے بھی بخاری کی اتباع میں ربیع کے حالات زندگی میں نقل کیا ہے۔
طبقات ابن سعد جلد ۸، ومن النساء بني مالک بن النجار " الربيع بنت معوذ "ص ۴۴۷ . الاستيعاب في اسماء الاصحاب ، جلد ۴، ابن عبد البر دربیان حالات ربیع .
مترجم: مذکورہ روایت استیعاب میں موجود نہیں ہے، البتہ الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ جلد ۴، ص ۲۹۳، ربیع بنت معوذ بن عفراء، نمبر ۴۱۵، حرف الراء، میں دیکھا جا سکتا ہے، لہٰذا عین ہے کہ مؤلف کو اشتباہ ہو گیا ہو۔۱۲

ناچنے گانے میں مشغول تھیں !اور دف بجا رہی تھیں، ان لڑکیوں نے اپنے گانے کے درمیان ان اشعار کو پڑھا جن میں ہمارے اجداد کے جنگ بدر کے روز قتل ہونے کا تذکرہ تھا، اتفاقاً ان لڑکیوں میں سے ایک لڑکی یہ شعر پڑھنے لگی:

وفینانبیؐ یعلم مافی غد: ہمارے درمیان وہ رسولؐ ہے جو آئندہ کی خبر رکھتا ہے۔

رسولؐ نے جب یہ جملہ سنا تو کہا: اے لڑکیو! تم ان اشعار کو رہنے دو اور وہی اشعار پڑھو جو پہلے پڑھ رہی تھیں!!

مضحکہ خیز معذرت خواہی!!

قارئین کرام! مذکورہ روایت کا مفہوم مرتبۂ رسالت کے لئے کتنا رکیک اور توہین آمیز ہے؟! ایسی بات تو ہم ایک دیندار شخص کیلئے بھی نہیں سوچ سکتے ہیں کہ وہ عورتوں کی محفلوں میں جا کر ان کے کنارے بیٹھ کر ان کے دل نشین نغمے سماعت کرے چہ جائیکہ رسول اسلامؐ ایسا کام کریں !اور ہر نغمے پر ناچ گانے والی نوجوان لڑکیوں کو داد وتحسین سے نوازیں اور پھر اظہار نظر بھی فرمائیں! توبہ توبہ! جب ایک معمولی اور عادی شخص کیلئے یہ حرکت نامناسب ہے تو پھر مصداق خلق عظیم کیلئے ہم کیسے تصور کر سکتے ہیں کہ خاکم بدہن آپ عورتوں کی ہمنشینی سے بہت محظوظ ومتلذذ ہوتے تھے؟!!

چنانچہ شارحین صحیح بخاری نے جب دیکھا کہ معاملہ بہت ہی گڑ بڑ ہے تو حدیث کی غلط سلط توجیہہ وتاویل کرنے لگے، جیسا کہ ابن حجر نے کرمانی کی توجیہہ کو اپنی شرح بخاری میں اس طرح قلمبند کیا ہے:

اس حدیث میں چند احتمال پائے جاتے ہیں:

((قال الکرمانی هو محمول علی ان ذالک کان من وراء الحجاب او کان قبل نزول آیة الحجاب ......))

۱۔ رسولؐ نے اس محفل میں شرکت پردے کے پیچھے بیٹھ کر کی ہوگی!

۲۔ ابھی آیۂ حجاب نازل نہ ہوئی ہوگی کہ جس کی بنا پر رسولؐ نامحرم عورتوں سے پردہ کرتے!

۳۔ اگر ضرورت واحتیاج ہو یا فتنہ وفساد کا خطرہ نہ ہو تو نامحرم عورتوں کی محفل میں شرکت اوران پر نظر کر سکتے ہیں!!

ابن حجر اس کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

رسولؐ کے خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپؐ کے لئے اجنبی نامحرم عورتوں کے ساتھ خلوت میں رہنا سہنا جائز تھا اور آپ کے لئے خدا نے جائز کیا تھا کہ ان پر نظر کریں!!(۱)

مذکورہ فاسد توجیہہ کی رد

۱۔ پہلا احتمال مضمون حدیث کے خلاف ہے کیونکہ روایت میں "**فجلس علی فراشی کمجلسک منی**" آیا ہے یعنی رسولؐ میری چادر پر بیٹھے جیسے تم اس وقت میرے پاس بیٹھے ہوئے ہو، لہٰذا قابل قبول نہیں۔

۲۔ دوسرے احتمال کی بنا پر اگر تسلیم کر لیا جائے کہ آیۂ حجاب نازل نہیں ہوئی تھی تو کیا رسولؐ بعد بعثت آیۂ حجاب نازل ہونے سے پہلے یہی سب کام کیا کرتے تھے؟!! جب کہ ایسے امور ایک شریف انسان کے لئے باعث ننگ وعار ہیں!! حالانکہ رسولؐ کے لئے ہم کتاب کے اوائل میں تفصیل کے ساتھ تحریر کر چکے ہیں کہ آپ قبل بعثت بھی بلکہ بچپن ہی سے تمام رذائل وخبائث اور ناشائستہ امور سے پاک وپاکیزہ تھے، چہ جائیکہ منصب رسالت ملنے کے بعد اپنی عمر کے آخری حصہ میں آپ یہ کام انجام دیں؟! اور پھر روایت کے کس جزء سے استفادہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ آیۂ حجاب کے نزول سے پہلے کا ہے؟!

۳۔ تیسرے احتمال میں ابن حجر کا یہ کہنا کہ آیۂ حجاب نازل ہونے سے پہلے رسول اسلامؐ پر نامحرم عورتوں سے پردہ کرنا واجب نہ تھا بلکہ آپ کا نامحرم عورتوں کے ساتھ ہم نشینی کرنا اوران پر نگاہ ناز ڈالنا خصوصیات رسالت سے تھا! تو یہ بات نہ تنہا شیعہ مذہب کے نزدیک قابل رد ہے بلکہ انسانی معاشرہ میں اس قسم کی بات شانِ رسالت میں ناقابل جبران توہین ہے، لہٰذا رسولؐ کے لئے یہ تصور کرنا کہ آپ کی جانب سے چونکہ فتنہ وفساد کا خطرہ نہ تھا یا ضرورت اور احتیاج کی بنا پر آپ عورتوں کے ساتھ ہم نشینی کرتے تھے وغیرہ وغیرہ، یہ شانِ

(۱) فتح الباری جلد ۱۱، کتاب النکاح، باب الخطبة، باب "الضرب الدف فی النکاح والولیمة" ص ۱۰۸۔۱۰۹۔

رسالت میں بہت بڑی گستاخی اور بدتمیزی ہے۔(۱)

قارئین کرام! ایک روایت اور صحیح بخاری میں مرقوم ہے جس میں رسولؐ اللہ کی اس طرح تصویر کشی کی گئی ہے:

"....عن سهل بن سعد؛قال:دعا ابو اسيد الساعدی رسولؐ اللّٰہ فی عرسه، کانت امرأته يومئذ خادمهم،وهی العروس قال سهل:تدرون ما سقت رسولؐ اللّٰہ؟انقعت له تمرات من الليل،فلما اكل،سقته اياه ."

سہل بن سعد کہتے ہیں:

ابو اسید ساعدی نے اپنی شادی کے جشن میں رسولؐ کو مدعو کیا اور اس جشن میں لوگوں کی پذیرائی خود دولھن ہی کر رہی تھی، سہل بن سعد کہتے ہیں: جانتے ہو کہ اس دن اس عورت نے رسولؐ کو کس چیز کا شربت پلایا؟ جب رسولؐ نے کھانا تناول فرمایا تو اس عورت (دلھن) نے رسولؐ کو خرمہ کا بنا ہوا لذیذ شربت خود اپنے ہاتھوں سے دیا! کیونکہ اس نے رسولؐ کیلئے خرموں کو پہلے سے رات میں بھگا رکھا تھا!!(۲)

---

(۱) ابن حجر سے حقیر کا سوال یہ ہے کہ رسول اکرمؐ کو یہ خصوصیت آیۂ حجاب نازل ہونے سے پہلے مبعوث برسالت ہونے کے بعد ملی تھی یا زمانہ جاہلیت کے ایک رسم کے مطابق ابھی تک آپ یہ سب کرتے آرہے تھے؟! اگر یہ خصوصیت رسالت ملنے کے بعد خدا نے آپ کو عنایت فرمائی تھی، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا رسالت امر حرام کو جائز قرار دینے کے لئے دی جاتی ہے؟! اور اگر یہ بات زمانہ جاہلیت کی ایک رسم تھی تو پھر آنحضرتؐ کے لئے جائز نہ تھا کہ آپ رسالت ملنے کے بعد ایسا کام انجام دیتے، حالانکہ رسولؐ کے لئے محترم مؤلف صاحب، کتاب کے اوائل میں تفصیل کے ساتھ تحریر کر چکے ہیں کہ آپ قبل بعثت بھی بلکہ بچپن ہی سے تمام رذائل وخبائث اور ناشائستہ امور سے پاک و پاکیزہ تھے، چہ جائیکہ منصب رسالت کے بعد اپنی عمر کے آخری حصہ میں آپ یہ کام انجام دیتے؟! مترجم۔

(۲) صحيح بخاری جلد۷، كتاب النكاح ،باب(۷۱)"حق اجابة الوليمة والدعوة" حديث ۴۸۸۱، باب(۷۸)"النقيع واشراب الذی لايسكر" حديث ۴۸۸۸ ، كتاب الاشربه، باب(۸)"نقع التمر ما لم يسكر" حديث۵۲۷۵ ، كتاب النكاح، باب (۷۷)"قيام المرئة على الرجال فی العرس و خدمتهم بالنفس" حديث۴۸۸۷، كتاب الاشربة ،باب(۲)"الانتباذ فی الاوعية" حديث ۵۲۶۹ .

مترجم:(صحيح بخاری ج۶، كتاب الأيمان والنذور، ب(۹۱)"من حلف ان لايدخل على اهله شهراً" ح۶۳۰۶) صحيح مسلم ج ۶، كتاب الاشربة ،باب [۹]"اباحة النبيذ الذی لم يشتد ولم يصر مسكراً" حديث ۲۰۰۶ .

یہ حدیث صحیح بخاری میں سہل بن سعد سے اس طرح بھی نقل کی گئے ہے:

,,......ابوحازم عن سهل؛قال:لما عرس ابو اسيد الساعدی دعیٰ رسول الله (ص)اصحابه،فماصنع لهم طعاماًولاقربه اليهم الاامرأته ام اسيد بلت تمرات فی تور من حجارةمن الليل فلما فرغ النبی(ص) من الطعام اماثته له فسقته،تتحفه بذالک"(۱)

ابوحازم سہل ابواسید ساعدی سے نقل کرتے ہیں:

جب میری شادی ہوئی تو میں نے رسول اسلامؐ اور آپ کے اصحاب کو دعوت دی اور اس دعوت کا انتظام اور مہمانوں کی خدمت خود دلھن کے ذمہ تھی، لہٰذا اسید اور اس کے علاوہ کسی نے بھی غذا اور مہمانوں کی خدمت نہیں کی اور جب رسول کھانے سے فارغ ہوگئے تو اسید کی بیوی نے رسول کو ان خرموں کے شربت سے سیراب کیا جنھیں اس نے رات میں پتھر کے ظرف میں بھگایا ہوا تھا، اس طرح اس عورت نے اپنی محبت والفت کا رسولؐ سے اظہار کیا!!

---

(۱) صحیح بخاری ج ۷، کتاب النکاح، ب(۷۷)"قیام المرئة علی الرجال فی العرس و خدمتهم بالنفس"حدیث۴۸۸۷.

۴۔ کیا رسولؐ ناچنے والی دوشیزاؤں سے اظہار محبت فرماتے تھے؟!

صحیحین کی مندرجہ ذیل حدیثوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ غنا اور آلاتِ موسیقی سے بہت دلچسپی رکھتے تھے! چنانچہ اگر آپ کو اس کا پتہ چلتا کہ کسی جگہ شادی کے جشن میں ناچ گانے کا انتظام نہیں ہے تو آپ خود بنفس نفیس جا کر اس بارے میں مداخلت کرتے! اور اس بات کی تاکید کرتے کہ ایسی خوشیوں میں ناچ گانے کا ہونا بہت ضروری ہے! اور کبھی ناچنے والی لڑکیوں سے اپنی محبت کا اظہار فرماتے! اور کبھی جو عورتیں ناچ گانے کے پروگرام سے واپس آتی ہوتیں ان کے سامنے کھڑے ہو جاتے اور فرماتے: خدا کی قسم یہ تو میرا خدا ہی جانتا ہے کہ میں تم سے کتنا زیادہ پیار کرتا ہوں!! وغیرہ وغیرہ......

بہر کیف چند نمونے ذیل میں اس کے بھی نقل کرتے ہیں:

۱.,,,...عن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ؛ انھا زَفَّتْ امرأ ۃً الی رجل من الانصار،فقال النبی: یاعائشۃ! ماکان معکم لھو، فان الانصار یعجبھم اللھوُ"(۱)

عائشہ سے منقول ہے:

ایک روز میں دلھن کو وداع کروا کر اس کے شوہر کے گھر لے جا رہی تھی جو انصار میں سے تھا، رسول نے فرمایا: عائشہ کیا تمھارے ساتھ لہو ولعب (ناچ گانے) کا بھی انتظام ہے؟! اس لئے کہ انصار ناچ گانے کے بہت شوقین ہوتے ہیں!!

اس حدیث کو بخاری نے اسی متن کے ساتھ نقل کیا ہے جسے ہم نے آپ کے سامنے پیش کیا، لیکن ابن ماجہ نے ابن عباس سے کچھ تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

"......عن ابی الزبیر عن ابن عباس؛قال:انکحت عائشۃ ذات قرابۃ لھا من الانصار فجاء رسولُ اللّٰہ، فقال:اھدیتم الفتاۃ؟ قالوا:نعم:قالؐ:ارسلتم معھا من یغنیّ؟ قالت: لا.فقال رسولُ اللّٰہ:ان الانصار قوم فیھم غزل فلوبعثتم معھامن یقول:آتینا کم آتیناکم فحیاناً وحیاکم"(۲)

(۱) صحیح بخاری، جلد ۷، کتاب النکاح،باب" النسوۃ اللاتی یھدین المرأۃ الی زوجھا" حدیث نمبر:۴۸۶۷.

(۲) سنن ابن ماجہ ج ۱، کتاب النکاح باب[۲۱] الغناء و الدف ص ۶۱۲،حدیث ۱۹۰۰.

ابن عباس نے روایت کی ہے:

ایک روز عائشہ اپنے رشتہ داروں کی لڑکیوں میں سے ایک لڑکی (دلھن) کو وداع کروا کر ایک انصار کے گھر لے جا رہی تھیں کہ اچانک رسولؐ تشریف لائے اور دریافت کیا: کیا دلہن کو شوہر کے گھر بھیج دیا؟ لوگوں نے کہا: ہاں یا رسول اللہؐ! آپؐ نے کہا: کیا دلہن کے ساتھ ناچنے گانے والی عورتوں کو بھی بھیجا ہے؟! عائشہ نے کہا نہیں، آپؐ نے فرمایا: انصار کی عورتوں میں اس کی رسم ہے! لہٰذا بہتر تھا کہ دلہن کے ساتھ کسی کو بھیج دیا جاتا جو جا کر یہ شعر پڑھتا!!

آتیناکم آتیناکم فحیاناوحیاکم .

۲ ."...... عن انس بن مالک قال :بصر النبی نساء أوصبیانا مقبلین من عرس، فقام ممتنا، فقال:اللّٰھم انتم من احب الناس الیّ" (۱)

امام بخاری نے انس بن مالک سے نقل کیا ہے:

ایک روز کچھ عورتیں اور بچے جشن عروسی سے واپس آ رہے تھے، جب رسولؐ نے ان کو دیکھا تو فرطِ محبت میں کھڑے ہو گئے اور ان کو مخاطب کر کے فرمایا: یہ تو میرا خدا ہی جانتا ہے کہ تم لوگ میرے نزدیک سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو!!

ابن ماجہ نے کچھ تغیر و تبدل کے ساتھ اس روایت کو یوں نقل کیا ہے:

......,, عن انس بن مالک؛ ان النبی مر ببعض المدینة، فاذا هو بجوار یضربن بدفهن یتغنین ویقلن: ـ نحن جوار من بنی نجار ☆ یا حبذا محمد من جار فقال النبی :الله اعلم انی لاحبکن!!(۲)

---

(۱) صحیح بخاری: جلد۷، کتاب النکاح، باب(۷۵)" ذهاب النساء و الصبیان الی العروس" حدیث۴۸۸۵. جلد ۵، کتاب فضائل الصحابة، باب(۳۵)" قول النبیؐ للانصار "حدیث ۳۵۷۴،۳۵۷۵. کتاب الأیمان والنذور، باب[۳] "کیف کانت یمین النبیؐ"حدیث ۶۲۶۹. مترجم:(صحیح بخاری جلد۷، کتاب النکاح ،باب(۱۱۱)"ما یجوز یخلو الرجل بامرئةعند الناس" حدیث ۴۹۳۶،باب(۶۳)النسوةاللاتی یهدین المرئة الیٰ زوجها "حدیث۴۸۶۸.)

مسلم ج۷ ،کتاب فضائل الصحابة، باب(۴۳)" فضائل الانصار" حدیث۲۵۰۸، ۲۵۰۹.

(۲) سنن ابن ماجه جلد ۱، کتاب النکاح، باب[۲۱]" الغنا و الدف"حدیث ۱۸۹۹، ص ۶۱۲.

انس بن مالک سے مروی ہے:

ایک روز رسول اسلامؐ کسی کوچہ سے گزر رہے تھے کہ آپؐ نے کچھ جوان لڑکیوں کو دیکھا جو دف بجا رہی تھیں اور اپنی دل نشین آواز میں یہ شعر پڑھ رہی تھیں:

نحن جوار من بنی نجار　　　یاحبذا محمد من جار

ہم قبیلہ بنی نجار کی لڑکیاں ہیں اور ہمارا ہمسایہ محمدؐ کس قدر خوب و نیک ہے۔

انس بن مالک کہتے ہیں:

جب رسولؐ نے اس کو سنا تو کھڑے ہو گئے اور فرط محبت سے ان سے اس طرح خطاب فرمایا: یہ تو میرا خدا ہی جانتا ہے کہ میں تم کو کس قدر چاہتا ہوں۔

گزشتہ جعلی روایتوں کی تحقیق اور آٹھ سوالات

قارئین کرام! آپ نے گزشتہ مباحث میں آنحضرت ﷺ کی شان میں جو توہین آمیز اور بیہودہ نسبتیں چار عنوان کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں، یہ ان غلط اور قبیح تہمتوں میں سے چند تہمتیں تھیں جن کی مرسل اعظمؐ کی طرف نسبت دی گئی ہے، جن کے ذریعہ رسولؐ کے پاک و پاکیزہ دامن کو آلودہ و داغدار بنانے کی لا حاصل سعی کی گئی ہے!!! افسوس کہ یہ ساری چیزیں صحیحین اور سنیوں کی دیگر معتبر کتابوں میں نقل کی گئی ہیں، یا بالفاظ دیگر ان بیجا تہمتوں کو اسلام کی اصلی احادیث اور اصول مسلمہ کی شکل میں ان کتابوں میں نقل کیا گیا ہے جو اہل سنت کے یہاں صد در صد صحیح اور قابل اعتماد مانی جاتی ہیں، یہاں تک کہ ان سے عقیدت رکھنے والے افراد ان احادیث کے مضامین کو قبول کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور ان کے مطابق اپنے فتاوے دیتے ہیں۔

بہر کیف ہم نے گزشتہ چار عنوان کے تحت ان روایات کو نقل کیا جن سے رسول اسلامؐ کی توہین ظاہر ہوتی ہے اور یہ چار عنوان درج ذیل تھے:

۱۔ خانۂ رسولؐ اور محفل غنا؟!!

۲۔ کیا رسولؐ عورتوں کی محفل میں شرکت کرتے تھے؟!

۳۔ کیا رسولؐ عائشہ کو اپنے دوش پر بٹھا کر مسجد میں ناچ دکھاتے تھے؟!

۴۔ کیا رسولؐ ناچنے والی دوشیزاؤں سے اظہار محبت فرماتے تھے؟!

اب ہم ان چاروں تہمتوں کی مذکورہ نظم و ترتیب کے ساتھ ان کے جوابات اور ان روایات میں سے ہر ایک کی تحقیق پیش کرتے ہیں۔

ان احادیث کے ناقلین سے چند وضاحتی سوالات

۱۔ سب سے پہلے ہم ان حدیثوں کے نقل کرنے والوں سے یہ پوچھنا اور کہنا چاہتے ہیں: ارے یہ کون سا اور کیسا رسولؐ ہے جس کے گھر میں اس کی نظروں کے سامنے جوان جوان لڑکیاں ناچ گانا گائیں اور وہ ان

کو منع کرنے کے بجائے ان کی محفل میں شرکت کر کے ان کو ایسے اشعار پڑھنے کی تشویق دلائے جن میں فحش گالیوں کے علاوہ کچھ اور نہ ہو؟ اور جب ابوبکر منع کریں تو آپ ان کو منع فرما دیں؟!

۲۔ یہ کیسا رسولؐ (معاذ اللہ) ہے کہ ناچ گانے والوں کو مسجد میں ناچنے گانے کی اجازت دیدے؟! حتی کہ ان کو اور تشویق دلائے اور اگر حضرت عمر روکیں تو آپ عمر کو منع کر دیں؟!

۳۔ یہ کیسا رسولؐ ہے جو اپنی نوجوان بیوی کو نامحرموں کے درمیان لیجا کر ناچ گانا دکھلائے؟! اور وہ بھی اس قدر کہ دیکھنے والی کی آنکھیں دیکھنے سے تھک جائیں مگر آپ......؟!

۴۔ یہ کیسا رسولؐ ہے جو زنانی محفل میں نہ تنہا شرکت کرے بلکہ اس کی صدارت بھی خود فرمائے! اور لڑکیوں کے گانوں کو دل لگا کر سنے! اور پھر اظہار نظر بھی فرمائے؟!

۵۔ یہ کیسا رسولؐ ہے کہ جو جشن عروسی میں شرکت کرے اور خود دلہن اس کی پذیرائی اور مہمان نوازی کرے؟!

۶۔ یہ کیسا رسولؐ ہے جو نبوت کی تمام ذمہ داریاں بھول کر اس فکر میں ہو کہ فلاں جگہ ناچنے گانے والی عورتوں نے شرکت کی ہے یا نہیں؟! اور اگر وہ کسی کی شادی میں نہ آئی ہوں تو لوگوں کو ان کے لانے پر تشویق دلائے! اور پھر خود بخود شعر بھی پڑھنے کے لئے معین فرمائے؟!!

۔ اتیناکم اتیناکم فحیانا وحیاکم

۷۔ یہ کیسا رسولؐ ہے کہ وہ لڑکیاں جو شادی کی زنانی محفل سے پلٹ رہی ہوں، یا وہ لڑکیاں جو ناچ رہی ہوں ان کو دیکھ کر فرطِ محبت سے کہے: خدا کی قسم سب سے زیادہ میں تمہیں سے پیار کرتا ہوں؟!

۸۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ والا میں مذکورہ تمام مغلظات اور خرافات جو صحیح حدیث کی شکل میں صدیوں سے مسلمانوں میں نقل ہوتے آرہے ہیں، اگر ہم ان کو صحیح تسلیم کر لیں تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب قوم کا رئیس ہی ایسا ہے تو پھر رعایا کا کیا حال ہوگا؟! خدا جانے! چنانچہ ایسی جگہ اس شعر کا مفہوم زندہ ہو جاتا ہے: ۔ اذا کان رب البیت بالدف مولعاً فشیمة اهل البیت کلهم الرقص

جب گھر کا مالک ہی ڈھول بجائے تو پھر گھر والے ناچیں نہ تو کیا کریں؟(۱)

---

(۱) عرض مترجم: ۔ بندہ مذکورہ حدیث کو صحیح قرار دینے والوں سے پوچھنا چاہتا ہے کہ کیا آپ لوگوں نے اس سنت رسولؐ پر کبھی عمل کیا یا نہیں؟ یقیناً کیا ہوگا، کیونکہ آپ کے نزدیک صحیحین کی تمام روایات صحیح ہیں! اور جب عمل کیا تو پھر زنانی محفل سے واپسی پر شکل وصورت میں کوئی تغیر وتبدل تو نہیں واقع ہوا؟ کیا لوگوں نے آپ کو سویرے پہچان لیا تھا؟!

براہین قاطعہ گزشتہ جعلی روایتوں کی تکذیب کرتے ہیں

قارئین کرام! متذکرہ روایات کا جعلی ہونا ہماری اُس بحث کے مطالعہ سے آشکار ہو جاتا ہے جسے ہم کتاب کے اوائل میں تمام انبیائے کرام بالخصوص حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شمائل و خصائص کے متعلق صحیح روایات اور قرآن مجید کی متعدد آیات کی روشنی میں نقل کر چکے ہیں، چنانچہ ہم نے وہاں اس بات کو ثابت کیا کہ رسولؐ کی عظمت و فضیلت کا خاص گوشہ یہ ہے کہ آپ نے بعثت سے پہلے بھی کوئی ایسا کام نہیں انجام دیا جو توہین شخصیت اور بدنامی کا سبب بنے، یہی وجہ ہے کہ قبل بعثت رسول کو امین و صادق کا لقب دینا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو قبل بعثت شریف ترین لوگوں میں سے شمار کیا جاتا تھا، لیکن مذکورہ فرسودہ روایات کا جعلی ہونا آپ پر یقینی طور پر ثابت ہو جائے، اس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت، اسلام میں احترام مساجد اور ان سب سے اہم یہاں ہم ان احادیث کو قلمبند کرتے ہیں جو حرمت غنا اور نامحرم عورتوں کے جسم پر نظر ڈالنے سے متعلق ہیں اور جو اہل سنت کی معتبر کتابوں میں نقل کی گئیں ہیں تاکہ روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ماضی کی زندگی ہو، یا نبوت کی زندگی، تمام رذائل و خباثت سے صاف و شفاف تھی۔

حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں تاریخ کی معتبر کتابوں میں درج ہے کہ محمد حنفیہ نے اپنے باپ حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ رسول اسلامؐ نے فرمایا :

”ما ھممت بما کان الجاھلیة یھمون به الا مرتین من الدھر کلاھما یعصمنی الله منھما ......“

جب میرا بچپن تھا تو میں نے دو مرتبہ جاہلیت کے دور کے برے کام کرنے کا ارادہ کیا، لیکن خدا نے میرے اس رادہ کو بدل دیا، جس کی وجہ سے وہ کام نہ ہو پایا، لہٰذا میں سمجھ گیا کہ یہ کام خدا کو پسند نہیں ہے، اس وقت سے کوئی بھی دور جاہلیت کا بے بیہودہ کام میں نے انجام نہیں دیا، یہاں تک کہ خدا نے مجھے رسالت سے سرفراز فرمایا۔ اس کے بعد رسولؐ نے فرمایا: ایک شب میں نے اپنے گوسفند (و بکریاں) چرانے والے ساتھی سے کہا: کیا ممکن ہے کہ میں بھی آج کی شب مکہ والوں کے ساتھ شب نشینی کروں؟

اس بچے نے میری درخواست منظور کر لی اور میں مکہ کے لئے روانہ ہوگیا،شہر کے پہلے گھر کے نزدیک ہی پہنچا تھا کہ ایک گھر کے اندر سے گانے بجانے کی آواز آئی، جب میں نے دریافت کیا تو پتہ چلا کہ آج اس گھر میں فلاں لڑکی لڑکے کی شادی کا جشن ہے، میں نے بھی اس جشن میں شرکت کی، لیکن جونہی پروگرام شروع ہوا تو خدا نے میرے اوپر نیند غالب کر دی اور میں کچھ بھی اس جشن کے پروگرام سے نہ سمجھ پایا، یہاں تک کی صبح جب سورج کی دھوپ میرے اوپر آپڑی تب بیدار ہوا اور اس چرواہے دوست کے پاس آگیا، تا کہ اپنے گوسفندوں کی حفاظت کروں، اس قریشی ساتھی نے مجھ سے داستان معلوم کی میں نے اپنی کہانی کہہ سنائی۔

دوسری شب پھر میں نے اپنے دوست سے گزارش کی کہ میں مکہ چلا جاؤں اور وہ میرے گوسفندوں کی حفاظت کرتا رہے، اس نے قبول کر لیا، جب میں شہر میں داخل ہوا تو پھر کل والا جشن ہو رہا تھا، لہٰذا میں اس میں شریک ہوگیا، لیکن گزشتہ کل کی طرح خدا نے آج بھی میرے اوپر نیند غالب کر دی اور صبح ہونے پر بیدار ہوا اور اپنے دوست کے پاس چلا گیا، اس وقت سے آج تک کوئی جاہلیت کے زمانہ کا برا کام میں نے انجام نہیں دیا، یہاں تک کہ خدا نے مجھے تاج رسالت سے سرفراز فرمایا۔(۱) (۲)

---

(۱) مستدرک الصحیحین ج ۴، کتاب التوبة والانابة، باب عصمة النبیؐ عن عمل الجاهلیة قبل النبوة، صفحه ۲۴۵. تاریخ الطبری جلد ۲، ذکر رسول الله و انسابه صفحه ۳۴. شرح نهج البلاغه، ابن ابی الحدید جلد ۱۳، خطبه ۱۹۲، "ذکر حال رسول الله فی نشوئه، صفحه ۲۰۷. الکامل فی التاریخ "ذکر الفواطم والعواتک" ابن اثیر جلد ۱، صفحه ۵۲۵. البدایة والنهایة، ابن کثیر جلد ۲، فصل "فی منشئه و مرباه و کفایه ...." صفحه ۳۵۰. السیرة الحلبیة جلد ۱، باب "ما حفظ الله به فی صغره (ص) من امر الجاهلیة، صفحه ۱۲۲.

(۲) کیا یہ روایت ان جھوٹی روایتوں کی تکذیب نہیں کرتی جن میں آنحضرت کو گانے کا شوقین اور عورتوں کی محفلوں میں شریک ہونے والا دکھلایا گیا ہے؟! ایک طرف رسولؐ فرمارہے ہیں کہ میں نے دور جاہلیت کے کوئی کام انجام نہیں دئے اور دوسری طرف یہ جھوٹی روایتیں کہتی ہیں کہ آپ اکثر یہی کام انجام دیا کرتے تھے، آخر ان روایات کو آپ کیسے جمع کریں گے؟! مترجم.

نتیجہ:

اس روایت سے استفادہ ہوتا ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خدا کا خاص لطف تھا، اسی وجہ سے ناچ گانے کے جشن میں جب آنحضرتؐ شرکت کرتے ہیں تو خدا آپ پر نیند غالب کر کے بچالیتا ہے اور پھر رسولؐ اس وقت سے مصمم ارادہ کر لیتے ہیں کہ جاہلیت کے برے کام انجام نہ دیں گے، یہاں تک کہ رسالت کا منصب عطا کر دیا جاتا ہے، لیکن صحیحین کی متعدد جھوٹی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اسلامؐ دوران رسالت بھی ایسی محفلوں کے شوقین تھے!! بھلا وہ رسولؐ جو بعثت سے پہلے جاہلیت کے دور کے اعمال انجام دینے کا ارادہ تک نہ رکھتا ہو وہ ایک دم منصب رسالت پانے کے بعد اپنے بڑھاپے میں بدل جائے گا! اور نوجوان لڑکیوں کی محفلوں میں شرکت کریگا! اور عورتوں کی محفل میں جا کر اپنی خدمت خود دولھن سے کروائے گا!! یہی نہیں بلکہ آپ اپنی نوجوان بیوی کو نامحرم مردوں کے درمیان ناچ دیکھنے پر مجبور کریگا!! کیا عورتوں کی محفلوں میں شریک ہونا، یا اپنی نوجوان بیوی کو نامحرم مجمع میں لیجا کر ناچ دکھانا، یا جشن عروسی میں جا کر دلھن سے اپنی خدمت کروانا، یہ سب دور جاہلیت کے اعمال نہیں؟! کیا رسول اسلام کو ان برے اعمال سے اسلام میں اجتناب کرنے کے لئے نہیں کہا گیا تھا؟! کیا مذکورہ افعال آپ کے لئے حرام نہ تھے؟! جب غنا اور موسیقی قرآن کی رو سے حرام ہے تو پھر رسولؐ ایسی محفلوں میں کیسے شریک ہوتے تھے؟! بہر حال آپ کی تشفی کے لئے ہم قرآن اور صحیح روایات کی نظر میں حرمت غناء پر بھی روشنی ڈالتے ہیں تا کہ مذکورہ روایات کا جعلی ہونا پایۂ ثبوت تک پہنچ جائے۔

حرمت غنا قرآن کی روشنی میں

مفسرین کے قول کے مطابق قرآن مجید میں موسیقی اور غنا کی حرمت سے متعلق متعدد آیات نازل ہوئی ہیں، لیکن ہم صرف تین آیتوں کو یہاں آپ کی خدمت میں بعنوان نمونہ نقل کرتے ہیں:

۱. ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ

وَيَتَّخِذَهَا هُزُواً أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴾(۱)

اور لوگوں میں بعض (نضر بن الحارث) ایسے لوگ ہیں جو بے ہودہ قصے کہانیاں خریدتے ہیں، تا کہ بغیر سمجھے بوجھے لوگوں کو خدا کی سیدھی راہ سے بھٹکا دیں اور آیات خدا سے مسخرہ پن کریں، ایسے ہی لوگوں کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔

جب ابن مسعود سے سوال کیا گیا کہ "**لهو الحديث**" سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے کہا:

خدا کی قسم اس سے گانا اور موسیقی مراد ہے، ایک دوسری نقل کے مطابق آپ نے کہا: "لہوالحدیث" سے مراد گانا، موسیقی اور ان کا سننا ہے، قسم اس خدا کی جس کے علاوہ کوئی دوسرا خدا نہیں۔

اسی طرح ابن عباس، عبداللہ ابن عمر، عکرمہ، سعید بن جبیر، مجاہد، مکحول، میمون بن مہران، قتادہ، نخعی، عطار، حسن بصری وغیرہ نے لہوالحدیث سے گانا اور موسیقی مراد لیا ہے۔(۲)

۲. ﴿ وَ اسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ ...... ﴾(۳)

اور اس میں سے جس پر اپنی (چکنی چپڑی) بات سے قابو پا سکے اسے بہکا۔

اس آیت میں خدا نے شیطان کو مخاطب قرار دیا ہے اور فرمایا ہے: جتنا تجھ سے ہو سکے اپنی چکنی چوپڑی بات سے لوگوں کو بہکا لے۔

ابن عباس اور مجاہد نے اس آیت میں صدائے شیطان کو گانے اور آلات موسیقی سے تعبیر کیا ہے۔(۴)

۳. ﴿ أَفَمِنْ هَذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ ☆ وَ تَضْحَكُونَ وَ لَا تَبْكُونَ ☆ وَأَنْتُمْ سَامِدُونَ ﴾(۵)

---

(۱) سورۂ لقمان، آیت ۶، پ ۲۱.

(۲) تفسیر طبری ج ۲۱، ص ۷۶، ۷۷، تفسیر قرطبی ج ۱۷، ص ۱۲۴، ۱۲۵. تفسیر ابن کثیر ج ۳، ۴۵۱، ۴۵۲. تفسیر در منثور، ج ۳، ص ۱۵۹، ۱۶۰. ارشاد الساری ج ۹، ص ۱۶۳.

(۳) سورہ بنی اسرائیل آیت ۶۴، پ ۱۵.

(۴) تفسیر طبری جلد ۱۵، صفحہ ۱۴۷. تفسیر قرطبی جلد ۱۰، ص ۲۹۰. تفسیر ابن کثیر جلد ۲، صفحہ ۲۱۴. تفسیر آلوسی جلد ۱۵، ص ۱۱۱.

(۵) سورۂ نجم، آیت ۵۹، ۶۰، ۶۱، پ ۲۷.

تو کیا تم لوگ اس بات سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو روتے نہیں ہو اور تم اس قدر غافل ہو۔

اس آیت میں خداوند متعال نے اپنے بندوں کی تہدید، انذار اور ملامت فرمائی ہے۔

عکرمہ نے ابن عباس سے نقل کیا ہے:

سامدون سے مراد غنا ہے، کیونکہ سمد کے معنی، قبیلہ بنی حمیر کی لغت میں غنا کے آئے ہیں، مثلاً "اَسْمَدَ لَنَا،ای غن لنا" یعنی اس نے میرے لئے گانا گایا۔(۱)

احادیث کی روشنی میں غنا کی مذمت

موسیقی اور غنا کی حرمت سے متعلق کتب احادیث میں بہت روایات وارد ہوئی ہیں چنانچہ چند روایات نمونہ کے طور پر یہاں ہم نقل کرتے ہیں:

۱. عن ابی موسی اشعری مرفوعاً؛من استمع الی صوت غناء لم یؤذن له ان یستمع الروحانیین،فقیل: ومن الروحانیون یا رسول الله؟ قال:قراء اهل الجنة . (۲)

ابوموسیٰ اشعری نے رسول خداؐ سے روایت کی ہے:

آنحضرتؐ نے فرمایا: جو غنا اور موسیقی کو سنے گا اسے روحانیوں کی صدا سے محروم رکھا جائے گا، دریافت کیا گیا: یارسولؐ اللہ! روحانیوں سے مراد کون ہیں؟ فرمایا: اہل بہشت کے قاری۔

۲. عن علی مرفوعاً: تمسخ طائفة من امتی قردة، وطائفة خنازیر،ویخسف بطائفة ،ویرسل علیٰ طائفة الریح العقیم،بانهم شربوا الخمر،ولبسوا الحریر،واتخذوا القیان،وضربوا بالدفوف.

حضرت علی علیہ السلام سے ایک مرفوع حدیث میں منقول ہے:

---

(۱) تفسیر طبری جلد ۲۷، صفحہ ۱۰۸،۱۰۷. تفسیر قرطبی جلد ۱۷ ،صفحہ ۱۲۲ .تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ،صفحہ ۲۷۸. تفسیر در منثور جلد ۶ ،صفحہ ۱۳۲.

(۲) تفسیر قرطبی جلد ۱۰ ،تفسیر قوله تعالی : ومن لناس من یشتری لهو الحدیث ، سوره لقمان ، ص ۳۶۵.

رسول اسلامؐ نے فرمایا: میری امت کے کچھ لوگوں کو مسخ کر کے بندر بنا دیا جائے گا اور کچھ کو سور یعنی ان دو حیوانوں کے صفات اور خصوصیات ان لوگوں میں پیدا ہو جائیں گے اور کچھ لوگ زمین میں دھنس جائیں گے، کچھ لوگوں کو شدید طوفان میں مبتلا کر دیا جائے گا، صحابہ نے آپ سے معلوم کیا: یا رسولؐ اللہ! یہ کون لوگ ہیں؟

آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے اور ریشم کا لباس زیب تن کرتے ہیں اور آلاتِ موسیقی کو دوست اور ناچنے گانے والی عورتوں سے پیار و محبت کرتے ہیں۔(۱)

۳. عن انس مرفوعاً ؛بعثنی الله رحمة وهدیً للعالمین ،وبعثنی بمحق المغازف، والمزامیر،وامر الجاهلیة.(۲)

انس بن مالک نے روایت کی ہے:

حضرت رسول خداؐ نے فرمایا: خدا نے مجھے کائنات کیلئے رحمت اور وسیلۂ ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور اس لئے بھیجا ہے کہ غنا و موسیقی کو ختم کروں جو جاہلیت کے دور میں رائج تھی۔

۴. عن مجاهد؛ کنت مع ابن عمر، فسمع صوت طبل، فادخل اصبعه فی اذنه،ثم تنحی حتی فعل ذالک ثلاث مرات،ثم قال:هکذا فعل رسول الله(ص).

ابن ماجہ نے اپنی کتاب سنن میں مجاہد سے نقل کیا ہے:

ایک مرتبہ میں عبداللہ ابن عمر کے ساتھ تھا کہ ایک طرف سے ڈھول بجنے کی آواز آئی تو عبداللہ ابن عمر نے اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں دے لیں تا کہ اس کی آواز نہ آئے، یہاں تک کہ اس طرح آپ نے تین مرتبہ کیا اور جب اس جگہ سے کافی دور ہو گئے تو آپ نے فرمایا: رسولؐ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

اس مضمون کی حدیث سنن ابی داؤد میں بھی منقول ہے۔(۳)

---

(۱) تفسیر در منثور جلد۲ ،سورہ مائدہ کی تفسیر ، صفحہ ۳۲۴ .

(۲) تفسیر درمنثور جلد ۲ ،سورہ مائدہ کی تفسیر ، صفحہ ۳۲۳.

(۳) سنن ابن ماجه ج ۱ ،کتاب النکاح، باب[۲۱] الغناء و الدف،ص ۶۳۱،حدیث ۱۹۰۱ . سنن ابی داؤد ج ۲ ، کتاب الادب ، باب [۶۰]"کراهیة الغناء ......"حدیث ۴۹۲۴ص ۳۰۴ .

یہ تھی قرآن واحادیث کی روشنی میں حرمت غنا وموسیقی کی مختصر وضاحت جسے آپ نے ملاحظہ فرمایا، لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے: وہ پیغمبرؐ جس پر قرآن نازل ہوا، وہ پیغمبرؐ جو تحریم غنا کا قانون لایا، وہ پیغمبر جو یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے:

''جو لوگ گانے اور موسیقی سنتے ہیں انھیں بہشت کے قاریوں کی صدا سے محروم کردیا جائے گا، اسی طرح موسیقی کی وجہ سے لوگوں کے کردار مسخ ہو جائیں گے، المختصر وہ پیغمبرؐ جو ڈھول کی آواز سے اس قدر نفرت رکھتا ہو کہ اپنے کانوں میں انگلیاں دے لے اور اس جگہ سے جلدی سے گزر جائے''۔

آیا ایسے پیغمبرؐ کے بارے میں خام بدہن یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ اپنے گھر میں لڑکیوں کے ناچ وگانے کروانے پر اتنا مصر تھا کہ شریعت کے پابند ایک صاحب منع کرتے رہیں اور آپ ان سے کہہ دیں کہ تم کو اس سے کوئی مطلب نہیں، تم جاؤ اپنا کام کرو؟!!!

احترام مسجد اور کردار رسولؐ

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ دین اسلام میں مسجد کو بہت اہمیت دی گئی ہے اور اس کیلئے ایک خاص تقدس و احترام کا لحاظ کیا گیا ہے، چنانچہ زمین کے جس حصے پر بھی مسجد کی بنا رکھ دی جائے اس کا مسلمانوں کیلئے نجس کرنا حرام ہے اور جنابت کی حالت میں اس میں ٹھہرنا جائز نہیں، المختصر یہ کہ ہر وہ کام جس سے مسجد کی اہانت ہوتی ہو حرام ہے، لہٰذا رسول اسلامؐ نے مسجد کے بارے میں بہت سارے احکام بیان کئے ہیں جن سے مسجد کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا:

۱ ،،، ...... قال(ع)جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم وشرارکم وبیعکم وخصوماتکم ورفع اصواتکم واقامة حدودکم وسل سیوفکم ......"(۱)

بچوں، دیوانوں اور اہل شر افراد کو (جو مسجد کے احترام کا خیال نہ رکھیں) مسجد میں نہ جانے دو اور مسجد میں خرید وفروخت، لڑائی، جھگڑا نہ کرو! مسجد میں اپنی صدا بلند نہ کرو، مسجد میں کسی پر حد شرعی

(۱) سنن ابن ماجه جلد ۱، کتاب المساجد والجماعة، باب[۵] ما یکره فی المساجد، حدیث ۷۵۰ ص ۲۴۷.

جاری نہ کرو، مسجد میں برہنہ تلوار نہ لے جاؤ۔

۲. ,,......من سمع رجلاً ینشد ضالة فی المسجد، فلیقل لاأداها الله الیک، فان المساجد لم تبن لذالک ......" (۱)

دوسری جگہ رسولؐ نے مسجد کے احترام کے بارے میں فرمایا:

اگر کسی کو دیکھو کہ مسجد میں اپنی گم شدہ شی کا اعلان کر رہا ہے تو اس سے کہہ دو کہ خدا تیری گم شدہ چیز کو نہ پلٹائے، کیونکہ مسجد عبادت گاہ ہے ایسے امور کے لئے تاسیس نہیں کی گئی ہے۔

۳. ,,...... اذا دخل احدکم فلا یجلس حتی یصلی رکعتین "(۲)

احترام مسجد یہ ہے کہ جب انسان مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے نماز پڑھے۔

مسجد نبوی

قارئین مذکورہ روایتوں کے علاوہ بہت سی روایتیں دنیا کی عام مسجدوں کے احکام سے متعلق نقل کی گئی ہیں، لیکن مسجد نبوی کا دنیا کی دیگر مسجدوں کے مقابلہ میں ایک خاص مرتبہ ہے، فضیلت کے اعتبار سے اس کے مقابل میں دنیا کی کوئی مسجد نہیں، یہ مسجد فضیلت کے اعتبار سے خانہ کعبہ کے بعد دوسرا درجہ رکھتی ہے، بلکہ بعض علماء کی نظر میں تو اس مسجد کا فضیلت میں پہلا درجہ ہے۔(۳)

---

(۱) السنن الکبری ، بیھقی، جلد ۲ ،کتاب جماع ابواب الصلاة بالنجاسة ، باب'' انشاد الضالة فی المسجد '' ص ۴۴۷.

سنن ابی داؤد جلد ۱ ،کتاب الصلاة،باب فی کراھیة انشاد الضالة ......"حدیث ۴۷۳، ص ۱۱۵ .

(۲) صحیح بخاری جلد ۱ ، کتاب الصلوٰة ،ابواب المسجد، باب(۲۷)"اذا دخل المسجد فالیرکع رکعتین" حدیث ۴۳۳.

صحیح مسلم ج ۲ ،کتاب صلاة المسافر،باب (۱۱)استحباب تحیة المسجد برکعتین....."ح۷۱۵،۷۱۴،باب(۱۲)ح۷۱۶.

سنن ترمذی جلد ۱ ، باب [۲۳۲]ما جاء اذا دخل احدکم ...... حدیث ۳۱۵،صفحہ ۱۲۹ .

(۳) کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة جلد ۱ ،باب"احکام المساجد"

پس یہی وجہ ہے کہ مسجد نبوی میں رسول اسلامؐ اکثر اوقات اپنے پروردگار کے حضور دعا و مناجات میں مشغول رہتے تھے، یہ مسجد خدا کی وحی، رحمت والطاف کے نزول کی جگہ ہے، یہ دنیا کا بہترین بقعہ ہے، اس جگہ رسولؐ اپنے رب کریم سے رحمت و مغفرت کی دعا کرتے تھے اور اس مسجد میں داخل اور اس سے خارج ہونے کے وقت خاص دعا پڑھتے تھے، چنانچہ سنن ترمذی میں مروی ہے:

حضرت فاطمہ زہراؑ فرماتی ہیں: جب آنحضرتؐ مسجد میں وارد ہوتے تو محمد و آل محمد پر صلوات بھیجتے: "**اَللّٰھُمَّ صَلِّ علیٰ محمد و آل محمد**" اور اس دعا کو پڑھتے: **رب اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک**: اور جب مسجد سے خارج ہوتے تو پھر محمد و آل محمد پر صلوات پڑھتے اور اس دعا کو پڑھتے: "**رب اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب فضلک**"(۱)

اسی طرح امام بخاری ایک روایت نقل کرتے ہیں:

جب رسولؐ خدا سفر سے مراجعت فرماتے تو پہلے مسجد میں وارد ہوتے اور احترام مسجد میں دو رکعت نماز پڑھتے، اس کے بعد اپنے گھر تشریف لاتے تھے۔(۲)

محترم قارئین! عمومی اور مسجد نبوی کی اہمیت کے بارے میں جو احکام ہم نے مذکورہ روایات کی روشنی میں آپ کی خدمت میں قدرے نقل کیئے ان سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ مسجد کا خدا کے نزدیک کیا مقام و مرتبہ ہے، لہٰذا اس صورت کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ رسولؐ نے مسجد نبوی میں حبشیوں کے ذریعہ ناچ وگانا کروایا اور خود بھی شریک ہوئے جیسا کہ صحیحین کی روایات میں آیا ہے؟! کیا کوئی مسلمان آج یہ سارے ہلڑ ہنگامے ایک عام مسجد میں کروانے کیلئے راضی ہو جائے گا؟! پس جب آج کا عام مسلمان کسی چھوٹی سی چھوٹی مسجد میں یہ کام کروانے کے لئے تیار نہیں تو پھر رسولؐ کیسے اتنی مقدس مسجد میں ناچ گانے کا پروگرام کروائے گا؟! توبہ توبہ صحیحین کے مؤلفین نے مسجد نبوی کی کیا درگت بنائی ہے!! جو رسولؐ مسجد کا اس قدر احترام رکھتا ہو کہ داخل ہوتے اور نکلتے وقت ایک خاص دعا پڑھے، جو رسولؐ ایک عام مسجد میں کسی گمشدہ شے کا اعلان

---

(۱) سنن ترمذی ج۲، ابواب الصلاۃ، باب [۲۳۱] "ما جاء ما یقول عند دخوله المسجد" حدیث ۳۱۳، ص۲۹۷۔

(۲) بخاری ج۴، کتاب الجهاد، باب "صلوٰۃ اذاقدم من سفر"

ممنوع قرار دیدے، جو پیغمبر یہ حکم دے کہ تمام مسجدوں میں داخل ہونے کے بعد نماز تحیت پڑھی جائے، جو پیغمبر مسجد میں دیوانوں، بچوں اور اہل شر افراد کیلئے جانے کو منع کرے تا کہ مسجد کا تقدس پامال نہ ہونے پائے، کیا ایسے رسولؐ کے لئے یہ سوچا جا سکتا ہے کہ وہ مقدس ترین مسجد نبوی میں ناچ گانے میں شرکت کر کے لطف اندوز ہوگا! اور ناچنے والوں کی خوب حوصلہ افزائی بھی کریگا؟! یہاں تک کہ اگر خلیفۂ دوم منع کریں تو آپ خلیفہ کو جھڑک دیں اور کہیں: اے عمر! ان سے کوئی تعلق نہ رکھو، تم اپنا کام کرو؟!! خاکم بدہن حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اس طرح کا تصور کرنا اپنے ایمان کو داغدار بنانے کے مترادف ہے۔

کیا نامحرم عورتوں کے جسم نازنین پر نگاہ کرنا جائز ہے؟

دین مقدس اسلام میں اگر چہ یہ مسئلہ کہ ''نامحرم عورتوں کے جسم کی طرف مردوں کا نگاہ کرنا حرام ہے'' اس قدر مشہور ہے کہ جس کے بارے میں آیت اور حدیث وغیرہ سے استدلال نقل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن دو حدیث اس موضوع سے متعلق بھی اہل سنت کی معتبر کتابوں سے ہم نقل کرتے ہیں تا کہ بات واضح ہو جائے:

۱۔...... عن ام سلمة؛انها كانت عندالنبى و ميمونة، فقالت: بينا نحن عنده اقبل ابن ابى مكتوم ،فدخل عليه ،فقال رسول الله: احتجبا عنه ، فقالت: يا رسول الله! هواعمى لا يبصرنا فقال: أفعمياوان انتما الستما تبصرانه ؟

جلال الدین سیوطی نے اپنی تفسیر در منثور میں، کتاب سنن ابن ابی داؤد، صحیح ترمذی، سنن نسائی اور سنن بیہقی سے ام سلمہ سے نقل کیا ہے:

میں (ام سلمہ) اور میمونہ رسولؐ کے پاس تھے کہ عبداللہ ابن ابی مکتوم وارد خانہ ہوئے، رسولؐ نے فرمایا: تم لوگ پردہ کرلو! ام سلمہ نے کہا: یا رسول اللہؐ! عبداللہ ابن مکتوم تو اندھے ہیں پردے کی کیا ضرورت؟ رسولؐ نے فرمایا تم لوگ تو اندھی نہیں تم لوگ تو ان کو دیکھ رہی ہو؟!(۱)

۲۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں آیا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا:

(۱) تفسیر در منثور ج۵ ،تفسیر شعراء، ص ۴۲.

"ایاکم والدخول علی النساء! فقال رجل من الانصار: یارسو ل اللہ! ارأیت الحموفقال الحموالموت" (۲)

جہاں نامحرم عورتیں ہوں وہاں نہ جاؤ، انصار میں سے کسی نے سوال کیا: اے رسول خداؐ! اگر ہمارے بھائیوں کی بیویاں ہوں تو کیا حکم ہے؟ رسولؐ نے فرمایا: تمہارے بھائیوں کی بیویاں بھی ہلاکت کا سبب بن سکتی ہیں، ممکن ہے کہ ان کو دیکھنے سے تم لوگ گناہ میں مبتلا ہو جاؤ۔

قارئین کرام! اس موضوع کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے اور نامحرم عورتوں پر نگاہ کرنے کی حرمت کو مدنظر رکھتے ہوئے، آپ سے گزارش ہے کہ جو روایات صحیحین میں مذکور ہیں جن میں یہ کہا گیا کہ ہے رسولؐ زنانی محفلوں میں شرکت کرتے تھے! اوران میں ناچنے والی نوجوان لڑکیوں کی دل نشین آواز سے محظوظ اور متلذذ ہوتے تھے! اور آپ کی خدمت خاص کر دلھن کیا کرتی تھی! یا اپنی نوجوان بیوی کو ناچ دکھاتے تھے! یا ناچ دیکھ کر واپس آنے والی جوان جوان لڑکیوں سے اظہار محبت کرتے تھے!! وغیرہ وغیرہ ان کی طرف ذرا ایک لحہ نظر فرما کر فیصلہ کریں کہ کیا یہ حدیثیں مقام رسالت کو زیب دیتی ہیں؟!! آیا یہ شان رسالت کے منافی نہیں؟!! جو پیغمبرؐ اپنی بوڑھی بوڑھی بیویوں مانندام سلمہ ومیمونہ کواندھے مردوں سے پردہ کرنے کا حکم دے، وہ کیسے گوارا کر سکتا ہے، کہ بیویوں کے ساتھ اپنی نوجوان بیوی کو مجمع عام میں نچنیوں کا تماشا دکھلائے؟!! بھلا جو پیغمبر مسلمانوں کو اپنے بھائیوں کی بیویوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کو منع کرے وہ خود کیسے نامحرم عورتوں میں جا کر ان کی پذیرائی کو قبول کر کے ناچنے والی لڑکیوں کی آواز سنکر لطف اندوز ہوگا؟!!

---

(۱) صحیح مسلم ج ۷، کتاب السلام، باب(۸) "تحریم الخلوۃ....." حدیث ۲۱۷۱، ۲۱۷۲۔

صحیح بخاری ج ۷، کتا ب النکاح، باب "لا یخلون رجل بامرأۃ"۔

ان توہین آمیز روایات گڑھنے کے تین اہم مقصد

گزشتہ بحث کا خلاصہ: محترم قارئین! ابھی تک قرآن مجید کی متعدد آیات اور مختلف صحیح روایات، اہل سنت کی معتبر کتابوں میں منقولہ توہین آمیز روایتوں کی رد میں ہم نقل کر چکے ہیں، جن کے مطالعہ سے اِن بیجا روایتوں کا جعلی ہونا قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو جاتا ہے لیکن اب ہم ان علل واسباب کی اپنی کتاب کے حجم کے اعتبار سے تحقیق کرتے ہیں، جن کی وجہ سے ان جعلی اور نامناسب روایتوں کو رسول کی طرف منسوب کیا گیا (تا کہ متذکرہ روایتوں کا جعلی ہونا روز روشن کی طرح واضح ہو جائے) چنانچہ قارئین کی خدمت میں ہم اس کے تین سبب ذیل میں نقل کرتے ہیں:

پہلا مقصد: خلفاء کے سیاہ کارناموں اور ان کے اخلاقی فساد پر پردہ ڈالنا

تاریخ اسلام پڑھنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ عثمان کے دور خلافت میں اسلامی حکومت میں اس قدر ہرج ومرج (گڑبڑ گھٹالا) اور اخلاقی فساد شروع ہوا کہ واویلا!! خلیفہ صاحب کے درباری حضرات، رشتہ دار اور گورنر صاحبان، سب کے سب ناشائستہ، دین مخالف اور برے سے برے افعال انجام دینے میں شرم نہیں کرتے، عیاشی، فحاشی، شراب خوری، جشن غنا وسرور، ناچ گانا، عام طریقے سے رواج پا گئے بالخصوص اسلامی حکومت کے دو مرکزی شہر مکہ و مدینہ تو ان نامناسب افعال کا مرکز بن کے رہ گئے! اسی طرح آہستہ آہستہ دوسرے شہروں میں بھی یہ وبا منتقل ہو گئی! لیکن حکومت کی چکی چلانے والے چونکہ خلافت اور اسلامی حکومت کی بنیاد پر لوگوں کے اوپر حکومت کرتے تھے اور اپنے کو خلیفہ رسول کا نمائندہ ظاہر کر کے رعایا پر حکومت کر رہے تھے، لہٰذا باوجود اس کے کہ یہ لوگ عیاشی، شراب نوشی اور ہر برے کام میں شریک رہتے تھے لیکن عام پبلک کی مذہبی مشکلوں کو بھی حل کرنے کی کوشش کرتے تھے، شراب نوشی کرتے تھے مگر امام جمعہ جیسے منصب پر بھی براجمان تھے، چنانچہ یہ لوگ لامحالہ مجبور ہوئے کہ بیہودہ، نامناسب اور جھوٹے افعال کی نسبت رسولؐ کی طرف دے کر آپ کی ذات گرامی کو بھی ہدف تنقید بنائیں اور آپ کے مقام والا کو نیچے گرائیں، تا کہ ان کے لئے برے اعمال انجام دینے کا راستہ ہموار ہو جائے اور مسلمانوں کے سامنے رسولؐ کی ایسی تصویر کشی کریں کہ عوام رسولؐ کے ان نام نہاد خلفاء کے برے افعال پر معترض نہ ہوں اور بغیر کسی چون وچرا کے ہر

مسلمان ان کو قبول کر لے (یا یوں کہئے کہ جب نام نہاد اسلامی حکمرانوں کے درمیان برائیاں حد سے زیادہ ہونے لگیں تو ان کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ اگر ہم لوگ اسی طرح برے افعال انجام دیتے رہے تو ہماری حکومت اسلام کے نام پر نہیں چل سکتی، لہٰذا ایسا کام کیا جائے کہ جس سے ہمارے کردار پر بھی آنچ نہ آئے اور ہم اسلامی خلفاء بھی کہلائیں، چنانچہ اپنی حکومت بچانے کیلئے ان لوگوں نے سب سے پہلے رسولؐ کی ذات کو ہدف تنقید بنایا، آپ کی عزت اور قدر و منزلت گھٹانا شروع کردی، آپ کی طرف نازیبا افعال منسوب کردئے، تاکہ عوام کی نظر میں رسول بھی ویسے ہی ہو جائیں جیسے خلفاء تھے، پس ان لوگوں نے رسولؐ کی شان میں ایسی روایات گڑھیں کہ جن میں رسولؐ کو شہوت پرست، غنا کا شوقین، موسیقی کا فریفتہ دکھلایا گیا ہے!!)

ظاہری بات ہے کہ جب رسول ہی عورتوں کی محفل غنا میں شریک ہو کر انھیں اس کام کی تشویق دلائیں گے !!تو پھر ان کے نام نہاد جانشین راتوں میں ناچ گانے والی عورتوں کے ساتھ گل چھرے اڑائیں تو کیا تعجب؟! جب پیغمبر ہی لڑکیوں کے ناچ گانے سے دل چسپی رکھتے ہوں تو خلیفہ صاحب کریں تو کیا قباحت؟! جب پیغمبر ہی اپنی نوجوان بیوی کو نامحرموں کے مجمع میں ناچ گانے دکھلائے تو اگر اسلامی خلیفہ کرے تو کیا اشکال؟! جب پیغمبر ہی جشن عروس میں اپنی خدمت دلھن سے کروائے! تو اگر خلفاء ایسا یا اس کے مانند کام کریں تو کیا اعتراض؟!

خلاصہ یہ کہ جب رسول ہی اخلاق سے گرے افعال انجام دیں گے تو پھر حکومت چلانے والے خلفاء پر اپنی اسلامی زعامت مسلمانوں پر برقرار رکھتے ہوئے شرابی، کبابی، جواری ہونے اور عیاشی و فحاشی والے کارنامے انجام دینے کیلئے تمام راستے کھل جائیں گے! اور کوئی مسلمان ان پر اعتراض کی ایک انگلی بھی نہیں اٹھا سکتا!! جی ہاں! مذکورہ مقصد موجب ہوا ہے کہ رسول خداؐ کی طرف نازیبا اور بیہودہ افعال کی نسبتیں دی گئیں اور الٹی سیدھی حدیثیں آپ کی جانب منسوب کی گئیں!(۱)

محترم قارئین! چند تاریخی شواہد ہم یہاں پر نقل کرتے ہیں جن میں خلفاء کے سیاہ کرتوتوں کا ذکر ہے:

---

(۱) اس طرح ان لوگوں نے رسولؐ کی ذات کو اتنا گرا دیا کہ خود ان لوگوں کی ذات رسولؐ کے مقابلہ میں بالا نظر آنے لگی!! جیسا کہ آپ گزشتہ مباحث میں تفصیل کے ساتھ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ مترجم۔

نام نہاد اسلامی خلفاء کے اخلاقی مفاسد کے چند نمونے

اگر چہ سنیوں کے اکثر مؤرخین و محدثین نے صدر اسلام کے صاحبان اقتدار اور اصحاب پیغمبر کے اخلاقی مفاسد اور نقطۂ ضعف کو حتی الامکان پوشیدہ کرنے کی بیجا کوشش کی ہے، لیکن تاریخ اسلام کے دامن میں پھر بھی ایسے واضح شواہد موجود ہیں جن سے خلفاء کی عیاشی اور ان کے عیوب کا پردہ فاش ہو جاتا ہے، چنانچہ ہم اپنی بات کی تصدیق و تائید میں حضرت عثمان اور معاویہ کے دور خلافت کے چند نمونے آپ کی خدمت میں نقل کرتے ہیں۔

۱۔ ابوالفرج اصفہانی کہتے ہیں:

حضرت عثمان اور معاویہ کے زمانہ میں دسیوں گانے والے پیدا ہو گئے تھے، جن میں سے مشہور ترین یہ ہیں: ابن سیجان، طویس، ابن عائشہ، ذی الاصبع، سائب خاثر وغیرہ.... یہ تمام لوگ دربار خلافت کے گانے بجانے والوں میں سے تھے، چنانچہ اگر انھیں دربار خلافت کی پیداوار کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔(۱)

۲۔ ابوالفرج اصفہانی، دربار خلافت کے مشہور گلوکار ابن سیجان کے حالاتِ زندگی میں لکھتے ہیں:

''یہ شخص بہت بڑا نشہ باز اور شراب خور تھا اور اس کا معاویہ، بنی امیہ اور حضرت عثمان کے بیٹوں کے یہاں بہت ہی زیادہ آنا جانا تھا، لیکن اس کی سب سے زیادہ ولید (عثمان کے لڑکے) سے بنتی تھی، کیونکہ یہ دونوں (ابن سیجان اور ولید) شراب خوری میں ہم پیالہ اور ہم نوالہ تھے''(۲)

اس کے بعد ابوالفرج اصفہانی کہتے ہیں:

ولید بن عثمان اکثر ولید بن عتبہ بن ابی سفیان اور ابن سیجان کے ساتھ شراب پیکر مست ہو جاتا تھا، چنانچہ ایک روز ابن سیجان، ولید (ابن عثمان) اور ولید بن عتبہ بن ابی سفیان نے خوب شراب پی، لیکن ولید بن عثمان کو شدید طور سے نشہ آ گیا جس کی بنا پر لوگ سمجھے کہ یہ مر گیا ہے، لہٰذا ساری عورتیں

---

(۱) ان گانے والوں کے حالات اور ان کی بایوگرافی جاننے کے لئے ملاحظہ ہو کتاب الاغانی، مصنفہ ابوالفرج اصفہانی.

(۲) کتاب الاغانی میں ابن سیجان کے حالات اس عنوان کے تحت مذکور ہیں: ''اخبار ابن ارطاۃ ونسبہ'' مترجم.

رونے پیٹنے لگیں، یہ سن کر ابن سیحان اس کے سر کے پاس آیا اور ساری عورتوں کو دور کر کے کہنے لگا:

"الصبوح الصبوح یا ابا عبد اللہ" اے عثمان کے بیٹے! یہ شراب صبح کا وقت ہے اٹھ اور نوش فرما! یہ سن کر وہ آہستہ آہستہ اپنی عادی حالت کی طرف پلٹ آیا، ابن سیحان نے اس وقت یہ شعر پڑھا:

بابی الولیدُ وامٌ نفسی کلما ــــ بدت النجومُ وذرُّقرنُ الشارق(۱)

۳۔ابوالفرج نقل کرتے ہیں:

ایک دن معاویہ اپنے بیٹے یزید کی محفل غنا میں شریک ہوا جس میں مدینہ کا مشہور گانے والا سائب خاثر گا رہا تھا، معاویہ اپنے بیٹے یزید سے کہنے لگا: اے یزید! سائب خاثر کو اچھے انعامات سے نواز اور اس کی ہم نشینی کو غنیمت شمار کر۔(۲)

۴۔ ابن الکلبی نے نقل کیا ہے:

ایک دفعہ معاویہ مدینہ آیا تو وہ "سائب خاثر" گلوکار کی محفل میں شریک ہوا اور اس کی دل نشین آواز سے گانے سن کر اس قدر محظوظ ہوا کہ طرب میں آ کر جھومنے لگا:

"فسمع منه معاوية و طرب و اصغی الیه حتی سکت....." (۳)

۵.عن عبد اللہ ابن بریدة، قال: دخلت انا و ابی الی معاویة فاجلسنا علی الفراش ثم اتینا بالطعام فاکلنا ثم اتینا بالشراب فشرب معاویة ثم ناول ابی فقال: ماشربته منذ حرمه رسول اللہ (ص).

احمد بن حنبل نے عبداللہ ابن بریدہ سے نقل کیا ہے:

ایک روز میں اپنے باپ کے ساتھ معاویہ کے یہاں گیا اور اس کے ساتھ کھانا کھایا، کچھ دیر کے بعد معاویہ کے لئے شراب لائی گئی، اس نے اس کو پیا اور میرے والد کو دینے آیا، میرے والد نے کہا

---

(۱) اغانی جلد۲، صفحہ۲۴۲۔ابن سیحان کے حالات اس عنوان کے تحت مذکور ہیں: "اخبار ابن ارطاة ونسبہ" اس کا اصل نام عبد الرحمان ابن سیحان ہے۔مترجم۔

(۲) الاغانی جلد۸ ،ذکر سائب خاثر ص ۳۲۳ .

(۳) اغانی جلد ۸ ،ذکر سائب خاثر ،صفحہ ۳۲۴.

جب سے رسولؐ نے اسے حرام قرار دیا ہے میں نے آج تک شراب نہیں پی۔(۱)

۶۔علامہ مسعودی لکھتے ہیں:

یزید کے زمانہ میں موسیقی اور ناچ گانا، اسلامی مملکت کے دو مرکزی شہر مکہ و مدینہ میں بہت زیادہ پھیل گیا، چنانچہ یہاں کے رہنے والے مسلمان گانا، بجانا اور شراب خوری ظاہر بظاہر کرتے تھے:

"و غلب علی اصحاب یزید و عماله ما کان یفعله من الفسوق ، وفی ایامه ظهر الغناء بمکة والمدینة، و استعملت الملاهی ، اظهر الناس شرب الشراب " (۲)

۷۔امام احمد بن حنبل اور اہل سنت کے دیگر اکابر واعاظم علماء نقل کرتے ہیں:

حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں کوفہ کا گورنر آپ کا مادری بھائی ولید بن عقبہ زنا اور شراب خوری میں مشہور تھا، چنانچہ ایک مرتبہ شراب پیکر مستی ونشہ کی حالت میں مسجد گیا اور صبح کی نماز چار رکعت پڑھادی اور پلٹ کر ماموین سے کہنے لگا: اگر کم ہو تو اور پڑھادوں اور اسی نماز کی حالت میں ترنم کے ساتھ یہ عشقیہ شعر پڑھنے لگا!!

عَلِقَ القلبُ الربابا   بعد ما شابت وشابا

''میں رباب کا تہہ دل سے عاشق ہو گیا، بعد اس کے کہ میں اور رباب بوڑھے ہو گئے''

اس کے بعد اس نے محراب میں قے کردی، یہ سارا واقعہ مدینہ شہر میں گشت کر گیا اور لوگوں نے عثمان کے پاس نامہ لکھا یہاں تک کہ امیر المؤمنین نے اس پر حد جاری کی اور جب سعید بن العاص کوفہ کا گورنر ہوا تو اس نے منبر کو دھلوایا اور کہا: ولید مرد پلید تھا، جب تلک اسے نہ دھویا جائے گا میں اس پر نہیں بیٹھ سکتا۔(۳)

---

(۱) مسند احمد ابن حنبل جلد۵، حدیث بریدة الاسلمی ، صفحه ۳۴۷.

(۲) مروج الذهب ج۳،"ذکر لمع من اخبار یزید ، وسیرته" ، ...... ص ۷۷.

(۳) مسند احمد بن حنبل، ج ۱ ،مسند علی ابن ابی طالب ، ص ۱۴۴. انساب الاشراف، ج ۵،امر الولید بن عقبة ، ص ۱۴۳ ، مؤلفه بلاذری. مروج الذهب ج۲،ذکر خلافة عثمان ، و نسبه ، ولمع من اخباره ..... .صفحه ۳۴۴، ۳۴۶. اغانی ج۵، ذکر باقی الخبر الولید بن عقبة و نسبه ،ص ۱۶ .

یہ ہیں مشہور خلفائے کرام کے خاندان اور ان کی اولاد کے سیاہ کارنامے!! سچ ہے کہ جب خلیفہ کا بیٹا شراب خوری کی محفل میں شرکت کرے، یا جب خلیفہ کا بھائی شراب میں مست ہو کر کوفہ کی جامع مسجد میں نماز جماعت کے فرائض انجام دے، جب خلیفہ صاحب ہی خود مرکز اسلام، محل نزول قرآن یعنی مسجد نبوی کے کنارے محفل شراب و کباب میں شریک ہو کر خوشنما گلوکاروں کی دلنشیں آواز کو سن کر جھومنے لگیں، یا خود بھی شراب پئیں اور مہمان کو بھی دعوت شراب دیں، تو پھر ان ناشائستہ اعمال پر پردہ ڈالنے کیلئے عوام کے ذہن کو بالتدریج اس قدر نیچے گرانا پڑے گا کہ ان کی نظر میں خلفاء کی مذکورہ بدکرداریاں ایک سادی اور سطحی چیز نظر آنے لگیں، چنانچہ اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے یعنی خلفاء اور حکام وقت کے عیوب پر پردہ ڈالنے کی غرض سے روایتوں کو خوب گڑھا گیا اور رسولؐ کو بھی ان اعمال میں شریک قرار دیدیا گیا تا کہ سادہ لوح عوام خلفاء کے بارے میں یہ تصور نہ کرسکیں کہ یہ حضرات اسلام کے خلاف اعمال انجام دیتے تھے، بلکہ عوام میں ان روایات کے ذریعہ یہ فکر عام کی گئی کہ اگر اسلام کی رو سے یہ چیزیں خلاف شرع اور اسلامی حکام کی شان کے خلاف ہوتیں تو رسول اسلامؐ ہرگز انجام نہ دیتے۔!!

آنحضرتؐ کیلئے شراب کا تحفہ!!

حقیر جب حضرت رسول اسلامؐ کے بارے میں ان نازیبا اور بیہودہ نسبتوں اور اسلام کے نام نہاد خلفاء کے سیاہ کارناموں کا مطالعہ کر رہا تھا تو اچانک یہ فکر ذہن میں پیدا ہوئی کہ جب اسلامی حکام کے درمیان شراب خوری اور ناچ گانا عام طریقہ سے رائج تھا تو قاعدۃً (خلفاء کے اس عیب پر بھی پردہ ڈالنے کیلئے) دیگر نازیبا نسبتوں کی طرح شراب خوری کی نسبت بھی مرسل اعظمؐ کی طرف دینا چاہیئے تھی تا کہ اس جہت سے بھی کوئی شخص اسلامی خلفاء کو ہدف تنقید نہ بنا پاتا کیونکہ رسولؐ بھی یہ کام کرتے تھے!!! اسی تجسس میں جہاں تک فرصت ملی اہل سنت کی حدیثوں کی متعدد کتابوں کا مطالعہ کیا یہاں تک ایک حدیث مسند احمد بن حنبل میں نظر آ گئی پتہ چلا رسول اسلامؐ اس بیہودہ نسبت (شراب خوری) سے بھی بری نہیں رہ سکے ہیں!! لیکن چونکہ حدیث گڑھنے والے یہ اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ قرآن میں شراب کی صراحت کے ساتھ حرمت بیان کی گئی ہے، لہٰذا رسولؐ

کو آخری عمر تک شراب خور ظاہر کرنے سے قاصر رہے، اس لئے انھوں نے سوچا کہ بہتر ہے کہ رسول کو تحریم شراب کی آیت نازل ہونے سے پہلے شراب خور جتایا جائے:

"عن نافع بن کیسان، ان اباہ اخبرہ ، انه کان یتجر فی الخمر فی زمن النبی، و انه اقبل من الشام ومعه خمر فی زقاق یرید بها التجارہ، فأتی رسول الله فقال: یا رسول الله ! جئتک بشراب جید، فقال رسول الله : یا کیسان انها حرمت بعد ک...... "(۱)

نافع نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے:

پیغمبر اسلامؐ کے زمانۂ حیات میں میرا باپ کیسان، شراب کا کاروبار کرتا تھا، چنانچہ ایک روز میرا باپ مدینہ میں عمدہ شراب کی مشکیں شام سے لایا اور رسول کی خدمت میں آ کر کہنے لگا: یا رسول اللہؐ! یہ آپ کے لئے تحفہ لایا ہوں!؟ رسول اللہؐ نے فرمایا: اے کیسان! جب تو سفر پر گیا تو تیرے جانے کے بعد حرمتِ شراب پر آیت نازل ہو گئی......!" یہ ہے رسول اسلام کی حدیثِ شراب خوری! البتہ اس حدیث کو بہت ہی مؤدبانہ انداز میں لفافہ کے اندر رکھ کر نقل کیا گیا ہے! ممکن ہے کہ آئندہ اس کے بیشتر شواہد مل جائیں!!

دوسرا مقصد: حضرت عائشہ کی شخصیت کا مستحکم کرنا!

مذکورہ جعلی احادیث اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نامناسب اعمال منسوب کرنے کا دوسرا مقصد عائشہ کی شخصیت کو لوگوں کے درمیان مستحکم کرنا تھا، کیونکہ عائشہ کے زمانہ میں کچھ ایسے واقعات وقوع پذیر ہوئے کہ جن میں آپ کا کردار بہت اہمیت کا حامل ہے، مثلاً ایک خلیفہ کا قتل ہونا اور پھر اس کے خون کا بدلا لینے کے لئے ایک اسلامی خلیفہ کے سامنے جنگ کے لئے مسلمانوں کا حضرت عائشہ کی سپہ سالاری کرنا اور پھر مسلمانوں کا اس جنگ میں کثرت سے قتل ہونا، جس کی اس وقت تک کوئی مثال نہیں تھی، چنانچہ صاحب عقد الفرید تحریر کرتے ہیں کہ جنگ جمل میں تقریباً ساڑھے بیس ہزار افراد قتل ہوئے اور مؤرخ تاریخ یعقوبی تحریر

---

(۱) مسند احمد بن حنبل، جلد ۴ ، حدیث عبد الرحمان بن یعمر الدیلمی......حدیث کیسان صفحہ ۳۳۵.

کرتا ہے کہ تیس ہزار سے زیادہ مسلمانوں کا اس جنگ میں قتل عام ہوا، گویا ابھی تک جنگ جمل سے پہلے جتنی بھی جنگیں ہوئیں، ان سب میں اتنی تعداد میں مسلمانوں کا قتل نہیں ہوا تھا۔(۱)

بہر حال ان تمام معاملات میں حضرت عائشہ کا ہی کردار روز روشن کی طرح تاریخ کے صفحات میں عیاں ہے کیونکہ عثمان کے قتل کا فتوی اور پھر خلیفۂ وقت کے مقابلہ میں بغاوت اور مخالفت کی تحریک چلانا، وہ بھی علیؑ جیسی شخصیت کے مقابلہ میں، اس کے لئے لازم تھا کہ عائشہ کی شخصیت کو لوگوں کے ذہنوں میں زیادہ سے زیادہ بلند کیا جائے، تا کہ آپ کا حکم لوگوں کے اوپر زیادہ اثر کرے اور مسلمان آپ کی بات کو حکم الٰہی، جہاد فی سبیل اللہ، سمجھ کر انجام دیں اور کوئی آیہ قرآن: ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ (۲) اور حدیث رسول (**تنبحها کلاب الحوئب**) کی مخالفت میں اعتراض نہ کرے۔

ان تمام چیزوں کے حصول کے لئے بہتر راستہ یہی تھا کہ عائشہ کی شخصیت اور منزلت کو اس قدر محکم کیا جائے کہ رسولؐ اسلام بھی موصوفہ کے سامنے منقاد اور اطاعت گزار نظر آئیں، لہٰذا اس کے لئے حدیثیں وضع ہونے لگیں، جن میں رسولؐ اسلام کو دکھلایا گیا کہ آپ عائشہ سے بے حد محبت کرتے تھے اور آپ کے لئے آنحضرتؐ اس قدر رنج و تکلیف اٹھاتے تھے کہ عائشہ ناچ دیکھ رہی ہیں (اور رسولؐ ان کو اپنے اوپر سوار کئے ہوئے ہیں) اور ان کا رخسار حضرتؐ کے رخسار پر ہے اور رسولؐ ان کی خاطر پیروں کے بل کھڑے ہیں، یہاں تک کہ تھک جاتے ہیں، مگر عائشہ کی دل جوئی کی خاطر کچھ نہیں کہتے اور جب موصوفہ دیکھ کر تھک جاتی ہیں تب آپ واپس آتے ہیں!!

خلاصہ یہ کہ حدیث گڑھنے والوں کا مذکورہ حدیث گڑھنے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت عائشہ کی شخصیت کو آنحضرتؐ کی نگاہ میں بڑھا چڑھا کر بیان کیا جائے اور یہ دکھلایا جائے کہ رسولؐ اس قدر حضرت عائشہ کو چاہتے تھے کہ آپ کے لئے ہر کام کرنے کے لئے ہمہ وقت آمادہ رہتے تھے، یہاں تک کہ آپ اٹھارہ سالہ

---

(۱) تاریخ عقد الفرید۔ تاریخ یعقوبی۔ مزید معلومات کے لئے کتاب ''عائشہ در دوران علیؑ'' دیکھئے جس کا ترجمہ مؤلف نے کیا ہے۔

(۲) سورہ احزاب آیت ۳۳۔

ہوکر بھی رسولؐ کے گھر میں گڑیا گڈے کا کھیل کھیلتی ہیں، مگر رسولؐ کی پیشانی پر شکن تک نہیں پڑتی ،ایسا کیوں؟اس لئے کہ عائشہ کا کہیں نرم دل نہ ٹوٹے ، بلکہ رسولؐ عائشہ کے ساتھ کھیلنے کے لئے دوسری لڑکیوں کو بھیجتے ہیں، ان واقعات اور رسولؐ کے انداز محبت (روایات کی روشنی میں) کو دیکھنے کے بعد، کیا کسی مسلمان میں یہ جرأت ہے کہ قتل عثمان کے بارے میں وہ حضرت عائشہ کے حکم کی نافرمانی کرے؟! کیونکہ آپ ہمیشہ عثمان کے بارے میں کہتی رہتی تھیں" **اقتلو انعثلاً فقد کفر** "اس یہودی کو قتل کردو جبکہ یہ کافر ہو چکا ہے۔(۱)

یا پھر چند مہینوں کے بعد اس حکم کے بالکل برخلاف قتل عثمان کا بدلہ لینے کے لئے ،حضرت علیؑ سے جنگ کرنے کا تاریخی حکم صادر کرنا! " **الا ان عثمان قتل مظلوماً فاطلبوا قتلته فاذا ظفرتم بهم فاقتلوهم** ......"(۲) (۳)

عائشہ کے مذکورہ فضائل کے ہوتے ہوئے کیا کسی مسلمان میں ہمت ہے کہ وہ حضرت علی علیہ السلام سے جنگ کرنے کے بارے میں عائشہ کے حکم کے سامنے ایک قدم بھی پیچھے ہٹ جائے؟! اور کہے: اے عائشہ! کل تو آپ ہی حضرت عثمان کے قتل کرنے کا ڈنڈھورا پیٹ رہی تھیں اور آج ایسا کیوں؟!! آج آپ کو کیا ہوگیا کہ

---

(۱) تاریخ الطبری جلد ۴ ،قول عائشة : "لاطلبن دم عثمان وخروجها ...."صفحه ۴۷۷. تاریخ اعثم کوفی،ذکر خلافت علیؑ صفحه ۱۵۵ .الکامل فی التاریخ؛ ابن اثیر ، جلد ۳ ،ذکر ابتداء وقعة الجمل ... ..صفحه ۱۰۰ . شرح نهج البلاغه ابن ابی الحدید، جلد ۲ ،خطبة ۳۰،" قتل عثمان "صفحه ۱۵۷ .و جلد ۱، خطبه ۱۳ ، " فی ذم اهل البصرة ". نهایه ابن اثیر جلد ۵ ، باب النون مع العین ، صفحه ۸۰.

(۲) الامامه و السیاسه، جلد ۱ ، ص ۸۰،شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ ، ص ۴۹۹.

(۳) عرض مترجم: دوسری جانب اسلام دشمن عناصر اپنے چہرے پر اسلامی نقاب ڈال کر تخت خلافت پر آ چکے تھے کہ جن کا اصل مقصد خلیفۂ برحق کو معیوب بنا کر اسلام کی بیخ کنی کرنا تھا اور یہ کام براہ راست ہو نہیں سکتا تھا، اس لئے یہ لوگ ام المومنین عائشہ کو بہلا پھسلا کر سامنے لائے اور چونکہ لوگوں کو حضرت علی علیہ السلام کے مقابلہ میں حضرت عائشہ کا پیروکار بنانا مشکل تھا لہٰذا ضروری ہوا کہ پہلے عائشہ کی فضیلت و شخصیت کو جعلی حدیث گڑھ گڑھ کر لوگوں کے درمیان مستحکم و اجاگر کیا جائے ،تا کہ موصوفہ کی حمایت کے لئے مسلمان ایک فرضۂ لازم اور جہاد فی سبیل اللہ سمجھ کر آئیں اور حکم قرآن: ﴿وَ قَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ ......(سورۂ احزاب، آیت ۳۳، پ۲۲) ترجمہ: اور اپنے گھروں میں نچلی بیٹھی رہو اور اگلے زمانۂ جاہلیت کی طرح اپنا بناؤ سنگار نہ دکھاتی پھرو!﴾ اور فرمان نبوی: (تنبحها کلاب الحوئب، اے عائشہ تم پر کہیں حوأب کے کتے نہ بھونکیں) کو پس پشت ڈالنے میں کوئی مشکل پیش نہ آوے، بہر حال اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے عائشہ کی فضیلت و منزلت میں روایتیں جعل کی گئیں، تا کہ اگر ان روایات پر کوئی تنقید کرے، تو رسولؐ کی شخصیت بھی مورد تنقید قرار پائے ۔۱۲.

عثمان کا خون بہا حضرت علی علیہ السلام سے مانگ رہی ہیں؟!!

بہر حال مذکورہ روایات پڑھنے کے بعد ہمیں اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ کچھ روایات کو حضرت عائشہ کی شخصیت مستحکم کرنے کیلئے گڑھا گیا ہے، چنانچہ بعض روایات میں اس نکتہ کی تصریح بھی کر دی گئی ہے لہٰذا ذیل میں ہم دو نمونے ایک صحیحین سے اور ایک سنن ترمذی سے آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

ا۔ عائشہ کا رسولؐ کے سامنے حالت نماز میں پیر پھیلا کر لیٹ جانا!!

,,... عن عائشة زوج النبیؐ؛انها قالت: كنت انام بين يدى رسول الله، ورجلاى فى قبلته،فاذاسجد غمزنى، فقبضت رجلى،فاذا قام،بسطتهما،قالت يَومَئِذٍ ليس فيها مصابيح.(۱)

حضرت عائشہ سے منقول ہے:

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھنے میں مشغول ہو جاتے تھے، تو میں ان کے سامنے اپنے پیروں کو پھیلا کر لیٹ جاتی تھی (اور ان کو سجدہ کرنے سے مانع ہو جاتی) لیکن جب رسولؐ چاہتے تھے کہ سجدہ کریں تو میرے پیروں کو پکڑ کر گدگداتے، تو میں اپنے پیروں کو سمیٹ لیتی تھی اور جب آپ دوبارہ کھڑے ہو جاتے، تو پھر میں آپ کے سجدہ کرنے کی جگہ پر پیر پھیلا کر لیٹ جاتی تھی

---

(۱) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الصلٰوۃ، ابواب الصلوٰۃ فی الثیاب، باب(۲۱)" الصلوٰۃ علی الفراش" حدیث ۳۷۵، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ابواب سترۃ المصلی، باب(۴۹) التطوع خلف المرأۃ، باب "المرأۃ تطرح عن المصلی شیئاً" حدیث ۴۹۸، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۸۹، ۴۹۷، جلد ۲، کتاب الصلوٰۃ، باب(۱۰)" ما یجوز من العمل فی الصلوۃ" حدیث ۱۱۵۱.

مترجم: (صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الصلوٰۃ، (باب "الصلوٰۃ الیٰ السریر" حدیث ۴۸۶. جلد ۵، کتاب الاستئذان، باب(۳۷) "السریر" حدیث ۵۹۲۰)

صحیح مسلم جلد ۲، کتاب الصلوۃ، باب(۵) " الاعتراض بین یدی المصلی" حدیث نمبر ۵۱۲،
(مذکورہ حدیث کو مسلم نے اسی باب میں چھ اور دیگر طریق سے بھی نقل کیا ہے۔ مترجم)

سنن نسائی جلد ۱، صفحہ ۱۰۲، کتاب الطھارۃ، باب" ما ینقض الطھارۃ ،......" حدیث نمبر ۴۹.

اوران دنوں گھر میں چراغ نہ تھا!!

ابن سعد نے عائشہ سے نقل کیا ہے:

آپ کہتی تھیں: میں رسولؐ کے گھر میں دس عدد ایسی امتیازی خصوصیات رکھتی تھی جن میں رسولؐ کی کوئی دوسری بیوی شریک نہ تھی، ان میں سے ایک امتیاز میرا یہ تھا کہ میں رسولؐ کے سامنے نماز پڑھنے کی حالت میں ٹانگیں پھیلا کر لیٹ جاتی تھی، لیکن رسولؐ یہ کام دوسری بیویوں کو نہ کرنے دیتے تھے!!(۱)

اس روایت سے دو باتوں کا استفادہ ہوتا ہے

اولاً: آنحضرتؐ یہ فعل اکثر کیا کرتے تھے کیونکہ ایک دو بار کرنے کو امتیازی خصوصیت شمار نہیں کیا جاتا۔

ثانیاً: حضرت عائشہ کے مذکورہ عمل سے ایک طرف منصب نبوت کی بے احترامی ہوتی ہے، تو دوسری طرف عبادت کا مذاق اڑایا گیا ہے، تیسرے یہ کہ اس روایت سے منصب نبوت کو نیچے لانے کی کوشش کی گئی ہے، کیونکہ ایک عام مومن اور روحانی فرد، نماز کی حالت میں کہ جسے معراج مومن کہا گیا ہے، ایسا فعل (اپنی بیوی کے پیر گدگدا کے مذاق کرنا) انجام نہیں دے سکتا، تو پھر خلق عظیم پر فائز رسولؐ یہ بیہودہ فعل کیسے کریگا؟! پس اس کے گڑھنے کا مقصد یہی ہے کہ حضرت عائشہ کی عظمت کو لوگوں کے درمیان اجاگر کیا جائے تا کہ لوگ آپ کی بات کو فریضہ خدا سمجھیں۔(۲)

---

(۱) طبقات ابن سعد جلد۷، ص ۶۴، در بیان عائشہ بنت ابی بکر "

(۲) قارئین جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ایک جھوٹ کو سچ بنانے کے لئے ستر ۷۰ جھوٹ بولنا پڑتے ہیں لیکن پھر بھی انسان پکڑا جاتا ہے، یہی حال ان جھوٹی روایات کا ہے کہ ایک جگہ سے راوی صحیح کرنا چاہتا ہے، تو دوسری جگہ سے خامی باقی رہ جاتی ہے، جس کی وجہ سے تاویلیں کرنے والے بھی بے تکی تاویل کر کے درست نہیں کر پاتے، جیسا کہ گزشتہ مباحث میں تفصیل کے ساتھ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ مترجم۔

۲۔رسول اسلامؐ کا عائشہ کو حبشیوں کا ناچ دکھانا!!

"......عن عروة عن عائشة ؛قالت: كان رسولُ الله جالسا، فسمعنا لغطاً وصوت صبيـان، فقـام رسـول الله، فـاذاحبشية تزفـن والصبيان حولها، فقال: ياعائشه! تعالى فانظرى، فجئت فوضعت لحيي على منكب رسول الله ،فجعلت انظر اليها مابين المنكب الى راسه،فقال لى: اما شبعتِ اما شبعتِ؟قالت: فجعلت اقول :لا .لانظر منزلتي عنده ،اذ طلع عمر، قالت:فانفض الناس عنها،قالت: فقال رسول الله:انى لانظر الى شياطين الجن والانس قد فروا من عمر، قالت: فرجعت"(۱)

ترمذی نے اپنی سنن میں عروہ سے اور انھوں نے حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے:

ایک مرتبہ رسولؐ خدا بیٹھے تھے کہ بچوں کے شور و ہنگامہ کی آواز آئی، تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ ایک حبشی عورت ناچ رہی ہے اور بچے اس کے اردگرد جمع ہیں، رسولؐ عائشہ کے پاس آئے اور بولے: اے عائشہ! آؤ چلیں تماشہ دیکھیں! عائشہ بھی چل دیں اور رسولؐ کے پیچھے کھڑے ہو کر رسولؐ کے دوش پر ٹھوڑھی رکھ کر ناچ دیکھنے لگیں، کچھ دیر کے بعد رسولؐ نے فرمایا: اے عائشہ! ناچ دیکھنے سے سیر ہو گئی؟ عائشہ نے کہا: نہیں! عائشہ کہتی ہیں: میرا مطلب یہ تھا کہ میں ذرا دیکھوں کہ رسولؐ مجھے کس قدر چاہتے ہیں اور ان کے نزدیک میری کتنی منزلت ہے، اس وقت حضرت عمر بھی آگئے، تو لوگ اس ناچنے والی عورت کے اردگرد سے بھاگنے لگے، رسولؐ نے فرمایا: دیکھا شیطانِ انس و جن، عمر کے ڈر سے فرار ہو گئے!! حضرت عائشہ کا بیان ہے: پھر میں بھی پلٹ گئی۔

محترم قارئین! آپ نے ملاحظہ فرمایا: مذکورہ روایت کس قدر توہین آمیز ہے؟ اس جعلی روایت میں دو بنیادی نکتے پائے جاتے ہیں: اول یہ کہ عائشہ کی فضیلت رسولؐ کے نزدیک دکھلائی جائے، اس طرح کہ رسولؐ برابر کہتے رہے کہ عائشہ ناچ دیکھنے سے سیر ہو گئی، سیر ہو گئی؟ لیکن جب تلک عائشہ نے خود نہیں کہا تب تک رسول کھڑے رہے اور کسی طرح رنج، تھکن و خستگی کا اظہار نہیں کیا اس سے رسولؐ کے نزدیک عائشہ کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔

---

(۱) سنن ترمذی جلد۵،ابواب المناقب ، باب" مناقب عمر" حدیث ۳۷۷۴،ص ۲۸۵.

دوسرے یہ کہ خلیفۂ دوم کی فضیلت ظاہر کی جائے کہ حضرت عمر کے آنے سے لوگ فرار کر گئے اور رسولؐ نے ان کے احترام وتجلیل میں عائشہ سے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں کہ شیاطین انس وجن عمر سے فرار کرتے ہیں!!(۱)

قارئین! اس حدیث کی مزید وضاحت مندرجہ ذیل تیسرے مقصد میں کریں گے۔

تیسرا مقصد: خلفائے ثلاثہ کیلئے فضیلت تراشی

مرسل اعظمؐ کی طرف نامناسب افعال کے منسوب کرنے کا تیسرا مقصد خلفائے ثلاثہ کا معیار بلند کرنا تھا، جیسا کہ جلد اول میں ہم نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ معاویہ نے اپنے دور حکومت میں کچھ لوگوں کو باقاعدہ خلفاء کی شان میں حدیث گڑھنے کیلئے مامور کیا تھا اور معاویہ کی طرف سے سرکاری وظیفہ خور خطباء، مقررین اور ریاستی حکومتوں کے تمام گورنروں کو بالخصوص یہ ہدایت دی گئی تھی کہ خلفاء کی فضیلت میں جتنا بھی ہو سکے حدیثیں جعل کر کے تمام مسلمانوں کے درمیان خطبۂ نماز جمعہ وغیرہ کے ذریعہ منتشر کی جائیں، چنانچہ معاویہ نے اس کام کو فروغ دینے میں حتی الامکان تمام سرکاری وسائل کے ذریعہ کوشش کی، اسی طرح اس کے کارندوں نے خوب دل بھر کے خلفائے ثلاثہ کیلئے فضائل گڑھے چاہے ان سے رسول کی توہین ہی کیوں نہ ہوتی ہو!

ان جعلی حدیثوں کے گڑھنے کا ایک اہم مقصد یہ تھا کہ حضرت علی علیہ السلام کا رسولؐ کے نزدیک جو مرتبہ و مقام تھا وہی مرتبہ خلفاء کیلئے بھی درست کیا جائے، لہٰذا جتنی حدیثیں حضرت علی علیہ السلام کی شان میں وارد ہوئیں تھیں سب کے مقابلہ میں حدیثیں گڑھی جانے لگیں!(۲)

---

(۱) واہ واہ!! محبوب کی عزت بچانے کا کیا طریقہ اپنایا گیا ہے! خدا غارت کرے ایسے اندھے رواۃ کو، رسولؐ کی عزت چلی جائے تو چلی جائے لیکن اپنے محبوب رسوا نہ ہونے پائیں۔ مترجم۔

(۲) اگر بلا واسطہ ان احادیث کے مقابلہ میں کوئی دوسری حدیث جعل نہ ہوسکی تو اس حدیث کے آخر میں پیوند لگا دیا، جو حضرت علی علیہ السلام کی شان میں وارد ہوئی تھی مثلاً حضرت علیؑ کی شان میں حدیث ہے کہ رسولؐ شہر علم ہیں علیؑ اس کا دروازہ، اس حدیث میں پیوند لگایا کہ فلاں فلاں اس کی دیوار، چھت و پرنالہ ہیں!! لیکن دشمنی علی علیہ السلام میں حدیثیں تو گڑھ لیں، مگر یہ نہ دیکھا کہ ان احادیث سے رسول کی کتنی توہین ہو رہی ہے؟! مقام نبوت کا خیال نہ رہا؟ مترجم۔

چنانچہ خلیفہ دوم کے بارے میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ رسولؐ نوجوان لڑکیوں کے ناچ گانے کو سن کر لطف اندوز ہو رہے ہیں! مگر خلیفہ صاحب اتنے شریعت کے پابند ہیں کہ ناراض ہوکر کہتے ہیں: "**أمزمارة الشيطان في بيت رسول الله**" کیا رسول اسلامؐ کے گھر میں بھی یہ شیطانی فعل (ناچ گانا) ہوگا!! تعجب یہ ہے کہ رسولؐ ان کے جواب میں فرماتے ہیں: اے عمر! ان کو اپنی حالت پر چھوڑ دو!! اور ادھر خلیفہ صاحب کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر عائشہ چپکے سے ان لڑکیوں کو گھر سے نکال دیتی ہیں! اسی طرح کا واقعہ اس وقت بھی پیش آیا جب مسجد نبوی میں حبشی آ کر ناچنے لگے، تو خلیفہ صاحب ناچ دیکھ کر بہت ہی ناراض ہوئے اور جب کچھ کر نہ سکے تو مسجد سے سنگریزے اٹھا کر ان کے اوپر پھینکنا شروع کر دیا! جب رسولؐ نے دیکھا تو فرمایا: "**دعهم**" اے عمر! انہیں اپنے حال پر چھوڑ دو؟!

محترم قارئین! اگر خلفاء کا رسول اللہؐ کے مقابلے میں حال یہی ہے تو کیا تعجب کی بات ہے کہ رسولؐ ایسے باایمان، باوقار و متانت، نیک اور متقی افراد کے لئے کہیں: **"عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين"** اے لوگو! خلفائے راشدہ اور میری سنت کی پیروی کرو؟!!(۱)

اور پھر ہمارے لئے رسولؐ کے اُس قول پر حیرت کا مقام نہیں رہ جاتا جس میں آپ نے خلیفہ دوم کی عظمت بیان کرنے کیلئے اس بات کا اعتراف فرمایا: عمر روحانیت اور معنویت کے اعتبار سے مقام نبوت سے بھی بہت بلند و بالاتر ہیں، لہٰذا شیطان ان سے ڈرتا ہے!! "**ان الشيطان ليخاف منك يا عمر؟!!**" اے عمر! تم سے شیطان بہت ڈرتا ہے!! (۲) (۳)

---

(۱) سنن ابن ماجه، مقدمه، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين، حديث ۴۲، ۴۳. سنن ابى داؤد جلد ۲، كتاب السنة باب "لزوم السنة". المستدرك جلد ۱، كتاب العلم، عليكم بسنتي و سنة خلفاء الراشدين ص ۹۶. سنن دارمي مقدمة، باب "اتباع السنة". مسند احمد بن حنبل جلد ۴، حديث العرباض بن سارية، ص ۱۲۶.

(۲) سنن ترمذى جلد ۵، ابواب المناقب، باب "مناقب ابى حفص عمر" ص ۲۸۴.

(۳) سنیوں کی معتبر کتابوں میں متعدد ایسی روایات مذکور ہیں جن سے خلفاء کی رسولؐ کے اوپر فوقیت ظاہر ہوتی ہے، ان میں کچھ ایسی روایات بھی ہیں، جن میں یہ دکھلایا گیا ہے کہ، فلاں خلیفہ صاحب نے رسولؐ کو حکم شریعت سے آگاہ فرمایا! اور فلاں صاحب کے مشورہ کے مطابق قرآن کی آیات نازل ہوئیں، جنھیں موافقات عمر کہا جاتا ہے، جیسا کہ محترم مؤلف صاحب نے آئندہ مباحث میں اس پر قدرے روشنی ڈالی ہے۔ مترجم۔

اگر چہ مذکورہ ہر ایک حدیث کے مطالعہ کرنے سے راوی کا یہ مقصد ثابت ہو جاتا ہے کہ ان کو فقط وفقط اس نے خلفاء کی فضیلت ظاہر کرنے کیلئے گڑھا ہے، لیکن بعض حدیثوں میں یہ چیزیں بہت واضح اور منفور انداز میں اپنے کو نمایاں کرتی ہیں، ہم اس کا ایک اور واقعہ پیش کرتے ہیں:

" ...... قال سمعت؛ بریدة یقول: خرج رسول الله فی بعض مغاذیه: فلماانصرف جائت جاریة سوداء، فقالت: یارسول الله ! انی کنت نذرت ان ردک الله سالماً ان اضرب بین یدیک بالدف واتغنی ،فقال لها رسول الله: ان کنت نذرت فاضربی، والا فلا . فجعلت تضرب فدخل ابو بکر، وهی تضرب، ثم دخل علیٌ وهی تضرب ،ثم دخل عثمان، وهی تضرب، ثم دخل عمر، فالقت الدف تحت استها، ثم قعدت علیه،فقال رسول الله :ان الشیطان لیخاف منک یا عمر! انی کنت جالساً،وهی تضرب، فدخل ابوبکر،وهی تضرب، ثم دخل عثمان،وهی تضرب، فلمادخلت انت یا عمر االقت الدف". (۱)

ترمذی اور احمد بن حنبل نے بریدہ سے نقل کیا ہے:

ایک مرتبہ رسولؐ کسی جنگ سے واپس آئے تو ایک حبشی کنیز آپ کی خدمت میں آئی اور کہنے لگی یا رسول اللہؐ! میں نے نذر کی تھی کہ اگر آپ صحیح وسالم واپس تشریف لے آئے تو میں آپ کے سامنے دف بجا کر ناچوں گی!! رسولؐ نے فرمایا: جب تو نے نذر کی ہے تو پوری کرسکتی ہے، چنانچہ وہ رسولؐ کے سامنے دف بجا کر ناچنے اور گانے لگی! اتنے میں حضرت ابوبکر اور عثمان آگئے، لیکن وہ یونہی مشغول رہی، پھر حضرت علی علیہ السلام تشریف لے آئے، تب بھی وہ مشغول رہی! اس کے بعد جب عمر آئے تو ڈر کے مارے ڈھول کو اپنی سرین کے نیچے رکھ کر اس کے اوپر بیٹھ گئی، اس وقت رسولؐ نے فرمایا: **"ان الشیطان لیخاف منک یا عمر"** اے عمر! تم سے شیطان بہت ڈرتا ہے! کیونکہ جب تک ہم لوگ بیٹھے رہے یہ کنیز ناچتی گاتی رہی، لیکن جونہی تم آئے تو اس نے بند کر دیا!

(۱) سنن ترمذی جلد ۵، ابواب المناقب، باب" مناقب عمر" ح ۳۷۷۳ ،ص ۲۸۴. مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ، حدیث بریدة الاسلمی ، ص ۳۵۳ .

عرض مؤلف

مذکورہ حدیث گڑھنے والوں نے حضرت عمر کی فضیلت اور آپ کی روحانیت کو حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بلند ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے، اس طرح کہ رسول خدا ایک شیطانی فعل اپنے حضور میں انجام دینے سے منع نہیں کرتے تھے!! اور شیطان آپ کے سامنے حاضر ہو جاتا تھا!! لیکن جب عمر آتے تھے تو اس کو مجبوراً فرار اختیار کرنا پڑتا تھا!! اسی طرح رسولؐ اپنی بیوی کو دیگر مسلمانوں کے درمیان ناچ دکھاتے رہتے ہیں، لیکن جب عمر آجاتے ہیں تو جشن غنا تتر بتر ہو جاتا ہے!!(۱)

حضرت عمر کی موافقت میں آیات کا نازل ہونا!!

گزشتہ صفحات کے مطالعہ سے یہ بات روشن ہوگئی کہ فرسودہ اور غلیظ مطالب کو آنحضرتؐ کی طرف منسوب کرنے کے مقاصد یہ تھے:

۱۔ نااہل خلفاء کے لئے باب فضیلت کھولنا۔

۲۔ اور ان کی بداعمالیوں پر پردہ ڈالنا۔

یہاں پر ایک اور نئے گوشے کی طرف آپ کی توجہ ہم مبذول کرانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ابھی تک ہم نے رسول اسلامؐ سے متعلق ان باتوں کو آپ کے سامنے نقل کیا جن کو عیاش، فحاش، بدکردار، لاابالی، فاسد العقیدہ اور غلیظ ذہنوں نے عوامی سطح کے رنگ میں پیش کیا تھا، لیکن خلفاء کی فضیلت کے جس نئے گوشہ کی طرف ہم یہاں اشارہ کرنا چاہتے ہیں اسے مذہب فروش راویوں نے علمی رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے، جسے **"موافقات عمر"** کہا جاتا ہے۔

---

(۱) قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمایا! خلیفہ کی فضیلت بیان کرنے میں راوی اتنا اندھا ہو چکا تھا کہ اس کو نبوت کا احترام یاد نہ رہا!! آیا یہ بات ممکن ہے کہ جو بانی شریعت ہو وہ شریعت کے احکام کو پائمال کر کے لونڈیوں کے گانے سنے؟!! اور ایرے غیرے نتھو خیرے رسول کو شریعت یاد دلائیں؟!! (استغفر اللہ ربی واتوب الیہ) مترجم.

موافقات عمر کا مطلب یہ ہے کہ بہت سارے شرعی مسائل میں خدا اور رسول نے عمر کی رائے کے مطابق حکم بیان کیا ہے، چنانچہ عمر کی پیش کش کی تائید میں خدا نے متعدد مرتبہ قرآن کی آیتیں نازل کی ہیں، اگر ہم اس فضیلت تراشی کو اپنی زبان میں علمی فضیلت تراشی کہیں تو بیجا نہ ہوگا، بہر حال اس کے ذریعہ موصوف کے مدح خوانوں نے آپ کے رتبہ کو رسولؐ کے برابر کرنے کے علاوہ، وحی میں بھی ایک حصہ دار قرار دیا ہے، لیکن خلیفہ صاحب پر چونکہ وحی قرآنی نازل نہیں ہوسکتی تھی لہٰذا اس کو دوسرے رنگ میں پیش کرنے کی کوشش فرمائی ہے! چنانچہ جب بھی خلیفہ صاحب کسی حکم کو شریعت میں داخل کرنا چاہتے تھے تو خدا ان کی اس بارے میں موافقت کر کے فوراً ان کی فکر کی تائید میں آیت نازل کر دیتا تھا! یہی وجہ ہے کہ بہت سے احکام ایسے تھے جنھیں خدا نے ابھی نازل بھی نہیں کیا تھا لیکن عمر کو ان کے بارے میں پہلے سے خبر تھی! اور کبھی کبھی تو خدا خود خلیفہ صاحب کے الفاظ میں ہی قرآن نازل فرما دیتا تھا! یا جن الفاظ میں خدا قرآن نازل کرنا چاہتا تھا وہی الفاظ خلیفہ کی زبان پر جاری ہو جاتے تھے!! پس اگر چہ بظاہر خلیفہ صاحب وحی قرآنی سے محروم تھے لیکن وحی غیر قرآنی ان پر ہوا کرتی تھی! ذیل میں ہم نمونہ کے طور پر اس کے چند موارد نقل کرتے ہیں:

پہلا مورد
موافقت عمر میں تین آیتوں کا نزول!!

,,...... هشيم عن حميد؛عن انس؛ قال:قال عمر: وافقت ربی فی ثلاثٍ: فقلت يارسول الله! لوا تخذ نا من مقام ابراهيم مصلیٰ، فنزلت: ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ وآية الحجاب ،قلت: يارسول الله ! لو امرتَ نسائک ان يحتجبن فانه يكلمهن البر والفاجر، فنزلت آية الحجاب، واجتمع نساء النبی عليه فی الغيرة عليه، فقلت لهن: ﴿عَسٰى رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْراً مِنْكُنَّ﴾ فنزلت هذه الآية "

حمید انس سے نقل کرتا ہے کہ عمر کہتے تھے:

میں نے خدا کی تین جگہ موافقت کی ہے یعنی تین جگہ خدا نے میری رائے کے مطابق حکم نازل فرمایا ہے:
۱۔ پہلی جگہ وہ ہے کہ جب میں نے کہا: یارسول اللہ! بہتر تھا کہ مقام ابراہیم کو مصلی قرار دیا جاتا! تو خدا نے اس آیت کو نازل کیا: ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾(۱)
۲۔ دوسرا مورد آیۂ حجاب کا ہے (جب ایک روز) میں نے رسولؐ سے کہا: یارسول اللہؐ! بہتر تھا کہ آپ اپنی بیویوں کو حکم دیتے کہ وہ غیر سے اپنے کو چھپائیں، کیونکہ ان سے ہر قسم کے اچھے اور برے لوگ باتیں کرتے ہیں، اسی وقت آیۂ حجاب نازل ہوئی۔
۳۔ چونکہ رسولؐ کی بیویاں ایک دوسرے سے رقابت کی بنا پر اذیت پہنچاتی تھیں لہٰذا ایک روز میں نے ان سے کہا: ﴿عَسَى رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ﴾ (دیکھو اگر تمھیں رسولؐ نے طلاق دیدی تو اس کا پروردگار تم سے بہتر بیویاں اسے عنایت کریگا)) تو خدا نے بھی انھیں الفاظ میں آیت نازل فرمادی: ﴿عَسَى رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ......﴾!!(۲) (۳)

متذکرہ حدیث میں عمر کی درخواست پر قرآن مجید کی تین آیتوں کے نازل ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:
۱۔ آیۂ حجاب، ۲۔ آیۂ مقام ابراہیم، ۳۔ ﴿آیۃ عسیٰ ربه ان طلقکن......﴾

قارئین کرام! ہم صرف آیۂ حجاب سے مربوط بحث کو ذیل میں محلِ تحقیق قرار دیتے ہیں اور بقیہ دو چیزوں کے صحت وضعف کو اہل تحقیق قارئین کی صوابدید پر چھوڑتے ہیں، کیونکہ آیۂ حجاب کے سلسلے میں روایت کا حال کشف ہونے کے بعد بقیہ کا حال بھی روشن ہو جائے گا۔

---

(۱) سورۂ بقرہ، آیت ۱۲۵، پ ۱.

(۲) سورہ تحریم آیت ۵.

(۳) بخاری جلد۱، کتاب الصلوٰۃ، ابواب القبلۃ، باب (۵) ''ماجاء فی القبلۃ'' حدیث ۳۹۳۔۳۹۴۔ جلد۴، کتاب التفسیر، باب (۱۱) ''واتخذوا من مقام ابراہیم مصلّی'' حدیث ۴۲۱۳۔ مترجم: (صحیح بخاری جلد۴، کتاب التفسیر، باب (۲۸۰) ''لا تدخلوا بیوت النبیؐ'' سورۂ احزاب، حدیث ۴۵۱۲) صحیح مسلم جلد۷، کتاب فضائل الصحابۃ، باب (۲) ''فضائل عمر''۔ مسلم نے اس حدیث کے مفہوم کی طرف حدیث نمبر ۲۳۹۹ میں اشارہ کیا ہے۔

آیۂ حجاب کی تحقیق

قارئین محترم! مذکورہ روایت میں اگرچہ اس بات کا اشارہ نہیں پایا جاتا ہے کہ جو آیۂ حجاب خلیفہ دوم کی درخواست پر نازل ہوئی وہ کیا ہے لیکن بابِ فضائل عمر میں جو دیگر روایات اس ضمن میں نقل کی گئی ہیں ان میں اس آیت کے متن کا ذکر اس طرح آیا ہے: ﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعاً فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَآءِ حِجَابٍ﴾(۱)

مذکورہ روایت راوی نے حضرت عمر کی شان میں بڑے حسین انداز سے گڑھی ہے مگر تحقیق کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ (اس آیت سے متعلق متعدد شان نزول کے واقعات حضرت عمر سے منسوب کئے گئے ہیں، لہٰذا ہمارے مندرجہ ذیل دلائل سے روز روشن کی طرح ثابت ہو جاتا ہے) آیۂ حجاب کا نزول خلیفہ صاحب کی درخواست پر نہیں ہوا، بلکہ راوی نے آپ کی فضیلت ظاہر کرنے کیلئے مذکورہ روایت کو گڑھ دیا ہے۔

پہلی دلیل: مذکورہ حدیث میں تناقض پایا جاتا ہے

حضرت عمر کے مشورہ پر آیۂ حجاب نازل ہونے کے مذکورہ واقعہ کے جعلی اور من گڑھت ہونے کا ایک سبب خود ان روایات کا تناقض اور تضاد ہے کیونکہ ایک حدیث میں عائشہ سے اس طرح نقل کیا گیا ہے:

۱۔"عن عائشة؛ قالت: كنت آكل مع رسول الله حيساً قبل ان تنزل آية الحجاب، ومر عمر، فدعاه، فأكل، فأصابت يده اصبعي، فقال: حس لواطاع فيكن مارأ تكن عين ، فنزلت الآية الحجاب" (۲)

---

(۱) سورہ احزاب ، آیت۵۳، پ۲۲، مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ، مسند عبد الله ابن مسعود ص۴۵۶. شرح نهج البلاغه ابن ابی الحدید، جلد ۱۲ ،خطبة ۲۲۳ ص ۵۷ ، الرياض النضره جلد ۱ ،ذکر عمر بن الخطاب ، ص ۲۶۳ .

(۲) شرح نهج البلاغه ابن ابی الحدید جلد ۱۲ ،خطبة۲۲۳، ص۵۸ . الرياض النضره جلد ۱ ، ذکر عمر بن الخطاب،ص۲۶۳ ،محب الدين طبری.

نوٹ: محب الدین طبری اس روایت کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے لفظ(حس ،اخ) کا استعمال کیا اور یہ لفظ اس جگہ استعمال کیا جاتا ہے، جب انسان کو اچانک کوئی شدید تکلیف پہنچے، جیسے اچانک ہاتھ آگ سے جل جائے۔

''ایک مرتبہ میں اور رسولؐ ساتھ میں بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے کہ حضرت عمر کا ادھر سے گزر ہوا، رسولؐ نے آپ کو کھانے کی دعوت دی، تو عمر بھی ہم لوگوں کے ساتھ کھانا کھانے لگے، کھانے کے وقت عمر کا ہاتھ میری انگلیوں سے ٹکرا گیا، اس پر عمر نے کہا: اخ! اگر میں تم عورتوں کے بارے میں مطیع ہوتا اور میری درخواست پر مثبت جواب دیا جاتا تو نامحرموں کی آنکھیں تم پر نہ پڑتیں، عائشہ کہتی ہیں: اسی وقت آیۂ حجاب نازل ہوئی''۔

۲. ,,...... عن عروة بن الزبير؛ان عائشه زوج النبي؛ قالت: كان عمر بن الخطاب يقول: لرسول الله احجب نسائك، قالت: فلم يفعل و كان ازواج النبي يخرجن ليلاً الى ليل قبل المناصع، خرجت سودة بنت زمعة، و كانت امرأة طويلة، فرآها عمر بن الخطاب، وهو في المجلس فقال: عرفتك يا سودة! احرصاً على ان ينزل الحجاب، قالت: فانزل الله آية الحجاب. "(۲)

ایک جگہ عروہ بن زبیر سے روایت میں آیا ہے:

حضرت عمر اکثر رسولؐ اسلام سے کہا کرتے تھے: آپ اپنی بیویوں کو نامحرموں سے چھپا کر رکھیں، لیکن رسولؐ اس پر دھیان نہیں دیتے تھے اور آپ کی بیویاں رفع حاجت کے لئے ہر شب (بغیر کسی پردے کے) باہر چلی جاتی تھیں، چنانچہ ایک مرتبہ آپ کی زوجہ سودہ جن کا قد بلند تھا شب میں رفع حاجت کے لئے باہر نکلیں، عمر ابن خطاب چند لوگوں کے درمیان باہر بیٹھے تھے، سودہ کو دیکھ کر کہنے لگے: اے سودہ! میں نے تجھ کو پہچان لیا ہے اور آپ کا یہ کہنا کہ میں نے سودہ کو پہچان لیا ہے، اس وجہ سے تھا کہ آپ کو آیۂ حجاب کا شدت سے انتظار تھا، چنانچہ اس کے بعد آیۂ حجاب نازل ہوگئی۔

---

(۱) صحیح بخاری: جلد۸، کتاب التفسیر، باب "آیة الحجاب لاتدخلوا بیوت النبی" (سورۂ احزاب) حدیث ۴۵۱۷. جلد ۱، کتاب الوضوء، باب(۱۳) "خروج النساء الی البراز" حدیث ۱۴۶. کتاب الاستئذان، باب(۱۰) "آیة الحجاب" حدیث ۵۸۸۶. مترجم: (صحیح بخاری جلد۵، کتاب النکاح، باب "خروج النساء" حدیث ۱۶۴.) صحیح مسلم جلد۷، کتاب السلام، باب(۷) "اباحة الخروج للنساء لقضاء حاجة الانسان" حدیث ۲۱۷۰.
(مسلم نے اس روایت کو ایک دیگر طریق سے بھی نقل کیا ہے).

ان دو روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر آیۂ حجاب کے بارے میں پہلے سے اطلاع رکھتے تھے! اور یہی نہیں بلکہ اس آیت کے نزول کیلئے بہت کوشاں بھی تھے!

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیۂ حجاب عمر کی درخواست پر کب اور کہاں نازل ہوئی؟ کیونکہ راوی کے بیان میں تضاد و تناقض پایا جاتا ہے، آیا اس وقت نازل ہوئی جب رسول سے عمر نے کہا: یا رسول اللہ! چونکہ آپ کے گھر میں مختلف قسم کے افراد آتے جاتے ہیں لہٰذا آپ اپنی بیویوں کو حجاب کرنے کا حکم صادر فرمائیں؟!

یا اس وقت نازل ہوئی جب رسولؐ نے عمر کو کھانے پر بلایا اور عمر کا ہاتھ حضرت عائشہ کے ہاتھ سے ٹکرا گیا اور عمر نے کہا اخ: ''**حس لو اطاع فیکن ما را تکن عین**''؟!

یا اس وقت نازل ہوئی جب عمر سودہ کو دیکھ کر کہنے لگے: اے سودہ! میں نے تم کو پہچان لیا ہے؟ چونکہ آپ کو آیۂ حجاب کا شدت سے انتظار تھا لہٰذا آپ بار بار معلوم کرتے تھے؟!

پس روایت کے تناقض سے پتہ چلتا ہے کہ روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر ایک واقعہ (اور ایک شان نزول) ہوتا تو مان لیا جاتا کہ عمر کی موافقت میں آیت نازل ہوئی ہے، لیکن ان تمام روایتوں میں اس قدر تضاد ہے کہ جمع کرنا ممکن نہیں، لہٰذا روایتوں کے بارے میں مذکورہ تضاد ان کے ضعیف ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ دروغ گو را حافظہ نباشد!

دوسری دلیل: دیگر روایات؛ روایتِ حجاب کی تکذیب کرتی ہیں

اہل سنت کی دیگر معتبر کتابوں میں جو روایات آیۂ حجاب کی شان نزول میں نقل کی گئی ہیں وہ مذکورہ روایت (عمر کی درخواست پر آیۂ حجاب نازل ہوئی) کی تکذیب اور اس کے جعلی ہونے کی تائید کرتی ہیں، چنانچہ ہم یہاں پر ایک روایت صحیحین سے بعنوان شاہد مثال نقل کرتے ہیں جو انس سے منقول ہے:

,,......ابو مجلز عن انس؛ قال: لما تزوج النبی زینب، دخل القوم فطعموا، ثم جلسوا یتحدثون، فاخذ کانہ یتھیأللقیام ،فلم یقوموا، فلما رأی، قام من قام من

القوم ،وقعد بقية القوم،وان النبی جاء ليدخل، فاذاً القوم جلوس، ثم انهم قاموا، فانطلقوا، فأخبرت النبی،فجاء حتی دخل، فذهبت ادخل، فالقیٰ الحجاب بينی وبينه ،وانزل الله تعالی:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَاتَدْخُلُوا......﴾

ابومجلز نے انس سے روایت کی ہے:

جب رسولؐ نے زینب بنت جحش سے شادی کی تو سب لوگوں کا ولیمہ کیا، چنانچہ سب لوگ خانۂ رسولؐ میں جمع ہوئے اور کھانا کھانے کے بعد بیٹھ کر وہیں پر بات چیت کرنے میں مشغول ہوگئے، رسولؐ اس مجلس سے اٹھ کر چلنے کیلئے آمادہ ہوئے تا کہ سب لوگ یہاں سے چلے جائیں، لیکن لوگوں نے توجہ نہیں کی اور بیٹھے رہے، یہاں تک کہ رسول اسلامؐ اٹھ کر چلے بھی گئے، کچھ لوگ آپ کے ساتھ اٹھ کر چلے گئے، لیکن پھر بھی کچھ لوگ بیٹھے باتیں کرتے رہے، یہاں تک کہ رسول خداؐ جب دوبارہ واپس پلٹے تو بھی کچھ لوگوں کو بیٹھا پایا، المختصر یہ کہ جب وہ بھی اٹھ کر چلے گئے تو میں نے رسولؐ سے کہا: یارسول اللہؐ! سارے لوگ چلے گئے ہیں، یہ سن کر رسول گھر میں داخل ہوئے، میں نے چاہا کہ میں بھی آپ کے ساتھ داخل خانہ ہو جاؤں لیکن رسولؐ نے منع فرمادیا، اسی وقت خدا نے یہ آیتیں نازل فرمائیں: **﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَاتَدْخُلُوا... وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعاً فَاسْئَلُوهُنَّ﴾** (۱)

اس روایت کو بخاری کے علاوہ سیوطی نے تفسیر درمنثور میں احمد بن حنبل، مسلم، نسائی، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، بیہقی سے نقل کیا ہے۔ (۲)

---

(۱) تفسیر در منثور جلد ۵ ،تفسیر سورہ احزاب ،صفحہ ۲۱۳. صحیح بخاری: جلد۶ ، کتاب التفسیر، تفسیر سورۂ احزاب. (حدیث نمبر۴۵۱۳ سے لے کر۴۵۱۶ میں اسی بات کا ذکر ہے۔ مترجم) جلد۸، کتاب الاستیذان، باب(۱۰)" آیۃالحجاب" حدیث۳۸۸۴، ۵۸۸۵.

مترجم: (صحیح بخاری جلد ۸، کتاب الاستیذان، باب(۳۳)حدیث۵۹۱۶. کتاب النکاح، باب(۶۴)"الھدیۃ للعروس" حدیث۴۸۶۸، باب (۶۷) "الولیمۃ حق" حدیث ۴۸۷۱. کتاب الاطعمہ ،باب "قول اللہ تعالی: فاذا طعمتم فانتشروا سورۂ احزاب ۵۳" حدیث ۵۱۴۹.)

صحیح مسلم جلد۴ ،کتاب النکاح ،باب(۵) ازدواج زینب بنت جحش، حدیث۱۴۲۸.

(۲) تفسیر در منثور جلد ۵ ،تفسیر سورہ احزاب ،ص ۲۱۳.

امام بخاری ایک دوسری روایت اس طرح نقل کرتے ہیں:

''انس کہتے ہیں: جب رسولؐ مدینہ میں تشریف لائے تو میں (انس) دس سال کا تھا اور (میں) اس دس سال کی رسولؐ کے ساتھ خدمت گزاری کی زندگی پر افتخار کرتا ہوں، چنانچہ سب سے زیادہ آیۂ حجاب کے نزول کے بارے میں مجھے علم ہے، مجھ سے زیادہ اس بارے میں کوئی نہیں جانتا، یہاں تک کہ اُبیؑ بن کعب نے بھی آیۂ حجاب کے بارے میں مجھ سے سوال کیا، اس کے بعد انس اس روایت کو نقل کرتے ہیں جسے ہم نقل کر چکے ہیں اور فرماتے ہیں: یہ آیت رسولؐ کی شب زفاف میں نازل ہوئی۔(۱)

قارئین کرام! اس روایت سے یہ نکتہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ آیۂ حجاب کے بارے میں جو نسبت عمر کی طرف دی جاتی ہے یہ خود انس کے زمانہ میں بھی مشہور ہو چکی تھی۔ (۲)

یہی وجہ تھی کہ انس اس افواہ کی تکذیب کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور اگر انس کا اس افواہ کا تکذیب کرنا مقصود نہ ہوتا تو آپ صرف ایک آیت کے شان نزول کے بیان اور حدیث نقل کرنے میں اس قدر شدید انداز نہ اپناتے اور اس تند مزاجی کے ساتھ نہ کہتے:

''مجھ سے زیادہ آیۂ حجاب کے بارے میں کوئی نہیں جانتا، کیونکہ میں نے دس سال تک رسولؐ کی خدمت گزاری کی ہے اور ابیؑ بن کعب کہ جو اپنے کو آیاتِ قرآنیہ کے بارے میں ماہر سمجھتے تھے، وہ بھی اس آیت کے بارے میں مجھ سے ہی معلوم کرتے تھے اور یہ آیت اس شب نازل ہوئی جب رسولؐ نے زینب سے شادی کی اور آپ کا زفاف ہوا''

پس مذکورہ موازنہ اور مقایسہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ انس گویا کہنا یہ چاہتے ہیں: آیۂ حجاب کی شان نزول وہ ہے جو میں بیان کر رہا ہوں، نہ کہ وہ جسے حضرت عمر نے نقل کیا ہے کہ یہ آیت میری پیش نہاد پر نازل ہوئی! یا جب میری انگلیاں عائشہ کی انگلیوں سے کھانے کے وقت مس ہوئیں تب نازل ہوئی! یا جب حضرت عمر نے سودہ

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الاستیذان، باب "آیة الحجاب"

(۲) ابن حجر نے اپنی کتاب تہذیب التہذیب (۶۹۰ _ ع: ۱ لسنۃ: ص ۳۳۰، میں نقل کیا ہے کہ انس کی وفات ۹۳ھ میں ہوئی۔

کو رفع حاجت کیلئے جاتے دیکھا تب نازل ہوئی!!

قارئین کرام! جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا: دوسری شان نزول کے بارے میں تقریباً ۱۰ عدد حدیثیں صرف صحیح بخاری میں وارد ہوئیں، لہٰذا اس سے پتہ چلتا ہے کہ آیۂ حجاب کا سہرا حضرت عمر کے سر باندھنا بے بنیاد ہے چنانچہ سیاق آیت بھی اس بات کی تکذیب کرتا ہے۔

تیسری دلیل: سیاق آیت روایت حجاب کی تکذیب کرتا ہے

آیت کے سیاق و سباق سے پتہ چلتا ہے کہ جو روایت انس سے وارد ہوئی ہے وہ درست ہے کیونکہ اس صورت میں آیت کا آخری حصہ جو حجاب سے متعلق ہے وہ آیت کے پہلے حصے سے بالکل مربوط ہو جاتا ہے اور مجموعی طور پر آیت رسولؐ کے شب زفاف میں نازل ہوئی، چنانچہ آیت میں ذکر بھی انہیں مسائل کا ہے جو رسولؐ اور آپ کی بیویوں سے متعلق ہو:

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَاتَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِي اِلَّآ اَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِيْنَ اِنٰهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَانِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذَالِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيِ مِنَ الْحَقِّ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعاً فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَرَآءِ حِجَابٍ ذَالِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ لِقُلُوْبِهِنَّ......﴾ (۱)

اے ایماندارو! رسولؐ کے گھروں میں داخل نہ ہو جاؤ، مگر جب کہ تمھیں کھانے کی اجازت دے دی جائے اور انتظار طعام میں اپنے بیٹھنے کو طول نہ دو اور جب دعوت کی جائے تو وارد ہو اور جب کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو فوراً چلے جاؤ اور زیادہ گفتگو نہ کرو، کیونکہ تمھارا یہ عمل رسولؐ کی اذیت کا سبب بنتا ہے اور رسولؐ تم سے شرم کرتا ہے کہ وہ اپنی ناراحتی کو بیان کرے، لیکن خدا حق کہنے سے باز نہیں آتا اور اگر تم رسولؐ کی بیویوں سے کچھ سامان مانگنا چاہتے ہو، یا ان سے بات کرنا چاہتے ہو، تو پردے کی آڑ سے، یہ طریقہ تمہارے لئے بہتر و پاکیزہ تر ہے اور ان کے لئے بھی۔

(۱) سورہ احزاب، آیت ۵۳، پ ۲۲.

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ آیت کا آخری حصہ جس میں حجاب کا حکم ہے آیت کے اول کے حصے سے بالکل منطبق ہے کیونکہ آیت کے اول میں رسولؐ کی مجلس میں شریک ہونے کے بارے میں اخلاقی مسائل کا تذکرہ کیا گیا ہے، بہرکیف آیت مجموعی طور پر انس والی روایت سے مرتبط ہوتی ہے، لیکن عمر کے بارے میں جو تین روایتیں ذکر کی گئی ہیں ان میں سے کسی سے بھی آیت کا مفہوم منطبق نہیں ہوتا۔

دوسرا مورد

حضرت عمر کا رسولؐ کو آگاہ کرنا کہ منافقوں کی نمازِ جنازہ نہ پڑھائیں!!

دوسری روایت جو صحیحین میں موافقات حضرت عمر کے بارے میں آئی ہے، وہ مدینہ کے منافقوں کے سرغنہ عبداللہ بن ابی کی نمازِ جنازہ سے متعلق ہے کہ جب اس کے بیٹے نے رسول اسلامؐ سے آ کر کہا: میرے باپ کی نماز جنازہ پڑھا دیں اور جب رسولؐ تشریف لے گئے، تو عمر نے آپ کو منع کیا! لیکن آپ نے جب عمر کے قول پر توجہ نہیں کی تو عمر کی تائید میں خدا نے فوراً آیت نازل کردی، جس میں رسولؐ کو منافقین پر نماز پڑھنے سے منع کیا گیا تھا!!

۱۔ ......عن ابن عمر؛ان عبد اللہ بن ابی؛لما توفی،جاء ابنه الی النبیؐفقال: یارسول اللہ اعطنی قمیصک اکفنه فیه،وصل علیه،واستغفر له، فاعطاه النبیؐ قمیصه،وقال:اذا فرغت فآذنا، فلما فرغ آذنه، فجاء لیصلی علیه، فجذبه عمر،فقال:ألیس قد نهاک اللہ ان تصل علی المنافقین؟! فقال:انا بین خیرتین، قال:استغفرلهم اولاتستغفرلهم،ان تستغفرلهم سبعین مرة فلن یغفراللہ لهم،فصلیٰ علیه،فنزلت:﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ اَبَداً ......﴾(۱)

عبداللہ بن عمر سے منقول ہے:

(۱) سورۂ توبہ، آیت ۸۴.

جب عبداللہ ابن اُبَی مر گیا، تو اس کا بیٹا رسولؐ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا: یارسول اللہؐ! اپنا لباس عنایت فرمادیں تاکہ میں اس میں اپنے باپ کو کفن دوں اور آپؐ ہی میرے باپ کی نماز جنازہ بھی پڑھائیں اور اس کے لئے استغفار بھی کردیں، چنانچہ رسولؐ نے اپنا پیراہن اس کو دے دیا اور فرمایا: جب غسل و کفن سے فارغ ہوجانا تو مجھے اطلاع دے دینا، الغرض جب وہ اپنے باپ کے کفن وغیرہ سے فارغ ہوگیا تو اس نے رسول کو نماز پڑھانے کیلئے اطلاع دی، لہٰذا رسولؐ تشریف لے گئے اور نماز پڑھانے لگے! عمر نے پیچھے سے دامن پکڑ کر کھینچا اور کہا: کیا خدا نے آپ کو منافقوں پر نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا ہے؟! آپؐ نے کہا: نہیں، خدا نے مجھے مخیّر فرمایا ہے چاہے پڑھوں چاہے نہ پڑھوں، مجھے اختیار ہے، ان کے لئے استغفار کروں یا نہ کروں، چنانچہ اگر ستر (۷۰) مرتبہ بھی ان کے لئے استغفار کروں گا، تو بھی انھیں خدا بخشنے والا نہیں، اس کے بعد جب رسولؐ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی تو یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَداً وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ .... اے رسول! ان منافقوں میں سے اگر کوئی مرجائے، تو اس پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ ان کی قبر کے برابر میں کھڑے ہونا﴾ (۱)

متذکرہ حدیث خود عمر سے بھی تھوڑے سے فرق کے ساتھ منقول ہے جسے ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں:

۲. ..,..... عن ابن عباس عن عمر بن الخطاب؛ انه قال: لمّا مات عبد الله بن ابیٔ بن سَلُولُ، دعی له رسول الله ليصلي عليه، فلمّا قام رسول الله، وَثَبتُ اليه، فقلت: يارسول اللهؐ اتصلى على ابن ابیٔ وقد قال يومَ كذا وكذا، كذا وكذا؟ أُعِدُّ عليه قولَه، فتبسّم رسولُ الله، فقال: أَخِّرْ عَنّي يا عمرُ! فلمّا اكثرتُ عليه، قال: "انى خُيِّرْتُ فَاُخْتَرْتُ لو اعلمُ انى اِنْ زدتُ على السبعين، فغُفِرَ له

(۱) صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب الجنایز، باب (۲) "الكفن فى القميص" حديث ۱۲۱۰. جلد ۶، کتاب التفسیر تفسیر، باب (۱۶۰) "استغفر لهما او لا تستغفرلهم" (سورۂ توبہ) حدیث ۴۳۹۳، ۴۳۹۴، ۴۳۹۵، باب (۱۶۱). جلد ۷، کتاب اللباس، باب (۷) "لبس القميص" حديث ۵۴۶۰ . صحیح مسلم: جلد ۷، کتاب فضایل الصحابة، باب "فضائل عمر" حديث ۲۴۰۰. جلد ۸، کتاب صفات المنافقين، حديث ۲۷۷۴ (کتاب صفات المنافقین کی حدیث نمبر ۳)

لزدت علیها" قال: فصلی علیه رسول الله، ثم انصرف، فلم یمکث الا یسیراً،حتی نزلت الآیتان من برائة :﴿وَلا تُصَلِّ عَلَى اَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ اَبَداً وَلا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ ......(الیٰ) وَهُمْ فَاْسِقُوْنَ﴾ قال: فعجبت بعد من جراَتی علی رسول الله یومئذٍ،والله ورسوله اعلم." (۱)

عمرابن خطاب سے منقول ہے:

جب رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبداللہ بن اُبَی کی نماز پڑھانے کیلئے کھڑے ہوئے تو میں فوراًایک چھلانگ لگا کران کے پاس پہنچااور رسولؐ سے کہا: یارسول اللہ! عبداللہ بن ابی کی نماز پڑھ رہے ہیں جس نے فلاں فلاں دن فلاں فلاں (منافقت کی) بات کہی تھی؟! الغرض میں اس کی منافقانہ باتوں کو رسولؐ کے سامنے بیان کرنے لگا، رسولؐ یہ سن کر مسکرانے لگے اور فرمایا: اے عمر! ایک طرف ہٹ جاؤتم سے کیا مطلب؟! جب میں نے اس بارے میں بہت زیادہ رسولؐ سے اصرار کیاتو آپ نے فرمایا: اے عمر! مجھے اس بارے میں خدا نے "مخیّر" فرمایا ہے، لہٰذا میں نے فی الحال اس کی نماز پڑھنے کو اختیار کیا ہے، چنانچہ اگر مجھے اس بات کا علم ہو جائے کہ اس کو میرا ستر (۷۰) مرتبہ سے زیادہ استغفار اس کے لئے موجب بخشش ومغفرت قرار پائے گا، تو میں اس سے بھی زیادہ استغفار کرنے کیلئے تیار ہوں۔

حضرت عمر کہتے ہیں :رسول خداؐ عبداللہ بن ابی کی نماز پڑھ کے پلٹے ہی تھے کہ تھوڑی دیر میں سورۂ توبہ کی دو آیتیں منافقین پرنماز پڑھنے کی ممانعت میں نازل ہوگئیں:

﴿وَلا تُصَلِّ عَلَى اَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ اَبَداً وَلا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ ......(الیٰ) وَهُمْ فَاْسِقُوْنَ﴾

عمر کا بیان ہے کہ جو جراَت اور جسارت میں نے اس دن رسول خداؐ کی شان میں کی اس کے متعلق میں ہمیشہ تعجب کرتا تھا، حالانکہ خدااوراس کا رسولؐ زیادہ بہتر جانتے ہیں۔

(۱) صحیح بخاری جلد ۲، کتاب الجنایز،باب(۸۳)"ما یکره من الصلوٰة علی المنافقین......" ح ،۱۳۰۰.

مذکورہ دونوں حدیثوں سے دو باتوں کا استفادہ ہوتا ہے

ا۔ رسول خدا نے ایک منافق کی نمازِ جنازہ پڑھی اور عمر یہ کہتے رہے کہ آپ کو خدا نے منافق پر نماز پڑھنے سے منع کیا ہے!

۲۔ رسولؐ نے عمر کی بات کے جواب میں کہا: خدا نے مجھے منافقین کے لئے استغفار کرنے کے بارے میں اختیار دیا ہے، چاہے کروں اور چاہے نہ کروں اور فی الحال میں نے مثبت پہلو کو اختیار کیا ہے!

محترم قارئین! ہمارے مندرجہ ذیل دلائل کے ذریعہ آپ پر بخوبی ثابت ہو جائے گا کہ مذکورہ روایتیں جعلی ہیں اور ان کو صرف خلیفہ صاحب کی شان بلند کرنے کیلئے گڑھا گیا ہے:

ا۔ عقل اس حدیث کے قبول کرنے سے منع کرتی ہے، کیونکہ اگر اس روایت کو قبول کرلیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک عام آدمی خدا کے احکام وقوانین اور ان کے رموز واسرار، مصالح ومفاسد رسول اسلام سے زیادہ جانتا ہے، جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اس حدیث میں خلیفہ صاحب کے قول کی خدا نے تصدیق کی ہے، لیکن رسولؐ کے عمل کو محل خطاء اور مورد نہی ومنع قرار دیا ہے، لہٰذا اگر یہ تسلیم کرلیا جائے تو کیا مصلحت کا تقاضا یہ نہ تھا کہ رسولؐ بنا کر بھی خداوند متعال ایسے ہی شخص کو بھیجتا جو آپؐ سے اعلم تھا؟! اور پھر وحی کا سلسلہ بھی ایسے ہی شخص پر ہونا چاہیئے تھا؟!! گویا کہ خدا نے حضرت محمد مصطفیؐ کو رسول بنانے میں معاذ اللہ غلطی کا ارتکاب کیا ہے!!

۲۔ آیت کا نزول عبداللہ ابن اُبَیّ کی موت سے پہلے ہو چکا تھا، کیونکہ یہ آیت رسول پر ہجری کے آٹھویں سال جنگ تبوک کے سفر میں نازل ہوئی اور عبداللہ ابن اُبَیّ ۹ ہجری میں مرا ہے،(۱) لہٰذا عبداللہ ابن ابیّ کی موت اور آیت کے نزول میں کوئی مناسبت نہیں پائی جاتی جس سے عمر کے قول کی اس آیت کے ذریعہ موافقت ثابت کی جائے۔

---

(۱) نوٹ: دیکھئے مزید معلومات کے لئے تفسیر المیزان جلد ۹، سورہ توبہ، ص ۳۵۸، مؤلفہ علامہ محمد حسین طباطبائی۔

۳۔اس روایت کا متن خود اس کے ضعیف ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ:

اولاً: جب رسولؐ نے نماز پڑھانا چاہی تو عمر نے کہا: یارسول اللہؐ! یہ تو منافق ہے؟!(**اتصلی علیه**) آپ اس پر نماز پڑھ رہے ہیں؟ یہ تو فلاں فلاں دن ایسی ویسی منافقانہ بات کررہا تھا؟ کیا آپ کو منافق پر نماز پڑھنے سے خدا نے نہیں روکا ہے؟!

عمر کے ان جملوں سے پتہ چلتا ہے کہ خدا نے رسولؐ کو پہلے سے ہی منافقین پر نماز پڑھنے کیلئے منع کررکھا تھا، لیکن ذیل روایت سے پتہ چلتا ہے کہ منافقین پر نماز نہ پڑھنے والی آیت اس واقعہ کے بعد نازل ہوئی، یعنی عمر کی گفتگو کے بعد رسولؐ کو خدا نے منافقین پر نماز پڑھنے سے منع کیا، لہٰذا جب آیت نازل ہی نہیں ہوئی تھی تو پہلے سے حضرت عمر کو کہاں سے علم ہوگیا کہ خدا نے منافق پر نماز پڑھنے سے روکا ہے؟! البتہ اس اشکال کا جواب علمائے اہل سنت سے جناب قرطبی صاحب نے یوں دیا ہے: شاید حضرت عمر کے قلب پر اس نہی کا پہلے سے الہام ہوگیا تھا۔ (۱) (۲)

ثانیاً: مذکورہ روایت قرآن کی آیت سے مطابقت نہیں کرتی کیونکہ روایت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول خداؐ نے عمر کے جواب میں فرمایا: خدا نے مجھے استغفار وعدم استغفار میں مخیّر فرمایا ہے "**استغفر لهم او لا تستغفر لهم** ......"

چنانچہ اس آیت میں یہ نہیں بیان کیا گیا ہے کہ رسولؐ منافقوں کے لئے استغفار کے بارے میں مخیّر تھے بلکہ خدا کا مقصد یہ ہے کہ منافق کے حق میں دعا کرنا بیہودہ اور لغو ہے اور خدا ان کو کبھی بھی نہیں بخشے گا، گویا قرآن مجید کی یہ آیت منافقوں کے بارے میں کمال یأس وناامیدی کی خبر دی رہی ہے، یعنی ذرّہ برابر بھی استغفار منافقوں کے بارے میں فائدہ بخش نہیں ہے اور ۷۰ ربار کا عدد استعمال کرنا استغفار کے تعیین کے لئے نہیں ہے، بلکہ یہ عدد اس بات کی طرف متوجہ کررہا ہے کہ منافقین کے لئے کتنی ہی مرتبہ استغفار کیجئے فائدہ

---

(۱) فتح الباری جلد ۸، سورہ برائت قوله تعالی : استغفر لهم او لا تستغفر لهم، ص ۲۵۲ .

(۲) عرض مترجم: سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا رسولؐ کو یہ الہام نہ ہوسکتا تھا جو خدا کا پاکیزہ ترین بندہ تھا؟ آخر عمر کے اوپر یہ الہام کیوں ہوا حضرت عمر میں کیا لعل لگے ہوئے تھے؟!

مند نہیں ہے، چاہے ستر مرتبہ کریں یا ستر ہزار مرتبہ۔

پس جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ آیت میں خدا کا مقصد تخییر نہیں ہے، بلکہ خدا یہ بتانا چاہتا ہے کہ منافقین کے بارے میں دعا واستغفار کرنا بیہودہ اور لغو ہے، تو پھر رسول اسلامؐ کیسے آیت سے تخییر سمجھ سکتے ہیں؟! اور آپ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں کہ خدا نے مجھے مخیّر فرمایا ہے؟!

چنانچہ قرآن مجید کی آیت کے آخری جملے بھی اسی بات کی (کہ آیت سے مراد تخییر نہیں ہے) علت، تاکید اور توضیح کررہے ہیں، گویا یہ جملے طلب مغفرت کیلئے بے سود ہونے والے حکم کی دلیل اور علت ہیں یعنی چونکہ یہ لوگ کافر اور فاسق ہیں اور خدا فاسق کفار کو ہدایت نہیں کرتا، لہٰذا ان کے حق میں دعا واستغفار کرنا بے فائدہ اور لغو ہے:

﴿......إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾(۱)

اے رسول! اگر آپ ان منافقین کے لئے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں گے پھر بھی خدا انھیں بخشنے والا نہیں کیونکہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا ہے اور اللہ قوم فاسقین کی ہدایت نہیں کرتا۔

پس جب آیت سے صراحت کے ساتھ یہ بات واضح ہے کہ منافقین کے حق میں دعا سود مند نہیں تو پھر رسولؐ اسلام کیسے کہہ سکتے ہیں کہ خدا نے مجھے مخیّر فرمایا ہے کہ چاہے دعا کروں چاہے نہ کروں جیسا کہ روایت میں آیا ہے؟!! اور جب آیت کے یہ جملے ﴿بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ......﴾ حقیقت میں اُس علت اور واقعیت کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ جس کی وجہ سے منافقین کے لئے استغفار فائدہ مند نہیں اور وہ علت یہ ہے کہ چونکہ منافقین کافر اور فاسق ہیں لہٰذا ان کے لئے استغفار سود مند نہیں اور نہ خدا ان کی ہدایت کرے گا تو پھر اتنی تاکید کے باوجود (منافق کی عدم بخشش کے لئے) رسولؐ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ خدا نے مجھ کو مخیّر فرمایا ہے؟! ان ہی اشکالات کی بنا پر علمائے اہل سنت نے اس حدیث کو صحیحین میں منقول ہونے کے باوجود رد کیا ہے:

---

(۱) سورہ توبہ، آیت ۸۰، پ ۱۰۔

مذکورہ حدیث کے بارے میں علمائے اہل سنت کا نظریہ

قاضی ابو بکر باقلانی کہتے ہیں:

یہ حدیث صحیح نہیں ہے، ہمیں اس حدیث کا مضمون قابل قبول نہیں، کیونکہ یہ کہنا صحیح نہیں کہ رسولؐ نے آیہ استغفر...... سے حکم تخییر سمجھا۔(۱)

امام حرمین نے برہان میں کہا ہے:

اہل سنت کے علمائے محدثین اور دانشور حضرات اس حدیث کو قبول نہیں کرتے، امام غزالی و داؤدی نے بھی اس حدیث کو مردود جانا ہے۔(۲)

تیسرا مورد

جن موارد پر عمر کی موافقت میں خدا نے آیت نازل فرمائی ان میں سے ایک مورد یہ ہے کہ پہلے ماہ رمضان میں دن کی طرح رات میں بھی جماع کرنا حرام تھا لیکن ایک دفعہ خلیفہ صاحب رات بھر بیدار رہے اور اپنی زوجہ کے ساتھ جماع کیا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ......﴾(۳)

ماہ مبارک رمضان کی شبوں میں تمہارے لئے جماع کرنا حلال کر دیا گیا ہے۔

خدا نے اس آیت کے ذریعہ عمر کے عمل کی تائید فرماتے ہوئے ماہ رمضان کی شب میں جماع کرنا جائز قرار دیا ہے۔

چوتھا مورد

جہاں خدا نے موافقتِ عمر میں آیت نازل فرمائی یہ ہے کہ جب ایک دفعہ عمر کا غلام بغیر اجازت آپ کے گھر میں داخل ہو گیا، تو آپ کو اس عمل سے اذیت ہوئی اور خدا کی بارگاہ میں دعا کی: اے خدا! غلاموں کو ان کے

(۱) فتح الباری جلد۸ سورہ برائت، ۲۵۲.

(۲) فتح الباری جلد۸، باب" لا تصل علی احد منھم مات "صفحہ ۲۵۵.

(۳) بقرة، آیت۱۸۷.

آقاؤں کے گھر میں بغیر اجازت کے داخل ہونے سے منع فرمادے، چنانچہ اس وقت آیہ استیذان سورۂ نور آیت نمبر ۵۸ نازل ہوئی۔

پانچواں مورد

پانچواں مورد جہاں خدا نے عمر کی موافقت میں آیت نازل فرمائی، یہ ہے کہ چونکہ رسولؐ اسلام بعض منافقین کے لئے بہت زیادہ استغفار کرتے تھے تو عمر نے کہا: اے رسولؐ! آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں برابر ہے، اس وقت خدا نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ اَسۡتَغۡفَرۡتَ لَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ......﴾(۱)

گویا خدا نے حضرت عمر کی تائید میں بعینہ ان کے الفاظ قرآن میں نازل فرمادئے!!

مذکورہ مضمون کی متعدد روایات اہل سنت والجماعت کی معتبر کتابوں میں پائی جاتی ہیں جنھیں موافقات عمر کا نام دیا گیا ہے، یعنی وہ آیات جو عمر کی رائے کے مطابق قرآن میں بعینہ ان کے الفاظ میں یا کچھ ردوبدل کے ساتھ نازل ہوئیں۔(۲)

بہر کیف علمائے اہل سنت نے کئی ایسے موارد ذکر کئے ہیں جہاں حضرت عمر کی تائید اور موافقت میں خدا نے آیات نازل فرمائی ہیں!! اگر ہم ان سب کی جمع آوری کر کے بحث و تحقیق کریں تو اس کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے جو ہماری بحث سے خارج ہے لہٰذا جو روایات صحیحین میں ہمارے موضوع سے

---

(۱) سورہ منافقین، آیت ٦.

(۲) نوٹ: مزید معلومات کے لئے دیکھئے: مسند احمد بن حنبل جلد ۱، مسند عمر بن الخطاب ص ۲۴، ۳٦، مسند عبد الله ابن مسعود، ۴۵٦. جلد ۲، ص ۱۴۸، مسند عبد الله ابن عمر. جلد ٦، ص ۲۲۳، ۲۷۱، حدیث عائشة. مسند طیالسی، حدیث ابن عباس عن عمر ص ۹. سیرہ ابن هشام، جلد ۴، حج ابو بکر بالناس ..... آیة لا تصل علی احد ص ۱۹۷. تاریخ الخلفاء، دربیان حالات عمر، ص ۱۱۴. تفسیر در منثور جلد ۳، تفسیر سورہ انفال و سورہ توبة، ص ۲۰۲، ۲٦٦. شرح نهج البلاغه، ابن ابی الحدید، جلد ۱۲، خطبة ۲۲۳، ص ۵۷، ۵۵.

متعلق تھیں ہم نے ان کومحل تحقیق قرار دیا ہے اور دیگر روایات آپ کی صوابدید پر چھوڑتے ہیں۔

ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں:

احکام میں موافقات عمر بہت تھے، لیکن ہماری دست رسی صرف پندرہ تک ہے جنھیں علمائے اہل سنت نے اپنے مدارک میں نقل کیا ہے۔ (۱)

ابن حجر مکی نے ۱۷ر مورد موافقات عمر کے نقل کئے ہیں۔ (۲)

علامہ جلال الدین سیوطی کہتے ہیں:

بعض علمائے اہل سنت نے موافقات عمر کے بیس مورد ذکر کئے ہیں۔ (۳)

ابن حجر عسقلانی دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ ترمذی نے صحیح حدیث میں عبداللہ ابن عمر سے نقل کیا ہے:

ایسا کوئی (شریعت میں) واقعہ رونما نہیں ہوا کہ لوگوں نے اس میں اپنی رائے دی ہو اور عمر کی رائے ان کے مخالفت میں ہو، مگر یہ کہ خدا نے عمر کی رائے کی موافقت میں بطور تائید آیت نازل کردی!!

اس کے بعد عسقلانی اس جملہ کو لکھتے ہیں جو عمر سے منقول ہے: "**وافقت ربی**" اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا نے میری موافقت فرمائی، یعنی خدا نے میری موافقت میں آیت نازل فرمائی، اگرچہ **وافقت ربی** کے لغوی معنی یہ ہیں: "میں نے خدا کی موافقت کی" لیکن احترام وادب کی بنا پر "**وافقت ربی**" کا مطلب "**وافقنی ربی**" ہے یعنی خدا نے میری موافقت کی!!(۴)

عرض مؤلف

پیغمبر اسلام کی توہین اور مرحلۂ وحی ونبوت کو گرانے کے اعتبار سے موافقات عمر والی روایات ویسی ہی ہیں جیسی ہم گزشتہ صفحات میں آنحضرتؐ کی طرف منسوب جعلی روایات کے قالب میں نقل کر چکے ہیں، چنانچہ گزشتہ

(۱) فتح الباری جلد ۱، کتاب الصلاۃ، باب "ما جاء فی القبلۃ" ص ۴۲۳.

(۲) صواعق محرقه، ص ۵۷، ۵۸.

(۳) تاریخ الخلفاء، دربیان حالات عمر، ص ۱۱۴.

(۴) فتح الباری جلد ۱، تاب الصلاۃ، باب "ما جاء فی القبلۃ" ص ۴۲۳.

مباحث میں جو نا مناسب افعال رسولؐ کی جانب جعلی اور فرسودہ روایتوں کے قالب میں منسوب کیئے گئے ہیں، انھیں بیہودہ نسبتوں کی طرح موافقات عمر کا بھی قضیہ ہے، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، جیسے اُن سے نبوت کی توہین ہوتی ہے، ویسے ہی اس سے نبوت کی توہین ہوتی ہے، دونوں باتیں شانِ رسالت کے خلاف ہیں، نہ رسولؐ کیلئے یہ زیب دیتا ہے کہ آپ عورتوں کی محفل غنا میں شرکت کریں اور نہ مقام نبوت کے لئے یہ بات سازگار ہے کہ عمر کی درخواست پر آیۂ حجاب نازل ہو، نہ پیغمبرؐ کیلئے نوجوان لڑکیوں کو محفل غنا میں صدآفریں کہنا درست ہے اور نہ آیۂ استیذان کا عمر کے کہنے پر نازل ہونا صحیح ہے اور نہ یہ مطلب صحیح ہے کہ رسولؐ اپنی بیوی کو نامحرموں کے مجمع میں ناچ گانا دیکھنے کیلئے کہتے تھے اور نہ یہ بات درست ہے: آیۂ ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾(۱) حضرت عمر کی خواہش پر نازل ہوئی وغیرہ۔!!

بہرحال یہ تھیں چند روایات جو انبیائے کرامؑ بالخصوص حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں نقل کی گئی ہیں، جنھیں اہل سنت قرآن مجید کے بعد اہم ترین اور اساسی ترین اور بنیادی کتاب مانتے ہیں۔

قارئین کرام! مذکورہ مباحث کی روشنی میں ان کتابوں کے معتقدین کا گزشتہ انبیائے کرامؑ بالخصوص آنحضرت ﷺ کے بارے میں ایمان وعقیدہ کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

---

(۱) سورۂ بقرہ، آیت ۱۲۵، پ ۱۔

فصل ۸

خلافت وامامت صحیحین کی روشنی میں

منصب خلافت وامامت فرمان علی علیہ السلام کے پرتو میں

"ذَرَعُوا الْفُجُورَ، وسَقَوه الغرورَ، وحَصَدُوْا الثُّبُورَ، لایُقاسُ بِآلِ محمد(ص) من هذه اُلامَّةِ اَحدٌ وَ لَایُسوّٰی بِهِمْ مَنْ جَرَتْ نِعَمَتُهم علیه اَبَداً، هُم اَساسُ الدِّین، وَعِمادُ الیقین، اِلیهم یَفِئُ الغَالِی، وبهم یُلْحَقُ التّالِی، ولَهُم خَصائِصُ حَقِّ الوِلَایَةِ، وَ فِیهم الوَصِیَّةُ وَالْوِراثَةُ، اَلآنَ اِذْرَجَعَ الْحَقُّ اِلیٰ اَهلِه، ونُقِل اِلیٰ مُنْتَقَلِه!"

انہوں نے فسق وفجور کی کاشت کی، غفلت وفریب کے پانی سے اسے سینچا اور اس سے ہلاکت کی جنس حاصل کی، اس امت میں کسی کو آل محمد (علیہم السلام) پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، جن لوگوں پر ان کے احسانات ہمیشہ جاری رہے ہوں، وہ ان کے برابر نہیں ہو سکتے، وہ دین کی بنیاد اور یقین کے ستون ہیں، آگے بڑھ جانے والے کو ان کی طرف پلٹ کر آنا ہے اور پیچھے رہ جانے والوں کو ان سے آ کر ملنا ہے، حق ولایت کی خصوصیات انہیں کے لئے ہیں، انہیں کے بارے میں پیغمبرؐ کی

وصیت اور انہیں کے لئے نبی کی وراثت ہے، اب یہ وقت وہ ہے کہ حق اپنے اہل کی طرف پلٹ آیا اور اپنی صحیح جگہ پر منتقل ہو گیا۔(۱)

روش بحث، مقصد اور تین سوال

قارئین کرام! جیسا کہ عنوانِ بحث سے ظاہر ہے کہ آئندہ ہم صحیحین کی ان احادیث کو پیش کریں گے جو خلافت سے متعلق ہیں، لہٰذا ہمارا مقصد یہاں پر صرف اِن احادیث کا نقل کرنا ہے نہ کہ مسئلۂ خلافت کی تحقیق، کیونکہ ہماری کتاب علم کلام کی کتاب نہیں ہے کہ جس میں مسئلہ خلافت کی تحقیق وتحلیل کریں اور فریقین میں سے ایک گروہ کے عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے محکم اور ٹھوس دلائل پیش کریں، یا پھر دوسرے گروہ کے عقیدہ کو ہدف تنقید قرار دے کر حق کو بیان کریں، بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ اہل سنت کی اہم ترین اساسی کتابیں ''صحیحین'' کے مختلف ابواب میں نقل کردہ وہ حدیثیں جو براہ راست خلافت سے متعلق ہیں، ان کو محترم قارئین کے سامنے پیش کریں، لہٰذا ہمارے اوپر یہ لازم نہیں کہ ہم اِن روایات کے تمام تاریخی جزئیات کو جو ان روایتوں کے بارے میں پائے جاتے ہیں نقل کریں، یا ان کی عمیق ودقیق تحقیق وتنقید کریں، کیونکہ:

اولاً: یہ بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

ثانیاً: اس بحث کیلئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے اور حسن اتفاق سے اس موضوع سے متعلق ہمارے یہاں بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں، چنانچہ اگر ہم نے کہیں پر خلافت سے متعلق بعض مطالب کو بیان کیا ہے تو وہ صرف اپنے مطلوب اور محل بحث احادیث کے مفہوم کی وضاحت کے خاطر ہے نہ کہ موضوعِ خلافت چھیڑنا ہے، بہرکیف تمہید کے طور پر ہم پہلے تین سوال پیش کرتے ہیں اور ان سوالوں کے جوابات ہر اس شخص سے پوچھنا چاہتے ہیں جو خلافت پر اعتقاد رکھتا ہے۔

---

(۱) شرح نهج البلاغه ابن ابی الحدید جلد ۱، صفحه ۱۳۸، خطبه نمبر ۲.

مسئلۂ خلافت سے متعلق تین سوال

مسئلۂ خلافت رسول اسلام کا وہ اساسی ترین مسئلہ ہے جو مسلمانوں کے درمیان ایک، دو، پانچ، دس صدی سے محل اختلاف قرار نہیں پایا بلکہ یہ مسئلہ آفتاب رسالتؐ کے غروب ہونے کے بعد ہی اختلاف کی نظر ہو گیا تھا، جیسا کہ عالم اہل سنت جناب شہرستانی اپنی کتاب "**الملل و النحل**" میں کہتے ہیں:

امت اسلام سب سے زیادہ مسئلہ امامت میں اختلاف کرتی ہے، یعنی مسلمانوں کے درمیان سب سے بڑا مسئلہ امامت اور خلافت کا ہے جو سبب اختلاف قرار پایا ہے، کیونکہ اسی مسئلہ امامت کی وجہ سے ہزاروں لوگوں کی جانیں گئی ہیں، امامت کے علاوہ اور کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس میں اس قدر اختلاف اور خونریزی ہوئی ہو:

"اعظم خلاف بين الامة خلاف الامامة اذما سل سيف فى الاسلام على قاعدة دينية مثل ما سل على الامامة فى كل زمان......"(۱)

ہمیں اس اختلاف کے وجود میں آنے کی کیفیت اور تاریخ سے کوئی سروکار نہیں لیکن آیندہ آنے والی احادیث کے لئے تمہید کے طور پر تین مطالب کو بعنوان سوال ذکر کرتے ہیں:

۱۔ جب مسئلۂ خلافت وامامت اتنا اہم مسئلہ ہے تو وہ خدا کہ جس نے اسلام کے ماننے والوں کے لئے رسولؐ کے ذریعہ چھوٹے سے چھوٹے حکم کو بیان کیا ہے، جیسے سونا، جاگنا، کھانا، پینا، حمام، غسل کنگھی کرنا، نامحرم عورتوں پر نگاہ ڈالنا ایک لحہ بھر ہی کیوں نہ ہو، دوسرے کی غیبت کرنا اگر چہ ایک کلمہ کے ذریعہ ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ ان احکام کی تعداد واجبات، محرمات، مستحبات اور مکروہات میں بیشمار ہے، یعنی انسان کی زندگی کا کوئی ایسا پہلو ترک نہیں کیا گیا ہے جس میں شریعت کی طرف سے کوئی حکم نہ ہو، تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ امامت جیسے اہم مسئلہ کے بارے میں کچھ نہیں کہا گیا ہو؟! اور امت کو بغیر کسی رہبر اور ہادی کے چھوڑ کر خدا نے اپنے حبیب کو اپنے پاس بلا لیا؟! اگر کہا جائے کہ خدا اور رسولؐ نے اس مسئلہ کو خود مسلمانوں کے حوالہ کر دیا تھا، تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کے جزئیات اور فروعات کو خدا اور رسولؐ نے خود مسلمانوں کے حوالے

(۱) الملل ونحل جلد ۱، المقدمة الرابعة: در بيان شبهٔ اول، الخلاف الخامس، صفحه ۲۴.

کیوں نہ کیا؟!اور ان کو خود کیوں بیان فرمایا؟!اور جب جزئی اور فرعی احکام جیسے سر منڈوانا، ناخون کٹوانا، حج و زیارات، پیشاب، پاخانہ کے آداب، ہمبستر ہونے کے آداب وغیرہ میں بھی سکوت اور چشم پوشی کرنا قاعدۂ لطف کی بناپر جائز نہیں، تو پھر یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ خداوند متعال مسلمانوں کے اہم ترین مسئلہ ٔ امامت پر سکوت اختیار کرلے گا؟!کیا قاعدۂ لطف یہاں پر تقاضہ نہیں کرتا؟!اور اگر اس نے سکوت اختیار نہیں کیا تو ہمیں اس خلیفہ کا نام اور وہ کن شرائط کا حامل ہے اس کا پتہ بتلائیں؟!!اور اگر کوئی خلیفہ تعین نہیں ہوا تو خدا کی ذات ہدف تنقید قرار پاتی ہے!! **"نعوذ باللہ من ذالک"** یہ وہ باتیں ہیں جو اس بات کا پتہ دیتی ہیں کہ رسولؐ نے بحکم خدا ضرور کوئی خلیفہ منتخب کیا تھا اور اگر مان لیا جائے کہ رسولؐ نے مقرر نہیں فرمایا تو کم سے کم جو رسولؐ کے بعد اس منصب الٰہی کا بوجھ اٹھائے اس کے لئے کچھ شرائط تو ضرور بیان فرمائے ہوں گے؟!!

۲۔آیات، احادیث اور رسولؐ کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ فرزندان توحید ہمیشہ قرآن و احادیث کی شرح وتفسیر، دینی اخلاقی و دنیوی مسائل میں رسولؐ کی طرف رجوع کرتے تھے، یہی نہیں بلکہ حوادثات، امور دنیوی اور اپنی زندگی کے جزئی معاملات میں بھی آنحضرت ﷺ کو اپنا ملجأ و ماوہ سمجھتے اور آپ سے معلومات حاصل کرتے تھے، یہاں تک کہ اپنی پریشانیوں کے حل اور مریضوں کے معالجہ کے لئے بھی رسولؐ سے ہی استشفاء کرتے تھے، جیسا کہ صحیح بخاری، سنن ترمذی اور صحیح مسلم میں آیا ہے:

"ایک شخص نے رسولؐ سے کہا: یارسول اللہؐ!میرا بھائی پیچش میں مبتلا ہے، رسولؐ نے فرمایا: اس سے کہو شہد کا استعمال کرے، چند دنوں کے بعد وہ شخص پھر آیا اور کہنے لگا: اے رسول خداؐ!شہد سے میرے بھائی کی ابھی پیچش ٹھیک نہیں ہوئی ہے، رسولؐ نے اس سے کہا: شہد کا استعمال جاری رکھے، تیسری مرتبہ پھر اس نے پیچش کی شکایت کی، رسولؐ پھر شہد کھانے کی تاکید فرماتے ہیں، یہاں تک کہ اس کی پیچش ٹھیک ہو جاتی ہے۔"(۱)

پس یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رسولؐ کی ۲۳ رسالہ زندگی میں کسی شخص کے ذہن میں یہ سوال نہ آیا اور کوئی بھی صحابیٔ رسولؐ اس بات کی طرف متوجہ نہیں ہوا کہ رسولؐ کے بعد مسئلہ ٔ جانشینی کا کیا ہوگا؟!اور نہ

(۱) صحیح بخاری ج ۷، کتاب الطب. سنن ترمذی کتاب الطب. صحیح مسلم کتاب الطب، حدیث ۲۲۱۷.

ہی کسی مسلمان نے رسولؐ سے اس بات کو پوچھا: ''اے رسولؐ! آپ نے اسلام کو خون دل دے کر پروان تو چڑھایا ہے مگر اس کی حفاظت آپ کے بعد کون کرے گا؟! ہم لوگ آپ کی وفات کے بعد اپنے مسائل کے بارے میں کس طرف رجوع کریں گے؟!!'' آخر تمام مسلمانوں پر غفلت کا پردہ کیوں پڑا رہا؟! جبکہ سب لوگ یہ جانتے تھے کہ رسول بھی بشر ہیں لہٰذا آپ کو بھی موت سے ہمکنار ہونا ہے، چنانچہ ان آیتوں کو اس وقت کے سبھی مسلمان سنتے اور پڑھتے ہوں گے: ﴿اِنَّکَ مَیِّتٌ وَ اِنَّھُمْ مَیِّتُوْن.(۱) اے میرے حبیب آپ کو بھی موت آئے گی اور یہ لوگ تو مریں گے ہی﴾ ﴿......اَفَاْنْ مَّاتَ اَوْقُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلیٰ اَعْقَابِکُم ......(۲) پھر کیا اگر (محمدؐ) اپنی موت سے مرجائیں، یا مار ڈالے جائیں، تو تم الٹے پاؤں (اپنے کفر کی طرف) پلٹ جاؤ گے﴾

اور دوسری جانب سب لوگ یہ بھی جانتے تھے کہ مسئلۂ خلافت انسان کی دنیاوی اور اخروی زندگی سے جڑا ہوا ہے یعنی یہ وہ مسئلہ ہے جو نبوت کی طرح انسان کی زندگی میں عمیق اثر رکھتا ہے، اس کے بغیر نہ انسان کی دنیاوی زندگی کامیاب ہوسکتی ہے اور نہ ہی اخروی، اس کے بغیر نہ روحانی کمال تک پہنچا جاسکتا ہے اور نہ مادی اور سب سے زیادہ تعجب تو یہ ہے کہ خود رسول کو بھی فکر نہ ہوئی کہ میں نے اتنی محنتوں سے اسلام کو پھیلایا ہے لیکن اس کا محافظ میرے بعد کون ہوگا؟! اس کا اتا پتہ نہیں! پس نہ رسول کو فکر ہوئی اور نہ ہی اس بارے میں کسی نے ۲۳ رسال کے اندر آپ سے سوال کیا!!

۳۔ خداوند متعال وصیت کے سلسلے میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَکَ خَیراً نِ الوَصِیَّةُ لِلوَالِدَیْنِ والاَقْرَبِیْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقّاً عَلَی الْمُتَّقِیْنَ﴾(۳)

مسلمانو! تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت واقع ہونے والی ہو بشرطیکہ مرنے والا

(۱) سورۂ زمر، آیت ۳۰، پ ۲۴.

(۲) سورۂ آل عمران آیت ۱۴۴ پ ۴.

(۳) سورہ بقرہ، آیت ۱۸۰، پ ۲.

کچھ مال چھوڑ جائے تو ماں باپ اور قرابتداروں کے لئے اچھی وصیت کرے، جو خدا سے ڈرتے ہیں ان پر یہ ایک حق ہے۔

اسی طرح خود رسولؐ اسلام اس وظیفۂ وصیت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

"قالؐ: ما حق امرئ مسلم له شيء يوصى فيه يبيت ليلتين، الا ووصيته مكتوبة عنده."

ایک مسلمان مرد کا اہم ترین وظیفہ یہ ہے کہ وہ دو راتیں نہ گزارے مگر اپنے لئے وصیت نامہ تیار کر کے رکھ لے۔(۱)

عبد اللہ ابن عمر کہتے ہیں:

میں نے اس مطلب کو جب سے رسولؐ سے سنا ہے تب سے کوئی بھی رات ایسی نہیں گزری مگر میرا وصیت نامہ میرے ساتھ تھا۔(۲)

محترم قارئین! جب قرآن اور احادیث سے ثابت ہے کہ وصیت کرنا ایک ضروری امر ہے تو پھر عقل اس بات کو کیسے تسلیم کر سکتی ہے کہ جو رسولؐ دوسروں کے حق میں وصیت کے لئے اس قدر تاکید کرے وہ خود وصیت کئے بغیر چلا جائے گا ؟! کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ رسولؐ نے کسی کے لئے وصیت نہیں کی تھی؟! جب کہ آپ کے لئے وصیت کرنا اشد ضروری تھا؟! کیونکہ رسولؐ ایک اہم ثروت و ترکہ (دین اور قوانین الٰہیہ) کو چھوڑ کر جا رہے تھے، اس سے زیادہ قیمتی اور کوئی ترکہ ہو ہی نہیں سکتا تھا، لہٰذا ان کی حفاظت تو بہت ہی ضروری تھی، ان کے لئے ایک ولی اور سرپرست ہونا بے حد لازمی تھا، ان شرائط کے باوجود اگر رسولؐ اپنے بعد ملت مسلمہ اور دین اسلام کا کوئی محافظ نہ چنیں تو گویا کہ آپ نے سارے جہان کو لاوارث چھوڑ دیا! کیا ہمارا وجدان

---

(۱) صحيح بخاری ج۴، کتاب الوصايا، باب(۱) ح۲۵۸۷. صحيح مسلم ج ۵، کتاب الوصية. سنن ابی داؤد ج ۱، باب" ما جاء في يومر به من الوصية"، ح ۲۸۶۲، ص ۶۵۴. سنن نسائی کتاب الوصايا، باب الكراهية في تاخير الوصية، ص ۲۳۹. سنن ابن ماجه ج ۲، کتاب الوصايا، باب" الحث على الوصية". سنن دارمی کتاب الوصايا باب من استحب الوصية ص ۴۰۲. سنن ترمذی، کتاب الوصية ابواب الجنائز باب ما جاء في الحث على الوصية، ص ۲۲۴. مسند ج۲، مسند عبد الله ابن عمر، ص ۲، ۴، ۵۷، ۸۰.

(۲) صحيح مسلم جلد ۵، کتاب الوصيه.

آنحضرتؐ جیسے دور اندیش اور زیرک ترین شخص کے لئے یہ سوچ سکتا ہے کہ آپ کی عقل کامل اس اہم ترین گوشہ کی طرف کبھی متوجہ ہی نہیں ہوئی! جس کی وجہ سے آپ نے اپنے بیش قیمت ترکہ (قوانین الٰہیہ) اور ملت مسلمہ بلکہ سارے جہان کو بغیر ولی اور سرپرست کے یونہی چھوڑ دیا اور کسی طرح کا انتظام نہیں کیا؟!! قطع نظر حکم عقل و وجدان کے یہ بات بھی تاریخ اسلام سے ثابت ہے کہ جب رسولؐ کسی جنگ میں کوئی لشکر بھیجتے تھے تو اس کا ایک رہبر اور سپہ سالار معین فرماتے تھے اور اس کے ساتھ یہ بھی تاکید کر دیتے تھے کہ اگر فلاں شخص شہید ہو جائے تو فلاں کو اپنا سپہ سالار چن لینا اور اگر وہ بھی شہید ہو جائے تو فلاں کو سردار منتخب کر لینا، وغیرہ وغیرہ، اسی طرح یہ بات تاریخ میں مسلم الثبوت ہے کہ آنحضرت نے اپنی تدفین، غسل اور ادائیگیٔ قرض کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام کو وصیت کر دی تھی، لہٰذا ان تاکیدات کے باوجود یہ کیسے سوچا جا سکتا ہے کہ آپؐ نے خلافت کے لئے کسی کے حق میں وصیت نہیں کی تھی؟! پس جو رسولؐ قرض، دفن اور کفن جیسے جزئی مسئلہ کو نہ بھولے وہ خلافت جیسے اہم مسئلہ کو کیسے بھول جائے گا؟!! العجب ثم العجب۔

محترم قارئین! ان سوالوں کا جواب اہل سنت نہیں دے سکتے ہیں، ان کا جواب صرف مذہب اہل تشیع کے نزدیک واضح اور روشن ہے، کیونکہ یہ وہ مذہب ہے جو عقیدہ رکھتا ہے کہ نہ خدا اور رسولؐ نے اور نہ ہی رسولؐ کی زندگی میں مسلمانوں نے اس مسئلۂ خلافت کے بارے میں سکوت اختیار کیا اور نہ ہی اسکے اظہار سے امتناع کیا اور نہ تساہلی سے کام لیا بلکہ جس روز سے رسولؐ مبعوث بر رسالت ہوئے اسی دن سے آپ کو مامور کیا گیا تھا کہ آپ نبوت کے ساتھ ساتھ منصب خلافت کے حقدار کا بھی لوگوں کے درمیان اعلان کر دیں، چنانچہ رسول اسلامؐ نے بھی اس بارے میں کسی طرح کا ابہام نہیں چھوڑا، بلکہ آپ نے ہر جگہ اپنے متعدد خطبات و بیانات میں اپنی جانشینی کے مسئلہ کو پیش کیا اور جو لوگ آپ کے بعد منصبِ خلافت کے حقدار تھے، ان کی پہچان کروائی چنانچہ اوائل بعثت میں جب آیۂ ﴿وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾ نازل ہوئی تو رسول اسلامؐ نے اپنے خاندان والوں کو دعوت پر بلایا اور کھانے کے بعد آپ نے تقریر کرنا چاہی، لیکن ابولہب نے یہ کہہ کر مجمع کو بہکا دیا کہ آپ ساحر اور جادوگر ہیں، کوئی ان کی باتیں نہ سنے، مجمع متفرق ہو گیا، لہٰذا رسول اسلامؐ نے دوسرے دن پھر بلایا اور کھانے کے بعد تقریر کرنا شروع کر دی اور اپنی

تقریر میں پیغام وحی سنایا اور حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کیلئے اپنی طرف سے جانشین اور خلیفہ ہونے کا اعلان کیا اور بعض لوگوں کے نزدیک حضرت علی علیہ السلام کی جانشینی کا مسئلہ مضحکہ خیز بھی قرار پایا کہ ابھی ان کی نبوت کو کوئی مانتا نہیں اور انھیں دیکھو! جانشینی کا اعلان ابھی سے کر رہے ہیں؟!

" فاخذ رقبتی (علیؑ) ثم قال : ان هذا اخی ووصی وخلیفتی فیکم فاسمعوا له و اطیعوا قال: فقام القوم یضحکون...... "(۱)

کیونکہ وہ لوگ سمجھ رہے تھے کہ ابھی کسی نے ان کی نبوت قبول نہیں کی تو جانشین کو کیسے قبول کریں گے، لیکن رسولؐ پہلے ہی مرحلے میں ظاہر کر دینا چاہتے تھے کہ جانشینی کا حق علیؑ و اولادِ علیؑ کا ہے، لہٰذا جو بھی میرا دین قبول کرے وہ اس لالچ میں قبول نہ کرے کہ آئندہ آپ اسے رہبری کا عہدہ سپرد کر دیں گے! کیونکہ منصب خلافت وولایت ہر کس و ناکس کو نہیں ملتا بلکہ اس کا وہی حقدار ہے جس کا خدا نے انتخاب کیا ہو۔

اسی طرح آپؐ نے غدیر کے بے آب و گیاہ چٹیل میدان اور رچلچلاتی دھوپ میں آگے جانے والے اور پیچھے رہ جانے والے حجاج کو بلا کر اپنے آخری حج کے بعد بحکم خدا **" من کنت مولاہ فهذا علی مولاہ "** کہہ کر حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کا اعلان فرمایا۔

اور جب آپ کی عمر کے آخری لمحے گزر رہے تھے، جب آپ کی پیشانی پر موت کا پسینہ آ چکا تھا، اس حساس موقع پر بھی آپ نے اس اہم مسئلہ کو فراموش نہیں کیا، چونکہ آپ کی نظروں میں اللہ کا دین و آئین گردش کر رہا تھا، لہٰذا آپ کے سامنے اس امت کی سرنوشت مجسم تھی کہ جس کی ہدایت میں آپ نے شدید سے شدید مشقتیں اٹھائیں تھیں، لہٰذا آپ نے حکم دیا کہ مجھے قلم و دوات دیدو تا کہ میں ایک ایسی چیز (مسئلہ جانشینی) لکھتا جاؤں، جو میرے بعد تم کو گمراہ ہونے سے بچالے۔(۲)

---

(۱) الکامل جلد ۱ ،" ذکر امر الله تعالی بنبیه باظهار دعوته " ص ۵۸٦ ، مؤلفه ابن اثیر ، تاریخ طبری حوادث ۳ھ۔

(۲) افسوس کہ کچھ ایسے نافرمان صحابہ رسولؐ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، جنھوں نے رسول کو نوشتہ نہ لکھنے دیا اور عذاب الیم کے مستحق بن گئے.

(۲) صحیح بخاری جلد ۱ کتاب العلم باب کتابۃ العلم و جلد ۷، کتاب المرضی باب "قول المریض قوموا عنی" دیکھئے: مزید معلومات کے لئے اسی کتاب کی فصل دوم بحث "امامت وخلافت صحیحین کی روشنی میں، واقعہ قرطاس اور حضرت عمر کا رویہ" مترجم ۵۷۳۔

اور کبھی آپ منبر پر تشریف لے جاتے اور فرماتے تھے:

"اِنّی مخلف فیکم الثقلین کتاب اللّٰہ وعترتی ماان تمسکتم بھما لن تضلوا ابداً"

اور کبھی اپنے حقیقی خلفاء کے اسم لیتے اور لوگوں کے سامنے ان کا تعارف کراتے، کبھی ان کی تعداد بیان فرماتے: ((**الخلفاء بعدی اثنی عشر**)) اور کبھی ان آیات کو پڑھتے تھے جو آپ کے خلفاء کی شان میں نازل ہوئیں، کبھی آپ ارشاد فرماتے تھے:

"یا علی انت منی بمنزلۃھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی".

کبھی اپنے بعد آئندہ اسلام میں ہونے والی بدعتوں کا تذکرہ کر کے اپنے گہرے افسوس کا اظہار کرتے تھے جو ناحق خلافت کی وجہ سے وجود میں آئیں گی۔

چنانچہ چودہ صدیوں سے ظالم اور جابر حکومتیں مسئلہ خلافت کو دھندلا اور حقائق کو پوشیدہ کرنے کی سعیٔ لا حاصل کئے جارہی ہیں، حقائق کو چھپانے میں اپنی تمام تر قوتیں صرف کر دیں، اپنے تمام وسائل اس مسئلہ میں استعمال کر لیئے کہ خلافت کو اس کے حقیقی اور واقعی محور و مرکز سے ہٹا کر دوسری جگہ لیجائیں اور اس کو اصلی لباس سے برہنہ کر کے اس لباس میں پیش کریں جو باطل کا خود بافتہ وساختہ ہے، لیکن جسے خدا رکھے اسے کون چکھے، آج بھی سنیوں کی اصلی اور مدرک کی کتاب صحیح بخاری، صحیح مسلم کے مختلف ابواب اسی طرح مسلمانوں کی دیگر معتبر کتابوں میں ایسی ایسی روایات موجود ہیں جن سے صحیح واقعیات وحقائق اور حضرت علی اور بقیہ آئمہ علیہم السلام کی خلافتِ بلافصل کا اثبات ہوتا ہے جو شیعوں کا عقیدہ ہے، البتہ صحیحین کے مؤلفین نے کافی کوشش کی ہے کہ ایسی کوئی حدیث نقل نہ کریں جس سے حضرت امیر المؤمنینؑ کی خلافت کا اثبات ہو سکے، مگر:

''وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے''

چنانچہ آئندہ فصلوں میں پہلے ہم ان احادیث کو ذکر کریں گے جو اہل بیتؑ کی فضیلت کے سلسلے میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں منقول ہیں، اس کے بعد صحیحین میں نقل کردہ روایات کے مضمون کے مطابق خلفاء کا تعارف پیش کریں گے۔

۱۔ خاندان رسالت کے فضائل صحیحین کی روشنی میں

۱۔ آیت تطہیر اور اہل بیت پیغمبرؐ

۱. "قالت عائشة: خرج النبیؐ غداة وعلیه مرط مرحل من شعر اسود، فجاء الحسن ابن علی، فادخله، ثم جاء الحسین، فدخل معه، ثم جاأت فاطمة سلام اللہ علیھا فادخلها، ثم جاء علی، فادخله، ثم قال: ﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا﴾(۱)

حضرت عائشہ کہتی ہیں:

ایک مرتبہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوقت صبح گھر سے اس حالت میں خارج ہوئے کہ آپ کالی چادر اوڑھے ہوئے تھے، اسی ہنگام حضرت امام حسن ابن علیؑ آپ کے پاس تشریف لائے، آپ نے شہزادے کو زیر چادر داخل کرلیا، اس کے بعد حضرت امام حسینؑ آئے، وہ بھی زیر چادر آپ کے ساتھ داخل ہوگئے، اس کے بعد حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام تشریف لائیں، آپؐ نے ان کو بھی زیر چادر داخل کرلیا، اس کے بعد حضرت علیؑ آئے، آپؐ نے انہیں بھی زیر چادر بلالیا، اس کے بعد اس آیت کی تلاوت فرمائی:

﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا﴾(۲)

﴿اور اللہ کا ارادہ ہے کہ اے اہل بیت نبی! تم کو پاک رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے اور ہر رجس و خباثت سے دور رکھے﴾۔

مذکورہ حدیث مسلم کے علاوہ اہل سنت کی کتب تفاسیر واحادیث میں تواتر کے ساتھ نقل کی گئی ہے، جیسا کہ ہم نے بحث "رسولؐ خدا از نظر آیات واحادیث" میں اس جانب اشارہ کیا تھا۔

بہر کیف اس آیت کے رسول وآل رسولؐ کی شان میں نازل ہونے کے بارے کوئی شک وشبہ نہیں

(۱) سورۂ احزاب، آیت ۳۳، پ ۲۲.

(۲) صحیح مسلم جلد ۷، کتاب فضایل الصحابة، باب" فضائل اهل بیت النبی صلی اللہ علیه وآله وسلم" ح ۲۴۲۴.

چنانچہ جلد اول میں ہم نے اس آیت کے ذیل میں سنیوں کے بعض مدارک کی طرف اشارہ کیا ہے اور اسی جگہ اس نکتہ کو بیان کیا کہ اس آیت کے ذریعہ خداوند متعال نے اہل بیتؑ کو ہر گناہ سے پاک رکھنے کی ضمانت لی ہے اور آپ کو معصوم قرار دیا ہے اور یہ کہ آیتِ تطہیر اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اہلبیتؑ کبھی سہواً بھی کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کرتے کیونکہ سہو ونسیان حکم تکلیفی (عقاب) کو تو برطرف کر سکتے ہیں لیکن رجس اور حرمت کے اثر وضعی اور اس کی ذاتی نجاست کو مرتفع نہیں کر سکتے۔

۲۔ اہل بیتؑ اور آیۂ مباہلہ

۲۔۔۔۔۔۔عن عامر بن سعد بن وقاص عن ابیه؛قال: امر معاوية بن ابی سفيان سعداً: فقال: ما منعک ان تسب ابا تراب؟ فقال: اماما ذكرت ثلاثاً قالهن له رسول اللّٰه، فلن اسبه، لان تكون لي واحده منهن احب الي من حمر النعم، سمعت رسول اللّٰهؐ يقول له خلفه في بعض مغازيه، فقال علي: يارسول اللّٰهؐ اخلفتني مع النساء والصبيان؟ فقال له رسول اللّٰهؐ: " اَمَاَ تَرضیٰ اَنْ تَكُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّااَنَّه لَانُبُوَّةَ بَعْدِیْ" وسمعته يقول يوم خيبر: " لاعطين الراية رجلاًيحب اللّٰه ورسوله و يحبه اللّٰه ورسوله" قال فتطاولنا لها، فقال: ادعوا لي علياً، فاتي به ارمد، فبصق في عينه، ودفع الراية اليه، ففتح اللّٰه عليه، ولما نزلت هذه الآيه: ﴿...... فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآئَنَا وَاَبْنَآئَكُم......﴾(۱) دعیٰ رسولُ اللّٰه عَلِياً، وفاطمة، وحسناوحسيناً فقال: اَللّٰهُمَّ هٰؤلآءِ اَهْلِی"(۲)

---

(۱) سورۂ آل عمران، آیت ۶۱، پ۴۔

(۲) صحیح مسلم جلد۷، کتاب فضائل الصحابة، باب" فضائل علی علیه السلام" حدیث ۲۴۰۴. ۲۴۰۵. ۲۴۰۶. ۲۴۰۷.

مسلم نے مذکورہ روایات کو دیگر متن وطریق کے ساتھ بھی نقل کیا ہے۔

ایک روز معاویہ ابن ابی سفیان نے سعد بن ابی وقاصؓ سے کہا: تجھے کس چیز نے روکا ہے کہ ابوتراب (علیؑ) کو گالی نہیں دیتا؟!'' سعد بن ابی وقاص نے کہا: رسولؐ خدا نے حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں ایسی تین فضیلتیں بیان کی ہیں جب بھی وہ فضیلتیں مجھے یاد آجاتی ہیں تو میں گالی دینے سے باز رہتا ہوں اور اگر ان میں سے ایک فضیلت بھی میں رکھتا ہوتا تو میرے لئے وہ سرخ اونٹوں سے بہتر ہوتی اور وہ تین فضیلتیں یہ ہیں:

۱۔ **حضرت علیؑ ہارون امت محمدیہ**: ایک مرتبہ رسول خداؐ کسی ایک جنگ میں جانے کے لئے آمادہ ہوئے تو حضرت علی علیہ السلام کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر فرمایا، اس وقت حضرت علیؑ نے رسولؐ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے آپ بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جا رہے ہیں؟ اس وقت میں نے اپنے دونوں کانوں سے سنا کہ رسولؐ نے فرمایا: ''اے علیؑ! کیا تم اس بات سے راضی نہیں کہ تمہاری منزلت میرے نزدیک وہی ہے جو موسیٰؑ کے نزدیک ہارونؑ کی تھی، بس فرق اتنا ہے کہ تم میرے بعد پیغمبر نہیں ہو لیکن ہارونؑ، موسیٰؑ کے بعد پیغمبر تھے''۔

۲۔ **مرد میدان خیبر**: اسی طرح جنگ خیبر کے روز میں نے رسولؐ سے سنا کہ آپ نے فرمایا:

''کل میں یہ علم اس شخص کو دوں گا جو مرد ہوگا اور اللہ و رسولؐ کو دوست رکھتا ہوگا اور اللہ و رسولؐ اس کو دوست رکھتے ہوں گے۔''

سعد ابن ابی وقاص معاویہ سے کہتے ہیں: ہم سب لوگ اس دن اس علم کی تمنا رکھتے تھے، لیکن رسولؐ خدا نے فرمایا: علیؑ کو میرے پاس بلاؤ! حضرت علی علیہ السلام کو آپ کے پاس اس حال میں لایا گیا کہ آپؑ کی آنکھیں درد میں مبتلا تھیں، رسولؐ نے اپنا لعاب دہن علیؑ کی آنکھوں میں لگایا اور علم دے دیا، چنانچہ خدا نے حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں جنگ خیبر میں اسلام کو کامیابی عطا فرمائی۔

۳۔ **مصداق آیۂ مباہلہ**: جو میں نے دہن رسولؐ سے سنی وہ یہ ہے کہ جب آیۂ مباہلہ ﴿......فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ......﴾ نازل ہوئی تو رسولؐ نے علی، فاطمہ، حسن اور حسینؑ کو بلایا اور فرمایا خدایا! یہ میرے اہل بیت ہیں۔

۳۔ حدیث غدیر اور اہل بیتؑ

حدثنی یزید بن حیان؛ قال: انطلقت انا وحُصَین بن سَبْرَۃَ وعمر بن مسلم، الی زید بن ارقم، فلمّا جلسنا الیه، قال له حُصَین: یازید القد لقیت خیرا کثیرا، رأیت رسولؐ اللّٰه، وسمعت حدیثه، وغزوت معه، و صلیت خلفه، لقد لقیت یا زیدُ اخیرا کثیراً حدثنا یا زید! ما سمعت من رسولؐ اللّٰه، قال یابن اخی: واللّٰه لقد کَبِرت سنی، وقَدُمَ عهدی، و نسیت بعض الذی اَعِی من رسولؐ اللّٰه، فماحدّثتکم فاقبلوا، وما لا . فلاتکلفونیه. ثم قال: قام رسولؐ اللّٰه یوما فینا خطیباً بماءٍ یُدعیٰ خماًبین مکة و المدینة، فحَمِد اللّٰهَ وَ اَثنیٰ علیه و وعظ و ذکَّر، ثم قال: اَما بعدُ: اَلَا یا ایها الناس! فانما انا بشر یوشک ان یأتِیَ رسولؐ ربی، فأجیب، و اَنَا تارِکٌ فِیکُمُ ثَقَلَیْن اَوّلُهما کتابُ اللّٰه ،فِیْهِ الهُدیٰ وَ النُّورِ، فَخُذُوا بِکِتَابِ اللّٰهِ وَاسْتَمْسِکُوْا به، فَحَث بِکِتَابِ اللّٰه وَ رَغَّبَ فِیْهِ، ثم قَالَ: وَ اَهْلُ بَیْتِي اُذَکِّرُکُمُ اللّٰه فی اَهْلِ بَیْتِي اُذَکِّرُ کُمُ اللّٰه فِي اَهْلِ بَیْتِي اُذَکِرُکُمُ اللّٰه فِی اَهْلِ بَیْتی ثَلَاثاً، فقال له حصین: و من اهل بیته؟ یازید اَلَیس نسائُه من اهل بیته؟ قال: نسائه من اهل بیته، و لکن اهل بیته من حُرِم الصّدقة بعده، قال: و من هم؟ قال: هم آلُ عَلی، وآل عقیل، و آل جعفر، وآل عباس، قال: کل هٰؤلاء حُرِم الصدقۃُ، قال: نعم......"

مسلم نے روایت کی ہے کہ یزید بن حیاؔن کہتے ہیں:

ایک مرتبہ میں و حُصَین بن سبرہ اور عامر بن مسلم، زید بن ارقم کے پاس گئے اور زید بن ارقم کی مجلس میں بیٹھ گئے، حصین زید سے اس طرح گفتگو کرنے لگے:

"اے زید بن ارقم! تو نے خیر کثیر کو حاصل کیا ہے کیونکہ تو رسول خداؐ کے دیدار سے مشرف ہو چکا ہے

اور حضرتؑ کی گفتگو سے لطف اندوز ہو چکا ہے، تو نے رسولؐ کے ساتھ جنگوں میں شرکت کی اور حضرتؑ کی اقتداء میں نماز پڑھی اس طرح تو نے خیر کثیر کو حاصل کیا ہے لہٰذا جو تو نے رسولؐ سے سنا ہے اسے ہمارے لئے بھی نقل کر! زید بن ارقم کہتے ہیں: اے برادر زادہ! اب تو میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری عمر گزر چکی ہے، چنانچہ بہت کچھ کلام رسولؐ میں فراموش کر چکا ہوں، لہٰذا جو بھی کہہ رہا ہوں اسے قبول کر لینا اور جہاں سکوت کر لوں اصرار نہ کرنا، اس کے بعد زید بن ارقم کہتے ہیں: ایک روز رسول اسلام مکہ اور مدینہ کے درمیان میدان غدیر خم میں کھڑے ہوئے اور ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور بعد از حمد وثنا و موعظہ و نصیحت فرمائی: اے لوگو! میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں لہٰذا ممکن ہے کہ موت کا فرشتہ میرے سراغ میں بھی آئے اور مجھے موت سے ہم کنار ہونا پڑے، (لیکن یہ یاد رکھو) یہ دو گرانقدر امانتیں میں تمہارے درمیان چھوڑے جا رہا ہوں، ان میں سے پہلی کتاب خدا ہے جو ہدایت کرنے والی اور روشنی دینے والی ہے، لہٰذا کتاب خدا کا دامن نہ چھوٹنے پائے اس سے متمسک رہو اور اس سے بہرہ مند رہو، اس کے بعد آپ نے فرمایا:

اے لوگو! دوسری میری گرانقدر امانت میرے اہل بیتؑ ہیں اور میرے اہل بیتؑ کے بارے میں خدا سے خوف کرنا اور ان کو فراموش نہ کرنا (یہ جملہ تین مرتبہ تکرار کیا) زید نے جب حدیث تمام کر دی، تو حصین نے پوچھا: اہل بیت رسول کون ہیں جن کے بارے میں اس قدر سفارش کی گئی ہے؟ کیا رسولؐ کی بیویاں اہل بیت میں داخل ہیں؟

زید ابن ارقم نے کہا: ہاں رسولؐ کی بیویاں بھی اہل بیتؑ میں ہیں مگر ان اہل بیتؑ میں نہیں جن کی سفارش رسولؐ فرما رہے ہیں، بلکہ یہ وہ اہل بیتؑ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔

حصین نے پوچھا: وہ کون حضرات ہیں جن پر صدقہ حرام ہے؟ زید بن ارقم نے کہا: وہ اولاد علیؑ، فرزندان عقیل و جعفر و عباس ہیں! حصین نے کہا: ان تمام لوگوں پر صدقہ حرام ہے؟ زید نے کہا ہاں۔(۱)

---

(۱) صحیح مسلم ج۷، کتاب فضایل الصحابة، باب" فضائل علی علیہ السلام" حدیث ۲۴۰۸.

عرض مؤلف

اس حدیث کو مسلم نے متعدد سندوں کے ساتھ اپنی صحیح میں نقل کیا ہے لیکن افسوس کہ حدیث کا وہ جملہ جو غدیر خم سے متعلق تھا حذف کردیا ہے، حالانکہ حدیث غدیر کے سیکڑوں راویوں میں سے ایک راوی زید بن ارقم بھی ہیں جو یہ کہتے تھے:

اس وقت رسولؐ نے فرمایا: خداوند متعال میرا اور تمام مومنین کا مولا ہے، اس کے بعد علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: جس کا میں مولا ہوں یہ علیؑ اس کے مولا و آقا ہیں، خدایا! جو اس کو دوست رکھے تو اس کو دوست رکھ اور جو اس کو دشمن رکھے تو اس کو دشمن رکھ۔(۱)

البتہ زید بن ارقم نے اپنے عقیدہ کے لحاظ سے اہل بیتؑ کے مصداق میں بھی فرق کردیا ہے، حالانکہ خود رسولؐ نے اہل بیتؑ سے مراد آیۂ تطہیر اور آیۂ مباہلہ کے ذیل میں بیان فرمادیا ہے، جیسا کہ آپ نے آیۂ تطہیر کی شان نزول کے ذیل میں گزشتہ صفحات میں ملاحظہ فرمایا۔

شدید تعصب کی عینک

واقعۂ غدیر خم اور حدیث ثقلین ان موضوعات و واقعات میں سے ہیں جن کو علمائے اہل سنت نے اپنی معتبر اور بنیادی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے، سینکڑوں کتب تاریخ وحدیث اور تفسیر میں علمائے اہل سنت نے ان واقعات اور روایات کو دسیوں سند کے ساتھ قلمبند فرمایا ہے، لیکن امام بخاری اور مسلم کی کوتاہ نظری یہ ہے کہ (جیسا کہ ہم نے جلد اول میں بیان کیا) آپ حضرات نے اپنی آنکھوں پر ایسی تعصب کی عینک لگائی کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے بنیادی اور روز روشن کی طرح واضح و آشکار فضائل جیسے حدیثِ غدیر خم، وحدیثِ ثقلین وغیرہ نظر نہ آئے!! چنانچہ جو حدیث صحیح مسلم میں آئی ہے اس میں مسلم نے تاریخ اسلام کے مشہور واقعۂ غدیر کے بعض حصے توڑ مروڑ کر ذکر کئے ہیں۔

---

(۲) مستدرک حاکم، جلد۳، ذکر زید بن ارقم، ص ۵۳۳. مسند احمد ابن حنبل، جلد۴، حدیث زید بن ارقم، ص ۳۷۲.

مناسب ہے کہ ہم اس جگہ عالم اہل سنت امام غزالی ابو حامد کے قول کو نقل کردیں جو ہماری گفتگو سے مربوط ہے، آپ فرماتے ہیں:

اہل سنت کے اکثر علماء نے رسولؐ کے اس قول کو نقل کیا ہے جسے آپؐ نے میدان غدیر میں صحابہ کے جم غفیر کے درمیان ارشاد فرمایا: **"مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا عَلِيٌّ مَوْلَاهُ"**

اس کے بعد تحریر کرتے ہیں:

بنی کے اس جملے کے بعد حضرت عمر اٹھے اور فرمایا:

"بخ بخ لک یا امیر المؤ منین اصبحت مولای و مولا کل مومن و مو منة"

مبارک ہو مبارک ہو اے مومنوں کے امیر (علیؑ) آج آپ میرے اور تمام مومنین مرد و عورت کے مولا بن گئے۔

امام غزالی فرماتے ہیں:

اس جملہ کا مفہوم حضرت عمر کا علیؑ کو حاکم مانتے ہوئے ان کی حکومت کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے، لیکن بعد میں حب ریاست اور پرچم خلافت کے اٹھانے کے شوق نے ان کو آلیا اور لشکر کشی اور فتوحات کی حرص نے کاسۂ ہوا و ہوس کو ان کے ہاتھوں میں تھمادیا اور اس طرح یہ اسلام سے منحرف ہو کر زمانۂ جاہلیت کی طرف پلٹ گئے اور رسولؐ کے ساتھ جو عہد و پیمان (غدیر میں) کیا تھا، اس کو فراموش کر کے قلیل قیمت میں فروخت کردیا یہ کتنا برا سودا ہے:

﴿فبئس ما یشترون﴾"ثم بعد هذا غلب الهوی لحب الریاسة و حمل الخلافة، عقود البنود وخفقان الهوی ......"(۱)

---

(۱) سر العالمینَ و کشف ما فی الدارین، باب فی المقالة الرابعة فی ترتیب الخلافة ص ۲۱، مولفہ امام غزالی، مطبوعة نعمان پریس، دوسرا ایڈیشن، ۱۹۶۵ء، نجف عراق۔

۴۔ اہل بیتؑ "صلوات" میں شریک رسولؐ ہیں

اہل سنت کی متعدد کتابوں میں نقل کیا گیا ہے کہ حضرت رسالتمآب ﷺ نے تمام مسلمانوں کو حکم فرمایا ہے: جب آپؐ پر صلوات بھیجی جائے تو آپ کے اہل بیت علیہم السلام کو بھی صلوات میں ضرور شریک کیا جائے، یعنی تنہا رسولؐ پر صلوات بھیجنا صحیح نہ ہوگا، جب تک کہ آپ کے اہل بیتؑ پر صلوات نہ بھیجی جائے گی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مقام نبوت کی تعظیم وتکریم کے ساتھ ساتھ اہل بیتؑ عصمت وطہارت کی بھی تعظیم وتکریم لازم ہے اور اس معاملہ میں آپؐ کے اور آپ کے خاندان کے درمیان کسی بھی طرح کا فاصلہ کرنا صحیح نہیں ہے، چنانچہ کتب اہل سنت میں ایسی بہت ساری روایات موجود ہیں، لیکن ہم صرف صحیحین سے چند نمونے پیش کرتے ہیں:

۱۔۔۔۔۔۔حدثنا الحکم ؛قال: سمعت عبد الرحمٰن بن ابی لیلی؛ قال: لقینی کعب بن عجرة فقال: الا اهدی لک هدیة؟ ان النبیؐ خرج علینا فقلنا، یا رسول اللّٰہ! لقد علمنا کیف نسلم علیک، فکیف نصلی علیک ؟ فقالؐ: قولوا! "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ ، کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِیْمَ، اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ، کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ ."

حکم نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے نقل کیا ہے:

(ایک دن) کعب ابن عجرہ سے میری (عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ) ملاقات ہوئی، تو اس نے مجھ سے کہا: کیا تو چاہتا ہے کہ تجھے ایک تحفہ پیش کروں؟ وہ تحفہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسولؐ خدا ہمارے درمیان تشریف لائے، ہم لوگوں نے سلام کیا اور پوچھا: یا رسول اللہؐ! ہم نے آپ پر سلام کرنا تو سمجھ لیا! مگر صلوات کس طرح بھیجی جائے؟ آپؐ نے جواب میں فرمایا:

" اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ، کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِیْمَ، اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ، کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ."

''اے میرے معبود! رحمت نازل کر محمد و آل محمد پر، جس طرح تو نے رحمت نازل کی ابراہیم کی آل پر، بیشک تو بزرگ اور قابل حمد ہے، اے میرے معبود! اپنی برکت نازل فرما محمد و آل محمد پر، جس طرح تو نے ابراہیم کی آل پر نازل کی، بیشک تو صاحب مجد اور لائق تعریف ہے۔''(۱)

۲...... عن ابی مسعود الانصاری،قال: أتانارسول اللهؐ ونحن فی مجلس سعد بن عبادة ،فقال له بشر بن سعد،امرنا الله عزّوجلّ ان نصلی علیک یارسول اللهؐ قال:فسکت رسول الله ،حتی تمنینا انه لم یسئله،ثم قال رسول اللهؐ: قولوا: اَللّٰهمَّ صَلِّ علی محمد وعلی آل محمد ،کما صلیت علی آل ابراهیم،وبارک علیٰ محمدوعلیٰ آل محمد، کما بارکت علیٰ آل ابراهیم فی العالمین،انک حمید مجید ،والسلام کما علمتم."

مسلم نے ابو مسعود انصاری سے نقل کیا ہے کہ ابو مسعود کہتے ہیں:

ہم سعد بن عبادہ کی نشست میں بیٹھے تھے کہ رسولؐ تشریف لائے ،تو بشر بن سعد نے کہا: یا رسول اللہؐ! ہم کو خدا نے آپ پر صلوات بھیجنے کا دستور دیا ہے، مگر ہم کس طرح صلوات بھیجیں؟

ابو مسعود کہتے ہیں:

رسولؐ نے اس وقت سکوت فرمایا اور اتنی دیر ساکت رہے کہ ہم نے کہا: کاش بشر یہ سوال نہ کرتا، اس وقت آنحضرتؐ نے فرمایا: صلوات اس طرح بھیجو: **"اللّٰهم صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ کَمَاْ صَلَّیْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاْهِیْمَ وَبَاْرِکْ عَلیٰ مُحَمَّدٍوَّ عَلیٰ آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَاْرَکْتَ عَلیٰ آلِ اِبْرَاهِیْمَ فِیْ الْعَاْلَمِیْنَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ"**

اور سلام اسی طرح بھیجو جو تم جانتے ہو۔(۲)

---

(۱) صحیح بخاری: جلد ۸، کتاب الدعوات، باب(۳۱)" الصلاة علی النبیؐ"حدیث ۵۹۹۶.۵۹۹۷. جلد ۳ ،کتاب الانبیاء، باب" یزفون النسلان فی المشی"(آیت نمبر۹۴) حدیث ۳۱۹۰. جلد ۶، کتاب التفسیر تفسیر، سورہ احزاب، باب ۱۰" آیة ان الله و ملائکته یصلون علی النبی"حدیث ۴۵۱۹، ۵۴۲۰. صحیح مسلم جلد۲ ،کتاب الصلوة، باب" الصلوٰة بعد التشهد علی النبی" حدیث ۴۰۵،۴۰۶،۴۰۷.

(۲) صحیح مسلم ج ۱، کتاب الصلوٰة،باب" الصلوٰت النبیؐ بعد التشهد" ح ۴۰۵، ۴۰۶،۴۰۷.

عرض مؤلف

اہل سنت کی کتب صحاح ومسانید اور تواریخ وتفاسیر میں دسیوں حدیثیں رسولؐ اور آل رسولؐ پر صلوات بھیجنے کے طریقہ کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اور ان سب میں جامع ترین تفسیر، دُرّ منثور (سورۂ احزاب کی تفسیر میں) ہے۔

لیکن آنحضرتؐ کی آنکھیں بند ہونے کے بعد حکومت اور جاہ طلبی نے اس قدر مسلمانوں کو اندھا کر دیا کہ جتنا ہوسکتا تھا اہل بیتؑ کے فضائل کو چھپایا جانے لگا! چنانچہ صلوات میں بھی دھیرے دھیرے اہل بیتؑ کے نام کو حذف کر کے، صرف رسولؐ پر ناقص اور دم بریدہ صلوات بھیجنے پر اکتفاء کرنے لگے، حالانکہ رسولؐ خدا نے ایسی صلوات بھیجنے سے بارہا منع فرمایا تھا، مگر افسوس آج بھی مسلمانوں کی یہی سیرت ہے کہ رسولؐ پر دم بریدہ صلوات بھیج کر دشمنی اہل بیتؑ کا کھلم کھلا ثبوت دے رہے ہیں، جب کہ علمائے اہل سنت کی آنکھوں کے سامنے آج بھی یہ حدیثیں موجود ہیں، بلکہ خود یہ لوگ ان حدیثوں کو نقل بھی کرتے ہیں، لیکن عملی میدان میں اپنی گفتگو اور تحریروں کے اندر ان احادیث کے مضمون اور حکم رسول کی صریحاً مخالفت کرتے ہوئے رسولؐ پر صلوات بھیجنے کے بارے میں اپنے ابا وَاجداد کی سنت پر عمل کرتے ہیں! لہٰذا اس جگہ دقت کرنے سے ہماری سمجھ میں صرف ایک ہی چیز آتی ہے اور وہ ہے اپنے آبا وَاجداد کی طرح اہل بیتؑ کے بارے میں شدید تعصب میں مبتلا ہونا!

﴿وَاِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا اَنزَلَ اللّٰهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا اَوَ لَوْ كَانَ الشَّيْطَانُ يَدْعُوهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيرِ﴾ (۱)

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے: جو کتاب خدا نے نازل کی ہے اس کی پیروی کرو، تو وہ (چھوٹتے ہی یہ) کہتے ہیں: نہیں ہم تو اسی طریقہ پر چلیں گے جس پر ہم نے باپ داداؤں کو پایا، بھلا اگرچہ شیطان ان کے باپ داداؤں کو جہنم کے عذاب کی طرف بلاتا رہا ہو، تو پھر کیا وہ ان کی پیروی کریں گے۔''

---

(۱) سورۂ لقمان، آیت ۲۱، پ ۲۱۔

۵۔ کتب اہل سنت میں بارہ اماموں کا ذکر

اہل سنت کی معتبر کتابوں میں بارہ امام خصوصاً امام مہدی ارواحنا لہ الفداء (عج) کے اوصاف کے بارے میں متعدد روایات موجود ہیں، یہاں تک کہ ان احادیث کی وجہ سے بعض علمائے اہل سنت نے اپنی اپنی کتابوں میں آخری امام کیلئے ایک مستقل فصل قرار دی ہے اور بعض نے امام عصرؑ کے بارے میں مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں، لیکن فی الحال ہم صحیحین سے اس بارے میں نقل شدہ روایات پیش کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں:

۱۔ ''......عن عبد الملک؛ سمعت جابر بن سمرة ؛قال: سمعت النبیؐ یقول: یکون اثنیٰ عشر امیرا، فقال کلمة، لم اسمعها،فقال ابی: انه قال: کلهم من قریش'' (۲)

عبدالملک نے جابر بن سمرہ سے نقل کیا ہے:

میں نے رسول خداؐ سے سنا: آپ نے فرمایا: (میرے بعد میرے) بارہ امیر وخلیفہ ہوں گے، جابر کہتے ہیں: دوسرا کلمہ میں نے ٹھیک سے نہیں سنا جس میں آنحضرتؐ نے ان بارہ خلفاء کے بارے میں بتلایا تھا کہ وہ کس قبیلہ سے ہوں گے، لیکن بعد میں میرے پدر بزرگوار نے مجھ سے کہا: وہ جملہ جو تم نے نہیں سنا وہ یہ تھا کہ وہ تمام خلفاء قریش سے ہوں گے۔

مسلم نے بھی اس حدیث کو آٹھ سندوں کے ساتھ اپنی کتاب میں نقل کیا ہے اور ان میں سے ایک حدیث میں اس طرح آیا ہے:

''......جابر بن سمرة؛ قال: انطلقتُ الی رسولَ اللّٰه ومعی ابی، فسمعته، یقول: لایَزَالُ هـذا الدین عَزِیزاً مَنِیعاً اِلیٰ اِثْنیٰ عَشَرَ خلیفةً؛ قال کلمة ،صَمَّنِیْهَا الناسُ؛ فقلتُ لابی ما قال؟ قال :کلهم من قریش''

جابر بن سمرہ کہتے ہیں:

---

(۱) صحیح بخاری ج۹، کتاب الاحکام، باب(۵۲)''استخلاف'' حدیث ۶۷۹۶. صحیح مسلم ج۶، کتاب الامارة، باب(۱۰۱)'' الناس تبع القریش و الخلافة فی قریش''حدیث ۱۸۲۱.

ایک مرتبہ میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ خدمت رسول خداؐ میں مشرف ہوا تو میں نے رسولؐ سے سنا: آپ فرمارہے تھے: یہ دین الٰہی بارہ خلفاء تک عزیز اور غالب رہے گا، اس کے بعد دوسرا جملہ میں نہ سن سکا کیونکہ صدائے مجلس سننے سے حائل ہوگئی تھی، لیکن میرے پدر بزرگوار نے کہا: وہ جملہ یہ تھا: یہ تمام بارہ خلفاء قریش سے ہوں گے۔(۱)

عرض مؤلف

اس حدیث کومختلف مضامین کے ساتھ اہل سنت کی اہم کتابوں میں کثرت کے ساتھ نقل کیا گیا ہے اور یہ حدیث مسلمانوں کے دیگر فرقوں کے بطلان اور مذہب شیعہ کے حق ہونے پر ایک محکم ومضبوط دلیل ہے، اس لئے کہ اس حدیث کا مضمون مذہب شیعہ کے علاوہ کسی اور فرقۂ اسلامی کے رہنماؤں سے منطبق نہیں ہوتا، کیونکہ اہل سنت خلفائے راشدین (جو چار ہیں) کے قائل ہیں، یا پھر امام حسن مجتبیٰؑ کی خلافت کو ملادیں تو پانچ ہوتے ہیں، لیکن حدیث میں رسولؐ نے بارہ فرمائے ہیں، لہٰذا ان کے مذہب سے یہ حدیث منطبق نہیں ہوتی اور اگر خلفائے بنی امیہ وبنی عباس کو ملایا جائے تو سب سے پہلے یہ کہ ان کی تعداد بارہ سے زیادہ ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ ان میں سے اکثر خلفاء اہل فسق و فجور تھے، انھوں نے اپنی ساری عمر گناہوں، قتل، غارتگری وخونریزی، شراب نوشی اور زناکاری میں گزاری لہٰذا رسولؐ ان کو کیسے اپنا جانشین قرار دے سکتے ہیں؟!

پھر جس طرح یہ حدیث اہل سنت حضرات کے خلفاء کی تعداد سے منطبق نہیں ہوتی اسی طرح فرقۂ زیدیہ، اسماعیلیہ، فطحیہ، سے بھی منطبق نہیں ہوتی، کیونکہ ان کے مذہب کے خلفاء کی تعداد ۱۲ رسے کم ہے، لہٰذا صرف شیعہ اثناعشریہ کے خلفاء کی تعداد سے منطبق ہوتی ہے، ان میں سرفہرست مولائے متقیان حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور آخر حضرت مہدی حجۃ ابن الحسن العسکری (عج) ارواحنا لہ الفداء ہیں۔

۲. ...... جابر بن عبدالله وابوسعید قالا: قال رسول الله :یکون فی آخر الزمان خلیفة یقسم المال ولا یعده.

---

(۱) صحیح مسلم ج ۲، کتاب الامارہ، باب ۱ حدیث ۱۸۲۱. (کتاب الامارۃ کی حدیث نمبر ۹).

جابر بن عبداللہ اور ابو سعید نے رسول اکرمؐ سے نقل کیا ہے:

آپؐ نے ارشاد فرمایا: آخری زمانہ میں میرا ایک جانشین وامام ہوگا جو مال وثروت کو (ناپ وتول کے ساتھ) تقسیم کرے گا نہ کہ گنے گا۔(۱)

۳. ...... **عن ابی سعید، قال: قال رسول الله: من خلفاء کم خلیفة یحشو المال حشیاً ولا یعده عداً.**

ابو سعید نے رسول خداؐ سے دوسری حدیث نقل کی ہے؛ آنحضرتؐ نے فرمایا: تمہارے خلفاء اور ائمہ میں سے ایک خلیفہ وامام وہ ہوگا جو مال کو مٹھی سے تقسیم کرے گا نہ کہ عدد وشمار سے۔(۲)

امام زمانہ (عج) کے بارے میں فاضل نووی شارح صحیح مسلم؛ مذکورہ حدیث کی لغت حل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

سونا اور چاندی کی اس قسم کی تقسیم کا سبب یہ ہے کہ اس وقت ان حضرتؑ کی وجہ سے کثرت سے فتوحات ہوں گی جن سے غنائم اور مال وثروت فراوانی سے حاصل ہوگا اور آپ اس وقت اپنی سخاوت اور بے نیازی کا اس طرح مظاہرہ فرمائیں گے، اس کے بعد کہتے ہیں: سنن ترمذی وابی داؤد میں ایک حدیث کے ضمن میں اس خلیفہ کا نام (مہدی) مرقوم ہے، اس کے بعد اس حدیث کو سنن ترمذی سے نقل کرتے ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا: قیامت واقع نہیں ہوگی جب تک میرے اہل بیت (خاندان) سے میرا ہمنام، جانشین ظاہر ہوکر عرب پر مسلط نہ ہوجائے۔

اس کے بعد نووی کہتے ہیں:

ترمذی نے اس حدیث کو صحیح جانا ہے اور سنن داؤد میں اس حدیث کے آخر میں یہ بھی تحریر ہے: ''وہ خلیفہ اس زمین کو عدل وانصاف سے اسی طرح بھر دے گا جیسے وہ ظلم وستم سے بھری ہوگی۔''

۴۔امام بخاری نے ابو ہریرہ سے نقل کیا ہےکہ آنحضرت نے فرمایا:

---

(۱) صحیح مسلم جلد۸، کتاب الفتن، باب" لاتقوم الساعة حتی یمر الرجل......" حدیث ۲۹۱۳، ۲۹۱۴.

(۲) صحیح مسلم جلد۸، کتاب الفتن، باب "لاتقوم الساعة حتی یمر الرجل......" حدیث ۲۹۱۳، ۲۹۱۴.

"کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ اِبنُ مَرْیَم فِیکُم وَاِمامُکم مِنْکُمْ"

تمہارا اس وقت خوشی سے کیا حال ہوگا جب ابن مریم حضرت عیسیٰ تمہارے درمیان نازل ہوں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا؟ (۱)

ابن حجر نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام شافعی اپنی کتاب ''المناقب'' میں تحریر کرتے ہیں:

اس امت میں امام مہدیؑ کا وجود اور آپ کا حضرت عیسیٰؑ کو نماز پڑھانا حد تواتر کے طور پر ثابت ہے۔ (۲)

ابن حجر اس کے بعد کہتے ہیں:

بدرالدین عینی اس حدیث کی مفصل شرح کرنے کے بعد اس طرح نتیجہ گیری کرتے ہیں:

''حضرت عیسیٰؑ کا اس امت مسلمہ کے امام مہدیؑ کے پیچھے قیامت سے نزدیک آخری زمانہ میں نماز پڑھنا، اس بات کی دلیل ہے کہ جو لوگ قائل ہیں کہ زمین کبھی حجت خدا سے خالی نہیں، وہ درست ہے اور ان کا یہ عقیدہ حق بجانب ہے۔'' (۳)

اور امام نووی ''کتاب تہذیب الاسماء'' میں کلمہ عیسیٰ کے ذیل میں تحریر کرتے ہیں:

''حضرت عیسیٰؑ کا آخری زمانہ میں امام مہدیؑ کے پیچھے نماز پڑھنے کیلئے آنا اسلام کی تائید اور تصدیق کی خاطر ہے، نہ کہ اپنی نبوت اور مسیحت کو بیان کرنے کے لئے اور خداوند متعال حضرت عیسیٰؑ کو امام مہدیؑ کے پیچھے نماز پڑھوا کر رسولؐ اکرم کے احترام میں اس امت اسلام کو قابل افتخار بنانا چاہتا ہے۔'' (۴)

قارئین محترم! یہ تھی چند حدیثیں جو صحیحین میں وارد ہوئی ہیں، جن سے بعض عقیدۂ تشیع کی تائید ہوتی ہے، لیکن مذکورہ مطالب کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بعض متعصب شارحین اور عصر حاضر کے چند نام نہاد سنی مصنفین ہضم کرنے سے قاصر نظر آتے ہیں (اور نہ جانے کیوں ان مطالب کی بنا پر عارضۂ شکم درد میں مبتلا

(۱) صحیح بخاری جلد۴، کتاب الانبیاء، باب "نزول عیسی ابن مریم" حدیث ۳۲۶۵.
(۲) فتح الباری شرح البخاری ج۷، کتاب الانبیاء باب قوله تعالی: واذکر فی الکتاب مریم ...... ص ۳۰۵.
(۳) عمدة القاری جلد۱۶، کتاب الانبیاء باب قوله تعالی: واذکر فی الکتاب مریم ....
(۴) الا صابة جلد۴، عیسی المسیح بن مریم الصدیقة بنت عمران، ص۶۳۸.

دکھائی دیتے ہیں!) اور بجائے اس کے کہ یہ لوگ ان حدیثوں کے مفہوم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے، انھوں نے ایسی ایسی الٹی، سیدھی، ضد و نقیض اور غیر قابل قبول توجیہات و تاویلات نقل کی ہیں جو صریحاً عقل و نقل کے خلاف ہیں۔

چنانچہ عصر حاضر کے بعض محققین جب ان توجیہات کے فساد کی طرف متوجہ ہوئے تو انھوں نے سرے سے مذکورہ حدیثوں کی شرح کرنے سے گریز کرتے ہوئے ایک دوسرا راستہ اپنایا! مثلاً شیخ محمود ابوریہ اپنی کتاب میں اس حدیث کی شرح کرنے سے گریز کرتے ہوئے اس طرح لکھتے ہیں:

''یہ روایات مشکل ترین حدیثوں میں سے ہیں، جن کا سمجھنا بہت دشوار ہے، بلکہ اس کے واقعی مفہوم کو درک کرنا ہمارے امکان میں ہے ہی نہیں، لہٰذا ان حدیثوں کی تشریح کے بجائے ہمیں اپنا گرانقدر وقت اور اپنی قیمتی عمر دوسرے مفید علمی مطالب میں صرف کرنی چاہیئے۔'' (۱)

عرض مؤلف

جی ہاں! جو احادیث ان کے عقیدہ کے خلاف ہوتی ہیں، وہ ان کے نزدیک قابل بحث و تحیث اور لائق تشریح و توضیح نہیں ہوا کرتیں!! ان کا واقعی مفہوم درک (ہضم) کرنا ان کے بس میں نہیں ہوتا!! حقائق بیان کرنے سے یونہی جان چرائی جاتی ہے، اللہ بچائے ایسے ناحق شناسوں سے۔

---

(۱) اضواء علی السنة المحمدیه، مصنفه، شیخ محمود ابوریه.

۲۔ فضائل علی علیہ السّلام صحیحین کی روشنی میں

ابھی تک ہم نے اہل بیت علیہم السلام اور بارہ اماموں کے فضائل کے بارے میں بطور عموم صحیحین سے روایات آپ کی خدمت میں نقل کیں ہیں اب ہم فرداً فرداً اہل بیت کے فضائل میں صحیحین سے روایات نقل کرتے ہیں، چنانچہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے فضائل سے شروع کر کے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا پھر حسنین علیہما السلام کے مشترکہ فضائل ذکر کریں گے، اس کے بعد ان میں سے ہر ایک کے علیحدہ فضائل بیان کریں گے۔

پہلی فضیلت: دشمنانِ علی دشمنانِ خدا ہیں

۱۔۔۔۔۔۔عن ابی ذرقال نزلت الآیة: ﴿هَذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِيْ رَبِّهِمْ﴾(۱) فی ستة مِن قریشٍ عَلِی وَحَمزَة وَ عُبَيدَة بِنِ الحَارث، و شيبة بن ربيعة وعُتبة بن ربيعة والوليد بن عتبة"(۲)

ابوذر کہتے ہیں:

یہ آیت ﴿هَـذَانِ خَـصْـمَانِ اخْتَصَمُوا فِيْ رَبِّهِ﴾ دو قریش کے گروہ جو راہ خدا میں آپس میں دشمنی اور عداوت رکھتے تھے یہ آیت تین خالص مومن اور قریش کے تین کافروں کے بارے میں نازل ہوئی ہے یعنی علیؑ، حمزہؓ، عبیدہ بن حارث، یہ توحید کے پرچم کو بلند کرنے کے لئے لڑے اور عتبہ، شیبہ، ولید، یہ توحید کے پرچم کو سرنگوں کرنے کے لئے لڑے۔

۲۔۔۔۔۔۔ قیس بن عباد عن علیؑ، فینا نزلت هذه الآیة: ﴿هَذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِيْ رَبِّهِمْ﴾.(۳)

(۱) سورۂ حج آیت ۹، پ ۱۷۔

(۲ - ۳) صحیح بخاری: جلد ۵، کتاب المغازی، باب(۸) "قتل ابی جهل" حدیث ۳۷۴۷، ۳۷۵۱، ۳۷۵۰، ۳۷۴۸، ۳۷۴۹. جلد ۶، کتاب التفسیر، تفسیر سورہ الحج، باب (۳) آیة ﴿هَذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ﴾ حدیث ۴۴۶۷.

قیس بن عباد حضرت علی علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں:

آیہ ﴿هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ﴾ ہماری شان میں نازل ہوئی۔

دوسری فضیلت: حضرت علیؑ کی محبت ایمان کی پہچان اور آپ کی دشمنی نفاق کی علامت ہے

۳. ,,......عن عدی بن ثابت عن زر،قال: قال علیؑ: والّذی فلق الحبة و برء النسمةانه لعهد النبیّ الا می الی، اَنْ لَایُحِبَّنِی اِلَّا مُؤمِنٌ وَلَایُبْغِضُنِی اِلَّا مُنَافِقٌ"

عدی بن ثابت زر سے نقل کرتے ہیں:

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: قسم اس ذات وحدہ لاشریک کی جس نے دانہ کو شگافتہ اور مخلوق کو پیدا کیا کہ یہ رسولؐ کا مجھ سے عہد و پیمان ہے کہ مجھے دوست نہیں رکھے گا سوائے مومن کے اور مجھ سے دشمنی نہیں کرے گا سوائے منافق کے۔(۱)

تیسری فضیلت: علیؑ کی نماز رسولؐ کی نماز ہے

......"عن مُطرِّف بن عبدالله عن عمران بن حصین،قال: صلی مع علی علیه السلام بالبصرة،فقال: ذکرناهذا الرجل صلوٰة نصلیهامع رسولُ اللّٰه، فذکرانه کان یکبر کلمارفع ،و کلماوضع"(۲)

مطرف بن عبداللہ کہتے ہیں:

ایک مرتبہ عمران بن حُصَین نے بصرہ میں حضرت علی علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھی تو کہنے لگے: آج

(۱) صحیح مسلم جلد ۳ ،کتاب الایمان، باب(۳۳) "ان حب الانصاروعلیؑ من الایمان" حدیث۷۸.

(۲) صحیح بخاری جلد ۱ ، کتاب الصلوٰة، باب" اتمام تکبیر فی الرکوع "حدیث ۷۵۱، باب" اتمام التکبیر فی السجود" حدیث۷۵۳.مترجم:(صحیح بخاری جلد ۱ ،کتاب الصلوٰة،باب "یکبر وهو ینهض من السجدتین" حدیث ۷۹۲.) صحیح مسلم جلد۲، کتاب الصلوٰة،باب(۱۰)" اثبات التکبیر فی کل خفض ورفع" حدیث ۳۹۳.

تو میں نے وہ نماز پڑھی ہے جو رسولؐ کے پیچھے پڑھا کرتا تھا، کیونکہ رسول بھی ایسے ہی رکوع وسجود نشست وبرخواست میں تکبیر کہا کرتے تھے۔

چوتھی فضیلت: رسولؐ کا حضرت علیؑ کو ابوتراب کا لقب دینا

"...... عن ابی حازم؛ ان رجلاً جاء الی سهل بن سعد، فقال: هذا فلان (امیر المدینة) یدعو علیاً عند المنبر، قال : فیقول: ماذا قال؟ یقول له ابو تراب، فضحک، قال: والله ما سماه الا النبی، وما کان له اسم احب الیه منه. (۱)

ابوحازم کہتے ہیں:

ایک مرد سہل ابن سعد کے پاس آیا اور کہنے لگا: فلاں شخص (امیر مدینہ) رسولؐ کے منبر کے پاس حضرت علیؑ کو برا بھلا کہتا ہے، سہل بن سعد نے اس سے پوچھا: وہ کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا: علی کو ابوتراب کہتا ہے، سہل یہ سن کر مسکرائے اور کہنے لگے: قسم بخدا یہ نام اور لقب انہیں رسول خداؐ کے سوا کسی نے نہیں دیا اور حضرت علی علیہ السلام اس لقب کو دیگر تمام لقبوں سے زیادہ پسند کرتے ہیں۔

عرض مؤلف

جیسا کہ متن حدیث میں آیا ہے کہ لقب ابوتراب وہ لقب تھا جس سے امیر المؤمنینؑ خوش ہوتے اور اس پر افتخار کرتے تھے، لیکن دشمنان علیؑ کو یہ لقب بھی گراں گزرا، لہٰذا چونکہ اس سے انکار نہیں کر سکتے تھے اس لئے انھوں نے اس میں ایسی تحریف کردی کہ حضرت امیرالمؤمنینؑ کی اس لقب سے فضیلت ظاہر نہیں ہوتی، چنانچہ

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۴، کتاب فضایل الصحابة، باب "مناقب علی ابن ابی طالبؑ" حدیث ۳۵۰۰. جلد ۱، کتاب الصلاة ابواب المسجد، باب "نوم الرجل فی المسجد" حدیث ۴۳۰، جلد ۴، کتاب الادب، باب "التکنیّ بابی تراب" حدیث ۵۸۵۱. جلد ۸، کتاب الاستئذان، باب " القائله فی المسجد" حدیث ۵۹۲۴.
صحیح مسلم جلد ۷، کتاب فضائل الصحابة، باب " فضائل علی ابن ابی طالب علیه السلام" حدیث ۴۴۰۹.

اس لقب کے عطا کرنے کے بارے میں انھوں نے ایسی روایات جعل کیں جن سے امام المتقین حضرت امیرؑ
کی منقصت ظاہر ہوتی ہے، انشاء اللہ جلد سوم میں ہم اس حدیث کے اور ان دیگر احادیث پر جن سے مولا علیؑ
کی قدح ظاہر ہوتی ہے، کے اسباب جعل پر اگر خدا نے توفیق عنایت کی تو بحث کریں گے۔

پانچویں فضیلت: علیؑ سب سے زیادہ قضاوت سے آشنا تھے

امام بخاری نے ابن عباس سے نقل کیا ہے:

حضرت عمر نے کہا: حضرت علیؑ ہم میں سب سے زیادہ قضاوت سے آشنا ہیں۔" **وَاَقْضَانَاعَلِیٌّ** "(۱)

عرض مؤلف

خلیفۂ دوم کا اعتراف خود اپنی طرف سے نہ تھا بلکہ رسولؐ اسلام نے بارہا اس جملہ کو لوگوں کے سامنے فرمایا تھا
کہ علیؑ اصحاب میں سب سے زیادہ علم قضاوت رکھتے ہیں اور کبھی آپ فرماتے تھے کہ علیؑ اس امت میں سب
سے زیادہ علم قضاوت رکھتے ہیں۔(۲)

بہر حال قابل توجہ نکتہ یہاں پر یہ ہے کہ مسئلۂ قضاوت میں تقوا و پرہیزگاری کے علاوہ وسیع معلومات اور
کافی آ گاہی کا ہونا ضروری ہے اور جب تک ان علوم سے آشنا نہیں ہو سکتا قضاوت کرنا ناممکن امر ہے، لہٰذا
حضرت علی علیہ السلام کا بقول مرسل اعظم علم قضاوت میں سب سے زیادہ آشنا ہونا اس بات کی دلیل ہے آپؑ
سب سے زیادہ علم وآ گاہی رکھتے تھے، گویا "**اَقْضَاهُم**" کا جملہ " **اَعْلَمُهُمْ**" اور "**اَتْقَاهُمْ**" وغیرہ...... کی
جگہ استعمال کیا گیا ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری، جلد ۲، کتاب التفسیر سورہ بقرہ، باب "تفسیر ماننسخ من آیۃ" (۱۰۶) حدیث ۴۲۱۱۔

(۲) سنن ابن ماجہ جلد ۱۔ (اس کتاب میں حقیر نے اس جملہ کو نہیں دیکھا ہے۔ مترجم۔) استیعاب جلد ۱، حرف العین باب علی صفحہ ۸۔ (اس کتاب میں اقضانا اور اقضاہم آیا ہے۔ مترجم)

چھٹی فضیلت: علیؑ خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتے تھے اور خدا اور رسولؐ آپ کو

"...... عن سهل بن سعد؛ قال: قال النبيؐ: يوم خيبر " لَاُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَداً رَجُلاً يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَ يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ " فبات الناس ليلتهم ايهم يُعطي؟ فغدَوْا كلهم يرجوه فقالؐ: اين عليؑ؟ فقيل :يشتكي عينيه، فبصق في عينيه ،ودعى له، فبرء كأن لم يكن به وجع،فاعطاه، فقالؑ: أُقاتلهم حتى يكونوا مثلنا ؟ فقال: انفذ على رِسْلِكَ حتىٰ تَنْزِلَ بِساحَتِهِم، ثم ادعهم على الاسلام، واخبرهم بما يجب عليهم ،فوالله لِأن يهدى الله بك رجلا،خيرٌ لك من ان يكون لك حمر النعم.(۱)

سہل بن سعد نے رسول اسلامؐ سے نقل کیا ہے:

''رسول خداؐ نے جنگ خیبر کے دن یہ ارشاد فرمایا:

" لَاُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَداً رَجُلاً يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَ يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ "

کل میں ایسے مرد کو علم دوں گا جو اللہ و رسول کو دوست رکھتا ہو اور اللہ و رسولؐ اسے دوست رکھتے ہوں۔ سہل کہتے ہیں: اس شب تمام لشکر اسلام کو چین کی نیند نہ آئی، کیونکہ ہر شخص اسی انتظار میں تھا کہ کل مجھے علم اسلام مل جائے لیکن رسولؐ نے ارشاد فرمایا: علی (علیہ السلام) کہاں ہیں؟ لوگوں نے کہا: ان کی آنکھوں میں درد ہے (آپ نے مولا علیؑ کو طلب فرما کر) آپ کی آنکھوں

---

(۱) صحيح بخاری: جلد۴ ،كتاب الجهاد و السير ، باب ۱۲۱ "ما قيل فى لواء النبيؐ "حديث ۲۸۱۲، باب۱۴۳ " فضل من اسلم على يديه رجل" حديث۲۸۴۷ ،كتاب فضايل الصحابه، باب(۹)" مناقب على ابن ابى طالب "حديث۳۴۹۸، ۳۴۹۹. صحيح مسلم :جلد۷ ،كتاب فضائل الصحابة ،باب" فضائل على ابن ابى طالب" حديث۴۴۰۵، كتاب الجهاد و السير، باب(۴۵)" عزوه ذى قرد وغيرها" حديث۱۸۰۷.

مترجم:(صحيح بخارى: جلد۴ ، كتاب الجهاد و السير ،باب" دعاء النبيؐ الى الاسلام النبوة"حديث۲۷۸۳. كتاب فضائل الصحابة باب "عزوه خيبر"حديث ۳۹۷۲، ۳۹۷۳.

مسلم نے ایک حدیث میں اس شعر کو بھی نقل کیا ہے جسے حضرت علیؑ نے مرحب کے مقابل پڑھا تھا:

انا الذى سمّتنى امى حيدره كليث غابات كريه المنظره)

میں لعاب دہن لگا دیا اور دعا فرمائی: (اے اللہ علیؑ کو شفایاب فرمادے) رسولؐ کی دعا کے نتیجہ میں آپؑ کی آنکھیں ایسی ٹھیک ہوگئیں جیسے کہ آپ کی آنکھوں میں درد ہی نہ تھا چنانچہ رسولؐ نے علم اسلام کو آپ کے ہاتھوں میں دے دیا، آپؑ نے فرمایا: یا رسول اللہ! کب تک جنگ کروں؟ کیا اس وقت تک جنگ کروں جب تک کہ وہ ایمان و عمل میں ہمارے جیسے نہ ہو جائیں؟

رسولؐ نے فرمایا: اے علیؑ! اس لشکر کفار کی طرف حرکت کرو، اور انہیں دعوت اسلام دو، انہیں قوانین اسلام سے آگاہ کرو، کیونکہ قسم بخدا اگر خدا نے تمہارے ذریعہ سے ایک شخص کو بھی ہدایت فرمادی تو وہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہوگا۔

مسلم نے اس حدیث کو کچھ اضافہ کے ساتھ بھی نقل کیا ہے:

,,......عن ابی هریرة؛ان رسول الله قال یوم خیبر:" لَأُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ رَجُلاً يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَىٰ يَدَيْهِ" قال عمر بن الخطاب:ماأحببت الامارة الايومئذٍ،فتساورت لها رجاء ان ادعی لها،فدعی رسول الله علی بن ابی طالب:فاعطاه اياها،وقال امش ولاتلتفت حتی يفتح الله عليک،قال:فسار شيئاًثم وقف ولم يلتفت، فصرخ يارسول الله اعلی ماذا اقاتل الناس؟ قال:وقاتلهم حتی يشهدوا ان لا اله الا الله و ان محمداًرسول الله، فاذا فعلوا ذالک، فقد منعوا منک دمائهم و اموالهم، الا بحقها وحسابهم علی الله " (۱)

ابو ہریرہ نقل کرتے ہیں:

رسولؐ نے بروز جنگ خیبر یہ ارشاد فرمایا: آج میں اسلام کا علم ایسے مرد کو دوں گا جو اللہ اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور اللہ اس کے دونوں ہاتھوں پہ فتحیابی بخشے گا، حضرت عمر کہتے ہیں: جب رسولؐ نے یہ اعلان کیا تو مجھے بھی علم لینے کا دوبارہ اشتیاق ہوا، چنانچہ آپ کہا کرتے تھے: روز خیبر سے پہلے مجھے کبھی علم اسلام اٹھانے کا شوق نہیں ہوا! لہٰذا جب میں نے یہ اعلان سنا تو میں بھی (رسولؐ کے

---

(۱) صحیح مسلم جلد۷، کتاب فضائل الصحابة ،باب(۴)" فضائل علی ابن ابی طالب"حدیث ۲۴۰۵.

پاس دوڑ کر گیا اور) علم کے ارد گرد گھومنے لگا! اس امید میں کہ (رسولؐ مجھے دیکھ لیں اور) علم مل جائے لیکن (افسوس) یہ افتخار علیؑ کو حاصل ہوا اور رسولؐ نے علیؑ کو بلایا اور علم آپ کے ہاتھوں میں دینے کے بعد فرمایا: اے علیؑ! دشمن کی طرف حرکت کرو تا کہ خدا تمھارے ہاتھوں کے ذریعہ اس قلعہ کو فتح کرے۔

حضرت عمر کہتے ہیں: علیؑ تھوڑی دور آگے بڑھے اور رک گئے، بغیر اس کے کہ اپنا چہرہ پیغمبرؐ کی طرف گھماتے، دریافت فرمایا: اے رسولؐ! ان لوگوں سے کب تک جنگ کروں؟ آپؐ نے فرمایا: اے علیؑ! جنگ کرو جب تلک کہ یہ لوگ خدا کی وحدانیت اور میری رسالت کا اقرار نہ کرلیں اور جب ان دو باتوں کو یہ لوگ قبول کرلیں تو ان کا خون و مال محفوظ ہو جائے گا اور ان کا حساب پھر خدا کے اوپر ہے۔

ساتویں فضیلت: حضرت علیؑ کی رسولؐ کے نزدیک وہی منزلت تھی جو ہارون کی موسیٰ کے نزدیک

،، ...... عن مصعب بن سعد عن ابیه؛ ان رسول اللهؐ خرج الی تبوک و استخلف علیاً ،فقال: أ تخلفنی فی الصبیان و النساء؟قال رسول الله: "اَلاَ تَرضیٰ اَنْ تَکُوْنَ مِنیّ بِمَنْزِلَةِ هارُوْنَ مِنْ مُوسیٰ،اِلَّا اَنَّهُ لَیْسَ نَبِیٌّ بَعْدِیْ" (۱)

مصعب بن سعد نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے:

جب رسول اسلامؐ جنگ تبوک کیلئے خارج ہوئے اور آپ نے علیؑ کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا، تو حضرت علی علیہ السلام نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جا رہے ہیں؟ رسولؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا: اے علیؑ! تمہاری میرے نزدیک وہی منزلت ہے جو ہارونؑ کی موسیٰؑ کے نزدیک تھی بس فرق اتنا ہے کہ وہ موسیٰؑ کے بعد نبی تھے اور تم میرے بعد نبی نہیں ہو۔

---

(۱) صحیح بخاری :جلد۵، کتاب فضایل الصحابة ،باب(۹) "مناقب علی ابن ابی طالب علیه السلام" حدیث ۳۵۰۳.

جلد ۵، کتاب المغازی، باب(۷۴) "عزوه تبوک" حدیث ۴۱۵۴.

صحیح مسلم جلد ۲ ،کتاب فضائل الصحابة، باب" فضائل علیؑ" حدیث ۴۴۰۴
(یہ حدیث دیگر سند کے ساتھ بھی اس کتاب میں مذکور ہے)۔

عرض مؤلف

محترم قارئین !مذکورہ حدیث شیعہ وسنی دونوں کے درمیان متفق علیہ ہے، یہاں تک کہ آپ کے پکے دشمن معاویہ نے بھی اس حدیث سے انکار کرنے کی جرأت نہیں کی ہے!اس حدیث میں رسولؐ خدا نے علیؑ کوتمام چیزوں میں ہارون سے تشبیہ دی ہے اورصرف نبوت کو خارج کیا ہے یعنی ہارون اور علیؑ کے درمیان صرف نبوت کا فرق ہے بقیہ تمام اوصاف، کمالات، منصب اور مقام میں باہم شریک ہیں، کیونکہ اگر فرق ہوتا تو رسولؐ نے جس طرح نبوت کوجدا کر دیا، اسی طرح دوسری جہت کوبھی جدا کر دیتے، لہٰذا رسولؐ کا دیگر مناصب و کمالات سے استثناء نہ کرنا بیّن دلیل ہے کہ آپ میں ہارونؑ کے تمام اوصاف پائے جانے چاہیئے تب تشبیہ صحیح قرار پائے گی اور جاننا چاہیئے کہ جناب ہارون مندجہ ذیل منصب اور کمال پر فائز تھے لہٰذا مولا علیؑ میں یہ اوصاف پائے جانے چاہیئے تا کہ تشبیہ صحیح قرار پائے:

۱. **مقام وزارت :** جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ نبوت کے علاوہ تمام اوصاف علیؑ میں پائے جانے چاہیئے تب مذکورہ تشبیہ صحیح ہوگی، لہٰذا جس طرح حضرت موسیؑ کے بھائی ہارونؑ آپ کے وزیر تھے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا: ﴿**وَاجْعَلْ لِیْ وَزِیْراً مِنْ اَهْلِیْ ☆ هٰارُوْنَ اَخِیْ**﴾(۱)

اسی طرح حضرت علی علیہ السلام بھی رسول اسلامؐ کے وزیر ہیں، یہی وجہ ہے کہ رسولؐ نے متعدد جگہوں پر علیؑ کے لئے اپنی وزارت کا اظہار کیا ہے۔

۲. **مقام اخوت و برادری :** جس طرح ہارون موسیؑ کے بھائی تھے ﴿**هٰارُوْنَ اَخِیْ**﴾ اسی طرح علیؑ بھی رسولؐ کے (رشتہ اور روحانی اعتبار سے) بھائی ہیں۔

۳. **مقام خلافت:** جس طرح موسیؑ نے ہارون کو کوہ طور پر جانے کے وقت اپنا خلیفہ بنایا: ﴿......**وَقَالَ مُوْسیٰ لِاَخِیْهِ هٰارُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ**......﴾(۲)

---

(۱) سورۂ طٰہ، آیت ۳۰، پ ۱۶.

(۲) سورہ اعراف، آیت ۱۴۲، پ ۹.

جناب ہارونؑ بنی اسرائیل کے درمیان حضرت موسیٰؑ کے خلیفہ اور جانشین قرار پائے اور حضرت موسیٰؑ نے ہارون کی اطاعت کو بنی اسرائیل پر واجب قرار دیا اور ہارونؑ کو وصیت کی کہ رسالت کی تبلیغ کریں اور میرے دین کو وسعت دیں، اسی طرح حضرت علی علیہ السلام رسول اسلامؐ کے خلیفہ اور جانشین ہیں.

۴. مقام وصایت: جب تک موسیٰؑ زندہ تھے ہارون موسیٰ کے خلیفہ اور جانشین تھے، لہٰذا اگر حضرت موسیٰؑ وفات پا جاتے تو یقیناً حضرت ہارونؑ ہی ان کے وصی قرار پاتے، لیکن ہارونؑ کا انتقال جناب موسیٰ کی حیات میں ہو گیا تھا، بہر حال جس طرح حضرت موسیٰؑ کے ہارونؑ وصی ہوتے اسی طرح حضرت علیؑ بھی مذکورہ حدیث کے مطابق پیغمبرؐ کے وصی ہیں۔

۵. مقام معاونت: جس طرح جناب ہارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قوت بازو اور امر رسالت میں معاون تھے، جیسا کہ قرآن میں جناب موسیٰؑ کی ہارونؑ کے بارے میں دعا اور اس کے قبول ہونے کے الفاظ آئے ہیں:

﴿اُشْدُدْ بِهٖ اَزْرِیْ☆وَاَشْرِكْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ ☆......قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰى﴾(۱)

اسی طرح حضرت علی علیہ السلام بھی اس صریح حدیث کے مطابق رسولؐ کے قوت بازو اور معاونِ رسالت تھے، البتہ خلافت اور جانشینی کے اعتبار سے نہ نبوت کے لحاظ سے۔

بہر حال مذکورہ حدیث کی روشنی میں یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ رسولؐ اسلام کی نظر میں آپ کی زندگی اور آپ کی وفات کے بعد آپ کے نزدیک سب سے بہترین اور خیر امت حضرت علیؑ تھے اور جس طرح بنی اسرائیل پر ہارون کی اطاعت واجب و لازم تھی، اسی طرح امت محمدی پر رسولؐ کی زندگی میں احترام علیؑ واجب تھا اور رسولؐ کی وفات کے بعد آپ کی اطاعت واجب و لازم تھی کیونکہ رسولؐ کی وفات کے بعد حضرت امیرؑ، افضل الناس، ناصر رسولؐ اور آنحضرتؐ کے حقیقی جانشین تھے۔

---

(۱) سورۂ طٰہٰ، آیت نمبر ۳۱، ۳۲، ۳۶، پ ۱۶.

ایک قابل توجہ نکتہ

اس جگہ ایک غلط فہمی کا ازالہ کر دینا لازم سمجھتا ہوں وہ یہ کہ بعض اہل سنت یہ سمجھتے ہیں کہ رسولؐ نے حدیث منزلت صرف جنگ تبوک کی طرف روانہ ہوتے وقت ارشاد فرمائی تھی (اس کے بعد کہیں نہیں فرمایا) لہذا حضرت علیؑ کی خلافت ایک زمانہ کے لئے مخصوص اور محصور ہے، برادرم ایسا نہیں ہے بلکہ اہل سنت کی متعدد معتبر کتابوں کے مطابق رسولؐ نے تقریباً چھ موارد پر یہ حدیث اختلاف زمان و مکان کے ساتھ ارشاد فرمائی ہے، لہذا حدیثِ منزلت کو ایک خاص زمانہ میں منحصر نہیں کیا جا سکتا۔ (۱)

(۱) تفصیل دیکھئے: کتاب "المراجعات" مصنفه علامه سید شرف الدین، و "کفایة الطالب فی مناقب علی بن ابی طالب ص ۲۸۱، باب [۶۰] "فی تخصیص علی بقوله (ص) انت بمنزلة هارون من موسی ......" مطبوعه: ۱۳۹۰ھ" (اس کتاب کے ساتھ گنجی شافعی کی دوسری کتاب "البیان فی اخبار صاحب الزمان" بھی شائع ہوئی ہے۔

آٹھویں فضیلت: علیؑ رسولؐ سے اور رسول علیؑ سے ہیں۔

"اَنْتَ مِنِّي وَاَنَا مِنْکَ"، حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا: اے علی! تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔

صحیح بخاری، جلد ۵، کتاب فضایل الصحابة، باب "مناقب علی". جلد ۴، کتاب المغازی، باب (۴۱) "عمرة القضاء (صلح حدیبیه)" حدیث ۴۰۰۵ . کتاب الصلح، باب (۶) "کیف یُکتَبُ: هذا ما صالح فلان بن فلان" ۲۵۵۲ .

نویں فضیلت: رسولؐ وقتِ وفات علیؑ سے راضی رخصت ہوئے

حضرت عمر کا بیان ہے: جب رسولؐ نے وفات پائی تو آپ حضرت علی علیہ السلام سے راضی تھے۔

صحیح بخاری جلد ۵، کتاب فضائل الصحابة، باب "مناقب علیؑ (قبل از حدیث نمبر ۳۴۹۸)" باب "قصه البیعة و الاتفاق علی عثمان" حدیث ۳۴۹۷.

محترم قارئین! جیسا کہ آپ نے مولا علیؑ کے فضائل صحیحین کی روشنی میں ملاحظہ فرمائے اور پھر قول حضرت عمر بھی ملاحظہ فرمایا کہ رسولؐ کی وفات جب ہوئی تو آپ علیؑ سے راضی تھے، لیکن خود قائل کی پوزیشن کیا تھی؟ معلوم نہیں، کیونکہ صحیح بخاری کے بموجب آنحضرتؐ نے بوقت وفات جب قلم و دوات مانگی تو حضرت عمر نے منع کر دیا تھا جس کی وجہ سے رسولؐ ناراض ہو گئے اور آپ نے حضرت عمر کو اپنے گھر سے باہر نکال دیا، چنانچہ محترم مؤلف صاحب نے بحث "واقعہ قرطاس" ص ۶۲۲ پر اس بات کو تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے۔

۴۔ فضائل بنت رسولؐ؛ صحیحین کی روشنی میں

ا۔ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا جنت کی عورتوں کی سردار ہیں

"......،عن عائشة؛ قالت: اقبلت فاطمة(س) تمشي كَاَنَّ مِشْيَتَها مَشْيُ النبيّ، فقال النبيّ :مرحباً بابنتي، ثم اجلسها عن يمينه اوعن شماله، ثم اسر اليها حديثا،فبكت فقلتُ لها:لم تبكين؟ ثم اسر اليها حديثاً ،فضحكت فقلت: ما رايت كاليوم فرحاً اقرَب من حزن، فسالتها عما قال، فقالت: ما كنت لِاُفشِيَ سِرَّ رسولَ اللّٰه حتى قُبِض النبيُّ، فسأَلتها: فقالت: اسرَّ اِلَيَّ: ان جبرئيل كان يعارضني القرآن كل سنة مرّة ،و انه عارضني العام مرتين، و لا أُراه الاحضر اجلي،وانك اول بيتي لحاقابي، فبكيت،فقال: اَمَا تَرْضَيْنَ اَنْ تَكُوْنِي سَيِّدَةَ نِسَاءِ اَهْلِ الجَنَّةِ اَوْ نَسَاءِ الْمَوْمِنِيْن، فَضَحِكْتُ لذالك"

حضرت عائشہ کہتی ہیں:

ایک مرتبہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا رسولؐ کی خدمت میں آئیں تو میں نے دیکھا آپ کی رفتار بالکل رسولؐ کی رفتار کی طرح تھی رسولؐ دیکھ کر خوش ہوئے اور فرمایا: مرحبا یا فاطمہ! اور اپنے داہنے یا بائیں جیب میں بٹھایا اور چپکے کچھ فرمایا، جسے فاطمہ (س) سن کر رونے لگیں، میں نے پوچھا :گریہ کرنے کی کیا علت ہے؟

اس کے بعد پھر رسولؐ نے چپکے کچھ فرمایا جسے فاطمہ (سلام اللہ علیہا) سن کر ہنسنے لگیں، میں نے کہا: آج تک میں نے یوں حزن کے فوراً بعد سرور نہیں دیکھا، آج ایسا کیوں؟ میں نے فاطمہ (س) سے پوچھنا چاہا کہ رسولؐ نے مخفیانہ کون سی بات بتلائی ہے، لیکن حضرت فاطمہؑ نے کہا: میں اپنے باپ کے راز کو فاش نہیں کروں گی، جب رسولؐ رحلت فرما چکے، تو میں نے حضرت فاطمہ زہرا (سلام اللہ علیہا) سے دو مرتبہ اس بارے میں پوچھا، تو حضرت فاطمہ زہرا (سلام اللہ علیہا) نے فرمایا: وہ مخفی بات یہ تھی کہ رسولؐ نے مجھ سے فرمایا: ہر سال جبرئیل میرے اوپر ایک مرتبہ قرآن کو پیش کرتے

تھے، لیکن اس سال دو مرتبہ پیش کیا ہے اور اس کی علت اس کے سوا کچھ نہیں کہ میری موت قریب آ چکی ہے اور مجھ سے سب سے پہلے جو ملحق ہوگا وہ تم ہوگی، اے میری بیٹی! یہ سن کر میں رونے لگی، لیکن رسولؐ نے فرمایا: اے فاطمہ! کیا تم خوش نہیں کہ تم جنت کی عورتوں کی یا مومنین کی عورتوں کی سردار ہو، یہ سن کر میں خوش ہوگئی۔(۱)

۲۔حضرت فاطمہ پیغمبر اسلامؐ سے سب سے پہلے ملاقات کریں گی

"...... عن عائشة قالت: دعیٰ النبیؐ فاطمة ابنته فی شکواه الذی قبض فیه، فسارها بشیءٍ، فبکت، ثم دعاها فسارها، فضحکت، قالت: فسألتها عن ذالک، فقالت سارنی النبی، فاخبرنی انه یقبض فی وجعه الذی توفی فیه، فبکیت، ثم سارنی فأخبرنی انی اول اهل بیته اتبعه، فضحکت".(۲)

امام بخاری اور مسلم نے حضرت عائشہ سے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے:

رسولؐ نے اپنی بیٹی فاطمہ (س) کو مرض الموت میں بلایا اور کسی چیز کو مخفی طور پر بتلایا جس کی وجہ سے آپ کی بیٹی رونے لگیں، اس کے بعد حضرت فاطمہ زہرا (س) کو اپنے پاس بلا کر کچھ ایسی بات بتلائی کہ فاطمہ (س) ہنسنے لگیں۔ عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے فاطمہ (س) سے اس طرح ہنسنے اور رونے کی علت پوچھی، تو آپ نے کہا: رسولؐ نے پہلے مجھ سے فرمایا: اس مرض میں میری موت واقع ہو جائے گی، تو میں رونے لگی، لیکن اس کے بعد آپ نے فرمایا: میرے خاندان میں سب سے پہلے تم میرے پاس آؤ گی تو میں ہنسنے لگی.

---

(۱) صحیح بخاری: جلد۴، کتاب المناقب، باب(۲۲)" علامات النبوة فی الاسلام" حدیث ۳۴۲۶. جلد ۸، کتاب الاستیذان، باب " من ناجی بین یدی الناس" حدیث ۵۹۲۸. صحیح مسلم جلد ۷، کتاب فضائل الصحابة، باب "فضائل فاطمة الزهراء سلام اللّٰه علیها".

(۲) صحیح بخاری: جلد۴، کتاب المناقب، باب(۲۵) "علامات النبوت فی الاسلام" حدیث ۳۴۲۶. جلد ۵، کتاب فضایل الصحابة، باب(۱۲)" مناقب قرابة الرسول" حدیث ۳۵۱۱.

مترجم: (صحیح بخاری جلد ۴، کتاب المغازی، باب "مرض النبی" حدیث ۴۱۷۰.)

صحیح مسلم جلد۵، کتاب فضائل الصحابة، باب (۱۵)" فضائل فاطمة زهرا سلام الله علیها" حدیث ۲۴۵۰.

۳۔ حضرت فاطمہ زہراء علیہا السلام جگر گوشۂ رسول تھیں

"قال رسولؐ اللّٰہ: فَاطِمَةُ بَضعَةٌ مِنِّی فَمَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِی"(۱)

امام بخاری نے رسولؐ سے نقل کیا ہے:

آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا: فاطمہ (س) میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جس نے اس کو غضبناک کیا، اس نے مجھے غضبناک کیا۔

رسول اسلامؐ سے دوسری روایت امام بخاری اس طرح نقل کرتے ہیں:

"فانما هی بضعة منی یریبنی ما ارابها و یؤذینی مااذاها" (۲)

رسولؐ نے فرمایا: فاطمہ (س) میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا، جس نے اس کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی۔

مسلم نے بھی اس روایت کو مختصر فرق کے ساتھ نقل کیا ہے۔(۳)

۴۔ تسبیح حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا

,, ...عن علیؑ ؛ان فاطمةؑ شکت ما تلقی من اثرالرحیٰ، فاتی النبیؐ سبی، فانطلقت، فلم تجده، فوجدت عائشة ، فاخبرتها، فلما جاء النبی اخبرته عائشة بمجیء فاطمة، فجاء النبیؐ الینا ،وقد اخذنا مضاجعنا ،فذ هبنا نقوم، فقال:علی مکانکما فقعد بیننا حتی وجدت برد قدمیه علی صدری، وقال: الا اعلمکما خیراً مما سئلتمانی؟ اذا اخذ تما مضاجعکما تکبرا اربعاً وثلاثین، و تسبحاه

(۱-۲-۳) صحیح بخاری : ج۵،کتاب فضایل الصحابة، باب "مناقب قرابة الرسولؐ"حدیث ۳۵۱۰. ج ۷،کتاب النکاح،باب" الذب الرجل عن ابنته"حدیث ۴۱۳۲. ج۳ ،کتاب فضایل الصحابة، باب" مناقب فاطمة الزهرا(س)"حدیث ۳۵۵۶. مترجم:(صحیح بخاری ج۳ ،کتاب فضایل الصحابة،باب(۱۶) "ذکر اصهار النبی" حدیث ۳۵۲۳.) صحیح مسلم ج۷، کتاب فضایل الصحابة، باب "فضائل فاطمة زهرا سلام اللہ علیها"حدث ۲۴۴۹.

ثلاثاً وثلاثین ،و تحمدا ثلاثاً وثلاثین، فهو خير لكما من خادم .“

امام بخاری اور مسلم نے اپنی اپنی کتابوں میں حضرت علیؑ سے نقل کیا ہے:

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے ہاتھ چکی چلاتے چلاتے زخمی ہو چکے تھے، انہیں دنوں پیغمبرؐ کے پاس کچھ اسیر لائے گئے، تو شہزادی کونین رسولؐ کی خدمت میں گئیں، تا کہ خدمت گزاری کے لئے ایک کنیز طلب کریں، لیکن رسولؐ کو خانہ مقدس میں نہ پایا لہذا سارا واقعہ عائشہ سے کہہ دیا، جب رسول خداؐ اپنے خانہ اقدس میں تشریف لائے تو عائشہ نے سارا واقعہ سنا دیا۔

حضرت امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں: جب یہ قضیہ رسولؐ نے سنا تو فوراً ہمارے گھر کی طرف روانہ ہو گئے، ہم لوگ استراحت کے لئے جا چکے تھے کہ رسولؐ وارد خانہ ہوئے، ہم لوگوں نے چاہا کہ آپ کے احترام میں کھڑے ہوں، لیکن آپ نے منع کیا اور فرمایا: کیا میں تم کو ایسا عمل بتلا دوں جو اس سے بہتر ہو جس کی تم نے خواہش کی ہے؟

دیکھو! جب تم سونے لگو تو: ۳۴ ؍مرتبہ اللہ اکبر کہو، ۳۳ ؍مرتبہ سبحان اللہ اور اتنی ہی مرتبہ الحمد للہ یہ عمل خدمت گزار سے بہتر ہے۔(۱)

۵۔ رسولؐ سے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی محبت

۱ . . ,.......عن ابن مسعود؛ قال بينما رسول الله يصلى عند البيت ،وابو جهل واصحاب له جلوس و قد نحرت جزور بالامس، فقال ابو جهل: ايكم يقوم الى سلا جزور بنى فلان فيأخذه فيضعه فى كتفى محمدٌ اذا سجد؟فا نبعث اشقى

(۱) صحیح بخاری: جلد۴، کتاب الخمس، باب(۶) ”الدلیل علی ان الخمس لنوائب رسولؐ الله“ حدیث۲۹۴۵. جلد۵، کتا ب فضایل الصحابة، باب ”مناقب علی علیه السلام“ حدیث ۳۵۰۲. جلد۷، کتاب النفقات، باب(۶) ” عمل المرئة فی بیت زوجها“حدیث ۵۰۴۶،

مترجم:(صحیح بخاری جلد۷ ،کتاب النفقات،باب” خادم المرئة“ حدیث۵۰۴۷ . کتاب الدعوات، باب(۱۱)”التکبیر و التسبیح عند المنام“ حدیث ۵۹۵۹ .)

صحیح مسلم جلد۸، کتاب الذکر و الدعاء، باب” التسبیح اول النهار و عند النوم“حدیث ۲۷۲۷.

القوم فاخذه، فلماسجد النبیؐ،وضعه بين كتفيه ،قال: فاستضحكو ا وجعل بعضهم يميل على بعض، وانا قائم ،انظر لو كانت لى منعة طرحته عن ظهر رسول الله،ؐ والنبیؐ ساجد ما يرفع راسه ،حتى انطلق انسان، فاخبر فاطمة (س) فجائت وهى جويرية، فطرحته عنه ،ثم اقبلت عليهم تشتمهم ،فلما قضى النبیؐ صلاته، رفع صوته، ثم دعا عليهم " (۱)

امام بخاری اور مسلم نے عبداللہ ابن مسعود سے نقل کیا ہے:

ایک مرتبہ رسول اسلامؐ خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اور ابوجہل اور اس کے (نمک خوار) ساتھی بھی وہیں موجود تھے، ابوجہل نے اپنے ساتھیوں سے کہا: کون ہے جو فلاں شخص کے اونٹ کی اجھڑی کو لاکر سجدے کی حالت میں اس مرد (رسولؐ) کی پشت پر ڈال دے؟ ان میں سے ایک بد بخت شخص کھڑا ہوا اور اس نے غلاظت کو اٹھا کر جب آنخضرتؐ سجدہ میں گئے تو آپ کی پشت پر ڈال دیا، ابوجہل اور اس کے ساتھی یہ منظر دیکھ کر کھل کھلا کر اتنی زور سے ہنسنے لگے کہ خوشی کی وجہ سے ایک دوسرے پر گرے جا رہے تھے، ابن مسعود کہتے ہیں: میں اس واقعہ کو دیکھ رہا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ کاش میں اتنا طاقتور ہوتا کہ اس غلاظت کو رسولؐ کے اوپر سے اٹھا کر پھینک دیتا، تا کہ رسولؐ کو اذیت نہ ہوتی، ابھی رسولؐ سجدہ ہی میں تھے کہ کسی نے فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو اس کی اطلاع دے دی، آپ آئیں اور آپ ابھی بہت چھوٹی تھیں، بہر حال آپ نے اس غلاظت کو صاف کیا اور ان لوگوں کو برا بھلا کہا، جب رسولؐ نماز سے فارغ ہوئے تو بلند آواز سے ان لوگوں کے لئے بددعا کی۔

۲. ,,......عن ابن ابى حازم عن ابيه؛ انه سمع سهل بن سعد ؛يسئل عن جرح رسول لله ،يوم احد: فقال: جرح وجه رسول الله و كسرت رباعيته، وهشمت

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۱، کتاب الوضوء، باب(۶۹)" اذا اُلقِی علی ظَهرِ المصلی قذر"حدیث ۶۹.
صحیح مسلم جلد۳، کتاب الجهاد و السیر، باب(۳۹)"ما القی النبیؐ من اذیٰ المشرکین"حدیث ۱۷۹۴.

البیضة علی راسه، فکانت فاطمة (س) بنت رسول اللّٰه تغسل الدم، وکان علی بن ابی طالب یسکب علیها بالمجن، فلما رأت فاطمة (س) ان الماء لا یزید الدم الا کثرة، اخذت قطعة حصیر، فاحرقته حتی صار رماداً ،ثم الصقته بالجرح، فاستمسک الدم .“

امام مسلم نے ابن ابوحازم سے اس نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے:

سہل بن سعد سے پوچھا گیا کہ رسولؐ کو روز جنگ احد کیسے زخم آئے؟ تو سہل نے کہا ہاں اس دن آپ اس قدر مجروح ہوگئے تھے کہ آپ کے دندان مبارک بھی شہید ہوگئے تھے اور آپ کے سر کا خود بھی ٹوٹ گیا تھا (جس کی وجہ سے آپ کا سر بھی زخمی ہوگیا تھا) اس وقت رسولؐ کی تیمارداری علیؑ اور فاطمہؑ کر رہے تھے، علیؑ اپنی سپر کے ذریعہ پانی ڈال رہے تھے اور فاطمہ (بنت رسولؐ) آپ کے چہرے کو دھو رہی تھیں، جب فاطمہ (س) نے دیکھا کہ پانی سے خون نہیں بند ہوتا تو آپ نے چٹائی کا ایک ٹکڑا جلا کر راکھ کیا اور اس کو رسولؐ کے زخم پر رکھ دیا جس سے خون بند ہوگیا۔ (۱)

۶۔ حضرت فاطمہ زہراؑ کا رسولؐ کی وفات پر بے حد غمناک ہونا

,,......عن انس؛ قال :لمّا ثَقُل النبیّ جعل یَتغشّاه، فقالت فاطمة ”علیها السلام“:واکربَ اباه افقالٌ لها:” لیس علی ابیکِ کَرْبٌ بعد الیوم“فلمّا مات، قالت :یا ابتاه !اجاب رباً دعاه ،یا ابتاه مَنْ جنة الفردوس ماواه ،یا ابتاه الی

---

(۱) صحیح بخاری: جلد ۱ ، کتاب الوضوء، باب(۷۲)” غسل المرئة اباها الدم عن وجهه“ حدیث ۲۴۰. جلد ۴، کتاب فضل الجهاد، باب ”لبس البیضة“ حدیث ۲۷۵۴ ، مترجم:(صحیح بخاری جلد ۴، کتاب فضل الجهاد،باب” المجن ومن تیترس بترس الصحابة“ حدیث ۲۷۴۷ ،باب(۱۶۰)”دواء الجرح باحراق الحصیر“ حدیث ۲۸۷۲ ،باب” ما اصاب النبیّ من الجراح یوم احد“ حدیث ۳۸۴۷. جلد ۵ ،کتاب النکاح، باب(۱۲۲)”ولا یبدین زینتهن الا بعولتهن “حدیث ۴۹۵۰. کتاب الطب، باب” حرق الحصیر لیسدّ به الدم“ حدیث ۵۳۹۰ .)صحیح مسلم جلد۵، کتاب الجهاد، باب(۳۷)” غزوة احد“ حدیث ۱۷۹۰ .

جبرئیل ننعاه؟فلمّا دفن،قالت فاطمة علیها السلام :یا انس! اطابت انفسُکم ان تحثُوا علی رسولَ اللّٰه التراب"

امام بخاری نے انس سے نقل کیا ہے:

جب پیغمبر اسلام کا مرض روز بروز بڑھتا گیا تو حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا (بھی روز بروز زیادہ غمگین وناراحت ہوتی رہیں اور آپ) نے اپنے غم کا اظہار ان جملوں میں کیا: **واکربَ اباه:** ہائے میرے بابا کا غم واندوہ، رسولؐ نے شہزادی کونین حضرت فاطمہ زہراؑ سے کہا: اے بیٹی! آج کے دن کے بعد تیرے باپ کا غم ختم ہو جائے گا۔

انس کہتے ہیں کہ جب رسولؐ نے وفات پائی تو فاطمہ (س) نے یوں نوحہ سرائی کی:

اے میرے وہ بابا کہ جس نے دعوت خدا پر لبیک کہی، اے میرے وہ بابا کہ جس کی جائگاہ جنت الفردوس ہے، اے میرے بابا آپ کی تسلیت کیا جبرئیل کو عرض کروں؟

اور جب رسولؐ کو دفن کیا گیا تو فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا:

اے انس! تم لوگ کیسے راضی ہوئے کہ جسد رسولؐ خاک پر ڈالو۔(۱)

---

(۱) صحیح بخاری جلد۶ ،کتاب المغازی ،باب(۷۸)"مرض النبیؐ و وفاته"حدیث ۴۱۹۳.

۴۔ حسنین علیہما السلام کے فضائل صحیحین کی روشنی میں

۱۔ حسنین علیہما السلام پر صدقہ حرام ہے

,,عن ابی هريرة؛ قال: كان رسولؐ الله يُوتىٰ بالتمر عند صِرام النخل، فيجىء هذا بتمرة ،وهذا من تمره ،حتى يصيرعنده كَوْما من تمر، فجعل الحسنؑ والحسينؑ يلعبان بذالک التمر، فاخذاحدهما تمرة، فجعله في فيه، فنظر اليه رسولؐ اللّٰہؐ،فاخرجها من فيه، فقال: اَمَا عَلِمْتَ اَنّ آلَ مُحَمَّدٍ لايَاْكُلُوْنَ الصَّدَقَةَ؟!"(۱)

امام بخاری نے ابوہریرہ سے نقل کیا ہے:

جب خرموں کے توڑنے اور چننے کا وقت ہو جاتا تھا تو لوگ رسولؐ کے پاس خرمہ زکات کے طور پر لایا کرتے تھے، چنانچہ حسب دستور لوگ چاروں طرف سے آنحضرتؐ کی خدمت میں خرمہ لے کر آئے جن کا ایک ڈھیر ہو گیا، حسنین علیہما السلام ان خرموں کے اطراف میں کھیل رہے تھے، ایک روز ان دونوں شہزادوں میں سے کسی ایک نے ایک خرمہ اٹھا کر اپنے دہن مبارک میں رکھ لیا! جب رسولؐ نے دیکھا تو اس کو شہزادے کے دہن سے باہر نکال دیا اور فرمایا: " اَمـا عَلِـمْـتَ اَنَّ آلَ مُـحَمَّدٍ لايَاْكُلُوْنَ الصَّدَقَةَ"؟ اے میرے لال! کیا تمہیں نہیں معلوم آل محمد پر صدقہ حرام ہے، وہ صدقہ نہیں کھاتے؟!(۲)

---

(۱) بخاری ج۲، کتاب الزکاة ،باب "اخذ صدقه التمر عند صرام النخل" حدیث ۱۴۱۴.

(۲) مترجم: مذکورہ حدیث سے یہ واضح طور پر ثابت جاتا ہے کہ آل محمدؐ پر صدقہ حرام ہے اس کا مفہوم یہ ہوا کہ اصحاب کے لئے جائز ہے گویا حرمت صدقہ آل محمدؐ اور اصحاب کرام کے درمیان حد فاصل ہے، اس حدیث میں امام بخاری نے تھوڑا سا اضافہ کیا ہے وہ یہ کہ "حسنینؑ نے کھجور کو دہن اقدس میں رکھ لیا تب رسولؐ نے منع فرمایا" ایسا نہیں ہے بلکہ حسنین کھانے کے ارادہ سے بظاہر دیکھنے والوں کی نظر میں اٹھا رہے تھے، مگر حقیقت یہ تھی کہ آپ دنیا والوں کی زبان پر اپنی فضیلت زبان رسالت سے سنوانا چاہتے تھے کہ آل محمدؐ اور اصحاب میں زمین و آسمان کا فرق ہے، یعنی آپؐ یہ بتانا چاہتے تھے کہ اے مسلمانو! کبھی آل محمدؐ کے مقابلہ میں اصحاب کا قیاس نہ کرنا: "لايُقـاسُ بـآلِ مـحـمـد(ص) من هذه الاُمَّةِ اَحَدٌ وَ لَايُسوّى بهم مَنْ جَرَتْ نِعَمَتُهم عليه اَبَداً هُم اَساسُ الدِّين وَ عِمادُ اليقين اِليهم يَفِئُ الغَالِي و بهم يُلْحَقُ التَّالِي و لَهُم ⇐

اسی طرح دوسری روایت امام بخاری نے امام حسنؑ سے یوں منسوب کی ہے:

"ان الحسن بن علی اخذ تمر قمن تمر الصدقة،فجعلها فی فیه، فقال النبیؐ: کخ کخ لیطرحها،ثم قال: اما شعرت انا لا ناکل الصدقة".(۱)

ایک مرتبہ امام حسنؑ بن علیؑ نے صدقہ کا خرمہ منھ میں رکھ لیا تو رسولؐ نے فرمایا: نہ،نہ، چنانچہ امام حسنؑ نے خرمہ کو منھ سے باہر نکال دیا اس وقت رسول اسلامؐ نے فرمایا: اے میرے لال! کیا تمھیں نہیں معلوم کہ آل محمدؐ پر صدقہ حرام ہے؟!

۲۔شبیہ رسولؐ یعنی امام حسن وحسینؑ

۱ ...,, عن انس قال:لم یکن احد اشبه بالنبی من الحسن بن علیؑ"(۲)

امام بخاری نے انس بن مالک سے نقل کیا ہے:

امام حسن علیہ السلام رسول خداؐ سے سب سے زیادہ شباہت رکھتے تھے۔

۲. ..."رأیت النبی و کان الحسن یشبه "

دوسری روایت میں امام بخاری نے ابن جحیفہ سے نقل کیا ہے:

⇐ خَصائِص حَقِّ الوِلَایَةِ وَ فِیهِم الوَصِیَّةُ وَ الوِراثَةُ " شرح نهج البلاغه ابن ابی الحدید جلد ۱ صفحه ۳۸ (خطبه نمبر ۲)

ترجمہ: اس امت میں کسی کو آل محمد (علیہم السلام) پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ جن لوگوں پر ان کے احسانات ہمیشہ جاری رہے ہوں، وہ ان کے برابر نہیں ہو سکتے، یہ دین کی بنیاد اور یقین کے ستون ہیں، آگے بڑھ جانے والے کو ان کی طرف پلٹ کر آنا ہے اور پیچھے رہ جانے والے کو ان سے آ کر ملنا ہے، حق ولایت کی خصوصیات انہیں کے لئے ہیں، انہیں کے بارے میں پیغمبر کی وصیت اور انہیں کے لئے نبی کی وراثت ہے۔۱۲

(۱) صحیح بخاری جلد۲، کتاب الزکاة ،باب "مایذکر فی الصدقه للنبیؐ" حدیث ۱۴۲۰ . جلد۴ ،کتاب فضل الجهاد و السیر، باب" من تکلم بالفارسیة"حدیث۲۹۰۷ .

(۲) صحیح بخاری جلد۵، کتاب فضایل الصحابة، باب" مناقب الامام الحسن و الحسینؑ " حدیث ۳۵۴۰،۳۵۴۲.

میں نے رسولؐ کو دیکھا تھا امام حسن آپ سے بالکل مشابہ ہیں۔(۱)

۳...... عن عقبة بن الحارث؛ قال: رأيت ابابكر (رضى الله عنه) وحمل الحسن وهو يقول: بابي شبيه بالنبيؐ ليس شبيه بعلي، وعلي يضحک"(۲)

امام بخاری نے عقبہ ابن حارث سے نقل کیا ہے:

عقبہ بن حارث کہتے ہیں: ایک روز میں نے دیکھا کہ ابو بکر امام حسنؑ کو کاندھے پر بٹھائے ہوئے جا رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں:

میرا باپ قربان ہو جائے آپ پر (اے حسنؑ) آپ شبیہ رسول ہیں نہ کہ شبیہ علی (علیہ السلام) اور علیؑ اس (قضیہ) کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

۴...... ,,عن انس بن مالک؛ اُتِيَ عبيد الله بن زياد براس الحسينؑ بن علی عليه السلام، فجُعِلَ في طشت، فجعل يَنْكُتُ، وقال في حسنه شيئاً، فقال انس: كا ن اشبههم برسولؐ الله وكان مخضوباً بالوسمه"(۳)

امام بخاری نے انس بن مالک سے نقل کیا ہے:

جب امام حسین علیہ السلام کا سر اقدس جو وسمہ سے مخضوب تھا، عبید اللہ بن زیاد علیہ اللعنۃ الدائمہ کے پاس لایا گیا، تو آپ کے سر اقدس کو ایک طشت میں رکھا گیا، ابن زیاد سر کے ساتھ بے احترامی (سر پر لکڑی مار رہا تھا) کر رہا تھا اور آپؑ کے حسن و زیبائی کے بارے میں کچھ کہتا جاتا تھا۔ انس بن مالک یہ بات نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں: جبکہ امام حسین علیہ السلام سب سے زیادہ رسول اسلامؐ سے شباہت رکھتے تھے۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد۴، کتاب المناقب، باب" صفة النبی"حدیث ۳۳۴۹، ۳۳۵۰.

(۲) صحیح بخاری جلد۵، کتاب فضایل الصحابة، باب "مناقب الامام الحسن و الحسینؑ" جلد۴، کتاب المناقب، باب" صفة النبی"۳۵۴۲، ۳۳۵۰.

(۳) صحیح بخاری جلد۵، کتاب الفضایل الصحابة، باب "مناقب الحسن و الحسینؑ "حدیث۳۵۳۸ .

۳۔ حسنین علیہما السلام کے ساتھ آنحضرتؐ کا بیحد محبت کرنا

"...... عن ابی هريرة، قبل رسول الله الحسن بن علی، وعنده الاقرع بن حابس التميمی جالساً، فقال الاقرع: ان لی عشرة من الولد، ماقبلت منهم احداً، فنظر رسول الله، ثم قال: من لا يرحم لا يرحم"(۱)

امام بخاری نے ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے:

ایک مرتبہ رسول خداؐ امام حسن علیہ السلام کے بوسے لے رہے تھے، اس وقت آپ کے پاس اقرع بن حابس بھی تھا، اس نے کہا: یا رسولؐ اللہ! میں دس فرزند رکھتا ہوں لیکن ابھی تک میں نے کسی کا بوسہ نہیں لیا، رسولؐ نے فرمایا: جس کے دل میں (فرزند کی) مہر و محبت نہ ہو وہ خدا کی رحمت سے دور رہے گا۔

عرض مؤلف

اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے بھی مسند میں نقل کیا ہے لیکن امام حسنؑ کی جگہ امام حسین بن علی علیہ السلام کا نام ذکر کیا ہے۔(۲) (۳)

۴۔ حسنین علیہما السلام ریحانۂ رسولؐ ہیں

"... عن ابن ابی نعيم، قال: كنت شاهداً لابن عمر، وسأله رجل عن دم البعوض، فقال: ممن انت؟ فقال: من اهل العراق، قال: انظروا الى هذا يسألنی

(۱) صحيح بخاری جلد۸، كتاب الادب، باب(۱۷)" رحمة الولد و تقبيله و معا نقته "حديث ۵۶۵۱.

(۲) مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ،مسند ابو هريرة، ص ۲۴۱ .

(۳) مترجم: ایک جگہ امام بخاری نے اس طرح نقل کیا ہے: آنحضرتؐ نے فرمایا: اللّٰھم انی اُحبّہ فاَحبّہ، اے خدا! تو حسنؑ کو دوست رکھ کیونکہ میں اس کو دوست رکھتا ہوں۔

صحيح بخاری جلد ۳ ،كتاب الفضايل الصحابة ،باب "مناقب حسنؑ حسين "حديث ۳۵۳۹، ۳۵۳۷،باب "ذكر اسامة بن زيد" حديث ۳۵۲۸.

عن دم البعوض وقد قتلوا ابن النبیؐ؟وسمعت النبیؐ یقول:هما ریحانتا ی من الدنیا".

امام بخاری نے ابن ابونعیم سے نقل کیا ہے:

میں عبداللہ بن عمر کی مجلس میں تھا کہ کسی نے عبداللہ ابن عمر سے مچھر کے خون کے بارے میں سوال کیا،عبداللہ بن عمر نے کہا تو کہاں کا رہنے والا ہے؟ اس نے کہا عراق کا رہنے والا ہوں،اس وقت عبداللہ ابن عمر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے: اے لوگو! اس شخص کو ذرا دیکھو، مجھ سے مچھر کے خون کے بارے میں سوال کرتا ہے حالانکہ یہ لوگ فرزند رسولؐ امام حسینؑ کا خون ناحق بہا چکے ہیں؟! اس کے بعد عبداللہ ابن عمر نے کہا: میں نے رسولؐ سے سنا تھا کہ آپؐ نے فرمایا میرے یہ دونوں بیٹے ''حسن وحسین ریحانتای من الدنیا'' اس دنیا میں میرے پھول ہیں۔(۱)

۵۔حسنینؑ کے لئے دعائے رسولؐ

" ...... عن ابن عباس ؛قال: کان النبیؐ یعوذ الحسن والحسین، ویقول: ان اباکما کان یعوذ بھا اسماعیلؑ و اسحاق، اعوذ بکلمات اللّٰہ التامّة من کل شیطان وھامّة ومن کل عین لامّة "(۲)

امام بخاری نے ابن عباس سے نقل کیا ہے:

رسولؐ نے امام حسنؑ وامام حسینؑ کے بارے میں مخصوص دعا کا تعویذ بنایا اور فرمایا: تمہارے جد ابراہیم نے اپنے دونوں فرزند اسمٰعیل واسحاق کے لئے اسی دعا کا تعویذ بنایا تھا:

,,اعوذ بکلمات اللّٰہ التا مّة من کل شیطان و ھامّة و من کل عین لامّة"

(۱) صحیح بخاری جلد۸ ،کتاب الادب ،باب "رحمة الولد و تقبیله" حدیث۵۶۴۸ .

مترجم:(صحیح بخاری ج۳ ،کتاب الفضایل الصحابة، باب(۲۴)"مناقب الحسن والحسین" ح۳۵۴۳.)

(۲) صحیح بخاری جلد۲ ،کتاب الانبیاء، باب "(سورۂ صٰفٰت آیت ۹۴)یزفون النسلان" حدیث ۳۱۹۱.

۶۔ اے خدا! جو حسنؑ کو دوست رکھے تو اسے دوست رکھ

,, ...عن ابی هریرة ؛ قال: خرج النبیؐ فی طائفة النهار، لا یکلمنی ولا اکلمه، حتی اتی سوق بنی قینقاع، فجلس بفناء بیت فاطمة(س)، فقال: اثم لکع اثم لکع؟ فحبسته شیئاً، فظننتُ انها تلبسه سخاباً او تغسله، فجاء یشتد حتی عانقه، وقبله، وقال: اللّٰهم احببه واحبب من یحبه"(۱)

امام بخاری نے ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے:

ایک روز رسولؐ خدا اپنے گھر سے بالکل خاموش باہر نکلے، یہاں تک کہ بازار بنی قینقاع تشریف لائے اور یہاں سے پلٹ کر شہزادی کونین حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے خانۂ اطہر کے دروازے پر تشریف فرما ہوئے اور اپنے فرزند امام حسن علیہ السلام کو ان لفظوں میں بلانے لگے: کیا لکع یہاں ہے؟ کیا لکع یہاں ہے؟(۲)

ابو ہریرہ کہتے ہیں: جب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے تاخیر کی تو میں نے سوچا کہ شاید آپ نے بچہ کو نظافت کی وجہ سے روک رکھا ہے، اس کے بعد جب امام حسن علیہ السلام باہر تشریف لائے تو رسولؐ نے شہزادے سے معانقہ کیا اور بوسہ لیا اور اس کے بعد دعا کی:

''اے میرے پروردگار! اس کو دوست رکھ اور جو اس کو دوست رکھے اسے دوست رکھ''

قارئین محترم! یہ تھیں چند وہ آیات واحادیث جو صحیحین میں اہل بیت علیہم السلام کی شان میں نقل کی گئیں ہیں، انھیں چند صفحات کا دقت سے مطالعہ کرنے سے پتہ چل جاتا ہے کہ مسئلۂ خلافت ایسا مسئلہ نہ تھا کہ رسولؐ فراموش کردیتے اور مسلمانوں کے درمیان اس منصب کے لائق اور حقیقی خلفاء کی نشان دہی نہ کرتے،

---

(۱) صحیح بخاری جلد۳، کتاب البیوع، باب(۴۹)" ماذکر فی الاسواق" حدیث۲۰۱۶. جلد ۷، کتاب اللباس، باب(۵۸)" السِخَاب للصبیان" حدیث۵۵۴۵، صحیح مسلم جلد ۷، کتاب فضایل الصحابة، باب(۸)"فضائل الحسن و الحسین علیهما السلام" حدیث۲۴۲۱. (معانقہ کے جملے صحیح مسلم میں آئے ہیں صحیح بخاری میں نہیں۔ مترجم)

(۲) نوٹ: لکع بمعنی چھوٹا بچہ استعمال کیا جاتا ہے، دیکھئے: نہایہ ابن اثیر۔

بلکہ یہ وہ مسئلہ تھا جسے رسولؐ نے ہر جگہ بیان کرنا ضروری سمجھا اور متعدد موارد پر اپنے حقیقی خلفاء کا اعلان فرمایا۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ ہم نے جو صحیحین سے اہل بیتؑ کے فضائل نقل کئے ہیں، یہ صحیحین میں ان کے فضائل کے انبار کے مقابلہ میں جو رسول خداؐ سے منقول ہیں اور جو سنیوں کی دیگر معتبر کتب احادیث و تواریخ میں موجود ہیں، ایک تنکے سے بھی کم ہیں، بہر حال اب ہم ان مطالب اور احادیث کو نقل کرتے ہیں، جنھیں خلفائے ثلاثہ سے متعلق ان دو کتابوں میں نقل کیا گیا ہے، لیکن اس سے قبل مولائے متقیان حضرت علی علیہ السلام کا ایک خطبہ نقل کر دیں جو آپ نے امامت، خلافت اور حکومت کے بارے میں بیان کیا ہے اور نشان دہی فرمائی ہے کہ جو امت کا حاکم ہو اس کے لئے کون سے شرائط لازمی ہیں۔(۱)

(۱) اگر آپ اس خطبہ کی روشنی میں خلفائے ثلاثہ کی زندگی کو دیکھیں تو پھر آپ کو اس بات کے تسلیم کرنے میں کسی طرح کی شرم اور جھجک محسوس نہ ہوگی کہ منصب خلافت کے واحد حقدار حضرت علی ابن ابی طالبؑ تھے۔ مترجم۔

حاکم؛ حضرت علی علیہ السلام کی نظر میں

شرائط امامت

۱. اَللّٰهم اِنّي اول من اناب، وسمع و اجاب، لم يسبقني الارسولُ اللّٰه بالصلٰوة، وقد علمتم انّه لاينبغي ان يكون الوالي على الفروج،والدماء، والمغانم والاحكام،وامامة المسلمين اَلْبخيلُ، فتكون في اموالهم نَهْمَتُه، ولاالجاهل فيُضِلَّهُمْ بجهله، ولاالجافي فيَقْطَعُهم بجفائه، ولاالحائِفُ للدول،فيتخِذَ قوماً دون قوم، ولا المُرتشِي في الحكم فيذهب بالحقوق،ويَقِفَ بهادون المَقاطِعَ ولاالمُعَطِّلُ للسنة فيُهْلِكُ الاُمَّةَ "(۱)

اے اللہ! میں پہلا شخص ہوں جس نے تیری طرف رجوع کیا اور تیرے حکم کو سن کر لبیک کہی، رسول اکرمؐ کے علاوہ کسی نے بھی نماز پڑھنے میں مجھ پر سبقت نہیں کی، اے لوگو! تمہیں یہ معلوم ہے کہ ناموس، خون، مال غنیمت، نفاذِ احکام اور مسلمانوں کی پیشوائی کے لئے کسی طرح مناسب نہیں کہ کوئی بخیل حاکم ہو، کیونکہ اگر ایسا ہوگا تو اس کے دانت مسلمانوں کے مال پر لگے رہیں گے اور نہ کوئی جاہل ہو کہ وہ انہیں اپنی جہالت کی وجہ سے گمراہ کردے گا، نہ کوئی کج خلق ہو کہ وہ اپنی تندمزاجی سے چر کے لگا تا رہے گا اور اپنے اور لوگوں کے درمیان فاصلہ کردے گا، نہ کوئی مال و دولت میں بے راہ روی کرنے والا (ظالم) کہ وہ کچھ لوگوں کو دے گا اور کچھ کو محروم کردے گا، نہ فیصلہ کرنے میں رشوت لینے والا کہ وہ دوسروں کے حقوق کو رائگاں کردے گا اور انہیں انجام تک نہ پہنچائے گا اور نہ کوئی سنت کو بیکار کردینے والا کہ وہ امت کو تباہ و برباد اور ضائع کردے گا۔

اس خطبہ میں مولا علی علیہ السلام نے اس شخص کے لئے جو مسلمانوں کی امامت و سرپرستی اور ان کے درمیان قوانین اسلام نافذ کرنا چاہتا ہے، جنگ وصلح کے احکام صادر کرنا چاہتا ہے اور مسلمانوں کے درمیان احکام خدا کی تبیین وتوضیح کرنا چاہتا ہے چھ بنیادی شرائط بتلائے ہیں:

(۱) شرح نهج البلاغه ابن ابی الحدید معتزلی ،جلد ۸ ،صفحه ۲۶۳، خطبه نمبر ۱۳۱.

۱۔امام اور حاکم ،بخیل نہ ہو کہ وہ لوگوں کے مال وثروت میں ہمیشہ لالچ کی نظر جمائے رکھے گا،(اورامت اسلام پر مال ودولت خرچ کرنے کے بجائے خود ہی دولت جمع کرنے کی فکر میں مبتلا رہے گا)۔

۲۔امام اور حاکم ،اسلام کے تمام جزئیات اور قوانین کا بحد کافی علم رکھتا ہو۔

۳۔حاکم ،اخلاق حسنہ رکھتا ہو اور غصہ وخشونت سے دور ہو۔

۴۔حاکم ،ظالم وستمگر نہ ہو کہ دوسرے کے حق کو پائمال کردے۔

۵۔حاکم اور امام رشوت خور نہ ہو۔

۶۔امام ،قوانین اسلام اور قرآن کے نافذ کرنے سے گریز نہ کرے، بلکہ وہ ہمیشہ قوانین الٰہی کو نافذ اور ان کی حفاظت کرے۔

یہ ہیں اسلامی حکومت کی باگ ڈور سنبھانے والے حاکم کے چند شرائط ،لیکن مسلمانوں کی صحیح ،معتبر اور مہم ترین کتابیں یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کہتی ہیں کہ خلفائے ثلاثہ مذکورہ شرائط(حسن اخلاق، علم وآ گاہی......) سے عاری اور خالی ہی نہیں بلکہ وہ ان شرائط کے مقابل متضاد صفات کے حامل تھے!!(۱) چنانچہ اس بات کے ثبوت کے لئے ہم چند نمونے کتب صحیحین سے پیش کرتے ہیں ،جنھیں علمائے اہل سنت اپنے دین کا مدرک و ماخذ سمجھتے ہیں ،(اوران میں نوشتہ احادیث کوقرآن کی آیت کے مساوی مانتے ہیں) کیونکہ ہم نے اپنی بحث کا مدرک انھیں دو کتابوں کو بنایا ہے،وگرنہ اس بارے میں کتب تواریخ وحدیث میں بہت زیادہ مطالب موجود ہیں ،جن کا نقل کرنا ہمارے موضوع سے متعلق نہیں ہے۔

(۱) اے فرزندانِ توحید!اے سواداعظم !کیا یہ افسوس کا مقام نہیں کہ مذکورہ تمام اوصاف وشرائط خلفائے ثلاثہ میں نہ ہونے کے باوجود آپ حضرات آج تلک انھیں ان کی کارکردگی پر داد تحسین دے رہے ہیں؟!مترجم.

۱۔ حاکم کا صاحب حسن اخلاق ہونا ضروری ہے

"ولا الجافی فیقطعهم بجفائه" (قول حضرت علی علیه السلام)

اور امام کو کج خلق اور تندمزاج نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی کج خلقی اور تندمزاجی سے لوگوں کو ہمیشہ اپنے پاس سے بھگاتا رہے (کیونکہ اس طرح اسلامی احکام صحیح طریقے سے نافذ نہ ہوسکیں گے)''

محترم قارئین! جیسا کہ ہم نے گزشتہ فصلوں میں نقل کیا کہ ایک رہبر اور ہادیٔ امت کیلئے ضروری ہے کہ وہ نرم دل اور حسن اخلاق رکھتا ہو، تندخو اور غصہ ور شخص کیلئے منصب امامت سازگار نہیں، لیکن صحیحین کی بعض احادیث اور سنیوں کی دیگر معتبر کتابوں کے مطابق خلفائے ثلاثہ ان صفات سے بے بہرہ تھے چنانچہ اس کے دونمونے ذیل میں نقل کرتے ہیں:

۱. ......عن ابی ملیکة؛ قال کاد الخیران ان تهلکا ابو بکر وعمر ،لما قدم علی النبی وفد بنی تمیم، اشار احدهما با لاقرع بن حابس الحنظلی اخی بنی مجاشع، واشارالآخر بغیره ،فقال ابوبکر لعمر: انما اردت خلافی؟فقال عمر:ما اردت خلافک، فارتفعت اصواتهما عند النبیؐ، فنزلت الآیه:﴿یا اَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَاتَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ...... ﴾ (۱)

امام بخاری نے ابن ابی ملیکہ سے نقل کیا ہے:

نزدیک تھا کہ ایک واقعہ میں وہ دونیک مرد (ابوبکر وعمر) ہلاک ہوجاتے، جب بنی تمیم کا ایک وفد رسولؐ کی خدمت بابرکت میں مشرف ہوا تو ان دونوں (ابوبکر وعمر) میں سے ایک نے اقرع بن حابس حنظلی برادر بنی مجاشع کو اس قبیلہ کا سرپرست ظاہر کردیا اور دوسرے نے کسی اور شخص کی سفارش کی، اس پر ابوبکر نے عمر سے کہا: تو نے اس کام میں میری مخالفت کی ہے؟

---

(۱) صحیح بخاری: جلد ۹، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب(۴) " ما یکره من التعمق والتنازع والغلو فی الدین والبدع"حدیث ۶۸۷۲. جلد۵، کتاب المغازی، باب وفد بنی تمیم حدیث ۴۱۰۹. جلد ۴، کتاب التفسیر سورۂ حجرات ،باب" تفسیر آیه" " لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی...... "(آیت ۲) حدیث ۴۵۶۵، ۴۵۶۶.

عمر نے کہا: میں اس امر میں تیری مخالفت کرنے کا قصد نہیں رکھتا تھا، بالآخر جب دونوں کے درمیان تو تو، میں میں، ہوئی اور ایک شور و ہنگامہ ہونے لگا (اور رسولؐ کی موجودگی کا کسی کو خیال نہ رہا، لہٰذا جب خداوند عالم نے اس بدتمیزی اور بدتہذیبی کو دیکھا) تو یہ آیت نازل فرمائی:

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾(۱)

اے ایماندارو! بولنے میں تم اپنی آوازیں رسولؐ کی آواز پر بلند مت کیا کرو اور جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے زور زور بولا کرتے ہو ان (رسولؐ) کے روبرو زور سے نہ بولا کرو، ایسا نہ ہو کہ تمہارے سارے اعمال حبط (ختم) ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

ابن حجر نے فتح الباری (شرح البخاری) میں قلمبند کیا ہے: قبیلۂ بنی تمیم کے وفد کا آنا اور یہ واقعہ پیش آنا ہجرت کے نویں سال میں تھا۔(۲)

عرض مؤلف

مذکورہ حدیث مسند احمد ابن حنبل میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔(۳)

مذکورہ حدیث کے مضمون اور بنی تمیم کے وفد کے مدینہ آمد کی تاریخ میں غور کرنے سے ایک سوال جو ابھرتا ہے وہ یہ ہے کہ جو افراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بیس سال سے زندگی گزار رہے تھے، وہ نبی کے ساتھ رہ کر تہذیب یافتہ کیوں نہ ہوئے؟! آخر ان کو احترام رسالت کا خیال کیوں نہ تھا؟! یہ لوگ کیوں نبیؐ

(۱) حجرات، آیت ۲، پ ۲۶.

(۲) فتح الباری ج ۱۰، کتاب الطب، باب ان البیان سحرا، ص ۲۱۲.

(۳) مسند ج ۴، حدیث عبد اللہ ابن زبیر، ص ۶.

کے سامنے اس قدر ہلڑ ہنگامہ کرتے تھے کہ خدا کو ان کی تہدید اور تنبیہ کے لئے آیت نازل کرنا پڑی؟!(۱) بتایئے ایسے افراد کیا جانشین نبی، عظیم الشان قائد، اسلامی رہبر اور مقام خلافت کے حقدار ہو سکتے ہیں؟! ہرگز نہیں۔

۲. ......سعد بن ابی وقاص؛ قال: استأذن عمر علی رسولؐ اللہ، وعندہ نسآء من قریش، یُکَلِّمْنَہُ و یَسْتَکْثِرْنَہُ عالیۃ اصواتھن، فلما استأذن عمر، قمن یبتدرن الحجاب، فأذن لہ رسولؐ اللہ، ورسولؐ اللہ یضحک، فقال عمر: اضحک اللہ سنک یا رسولؐ اللہ! قال: عجبت من ھٰؤلاء الّاتی کن عندی، فلما سمعن صوتک، ابتدرن الحجاب، قال عمر: فانت یا رسولؐ اللہ! کنت احق ان یھبن، ثم قال: ای عدوات انفسھن! اتھبنی ولا تھبن رسولؐ اللہ؟ قلن انت افظ واغلظ من رسولؐ اللہ.(۲)

سعد بن ابی وقاص سے بخاری نے نقل کیا ہے:

ایک مرتبہ عمر نے رسول کی خدمت میں شرفیاب ہونے کی درخواست کی اس وقت بعض زنان قریش رسولؐ کی خدمت میں باتیں کر رہی تھیں اور زیادہ تیز آواز میں رسولؐ سے سوال و جواب کر رہی تھیں، لیکن جب عمر نے چاہا کہ خدمت رسولؐ میں حاضر ہوں تو قریش کی یہ سب عورتیں گھر کے ایک گوشے میں پوشیدہ ہوگئیں۔

رسولؐ اس ماجرا کو دیکھ کر مسکرانے لگے اور تبسم کی حالت میں عمر کو گھر میں وارد ہونے کا اذن دیا، عمر نے کہا: یارسول اللہ! اللہ آپ کو ہمیشہ خوشحال رکھے یہ مسکرانے کا کیا مطلب ہے؟!

---

(۱) نوٹ: یہ تمام باتیں اس بات کا اشارہ کرتی ہیں کہ حقیقتاً یہ ان افراد میں سے تھے جن کے لئے قرآن نے سورۂ منافقون میں ارشاد فرمایا: ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ آمَنَّا قُوْلُوْا لَمْ تُوْمِنُوْا وَلَاکِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ......﴾ (سورہ حجرات آیت ۱۴) یعنی ظاہری طور پر ان کے چہروں پر اسلامی نقاب تھی ورنہ اسلام تو ان کے دلوں میں داخل بھی نہ ہوا تھا۔ مترجم.

(۲) صحیح بخاری: جلد ۴، کتاب بدء الخلق، باب (۱۱) "صفۃ ابلیس وجنودہ" حدیث ۳۱۲۰. جلد ۵، کتاب فضایل الصحابۃ، باب "مناقب عمر بن الخطاب" حدیث ۳۴۳۸. جلد ۸، کتاب الادب، باب "التبسم والضحک" حدیث ۵۷۳۵.

رسولؐ نے فرمایا: مجھے اس امر نے تعجب میں ڈال دیا ہے کہ جب ان قریش کی عورتوں نے تیری آواز سنی تو سب متفرق ہوگئیں اور گوشہ میں پوشیدہ ہوگئیں!

عمر نے کہا: یارسول اللہ! ان کو آپ سے ڈرنا چاہیئے نہ کہ مجھ سے، اس وقت ان عورتوں سے مخاطب ہوکر بولے: اے اپنے وجود کی دشمنو! تم مجھ سے ڈرتی ہو اور رسولؐ سے نہیں؟

عورتوں نے اس کے جواب میں کہا: ہاں ہم لوگ آپ سے ڈرتے ہیں لیکن رسولؐ سے نہیں، کیونکہ آپ رسولؐ کی بنسبت بڑے بدمزاج، غصہ ور اور تندخو آدمی ہیں۔ **"قلن انت افظ و اغلظ من رسول اللہ"**

عرض مؤلف

خلیفہ دوم کی سخت مزاجی اور بداخلاقی کے بارے میں کتب احادیث میں بہت سارے واقعات قلمبند کئے گئے ہیں بعض کتابوں میں آیا ہے: جب حضرت عمر غصہ ہوتے تھے تو بعض اوقات ان کا غصہ اس وقت تک ختم نہ ہوتا جب تک کہ اپنے ہی دانتوں سے اپنا ہاتھ چبا کر زخمی نہ کرلیا کرتے تھے! (یہ حالت میرے خیال سے اس وقت ہوتی ہوگی جب انھیں غصہ اتارنے کے لئے کوئی ملتا نہ ہوگا......) زبیر بن بکار اس مطلب کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں: ہاتھ کو دانتوں سے چبانے والا واقعہ اس وقت بھی پیش آیا جب آپ کے کسی فرزند کی شکایت کوئی کنیز آپ کے پاس لائی، اس وقت بھی خلیفہ صاحب نے اپنا ہاتھ چبالیا تھا!!

اس کے بعد ابن بکار کہتے ہیں: خلیفہ کی اسی تند مزاجی کی وجہ سے ابن عباس "مسئلہ عول" کی مخالفت میں حق بات کے اظہار سے خاموش رہے اور جب خلیفہ دوم کی موت واقع ہوگئی تب آپ نے اس حقیقت کا اظہار کیا، لوگوں نے ابن عباس سے کہا: آپ نے اس حقیقت کو خلیفہ دوم کے سامنے کیوں نہ ظاہر کیا؟ آپ نے فرمایا: میں اس سے ڈرتا تھا، کیونکہ وہ ایک خوف ناک اور غصہ ور حاکم تھا۔(۱)

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۶، خطبہ ۸۳ کے ذیل میں صفحہ ۲۸۰۔

۲۔ حاکم کو احکام الٰہیہ سے آگاہ ہونا چاہیئے

,,وَلَا الْجَاهِلُ فَيُضِلُّهُمْ بِجَهْلِهِ"((فرمان امام علی علیه السلام))

حاکم اور امام کو جاہل نہیں ہونا چاہیئے ، کیونکہ اگر جاہل ہوگا تو وہ اپنے جہل کی بنا پر لوگوں کو گمراہ کردے گا۔

حاکم اورامام کے لئے جہاں اوردیگر شرائط ضروری ہیں،ان میں سے ایک شرط یہ بھی لازم ہے کہ وہ احکام اورقوانین الٰہیہ سے آگاہ اور آشنا ہو،چنانچہ اگر حاکم اسلامی قوانین اوراحکام کے تمام جزئیات وجوانب سے واقف نہ ہو اور ضرورت کے وقت ایرے غیرے سے دریافت کرنے کامحتاج ہواور اسلامی احکام کوفلاں ڈھکاں سے معلوم کرے گا،توایسا شخص منصبِ خلافت کے لائق نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ غلط اورخلاف واقع احکام کوصادر کرکے لوگوں کو گمراہی وضلالت میں مبتلا کردے گایا پھرلوگوں کوشک وتردید میں ڈال دے گا۔

لیکن کتب تواریخ واحادیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے: خلفائے ثلاثہ جواسلامی حاکم تھے، یہ لوگ اسلامی احکام کی کچھ اطلاع نہیں رکھتے تھے! اور اسلامی احکام اور دینی مسائل دریافت کرنے کی غرض سے دوسروں کے دروازوں پر دستک دیتے تھے،اسی وجہ سے بسااوقات یہ حضرات متضاد اور عجیب و غریب،خلاف واقع فتاویٰ صادر کردیتے تھے۔

(یہاں تک کہ مدینہ کی عورتیں تک ان پراعتراض کردیتی تھیں!) چنانچہ حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام نے جب یہ دیکھا تو ایک خطبہ ارشادفرمایا،جس میں آپ نے ان حکام کی تصویرکشی کی جو بغیر علم کے حکومت کرتے ہیں۔

,,ترد علی احدهم القضيةُ في حكم من الاحكام فيحكم فيها برايه، ثم ترد تلک القضيةبعينها علی غيره فيحكم فيها بخلاف قوله، ثم يجتمع القضاة بذالک عند الامام الذی استقضاهم، فيصوّب آرائهم جميعاً، و اِلٰهُهُمْ واحدٌ او نبيهم واحد او كتابهم واحد"!افامر هم اللّٰه تعالی بالاختلاف فاطاعوه! ام نهاهم عنه فعَصَوْه! ام انزل اللّٰه تعالی ديناً ناقصاً فاستعان بهم علی اتمامه !ام كانوا

شرکاء لہ ،فلھم ان یقولوا ،و علیہ ان یرضیٰ؟ ام انزل اللّٰہ تعالی دیناً تاماً فقصّر الرسولؐ عن تبلیغہ و ادائہ؟ واللّٰہ سبحانہ یقول: ﴿مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیءٍ......﴾ (۱) وفیہ تبیان کل شیء"(۲)

جب ان میں کسی ایک کے سامنے کوئی معاملہ فیصلہ کے لئے پیش ہوتا ہے تو وہ اپنی رائے سے اس کا حکم لگا دیتا ہے، پھر وہی مسئلہ بعینہٖ دوسرے کے سامنے پیش ہوتا ہے تو وہ اس پہلے حکم کے خلاف حکم دیتا ہے، پھر یہ تمام کے تمام قاضی اپنے اس خلیفہ (حاکم) کے پاس جمع ہوتے ہیں جس نے انھیں قاضی بنا رکھا ہے، تو وہ سب کی رائے کو صحیح قرار دیدیتا ہے! حالانکہ ان کا اللہ ایک، نبی ایک اور کتاب ایک ہے ،انہیں غور تو کرنا چاہیئے! کیا اللہ نے انہیں اختلاف کا حکم دیا تھا اور یہ اختلاف کر کے اس کا حکم بجا لاتے ہیں؟ یا اس نے تو حقیقتاً اختلاف سے منع کیا ہے اور وہ اختلاف کر کے عمداً اس کی نافرمانی کرنا چاہتے ہیں؟ یا یہ کہ اللہ نے دین کو ادھورا چھوڑا تھا اور ان سے تکمیل کے لئے ہاتھ بٹانے کا خواہش مند ہوا؟ یا یہ اللہ کے شریک تھے کہ انہیں اس کے احکام میں دخل دینے کا حق ہو اور اس پر لازم ہو کہ وہ اس پر رضامند رہے؟ یا یہ کہ اللہ نے تو دین کو مکمل اتارا تھا، مگر اس کے رسولؐ نے اس کے پہنچانے اور ادا کرنے میں کوتاہی کی تھی، حالانکہ اللہ نے قرآن میں یہ فرمایا ہے: ﴿ہم نے کتاب میں کسی چیز کے بیان کرنے میں کوتاہی نہیں کی﴾ اور اس میں ہر چیز کا واضح بیان ہے۔(۳)

قارئین محترم! اب ہم خلفائے ثلاثہ کے چند شواہد پیش کرتے ہیں، جنہوں نے متعدد مقامات پر الٹے سیدھے اور خلافِ واقع حکم اور فتوے صادر فرمائے، جو قرآن و حدیث کے صریحاً مخالف تھے، جس کی وجہ سے حضرت امیر المومنینؑ نے اس رویہ کو اپنی محکم اور مضبوط دلیل و برہان کے ذریعہ ہدف تنقید قرار دیا، چنانچہ اس بارے میں اہل سنت کی معتبر کتابوں میں کثرت کے ساتھ شواہد پائے جاتے ہیں، ہم صرف اس جگہ گیارہ عدد مقامات صحیحین سے نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

---

(۱) انعام، آیت ۳۸، پ ۷ .

(۲) شرح نھج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱ ،ص ۲۸۸ ،خطبہ ۱۸ .

(۳) یہ جملہ قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ کرتا ہے: و نزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیءٍ .سورۂ نحل، آیت ۸۹، پ ۱۴ .مترجم.

ا۔ حضرت عمر نے حکم تیمّم کی صریحاً خلاف ورزی کی!!

قرآن مجید کی صریح آیت اور رسول اسلامؐ کا واضح دستور اس بارے میں موجود ہے کہ جب انسان (مثلاً) مجنب ہو جائے اور پانی کا حاصل کرنا ممکن نہ ہو، یا پانی کا استعمال ضرر رساں ہو، تو ان مقامات پر انسان کے اوپر واجب ہے کہ وہ تیمّم کر کے اپنی عبادت بجالائے جب تک کہ عذر زائل نہ ہو جائے، لیکن جب یہ قضیہ عمر کے سامنے پیش کیا گیا تو بجائے اس کے کہ آپ اس صورت میں حکمِ تیمّم بیان کرتے جو قرآن وحدیث شریف میں صراحت کے ساتھ وارد ہوا ہے، آپ نے فوراً **"لَاتُصَلِّ"** کا علی الاعلان حکم صادر فرما دیا یعنی نماز نہ پڑھے!!! اتفاقاً عمار یاسر اس وقت موجود تھے لہٰذا آپ نے خلیفۂ وقت پر اعتراض کیا اور فرمایا: ایسی صورت میں تیمّم کر کے انسان اپنی عبادت بجالائے گا اور یہ بات روایاتِ نبوی سے ثابت ہے، لیکن خلیفہ صاحب کو عمار یاسر کی بات پر اطمینان نہ ہوا اور الٹے عمار یاسر کو تہدید کرنے لگے! (الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے) جس کی وجہ سے عمار یاسر کو یہ کہنا پڑا کہ اگر خلیفہ صاحب مصلحت نہیں سمجھتے تو میں اپنی بات واپس لیتا ہوں!! ہم اس جگہ اس بارے میں دو عدد روایتیں مع ترجمہ و متن نقل کرتے ہیں:

ا۔ سعید بن عبدالرحمان عن ابیه، ان رجلااتی عمر، فقال: انی اجنبت فلم اجد ماءً، فقال: لا تصل، فقال عمار: اما تذکر یا امیرالمؤمنین! اذاانا وانت فی سریة فاجنبنا فلم نجد ماءً فاما انت فلم تصل، واما انا فتمعکت فی التراب وصلیت، فقال النبیؐ انما یکفیک ان تضرب بیدیک الارض ثم تنفخ، ثم تمسح بهماوجهک وکفیک؟ فقال عمر: اتق اللّٰه یا عمار! فقال ان شئت لم احدث به!!

سعید بن عبدالرحمٰن اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں:

ایک مرد عمر کے پاس آیا اور سوال کیا: میں مجنب ہو گیا ہوں اور پانی دستیاب نہیں ہے بتایئے اس حالت میں کیا کروں؟ عمر نے کہا: نماز مت پڑھو! (اتفاقاً) عمار یاسر اس وقت موجود تھے، انھوں نے کہا: اے امیرالمؤمنین! کیا آپ کو یاد نہیں کہ ہم اور آپ کسی جنگ میں تھے اور مجنب ہو گئے اور کسی جگہ پانی نہ ملا، تو آپ نے نماز نہیں پڑھی، لیکن میں نے مٹی میں لوٹ پوٹ کر نماز کو انجام دیا،

جب رسول خداؐ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو فرمایا: اسی اندازہ بھر کافی ہے کہ تیمّم کی غرض سے (نماز کیلئے) دونوں ہاتھوں کو زمین پر مارو اور خاک کے ذرات کو بر طرف کر کے (ہاتھوں کو جھاڑ کے) دونوں ہاتھوں کو چہرے پر پھیر لو اور پھر اپنے ہاتھوں کے اوپر مسح کر لو؟ عمر نے کہا: اے عمار! خدا سے ڈرو! عمار نے کہا: آپ اگر چاہیں تو میں اس واقعہ کو نقل نہ کروں؟!!(۱)

عرض مؤلف

مذکورہ روایت صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں منقول ہے، لیکن امام بخاری نے اپنے شدید تعصب کی بنا پر اس روایت میں کاٹ چھانٹ فرمادی ہے جیسا کہ ہم نے جلد اول میں اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ اس روایت میں حضرت عمر کا جواب (لا تصل) کو حذف کردیا ہے:

۲...... عن شقيق ابن سلمة؛ قال: كنت عند عبدالله بن مسعود وابى موسى الاشعرى، فقال له ابو موسى: يا اباعبد الرحمان! اذا اجنب المكلف فلم يجد ماءً كيف يصنع ؟قال عبد الله: لا يُصَلّي حتى يجد الماء، فقال ابو موسىٰ: فكيف تصنع بقول عمارحين قال له النبيؐ" كان يكفيك ......؟قال: الم ترعمرلم يقنع بذالك؟ فقال ابو موسى: دعنا من قول عمار، فما تصنع بهٰذه الآية ؟:و تلى عليه آية الما ئدة: قال: فمادرى عبد الله ما يقول ......

---

(۱) صحيح مسلم جلد ۱، كتا ب الحيض، باب"التيمم"حديث۳۶۸،طريق دوم.

عرض مترجم: محترم مؤلف صاحب نے جلد اول میں صحیح بخاری سے امام بخاری کی تقطیع شدہ روایت اس طرح قلمبند کی ہے: "......

عن سعيد بن عبد الرحمان بن ابزىٰ عن ابيه قال: جاء رجل الى عمر بن الخطاب فقال انى اجنبت فلم أُصبِ الماءَ......؟ (اس جگہ راوی یا...... نے حضرت عمر کے جواب کو حذف کر کے صرف حضرت عمار یاسر کے قول کو نقل کیا ہے جو یہ ہے)

فقال عمار بن ياسر لعمر بن الخطاب: اما تذكر انّا كنّا في سفر انا وانت ، فامّاانت فلم تصلّ، وامّاانا فَتَمَعَّكتُ فصليتُ فذكرتُ للنبيؐ فقال النبى: ﴿ اِنَّمَا يَكْفِيْكَ هٰذَا ﴾ فضرب النبى بكفيه الارض،ونفخ فيهما،ثم مسح ، بهما وجهه و كفيه؟" صحيح بخارى جلد ۱، كتاب التيمم،ب(۴) " المتيمم هل ينفخ فيهما"حديث ۳۳۱ .

امام بخاری نے شقیق ابن سلمہ سے نقل کیا ہے:

میں عبداللہ ابن مسعود اور ابوموسی اشعری کے پاس تھا ابوموسی اشعری نے ابن مسعود سے پوچھا: اگر کوئی مجنب ہو اور پانی حاصل نہ کرسکتا ہو تو کیا کرے گا؟ ابن مسعود نے کہا: اگر پانی نہ ہو تو نماز نہ پڑھو، ابوموسیٰ نے اس پر اعتراض کیا اور کہا: عمار یاسر کا وہ قول کہاں جائے گا جو تیمم کے بارے میں انھوں نے رسولؐ سے نقل کیا ہے: "**ان تضرب بیدیک الارض ثم تنفخ،ثم تمسح بھما وجھک و کفیک**"؟

ابن مسعود نے کہا: مگر عمار یاسر کے قول کو حضرت عمر نے تو قبول نہیں کیا تھا؟ ابوموسی اشعری نے کہا: چلو عمار یاسر کے قول کو نہ مانو، لیکن یہ آیہ قرآن کہاں جائے گی؟ جو حکم تیمم کو صراحت کے ساتھ بیان فرمارہی ہے؟ ﴿......**فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيداً طَيِّباً** (۱) اور جب تم کو پانی نہ ملے تو پاک خاک سے تیمم کرلو۔﴾ ابن مسعود اس وقت خاموش ہوگئے اور کچھ نہ کہہ سکے۔(۲)

متذکرہ حدیث بھی صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں آئی ہے لیکن بعض علمائے اہل سنت نے اس واقعہ کو دوسرے انداز میں پیش کرنے کی بیجا کوشش کی ہے، تاکہ اپنے ہیرو کی کچھ خدمت اور ان کے علمی مقام کا دفاع کرسکیں کہتے ہیں: حضرت عمر کا یہ اعتراض ان کے اجتہاد کی بنا پر تھا اور یہ ان کا اپنا ذاتی نظریہ اور اجتہاد تھا کبھی کہا جاتا ہے: خلیفہ صاحب کو اس بارے میں اس وجہ سے ہدف تنقید نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ آپ حدیثِ رسول فراموش کرگئے تھے، ان کے اوپر نسیان غالب آگیا تھا، جس کی وجہ سے وہ عمار کو اس طرح تہدید کررہے تھے۔

چنانچہ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں:

جب غسل جنابت کرنے کے لئے پانی نہ ہو تو نماز ترک کرنا یہ صرف حضرت عمر کا ان کے اجتہاد کی بنا

---

(۱) سورۂ مائدۃ، آیت نمبر ۶ ،پ۶.

(۲) صحیح بخاری: ج ۱ ،کتاب التیمم ،باب "اذا خاف الجنب علی نفسہ المرض او الموت" حدیث۳۳۸، ۳۳۹، مترجم:(صحیح بخاری ج ۱ ،کتاب التیمم ، باب "التیمم للوجہ والکفن" حدیث۳۳۲ سے۳۳۶ تک میں اسی طرف اشارہ ہے) صحیح مسلم ج ۱ ،کتاب الحیض، باب "تیمم" حدیث۳۶۸.

پرذاتی نظریہ تھا،چنانچہ مشہور ہے کہ عمراس مسئلہ میں یہ نظریہ رکھتے تھے۔
اس کے بعد ابن حجر کہتے ہیں:

ان واقعات سے استفادہ ہوتا ہے کہ رسولؐ کے زمانہ سے ہی صحابہ نے اجتہاد کرنا شروع کردیا تھا!!(۱)

ابن رشد جو سنیوں کے مشہور دانشور،فلسفی اور فقیہ ہیں،آپ اپنی استدلالی کتاب'' **بداية المجتهد** ''
میں تحریر کرتے ہیں:

''حضرت عمر نے عمار سے یہ بحث ومباحثہ اس لئے کیا تھا کہ وہ حکم تیمّم فراموش کر گئے تھے،ان پر نسیان طاری ہوگیا تھا،آپ نے اس طرح خلیفہ صاحب کو معذور قرار دیا،البتہ علمائے اسلام کی اکثریت کا عقیدہ یہی ہے کہ نماز کو تیمّم کر کے پڑھے گا اور شخص مجنب پر نماز کا واجب ہونا آیت کے علاوہ حضرت عمار اور عمران بن حصین کی حدیث سے بھی ثابت اور یقینی ہے،عمران ابن حصین کی حدیث کو امام بخاری نے بھی نقل فرمایا ہے،لہٰذا حضرت عمر کا نسیان وفراموشی کی بنا پر حضرت عمار کی حدیث پر عمل نہ کرنا جناب عمار کی حدیث کے مضمون پر کوئی اثر نہیں کرتا''

"لٰكن الجمهور راؤا ان ذالک قد ثبت من حديث عمار و عمران بن حصين............" (۲)

۲۔ شراب خور کی حد اور حضرت عمر کی خلاف ورزی!!

"......قتادة يحدث عن انس بن مالک؛ان النبیؐ اتی بر جل قد شرب الخمر فَجَلَدَهُ بجريد تين نحو اربعين،قال:ففعله ابو بكر فلما كان عمر،استشار الناس،فقال عبد الرحمان:اخف الحدود ثمانين، فامر به عمر"

قتادہ نے انس بن مالک سے روایت کی ہے:

(۱) فتح الباری شرح البخاری جلد ۱،کتاب التیمم،باب "هل المتيمم هل ينفخ فيهما" ص ۳۷۶.

(۲) بداية المجتهد،جلد ۱،کتاب التیمم باب فی معرفة الطهارة ص ۵۶.

ایک ایسے شخص کو خدمت رسولؐ میں لایا گیا جس نے شراب پی تھی رسولؐ نے حکم صادر فرمایا: اس کو خرمہ کی چوب سے چالیس ضرب لگائی جائیں، حضرت ابوبکر نے بھی اپنے دور خلافت میں شراب پینے والے کو چالیس ضرب لگوائیں، لیکن جب عمر کا دور خلافت آیا تو آپ نے لوگوں سے مشورہ کیا: آیا چالیس ضرب شراب خور کی حد کمتر نہیں ہے؟! تو عبد الرحمان بن عوف نے کہا: اسی (۸۰) کوڑے (قرآن مجید میں) کمترین حد (سزا) بیان کی گئی ہے، عمر نے بھی اس رائے کو پسند کیا اور اسی وقت سے اسی (۸۰) کوڑے لگائے جانے لگے۔(۱)

عرض مؤلف

اس حدیث کو مسلم نے کئی طریق سے نقل کیا ہے اور بخاری نے اسے دو جگہ پر نقل کیا ہے، لیکن حدیث کا آخری حصہ حذف کر دیا ہے جس میں یہ ہے کہ حضرت عمر نے لوگوں سے مشورہ کر کے اسی (۸۰) کوڑے مارنے کا حکم اجراء کیا۔(۲)

محترم قارئین! حقیقت حال یہ ہے کہ شارب الخمر کی حد صدر اسلام سے ہی اسی (۸۰) کوڑے تھی، ایسا نہیں تھا کہ رسولؐ کے زمانہ میں چالیس کوڑے تھی اور خلیفہ صاحب نے مشورہ کر کے اسی کوڑے کر دی، کیونکہ رسولؐ کے زمانہ میں اکثر لوگ جنگ وجدال میں مبتلا رہتے تھے، شراب پینے کا موقع ہی نہ ملتا تھا، یا پھر اسلامی قوانین پر زیادہ عمل پیرا تھے، لہٰذا حدِ خمر جاری کرنے کا بہت ہی شاذ ونادر اتفاق ہوتا تھا، اس وجہ سے خلیفہ صاحب (اپنی بہترین ذہانت کی بنا پر) یہ حکم فراموش کر گئے، لیکن جب وفات رسولؐ کے بعد عمر کے زمانہ تک مسلمان معنویت اور روحانیت سے رفتہ رفتہ دور ہونے لگے اور کچھ آسائش، عیش وعشرت کا زمانہ ملا اور شراب نوشی عام ہونے لگی تو شراب پینے کی حد جاری کرنا پڑی، لیکن اس طرف چونکہ حضرت عمر اس مسئلہ کا حکم

---

(۱) صحیح مسلم جلد۵، کتاب الحدود، باب(۸) "حد الخمر" حدیث ۱۷۰۶ .

(۲) صحیح بخاری: جلد۸، کتاب الحدود، باب "ماجاء فی ضرب شارب الخمر" حدیث ۶۳۹۱، باب "الضرب بالجرید والنعال" حدیث ۶۳۹۳ .

بھول چکے تھے، لہٰذا موصوف کو یہ سزا کم معلوم ہوئی چنانچہ آپ نے اسی (۸۰) کوڑے کر دی، جبکہ پہلے سے ہی اسی (۸۰) کوڑے سزا تھی۔(۱)

اور اسی کوڑے کے بارے میں حضرت عمر کا رہنما عبدالرحمان بن عوف نہ تھا بلکہ اس بارے میں دراصل حضرت امیرؑ نے رہنمائی فرمائی تھی، جیسا کہ اہل سنت کی معتبر اور اصلی کتابوں سے ثابت ہے، چنانچہ ابن رشد اندلسی شراب خوری کی حد کے بارے میں علمائے اہل سنت کے درمیان اختلاف نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

> ''اکثر فقہاء بلکہ تمام فقہاء کا نظریہ شراب خور کی حد کے بارے میں اسی کوڑے ہے، اس کے بعد آپ مزید تحریر کرتے ہیں: شراب خوری کے بارے میں اسی تازیانے کی حد کی دلیل ان اکثر فقہاء کے نزدیک حضرت امیرالمومنینؑ کا یہی نظریہ ہے جسے آپ نے اس وقت جب عمر کے زمانہ میں زیادہ شراب پی جانے لگی اور اس کی حد پر ایک شور و ہنگامہ ہوا کہ شراب خور کی حد کمتر ہے، عمر اور دیگر صحابہ اس بارے میں مشورہ کرنے کیلئے بیٹھے تو بیان فرمایا: شراب خور کی حد وہی ہے جو قذف کی ہے یعنی اسی (۸۰) کوڑے''(۲)

بہر کیف ان مطالب سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ خلیفہ صاحب نے اسی کوڑے مارنے کا حکم دوسروں کے مشورے اور راہنمائی سے حاصل کرنے کے بعد جاری فرمایا، راہنما کوئی بھی ہو حضرت امیرالمومنینؑ یا عبد الرحمٰن بن عوف۔

۳۔ جنین کی دیت اور حضرت عمر کا رویہ!!

,,......عن المِسوَر بن مخرمة؛قال:استشار عمر بن الخطاب الناس فی املاص المرأة،فقال المغیرة بن شعبة شهدتُ النبیؐ قضی فیه بغرة عبدٍ او امةٍ،قال: فقال

(۱) یہ واقعہ صرف خلیفۂ دوم کی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے گڑھا گیا ہے، تا کہ مسلمانوں کو یہ باور کرایا جائے کہ حضرت عمر نے جو حد مقرر کر دی تھی وہی قانون اسلام بن گئی اس قدر خدا کو عمر کا فعل پسند تھا! مترجم۔

(۲) بدایة المجتهد جلد۲ ،کتاب القذف باب '' فی شرب الخمر ''صفحہ ۴۴۴.

عمر: ائتنی بمن یشهد معک؟قال: فتشهد محمدُ بن مسلمة"(۱)

مسور بن مخرمہ کہتے ہیں:

حضرت عمر نے ایک مرتبہ اس بچہ کی دیت کے بارے میں لوگوں سے مشورہ کیا جو شکم مادر سے ساقط کر دیا جائے، اس وقت مغیرہ بن شعبہ نے کہا: میں رسولؐ کی خدمت بابرکت میں ایک مرتبہ حاضر تھا کہ رسولؐ نے سقط جنین کے بارے میں ایک غلام کی قیمت یا ایک کنیز کی قیمت ادا کرنے کا حکم دیا، عمر نے کہا: اے مغیرہ اپنی رائے پر شاہد پیش کرو، اس وقت مغیرہ کی بات کی گواہی محمد بن مسلمہ نے دی۔

عرض مؤلف

قارئین محترم! صحیحین کی روایت کے اعتبار سے مذکورہ حکم ان احکام میں سے ایک ہے جن کو خلیفہ صاحب نے مشورہ سے حاصل کیا اور حضرت عمر نے صرف مغیرہ بن شعبہ کی گواہی پر بات کو تسلیم کر لیا، لیکن مایۂ افسوس یہ ہے کہ وہ مغیرہ جو ظالم ترین اور زنا کارترین لوگوں میں سے شمار کیا جاتا تھا، اس کی بات کو آپ نے تسلیم کر کے ایک اسلامی حکم کو جاری فرمایا!!! اس سے زیادہ خلیفہ صاحب کی نااہلی اور کیا ہوسکتی ہے؟!

۴۔ حضرت عمر اور حکم استیذان!!

......"سمعت عن ابی سعید الخدری، یقول: کنت جالساًبا لمدینة فی مجلس الانصار، فاتانا ابو موسیٰ فزعاًاو مذعوراً، قلنا ما شأنک؟ قال ان عمر ارسل اليَّ ان آتیه، فاتیت بابه فسلمت ثلاثاً فلم یرد عليَّ، فرجعت، فقال: ما منعک ان تاتینا؟ فقلت انی اتیتک فسلمت علی بابک ثلاثاًفلم یردوا علی، فرجعت، و

(۱) صحیح مسلم جلد ۵، کتاب القسامة والمحاربین، باب(۱۱) " دیة الجنین" حدیث ۴۲۸۳۔

صحیح بخاری جلد ۹، کتاب الدیات، باب"جنین المرئة" حدیث ۶۵۰۹، ۶۵۱۰، ۶۵۱۱، ۶۵۱۲، ۶۵۱۳۔ مترجم(صحیح بخاری جلد ۹، کتاب الاعتصام بالکتاب و السنة، باب[۱۳]"ماجاء فی اجتهاد القضاء بما انزل الله تعالی" حدیث ۶۸۸۷.)

قد قال رسولؐ اللہ: اذا استأذن احدکم فلم یوذن لہ فلیرجع ،فقال عمر: اقم علیہ البینۃ والا اوجعتک ،فقال ابی بن کعب: لا یقوم معہ الا اصغر القوم، قال ابو سعید: قلت: انا اصغر القوم، قال: فاذھب بہ"(۱)

ابوسعید کہتے ہیں:

ایک مرتبہ میں مدینہ میں انصار کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ابوموسیٰ اشعری اضطراب و پریشانی کی حالت میں وارد مجلس ہوئے، میں نے اضطراب کا سبب پوچھا: تو ابوموسیٰ نے کہا: مجھے عمر نے بلایا تھا، لیکن جب میں ان کے گھر گیا ان کے دروازے پر میں نے تین مرتبہ سلام کر کے وارد ہونے کی اجازت چاہی، مگر جب کسی نے جواب نہیں دیا تو میں پلٹ آیا، لیکن بعد میں جب عمر نے مجھے دیکھا تو کہا: میں نے تجھے بلایا تھا کیوں نہ آیا؟ میں نے سارا واقعہ کہہ سنایا اور کہا: رسولؐ نے چوں کہ فرمایا ہے:

اگر تین مرتبہ تک کوئی جواب نہ دے تو پلٹ جانا چاہیئے، عمر نے اس بات کو جب سنا تو کہا: قسم خدا کی اگر تو نے اس بات پر کسی کو گواہ پیش نہ کیا تو سخت سزا دوں گا۔ ابوسعید کہتے ہیں: میں اس مجلس میں سب سے چھوٹا تھا اور ابی بن کعب نے کہا: اس مجلس کا سب سے چھوٹا اس بات کی گواہی دے گا، میں نے کہا: میں سب سے چھوٹا ہوں، چنانچہ میں نے ابی بن کعب کی رائے سے ابوموسیٰ کی گواہی دی۔

عرض مؤلف

مسلم نے اس مطلب کو "باب الاستیذان" میں مختلف اسناد و مضامین کے ساتھ نو (۹) حدیثیوں کے ضمن میں نقل کیا ہے، چنانچہ جب حضرت عمر پر یہ بات واضح و ثابت ہوگئی کہ وہ اس سادہ حکم کے بارے میں نابلد ہیں، تو وہ اپنی بوریت ختم کرنے کیلئے ایک حدیث کے مطابق اس طرح توجیہہ کرتے ہوئے بولے:

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۴، کتاب الآداب ،باب(۷) "الاستیذان" حدیث ۲۱۵۳ .
صحیح بخاری جلد ۸، کتاب الاستیذان، باب ۱۳ " التسلیم و الاستیذان ثلاثاً" حدیث ۵۸۹۱ .

ممکن ہے کہ رسول اسلامؐ کا یہ حکم میرے اوپر اس لئے پوشیدہ رہا ہو کہ میں اکثر بازار میں خرید و فروخت کرتا رہتا تھا، لہٰذا خرید وفروخت نے مجھے اس حکم رسولؐ کے جاننے سے قاصر رکھا:

"خفی علی هذا من امر رسولؐ الله الهانی عنه الصفق بالاسواق"!!(۱)

صحیح مسلم کی ایک اور حدیث میں اس طرح آیا ہے:

ابیؑ ابن کعب نے اس موضوع کی گواہی خود دی تھی اور حضرت عمر پر اعتراض کرتے ہوئے کہا: اے خطاب کے بیٹے! اصحاب رسولؐ پر عذاب مت بن: ,,**فلا تكن يا ابن الخطاب عذاباً على اصحاب رسولؐ الله.**"(۲)

عرض مؤلف

محترم قارئین! صحیحین کی نقل کے مطابق مسئلہ استیذ ان خلیفہ صاحب کے لئے اس قدر مشکل مرحلہ تھا کہ گواہی اور سختی وغیرہ کی نوبت آ گئی، جبکہ یہ مسئلہ ایک اخلاقی اور انسانی اقدار کی عکاسی کرتا ہے، جو لوگ صاحب اخلاق اور غیرت مند ہوتے ہیں وہ اپنے وجدان وفطرت میں ان احکام کو اچھی طرح درک کرتے ہیں، چنانچہ مسئلہٗ اذن ایک ڈھکا چھپا مسئلہ نہ تھا بلکہ رسولؐ نے اس مسئلہ کو بارہا بیان فرما دیا تھا، اس کے علاوہ قرآن مجید میں بھی خداوند متعال نے اس مسئلہ کو بانگ دھل بیان کر دیا تھا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ☆ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ وَإِن قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾

(۱) مسلم ج ۴، کتاب الآداب، باب(۷) "الاستيذان" حدیث ۲۱۵۳، کتاب الآداب کی حدیث نمبر ۳۶.
(مترجم: اس حدیث کے مضمون کی طرف صحیح بخاری میں بھی ایک جگہ اشارہ پایا جاتا ہے. دیکھئے ج ۲، کتاب البیوع، باب "الخروج الیٰ التجارة" حدیث نمبر ۱۹۵۶.)

(۲) صحیح مسلم ج ۴، کتاب الآداب، باب(۷) "الاستيذان" حدیث ۲۱۵۴. سنن ابی دائود جلد ۲، ابواب النوم، باب [۱۳۸] "کم مرة يسلم الرجل ......" ص ۶۳۷.

اے ایماندارو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں (درّانہ) نہ چلے جاؤ، یہاں تک کہ ان سے اجازت لے لو اور ان گھروں کے رہنے والوں سے صاحب سلامت کرلو یہی تمھارے حق میں بہتر ہے (یہ نصیحت اس لئے ہے) تا کہ یاد رکھو۔ پس اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو تاوقتیکہ تم کو (خاص طور پر) اجازت نہ حاصل ہوجائے ان میں نہ جاؤ اور اگر تم سے کہا جائے کہ پھر جاؤ تو تم (بے تامل) پھر جاؤ یہی تمھارے واسطے زیادہ صفائی کی بات ہے اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو خدا اس سے خوب واقف ہے۔(۱)

ابیٔ بن کعب کا یہ کہنا کہ اس چیز کی گواہی کے لئے سب سے چھوٹا شخص جائے، یہ بعنوان اعتراض اور تنقید تھا، بتلانا یہ چاہتے تھے کہ یہ حکم اس قدر عام ہے کہ بوڑھوں کی کیا بات بچے بھی جانتے ہیں، لیکن خلیفہ صاحب بچارے ہر وقت بازاروں میں مصروف رہتے تھے، جس کی بنا پر اتنے سادہ مسئلہ سے واقف نہ ہوسکے، اس جگہ سے ہمیں اس بات کا بھی پتہ چل جاتا ہے کہ خلیفہ صاحب مشکل مسائل کا کتنا علم رکھتے ہوں گے!!(۲)

۵۔ مسئلۂ کلالہ سے حضرت عمر کی نادانی!!

"......عن سالم، عن معدان بن ابی طلحة؛ ان عمر بن الخطاب خطب یوم الجمعة، فذکر نبی اللّٰہ و ذکر ابابکر، ثم قال: انی لا ادع بعدی شیأ اھم عندی من

---

(۱) سورہ نور، آیت ۲۷۔۲۸ پ ۱۸، رکوع ۸.

(۲) عرض مترجم: قارئین کرام! مسئلۂ اذن کے اس قدر واضح ہونے کے باوجود خلیفہ صاحب کا اس سے آگاہ نہ ہونا ان کی لاپرواہی اور جہالت کو ثابت کرتا ہے، چنانچہ اسی وجہ سے موصوف بے حد شرمندہ تھے کہ اس قدر واضح اور روشن مسئلہ جس کا حکم قرآن اور حدیث میں ہے، مجھے کیسے نہیں معلوم! اپنی شرمندگی ختم کرنے کے لئے گواہی طلب کرتے ہیں، لیکن اس مسئلہ میں ان کو مزید شرمندہ ہونا پڑتا ہے، کیا ایک خلیفۂ وقت کے لئے یہ زیب دیتا ہے کہ احکام و قوانین الٰہی سے اس قدر لاپرواہ ہو؟! اب آپ ہی بتلایئے کہ جو خلیفہ اس قدر اسلامی احکام کے بارے میں نابلد ہو وہ جب اہل علم سے کسی معاملہ میں مشورہ کریگا تو حتماً اس کی فطرت اور وجدان یہی کہے گا کہ فلاں صاحب جو علم و دانش میں بلند ہیں انھوں نے جو حکم اس مسئلے میں بتایا ہے وہی صحیح ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ خلیفہ صاحب چونکہ کورے ہیں لہٰذا جو بھی ان سے بیں ہوگا اس کے بتائے ہوئے حکم کو اسلامی حکم سمجھ کر اسلام میں داخل کردیں گے یا پھر اپنی ہٹ دھرمی کی بنا پر دین میں من مانی کریں گے اب آپ فیصلہ کریں کہ بیساکھی پر چلنے والے خلفاء امت کی ہدایت کیسے کرسکتے ہیں؟!۱۲.

الکلالة، ماراجعت رسول اللہ فی شیءٍ ما راجعته فی الکلالة،وما اغلظ لی فی شیءٍ ما اغلظ فیه حتی طعن باصبعه فی صدری وقال: یا عمر الا تکفیک آیة الصیف الّتی فی آخر سورة النساء؟وانی ان اعش اقض فیها بقضیة یقضی بهامن یقرأالقرآن ومن لا یقرء القرآن."(۱)

سالم نے معدان بن ابی طلحہ سے نقل کیا ہے:

ایک روز عمر ابن خطاب نے نماز جمعہ کے خطبہ میں رسولؐ اور ابوبکر کو یاد کیا اور کہا کہ کلالہ سے زیادہ مشکل ترین مسئلہ اپنے بعد کوئی نہیں چھوڑ رہا ہوں، کیونکہ کلالہ کے علاوہ میں نے رسولؐ سے اور کسی مسئلہ کو نہیں پوچھا ہے اور رسول بھی مجھ سے کلالہ کے علاوہ اور کسی مسئلہ کے پوچھنے پر ناراض نہیں ہوئے ہیں اور اس مسئلہ کے دریافت کرنے پر رسول اس قدر ناراض ہوئے کہ ایک مرتبہ آپ نے میرے سینے پر انگلی مار کر فرمایا: اے عمر! آیۂ صیف جو سورہ نساء کے آخر میں ہے کیا وہ تیرے لئے کافی نہیں ہے؟! بہر حال حضرت عمر نے اپنے خطبہ کو ان جملوں پر ختم کیا کہ اگر میں زندہ رہ گیا تو کلالہ کے بارے میں ایسا فیصلہ کروں گا کہ جو قرآن پڑھنے والے اور نہ پڑھنے والے کرتے ہیں۔

وضاحت

آیۂ صیف [1] میں کلالہ کی میراث بیان کی گئی ہے اور اس آیت کو آیۂ صیف کہتے ہیں کیونکہ یہ آیت گرمی کے

(۱) صحیح مسلم جلد۵ ،کتاب الفرائض، باب(۲) "میراث الکلالة" حدیث۱۶۱۷ .

[1] ﴿ یَسْتَفْتُونَکَ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیکُمْ فِي الْکَلاٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌا هَلَکَ لَیْسَ لَهُ وَلَدٌ وَ لَهُ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَکَ وَهُوَ یَرِثُهَآ اِنْ لَمْ یَکُنْ لَهَا وَلَدٌ فَاِنْ کَانَتَا اثْنَتَیْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَکَ وَاِنْ کَانُوٓا اِخْوَةً رِجَالاً وَّ نِسَآءً فَلِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اَنْ تَضِلُّوْا وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴾ (سورہ نساء، آیت ۱۷۶، پ ۶)

(اے رسول) تم سے لوگ فتوے طلب کرتے ہیں تم کہدو کہ کلالہ (بھائی بہن) کے بارے میں خدا تو تمہیں خود فتویٰ دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص مرجائے کہ اس کے نہ کوئی لڑکا بالا ہو (نہ ماں باپ) اور اس کی (صرف) ایک بہن ہو تو اس کا حصہ، ترکہ سے آدھا ہوگا (اور اگر یہ بہن مرجائے) اور اس کے کوئی اولاد نہ ہو (نہ ماں نہ باپ) تو اس کا وارث بس یہی بھائی ہوگا اور اگر دو بہنیں (یا زیادہ) ہوں تو ان کو بھائی کے ترکہ سے دو تہائی ملے گا اور اگر (کسی کے ورثہ) بھائی بہن دونوں (ملے جلے ہوں) تو مرد کو عورت کے حصہ کا دوگنا ملے گا تم لوگوں کے بھٹکنے کے خیال سے خدا اپنے احکام بہت واضح کرکے بیان فرماتا ہے اور خدا تو ہر چیز سے واقف ہے۔

موسم میں نازل ہوئی تھی (صیف کے معنی گرمی کے ہیں)۔

مرحوم علامہ امینیؒ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

شریعت اسلامیہ کے قوانین کو خداوند عالم نے آسان و سہل بنایا ہے اسی وجہ سے اس کو شریعتِ سھلہ کہا جاتا ہے مگر عمر کے لئے یہ شریعت، شریعتِ مشکلہ تھی کیونکہ آپ منبر کے اوپر جا کر فرماتے تھے:

''میرے نزدیک سب سے زیادہ مشکل مسئلہ کلالہ ہے اس سے زیادہ میں کوئی مشکل مسئلہ اپنے بعد نہیں چھوڑے جا رہا ہوں۔''

اس کے بعد علامہ امینیؒ کہتے ہیں:

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت عمر رسولؐ سے بار بار کلالہ کا سوال کرتے تھے تو حضرت رسالتمآبؐ اس کا جواب دیتے تھے یا نہیں؟ اگر آپ جواب دیتے تھے تو پھر عمر یاد کیوں نہیں کرتے تھے؟ یا پھر یاد کرتے تھے، مگر بھول جاتے تھے کیونکہ آپ کی عقل اس کو درک کرنے سے عاجز تھی! اور اگر رسولؐ جواب نہیں دیتے تھے بلکہ مسئلہ کو لاینحل اور مبہم بیان فرماتے تھے، تو یہ رسولؐ سے بعید ہے کیونکہ جو مسئلہ روزمرہ کا مبتلا بہ ہو اس کا امت کے لئے واضح کر دینا آنحضرتؐ کی خدا کی جانب سے ذمہ داری ہے۔ اور پھر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ جس شخص کے سامنے قرآن کی اس سے مربوط آیات موجود ہوں، وہ کلالہ کے معنی نہ جانتا ہو جبکہ اسی آیت کے ذیل میں خدا ارشاد فرماتا ہے: ﴿یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ : خدا واضح اور روشن بیان کرتا ہے تا کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ﴾ آخر خدا نے اس حکم کو کیسے بیان کیا تھا کہ خلیفہ صاحب کی سمجھ میں نہیں آیا اور اپنے نزدیک اس سے مشکل ترین مسئلہ کوئی نہیں جانا؟ اور یہ کیسے ممکن ہے کہ رسولؐ خدا کلالہ کی توضیح میں آیت کو کافی سمجھیں لیکن کلالہ پھر بھی ایک غیر قابل حل مشکل کے طور پر باقی رہے؟!!(۱)

(۱) الغدیر جلد ٦، ص ١٣٠.

عرض مؤلف

ان تمام باتوں کے باوجود خلیفہ صاحب فرماتے ہیں:

''اگر میں زندہ رہا تو ایسا فیصلہ کروں گا جو قرآن پڑھنے اور نہ پڑھنے والے کرتے ہیں۔''

اس سے ان کی کیا مراد ہے؟ آیا حکم قرآن کے مقابلہ میں کوئی جدید فیصلہ کرنا چاہتے ہیں؟! یا پھر حکم قرآن سے صحیح تر فیصلہ کرنا چاہتے ہیں جو قرآن کے مطابق ہو مگر صراحت اور تسہیل میں قرآن سے زیادہ روشن اور واضح ہو جسے ہر شخص کا ذوق سلیم تسلیم کرلے؟! جبکہ خدا فرماتا ہے کہ میں نے اس مسئلہ کو روشن بیان کیا ہے، یا پھر اور کوئی مطلب تھا؟! ہمارے نزدیک موصوف کی مراد مجہول ہے!!

۶۔ حضرت عمر کا پاگل عورت کو سنگسار کرنا!!

امام بخاری نے ابن عباس سے نقل کیا ہے:

ایک مرتبہ عمر کے پاس ایک پاگل عورت کو لایا گیا جس نے زنا کا ارتکاب کیا تھا، حضرت عمر نے چند لوگوں سے مشورہ کر کے حکم دیا کہ اس عورت کو سنگسار کر دیا جائے لہٰذا اس عورت کو سنگسار کرنے کے لئے لیجا رہے تھے، ابن عباس کہتے ہیں: جب حضرت علی علیہ السلام نے اس عورت کو دیکھا تو دریافت کیا: لوگوں نے بتایا: یہ عورت دیوانی ہے اور فلاں قبیلہ سے تعلق رکھتی ہے اور اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہے، اس لئے اس کو حضرت عمر کے حکم کی بنا پر سنگسار کرنے کے لئے لے جایا جا رہا ہے۔

ابن عباس کہتے ہیں: حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: اس کو واپس لے چلو اور خود عمر کے پاس آئے اور فرمایا: اے عمر! کیا تمہیں نہیں معلوم کہ خدا نے تین لوگوں سے تکلیف اٹھالی ہے؟!

۱۔ ایک وہ شخص جو دیوانہ ہو یہاں تک کہ عقل مند ہو جائے۔

۲۔ وہ شخص جو محو خواب ہو یہاں تک بیدار ہو جائے۔

۳۔ بچہ جب تک کہ بالغ نہ ہو جائے۔

عمر نے کہا: کیوں نہیں امیر المؤمنین! حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: تو پھر کیوں اس کی سنگساری کا

حکم دیا؟ اس کی آزادی کا حکم دو! ابن عباس کہتے ہیں: عمر نے اس حال میں کہ زبان پر کلمہ اللہ اکبر تھا حکم دیا کہ اس عورت کو آزاد کر دیا جائے۔

امام بخاری نے اس حدیث کو دو جگہ تحریر کیا ہے لیکن حضرت عمر کی عزت بچانے کے لئے حدیث کے آخر اور اول کے جملے حذف کر دئے ہیں، صرف خلیفہ صاحب کے وسط والے جملۂ قسمیہ کے الفاظ نقل کئے ہیں جو یہ ہیں:

"قال علی لعمر: اما علمت ان القلم رفع عن المجنون حتی یفیق، و عن الصبی حتی یدرک، و عن النائم حتی یستیقظ؟!"(۱)

علیؑ نے عمر سے کہا: کیا تمھیں نہیں معلوم کہ مجنون سے قلم تکلیف اٹھالیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ ہوش میں آ جائے، اسی طرح بچے سے تکلیف ساقط ہے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے، اسی طرح سونے والے سے تکلیف ساقط ہے جب تلک کہ وہ بیدار نہ ہو جائے؟!

اس حدیث کا کامل متن علم حدیث وتراجم کی مختلف کتب میں نقل کیا گیا ہے۔(۲)

ابن عبدالبر نے تو اس حدیث کے آخر میں یہ جملہ بھی تحریر کیا ہے:

جب عمر نے یہ سنا تو حضرت علیؑ سے فرمانے لگے: **"لَوْلَا عَلِیٌّ لَهَلَکَ عُمَرُ"** اگر آج حضرت علیؑ میری مدد نہ کرتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔(۳)

۷۔ حضرت عمر نماز عید میں سورہ بھول جایا کرتے تھے!!

"....عن عبید اللہ بن عبد اللہ ان عمر ابن الخطاب؛ سأل اباواقد اللیثی ما کان یقرأ بہ رسولُ اللّٰہ فی الاضحیٰ والفطر؟ فقال: کان یقرأ فیھما بقٓ والقرآن

---

(۱) صحیح بخاری: ج۷، کتاب الطلاق، باب "الطلاق فی الاغلاق والکرہ و......" ج۸، کتاب المحاربین باب(۷) "لا یرجم المجنون و المجنونۃ" اول باب.

(۲) سنن ابن ابی دائود ج۲ " ابواب کتاب الحدود، باب [۱۶] "فی المجنون ......" حدیث ۴۳۹۹، ص ۴۰۲. سنن ابن ماجہ جلد ۱، "کتاب النکاح، طلاق المعتوہ ......" صفحہ ۲۲۷.

(۳) کتاب الاستیعاب جلد۳، باب علی بن ابی طالب، صفحہ۳۹۔ (یہ کتاب 'الاصابہ' کے حاشیہ پر چھپی ہے)

المجید و اقتربت الساعة و انشق القمر"

مسلم نے عبید اللہ ابن عبد اللہ سے نقل کیا ہے:

ایک مرتبہ حضرت عمر نے ابو واقد لیثی سے پوچھا: رسولؐ اسلام نماز عیدین میں کون سے سورے پڑھتے تھے؟ ابو واقد لیثی نے کہا: رسولؐ ان دونوں نمازوں میں سورۂ قٓ والقرآن المجید اور سورۂ ﴿**اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ**﴾ پڑھتے تھے۔(۱)

یہ حدیث صحیح مسلم کے علاوہ موطا امام مالک، سنن ترمذی اور سنن داؤد میں بھی نقل کی گئی ہے، لیکن ابن ماجہ میں یوں منقول ہوئی ہے:

"خرج عمر یوم عید فارسل الی ابی واقد لیثی......"

جب حضرت عمر نماز عید پڑھانے کے لئے باہر نکلے تو کسی کو ابو واقد لیثی کے پاس بھیج کر معلوم کروایا کہ رسول اسلامؐ نماز عیدین میں کون سے سورے پڑھتے تھے؟(۲)

قارئین محترم! یہاں پر علامہ امینیؒ کتاب "الغدیر" میں فرماتے ہیں:

اس جگہ خلیفہ صاحب سے سوال کرنا چاہئے کہ کیا وجہ تھی کہ وہ ان سوروں کو بھول گئے جنہیں رسولؐ نماز عیدین میں پڑھتے تھے؟! کیا واقعاً (کند ذہنی کا نتیجہ تھا کہ) یاد نہ رکھ پائے اور فراموش کر دیا جیسا کہ علامہ جلال لدین سیوطی نے کتاب "تنویر الحوالک" میں یہ عذر تحریر کیا ہے؟! یا حضرت عمر کو بازاروں میں خرید و فروخت سے فرصت نہ ملتی تھی کہ نماز عیدین ادا کرتے؟ چنانچہ حضرت عمر خود بھی کبھی کبھی اس عذر کو بعض مواقع پر پیش کرتے تھے!! لیکن جہاں تک فراموشی کا مسئلہ ہے تو یہ بعید معلوم ہوتا ہے کیونکہ نماز عیدین ہر سال دو دفعہ پڑھی جاتی تھی لہٰذا ایسے بڑے لوگ (رؤس الاشھاد) کیسے بھول سکتے ہیں یا پھر اس کا کچھ اور ہی مقصد تھا؟(۳)

---

(۱) صحیح مسلم جلد سوم، کتاب صلوٰة العیدین، باب(۳) "ما یقرأ به فی صلاة العیدین" حدیث ۱۸۹۱.

(۲) سنن ابن ماجه جلد ۱، باب "ما جاء فی القرأة فی صلاة العیدین" حدیث ۱۲۸۲.

(۳) کتاب الغدیر جلد ۶، صفحه ۳۲۰.

عرض مؤلف

اس واقعہ میں دقت کرنے سے ایک بات ظاہر ہوتی ہے کہ خلیفہ صاحب اس بارے میں بہت ہی تذبذب اور پریشانی میں مبتلا تھے لہٰذا ایسے حساس موقع پر چلتے وقت بحالت مجبوری ابو واقد لیثی سے نماز عیدین کی صورت حال کو معلوم کیا!!

۸۔ زیورات کعبہ اور حضرت عمر کی بدنیتی!!

......"عن ابی وائل ،قال: جلست الی شیبة فی هذاالمسجد، قال: جلس الی عمر فی مجلسک هذا،فقال:هممت ان لاادع فیها صفراء ولا بیضاء الا قسمتها بین المسلمین،قلت:ماانت بفاعل،قال لم؟ قلت:لم یفعله صاحباک، قال هما المرء ان یقتدی بهما" (۱)

امام بخاری نے ابووائل سے نقل کیا ہے:

ایک روز میں مسجد الحرام میں شیبہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا،تو مجھ سے شیبہ نے کہا: ایک روز میں اور عمر اسی جگہ بیٹھے تھے تو عمر نے کہا: میرا ارادہ ہے کہ خانۂ کعبہ پر جتنا بھی سونا چاندی ہے سب کو اتروا کر مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دوں؟ میں نے عمر سے کہا: آپ اس کام کو نہیں کر سکتے،حضرت عمر نے کہا کیوں نہیں کر سکتا؟ میں نے کہا: چوں کہ حضرت رسولؐ اسلام وحضرت ابوبکر نے ایسا کام نہیں کیا،عمر نے کہا: صحیح ہے وہ لوگ کامل مرد تھے لہٰذا ان کی پیروی کرنا بہتر ہے۔

عرض مؤلف

بخاری نے اس روایت کو صحیح بخاری میں کچھ الفاظ کے ردوبدل کے ساتھ دو جگہ نقل کیا ہے،لیکن کتب تواریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر نے یہ ارادہ ایک دفعہ نہیں بلکہ کئی دفعہ کیا،مگر مسلمانوں اور رسولؐ

(۱) صحیح بخاری جلد ۲، کتاب الحج، باب" کسوة الكعبة" حدیث۱۵۱۷ . جلد ۹،کتاب الاعتصام بالکتاب و السنة، باب" الاقتداء بسنن رسول اللهؐ"حدیث۷۲۸۴.

کے معزز صحابہ کی مخالفت کی وجہ سے اس کام کے انجام دینے سے باز رہے ،ایک دفعہ شیبہ نے باز رکھااور دوسری دفعہ مولا علیؑ سے مشورہ کیا تو حضرتؑ نے محکم دلائل کے ساتھ ان کو قانع کیا اور انہیں اس کام کے انجام دینے سے منصرف کر دیا۔

چنانچہ اس واقعہ کو خود مولا علیؑ نے نہج البلاغہ میں بیان فرمایا ہے:

''جب کعبہ کے سونے چاندی کی کثرت کو لوگوں نے عمر سے بیان کیا اور ان کو مشورہ دیا کہ اگر یہ سونا چاندی مسلمانوں کے اوپر جنگ کے وسائل فراہم کرنے پر خرچ کر دیا جائے تو اس کا زیادہ فائدہ حاصل ہوسکتا ہے، کیونکہ خانہ کعبہ کو سونے چاندی کی کیا ضرورت؟! لہٰذا عمر نے مصمم ارادہ کرلیا کہ اس بارے میں اقدام کیا جائے ،لیکن جب حضرت امیرالمؤمنینؑ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

"ان هذاالقرآن انزل على النبي صلّى الله عليه و آله وسلم والاموال اربعة: اموال المسلمين فقسمها بين الورثة في الفرائض، والفيء فقسمه على مستحقيه، والخمس فوضعه الله حيث جعلها، والصدقات فجعلها الله حيث جعلها......"

جس وقت قرآن مجید رسول اسلامؐ پر نازل ہوا تو مال وثروت کی چار قسمیں تھیں اور رسول اسلامؐ نے ان چار قسموں میں سے ہر ایک کا حکم بیان فرما دیا تھا۔

۱۔ مسلمانوں کا وہ مال جو ارث میں رہ جائے: اس کو ورثاء میں تقسیم کیا جائے۔

۲۔ مال غنیمت: ان لوگوں میں تقسیم کیا جائے جو استحقاق رکھتے ہیں۔

۳۔ مال خمس: یہ معین افراد کا حق ہے۔

۴۔ زکاۃ: یہ بھی ان لوگوں پر صرف کیا جائے جو مستحقین زکاۃ ہیں۔

اس کے بعد امامؑ نے فرمایا:

یہ سونا و چاندی جو خانہ کعبہ پر موجود ہے یہ نزول قرآن کے وقت موجود تھا لیکن خدا نے اس کو اسی طرح اپنے حال پر چھوڑ دیا اور اس سلسلے میں کچھ نہیں بیان فرمایا کہ کہاں صرف کیا جائے اور اس کا حکم بیان نہ کرنا فراموشی یا خوف کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ قصداً اور عمداً تھا، لہٰذا اے عمر! تو بھی اس

سونے و چاندی کو اسی حال پر چھوڑ دے جس طرح خدا اور رسولؐ نے چھوڑا ہے، اس وقت عمر نے کہا: اے علیؑ! اگر آپ نہ ہوتے تو میں ذلیل ہو جاتا چنانچہ عمر نے کعبہ کے سونے چاندی کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔

ابن ابی الحدید اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں:

جو کچھ حضرت علی علیہ السلام نے استدلال فرمایا تھا وہ درست ہے اور اس کو ہم دو طرح سے بیان کر سکتے ہیں یعنی حضرت کے بیان کی تصدیق پر ہم دو طریقہ سے استدلال پیش کر سکتے ہیں:

۱۔ کسی بھی مال و منفعت میں (جب تک اس کے مالک کی اجازت نہ ہو) اصل، حرمت اور منع ہے، لہٰذا بغیر اذنِ شرعی اپنے سے غیر متعلق اموال کا استعمال کرنا درست نہیں ہے، چنانچہ کعبہ کا سونا چاندی (کہ جس کے ہم مالک نہیں ہیں) استعمال کرنا اس اصلِ حرمت اور عدمِ تصرف کے تحت باقی ہے، کیونکہ اس کے تصرف کیلئے شریعت کی طرف سے کوئی اجازت موجود نہیں ہے۔

۲۔ امام علی علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ تمام وہ اموال جو خانۂ کعبہ سے متعلق ہیں وہ خانۂ کعبہ پر وقف ہیں جیسے خانۂ کعبہ کے دروازے اور پردے وغیرہ، لہٰذا جب یہ چیزیں بغیر شارع کی اجازت کے استعمال کرنا جائز نہیں ہیں تو اسی طرح خانۂ کعبہ کے سونے چاندی کا استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے، بہر حال جامع وجہ یہی ہے کہ چونکہ یہ اموال خانۂ کعبہ سے مخصوص اور اس پر وقف ہیں لہٰذا ان کا شمار بھی کعبہ کے جزئیات سے ہوگا، جس کی بنا پر ان میں تصرف نہیں ہو سکتا۔

" وروی انہ ذکر عند عمر بن الخطاب فی ایامہ حلی الکعبة و کثرتہ ، فقال قوم: فجهزت بہ جیوش المسلمین ......ان ھذا القرآن نزل علی محمد والاموال اربعة ......"(۱)

(۱) شرح نہج البلاغہ جلد ۱۹ ، خطبة ۲۷۲،صفحہ ۱۵۹ . ۱۵۸، کلمات قصار نمبر ۲۷۰ .

عرض مؤلف

اس واقعہ کو زمخشری نے بھی اپنی کتاب ''ربیع الابرار'' میں تحریر کیا ہے۔(۱)

۹۔ واہ! یہ بھی ایک تفسیر قرآن ہے!!

''ان رجلاًسأل عمر بن الخطاب عن قوله ﴿وَفَاكِهَةً وَاَبًّا﴾:ما الاب؟ قال: نهينا عن التعمق والتكلف!''(۲)

ایک شخص نے عمر بن خطاب سے آیہ ﴿وَفَاكِهَةً وَاَبًّا﴾ میں اَب کے معنی دریافت کئے تو کہنے لگے: خدا نے ہمیں قرآن مجید کے اندر غور وفکر اور زحمت کرنے سے روکا ہے!

اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے، لیکن انھوں نے حسب عادت خلیفہ صاحب کی عزت بچانے کی خاطر جملہ اولیٰ کو حذف کر کے صرف حدیث کا آخری یہ جملہ تحریر کر دیا: **نهينا عن التعمق....** لیکن اس بات سے غافل رہے کہ حق چھپانے سے چھپتا نہیں، چنانچہ شارحین صحیح بخاری، مؤرخین اور مفسرین نے کتب احادیث، تواریخ وتفاسیر میں مکمل حدیث کو نقل کیا ہے، جیسا کہ ہم نے ابتداء میں من وعن آپ کی خدمت میں پیش کیا، بلکہ بعض شارحین صحیح بخاری نے اس بات کی تصریح بھی کی ہے کہ امام بخاری کی نقل شدہ حدیث مقطوع ہے اور اس کی تکمیل اسطرح ہوتی ہے۔(۳)

---

(۱) ربيع الابرار و نصوص الاخبار، مخطوطه،باب[۷۵].
اس کتاب کا مطالعہ میں نے کتابخانہ مرعشی نجفی قم مقدس میں کیا۔(یہ کتاب تحقیق وتصحیح کے بعد پانچ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے اور مذکورہ بحث جلد چہارم، باب[۷۵]''اللباس والحلی من القلائد والاسورة......'' میں مرقوم ہے۔ مترجم۔)

(۲) صحيح بخاری ج ۹، كتاب الاعتصام، باب'' مايكره من كثرة السؤال وتكلّفِ ما لايعنيه'' ح۶۸۶۳.

(۳) شرح البخاری فتح الباری جلد۱۳ ،كتاب الاعتصام، باب'' مايكره من كثرة السؤال وتكلّفِ ما لايعنيه''ص ۲۲۹. عمدة القاری جلد۲۵،كتاب الاعتصام، باب'' مايكره من كثرة السؤال وتكلّفِ ما لايعنيه''. ارشاد الساری جلد۱۵،كتاب الاعتصام، باب'' مايكره من كثرة السؤال وتكلّفِ ما لايعنيه''. نهايه ابن اثير، لغت اب. تفسير در منثور. تفسير ابن كثير. تفسير كشاف و تفسير خازن. تفسير بغوی. تفسير مستدرک حاكم سورهٔ عبس.

۱۰۔ حضرت عثمان کا ایک انوکھا فتویٰ!!

غسل جنابت آیۂ قرآن کی نص اور متعدد احادیث کے مطابق (جو خود صحاح ستہ میں نقل کی گئی ہیں) مندرجہ ذیل اسباب کی بنا پر واجب ہو جاتا ہے:

۱۔ منی کا خارج ہونا۔

۲۔ التقاء ختانین (یعنی مرد وعورت کی ختنے کی جگہ مل جائے اور جماع صادق آئے) چاہے منی خارج ہو یا نہ ہو، چنانچہ حد زنا اور لزوم مہر وغیرہ میں جنابت سے مراد یہی ہے۔

امام شافعی کہتے ہیں:

> خدا نے غسل کو جنابت کی وجہ سے واجب قرار دیا ہے اور جنابت کے معنی عرب کے نزدیک عام فہم ہیں، اہل عرب جانتے ہیں: جنابت سے مراد جماع ہوتا ہے چاہے منی خارج نہ ہوئی ہو، چنانچہ جماع ہی مہر اور حد زنا کا موجب ہوتا ہے اور ان موارد میں بھی منی کا نکلنا لازمی نہیں، لہٰذا جو شخص عربی زبان سے واقفیت رکھتا ہے اس کے سامنے یہ کہا جائے کہ فلاں مرد فلاں عورت سے مجنب ہو گیا تو اس کے نزدیک یہی معنی تبادر کریں گے کہ اس مرد نے فلاں عورت سے جماع کیا، چاہے منی خارج نہ ہوئی ہو۔

اس کے بعد امام شافعی کہتے ہیں:

> قطعی سنت اس بات پر قائم ہے کہ جنابت دو طریقے سے حاصل ہوتا ہے، مرد عورت سے جماع کرے چاہے منی خارج نہ ہو، یا منی خارج ہو جائے چاہے اسے جماع نہ کہیں۔(۱)

اہل سنت کی معتبر کتابوں میں منجملہ صحیح بخاری وصحیح مسلم میں اس موضوع سے متعلق کثرت کے ساتھ روایات منقول ہیں:

> اگر مرد وعورت کی ختنے کی جگہ مل جائے (جماع کریں) تو غسل جنابت واجب ہو جاتا ہے چاہے منی نہ نکلی ہو۔

---

(۱) الأم جلد ۱، کتاب تالطھارۃ، باب "ما یوجب الغسل ولا یوجبہ" صفحہ ۳۱۔

چنانچہ مسلم نے تو اس بارے میں ایک مخصوص باب اس:"**نسخ الماء من الماء ووجوب الغسل بالتقاء الختانین** "عنوان سے تحریر کیا ہے۔(۱)

لیکن صحیحین کی ایک دوسری روایت کے مطابق عثمان سے جب کسی نے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے جماع کرے اور منی نہ نکلے تو وظیفہ کیا ہے؟

حضرت عثمان نے کہا: وہ شخص عضوئے تناسل کو دھوکر وضو کرلے اور میں نے یہ مسئلہ رسول اسلامؐ سے یوں ہی سنا ہے اور جب میں نے حضرت علیؑ، زبیر بن العوام، طلحہ بن عبید اللہ اور ابی بن کعب وغیرہ سے اس بارے میں سوال کیا تو آپ لوگوں نے بھی یہی جواب دیا جس کو میں نے رسولؐ سے سن رکھا تھا:

...... "**خالد الجهنی اخبره؛ انه سأل عثمان بن عفان؛ فقال: أرايت اذا جامع الرجل امرأته فلم يمن؟ قال عثمان: يتوضأ كما يتوضأ للصلوٰة، ويغسل ذكره، قال عثمان :سمعته من رسول الله، فسألت عن ذالك على بن ابى طالبؑ والزبير بن العوام ،وطلحة بن عبيد الله، و ابیّ بن كعب، فامروه بذالك** "(۲)

عرض مؤلف

قارئین محترم! یہ تھا صحیحین میں حضرت عثمان کا انوکھا فتویٰ کہ اگر انسان جماع کرے تو غسل کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن روایت کا دوسرا حصہ جس میں اس فتوی کی تائید کرتے ہوئے راوی نے رسول خداؐ، حضرت امیر المومنینؑ، طلحہ، زبیر اور ابیؑ بن کعب وغیرہ کے قول کو نقل کیا ہے آیا یہ حقیقت ہے؟! ہرگز نہیں، بلکہ یہ (بالکل کھلا

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۱، کتاب الحیض، باب(۲۲)"نسخ الماء من الماء ووجوب الغسل بالتقاء الختانتین" حدیث ۳۴۸، ۳۴۹.

(۲) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الغسل، باب "غسل ما یصیب من فرج المرأة" حدیث ۲۸۷. ۲۸۸. ۲۸۹. کتاب الوضوء، باب "من لم یر الوضوء الا من المخرجین من القبل والدبر" حدیث نمبر ۱۷۷ صحیح مسلم جلد ۱، کتاب الحیض، باب(۲۱)" انما الماء من الماء" حدیث ۳۴۷.

ہوا کذب اور برہنہ الزام ہے) عثمان کی عزت بچانے کی خاطر اسے ان کے فتوے کے ساتھ اضافہ کر دیا گیا ہے اور یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں بلکہ ایسے شواہد کثرت کے ساتھ پائے جاتے ہیں((**وکم له من نظیر**)) یا پھر یہ کہئے کہ جو فتویٰ عثمان نے دیا یہ صدر اسلام سے مربوط ہے، کیونکہ نقل کیا گیا ہے کہ رسول خداؐ نے صدر اسلام میں فرمایا تھا(**الماء من الماء**) لیکن ابن عباس فرماتے ہیں: یہ جملہ احتلام سے مربوط ہے نہ کہ جماع سے۔(۱)

بہرصورت جو مسئلہ روز مرّہ کا مبتلا بہ ہو اس میں خلیفہ صاحب کا نابلد ہونا تعجب خیز ہے جبکہ اس سلسلے میں اصحاب کے درمیان حدیثیں کثرت کے ساتھ پائی جاتی تھیں!(**اذا جاوز الختان وجب الغسل**) ممکن ہے کہ عثمان نے صدر اسلام میں کہیں سے سن لیا تھا کہ خالی دھونا کافی ہے، چنانچہ صدر اسلام کا یہ جملہ یاد کر لیا اور انھیں اس حکم کے نسخ کی اطلاع نہ ملی، لہٰذا اپنی سابقہ ذہنی معلومات کی بنا پر فتویٰ صادر کر دیا بہر کیف مسئلہ ہر حال میں محل تعجب ہے!!

۱۱۔ احراق قرآن بدست حضرت عثمان!!

امام بخاری نقل کرتے ہیں:

جب حذیفہؓ یمانی اہل شام وعراق کے ہمراہ آرمینیہ اور آذربائیجان کی جنگ میں مصروف تھے تو قرآن کی قرأتوں میں مسلمانوں (اہل شام وعراق) کے درمیان اختلاف دیکھ کر گھبرا گئے اور حضرت عثمان سے جا کر کہا کہ قبل اس کے کہ یہود ونصاریٰ کی طرح مسلمان بھی اپنی آسمانی کتاب کے بارے میں اختلاف کا شکار بن جائیں کتاب خدا کی خبر لیجئے، حضرت عثمان نے ایک گروہ کو حکم دیا کہ جتنے قرآن دسترس میں ہیں انہیں جمع کر لیا جائے اور پھر جو رسولؐ کے زمانہ میں قرأت تھی اسی کے اعتبار سے نسخہ برداری کریں اور اگر اختلاف نظر ہو جائے تو قریش کے لہجے اور قرأت میں قرآن لکھنا کیونکہ قرآن قریش کے لہجے میں نازل ہوا ہے، المختصر یہ کہ اس قرآن سے متعدد نسخے بنا

(۱) فتح الباری جلد ۱، کتاب الغسل، باب" غسل ما یصیب من رطوبة فرج المرائة" ص ۳۳۹.

کر اطراف ونواح کے شہروں میں بھیج دئے گئے اور یہ حکم دیا گیا کہ اس قرآن کے علاوہ جہاں بھی دوسرا قرآن ہے اسے فوراً جلا دیا جائے:

"وارسل الیٰ کل افق بمصحف ممانسخوا وامر بماسواہ من القرآن فی کل صحیفۃ او مصحف ان یحرق"(۱)

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا کہ تمام دیگر قرآنوں کو جمع کر کے جلا دیا گیا، اگر کوئی قرآن ہڈی وغیرہ پر لکھا تھا تو اسے سرکہ سے دھو دیا گیا!!

عصر حاضر کے ایک مشہور محقق کہتے ہیں:

حضرت عثمان نے اپنے دور خلافت میں جس قرأت پر قرآن جمع کروایا تھا وہ وہی قرأت تھی جو اس وقت مسلمانوں کے درمیان رائج، متواتر اور قطعی الصدور تھی جس کا آنحضرتؐ سے نقل ہونا یقینی تھا، لہٰذا حضرت عثمان نے اس کام کو انجام دیکر امت مسلمہ کو ایک قرأت پر جمع کر دیا اور دیگر بے اساس، ناشائستہ اور غلط قرأتوں سے بچا لیا جو مسلمانوں میں اختلاف کا سبب بنتیں چنانچہ حضرت عثمان کا یہ عمل بجا اور شائستہ تھا، اسی وجہ سے آپ اس عمل کی بنا پر مسلمانوں کے درمیان لعن طعن کا نشانہ نہیں قرار پائے، کیونکہ اگر حضرت عثمان یہ کام نہ کرتے تو اسی قرأت کے اختلاف کی وجہ سے مسلمان ایک دوسرے کو کفر کا فتویٰ دیکر قتل وخونریزی کرتے! البتہ جو چیز اعتراض کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے دیگر قرآنوں کو جلوا دیا! اور یہی نہیں بلکہ یہ کام آپ نے خود کیا اور لوگوں کو اس بات کا حکم بھی دیا! حضرت عثمان کی یہ بات قابل تنقید ومذمت ہے یہاں تک کہ کچھ مسلمانوں نے آپ پر اعتراض بھی کیا اور آپ کو **"حرّاق المصاحف"** قرآن جلانے والا کہنے لگے۔(۲)

عرض مؤلف

آپ جانتے ہیں کہ قرآن مجید اسلام کی نظر میں ایک خاص احترام کا حامل ہے اور اس کے احترام، عظمت اور حفاظت کے بارے میں اسلام میں باقاعدہ قوانین اور شرائط پائے جاتے ہیں. مثلاً اس قرآن کو بغیر وضو مس

---

(۱) صحیح بخاری ج۶، کتاب فضائل القرآن، باب "جمع القرآن" ح۴۷۰۲. (تاریخ یعقوبی ج۲، ص۱۷۰. مترجم)

(۲) بیان در علوم ومسائل کلی قرآن، جلد ۱، ص۴۴۹، ترجمہ مؤلف و آقائی ہریسی.

کرنا حرام ہے، مجنب وحائض کے لئے سورہ عزائم کا پڑھنا شیعوں کے نزدیک اور تمام سورتوں کا پڑھنا اکثر علمائے اہل سنت کے نزدیک حرام ہے، اسی طرح قرآن کا نجس کرنا بھی حرام ہے۔ کلی طور پر علمائے اہل تشیع و تسنن کا اتفاق ہے کہ قرآن کے ساتھ ہر وہ عمل انجام دینا حرام ہے جو قرآن مجید کی بے احترامی کا سبب بنے، چنانچہ احترام قرآن سے متعلق اسلامی کتابوں میں متعدد احادیث کو نقل کیا گیا ہے، ترمذی اپنی سنن میں رسولؐ سے یہ حدیث (مجنب اور حائض قرآن نہیں پڑھ سکتے) نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

یہی فتوی صحابہ کرام، تابعین عظام اور موجودہ و متقدمین علمائے اسلام کا ہے جیسے سفیان ثوری، ابن مبارک، شافعی، احمد بن حنبل، اسحاق، وغیرہ ان تمام علماء نے فتوی صادر فرمایا ہے کہ مجنب اور حائض قرآن نہیں پڑھ سکتے البتہ کسی آیت کے ایک کلمہ کو اور اسی طرح تسبیح وتہلیل کرنا ان کے لئے جائز ہے۔(۱)

عرض مؤلف

جی ہاں! یہ تمام تاکیدیں قرآن مجید کی عظمت، اہمیت اور احترام کی حفاظت کی خاطر دین اسلام میں بیان کی گئی ہیں، لیکن اس کے باوجود خلیفۂ وقت کا مدینہ اور دیگر تمام اسلامی ممالک میں موجودہ قرآن جلانے کا حکم دینا کس مدرک کی بنا پر تھا؟! آخر ایسا فتوی کیسے صادر کیا؟ قرآن کی اس قدر عظمت اور اس کے صریح احکام کے ہوتے ہوئے خلیفہ صاحب کی کیسے ہمت ہوئی کہ قرآن کے جلانے میں حکم صادر فرمائیں؟! ان مطالب کو ہم قارئین کی صوابدید پر چھوڑتے ہیں۔(۲)

اور اگر دیگر قرآن جلانے کا مقصد یہ تھا کہ دوسری قرائتوں کو ختم کیا جائے تاکہ مسلمانوں میں اختلاف نہ ہونے پائے، تو یہ کام دوسرے طریقے سے بھی کیا جاسکتا تھا، جس سے احترام قرآن باقی رہ جاتا، مثلاً دوسرے قرآنوں کو کسی پاک جگہ دفن کردیا جاتا، یا کسی محفوظ جگہ حفاظت سے رکھ دیا جاتا، یا دریا برد کردیا جاتا وغیرہ وغیرہ۔

---

(۱) سنن ترمذی جلد ۱، باب (۹۸) ابواب طہارت حدیث ۱۳۱، ص ۸۸.

(۲) ہمیں سب سے زیادہ تعجب ان لوگوں پر ہے جو خلیفہ صاحب کی اس بارے میں اندھی حمایت کر کے نار جہیم کے مصداق بن رہے ہیں!! مسلمانو! ذرا انصاف سے بتاؤ کیا قرآن جلانے کا حکم عظمت قرآن کے مخالف نہیں؟ مترجم.

۳۔ خلفاء اور اسلامی احکام

امام؛ احکام الٰہیہ کا محافظ اور قرآنی قوانین کا جاری کرنے والا ہے

قال علی علیہ السلام: "وَلَا الْمُعَطِّلُ لِلسُّنَّةِ فَيُهْلِكَ الْاُمَّةَ" "قدعملت الولاة قبلی اعمالا خالفوا فیھا رسولَ اللّٰہ"

,,اور امام کو احکام خدا معطل نہیں کرنا چاہئے کیونکہ امام کا احکام خدا ترک کرنا امت مسلمہ کے ہلاک ہونے کا سبب ہوتا ہے، بالتحقیق مجھ سے پہلے جو خلفاء گزرے انہوں نے کچھ ایسے اعمال انجام دئے جن میں رسول اللہ کی صریحاً مخالفت کی گئی تھی''

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ امام اور اسلامی حاکم کے لئے سب سے اہم شرط بلکہ خلافت الٰہیہ کا اصل فلسفہ اور مفہوم ہی یہ ہے کہ وہ احکام خداوندی کا پاسبان اور قرآن کے قوانین کا اجراء کرنے والا ہو، مولائے متقیانؑ خلیفہ کے لئے اس شرط کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''امام کو احکام خدا معطل نہیں کرنا چاہئے کیونکہ امام کا احکام خدا ترک کرنا امت مسلمہ کے ہلاک ہونے کا سبب ہوتا ہے''۔

لیکن تاریخ اسلام اور صحیحین کی مختلف احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ خلفائے ثلاثہ کے دور میں احکام خدا کو علانیہ اور ظاہر بظاہر ترک کیا گیا، احکام خداوندی میں تغییر وتحریف کی گئی، اسلامی احکام کو ذاتی نظریات، مقاصد اور مصالح میں رنگ دیا گیا، ہر شخص جیسے چاہتا اسلامی حکم کو اپنی رائے کے مطابق تبدیل کر دیتا! جیسے چاہتا اسلامی قوانین میں اظہار نظر فرماتا! چنانچہ خلفائے ثلاثہ نے بھی حکم خدا میں خوب من مانی کی اور جب محل لعن وطعن قرار دیا گیا تو کچھ نام نہاد اور زرخرید علمائے اہل سنت نے اس تحریف وتغییر کو علمی رنگ میں پیش کرنے کے لئے اسے اجتہاد کا نام دیکر ان عیوب پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی اور انھوں نے جہاں اس قسم کی مخالفت اور تحریف دیکھی اسے اجتہاد کے خوش نما لفافہ میں رکھ کر اسلامی امت کے سامنے پیش کر دیا، تا کہ اسلامی معاشرہ کے نزدیک قابل قبول قرار پائے، حالانکہ اجتہاد ایک جدا بحث ہے اور صریحاً قرآن وسنت کی مخالفت ایک جدا بحث ہے، دونوں میں کوئی ربط نہیں ہے۔

حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام اس بارے میں فرماتے ہیں:

"قـد عـمـلت الولاة قبلی اعمالا خالفوا فیها رسول اللہ معتمدین بخلافه، ناقضین لـعهده، مغیرین لسنته، ولو حملت الناس علی ترکها وحولتها الی مواضعها والی ما کانت فی عهد رسول اللہ لتفترق عنی جندی، حتی ابقی وحدی اومع قلیل من شیعتی الذین عرفوا فضلی وفرض امامتی من کتاب اللہ و سنة رسوله"(۱)

مجھ سے پہلے خلفاء ایسے اعمال انجام دے چکے ہیں کہ جن میں عمداً رسول اللہ کی صریحاً مخالفت اور پیمان شکنی کی گئی، آپ کی سنت کو بدلا گیا، چنانچہ اگر میں لوگوں کو ان بدعتوں کے ترک کرنے پر مجبور کروں اور اسلامی قوانین کو اصلی صورت پر پلٹاؤں جس روش پر رسول اللہ کے زمانہ میں تھے، تو میرے لشکر والے ہی سب سے پہلے مجھ سے دور ہو جائیں گے اور میں اپنے شیعوں کے چند افراد کے ساتھ تنہا رہ جاؤں گا، جنھوں نے میری فضیلت اور امامت کو قرآن وسنت سے پہچانا ہے۔

دوسری جگہ امام فرماتے ہیں:

جس روز میں نے اپنے داخلی اختلاف سے نجات پائی اسی دن بہت سے ان بدعتی احکام کو ان کی اصلی صورت پر پلٹاؤں گا: **"لو قد استوت قدما ی من هذه المداحض لغیرت اشیاء"**

ابن ابی الحدید امام کے اس قول کے ذیل میں کہتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں کہ امیر المؤمنینؑ احکام شرعی اور قضاوت میں گزشتہ خلفاء کے فتاوی اور ان کے نظریات کے خلاف عمل کرتے تھے جیسے چور کی حد، ام ولد کا حکم، امام نے گزشتہ خلفاء کے بر خلاف چور کی حد میں انگلیوں کو کاٹا اور ام ولد کو فروخت کیا۔(۲)

ابن ابی الحدید آخر میں تحریر کرتے ہیں:

جو چیز امیر المؤمنین علی علیہ السلام کو بطور کلی بدعتی احکام بدلنے سے مانع تھی وہ آپ کا باغی اور خوارج

(۱) الـکـافی ،((الروضة)جلد ۸، "تاسف علیؑ حدیث بعض ما حدث بعد رسول الله "ص ۵۱. کتاب سلیس بـن قیـس ، "کـلام علـی عن بدع ابی بکر و عمر و عثمان "ص ۱۶۲ . بحار الانوار جلد ۸، ص ۷۰۴. احقاق الحق جلد ۱، ص ۶۱.

(۲) شیعہ مذہب کے مطابق ام ولد کو فروخت نہیں کیا جا سکتا۔ دیکھئے: فقہی کتابیں۔ مترجم.

کے ساتھ مصروف جنگ رہنا ہے، امام کو اس اختلاف نے فرصت نہیں بخشی کہ خلفاء کے زمانہ والے
بہت سے بدعتی احکام تبدیل کرتے۔(۱)

عرض مؤلف

جو اسلامی احکام خلفاء کے زمانہ میں تبدیل کئے گئے وہ کثرت کے ساتھ کتب تواریخ، تفاسیر اور احادیث میں موجود ہیں لیکن ہم اپنی روش کے مطابق صرف صحیحین سے چند نمونے آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۱۹، خطبہ ۱۷۸، ص ۱۶۱.

۱۔ خلیفہ کے حکم سے مسلمانوں کا قتل عام اور اسلامی احکام میں تبدیلی

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ جس نے کلمۂ شہادتین زبان پر جاری کر دیا اور خدا کی وحدانیت اور رسولؐ کی رسالت کا اعتراف کرلیا، اس کی جان و مال اسلام کی رو سے محفوظ و محترم ہو جاتی ہے اور کسی کو اسے جانی اور مالی نقصان پہنچانے کا حق نہیں ہے مگر یہ کہ کوئی ذاتی حق رکھتا ہو، چنانچہ رسول خداؐ اس بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

"امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا: لا اله الا الله ،فمن قال: لا اله الا الله، فقد عَصَمَ منّی مالَه و نفسَه الا بحقّه وحسابُه علی اللّٰه"

مجھے خدا کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک منکرین خدا سے جنگ کروں جب تک کہ کلمہ لا الہ الا اللہ کو زبان پر جاری نہ کریں، لہٰذا اگر کوئی کلمۂ توحید پڑھنے لگے تو اب اس کی جان و مال محفوظ ہو جاتی ہے، البتہ اگر کوئی شخصی حق رکھتا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں اور اس کا حساب یوم آخرت اللہ کے اوپر ہے۔(۱)

لیکن افسوس کہ رسولؐ کی وفات کے بعد خلفائے وقت نے کچھ ایسے مسلمانوں کا خون مباح کر دیا تھا جو تمام اسلامی احکام اور زکاۃ کے پابند تھے صرف خلفائے وقت کو زکاۃ دینے سے انکار کر رہے تھے درحقیقت ان لوگوں نے خلیفہ کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا اس لئے ان کے مردوں کو بے دردی سے قتل کیا گیا اور ان کی عورتوں، بچوں کو اسیر کر کے کنیز اور لونڈی بنالیا گیا (جو اسلام کی رو سے قطعاً جائز نہ تھا)۔(۲)

البتہ اس قتل و غارت کی توجیہ اور خلیفہ صاحب کے دامن کو تنقید سے بچانے کی خاطر کچھ زرخرید راویوں

---

(۱) صحیح بخاری :جلد۹ ،کتاب استتابة المرتدین ،باب (۳) حدیث۶۵۲۶.

مترجم:(صحیح بخاری جلد ۲ ،کتاب الزکاة ،باب(۱) حدیث۱۳۳۵ . جلد۳،کتاب الجهاد، باب" دعاء النبیّ الیٰ الاسلام و النبوة"حدیث۲۷۸۶. جلد ۶ ،کتاب الاعتصام بالکتاب السنة، باب" اقتداء سنن رسول اللهؐ" حدیث۶۸۵۵.) صحیح مسلم جلد۲ ،کتاب الایمان، باب (۸) "الامر بقتال الناس"حدیث۲۰،۲۱.

مسلم نے تقریباً سات عدد اسناد کے ساتھ مذکورہ روایت کو نقل کیا ہے۔

(۲) ریاض النضره ، جلد ۱ ص ۱۰۰ ،تالیف محب الدین طبری.

روایتیں گڑھنا شروع کردیں! جن کے ذریعہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ جن لوگوں کو خلیفۂ وقت نے قتل کرنے کا حکم دیا تھا وہ مرتد ہوگئے تھے!! اس طرح ان لوگوں کو مانند مسیلمہ اور طلیحہ، کفار کی صف میں کھڑا کردیا! زمان رسالت سے مسلمانوں سے نبرد آزماں تھے، حالانکہ کتب تواریخ وروایات اس اتہام کو صراحت کے ساتھ رد کرتی ہیں، چنانچہ صحیحین میں بھی اس واقعہ کے ایک گوشے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، لہٰذا پہلے ہم اس بارے میں صحیحین سے نقل کرتے ہیں، اس کے بعد تاریخ کے لحاظ سے اس واقعہ کا خلاصہ نقل کریں گے:

"...... عن ابن شهاب، اخبرني عبيد الله بن عبدالله بن عتبة، ان ابا هريرة قال: لما توفّي النبيّ واستخلف ابوبكر وكفر من كفر من العرب، قال عمر: يا ابابكر كيف تقاتل الناس وقد قال رسولُ الله: امرت ان اقاتل الناس حتى يقولوا: لا اله الا اللّه، فمن قال لا اله الا الله عَصَمَ مني مَا لَهُ ونفسه الا بحقه وحسابه على اللّه؟ قال ابوبكر: والله لأ قاتِلَنّ من فرّق بين الصلٰوة والزكٰوة، فان الزكاة حق المال والله لو منعوني عَناقا كانوا يؤدونها الى رسولِ الله، لقاتلْتُهُمْ على منعها، قال عمر: فوالله ما هو الّا ان رَأيتُ ان قد شرّح الله صدرَابي بكر للقتال، فعرفتُ انه الحق" (۱)

امام بخاری اور مسلم نے تمام اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے:

جب رسول خداؐ کی وفات ہوئی اور ابوبکر تخت خلافت پر جانشین ہوئے تو عرب کے بعض قبیلے اپنے کفر کی طرف پلٹ گئے، عمر نے ابوبکر سے کہا: اے ابوبکر! تم ان لوگوں سے کیسے جنگ کرو گے

---

(۱) صحيح بخاری جلد ۹، کتاب استتابة المرتدين باب (۳) حديث ۶۵۲۶.

مترجم: (بخاری ج ۲، کتاب الزكاة، باب (۱) حديث ۱۳۳۵. ج ۳، کتاب الجهاد، باب " دعاء النبيّ الىٰ الاسلام والنبوة " حديث ۲۷۸۶. ج ۶، کتاب الاعتصام بالكتاب السنة، باب " اقتداء سنن رسول اللهؐ " حديث ۶۸۵۵.)

مسلم ج ۲، کتاب الایمان، باب (۸) "الامر بقتال الناس حتى يقولوا......" حديث ۲۰، ۲۱.

مسلم نے تقریباً سات عدد اسناد کے ساتھ مذکورہ روایت کو نقل کیا ہے.

حالانکہ رسولؐ کا فرمان تھا: میں اس لئے مبعوث کیا گیا ہوں کہ اس وقت تک لوگوں سے جنگ کروں جب تک یہ خدا کی وحدانیت کے قائل نہ ہو جائیں اور جو شخص خدا کی وحدانیت کو قبول کر لے اس کی جان و مال محفوظ ہے، البتہ اگر کوئی شخصی حق رکھتا ہو تو اس کی جان مباح ہو سکتی ہے؟ (بطور خون بہا وغیرہ)، ابوبکر نے جواب میں کہا: خدا کی قسم میں ان لوگوں سے ضرور جنگ کروں گا جنہوں نے نماز و زکاۃ میں فرق کیا کیونکہ زکاۃ مالی حق ہے (اسلامی حکومت کا حق ہے) قسم خدا کی جو زکاۃ یہ لوگ رسول خداؐ کو دیتے تھے وہی مجھے نہ دی اور اس میں سے ایک بکری کا بچہ بھی روک لیا تو میں ان سے جنگ کروں گا۔

عمر نے کہا: قسم خدا کی یہ جواب ابوبکر کو اس شرح صدر کی وجہ سے عطا ہوا تھا جو خدا نے کیا یعنی یہ جواب خدا کی طرف سے القاء ہوا تھا لہٰذا میں سمجھ گیا کہ ابوبکر کی بات کاملاً ٹھیک ہے۔(۱)

عرض مؤلف

اس حدیث کے پہلے ٹکڑے میں یہ کہا گیا ہے: عرب کے بعض قبیلے کافر ہو گئے، یہ سراسر غلط اور جھوٹا الزام ہے اور درحقیقت خلیفہ صاحب کی غلطیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ جملہ اضافہ کیا گیا ہے، چنانچہ مزے کی بات یہ ہے کہ اسی روایت کے بعد والے جملوں سے اس کا جعلی ہونا ثابت ہے کیونکہ:

۱۔ اس روایت میں آیا ہے کہ جب عمر نے ابوبکر سے پوچھا کہ آپ ان سے کیسے جنگ کریں گے؟ تو ابوبکر نے کہا میں ان لوگوں سے ضرور جنگ کروں گا جو نماز و زکاۃ میں فرق کر رہے ہیں، اس جملہ سے ظاہر

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۱، کتاب الایمان، باب" الامر بقتال الناس حتیٰ یقولوا......"حدیث ۲۰.

صحیح بخاری: جلد ۹، کتاب استتابۃالمرتدین، باب(۳)حدیث ۶۵۲۶.

مترجم:(صحیح بخاری، جلد ۱، کتاب الزکٰوۃ، باب (۱) "وجوب الزکاۃ" حدیث ۱۳۳۵، باب(۳۹) "اخذ العناق فی الصدقۃ" حدیث ۱۳۸۸. جلد ۳، کتاب الجهاد، باب" دعاء النبیؐ الیٰ الاسلام ......" حدیث ۲۷۸۶. جلد ۶، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب" الاقتداء بسنن رسول ﷲ" حدیث ۶۸۵۵. جلد ۱، کتاب الایمان، باب(۱۴) "فان تابوا واقاموا الصلوۃ والزکاۃ." (سورۂ توبہ ۵) حدیث ۲۵).

ہورہا ہے کہ وہ نہ صرف کافر نہیں ہوئے تھے بلکہ خدا کے حکم کے مطابق نماز روزہ واصول دین وغیرہ پر یقین رکھتے تھے اوران کی بجا آوری بھی کرتے تھے۔

۲۔ اگر مان لیا جائے کہ وہ لوگ کافر ہوگئے تھے تو حضرت عمر نے ابوبکر پر کیوں اعتراض کیا تھا کہ ان سے کیسے جنگ کی جائے گی حالانکہ وہ لا الہ الا اللہ اور محمد رسولؐ اللہ کہتے ہیں اور رسول اسلامؐ کو حکم بھی یہی دیا گیا تھا کہ جب تک لا الہ الا اللہ نہ کہے اس وقت تک جنگ کرو؟

مشہور فقیہہ اور فلسفی جناب ابن رشید کہتے ہیں:

زکاۃ کے احکام میں سے ایک حکم اس کا یہ بھی ہے کہ کوئی شخص زکاۃ کے وجوب کا انکار نہ کرے لیکن زکاۃ دینے سے انکار کرے اور ابوبکر کا عقیدہ یہ تھا کہ جو شخص زکاۃ کے وجوب کا قائل ہو مگر دینے سے انکار کرے وہ مرتد کے حکم میں ہے، چنانچہ جب عرب کے قبائل نے ابوبکر کو زکاۃ دینے سے انکار کردیا تو حضرت ابوبکر نے ان سے جنگ کی اوران کے بال بچوں کو اسیر کرلیا، لیکن عمر کا یہ نظریہ نہیں تھا لہٰذا انھوں نے اس حکم میں ابوبکر کی مخالفت کی اور جن لوگوں کو ابوبکر نے اسیر کرر کھا تھا آزاد کردیا اور اکثر علمائے اہل سنت بلکہ تمام علماء اس مسئلہ میں عمر کے ہم عقیدہ ہیں۔

"وخالفه في ذالک عمرؓ واطلق من كان استرق منهم و بقول عمر قال الجمهور......"(۱)

یہ سارا قتل وغارت کا قضیہ عکرمہ ابن ابی جہل کی سرپرستی میں "حضر موت" کے مقام پر مختلف قبائل (کندہ، مآرب) کے ساتھ اور اطراف مدینہ میں "عبس وذبیان، بنی کنانہ" سے خالد بن ولید کی سرپرستی میں وقوع پذیر ہوا، یہ تمام افراد جن کو مسلمانوں نے خالد بن ولید وعکرمہ کی سرپرستی میں قتل کیا مرتد نہیں ہوئے تھے، بلکہ سب یہی کہہ رہے تھے کہ جب تلک ہمارے درمیان رسولؐ تھے ہم نے ان کی پیروی کی لیکن ابوبکر سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے **"اطعنا رسول الله مادام وسطنا فيا قوم ما شأ ني و شأن ابی بكر"** اور کبھی گورنر کے سامنے یہ کہتے کہ تو ہمیں ایسے مرد کی اطاعت کو کیوں کہہ رہا ہے جس کے بارے میں ہم سے

---

(۱) بداية المجتهد ج ۱، كتاب الزكاة، المسئلة الثالثة، "اذا مات بعد وجوب الزكاة عليه ......" ص ۲۰۰.

اور تجھ سے کوئی عہد نہیں لیا گیا ہے؟" **انک تدعوا الی طاعة رجل لم یعهد الینا ولا الیکم فیه عهد** " اور کبھی یہ کہتے کہ تم نے خاندان پیغمبر ؐ کو اس معاملہ سے کیوں دور کر دیا؟ منصب خلافت کے اصلی حقدار وہ ہیں جن کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿......وَاُولُوا الاَرْحَامِ بَعْضُهُم اَوْلَی بِبَعْضٍ فِیْ کِتَابِ اللّٰہ...... ﴾(۱)

ابن کثیر کہتے ہیں:

عرب کے مختلف قبائل، گروہ در گروہ مدینہ آتے اور نماز کے سلسلے میں اقرار واعتراف کرتے تھے، لیکن زکاۃ کے ادا کرنے سے گریز کرتے تھے اور کچھ ان میں سے ایسے تھے جو خلیفہ وقت کو زکاۃ دینے سے انکار کرتے تھے۔(۲)

سنیوں کے مشہور مصنف **عقاد مصری** کہتے ہیں:

وہ عرب کے قبیلے جو مدینہ کے نزدیک رہتے تھے رسول ؐ کے بارے میں بہت مخلص اور ہمدرد تھے، لیکن جب رسول ؐ کی وفات ہوئی اور ابوبکر نے زمام حکومت سنبھالی تو ان لوگوں نے اس کی نافرمانی اور مخالفت کی اور کہنے لگے: ہم رسول خدا ؐ کی پیروی کرتے ہیں ہم کو ابوبکر سے کیا مطلب؟!

اس کے بعد **عقاد** کہتے ہیں:

کچھ افراد ایسے تھے جو اصل زکاۃ کا عقیدہ رکھتے تھے لیکن جو زکوۃ وصول کرنے والے تھے ان کو دینے سے انکار کرتے تھے۔(۳)

مشہور مصنف **محمد حسین ہیکل مصری** کہتے ہیں:

" ابوبکر نے صحابہ کو جمع کیا اور ان لوگوں کے بارے میں مشورہ کیا جنہوں نے ابوبکر کو زکاۃ دینے سے

---

(۱) سورۂ احزاب، آیت ۶، پ ۲۱.

نوٹ: مذکورہ واقعہ کو " معجم البلدان حموی مادہ حضرت موت اور انساب الاشراف بلاذری" مالک ومتمم ابنا نویرۃ " اور تاریخ اعثم کوفی" ذکر خلافت ابوبکر ، میں تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) البدایہ و النهایہ؛ابن کثیر، جلد۶ ،فصل : "تنفیذ جیش اسامة بن یزید " صفحہ ۳۳۵.

(۳) عبقریة الصدیق ،بحث: "الصدیق والدولة الاسلامیة" صفحہ ۱۲۴ . ۱۲۵ ،مطبوعہ: بیروت لبنان.

انکار کر دیا تھا کہ آیا ان سے جنگ کی جائے یا نہیں؟ کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ ان سے جنگ کرنا جائز ہے اور کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ جنگ نہ کی جائے اور ان منع کرنے والوں میں حضرت عمر بھی تھے، آپ کا کہنا تھا: ان سے جنگ نہ کریں کیونکہ یہ لوگ خدا اور رسولؐ پر ایمان رکھتے ہیں، بلکہ ان سے دشمنان اسلام کے مقابلہ میں فائدہ اٹھایا جائے۔"

اس کے بعد محمد حسین ہیکل کہتے ہیں:

شاید مجلس مشاورت میں شرکت کرنے والوں میں سے اکثر لوگ یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ ان سے جنگ نہ کی جائے اور اس نظریہ کے مخالفین اقلیت میں تھے، بلکہ ظن قوی یہ ہے کہ جب حاضرین مجلس میں اس اہم اور خطرناک معاملہ پر بحث ومباحثہ بہت بڑھ گیا تو ابوبکر نے مجبوراً ذاتی طور پر اس میں مداخلت کر کے اقلیت کے نظریہ کی تصدیق وتائید کردی اور پُر زور طور پر اپنی بات منوانے کیلئے کہنے لگے: "قسم بخدا وہ چیز جو رسولؐ کو دی جاتی تھی اس میں سے انہوں نے ایک بکری کا بچہ بھی روک لیا تو میں ان سے جنگ کروں گا" (۱)

عرض مؤلف

اس تمام واقعہ کو سیوطی نے تاریخ الخلفاء، بلاذری نے انساب الاشراف اور اعثم کوفی نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے، اعثم کوفی کہتے ہیں:

ابوبکر نے جملہ قسمیہ **"واللہ لو منعونی عقالاً"** عمر کے جواب میں کہا تھا، کیونکہ عمر ان مسلمانوں سے قتل وکشتار کرنے کے مخالف تھے۔ (۲)

بہر کیف جو تفصیلات اور مطالب ہم نے تاریخ ابن کثیر اور دیگر کتابوں سے نقل کئے ہیں ان سے اور خود حضرت ابوبکر کی بات سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ جن کو ابوبکر کے حکم سے قتل کیا گیا وہ مرتد نہیں بلکہ مسلمان

---

(۱) الصدیق ابوبکر ،الفصل الخامس : "قتال من منعوا الزکاۃ" صفحہ ۹۲ .

(۲) ترجمہ اعثم کوفی ج ۱ ،"ذکر خلافت ابو بکر" ص ۶ ،مطبوعہ: ایران .

تھے اور یہ لوگ باقاعدہ اصل زکاۃ پر ایمان رکھتے تھے، البتہ ابو بکر کو زکاۃ دینے سے انکار کر رہے تھے، بس اسی بات پر ان کو ابو بکر نے تہہ تیغ کروا دیا!!

مالک بن نویرہ (نمائندۂ رسولؐ) کے قتل کا واقعہ

قارئین کرام! جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا کہ حضرت ابو بکر کے دور خلافت میں عرب کے مختلف قبائل سے اس لئے جنگ لڑی گئی اور ان کے بچوں اور عورتوں کو اس لئے اسیر کر لیا گیا کیونکہ ان لوگوں نے زکاۃ دینے سے انکار کیا تھا، مگر مشہور یہ کیا گیا کہ یہ لوگ مرتد ہو گئے تھے، اگر ان تمام واقعات اور جزئیات کی تفصیل لکھی جائے تو ایک مستقل کتاب مرتب ہو جائے لیکن ہم یہاں پر صرف مالک بن نویرہ اور ان کے خاندان (جنھیں بے دردی سے قتل کیا گیا) کے واقعہ کو نمونہ کے طور پر نقل کرتے ہیں:

ابن حجر اپنی کتاب ''الاصابہ'' میں تحریر کرتے ہیں:

رسول اسلامؐ نے مالک بن نویرہ کو ان کے خاندان سے صدقات وصول کرنے کیلئے اور قبیلۂ بنی تمیم سے زکاۃ حاصل کرنے پر اپنا نمایندہ مقرر فرمایا تھا۔(۱)

اعثم کوفی کہتے ہیں:

خالد بن ولید نے اپنے لشکر کو اس جگہ روک دیا جہاں قبیلہ بنی تمیم رہتا تھا اور گروہ گروہ کر کے تمام اطراف میں لشکر کو بھیجا، چنانچہ ایک گروہ اس باغ میں بھیجا جہاں مالک بن نویرہ اپنے خاندان کے ساتھ رہتے تھے، اس گروہ نے اچانک حملہ کر کے تمام لوگوں کو گرفتار کر لیا اور مالک اور ان کی بیوی جو بے حد خوبصورت تھی اور ان کے خاندان کو اسیر کر کے خالد بن ولید کے پاس لایا گیا، خالد بن ولید نے حکم دیا کہ مالک کے تمام خاندان کو قتل کر دیا جائے!!

مالک اور ان کے ساتھیوں نے کہا: اے خالد! تو ہم کو کیوں قتل کر رہا ہے حالانکہ ہم سب مسلمان

(۱) الاصابہ جلد ۵، نمبر ۷۷۱۲، (در بیان حالات مالک بن نویرہ بن جمرۃ) ص ۵۶۰.

ہیں؟ اس وقت خالد نے کہا: خدا کی قسم میں تم سب کو قتل کر دوں گا!! یہ بات سن کر ایک بوڑھے شخص نے کہا: اے خالد! کیا ابوبکر نے تجھے یہ حکم نہیں دیا ہے کہ جو کعبہ کی طرف نماز پڑھتے ہوں ان کو قتل نہ کیا جائے؟ خالد نے کہا: کیوں نہیں، لیکن تم لوگ اصلاً نماز ہی نہیں پڑھتے ہو!

اعثم کہتے ہیں:

اس وقت ابوقتادہ جو خالد کے لشکریوں میں سے تھے اٹھ کھڑے ہوئے اور خالد سے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تو ان کو قتل کرنے کا حق نہیں رکھتا، کیونکہ جب ہم ان کو گرفتار کرنے گئے تو ان لوگوں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ تو ہم نے کہا: مسلمان ہیں، اس وقت انہوں نے بھی کہا: ہم بھی مسلمان ہیں اور اذان دی گئی اور ان سب نے ہمارے پیچھے نماز ادا کی۔

اس وقت خالد نے کہا: اے ابوقتادہ! اگرچہ یہ لوگ نماز پڑھتے ہیں مگر چوں کہ زکاۃ دینے سے انہوں نے انکار کیا ہے لہٰذا ان کو قتل کیا جائے گا، یہ سنکر وہ بوڑھا مرد زور زور سے چیخنے لگا، لیکن خالد نے ان کی ایک فریاد اور آہ و بکا کو نہ سنا اور ان سب کو یکے بعد دیگرے بے رحمی اور بے دردی سے قتل کر دیا!

اعثم کوفی کہتے ہیں:

اس وقت سے ابوقتادہ نے یہ عہد کر لیا تھا کہ جس لشکر کا سردار خالد ہوگا اس میں شرکت نہ کرے گا۔

پھر خالد نے مالک کو پکڑ کر آگے کھینچا، مالک نے کہا: اے خالد! تو ایسے شخص کو قتل کر رہا ہے جو کعبہ کی طرف نماز پڑھتا ہے؟! خالد نے کہا: اے مالک! تم مسلمان ہوتے تو زکاۃ دینے سے انکار نہ کرتے اور نہ اپنے قبیلے کو زکاۃ دینے سے منع کرتے، اے مالک! خدا کی قسم میں تم کو ضرور قتل کروں گا، قبل اس کے کہ تیرے لبوں تک ایک قطرۂ آب پہنچے، اس وقت مالک نے اپنی بیوی کی طرف چہرہ کیا اور فرمایا: اے خالد! تو مجھے اس (بیوی) کی وجہ سے قتل کر رہا ہے؟

خالد نے کہا: میں تجھے ضرور قتل کروں گا کیونکہ تو اسلام سے خارج ہو گیا ہے، تو نے زکاۃ کے اپنے سارے اونٹ متفرق کر دئے ہیں اور اپنے قبیلے کو زکاۃ دینے سے منع کر دیا ہے، لہٰذا خدا نے تیرے

قتل کا حکم دیا ہے، اس وقت خالد نے مالک بن نویرہ کو تمام لوگوں کے سامنے قتل کر دیا۔

اعثم کوفی کہتے ہیں:

تمام مؤرخین نے بالاتفاق نقل کیا ہے کہ خالد نے مالک کو قتل کر کے ان کی بیوی سے شادی کر لی تھی(۱)

مشہور مؤرخ اسلام یعقوبی کہتے ہیں:

مالک کے بھائی متمم بن نویرہ نے اپنے بھائی کے سوگ میں اشعار ومراثی بہت کہے چنانچہ ایک روز متمم شہر مدینہ میں ابوبکر کے پاس گئے اور جب نماز صبح ابوبکر کے ساتھ بجالا چکے تو اپنی کمان پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے اور مندرجہ ذیل اشعار پڑھنا شروع کر دئے:

نعم القتیل اذاالریاح تناوحت　　خلف البیوت قتلت یابن الازور

ادعوته باللّٰہ ثم غدرته　　لوهودعاک بذمة لم یغدر

کیا خوب مقتول ہے کہ جب سے قتل ہوا تو فضائیں نوحہ کر رہی تھیں، اے ازور (جھوٹے) کے بیٹے تو نے اس کو پشت خانۂ کعبہ میں قتل کیا ہے، آیا پہلے تو نے خدا کی طرف اسے دعوت دی اس کے بعد اس کے ساتھ حیلہ وفریب کیا؟ اگر وہ (مالک) تجھے دعوت دیتا اور تیرے ساتھ عہد و پیان باندھتا تو ایسا ذلیل فعل انجام نہ دیتا۔(۲)

ابوبکر نے کہا: نہ میں نے اس کو دعوت دی تھی اور نہ اس کے ساتھ غدر وفریب کیا۔

یعقوبی کہتے ہیں:

عمر نے تخت خلافت پر آنے کے بعد واقعہ جو کام انجام دیا وہ یہ تھا کہ جن لوگوں کو ابوبکر نے اسیر بنا رکھا تھا ان کو آزاد کر دیا۔(۳)

اعثم کوفی کہتے ہیں:

جب مرتدین کے اسیروں کو لایا گیا تو عمر نے قتل کرنے سے منع کر دیا تھا چنانچہ ان لوگوں کو ابوبکر نے

---

(۱) ترجمہ تاریخ اعثم کوفی جلد ۱، ذکر خلافت ابو بکر، صفحہ۷.

(۲) تاریخ یعقوبی جلد۲، ایام ابو بکر صفحہ ۱۳۲ .

(۳) تاریخ یعقوبی جلد۲، ایام عمر بن الخطاب، صفحہ ۱۳۹.

قید خانہ میں ڈلوادیا تھا، لیکن عمر نے ان لوگوں کو آزاد کردیا۔(۱)

جی ہاں! صرف ایک زکاۃ نہ دینے پر خلفاء نے کس طرح حکم خدا و رسولؐ کی مخالفت کرتے ہوئے مسلمانوں کا خون مباح کردیا تھا؟! ظلم کی انتہا یہ کہ ان کے بچوں اور عورتوں کو بھی تہہ تیغ کردیا گیا! اور جو عورتیں بچے زندہ رہے، ان کے ہاتھ، پیروں میں زنجیر و ہتھکڑی ڈال کر اسلامی دارالحکومت کی طرف خلیفہ کے حکم سے کشاں کشاں لے جایا گیا! (اور کچھ عورتوں سے زبردستی خود عقد کرلیا! چنانچہ) ایک خلیفہ کے بعد دوسرے خلیفہ کو اس فعل کو خطاء کہنے پر مجبور ہونا پڑا اور پہلی فرصت میں ان قیدیوں کو آزاد کیا، یہ ہیں مسلمانوں کے چہیتے خلفاء کے سیاہ کارنامے کہ شریعت اسلامیہ کو بالکل بالائے طاق رکھ کر جو دل چاہا حکم صادر کیا! کسی کو کوئی پاس خدا اور رسولؐ نہ تھا!

صحیح مسلم میں آیا ہے:

مولائے متقیان حضرت علی علیہ السلام کو جب جنگ خیبر میں علم دیا گیا تو رسولؐ نے فرمایا: اے علی! "**امش ولا تلتفت**" جاؤ اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا تو اب علیؑ کی اطاعت دیکھئے! کچھ دور چلے اور بغیر اس کے کہ چہرہ کو پیچھے کریں اسی طرح کہا: یا رسول اللہ! اس قوم سے کب تک جنگ کروں؟ رسولؐ نے فرمایا: جب تک یہ قوم خدا اور رسولؐ پر ایمان نہ لائے، بس اسی صورت میں ان کی جان و مال محفوظ ہے اس کے بعد فوراً چل دئے اور جنگ کی۔(۲)

یہ ہے اسلامی خلیفہ کی اطاعتِ فرمانِ رسولؐ! یہ ہے اسلام کا نظام! ایسے ہی افراد پر خلافت الٰہیہ زیب دیتی اور ناز کرتی ہے۔(اور وہ ہے مسلمانوں کے خلیفۂ وقت اور نام نہاد جانشین رسولؐ کا کردار! وہ ہے اسلام اور فرمان رسولؐ کے ساتھ کھلواڑ!!) بہر حال یہ تھا اس واقعہ کا خلاصہ جو آپ نے ان چند سطروں میں ملاحظہ فرمایا، صحیحین میں بھی اس کی طرف قدرے اشارہ کیا گیا ہے۔

---

(۱) تاریخ اعثم کوفی ج ۱ ،ذکر خلافت ابو بکر ، ص ۱۸. ۱۹ .

(۲) صحیح مسلم ج۷، کتاب فضایل الصحابة، باب" فضائل علی علیه السلام"

۲۔ جاگیر فدک اور میراث پیغمبر کی سرگزشت

جہاں اور بہت سی حکم خدا اور رسولؐ کی مخالفتیں دور خلافت ابو بکر میں کی گئیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ رسولؐ کی ساری میراث اور باغ فدک جسے رسولؐ نے اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو ہبہ کر دیا تھا واپس لے کر بیت المال میں ملا دیا گیا، اس طرح صدیقۂ طاہرہ کے دل کو رنجیدہ کیا، اس ماجرا کو صحیحین میں دو جگہ عائشہ سے اشارۃً نقل کیا گیا ہے، لہٰذا پہلے ان دو موردکو ذیل میں ہم معہ متن وترجمہ پیش کرتے ہیں اس کے بعد ان کی اجمالی توضیح وتحقیق کریں گے:

ا ......"عُرْوة بن اَلزُّبير؛ان عائشة ام المؤمنين؛اخبرته ان فاطمة الزهراء عليها السلام ابنةَ رسولؐ اللّٰهؐ سألت ابا بكر الصديق بعد وفاة رسولؐ الله ان يقسم لها ميراثها مما ترک رسولؐ الله مما افاء الله عليه، فقال لها ابوبكر: ان رسولؐ الله قال"لا نورث ما تركنا صدقة" فغضبت فاطمة(س) بنت رُسولؐ الله ، فهجرت ابابكر فلم تزل مهاجرتَه حتى توفِّيَتْ، وعاشت بعد رسولؐ الله ستَة اشهر،قالت وكانت فاطمة(س) تسألُ ابابكرنصيبها مما ترک رسولؐ الله من خيبر وفدکٍ وصَدَقَتَهُ بالمدينة ،فابى ابوبكرعليها ذالک......!!

عروہ بن زبیر نے عائشہ سے نقل کیا ہے:

وفات رسولؐ کے بعد حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے ابو بکر سے مطالبہ کیا کہ آپ کو میراث پیغمبرؐ کا حصہ اور پیغمبرؐ کی ثروت جو خداوند متعال نے آپ کو بطور خاص عطا فرمائی تھی دی جائے، ابو بکر نے کہا: رسولؐ نے فرمایا ہے: **"لانورث ما تركنا صدقة"** ہم کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے بلکہ جو چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔

شہزادی کونین (س) اس جواب کو سن کر ناراض ہوگئیں اور اسی ناراضگی کی حالت آپ نے دنیا سے وفات پائی۔

عائشہ کہتی ہیں: فاطمہ (س) وفات پیغمبرؐ کے بعد چھ مہینے زندہ رہیں اور اس مدت میں آپ اس

میراث کو طلب فرماتی رہیں جو رسولؐ نے خیبر، فدک اور صدقاتِ مدینہ سے ارث کے طور پر چھوڑا تھا لیکن ابوبکر نے دینے سے انکار کر دیا۔(۱)

۲. ...... عن عروة عن عائشة؛ ان فاطمه بنت النبی ارسلت الی ابی بکر تسئله میراثها من رسول اللهؐ مما افاء الله علیها بالمدینه وفدک ومابقی من خمس خیبر، فقال ابو بکر: ان رسول اللهؐ قال:" لا نورث ما ترکنا صدقة" انما یأکل آل محمد فی هذا المال، وانی والله لا اغیر شیئاً من صدقة رسول الله عن حالها التی کان علیها فی عهد رسول اللهؐ، ولا اعملن فیها بما عمل به رسول الله، فابی ابوبکر ان یدفع الی فاطمة منها شیئاً، فوجدت فاطمة علی ابی بکر فی ذالک، فهجرته فلم تکلمه حتی توفیت، وعاشت بعد النبی ستة اشهر، فلما توفیت دفنها زوجها علی لیلاً، ولم یؤذن بها ابا بکر، وصلی علیها، وکان لعلی من الناس وجه حیاة فاطمة (سلام الله علیها)، فلما توفیت، استنکر علی وجوه الناس، فالتمس مصالحة ابی بکر، ومبایعته، ولم یکن یبایع تلک الاشهر، فارسل الی ابی بکر ان ائتنا ولا یأتنا معک احد ......!!(۲)

عروہ نے عائشہ سے نقل کیا ہے:

ایک مرتبہ بنت رسولؐ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے ابوبکر کے پاس کسی کو بھیجا کہ جو رسولؐ نے باغ فدک و دیگر اموال مدینہ میراث کے طور پر چھوڑے ہیں وہ شہزادی کو دے دئے جائیں اور خمس خیبر بھی دیا جائے۔

---

(۱) صحیح بخاری: جلد۴، کتاب الجهاد ابواب الخمس، باب" فرض الخمس" حدیث ۲۹۹۶.
مترجم:(صحیح بخاری جلد۴، کتاب المغازی، باب "حدیث بنی نضیر"حدیث ۳۸۱۰،باب" غزوة خیبر"، حدیث۳۹۹۸. جلد ۳، کتاب فضایل الصحابة، باب" مناقب قرابةالرسول" حدیث۳۵۰۸. جلد ۵، کتاب الفرائض، باب "قول النبیؐ لال نورث ماترکنا صدقة" حدیث ۶۳۴۶، ۶۳۴۹.) صحیح مسلم جلد۵، کتاب الجهاد والسیر، باب" قول النبیؐ لانورث" حدیث ۱۷۵۹.

(۲) صحیح بخاری جلد۵، کتاب المغازی ،باب "غزوة خیبر"حدیث ۳۹۸۹. صحیح مسلم جلد۵، کتاب الجهاد و السیر ،باب (۱۶)"قول النبی :لا نورَث ما ترکنا فهو صدقة"حدیث ۱۷۵۹.

ابوبکر نے جواب میں کہلایا: رسولؐ نے فرمایا ہے: **"لانورث ما ترکنا صدقة"** ہم کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے جو چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے بس وہ (آل رسول) اس مال وثروت سے استفادہ نہیں کرسکتے ہیں، قسم بخدا میں رسولؐ کا ترک کردہ صدقہ اسی طرح استعمال کروں گا جس طرح رسولؐ کے زمانے میں استعمال ہوتا تھا اور ہرگز تغیر نہیں کرسکتا جس طرح رسولؐ عمل کرتے تھے اسی طرح میں عمل کروں گا۔ پس جب ابوبکر نے میراث رسولؐ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو نہیں دی تو حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ابوبکر پر ناراض ہوگئیں اور اپنی وفات تک ابوبکر سے کلام تک نہ کیا۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں: رسولؐ کی وفات کے بعد شہزادی کونین (س) صرف چھ ماہ زندہ رہیں اور جب آپ نے وفات پائی تو حضرت علی علیہ السلام نے شب کی تاریکی میں انھیں دفن کردیا اور خود ہی نماز وغیرہ پڑھی، ابوبکر کو خبر تک نہ دی اور جب تک فاطمہؑ زندہ تھیں علی علیہ السلام لوگوں کے درمیان وقعت واہمیت رکھتے تھے، لیکن جب حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی وفات ہوگئی تو لوگوں کے اخلاق وکردار علی علیہ السلام کے بارے میں بدل گئے اور وہ حضرت علیؑ کو نفرت کی نظروں سے دیکھنے لگے،" چنانچہ علیؑ نے ابوبکر سے مصالحت کرنا چاہی تاکہ بیعت کریں جبکہ حضرت فاطمہ زہراؑ کے ہوتے ہوئے چھ مہینے تک آپ نے بیعت کرنا قبول نہیں کیا تھا، لہٰذا کسی کو ابوبکر کے پاس بھیجا کہ وہ ہمارے پاس تنہا آئیں اور کسی کو ساتھ میں نہ لائیں"۔(۱)

عرض مؤلف

یہ دونوں حدیثیں صحیحین میں مفصل مذکور ہیں ہم نے یہاں پر صرف اپنے استشہاد کے لئے اختصار کے طور پر نقل کیا ہے، بہرحال عائشہ نے اپنے زعم ناقص میں ان دونوں حدیثوں کے ذریعہ معاملہ کو لیپنے پوتنے کا

(۱) ہمارے پاس قرآن مجید اور کتب تواریخ سے مسلم الثبوت دلائل موجود ہیں کہ معصوم غیر معصوم کی بیعت نہیں کرتا لہٰذا مذکورہ حدیث میں جو بات حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں کہی گئی ہے کہ آپ نے وفات بنت رسولؐ کے بعد ابوبکر کی بیعت کرنے کی خواہش ظاہر فرمائی یہ کھلا ہوا بہتان اور برہنہ کذب ہے، چونکہ اس کتاب کا موضوع اس بحث سے جداگانہ ہے لہٰذا اس بارے میں آپ ہماری علم کلام کی کتابیں دیکھئے۔ مترجم۔

کام کیا ہے، لیکن موصوفہ کی گفتگو سے درحقیقت چند قابل توجہ نکات کا ایک نا قابل انکار حقیقت سے پردہ فاش کرتے ہیں، چنانچہ اختصار کے طور پر ذیل میں ہم ان نکات کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کراتے ہیں:

ا۔ مذکورہ روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ رسولؐ نے صرف میراث میں باغ فدک ہی نہیں چھوڑا تھا جیسا کہ مشہور ہے بلکہ فدک کے علاوہ دیگر اموال، آراضی اور قریہ ودیہات بھی چھوڑے تھے جو اطراف مدینہ میں واقع تھے، (۱) اور حضرت عائشہ کی گفتگو سے اسی نکتہ کا استفادہ ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ زہرا (س) ابوبکر کے ساتھ متعدد چیزوں مانند باغ فدک، خمس، غنائم خیبر، صفایا اور صدقات اطراف مدینہ میں اختلاف رکھتی تھیں۔

ممکن ہے فدک کے مشہور ہونے کی وجہ یہ ہو کہ اس کی مالیت سب سے زیادہ تھی جیسا کہ سنن ابی داؤد (متوفی ۲۷۵ھ) میں آیا ہے: خلافت عمر بن عبدالعزیز (۹۹۔۱۰۱ھ) کے زمانہ میں فدک کی سالانہ آمدنی چالیس ہزار دینار تھی۔(۲)

۲۔ ابوبکر نے میراث رسولؐ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو نہ دینے کے لئے ایک جعلی دلیل کا سہارا لیا اور اس دلیل (حدیث) کو رسولؐ کی طرف منسوب کردیا!!

۳۔ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے اس جعلی قانون کو رد کرتے ہوئے تمام لوگوں کے سامنے واضح کردیا کہ ابوبکر کا یہ کہنا کہ رسولؐ نے یہ فرمایا ہے بالکل غلط اور بہتان ہے کیونکہ اگر میرے بابا کا یہ فرمان ہوتا تو مجھ سے وہ یہ بیان کر کے جاتے لہٰذا یہ ابوبکر کی من گڑھت حدیث ہے، اسے میں مردود جانتی ہوں، یہی وجہ تھی کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے ابوبکر سے تا وفات بات نہ کی اور یہی نہیں بلکہ آپ جنازے میں شرکت کے لئے بھی منع فرما گئیں تھیں، چنانچہ حضرت علیؑ نے ابوبکر کو شہزادی کی وفات کی خبر تک نہ دی تھی اور آپ نے خلیفۂ وقت کو بغیر اطلاع کئے رسولؐ کی اکلوتی بیٹی کو راتوں رات نماز جنازہ پڑھ کر دفنا دیا۔

---

(۱) سنن ابی دائود، جلد ۲، کتاب الخراج والامارۃ، باب [۱۹] "فی صفایا رسول اللہ من الاموال" حدیث ۲۹۶۸۔

(۲) سنن ابی دائود جلد ۲، کتاب الخراج والامارۃ، باب [۱۹] "فی صفایا رسول اللہ من الاموال" ح ۲۹۷۲، ص ۲۴۔

۴۔حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اپنی چھ ماہ کی زندگی میں مولائے کائناتؑ کے لئے مخالفین کے مقابلہ میں سب سے بڑی قوت تھیں ،یہی وجہ تھی کہ جب تلک فاطمہ (س) زندہ رہیں آپ نے (بقول عائشہ) خلیفہ وقت کی بیعت نہ کی اور شہزادی کے ہوتے ہوئے کسی میں ہمت نہ تھی جو علیؑ سے اعلانیہ نفرت کرتا، لیکن جیسے ہی حضرت فاطمہ زہرا (س) کی وفات ہوئی تو حضرت علی علیہ السلام سے لوگوں کے چہرے بدل گئے یہاں تک کہ خود حضرت علی علیہ السلام نے ابوبکر سے مصالحت کی خواہش فرمائی!!

" استنکر علی وجوہ الناس فالتمس مصالحۃ ابی بکر"!!(۱)

حدیث "نَحْنُ مَعَاشِرَ الْأَنْبِیَاءِ لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرِثُ" کی حقیقت

قارئین ہماری بحث سے مربوط مذکورہ چار مطالب میں سے صرف پہلے دو مطلب ہیں:

۱۔میراث رسولؐ کا غصب کرنا۔

۲۔جھوٹا قانون جعل کر کے رسولؐ کی طرف منسوب کر دینا۔

ان دو مطلب میں سے بھی ہم میراث رسولؐ کے غصب کرنے کے بارے میں بحث نہیں کریں گے، کیونکہ یہ بات تو تمام مؤرخین کے نزدیک مسلم الثبوت اور مسلمانوں کے درمیان متفق علیہ ہےکہ یہ حق حضرت فاطمہ زہرا (س) کا تھا جس سے انھیں محروم کر دیا گیا، چنانچہ اس وقت ہماری بحث صرف دوسرے مطلب (جھوٹا قانون) سے ہے، لہٰذا ذیل میں قدرے اس بارے میں تحقیق کرتے ہیں:

چونکہ خلیفۂ اول اس حساس موقع پر اپنی بات کو عملی جامہ پہنانا چاہتے تھے اور جو اموالِ رسولؐ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے پاس تھے انہیں بیت المال کا جزء بنانا چاہتے تھے اور اہل بیت نبیؐ کے مقابلہ میں پبلک کے سامنے ہزیمت نہیں اٹھانا چاہتے تھے لہٰذا آپ نے حدیث کی صورت میں ایک نیا قانون گڑھا اور اس کی نسبت رسول کی طرف دے دی کہ رسولؐ نے فرمایا: "ہم (گروہ انبیاء) جو ترک کرتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے اور ہمارا کوئی

(۱) شیعہ مذہب کے نزدیک یہ بات محکم اور متقن دلائل کے ساتھ ثابت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے بجز رسول کسی کی بھی بیعت نہیں کی ہے۔مترجم۔

وارث نہیں ہوتا!''(۱)

لیکن مذکورہ فرسودہ روایت کی قرآن صراحت کے ساتھ تکذیب کرتا ہے، اس کے علاوہ ذیل میں اس کے جعلی ہونے پر چند دیگر شواہد وقرائن پیش کرتے ہیں تا کہ اہل انصاف کے لئے تحقیق کا راستہ باز ہو جائے:

اگر اس حدیث کا وجود تھا تو کیوں نہیں، رسولؐ نے اپنے اعزا، اقرباء اور اصحاب میں بیان فرمایا یہاں تک کہ اپنی بیویوں، داماد اور بیٹی کے سامنے بھی کبھی اس کا ذکر تک نہ کیا اور حضرت ابو بکر کے علاوہ کسی کو اس کا علم نہ تھا ایسا کیوں؟!

کیا رسولؐ پر لازم نہ تھا کہ آیۂ ﴿ **وَاَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْاَقْرَبِينَ** ☆ **اے رسولؐ! سب سے پہلے تم اپنے قرابت داروں کو ڈراؤ اور ان کو احکام الٰہی سے آگاہ کرو** ﴾ کے مطابق سب سے پہلے اس قانون کو اپنی بیٹی، داماد اور دیگر خاندان کے افراد سے بیان فرماتے، تا کہ اصحاب اور اہل بیت رسولؐ کے درمیان ارث کے بارے میں اختلاف نہ ہوتا؟! کیا رسول نہیں جانتے تھے کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کی میراث میں ایک شدید اختلاف ہو جائے گا ؟!

اور اگر رسولؐ نے بیان فرما دیا ہوتا تو پھر حضرت فاطمہ زہرا (س) جو کہ ہر خطا ونسیان سے پاک وپاکیزہ تھیں، جن کی شان میں آیۂ تطہیر نازل ہوئی، کیوں میراث طلب فرمانے کے لئے بنی ہاشم کی عورتوں کے ساتھ اس حالت میں جاتیں کہ غصہ سے چہرہ زرد ہو رہا تھا اور چادر زمین پر خط دے رہی تھی اور آپ کی رفتار ہو بہو رسول کی مانند رفتار تھی؟ چنانچہ آپ اس حالت میں مسجد نبوی میں ابو بکر کے پاس پہنچیں کہ جب ابو بکر مہاجرین، انصار اور صحابہ کے درمیان بیٹھے محو گفتگو تھے، آپ کے پردہ کیلئے مسجد میں ایک چادر تان دی گئی، اس پردہ کے پیچھے سے شہزادی کی دردناک آواز آہ وبکا بلند ہوئی، جس کی وجہ سے اہل مسجد پر ایک سکوت سا طاری ہو گیا اور ایک آہ ونالہ کی فریاد بلند ہوئی، حضرت فاطمہ زہرا (س) نے تھوڑا صبر کیا، یہاں تک

---

(۱) اس حدیث کے جعل کرنے سے ایک مقصد ابو بکر کا یہ بھی تھا کہ اس ہتھکنڈے کے ذریعہ اہل بیتؑ عصمت و طہارت کو مالی اور اقتصادی اعتبار سے کمزور کیا جائے تا کہ وہ ہمیشہ ہمارے (خلفاء کے) محکوم رہیں اور کبھی اپنی خلافت کا حق نہ جتا پائیں اور دوسرے خلیفہ صاحب کی حاکمیت کے پرچار کے لئے دولت کی فراوانی رہے۔ مترجم۔

آوازیں خاموش ہوئیں اور گریہ رک گیا، پھر آپ نے خطبہ شروع کیا، جس میں سب سے پہلے حمد وثنائے الٰہی بیان فرمائی اور زحمات پیغمبر اور مسئلۂ خلافت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے محکم دلیلوں کے ساتھ مسئلۂ توارث کو بیان فرمایا، جس کا یہ جملہ آج بھی تمام تواریخ نے قلم بند کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"یابن ابی قحافةأفی کتاب اللہ ان ترث اباک ولاارث من ابی"؟!

اے قحافہ کے بیٹے! کیا یہی کتاب خدا میں ہے کہ تو اپنے باپ کا وارث بنے، لیکن میں اپنے بابا کی وارث نہ بنوں؟!

اس کے بعد آپ نے رسولؐ کی قبر کی طرف رخ کیا اوران اشعار کو پڑھا:

اے بابا! جان آپ کے بعد مصیبتوں اور بلاؤں کے پہاڑ ٹوٹ گئے۔

اے بابا! اگر آپ زندہ ہوتے تو اس قدر مصائب نہ ڈھائے جاتے۔

اے بابا! کچھ لوگوں نے اپنے سینوں میں جو کینے چھپا رکھے تھے، ان کو ظاہر کردیا، جب آپ چلے گئے اور ہمارے اورآپ کے درمیان مٹی کے ڈھیر حائل ہوگئے۔

اے بابا! آپ کے جانے کے بعد کچھ لوگ ایسے ہوگئے جو ہم کو بھرے دربار میں ذلیل کرتے ہیں اورنفرت کا اظہار کرتے ہیں، اے بابا! لیجئے اب ہمارے مال کو صریحاً غصب کیا جارہا ہے؟!

"لماجمع ابو بکر علی منع فاطمة فدک،بلغها ذالک،لاثت خمارها، واشتملت بجلبابها،واقبلت فی لمة من حفدتها،ونساء قومها،تطأ ذیولها ما تخرم مشیتها مشیة رسول اللہؐ،حتی دخلت علی ابی بکر،وهو فی حشد من المهاجرین والانصاروغیرهم،فنیطت دونها ملأة،فحنت ثم انت انة،اجهش القوم لهابالبکاء، فارتج المجلس ثم امهلت هنیةً،حتی اذا اسکن نشیج القوم،وهدئت فورتهم، افتتحت الکلام ...... الی ان قالت:

۱. قد کان بعدک انباء وهنبثه لو کُنْتَ شاهِدَ ها لَم تکثر الخطبُ

۲. اَبد ت لنارجالٌ نجوی صدورِهم لَمّاقضیتَ وحالَتْ دونک الکتبُ

۳۔ تَجَهمتنارجالٌ واستخف بنا اذغِبتَ عنا فنحن اليوم مغتصبُ(۱)

اگر رسولؐ نے حدیث بیان فرمائی ہوتی تو ہرگز فاطمہ زہرا علیہا السلام کہ جس کی شان میں رسولؐ نے بارہا فرمایا تھا: ''جس نے فاطمہؑ کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی''(۲) ابوبکر سے تاوفات ناراض نہ ہوتیں، جبکہ آپ خلیفہ سے اس قدر ناراض تھیں کہ حضرت علی علیہ السلام سے وصیت بھی کردی تھی کہ ابوبکر ان کے کفن و دفن میں شریک نہ ہوں اور اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو حضرت امیرالمؤمنین علی ابن ابی طالبؑ وحسنین علیہم السلام، جن کی شان میں آیۂ مباہلہ و آیت تطہیر نازل ہوئیں ہرگز حضرت فاطمہ زہرا (س) کے دعویٰ کی موافقت نہ کرتے۔

اوراگر یہ حدیث سچی ہوتی تو اہل بیتؑ کیسے اس بات سے راضی ہوئے کہ جو صدقہ اور فقراء کا مال ہے اس کو خود ضبط کرلیں؟!! جبکہ خود صحیحین میں وارد ہوا ہے کہ اہل بیتؑ پر صدقہ حرام ہے۔

پس مذکورہ باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ حضرات (حضرت فاطمہ زہرا، حضرت علی، حسنین علیہم السلام) ابوبکر کو اس حدیث کے بارے میں جھوٹا سمجھتے تھے۔(۳)

کیا صحابۂ کرام ''حدیث لانورث'' سے مطلع تھے؟!

جیسا کہ ہم نے ضمناً اشارہ کیا کہ حدیث میراث (ہم گروہ انبیاء نہ کسی کو وارث بناتے ہیں اور نہ کسی کے وارث بنتے ہیں) ابوبکر کے علاوہ کوئی بھی صحابیٔ رسولؐ نہ جانتا تھا، چنانچہ اس بات پر تمام علماء، محققین اور

---

(۱) شرح نهج البلاغه ابن ابی الحدید، جلد ۱۶، مکتوب نمبر ۴۵، ص ۲۱۱. بلاغات النساء بحث فدک، ص ۱۳. کتاب الشافی، مؤلفه سید مرتضی.

(۲) صحیح بخاری جلد۵، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، باب مناقب قرابة الرسولؐ، جلد۷، کتاب النکاح، باب ''ذب الرجل عن ابنته ......'' صحیح بخاری کے بقیہ حوالے جات ص ۵۴۵ پر نقل کرچکے ہیں، صحیح مسلم جلد۷، باب فضائل فاطمه بنت النبیؐ...... حدیث ۹۴۴.

(۳) مزہ کی بات تو یہ ہے کہ جس مال کو صدقہ کہہ کر مسلمان فقراء کا مال قرار دیا گیا اسی کو خود اپنے ذاتی تصرف میں ان حضرات نے لے لیا! یہ کہاں سے جائز ہوگیا تھا؟!! مترجم.

مؤرخین اہل سنت کا اتفاق ہے، ہم بطور نمونہ چند شواہد ذیل میں نقل کرتے ہیں:

۱۔ ابن ابی الحدید معتزلی اپنی شرح نہج البلاغہ میں تحریر کرتے ہیں:

اس حدیث کو صرف ابوبکر نے رسولؐ سے نقل کیا ہے اور اس پر تمام بزرگ محدثین اتفاق رائے رکھتے ہیں، یہاں تک علم اصول فقہ میں اس واقعہ سے استنباط کرتے ہیں کہ انسان صرف ایک صحابی کے قول کو دلیل بنا کر دینی موضوعات میں حکم صادر کرسکتا ہے، ایک جگہ تحریر کرتے ہیں: یہ بات سید مرتضیٰؒ کی صحیح ہے کہ اس حدیث کو تنہا ابوبکر نے رسولؐ سے نقل کیا ہے۔(۱)

۲۔ علامہ جلال الدین سیوطی اپنی کتاب ''تاریخ الخلفاء'' میں تحریر کرتے ہیں:

رحلت رسول اکرمؐ کے بعد اصحاب کے درمیان آپ کی میراث کے سلسلے میں اختلاف ہوگیا تھا اور اس بارے میں کسی کو کوئی اطلاع نہ تھی، تنہا ابوبکر تھے جنھوں نے فرمایا: میں نے رسولؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: **''اِنَّـا مَـعْشِـرَ اْلاَنْبِیَاء لانورِثُ مَا تَرَکْنَا صَدَقَۃ''** ہم گروہ انبیاء کسی کو وارث نہیں بناتے، بلکہ جو کچھ ترک کرتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔(۲)

۳۔ علامہ ابن حجر تحریر فرماتے ہیں:

جب میراث پیغمبرؐ میں اختلاف ہوگیا اور اس بارے میں کسی کے پاس کوئی اطلاع نہ ملی، تب ابوبکر نے کہا: میں نے رسولؐ سے سنا ہے: **''اِنَّا مَعْشِرَ اْلاَنْبِیَاءِ لَانُوْرِثُ مَاتَرَکْنَا صَدَقَۃً''**(۳)

کیا ازواج رسولؐ حدیث ''لانورث'' سے واقف تھیں؟

جس طرح اصحاب رسولؐ مذکورہ حدیث سے مطلع نہ تھے، اسی طرح ازواج رسول کو بھی اس حدیث کی مطلقاً خبر نہ تھی، لہٰذا اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو کم سے کم رسولؐ دوسرے لوگوں سے پہلے اپنی ازواج کو تو ضرور بتلا کر جاتے؟ (یہاں تک کہ آپ نے اپنی چہیتی بیوی حضرت عائشہ سے بھی اس بات کو نہ بتلایا!!) کیونکہ آپ کی ازواج بھی میراث میں حصہ دار تھیں۔

---

(۱) شرح نهج البلاغه ابن ابی الحدید، ج۱۶، مکتوب ۴۵، ص۲۲۷. ۲۴۵.

(۲) تاریخ الخلفاء جلد ۱، فصل "فیماوقع فی خلافۃابی بکر" ص۷۳.

(۳) صواعق محرقه، ص۱۹.

چنانچہ صحیح بخاری میں عائشہ سے منقول ہے:

خود ازواج پیمبرؐ نے بھی وفات رسولؐ کے بعد میراث میں سے اپنے حصہ کا مطالبہ عثمان کے ذریعہ ابوبکر تک پہنچایا، پس اس مطالبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی عملاً ابوبکر کو مذکورہ حدیث نقل کرنے میں منفرد اور کاذب سمجھتی تھیں، ان کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ میراث کا یہ نیا قانون خود ابوبکر کا گڑھا ہوا ہے اور رسول خداؐ نے ایسی کوئی حدیث بیان نہیں فرمائی ہے نہ اسلام میں ایسا کوئی قانون پایا جاتا ہے (اور بالخصوص حضرت عائشہ کا مطالبہ میراث کرنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ آپ بھی اپنے بابا کو اس معاملہ میں جھوٹا جانتی تھیں) چنانچہ امام بخاری نے اس بارے میں ایک مفصل حدیث نقل کی ہے ملاحظہ ہو:

"......عن عروة ابن الزبير: سمعت عايشة زوج النبى: تقول؛ ارسل ازواج النّبى صلّى الله عليه وآله وسلم، عثمان الىٰ ابى بكر يسئلنه ثمنهن مماافاء الله علىٰ رسوله، فكنت انااَرُدُهن فقلت لهن: الا تتقين الله الم تَعْلَمْنَ ان النبىؐ كان يقول: "لانورث ماتركنا صدقة"؟يريدبذالك نفسه انماياكل آلُ محمدؐ فى هذاالمال؟!......" (۱)

عروہ بن زبیر نے عائشہ سے نقل کیا ہے:

ازواج رسولؐ نے عثمان کو ابوبکر کے پاس بھیجا کہ ان کے حصہ (۱/۸) کی میراث ان کو دی جائے، جو اللہ نے رسولؐ کو عطا کی تھی عائشہ کہتی ہیں: میں نے ان کو جواب دیا کہ کیا تم کو خوف خدا نہیں، کیا تم نے نہیں سنا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: "لَا نُوْرِثُ مَاتَرَكْنَا صَدَقَةً" ہم کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے، بلکہ جو ترک کرتے ہیں، وہ صدقہ ہوتا ہے، لہٰذا رسولؐ کے اہل بیتؑ اس مال سے دیگر مسلمین کی طرح بقدر حاجت اخذ کرسکتے ہیں؟!

---

(۱) صحیح بخاری: ج۵، کتاب المغازی، باب "حدیث بنی نضیر" حدیث نمبر ۳۸۰۹، ۳۸۱۰. مترجم: (صحیح بخاری جلد۴، کتاب الجهاد ابواب الخمس، باب "فرض الخمس" حدیث ۲۹۹۶. جلد ۳، کتاب فضایل الصحابة، باب "مناقب قرابة الرسول" حدیث ۳۵۰۸، باب "غزوة خیبر" حدیث ۳۹۹۸. جلد ۵، کتاب الفرائض، باب "قول النبی لانورث ما ترکناه صدقة" حدیث ۶۳۴۶، ۶۳۴۹.) صحیح مسلم ج۵، کتاب الجهادوالسیر، باب "قول النبی لانورث" حدیث ۱۷۵۹. شرح نهج البلاغه ابن ابی الحدید ج۱۶، مکتوب ۴۵، ص ۲۲۰، ۲۲۳.

عرض مؤلف

جیسا کہ ہم نے پہلے اشارہ کیا کہ اس حدیث کو سوائے ابو بکر کے کسی نے نقل نہیں کیا ہے، چنانچہ متذکرہ روایت میں بھی عائشہ نے دیگر ازواج رسولؐ کے سامنے اپنے بابا جان کے قول کو ہی دھرایا ہے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہی۔ اور یہ بات بھی مخفی نہ رہے کہ دوران خلفائے ثلاثہ تمام ازواج کو بیت المال سے وظیفہ ملتا تھا اور یہ وظیفہ اس میراث کی خانہ پری کرتا تھا، جس کو ابو بکر نے حدیث کے سہارے سے دبالیا تھا اور حضرت عائشہ کو بنسبت دیگر ازواج رسولؐ کے ہمیشہ زیادہ ملتا رہا ہے، بہر حال حقیقت وہی ہے جسے ابن ابی الحدید کے ہم عصر جناب علی ابن الفارقی استاد مدرسہ غربیہ بغداد نے ابن ابی الحدید سے کہا تھا کہ جب ابن ابی الحدید نے آپ سے پوچھا:

آیا حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا دعویٰ فدک کے بارے میں صحیح تھا؟

ابن الفارقی نے کہا: جی ہاں! بالکل حق بجانب تھا، اس وقت ابن ابی الحدید نے کہا: پھر استاد ابو بکر نے فدک واپس دینے سے گریز کیوں کیا جبکہ خود ابو بکر اس بات کو درست سمجھتے تھے؟ ابن الفارقی جو کہ ایک باوقار اور ہنسی مذاق سے دور رہنے والے شخص تھے مسکرائے اور اس لطیف جملہ کو بیان کیا: اگر اس روز ابو بکر اس کو مان جاتے اور صرف حضرت فاطمہ (س) کے دعویٰ کرنے پر باغ فدک واپس کر دیتے تو آگے چل کر اگر حضرت فاطمہ زہرا (س) اپنے شوہر نامدار کے لئے خلافت کے سلسلے میں دعویٰ کرتیں تب ابو بکر کو ماننا پڑتا اور ابو بکر کوئی عذر پیش نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ جب آپ حضرت فاطمہ زہرا (س) کو مسئلہ فدک میں سچا اور صادق تسلیم کر چکے ہوتے تو پھر مطالبہ خلافت پر کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہ ہوتی۔ پھر ابن ابی الحدید کہتے ہیں: اگر چہ استاد نے مجھ سے یہ بات مزاح وشوخی کے طور پر کہی تھی مگر حقیقت میں یہ مطلب صحیح تھا!! یعنی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اپنے قول میں بالکل صادق تھیں:

"ھذا الکلام صحیح و ان کان اخرجه مخرج الدعابة والھزل" (۱)

---

(۱) شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱۶، مکتوب ۴۵، صفحہ ۲۸۴.

۳۔ صلح حدیبیہ اور حضرت عمر کی کٹ حجتی!!

ابووائل کہتے ہیں کہ میں جنگ صفین میں تھا، جب لشکر علیؑ ومعاویہ میں جنگ بندی پر اتفاق ہونے کے بعد اس کا اعلان کر دیا گیا تو حضرت علی علیہ السلام کے لشکر سے تعلق رکھنے والے بعض افراد نے مخالفت کر دی، اس وقت سہیل بن حنیف، لشکر کے درمیان کھڑے ہو کر یوں کہنے لگے:

یاایھاالناس اتّھموا انفسکم فانا کنّا مع رسولؐ اللہ یوم الحدیبیة،ولونری قتالا لقتلنا،فجاء عمربن الخطاب،فقال یارسولؐ اللہ ألسنا علی الحق وھم علی الباطل؟فقال:بلی فقال:ألیس قتلانا فی الجنة وقتلاھم فی النار؟قال: بلی،قال:فعلیٰ مانعطی الدنیّة فی دیننا أ نرجع ولما یحکم اللہ بیننا وبینھم؟فقال:یا بن الخطاب! انی رسولؐ اللہ ولن یُضَیِّعَني اللہ ابدا،فرجع متغیظا فلم یصبرحتی جاء ابوبکر، فقال: یا ابابکر! ألسنا علی الحق وھم علی الباطل؟ قال:یا بن الخطاب اِنه رسولؐ اللہ ولن یضیّعه اللہ ابدا، فنزلت سورة الفتح:﴿اِنّا فَتَحْنَالَکَ فَتْحاً مُّبِیْناً......﴾

اے لوگو! امیر المؤمنینؑ کے سامنے اپنا نظریہ بیان نہ کرو اور خودخواہی سے دور رہو، کیونکہ میں صلح حدیبیہ میں رسولؐ کے ساتھ تھا اور ہم تیار تھے کہ اگر جنگ ہوگی تو جنگ کریں گے (لیکن جب صلح پر معاہدہ طے پایا) تو عمر ابن خطاب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور معاہدۂ صلح پر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا اور کہنے لگے: یارسولؐ اللہ! کیا ہم حق پر اور مشرکین باطل پر نہیں ہیں؟! رسولؐ نے فرمایا: کیوں نہیں، ہم حق پر ہیں اور مشرکین باطل پر ہیں، اس پر عمر نے کہا: کیا ہم میں سے جو قتل ہوں گے وہ جنت اور مشرکین کے مقتولین جہنم میں نہیں جائیں گے؟ رسولؐ نے فرمایا: کیوں نہیں، عمر نے کہا: پھر کیوں ہم اپنے موقف میں ذلت اختیار کریں اور بغیر جنگ وفتحیابی کے اپنے وطن واپس چلے جائیں؟! رسول نے فرمایا: اے خطاب کے بیٹے! میں اللہ کا رسولؐ ہوں، میں جو بھی اقدام کروں گا، خدا اس کو بے نتیجہ اور ضائع نہیں کریگا، عمر پھر بھی رسولؐ کے کلام سے مطمئن نہ ہوئے اور حالت غیظ میں واپس آ گئے، یہاں تک کہ جب ابوبکر آئے تو ان سے کہا: اے ابوبکر! کیا ہم حق پر اور مشرکین باطل پر نہیں ہیں؟ ابوبکر نے کہا: اے عمر! وہ خدا کے رسولؐ ہیں، خدا ان کے اقدام کو ہر

گز ضائع نہیں کرتا، چنانچہ اسی وقت خدا نے سورۂ فتح نازل کر کے مسلمانوں کو فتحیابی کا مژدہ سنایا۔(۱)

مذکورہ حدیث صحیحین میں کئی سند کے ساتھ وارد ہوئی ہے، ان میں سے ایک حدیث میں یہ جملہ بھی ملتا ہے کہ جب سورۂ فتح نازل ہوا تو رسولؐ نے وہ سورہ عمر کے پاس بھجوایا، عمر نے کہا: کیا یہ مژدۂ فتح ہے؟ رسولؐ نے فرمایا: ہاں عمر فتح کی خوشخبری ہے، تب عمر خاموش ہو کر چلے گئے۔(۲)

عرض مؤلف

قارئین کرام! آپ حضرات مذکورہ حدیث اور آئندہ آنے والے واقعۂ قرطاس سے رسولؐ کے سامنے خلیفہ دوم کی جسارت اور جرأت کا اچھی طرح اندازہ لگا سکتے ہیں اور ان واقعات سے اس بات کا بھی علم ہو جاتا ہے کہ آپ کا رسول اسلامؐ کے قول و فعل پر کس قدر ایمان، اعتقاد اور اعتماد تھا؟ اسی طرح صاحب ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ☆ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى﴾ کے فرمان کے سامنے خلیفہ صاحب کا ردعمل بھی ہمارے لے واضح اور روشن ہو جاتا ہے۔ (۳)

(۱-۲) صحیح بخاری: ج۴، کتاب الخمس، ابواب الجزية والموادعة، باب(۱۷) "اثم من عاهد ثم غدر" ح۳۰۱۱. ج۲، کتاب التفسير، تفسير سورة فتح، باب(۵) "اذ يبايعونک تحت الشجرة" ح۴۵۵۳. مترجم: (صحیح بخاری، ج۲، کتاب المغازی، باب(۳۳) "غزوة حديبيه" ح۳۹۴۳.) صحیح مسلم ج۵، کتاب الجهاد، باب "صلح الحديبية" ح۱۷۸۵.

(۳) عرض مترجم: بہتر ہے کہ یہاں پر قرآن کی ان آیات کو پیش کر دیا جائے جن میں رسول اسلامؐ کے سامنے کلام کرنے کے طریقے اور آپ پر حقیقی ایمان لانے کی شناخت کو بیان کیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ☆ إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ﴾ (سورۂ حجرات، آیت ۲. ۳، پ ۲۶)

اے ایماندارو! بولنے میں تم اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کیا کرو اور جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے زور زور سے بولا کرتے ہو ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو، ایسا نہ ہو کہ تمھارا کیا کرایا سب اکارت ہو جائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو ☆ بے شک جو لوگ رسول خداؐ کے سامنے اپنی آوازیں دھیمی کر لیا کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو خدا نے پرہیزگاری کیلئے جانچ لیا ہے ان کیلئے آخرت میں بخشش اور بڑا اجر ہے۔

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾ (سورۂ حجرات، آیت ۱۵، پ ۲۶)

سچے مومن تو بس وہی ہیں جو خدا اور رسول پر ایمان لائے پھر انھوں نے اس میں کسی طرح کا شک و شبہ نہ کیا اور اپنے مال سے اور اپنی جانوں سے خدا کی راہ میں جہاد کیا یہی لوگ دعوائے ایمان میں سچے ہیں۔۱۲

۴۔ واقعۂ قرطاس اور حضرت عمر کا رویہ!!

ا ......"عبیداللہ بن عبد اللہ بن عتبة عن ابن عباس؛ قال: لماحُضِر رسولؐ اللہ وفی البیت رجال فیھم عمر بن الخطاب، فقال النبیؐ: ھَلُمَّ اکتب لکم کتابالاتضلون بعدہ، فقال عمر: ان رسول اللہؐ قد غلب علیه الوجع، و عندکم القرآن حسبنا کتاب اللہ، فاختلف اھل البیت، فاختصموا، فمنھم من یقول قرّبوا یکتب لکم رسول اللہؐ لن تضلّوا بعدہ، ومنھم یقول ماقال عمر، فلما اکثروا اللغو والاختلاف عند رسولؐ اللہ، قال رسولؐ اللہ: قوموا. قال عبید اللہ: فکان ابن عباس یقول: ان الرزیة کل الرزیة ماحال بینَ رسولؐ اللہ وبین ان یکتب لھم ذالک الکتاب من اختلافھم ولغطھم. "(۱)

عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، ابن عباس سے نقل کرتے ہیں:

جب رحلت پیمبرؐ نزدیک ہوئی اس وقت آپ کے اصحاب کا ایک گروہ آپ کے خانۂ اقدس میں موجود تھا، جن میں حضرت عمر بھی تھے، رسول اللہؐ نے فرمایا: مجھے (قلم ودوات) دیدو تا کہ تمھارے لئے ایک نوشتہ لکھتا جاؤں کہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو، عمر نے کہا: ان کے اوپر وجع (شدید بخار) کا غلبہ ہے (اس لئے یہ اوٗل فول بک رہے ہیں) ہمارے درمیان کتاب خدا ہے، جو ہمارے لئے کافی ہے، پس تمام حاضرین کے درمیان اختلاف ہو گیا اور ایک دوسرے کی آوازیں آنحضرتؐ کے سامنے بلند ہونے لگیں، بعض لوگ کہنے لگے: رسول اللہ کو کاغذ وقلم دیدیا جائے تاکہ وہ کچھ لکھ دیں جو ہم کو گمراہ ہونے سے بچالے اور بعض لوگ عمر کی پیروی میں انکار کر رہے تھے، جب بہت زیادہ ہلڑ ہنگامہ رسولؐ کے سامنے بلند ہوگیا، تو رسولؐ نے فرمایا: یہاں سے چلے جاؤ! عبید اللہ کہتے ہیں: ابن عباس کہا کرتے تھے: سب سے بڑی مصیبت اسلام میں یہی تھی کہ اس قدر رسولؐ کے سامنے اختلاف اور ہنگامہ برپا ہوا کہ رسولؐ وصیت نامہ نہ لکھ سکے!!

---

(۱) اس کے تفصیلی حوالے آگے نکتہ اولی۔ میں ملاحظہ فرمائیں)۔

۲.......''عن سعید بن جبیر عن ابن عباس؛انہ قال:یوم الخمیس ومایوم الخمیس؟ثم بکیٰ حتیٰ خضب دمعہُ الحصباءَ،فقال اشتد برسولؐ اللہ وجعُہ یوم الخمیس،فقال ائتونی بکتاب اکتب لکم کتابالن تضلوابعدہ ابدا،فتنازعوا ولا ینبغی عند نبیؐ تنازُعٌ ،فقالوا:ھجررسولؐ اللہ اوقالؐ:دعونی فاالذی انافیہ خیر مماتدعوننی الیہ،واوصٰی عند موتہ بثلاث:اخرجواالمشرکین من جزیرۃ العرب، واجیزواالوفد بنحوماکنتُ اجیزُھم،ونسیت الثالثۃ!!! (۱)

سعید بن جبیر نے ابن عباس سے نقل کیا ہے:

آپ فرماتے تھے: جمعرات کا دن کس قدر عظیم مصیبت کا دن تھا،اس کے بعد آپ گریہ کرنے لگے اور اس قدر گریہ کیا کہ آپ کے آنسوؤں سے پوری ڈاڑھی تر ہوگئی اور کہنے لگے: روز جمعرات جب رسولؐ کا مرض شدت اختیار کر گیا تو آنحضرتؐ نے حکم صادر فرمایا: مجھے قلم و دوات دیدو تا کہ تمہارے لئے نوشتہ لکھدوں اور تم گمراہی سے میرے بعد محفوظ رہو۔لیکن اس حکم پیغمبرؐ پر لوگ آپس میں جھگڑا کرنے لگے، حالانکہ نبیؐ کے سامنے جھگڑا نہیں کرنا چاہیئے تھا، چنانچہ بعض افراد (جیسے عمر) کہنے لگے: رسولؐ ہذیان بک رہے ہیں، (ان کی بات مت مانو) اس وقت آنحضرتؐ نے (ناراضگی کی حالت میں) ارشاد فرمایا: تم لوگ میرے گھر سے نکل جاؤ، کیونکہ میرے لئے مرض کی تکلیف تمہاری نافرمانی اور حکم عدولی کی تکلیف سے بہتر ہے۔

ابن عباس کہتے ہیں: رسولؐ نے اپنی وفات کے وقت تین باتوں کی وصیت کی تھی:

۱۔ حکم دیا کہ مشرکین کو جزیرۃ العرب سے باہر نکال دو۔

۲۔ جو لوگ شہر مدینہ آئیں ان کو انعام و عطایا سے نوازا جائے، جس طرح میں اپنی زندگی میں ان کو نوازتا تھا۔

۳۔ تیسری چیز میں (راوی) فراموش کر گیا!!

تفصیلی حوالے آگے نکتہ اولی۔ میں ملاحظہ کریں۔

عرض مؤلف

یہ حدیث صحیح مسلم میں ابن عباس سے دو طریق (سند) سے نقل کی گئی ہے: پہلا طریق؛ سعید بن جبیر تک پہنچتا ہے اور دوسرا طریق؛ عبید اللہ بن عتبہ تک پہنچتا ہے۔(۱)

صحیح بخاری میں سات (۷) موارد پر مختلف اسناد کے ساتھ اس حدیث کو نقل کیا گیا ہے۔

چونکہ یہ حدیث متن والفاظ کے اعتبار سے صحیح بخاری میں ہر جگہ کچھ نہ کچھ مختلف نقل کی گئی ہے، لہٰذا ان میں قابل توجہ نکات اور اختلاف کی طرف ہم اشارہ کرتے ہیں:

پہلا نکتہ: صحیح بخاری کے سات موارد میں سے تین ایسے مورد ہیں جہاں پر صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ حضرت عمر نے رسولؐ اسلام کے حکم کی مخالفت کی اور آپ کو وصیت لکھنے سے روک دیا اور ان میں یوں آیا ہے کہ عمر نے کہا: "**فقال عمر: ان رسول الله قد غلب عليه الوجع......**" (۲) رسولؐ پر بخار کا غلبہ ہے، اس لئے آپ الٹی سیدھی باتیں بک رہے ہیں!!

اور چار جگہ پر راوی نے رسولؐ کی مخالفت کرنے والے کے نام کو ذکر نہ کرکے لفظ "بعض" اور "**قالوا**" وغیرہ کہہ کر نام چھپانے کی کوشش کی ہے، ان میں سے ایک جگہ "بعض" اور "**قد غلب عليه الوجع**" کے ساتھ یوں استعمال ہوا ہے: "**فقال بعضهم: ان رسولؐ الله، قد غلب عليه الوجع**" ((پس بعض لوگوں نے کہا کہ رسولؐ پر بخار کا غلبہ ہے))(۳) اور تین "**قد غلب**" کی جگہ ہجر اور بعض کی جگہ "فقالوا" کے ساتھ اس طرح آیا ہے: "**فقالوا: هجر رسول الله......**" ((پس لوگوں نے کہا: رسولؐ ہذیان بک رہے ہیں))۔(۴)

---

(۱) صحيح مسلم جلد ۵، كتاب الوصية، باب(۵) " ترک لمن ليس له شيء يوصى فيه" حديث۱۶۳۷.

(۲) صحيح بخاری: جلد ۱، كتاب العلم، باب(۴۰) "كتابة العلم" حديث۱۱۴. جلد ۷، كتاب المرضى، باب(۱۷) " قول المريض قوموا عنى" حديث ۵۶۶۹. جلد۹، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب(۲۶) " كراهية الخلاف" حديث۷۳۶۶.

(۳) صحيح بخاری ج۶، كتاب المغازی، باب "مرض النبیؐ ووفاته" حديث ۴۱۶۹.

(۴) صحيح بخاری جلد ۴، كتاب الجهاد، باب " هل يستشفع الى اهل الذمة" حديث ۲۸۸۸. كتاب الخمس ابواب الجزية والموادعة، باب "اخراج اليهود من جزيرة العرب" حديث ۲۹۹۷. جلد ۶، كتاب المغازی، باب "مرض النبیؐ ووفاته" حديث ۴۱۶۸.

بہر کیف مذکورہ احادیث کے مضمون اور ان میں موجود تمام قرائن کو ملاحظہ کرنے کے بعد یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ جس نے رسولؐ کو وصیت لکھنے سے باز رکھا، جس نے اس معاملہ میں سب سے پہلے شبہ کا القاء کیا، وہ حضرت عمر ہی تھے، لہٰذا ان حدیثوں میں مذکورہ اختلاف الفاظ: **"فقال بعضهم"** اور **"فقالوا هجر رسول الله"** حقیقت کو نہیں چھپا سکتا، کیونکہ اگر چہ کچھ روایتوں میں لفظِ "بعض" آیا ہے لیکن بعض روایتوں میں صراحت کے ساتھ خلیفہ صاحب کے نام کا ذکر ہے جو لفظ "بعض" کے پیچھے چھپے ہوئے شخص کی نشان دہی کرتا ہے اور جو لوگ حاضرین میں رسولؐ کی وصیت قبول اور رد کرنے کے بارے میں مخالفت کر رہے تھے، وہ حضرت عمر ہی کی وجہ سے وجود میں آئی، کیونکہ ان کے قول کے بعد کچھ لوگوں نے آپ (عمر) کی موافقت کی اور کچھ لوگوں نے مخالفت کی، پس جس جگہ لفظِ "بعض" کا استعمال ہوا ہے، وہ بھی حضرت عمر کے اشارہ اور ایماء سے ہی وجود میں آیا:

"فقال عمر: ان رسول اللهؐ قد غلب عليه الوجع وعند كم القرآن حسبنا كتاب الله، فاختلف اهل البيت، فاختصموا، فمنهم من يقول قربوا يكتب لكم رسول الله كتاباً لن تضلوا بعده، ومنهم من يقول ما قال عمر..."

ابن ابی الحدید نے ابن عباس اور عمر میں ایک مرتبہ ملاقات کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کو بالتفصیل نقل کیا ہے، جس میں حضرت عمر نے صریحاً اس بات کو قبول کیا ہے کہ میں ہی نے آنحضرتؐ کو وصیت لکھنے سے باز رکھا:

"و لقد اراد ان يصرح باسمه، فمنعت من ذالك"

رسولؐ حالت مرض میں چاہتے تھے کہ خلافت کے بارے میں علیؑ کے نام کی تصریح کر دیں، لیکن میں نے ان کو اس بات سے باز رکھا۔"

ابن ابی الحدید اس کے بعد کہتے ہیں:

"ذكر هذا الخبر احمد بن ابی طاهر صاحب كتاب تاريخ بغداد فی كتابه مسنداً."(۱)

---

(۱) شرح نهج البلاغه ابن ابی الحدید، جلد ۱۲، خطبة ۲۲۳، ص ۷۸،۲۱.

اس واقعہ کواحمد بن ابی طاہر تاریخ بغداد کے مؤلف نے اپنی کتاب میں باقاعدہ تمام اسناد کے ساتھ تحریر کیا ہے۔

دوسرا نکتہ: دوسرا قابل غور نکتہ یہ ہے کہ جب رسول اسلامؐ نے وصیت لکھنے کے لئے قلم دوات طلب فرمایا تو جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے **"هجر رسول الله"** اور **"قد غلب عليه الوجع"** جیسے کلمات استعمال کئے گئے! جو مفہوم اور معنی کے لحاظ سے ایک ہیں، یعنی جس طرح **"هجر رسول الله"** سے توہین رسالت ہوتی ہے، اسی طرح **"قد غلب عليه الوجع"** سے توہین رسالت ظاہر ہوتی ہے اور **"هجر رسول الله"** کہہ کر ہذیان اور بیہودہ گوئی کی نسبت خاتم الانبیاءؐ کی شان میں دینا تو نہایت ہی بدتمیزی اور گستاخی ہے!! یہی وجہ ہے کہ جب رُواۃِ احادیث اور مؤرخین اہل سنت والجماعت نے اس چیز کو دیکھا کہ اس روایت میں ہجر وہذیان کی نسبت رسولؐ کی طرف خلیفہ صاحب کی جانب سے صراحت کے ساتھ دی گئی ہے جو قابل تنقید واعتراض ہے اور اس طرح کی نسبت رسولؐ کی طرف دینا صریحاً قرآن کے مخالف ہے: ﴿**مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى......**﴾ (نہ تمہارا دوست گمراہ ہوا اور نہ بہکا) لہٰذا اپنی پرانی خصلت کے مطابق روایت کے الفاظ میں اس طرح ردو بدل کردی کہ جہاں ہجر (ہذیان) کا لفظ تھا وہاں لفظِ عمر کو چاٹ گئے اور ہذیان کی نسبت حاضرین مجلس **(فقالوا هجر رسول الله)** کی طرف دے دی!!

اور جہاں خلیفہ صاحب کا نام صراحتاً یا کنایۃً جیسے لفظ بعض کی آڑ میں مذکور تھا وہاں جملہ **"قد غلب عليه الوجع"** (ان کے اوپر بخار کا غلبہ ہے) جو کنایہ کی صورت میں ہے اضافہ کر دیا، تاکہ اپنے محبوب کو تنقید سے کچھ حد تک بچایا جاسکے!! لیکن اگر غور کیا جائے تو جیسا کہ پہلے ہم نے اشارہ کیا کہ حاضرین کے درمیان اختلاف کرنے کا شوشہ حضرت عمر ہی کی جانب سے چھوڑا گیا تھا یعنی حضرت عمر سے پہلے رسولؐ کی بات قبول کرنے میں کوئی بھی آنا کانی نہیں کر رہا تھا، یہ تو صرف آپ کی ہی دین تھی جس کی وجہ سے لوگوں میں حکم رسول کی بابت چہ می گوئیاں ہونے لگیں، لہٰذا حاضرین کی جانب سے اگر رسولؐ کی طرف ہذیان کی نسبت دی گئی تھی تو وہ حضرت عمر ہی کے الفاظ دھرا رہے تھے اور اس سلیقہ سے پیش آنے کا طریقہ حضرت عمر نے ہی بتلایا تھا!!(۱)

---

(۱) عرض مترجم: "هجر رسول الله" اور "قد غلب عليه الوجع" ان دونوں جملوں کا مفاد ایک ہی ہے اور وہ ⇐

تیسرا نکتہ: تیسرا نکتہ جو اس حدیث کے ذیل سے مربوط ہے جسے اہل سنت کے بعض محدثین ومؤلفین نے نقل کیا ہے اور بعض نے نہیں، یہ ہے کہ جب رسولؐ تحریری وصیت نامہ نہ لکھ سکے تو اس وقت آپ نے تین چیزوں کی وصیت کی، لیکن ان تینوں وصیتوں میں سے (بعض ناقلین حدیث نے) صرف دو کو تو قلمبند کیا ہے مگر تیسری چیز کے بارے میں کہا گیا کہ راوی فراموش کر گیا!!

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ تیسری کون سی شئے تھی جسے راوی فراموش کر گیا؟! آخر تیسری وصیت کے یادرکھنے کے موقع پر ہی کیوں راوی کے ذہن پر مکڑی نے فراموشی کا جالا تنا؟! یقیناً کوئی ایسی شئ تھی جس کے فراموش کرنے میں راوی کو مصلحت نظر آئی اور بقیہ یادرہ گئیں؟!

بہر حال اتنی بات تو مسلم ہے کہ تیسری کوئی ایسی خاص شے تھی جس کے اہتمام کے لئے رسولؐ نے حساس موقع پر لکھنے کی ضرورت محسوس کی اور زبانی بتانے پر اکتفاء نہ کی اور ارشاد فرمایا: قلم و دوات دے دو تاکہ میں لکھدوں اور تم گمراہی سے محفوظ رہو۔

⇦ ہے شان رسالتؐ میں گستاخی اور آنحضرت کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کرنا، حالانکہ قرآن صراحت کے ساتھ رسولؐ کی شان اس طرح بیان کرتا ہے:

۱. ﴿ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ☆سورۂ حجرات، آیت ۲ ،پ۲۶﴾

اے ایماندارو! بولنے میں تم اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کیا کرو اور جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے زور زور سے بولا کرتے ہو ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو، ایسا نہ ہو کہ تمھارا کیا کرایا سب اکارت ہو جائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو.

۲۔﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ اُوْلٰئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَاَجْرٌ عَظِيْمٌ ☆ سورۂ حجرات، آیت ۳، پ ۲۶﴾

بیشک جو لوگ رسول خدا کے سامنے اپنی آوازیں دھیمی کرلیا کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو خدا نے پرہیزگاری کیلئے جانچ لیا ہے ان کیلئے آخرت میں بخشش اور بڑا اجر ہے ۔

۳.﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اُوْلٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُوْنَ ☆سورہ حجرات، آیت۱۵ ،پ ۲۶﴾

ترجمہ:۔ سچے مومن تو بس وہی ہیں جو خدا اور رسول پر ایمان لائے پھر انھوں نے اس میں کسی طرح کا شک وشبہ نہ کیا اور اپنے مال سے اور اپنی جانوں سے خدا کی راہ میں جہاد کیا یہی لوگ دعوائے ایمان میں سچے ہیں۔۱۲

پس اتنا تو ماننا ہی پڑے گا کہ جس تیسری شے کی رسول وصیت کر رہے تھے وہ گمراہی سے بچانے والی تھی، لہٰذا اب ہمیں جستجو اس بات کی کرنا ہے کہ آخر وہ شےُ جو گمراہی سے امتِ محمدؐ کو بچانے والی ہے وہ کیا ہے؟ کیا دیگر مورخین ومحدثین نے کوئی ایسی شےُ بتلائی ہے جو رسولؐ کی امت کو گمراہی سے بچالے؟ تو اس کے لئے اکثر علمائے اہل سنت کا اتفاق ہے اور اس کو مسلم نے بھی اپنی صحیح میں نقل کیا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا:

"انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللّٰہ وعترتی اهل بیتی ما ان تمسکتم بهما لن تضلوا ابداً کتاب اللّٰہ و عترتی ...."

اے لوگو! میں تمھارے درمیان دوگراں قدر چیزیں چھوڑے جارہاہوں ایک کتاب خدا ہے اور ایک میری عترت جو میرے اہل بیتؑ ہیں، اگر تم نے ان سے تمسک کیا تو گمراہی سے محفوظ رہو گے اور یہ دونوں چیزیں کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گی یہاں تک کہ یہ دونوں ساتھ ساتھ ہمارے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں گی..... ۔

چنانچہ اسی بات کیلئے رسولؐ بار بار قلم مانگ رہے تھے:

"فقال أیتونی بکتاب اکتب لکم کتابالن تضلوا بعده ابدا"

اب آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ جو چیز نجاتِ مسلمین کا باعث ہو وہی راوی بھول جائے (اور جو قابل اہمیت نہ ہوں وہ یاد رہ جائے) تعجب خیز نہیں تو کیا ہے؟!!

پس ثابت ہوا کہ رسولؐ بوقت وفات ایک بہت ہی اہم امر کی وصیت کرنا چاہتے تھے کہ جس کی وجہ سے بعض صحابہ کی طرف سے ایسا ردعمل ہوا کہ آنحضرتؐ جیسی بلند شخصیت کے مقابلہ میں بھی مخالفت کرنے کھڑے ہوگئے!!(۱) اور یہی نہیں کہ رسول اسلامؐ کے حکم کی ان لوگوں نے نافرمانی کی، بلکہ یہ لوگ باقاعدہ آپ کی اہانت کرنے پر تل گئے! اور کہنے لگے:

---

(۱) جبکہ قرآن صراحت کے ساتھ یہ اعلان کرتا ہو نظر آتا ہے: ﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ کَجَهْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ☆ اے ایماندارو! بولنے میں تم اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کیا کرو اور جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے زور زور سے بولا کرتے ہو ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو، ایسا نہ ہو کہ تمھارا کیا کرایا سب اکارت ہو جائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو﴾؟! سورۂ حجرات، آیت ۲)

رسولؐ کا دماغ خراب ہوگیا ہے! معاذ اللہ یہ دیوانے ہوگئے ہیں!ان کی باتیں کوئی نہ سنے! یہ پاگل پن اور ہذیان کی باتیں کرتے ہیں!!!

بہر حال ان تمام باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ رسولؐ بوقت آخر ایک ایسی اہم شے ' لکھنا چاہتے تھے جو بعض لوگوں کو ہضم نہ ہوسکی اور مخالفت کر بیٹھے! اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ سلسلہ رُواۃ میں سے ابن عباس اور سعید بن جبیر نے تیسری وصیت کو نقل کیا تھا لیکن جب یہ سلسلہ تیسرے راوی جناب سلیمان تک پہنچا تو وہ تیسری شے بھول گئے: **(ونسیت الثالثه** اور میں تیسری وصیت فراموش کرگیا!) کیونکہ بخاری تصریح کرتے ہیں:

> ''سفیان بن عیینہ اس حدیث کے سلسلہ رُواۃ میں سے چوتھے فرد کہتے تھے: یہ قول **(نسیت الثالثه**'' میں تیسری وصیت بھول گیا) سعید بن جبیر یا ابن عباس کا نہیں بلکہ سلیمان کا ہے **''قال سفیان بن عینیه: هذامن قول سلیمان''** سفیان کہتے ہیں: ''مجھ سے سلیمان نے کہا: میں تیسری وصیت فراموش کرگیا''۔(۱)

پس نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ جس چیز کو فراموشی کا نام دیا گیا وہ صرف اہل بیتؑ کی حاکمیت اور بالاخص علیؑ کی خلافت کا مسئلہ تھا جس کو دیگر مقامات پر مثلاً ابن عباس اور عمر کے درمیان کی گفتگو میں وضاحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

عرض مؤلف

مردہ باد ایسی سیاست جس نے رسول کو واضح اور روشن حقائق کے بیان سے باز رکھا، زائل ہوجائیں وہ ذہن جو عالی اور لازمی مطالب کو سیاست میں فراموش کر جائیں!! لعنت ہو ایسی سیاست پر جس کی وجہ سے حقائق میں تحریف کردی جائے!!!

ایک اعتراض

بعض علمائے اہل سنت اعتراض کرتے ہیں کہ اگر اس قدر رسول کی وصیت اہمیت رکھتی تھی تو پھر رسولؐ بعض لوگوں کی مخالفت کی بنا پر لکھنے سے باز کیوں رہے؟ کیوں نہیں آپ نے اپنی وصیت کو تحریر کیا جو امت کے نفع کے لئے تھی؟

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الخمس ابواب الجزیة والموادعة، باب'' اخراج الیهود من جزیرة العرب'' حدیث ۲۹۹۷.

مذکورہ اعتراض کا جواب

اس سوال کے جواب میں ہم علامہ سید شرف الدین مرحوم کے قول کو نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں جو معترضین کا منھ توڑ جواب ہے:

''وہی نظریہ جو (**هذیان یا غلب علیه الوجع**) حاضرین مجلس کی طرف سے پیش کیا گیا، اسی کو مد نظر رکھتے ہوئے رسولؐ وصیت لکھنے سے باز رہے، کیونکہ جب رسول اسلامؐ کے سامنے ہی اس قدر اختلاف وتند مزاجی بڑھ گئی اور ایک ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا تھا؟ تو اب اگر رسولؐ کچھ لکھتے بھی تو اس کا اثر کیا مرتب ہوتا؟ سوائے فتنہ وفساد بڑھ جانے کے اور وہیں پر جنگ وجدال کی نوبت آجاتی، لہٰذ ارسولؐ کے لئے بہتر یہی تھا کہ آپ کہہ دیں: ''یہاں سے نکل جاؤ!'' (**قوموا عنی**) اور اگر رسولؐ اپنے حکم کے صادر کرنے میں اصرار کرتے تو وہ افراد اس سے بھی زیادہ سرکشی اور سختی کرتے، جس کو رسولؐ کی نظریں دیکھ رہی تھیں اور رسولؐ کے ہذیان پر زیادہ سے زیادہ دلائل پیش کرتے اور ان کی اندھی تقلید کرنے والوں کی طرف سے آج رسولؐ کے ہذیان پر سینکڑوں کتابیں لکھ دی جاتیں! ہزاروں صفحات پر کئے جاتے! چنانچہ رسولؐ نے بغیر کسی اصرار کے اپنی بات کو دبالیا اور خاموش ہو گئے، دوسری جانب رسول خداؐ جانتے تھے کہ چاہے وصیت لکھی جائے، یا نہ لکھی جائے، حضرت علی علیہ السلام اور ان کے صحیح چاہنے والے رسولؐ کی بات کے سامنے مطیع اور خاضع ہیں اور مخالفین کو امیر المؤمنین حضرت علیؑ کو خلیفہ تسلیم ہی نہیں کرنا ہے، لہٰذا وصیت لکھنے سے کچھ فائدہ نہیں تھا۔ (۱)

خلاصہ یہ کہ جب رسولؐ نے یہ احساس کرلیا کہ یہ لوگ میرے سامنے ہی مجھے پاگل اور دیوانے کی نسبت دے رہے ہیں تو اگر میں اس وقت حضرت علیؑ کے حق میں وصیت لکھ دوں گا تو یہ لوگ میرے جانے کے بعد میرے ہذیان اور دیوانے پن کو ثابت کرنے میں اور کوشاں ہو جائیں گے اور یہ وصیت نامہ میری نبوت کو درجہ اعتبار سے ساقط کردے گا اور نتیجہ وہی ہوگا جو اس وقت میں ملاحظہ کررہا ہوں، بلکہ اس سے بھی بدتر حال ہو جائے گا، لہٰذا رسولؐ کی حکمتِ بالغہ اور دور اندیشی کا تقاضہ یہ تھا کہ وصیت لکھنے سے اجتناب فرمائیں تا کہ اصل نبوت پر اعتراض اور انتقاد کرنے کا دروازہ بند رہے۔

---

(۱) المراجعات ص ۸٦ .مؤلف علامه شرف الدين .

۵۔ حج تمتع اور خلفائے اسلام!

تاریخ اسلام کی روشنی میں یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ حضرت عمر کے دور حکومت میں بہت سے اسلامی احکام کی مخالفت کی گئی اور بغیر کسی جھجک کے حضرت عمر نے دستور خدا اور رسولؐ میں تغیر وتبدل کیا، ان میں سے ایک حکم حج تمتع ہے جسے حضرت عمر نے اپنے زمانے میں حرام قرار دے دیا تھا لیکن حضرت علیؑ نے خلفاء کے اس بدعتی رویہ کی دور عثمان اور موصوف کے زمانۂ خلافت کے بعد شدید مخالفت کی، یہاں تک کہ حضرت علی علیہ السلام اور آپ کے سچے چاہنے والے اصحاب کو اس حکم کے اصلی صورت پر لانے کے لئے بہت ہی زیادہ زحمت اور کوشش کرنا پڑی تب کہیں امام کو اس حکم خدا اور رسول کو اصلی صورت پر لانے میں کامیابی ہوئی، اس طرح عمر کے دستور کے مطابق جو ابھی تک عمل ہوتا آیا تھا وہ ختم کیا گیا اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ آج تمام علمائے اہل سنت بھی عمر ابن الخطاب کے نظریہ کے خلاف حج تمتع کے جواز کا فتویٰ دیتے اور عمل کرتے ہیں۔(۱)

لہٰذا ضروری ہے کہ ہم یہاں پر اس حکم کی کیفیت کے بارے میں کتب احادیث بالخصوص صحیحین سے جو استفادہ ہوتا ہے اس کو قارئین کی خدمت میں نقل کریں:

حج تمتع کسے کہتے ہیں؟

حج تمتع یہ ہے کہ انسان شوال، ذیقعدہ یا ذی الحجہ کے مہینوں میں سے کسی ایک میں اپنے میقات سے عمرہ کی نیت سے احرام باندھے، اس کے بعد مکہ میں داخل ہو اور طواف کعبہ، سعی بین صفا ومروہ اور تقصیر (سر کے تھوڑے سے بال کٹوانا) کر کے احرام سے خارج ہو جائے یعنی وہ چیزیں جو حالت احرام میں حرام ہوتی ہیں وہ تقصیر کے بعد حلال ہو جاتی ہیں، پھر تقصیر کے بعد اسی سال مکہ سے حج کے لئے احرام باندھے اور عرفات

---

(۱) تفصیل ملاحظہ کریں: بدایۃ المجتہد جلد ۱، کتاب الحج، القول فی التمتع، ص ۲۶۵، الفقہ علی المذاهب الاربعہ، کتاب الحج.

کے لئے روانہ ہوجائے، عرفات کے بعد مشعر کی طرف کوچ کرے، اس کے بعد منیٰ آئے اور بقیہ اعمال ''رمیٔ جمرہ، قربانی وطواف وغیرہ'' انجام دے، اسے حج تمتع کہتے ہیں اور اس حج کو حج تمتع اس لئے کہتے ہیں کہ اس حج میں لذت (متعہ) حاصل کرنے کو جو محرماتِ احرام میں سے ہے جائز قرار دیا گیا ہے، کیونکہ دو احرام (احرام عمرہ واحرام حج) کے درمیان فاصلہ ہے اس فاصلہ میں وہ کام جو حالتِ احرام عمرہ میں حرام تھے اور جو آئندہ احرام حج میں حرام ہوجائیں گے وہ حلال کردئے جاتے ہیں، اس طرح یہ شخص احرامِ حج کے باندھنے تک ان لذات سے استفادہ کرسکتا ہے، مگر یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو مکہ معظمہ سے تقریباً ۸۷ رکلومیٹر دور رہتے ہیں اور یہ حکم نص قرآن اور قول وفعل رسولؐ کے ذریعہ پایۂ ثبوت تک پہنچ چکا ہے، چنانچہ اس بارے میں ارشاد الٰہی ہوتا ہے:

﴿......فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذَٰلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾(۱)

پس جو شخص اعمال عمرہ انجام دے چکا اور اعمال حج انجام دینا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ جو قربانی میسر آوے کرنی ہوگی اور جس سے قربانی ناممکن ہو تو تین روزے زمانۂ حج میں (رکھنے ہوں گے) اور سات روزے جب تم واپس آؤ یہ پوری دھائی ہے، یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جس کے لڑکے بچے مسجد الحرام (مکہ) کے باشندے نہ ہوں اور خدا سے ڈرو اور سمجھ لو کہ خدا بڑا سخت عذاب والا ہے۔''

اس بارے میں احادیث بھی تواتر کے ساتھ پائی جاتی ہیں چنانچہ چند احادیث ہم آئندہ نقل کریں گے۔

آنحضرتؐ کا دور جاہلیت کی بیہودہ رسوم کے خلاف جدوجہد کرنا

دور جاہلیت میں اعمال عمرہ ''ماہ شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ'' میں بجالانا ایک بہت بڑا گناہ سمجھا جاتا تھا، لیکن آنحضرتؐ نے اعلان بعثت کے بعد حکم صادر فرمایا: اعمال عمرہ انھیں میں سے کسی ایک ماہ میں انجام دئے

(۱) سورہ بقرہ، آیت نمبر ۱۹۶، پ ۲.

جائیں گے،اس طرح آپ نے حج تمتع کو ان مہینوں میں تشریع کر کے دور جاہلیت کے خود ساختہ قانون کو بدل دیا،مگر چونکہ یہ قانون ایک نیا قانون تھا،لہٰذا بعض مسلمانوں کے لئے گراں اور نا قابل قبول گزرا اور وہ حکم رسولؐ کی مخالفت پر اتر آئے۔

امام بخاری اور مسلم نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں اس ماجرا کو ابن عباس سے اس طرح نقل کیا ہے:

۱ ......"عن ابن عباس؛قال: کانوا یرون ان العمرةَ فی اشهر الحج من افجر الفجور فی الارض،ویجعلون المحرَّمَ صفراً،ویقولون اذا بَرَءَ الدَبَرُ وعَفَا الاثَرُ وانسلَخَ صَفر حَلَّتِ العُمرَةُ لمن اعتمر،قدم النبیؐ واصحابُه صبیحةَ رابعة مُهِلِّین بالحج،فامرهم ان یجعلوها عمرة،فتعاظم ذالک عند هم، فقالوا:یارسول الله! ایُّ الحِلِ؟ قال:حِلٌّ کله "(۱)

امام بخاری اور مسلم نے ابن عباس سے نقل کیا ہے:

اسلام سے پہلے حج عرب کے مہینوں (شوّال،ذیقعدہ،ذی الحجہ) میں اعمال عمرہ بجالانا روئے زمین پر سب سے بڑا گناہ سمجھتے اور کہتے تھے: جب ماہ صفر ختم ہو جائے تو اعمال عمرہ بجالانا حلال ہے (یعنی صفر کا مہینہ تمام ہونے کے بعد اعمال عمرہ بجالانا جائز سمجھتے تھے) ابن عباس کہتے ہیں: رسول خداؐ اپنے اصحاب کے ساتھ ماہ ذی الحجہ کی چار تاریخ کی صبح میں اس حالت میں مکہ وارد ہوئے کہ آپ احرام حج زیب تن فرمائے ہوئے تھے،آنحضرتؐ نے فرمایا: اس احرام کو عمرہ میں تبدیل کر دو (یعنی ابھی جو احرام باندھے ہوئے تھے،اس کو احرام عمرہ سمجھو) اور احرام حج سے خارج ہو جاؤ اور اب تم محل ہو گئے،لیکن یہ دستور کچھ اصحاب پر گراں گزرا،لہٰذا قبول کرنے سے آنا کانی کرنے لگے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! احرام سے خارج ہونے کی وجہ سے کون کون سی چیزیں حلال

---

(۱) صحیح بخاری: ج۲،کتاب الحج، باب(۳۴) "التمتع و الاقران والافراد" حدیث ۱۴۸۹. مترجم:(صحیح بخاری جلد ۳،کتاب فضائل الصحابة ، باب(۲۶) "ایام الجاهلیة" حدیث ۳۶۲۰.)
صحیح مسلم ج۴،کتاب الحج، باب(۳۱) "جواز العمرة فی اشهر الحج" حدیث ۱۲۴۰.
سنن نسائی کتاب مناسک الحج، باب "اشعار الهدی" حدیث نمبر ۲۷۳۶،ص ۱۸۰.

ہوں گی؟! آنحضرتؐ نے فرمایا: تمام وہ چیزیں جواب تک حرام تھیں۔

۲۔۔۔۔۔۔"عن جابر ابن عبداللّٰہ؛ قال: اَھْلَلْنَا مع رسولؐ اللّٰہ بالحج خالصاًلانخلطہ بعمرۃ،فقدِمْنَامکۃلاربع لیال خلون من ذی الحجۃ،فلمّا طفنا بالبیت وسعینا بین الصفاء و المروۃ امرنا رسولؐ اللّٰہ ان نجعلھا عمرۃ وان نحل الی النساء،فقلنا:ما بیننا، لیس بیننا و بین العرفۃ الاخمس، فنخرج الیھا ومذاکیر نا تقطر منیا،فقال رسولؐ اللّٰہ: انی لابرکم واصدقکم ولولاالھدی لاحللت، فقال سراقۃ ابن مالک: امتعتنا ھذہ لعامنا ھذاام للابد؟فقال: لا. لابد الاباد" (۱)

جابر بن عبداللہ سے منقول ہے:

ہم لوگوں نے رسولؐ کے ساتھ تنہا احرام حج باندھا، بغیر اس کے کہ عمرہ کو اس میں دخل ہو اور چار راتیں ماہ ذی الحجہ کی گزر چکی تھیں کہ وارد مکہ ہوئے، جب طواف وسعی بین صفا ومروہ سے فارغ ہوئے تو آنحضرتؐ نے حکم فرمایا کہ ان تمام اعمال کو اعمال عمرہ سمجھو اور اب ہماری عورتیں ہمارے لئے حلال ہو جائیں گی، جابر کہتے ہیں: اس حکم کو سن کر ہم لوگ آپس میں چہ می گوئیاں کرنے لگے اور کہنے لگے: اب سے عرفہ تک صرف پانچ دن کا فاصلہ ہے، کیا ہم عرفہ کے لئے اس حالت میں حرکت کریں گے کہ ہمارے اعضائے تناسل سے منی ٹپکتی ہو! (اس اعتراض کو رسولؐ نے سن کر) فرمایا: میں تم سب سے زیادہ احکام خداوندی کا پاسبان، وفادار اور سب سے نیک ہوں، اگر میں قربانی کا جانور نہ لایا ہوتا تو تمہاری طرح میں بھی احرام سے خارج ہو جاتا، سراقہ بن مالک نے کہا:

---

(۱) سنن ابن ماجہ جلد ۲، کتاب المناسک، باب [۴۱] فسخ الحج، حدیث ۲۹۸۰. صحیح مسلم جلد ۴، کتاب الحج، باب (۱۷) بیان وجوہ الاحرام وانہ۔۔۔۔۔حدیث ۱۲۱۶. صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب الحج، باب تقضی الحائض المناسک کلھاحدیث ۱۵۶۸. جلد ۳، کتاب الحج ابواب عمرہ، باب "عمرۃ التنعیم" حدیث ۱۶۹۳. جلد ۳، کتاب الشرکۃ، باب(۱۵)"الاشتراک فی الھدی والبدن" حدیث ۲۳۷۱.

نوٹ: امام بخاری نے اس مضمون کی متعدد روایات ذکر کی ہیں. دیکھئے: حدیث ۱۶۹۳، ۱۴۹۵، ۱۴۹۳، ۴۰۹۵، ۶۸۰۳، ۶۹۳۳، ۱۰۳۵، ۱۶۸۹۔ مترجم.

آیا یہ حج تمتع صرف اسی سال کے لئے خاص ہے یا ہمیشہ کے لئے؟ رسولؐ نے فرمایا: نہیں، یہ ہمیشہ کے لئے ہے۔

عرض مؤلف

ہم نے اس حدیث کو ابن ماجہ سے نقل کیا ہے البتہ مختصر سے فرق کے ساتھ صحیح بخاری اور مسلم میں بھی ہے۔ صحیح مسلم میں اس طرح آیا ہے:

......"عن جابر بن عبداللّٰہ؛ قال: اھللنا مع رسول اللہؐ بالحج، فلماقدمنامکۃامرناان نَحِلّ ونجعلھاعمرۃ، فَکَبُر ذالک علینا وضاقت(۱) بہ صدورُنا، فبلغ ذالک النبیؐ فماندری أشَیٌ بلغہ من السماء ام شیٌ من قِبَل الناس! فقال: ایھاالناس! اَحِلُّوافلولاالھدی الذی معی فعلت کمافعلتم، قال: فاحللناحتیٰ وطِئنااَلنساء، وفعلنامایفعل الحلال، حتیٰ اذاکان یوم الترویۃِ ،وجعلنامکّۃ بظھرٍ،اھللنا بالحج "(۲)

جابر بن عبداللہ سے منقول ہے:

ہم نے آنحضرتؐ کے ساتھ حج کے لئیا حرام باندھا اور جب مکہ وارد ہوئے تو رسول اکرمؐ نے حکم دیا: اس احرام کو احرام عمرہ قرار دے دیں اور اس طرح احرام سے محل (خارج) ہو جائیں۔

جابر کہتے ہیں: یہ حکم ہم لوگوں پر گراں گزرا اور ہم لوگوں کے سینے اس کی وجہ سے تنگ ہوگئے۔ **"وضاقت بہ صدورُنا"**

ادھر رسولؐ خدا کو اس کی اطلاع مل گئی، پتہ نہیں اس بات کی اطلاع آپؐ کو آسمان سے پہنچی یا ہم

---

(۱) نوٹ: ضاقت بہ صدورنا سے کثرت ناراضگی وناپسندیدگی کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

(۲) صحیح مسلم ج ۴، کتاب الحج ،باب(۱۷)"بیان وجوہ الاحرام وانہ یجوزافراد الحج والتمتع"حدیث ۱۲۱۶۔

لوگوں میں سے کسی نے بتلا دیا، بہر حال اس وقت آنحضرتؐ نے فرمایا: اے لوگو! احرام سے خارج ہو جاؤ! اگر میرے ساتھ یہ قربانی نہ ہوتی تو میں بھی تمہاری طرح احرام سے خارج ہو جاتا۔ جابر کہتے ہیں: ہم تمام لوگ احرام سے خارج ہو گئے، یہاں تک کہ ہم لوگ اپنی اپنی بیویوں سے بھی ہم بستر ہوئے اور وہ تمام کام انجام دئے، جو غیر محرم افراد انجام دیتے ہیں، یہاں تک کہ روز ترویہ آ گیا اور ہم نے مکہ کو عرفات جانے کے قصد سے ترک کیا اور حج کے لئے احرام باندھا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ چونکہ افراد کی زمانۂ جاہلیت کی ذہنیت بن چکی تھی کہ جس نے شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ میں احرام باندھ لیا وہ حق نہیں رکھتا کہ محرمات احرام کو انجام دے، خصوصاً عورتوں سے ہمبستر ہونا سخت ممنوع ہے، جب تک کہ وہ اعمال حج کو تمام کر کے احرام حج سے خارج نہ ہو جائے، اس لئے انھوں نے یہ اعتراض کیا: "**انطلق ومذاكيرنا تقطر**" آیا ہم اس حالت میں خارج ہوں کہ ہمارے اعضائے تناسل سے منی ٹپکتی ہو؟!! اور کچھ افراد نئے حکم کو قبول کرنے سے ہی کترا رہے تھے، یہاں تک کہ رسولؐ ان کی اس روش سے ناراض و آزردہ خاطر ہوئے چنانچہ عائشہ اس بارے میں ناقل ہیں:

......"عن عائشة؛انها قالت :قدم رسول ؐ لاربع مضين من ذى الحجة اوخمس،فدخل على وهوغضبان، فقلت: من اغضبك يارسول الله !ادخله الله النار، قال: اوما شعرت انى امرت الناس بامرٍ فاذاهم يترددون......!!؟(١)

جب رسول خداؐ ذی الحجہ کی چوتھی یا پانچویں تاریخ میں وارد مکہ ہوئے تو میں (عائشہ) نے ناگاہ دیکھا کہ رسول غضبناک اور آزردہ خاطر میرے پاس آئے، میں نے کہا: یارسول اللہ! خدا واصل جہنم کرے اس شخص کو جس نے آپ کو ناراض کیا، آخر آپ کو غضبناک کیوں دیکھ رہی ہوں؟'' رسولؐ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تم نہیں دیکھ رہی ہو کہ میں ان لوگوں کو حکم دے رہا ہوں اور یہ لوگ اس حکم کے قبول کرنے میں آنا کانی کر رہے ہیں؟!!(۲)

---

(١) صحیح مسلم جلد۴، کتاب الحج، باب" بیان و جوہ الاحرام......"حدیث ١٢١١،
یہ حدیث کتاب الحج کی ۱۳۰/ایک سوتیسویں حدیث ہے۔
(۲) جس طرح امام بخاری نے مذکورہ مضمون سے متعلق متعدد احادیث نقل کی ہیں اسی طرح مسلم نے بھی متعدد طرق واسناد کے ساتھ مختلف روایات نقل کی ہیں۔ مترجم۔

حج تمتع کی تحریم کا فتویٰ

جیسا کہ مذکورہ مباحث میں ہم نے اشارہ کیا کہ جب حج تمتع کا حکم آیا تو بعض مسلمانوں پر یہ حکم گراں گزرا، لیکن رسولؐ نے اپنی بے پایان جدو جہد کے بعد اس حکم کو نافذ اور عملی جامہ پہنا دیا، تا اینکہ یہ حکم خلیفہ اوّل ابوبکر کے دور خلافت میں نافذ العمل رہا، مگر خلیفۂ دوم حضرت عمر کے دور خلافت میں اس کو ممنوع قرار دے دیا گیا اور مخالفت کرنے والوں کو سخت سزا کی دھمکی دی گئی، اس بارے میں کتب صحاح وسنن کے علاوہ تاریخی اور رجال کی کتابوں میں بھی بہت زیادہ روایات پائی جاتی ہیں، چنانچہ چند روایات بطور نمونہ صحیحین سے نقل کرتے ہیں:

۱ ......"قال عمران بن حصین: نزلت آیة المتعة فی کتاب اللّٰہ (یعنی متعة الحج) وامرنا بها رسولؐ اللّٰہ، ثم لم تنزل آیة تنسخ آیةمتعةالحج، ولم ینهَ عنها رسولؐ اللّٰہ حتیٰ مات، قال: رجل برایه بعدُماشاء"(۱)

عمران بن حصین سے منقول ہے:

جب آیۂ حج تمتع قرآن مجید میں نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے ہم کو اس حج کے انجام دینے کا طریقہ بتلایا، اس کے بعد نہ اس حکم کے نسخ کے بارے میں کوئی آیت نازل ہوئی اور نہ ہم کو رسولؐ نے منع فرمایا، یہاں تک کہ رسول کی وفات حسرت آیات واقع ہوگئی، اس کے بعد ایک مرد نے اپنی خواہشات نفسانی سے اس میں جو چاہا کیا (یعنی اس حکم کو انجام دینا حرام قرار دے دیا)!

۲ ......"عن ابی نضرة، قال: کنت عند جابر بن عبداللّٰہ، فاتاه آت، فقال: ابن عباس وابن الزبیر اختلفا فی المتعتین (متعة الحج ومتعةالنساء)، فقال جابر: فعلنا هما مع رسول اللّٰہؐ، ثم نها ناعنهماعمر فلم نعُدْلَهُما" (۲)

(۱) صحیح مسلم جلد ۴، کتاب الحج، باب (۲۳)" جواز التمتع" حدیث ۱۲۲۳. ۱۲۲۶. (ان دونوں روایتوں کو مسلم نے متعدد اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے. مترجم). صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب الحج، باب" تمتع" حدیث ۱۴۹۶. جلد ۵، کتاب المغازی، باب" بعث ابی موسی الی الیمن" حدیث ۴۰۸۹.

(۲) صحیح مسلم جلد ۴، کتاب النکاح، باب "نکاح المتعة" حدیث ۱۴۰۵ (کتاب النکاح کی حدیث نمبر ۱۷).

امام مسلم نے ابی نضرہ سے نقل کیا ہے:

میں جابر بن عبداللہ کے پاس تھا کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا: ابن عباس اور ابن زبیر متعۃ الحج اور متعۃ النساء کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں، (حقیقت کیا ہے؟) جابر نے کہا: ہم لوگ رسولؐ کے زمانہ میں دونوں کو انجام دیتے تھے، لیکن عمر نے اپنے دور حکومت میں اس سے منع کر دیا، لہٰذا ہم نے بھی اس کے بعد اعادہ نہیں کیا۔

۳۔......"عن مُطرّف؛قال: بعث اِلیٰ عمران بن حُصَین فی مرضه الذی تُوُفّی فیه، فقال: انی کنت مُحدّثُک باحادیث لعل الله ان ینفعک بهابعدی، فان عشتُ فاکتم عنی، وان مُتُّ فحدّ ثُ بها ان شئت، انه قد سُلّم عَلَیّ، واعلم ان نبیّ الله قدجَمَعَ بین حج وعمرة، ثم لم ینزل فیها کتابُ الله ولم ینهَ عنها النبیّ الله، قال رجل فیها برایه ماشاء"(۱)

مطرف سے منقول ہے:

جب عمران بن حصین مریض تھے اور انہوں نے اسی مرض میں وفات پائی تو انھوں نے مجھے اپنے پاس بلا بھیجا اور کہا: اے مطرف! میری موت اب حتمی اور یقینی ہو چکی ہے، لہٰذا چاہتا ہوں کہ چند موضوعات کی طرف تمہیں متوجہ کر دوں، شاید میرے مرنے کے بعد تمھارے لئے مفید ثابت ہوں، اگر میں زندہ رہ گیا تو اس کو مخفی و پنہاں رکھنا اور اگر میں اسی مرض میں دنیا سے چلا گیا تو ظاہر کرنے میں کوئی حرج نہیں، اے مطرف! آگاہ ہو جاؤ کہ رسولؐ نے حج وعمرہ کو ایک سال میں جمع کیا، اس کے بعد اس کی ممنوعیت میں نہ کوئی آیت نازل ہوئی اور نہ خود آنحضرتؐ نے منع فرمایا، لیکن رسولؐ کی وفات کے بعد ایک مرد نے جو چاہا، اس میں اپنی طرف سے تبدیلی کر دی!(۲)

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۴، کتاب الحج، باب "جواز التمتع" حدیث ۱۲۲۶ . (کتاب الحج کی حدیث نمبر ۱۶۸)

(۲) مسلم نے باب نکاح المتعہ اور باب التمتع میں متعہ النساء اور جواز تمتع سے متعلق متعدد احادیث مختلف طرق واسناد کے ساتھ اپنی صحیح میں نقل کی ہیں جن سے یقینی طور پر ان کا جواز ثابت ہوتا ہے، مذکورہ حوالے ملاحظہ فرمائیں۔ مترجم.

عرض مؤلف

مذکورہ روایت سے عمر کی زبانی تحریم تمتع کے علاوہ دو باتوں کا مزید استفادہ ہوتا ہے:

اول یہ کہ عمران نے بہت سے حساس موضوعات مطرف کے حوالے کئے تھے، لیکن دیگر موضوعات فراموش کردئے گئے!! اور روایت میں صرف حج تمتع کا ذکر آیا ہے۔

دوم یہ کہ زمانہ اس قدر پر آشوب اور پر خطر تھا کہ کسی کو حق بیان کرنے کی آزادی نہیں تھی اور مجبور تھے کہ خلفائے وقت کے سامنے خاموش رہیں، جو وہ کہیں اسے بغیر چون چرا تسلیم کرلیں اور ان کی حاکمیت کے سامنے کوئی ردعمل ظاہر نہ کریں، حقائق کو خلفاء کے فائدہ میں پنہاں رکھا جائے، لہٰذا عمران نے کہا: ''اگر میں زندہ رہا تو ان باتوں کو کسی سے مت کہنا اور اگر مرگیا تو دوسروں کو بتانے میں کوئی حرج نہیں'' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خلفاء کے زمانہ میں ظلم اس قدر بڑھ گیا تھا کہ رسولؐ کے معزز صحابہ بھی زبان کشائی سے ڈرتے تھے!!

بہرحال اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ، حضرت عمر نے اپنے دور حکومت میں اعلانیہ طور پر کہہ دیا تھا کہ عہد رسالتمآبؐ میں دو متعہ (متعۃ الحج ومتعۃ النساء) تھے، لیکن میں ان کو حرام قرار دیتا ہوں، آئندہ اگر کسی نے ان کو انجام دیا تو میں اس کو سخت سزا دوں گا:

((متعتان کانتا علی عهد رسولؐ الله، وانا انهی عنهما واعاقب علیهما متعة الحج ومتعة النساء))(۱)

---

(۱) احکام القرآن جصاص جلد ۱، تفسیر سورة البقرة، ص ۳۴۵، ۳۴۲. جلد ۲، تفسیر سوره النساء، ص ۱۹۱. تفسیر قرطبی جلد ۲، تفسیر سورة البقرة، قوله تعالی: "فان احصرتم فما استیسر من الهدی" ص ۳۶۵. کنزالعمال جلد ۱۶، النکاح _ الافعال، حدیث ۴۵۷۱۵، ص ۳۵۲، ۳۵۳، (مطبوعه: هندوستان). شرح تجرید قوشچی، فصل امامت.

یہ مطلب متعدد کتب تاریخ، حدیث، تفسیر ورجال میں موجود ہے، چنانچہ مسند احمد ابن حنبل جلد ۱، ص ۵۲ میں بھی موجود ہے لیکن حسب معمول یہ جملہ ''وانا انهی عنهما'' حذف کردیا گیا ہے۔

حج تمتع کی تحریم کا فتویٰ کیوں دیا گیا؟!

ممکن ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ سوال اُبھر آئے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد حج تمتع کو انجام دینے سے آخر کیوں خلیفہ صاحب نے روکا؟ کیوں حرمت کا فتویٰ صادر کیا؟ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ خلیفہ صاحب کا اس سے کیا مقصد ہوسکتا تھا؟

اس سوال کا جواب خود متن روایات سے ہی مل جاتا ہے اور وہ یہ کہ یہ مخالفت وممانعت اسی سابقہ ذہنیت کی وجہ سے وجود میں آئی جو دوران جاہلیت میں رکھتے تھے:'' شوال ذیقعدہ اور ذی الحجہ میں احرام باندھنا بہت بڑا گناہ ہے'' جی ہاں! اس حکم پر پابندی لگانے کی علت وہی سابقہ ذہنی خرافات تھی جو کہتے تھے: **"انـطـلـق ومذاكيرنا تقطر المني؟!"** '' آیا ہم اس حالت میں خارج ہوں کہ ہمارے اعضائے تناسل سے منی ٹپکتی ہو''؟! وہی دوران جاہلیت کا موہومی فلسفہ جس کی وجہ سے رسول اسلامؐ ناراض ہوئے اور جو لوگ اس حکم کی نافرمانی کررہے تھے ان کی مذمت فرمائی۔

پس یہی علل واسباب تھے کہ جن کی بنا پر رسولؐ کے بعد حج تمتع سے منع کیا جانے لگا، انھیں علل واسباب کی وجہ سے قرآن ورسولؐ کے صریح فرمان کے سامنے بعض لوگوں نے اظہار نظر فرمایا، چنانچہ اس بارے میں صحیح مسلم اور اہل سنت کی دیگر معتبر کتابوں میں بالتفصیل روایات موجود ہیں جیسے ذیل کی روایت:

......"عن ابی موسی؛انه كان يُفتي بالمتعة، فقال له رجل: رُويدک ببعض فتياک فـانک لا تدری ما احدث اميرالمؤمنين فی النُسُک بعد؟حتی لقيه بعدُ: فسأله، فـقـال عـمـر: قـد عـلـمـت ان الـنبیؐ قد فعله واصحابُه، و لكن كرهتُ ان يَظَلُّوا معرسين بهن فی الاراک، ثم يَرُوحُون فی الحج تقطرُرؤُسهم"(۱)

ابوموسیٰ حج تمتع کے جواز کا فتویٰ دیا کرتے تھے، ایک شخص نے ان سے کہا: فتویٰ دینے میں جلدی نہ

---

(۱) صحيح مسلم جلد ۴، كتاب الحج، باب" فی نسخ التحلل"حديث ۱۲۲۲ (کتاب الحج کی حدیث نمبر ۱۵۷) سنن نسائی جلد ۵، كتاب مناسک الحج، باب" التمتع" ص ۱۵۳ . سنن ابن ماجه جلد ۲، كتاب المناسک، باب " التمتع بالعمرة الی الحج "حديث ۲۹۷۹ . مسند احمد بن حنبل جلد ۱، مسند عمر بن الخطاب، ص ۴۹ . ۵۰ .

کرو، کیا تمہیں نہیں معلوم کہ رسولؐ کے بعد امیرالمؤمنین عمر نے اعمال حج میں کتنا ردوبدل کر دیا ہے؟ یہاں تک حضرت عمر کی خود ابوموسیٰ سے ایک دن ملاقات ہوگئی، ابوموسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے سوال کیا تو وہ کہنے لگے: اے ابوموسیٰ! ہم جانتے ہیں کہ رسولؐ نے اور آپ کے اصحاب نے حج تمتع کیا، مگر ہم کو اچھا نہیں لگتا کہ مسلمان درخت "اراک" کے نیچے اپنی عورتوں کے ساتھ ہمبستر ہوں اور اس حال میں وہ اعمال حج کے لئے کوچ کریں کہ ان کے سر وصورت سے آب غسل ٹپک رہا ہو!!

ایک نامعقول علت کا تجزیہ

صحیح مسلم کے بعض حاشیہ نویسوں نے حضرت عمر کے مذکورہ جملہ "**تقطر رؤوسهم**" (ان کے سر وصورت سے آب غسل ٹپک رہا ہو) کی توجیہہ کرتے ہوئے کہا ہے:

عمر کا یہ جملہ مناسب اور شائستہ تر ہے اس جملہ سے جسے بعض مسلمان پیغمبرؐ کے زمانے میں حج تمتع کی تشریع کے وقت استعمال کرتے تھے: آیا ہم اس حالت میں اعمال حج کے لئے عرفات میں سفر کریں کہ ہمارے اعضائے تناسل سے منی ٹپک رہی ہو؟! (**فنأتي عرفة تقطر مذاكيرنا المني**)

بہرحال خلیفہ صاحب نے "**تقطر رؤوسهم**" سے حج تمتع کے حرام قرار دینے کی علت بیان کی ہے، کیونکہ شارح صحیح مسلم علامہ زرقانی تحریر کرتے ہیں:

حضرت عمر کا عقیدہ یہ تھا کہ حاجی کے لئے مناسب نہیں ہے کہ ایسے امور انجام دے جو خوشی، راحت اور تلذذ کے سبب ہوں، لہٰذا چونکہ حاجی کے لئے احرام کھولنے کے بعد عورتوں سے ہمبستر ہونا خوشی اور تلذذ کا سبب ہے، بنابرایں حج تمتع کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ (۱)

امام سندی "سنن نسائی" کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

---

(۱) شرح صحیح مسلم جلد ۴، کتاب الحج، ص ۴۶، مطبوعہ: بیروت لبنان ۱۳۳۴ھ۔

حضرت عمر کا مقصد یہ تھا کہ حاجی کو چاہئے کہ اس کا چہرہ پژمردہ اور حال پریشاں ہو، لیکن حج تمتع سے چوں کہ اس کا برعکس ہو جاتا ہے، یعنی بجائے پژمردگی اور پریشاں حالی کے انبساط وتلذذ حاصل ہوتا ہے لہٰذا حضرت عمر نے اس کو حرام قرار دے دیا۔(۱)

عرض مؤلف

اگر چہ حضرت عمر کے قول کی بے جا اور نا معقول توجیہہ علمائے اہل سنت بڑی شد و مد کے ساتھ بیان کرتے ہیں مگر حقیقت یہی ہے کہ حضرت عمر نے حج تمتع کو دور جاہلیت کی رسم کو مدنظر رکھتے ہوئے حرام قرار دیا ہے، لہٰذا علمائے اہل سنت کی متذکرہ توجیہیں فقط الفاظ کی بازیگری ہے اور حقیقت وہی ہے جسے ہم نے بیان کیا، مزید یہ کہ مذکورہ علل قولِ رسولؐ کے مخالف بھی ہیں، کیونکہ رسولؐ کا ارشاد گرامی ہے **"انا اتقاکم اللّٰہ و اصدقکم وابو کم"** میں قوانین الٰہیہ کے سلسلے میں تم سب سے زیادہ متقی، پرہیزگار، نیک اور صادق ہوں، اسی طرح یہ آیت متذکرہ توجیہات کی تکذیب کرتی ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْراً أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالاً مُبِيناً﴾(۲)

اور نہ کسی ایماندار مرد کو یہ حق حاصل ہے اور نہ ہی کسی ایماندار عورت کو کہ جب خدا اور اس کا رسولؐ کسی کام کا حکم دیں تو ان کو اپنے اس کام (کے کرنے یا نہ کرنے) کا اختیار ہو اور یاد رہے کہ جس نے خدا اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی وہ یقیناً کھلم کھلا گمراہی میں مبتلا ہو چکا ہے۔

دور عثمان میں حج تمتع کی مخالفت!!

خلافت عثمان میں حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کی بے پایاں سعی وکوشش اور دوران معاویہ میں بعض مسلمانوں کی جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ حج تمتع کا حکم خدا اور رسولؐ دوبارہ اپنی اصلی ہیئت پر پلٹ آیا اور بالتدریج عمر

---

(۱) حاشیة السندی علی سنن النسائی جلد ۵، کتاب مناسک الحج، باب[۱۵۲] "التمتع".

(۲) سورۂ احزاب، آیت ۳۶، پ ۲۲.

کا حکم کالعدم ہوگیا، چنانچہ عمر کی مخالفت اور حضرت علی علیہ السلام کی موافقت میں علمائے اہل سنت نے فتاوے صادر فرمائے ہیں، یہاں تک کہ یہی حکم مسلمانوں میں عملی قرار پایا لہٰذا ذیل میں صحیحین اور دیگر اہل سنت کی معتبر کتابوں سے چند روایات نقل کرتے ہیں جن میں عمر کے حکم کے خلاف حضرت امیرؑ اور بعض مسلمانوں کی جدوجہد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، تاکہ بات بالکل واضح اور آشکار ہوجائے :

۱ . ..."عن مروان بن الحکم؛ قال شَھِدتُ عثمان و علیاً: وعثمان ینھی عن المتعة، وان یُجمَع بینھما فلمّا رأی علیٌّ اھلَّ بھما لبیک بعمرة و حجة، قال: ماکنتُ لِادَع سنّة النبیّ لقول احد." (۱)

مروان بن حکم کہتا ہے:

میں نے عثمان بن عفان کو دیکھا کہ وہ حج تمتع سے لوگوں کو روک رہے تھے، جب حضرت علی علیہ السلام نے انہیں منع کرتے ہوئے دیکھا تو آپ نے اعمال عمرہ اور حج کیلئے احرام باندھا اور کہنے لگے: میں کبھی بھی حکم خدا و سنت پیغمبرؐ کی مخالفت نہیں کروں گا اور نہ کسی ایک کی مخالفت پر حکم الٰہی کو ترک کروں گا۔

۲ . ..."عن سعید بن المسیب؛ قال: اجتمع علیٌّ و عثمان بِعُسفان: فکان عثمان ینھی عن المتعة او العمرة، فقال علیؑ: ماترید الی امر فعله رسول الله تنھی عنه؟ فقال عثمان: دعنا منک، فقال: انی لا استطیع ان اَدَعَک، فلمّا ان رای علی ذالک، اھل بھما جمیعا" (۲)

سعید بن مسیب کہتے ہیں:

جب حضرت علی علیہ السلام اور عثمان بن عفان "عسفان" (مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک دیہات کا

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ، کتاب الحج، باب (۳۴) "التمتع والا قران" حدیث ۱۴۸۸ .

(۲) صحیح بخاری جلد ۱ ، کتاب الحج ، باب (۳۴) "التمتع والاقران" حدیث ۱۴۹۴ .

صحیح مسلم جلد ۴، کتاب الحج ، باب (۲۳) " جواز التمتع" حدیث ۱۲۲۳ .

نام) میں اکٹھے ہوئے تو عثمان عمرہ یا متعہ سے لوگوں کو منع کر رہے تھے، لیکن حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: اے عثمان! کیا تم فرمانِ خدا اور رسولؐ کی مخالفت کے علاوہ کوئی اور بھی مقصد رکھتے ہو؟ عثمان نے کہا! اے علیؑ! ہم کو اپنے حال پر رہنے دو! حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: اے عثمان! میں ہرگز تم کو اس حال پر نہیں چھوڑوں گا کہ حکم خدا اور رسول کی مخالفت کرو، لیکن حضرت علی علیہ السلام نے جب فضاء دگرگون دیکھی تو خود آپؑ نے اعمال عمرہ و حج کے لئے احرام باندھا۔

(یہ روایت مسلم سے ماخوذ ہے البتہ بخاری میں بھی اس کے مانند روایت موجود ہے)

مسلم نے اس روایت کو عبداللہ بن شقیق سے بھی نقل کیا ہے اور اس روایت میں یہ جملہ بھی موجود ہے:

عثمان نے حضرت علی علیہ السلام کو نازیبا کلمات کہے: **(فقال عثمان لعلی کلمة)** !!

سنن نسائی میں اس واقعہ کو سعید بن مسیب سے یوں نقل کیا گیا ہے:

حضرت علیؑ نے فرمایا: **"اذا رأیتموه قد ارتحل فارتحلوا، فلبیٰ علیؑ واصحابه بالعمرة"** جب تم لوگ دیکھو کہ عثمان نے حرکت شروع کر دی تو تم لوگ بھی ان کے ساتھ حرکت شروع کر دو، اس وقت علیؑ اور آپ کے چاہنے والوں نے عمرہ کے لئے احرام باندھا۔(۱)

امام سندی جملہ **"اذا رأیتموه ......"** کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت علی علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ تم لوگ بھی عثمان کے ساتھ حرکت کرو لیکن عمرہ کا احرام باندھ کر تا کہ عثمان اور ان کے چاہنے والے دیکھیں کہ ہم لوگوں نے ان کے قول پر سنت پیغمبرؐ کو مقدم کیا ہے اور انھیں اس بات کا علم ہو جائے کہ خدا اور رسول کے قانون کے سامنے عثمان کی اطاعت نہیں ہو سکتی۔(۲)

---

(۱) سنن النسائی جلد۵، کتاب مناسک الحج، باب[۱۵۲] التمتع.

(۲) حاشیة السندی علی سنن النسائی جلد۵، کتاب مناسک الحج، باب[۱۵۲] التمتع.

ایک قابل توجہ نکتہ

یہاں پر اس نکتہ کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ بیشتر حقائق کو کتب تاریخ وحدیث میں تغیر وتبدل کر کے پیش کیا گیا ہے، یعنی یا سیاست زمانہ کی وجہ سے (حذف ہی کر دیا گیا ہے، یا پھر) پردۂ ابہام ان کے چہرے پر ڈال کر اصل حقیقت کو تحریف اور توڑ مروڑ کے پیش کیا گیا ہے اور ہم تک صرف اشارہ پہنچا ہے۔

چنانچہ حضرت امیر المومنینؑ اور عثمان کے درمیان حج تمتع کے بارے میں جو اختلاف ہوا، جسے صحیحین نے نقل کیا ہے یہ بھی انھیں حقائق میں سے ہے جنھیں تاریخ نے اشارۃً وکنایۃً نقل کیا ہے، ورنہ یہ بات مسلم ہے کہ حضرت علیؑ اور عثمان کے درمیان اختلاف اسی سادگی سے نہ ہوا ہوگا! چنانچہ بعض کتابوں میں شدت اختلاف کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جیسا کہ ابوعمر ابن عبدالبر نے عبداللہ ابن زبیر سے نقل کیا ہے:

عثمان اور حضرت علیؑ کے درمیان اختلاف اس قدر شدید تھا کہ قریب تھا حضرت علیؑ کو اس وجہ سے قتل کر دیا جاتا، چنانچہ ابن زبیر سے منقول ہے: خدا کی قسم میں جحفہ میں تھا کہ ایک گروہ شام سے آیا، جس میں حبیب بن مسلمہ فہری بھی تھا اور یہ عثمان کے ہمراہ تھے، عثمان نے اس وقت خطبہ دینا شروع کر دیا اور حج تمتع کا جب ذکر آیا تو کہنے لگے: حج تمتع سے مراد یہ ہے کہ اعمال حج کو ماہ ہائے حرام میں تمام کرو اور اعمال عمرہ کو اس سے جدا قرار دو، بہتر تو یہ ہے کہ اعمال عمرہ (حج تمتع) کو تاخیر میں ڈال دو، تاکہ دوبارہ تمہیں زیارت خانہ خدا نصیب ہو، کیونکہ خدا نے خیر میں وسعت دی ہے۔

ابن زبیر کہتے ہیں: حضرت علیؑ نے عثمان کے جواب میں فرمایا: اے عثمان! تمھارا مقصد یہ ہے کہ خدا نے جو اپنے بندوں کو وسعت اور ترخیص عنایت کی ہے اس کو تنگی میں بدل دو؟! اور دور دراز سے آنے والے افراد کیلئے جس قانون کو خدا کے حکم سے رسولؐ نے تشریع کیا ہے تم انہیں اس سے روکنا چاہتے ہو؟! اسی وقت حضرت علیؑ نے خود احرام حج وعمرہ باندھا اس کے بعد عثمان نے لوگوں کی طرف چہرہ کیا اور کہنے لگے: کیا میں نے تم کو عمرہ سے منع نہیں کیا ہے؟ البتہ یہ میری رائے ہے اب اگر کوئی اس کو انجام دیتا ہے تو میں اس کا ذمہ دار نہیں، جو چاہے اس پر عمل کرے اور جو چاہے اس کو ترک کرے، ابن زبیر کہتے ہیں: اسی اثناء میں ایک شامی مرد آیا اور حبیب ابن مسلمہ سے کہنے

لگا: اس شخص کو دیکھو! جو امیر المؤمنین (عثمان) کے مقابلہ میں مخالفت کر رہا ہے، قسم خدا کی اگر مجھے عثمان کی طرف سے اجازت مل جائے تو میں اس کو قتل کردوں، ابن زبیر کہتے ہیں: اس وقت حبیب بن مسلمہ فہری نے اس کے سینہ پر ہاتھ مار کر کہا: او خاموش رہ! اصحاب رسول آپس کا اختلاف غیروں کی بہ نسبت زیادہ جانتے ہیں۔ "**فان اصحاب رسول اللہ اعلم بما یختلفون......**" (۱)

حج تمتع دور معاویہ میں

محترم ناظرین! "**متعتین**" کے بارے میں گزشتہ صفحات میں ابن عباس اور ابن زبیر کی جد وجہد اور مخالفت ابن عباس کی جابر کی جانب سے طرفداری کو ہم نے نقل کیا اور متعۃ الحج ومتعۃ النکاح کے بارے میں جناب جابر کی طرفداری اسی مورد میں منحصر نہیں بلکہ اس بارے میں کافی موارد نقل کئے گئے ہیں، حالانکہ خلفاء کے زمانے میں حدیث نقل کرنے پر سخت پابندی لگی ہوئی تھی لیکن جناب جابر اس موضوع کے بارے میں حقیقت واضح کرنے سے باز نہ آئے اور آپ نے اس بات کو سب پر روشن کردیا کہ یہ دونوں متعہ جزء اسلام ہیں۔ (۲)

اسی طرح احادیث کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ جس طرح عثمان چاہتے تھے کہ حضرت عمر کی سنت پر عمل کرتے ہوئے حج تمتع کو حرام قرار دیں، اسی طرح معاویہ بھی چاہتا تھا کہ عمر اور عثمان کے حکم پر لوگوں کو گامزن رکھا جائے، مگر کچھ افراد کی شدید مخالفت کی بناء پر وہ کمزور پڑ گیا اور یہ مسلمان اس کا حکم ماننے کے لئے تیار نہ ہوئے۔

چنانچہ سنن نسائی میں آیا ہے: "**......عن ابن شهاب عن محمد ......؛انه حدثه انه سمع سعد بن ابی وقاص والضحاک بن قیس عام حج معاویة بن ابی سفیان وهما یذکران التمتع بالعمرة الی الحج،فقال الضحاک: لایصنع ذالک الّا من جهل امر اللہ تعالی ،فقال سعد: بئسما ،قلت یابن اخی، قال الضحاک: فَأَنَّ عمر بن الخطاب نهی عن ذالک، قال سعد: قد صنعها رسول اللہ وصنعنا معه**"

(۱) جامع بیان العلم و فضله جلد ۲ ،باب "معرفة اصول العلم و حقیقته" ص ۳۷.
(۲) صحیح مسلم جلد ۱ ،کتاب الحج، باب" حج تمتع"و باب" متعةالنکاح"

جس سال معاویہ حج کے لئے گیا تو سعد بن ابی وقاص اور ضحاک بن قیس (یہ دونوں مشہور صحابی اور بڑے لوگوں میں تھے) کے درمیان اختلاف ہو گیا، ضحاک کا کہنا تھا کہ حج تمتع انجام نہیں دے گا سوائے اس شخص کے جو حکم الٰہی کو جانتا ہی نہ ہو، سعد نے کہا: اے برادر زادہ تم کیا بیہودہ باتیں بک رہے ہو؟! ضحاک نے کہا: اے سعد! کیا عمر ابن خطاب نے حج تمتع کو حرام قرار نہیں دے دیا تھا؟ سعد نے کہا: صحیح ہے مگر رسولؐ خدا نے اس کو انجام دیا ہے اور ہم نے بھی رسولؐ کے سامنے انجام دیا ہے۔(۱)

صحیح مسلم اور مسند امام احمد بن حنبل میں اس طرح مرقوم ہے:

"......عن سليمان حدثني غنيم؛قال سئلت سعد بن ابي وقاص عن المتعة، قال فعلنا ها وهذا كافر بالعرش يعني معاويه "(۲)

سلیمان سے منقول ہے کہ غنیم کہتے ہیں:

جب میں نے سعد بن ابی وقاص سے متعہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے کہا: "ہم نے رسولؐ کے سامنے حج تمتع اس وقت کیا جب معاویہ خدائے عرش کے بارے میں کافر تھا۔"

ان دونوں باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ معاویہ کے زمانے میں بھی حج تمتع کے بارے میں اختلاف پایا جاتا تھا، ورنہ اس کا کوئی مطلب نہیں کہ دو مسلمان افراد میں ایک مسئلہ کے بارے میں اختلاف کو کسی ایک سال سے مقید کر دیا جائے، یا حج تمتع انجام دینے کے بارے میں یہ کہا جائے کہ میں نے اس کو اس وقت انجام دیا جب معاویہ کافر تھا، وغیرہ وغیرہ......

---

(۱) سنن نسائی جلد ۴ ،کتاب مناسک الحج ، باب" التمتع" ص ۱۵۲ .

(۲) صحیح مسلم جلد ۴، کتاب الحج، باب"جواز التمتع"حدیث ۱۲۲۵ . مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ،مسند سعید ین زید بن عمرو ......ص ۱۸۱ .

۶۔ متعہ یا معینہ مدت کا نکاح

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیثیں مطالعہ کرنے سے جہاں بہت سی باتوں کا انکشاف ہوتا ہے، ان میں سے اس بات کا بھی روز روشن کی طرح استفادہ ہوتا ہے کہ جوازِ متعہ کو حرمت میں تبدیل کرنے والے بھی حضرت عمر تھے! اور یہ ایک ایسا حکمِ خدا و رسولؐ ہے جس کی ممنوعیت پر اہل سنت حضرات آج تک قائم ہیں اور بڑی شدومد کے ساتھ بغلیں بجا کر مذہب شیعہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس مذہب میں متعہ جائز ہے!(۱) یہاں تک کہ فی الوقت یہ موضوع شیعوں اور سنیوں کے درمیان اس حد تک بڑھ چکا ہے کہ گاہے بہ گاہے اس کی وجہ سے دست و گریبان ہونے کی نوبت آجاتی ہے، لہٰذا ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اس موضوع کو درج ذیل پانچ عنوان بحث میں محل تحقیق قرار دیں۔

ا۔ متعہ یعنی چہ؟

اسلامی فقہ میں جو متعہ محل بحث قرار دیا جاتا ہے اور جسے شیعہ حضرات دائمی نکاح کی طرح اسلام کا ایک ثابت قانون سمجھتے ہیں اس سے مراد یہ ہے: ''مرد ایک ایسی عورت سے معینہ مدت کے لئے مہر معین کے ساتھ نکاح کرے جو عورت اس کے لئے شرعی ممانعت نہ رکھتی ہو، یعنی عورت ان عورتوں میں سے ہو جس سے دائمی نکاح جائز ہو اور متعہ میں جب مدت معینہ تمام ہو جاتی ہے تو مرد و عورت بغیر طلاق کے ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں، البتہ ایک صورت یہ بھی ممکن ہے کہ مرد اپنی مدت عورت کو بخش کر مدت تمام ہونے سے پہلے جدا ہو جائے۔''

---

(۱) اگر اہل سنت حضرات سے الٹ کر کوئی سوال کرے کہ جس حکم کو خدا اور رسولؐ نے جائز قرار دیا ہو کیا وہ ایک عام آدمی کے حرام قرار دینے سے حرام ہو جائے گا؟! لہٰذا قابل اعتراض تو وہ مذہب ہے جو حرمت متعہ پر آج تک قائم رہ کر الٹی گنگا بہا رہا ہے نہ کہ وہ مذہب جو حکم خدا اور رسولؐ پر عمل پیرا ہے۔ مترجم۔

عقد دائمی اور متعہ کے مشترک و مختلف احکام

قارئین کرام! متعہ اور دائمی نکاح کے زیادہ تر احکام ایسے ہیں جو مشترک ہیں اور بعض احکام مختلف ہیں جن کی تفصیل ذیل میں ہم نقل کرتے ہیں:

مشترک احکام

۱۔ متعہ میں بھی عقد دائم کی طرح زوجین کو بالغ اور رشید ہونا چاہیئے۔

۲۔ دائمی نکاح کی طرح اس میں بھی رضایتِ طرفین کے ساتھ ساتھ صیغۂ ایجاب وقبول پڑھنا ضروری ہے، لہٰذا طرفین کی طرف سے صرف رضایت اور معاطات ہو تو متعہ درست نہیں ہے جب تک کہ صیغۂ ایجاب وقبول نہ ہو اور صیغۂ ایجاب وقبول میں مخصوص الفاظ کا پڑھنا لازمی ہے، لہٰذا لفظ آجرت، یا وہبت، ابحت وغیرہ سے متعہ واقع نہیں ہوسکتا ہے۔

۳۔ عقد دائم کی طرح اس میں بھی مہرِ معین اور اجرت قرار دینا ضروری ہے۔

۴۔ جس طرح دائمی نکاح میں عورت پر لازمی ہے کہ وہ شوہر سے جدائی کی صورت میں عدہ رکھے جبکہ مرد وعورت ہمبستر ہوئے ہوں اور عورت یائسہ نہ ہو اسی طرح متعہ میں بھی عورت پر جدائی کی صورت میں عدہ رکھنا ضروری ہے، البتہ متعہ میں عدہ کی مدت دو حیض کا آنا یا ۴۵ روز ہے اور نکاح میں تین ماہ (یا تین حیض) ہوتی ہے۔

۵۔ دائمی نکاح کی طرح متعہ میں بھی عدۂ وفات چار مہینے دس دن ہے۔

۶۔ دائمی نکاح کی طرح متعہ میں بھی حاملہ عورت کا عدہ، طلاق کی صورت میں وضع حمل ہے اور اگر شوہر مر جائے تو عدہ **"ابعد الاجلین"** ہوگا۔

۷۔ متعہ سے پیدا ہونے والی اولاد بھی میراث و دیگر احکام میں اپنے ان بھائی و بہنوں کے ساتھ برابر کی شریک ہوتی ہے جو دائمی نکاح والی عورت سے متولد ہوئی ہو۔

۸۔ متعہ میں بھی عقد دائم کی طرح بیوی کی ماں اور اس کی لڑکی شوہر پر حرام ابدی ہو جاتی ہیں (البتہ اس

وقت تک حرام ہے جب تک کہ عورت زوجیت میں ہے) اسی طرح متعہ والی بیوی کی موجودگی میں شوہر اس کی بہن سے عقد متعہ نہیں کرسکتا۔

۹۔ متعہ میں بھی دائمی نکاح کے مانند ایام خاص میں جماع کرنا حرام ہوتا ہے جیسے ایام عادت (حیض و نفاس) یا ماہ رمضان کے روزے کی حالت میں......۔

اختلافی موارد

۱۔ دائمی نکاح کی طرح متعہ میں مدت غیر معین نہیں بلکہ معین ہوتی ہے

۲۔ دائمی نکاح کی طرح مرد وعورت متعہ کی صورت میں ایک دوسرے کے وارث نہیں قرار پاتے مگر یہ کہ صیغۂ عقد متعہ میں شرط توارث قرار دے دی جائے۔

۳۔ صیغۂ متعہ میں مہر کا ذکر اور اس کی تعیین ضروری ہے لیکن عقد دائمی میں ذکرِ مہر اور اس کی تعیین لازمی نہیں۔

۴۔ متعہ میں عورت حق نہیں رکھتی کہ مرد سے نان ونفقہ کا مطالبہ کرے البتہ اگر عورت ضمن عقد میں نان و نفقہ کی شرط کردے تو مرد پر اس کا نان ونفقہ واجب ہے۔

۵۔ عقد متعہ میں بیک وقت چار عورتوں سے زیادہ رکھ سکتا ہے، لیکن دائمی نکاح میں چار سے زیادہ نہیں رکھ سکتا۔(۱)

۲۔ اسلام میں عقد متعہ کا جواز

مذہب اسلام میں اصل متعہ کا جائز ہونا مسلمانوں کے درمیان متفق علیہ کے علاوہ قرآن مجید اور سنت پیمبر کے ذریعہ بھی قطعی الثبوت ہے، جہاں تک اتفاق مسلمین کا مسئلہ ہے تو تمام مسلمان اپنے مختلف نظریات، آراء وعقائد کے باوجود اس بارے میں اتفاق نظر رکھتے ہیں کہ متعہ کو رسول اسلامؐ نے خدا کے حکم سے تشریع فرمایا ہے اور اس کا جائز ہونا اتنا واضح وآشکار ہے کہ ہم یہ دعوی کرسکتے ہیں کہ علمائے اسلام میں سے کسی نے بھی متعہ کے جواز کا انکار نہیں کیا ہے، گویا علمائے اسلام کے نزدیک حکم متعہ ضروریات دین میں سے ہے، چنانچہ

(۱) متعہ کے بقیہ جزئی احکام، فقہی کتابوں میں دیکھئے۔

اہلسنت والجماعت کے مشہور محقق و فلسفی علامہ فخر الدین رازی تحریر فرماتے ہیں:

''تمام علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ متعہ اسلام میں مباح تھا، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ نکاحِ متعہ بعد میں نسخ ہوا یا نہیں؟

ایک گروہ قائل ہے کہ یہ حکم نسخ ہو گیا تھا اور دوسرا گروہ عدمِ نسخ کا قائل ہے''(۱)

ثبوت جواز متعہ؛ قرآن کی روشنی میں

جواز متعہ کے بارے میں سورۂ نساء میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿......فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ......﴾(۲)

پس جو لوگ عورتوں سے لذت اٹھانا چاہتے ہیں ان کو چاہیئے کہ جو اجرت تعین ہوتی ہے اس کو ادا کریں۔

اہل سنت کے اکثر مفسرین اور اہل تشیع کے تمام مفسرین اس بات کے قائل ہیں کہ مذکورہ آیت متعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور استمتاع کی اجرت دینے کا مطلب متعہ میں مہر ادا کرنا ہے، یہاں تک کہ قرآءِ قرآن کے ایک گروہ مانند ابیُ ابن کعب، ابن عباس، سعید بن جبیر، سدی وغیرھم نے اس آیت کو یوں پڑھا ہے: ﴿......فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ (اِلٰى اَجَلٍ) فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُن......﴾ یعنی ان حضرات نے مدت کا ذکر آیت کا جزء جانا ہے جو متعہ میں لازم ہوتا ہے۔

اس نظریہ کو طبری اور زمخشری نے اپنی اپنی تفسیر میں ابن عباس سے اور فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں ابیُ ابن کعب سے نقل کیا ہے۔(۳)

تفسیر طبری میں صدر اسلام کے مشہور مفسر جناب مجاہد سے منقول ہے: مذکورہ آیت متعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

---

(۱) تفسیر کبیر فخر رازی، سورۂ نساء، آیت نمبر ۲۹.

(۲) سورۂ نساء، آیت ۲۴، پ۵.

(۳) تفسیر طبری جلد ۵، سورۂ نساء آیت ۲۴ . تفسیر کشاف جلد ۱، سورۂ نساء، آیت ۲۴، ص ۵۱۹.
تفسیر کبیر جلد ۳، سورۂ نساء، آیت ۲۴، ص ۲۰۱.

اس کے علاوہ خود اس سورے کی آیات کا سیاق وسباق اور مذکورہ آیت میں موجودہ قرائن اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ یہ آیت متعہ سے متعلق ہے، کیونکہ خدانے اس سورہ کے شروع میں پہلے عقد دائمی کا حکم بیان فرمایا ہے:

﴿......فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ...... ☆ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً﴾(۱)

تو عورتوں سے تم اپنی مرضی کے موافق دو دو اور تین تین اور چار چار سے نکاح کرو، پھر اگر تمہیں اس کا اندیشہ ہو کہ تم (متعدد بیویوں میں) انصاف نہ کرسکو گے تو ایک ہی پر اکتفا کرو، یا جو (لونڈی) تمہاری زرخرید ہو (اسی پر قناعت کرو) یہ تدبیر بے انصافی نہ کرنے کی بہت قرین قیاس ہے اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی خوشی دے ڈالو۔

اگر آیۂ ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ ......﴾ سے مراد بھی عقد دائم ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ خدانے بغیر کسی فائدہ اور نئے نکتہ کے ایک ہی سورہ میں ایک حکم کو دوبار بیان فرمایا ہے اور یہ رویہ قرآن کی بلاغت اور روش کے خلاف ہے، لیکن اگر یہ آیت متعہ سے مربوط ہو تو آیت سے ایک نیا اور مستقل حکم کا پتہ چلتا ہے اور اس صورت میں کوئی اشکال وارد نہ ہوگا، بالفاظ دیگر مذکورہ سورہ میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس سورہ میں خدانے تمام ان عورتوں کا ذکر فرمایا ہے جن سے نکاح کرنا حرام ہے اور پھر عورتوں کے حلال ہونے کے طریقہ کو اس ترتیب سے بیان کیا ہے:

۱۔ آزاد عورتوں کے ساتھ عقد دائم۔

۲۔ کنیزوں کے ساتھ عقد دائم کرنا۔

۳۔ ملک یمین۔ (یعنی کنیزوں کو بغیر عقد اپنی زوجیت میں رکھنا)

۴۔ ازدواج مؤقت (متعہ)۔

۱۔۲۔ ازدواج دائم اور ملک یمین کا حکم اس سورہ کی آیت نمبر ۳ میں آیا ہے:

﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً

---

(۱) سورۂ نساء، آیت ۳۔۴، پ ۴۔

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذَالِكَ اَدْنىٰ اَلَّا تَعُوْلُوْا ☆ وَاٰتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْساً فَكُلُوْهُ هَنِيْئاً مَرِيْئاً﴾

پس تم عورتوں سے اپنی مرضی کے موافق دو دو اور تین تین اور چار چار سے نکاح کرو، پھر اگر تمہیں اس کا اندیشہ ہو کہ تم (اپنی متعدد بیویوں میں) انصاف نہ کرسکو گے تو ایک ہی پر اکتفا کرو، یا جو (لونڈی) تمہاری زرخرید ہو (اسی پر قناعت کرو) یہ تدبیر بے انصافی نہ کرنے کی بہت قرین قیاس ہے۔اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی خوشی دے ڈالو! پھر اگر تمھیں خوشی خوشی کچھ چھوڑ دیں تو شوق سے نوش جان کھاؤ پیو۔

۳۔کنیزوں (غیر آزاد عورتوں) سے شادی کرنے کا حکم اسی سورہ کی آیت نمبر ۲۵ رمیں بیان کیا گیا ہے:

﴿وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلاً اَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ......﴾(۱)

اور تم میں سے جو شخص آزاد مومنہ عفت دار عورتوں سے نکاح کرنے کی مالی حیثیت نہیں رکھتا ہو تو وہ تمہاری ان مومنہ لونڈیوں سے جو تمہارے قبضے میں ہیں نکاح کرسکتا ہے اور خدا تمہارے ایمان سے خوب واقف ہے۔

۴۔اس آیت میں خداوند متعال نے ازدواج کی چوتھی قسم (متعہ) کا حکم بیان فرمایا ہے:

﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ......﴾(۲)

پس جو لوگ عورتوں سے لذت اٹھانا چاہتے ہیں ان کو چاہئے کہ جو اجرت تعین ہوتی ہے اس کو ادا کریں۔

حدیث رسولؐ سے ثبوت جواز متعہ

محترم قارئین! ثبوت متعہ سے متعلق شیعہ وسنی کتب میں کثرت کے ساتھ روایتیں پائی جاتی ہیں، چنانچہ صحیح بخاری وصحیح مسلم میں سلمہ بن اکوع، جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن مسعود، ابن عباس، سبرہ بن معبد، ابوذر غفاری،

(۱) سورۂ نساء، آیت ۲۵، پ ۵.

(۲) سورۂ نساء، آیت ۲۴، پ ۵.

عمران بن حصین اور اکوع بن عبداللہ اسلمی سے متعدد روایات منقول ہیں، چونکہ یہاں سب روایات کا نقل کرنا حجم کتاب کے منافی ہے، لہٰذا چند روایات ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں:

۱۔۔۔۔۔۔"عن جابر بن عبداللہ وسلمة بن اکوع ؛قالا: خرج علینا منادی رسولِ اللہ، فقال: ان رسولَ اللہ قد اذن لکم ان تستمتعوا یعنی متعة النساء "(۱)

جابر بن عبداللہ وسلمہ بن اکوع سے منقول ہے:

رسول خداؐ کی طرف سے ایک ندا آئی اور اعلان ہوا کہ رسولؐ کی طرف سے یہ اجازت ہے کہ تم عورتوں سے متعہ کرو۔

مسلم نے مذکورہ حدیث کو اس طرح بھی نقل کیا ہے:

رسولؐ ہمارے درمیان خود تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ تم لوگ متعہ کرو:

"ان رسول اللہ اتانا فاذن لنا فی المتعة "(۲)

اور بخاری نے اس روایت کو اس طرح نقل کیا ہے:

"۔۔۔۔۔۔کنا فی جیش فاتانا رسول اللہؐ ،فقال: انه قد اذن لکم ان تستمتعوا فاستمتعوا"(۳)

ہم لشکر کے درمیان تھے کہ رسولؐ ہمارے درمیان تشریف لائے اور فرمانے لگے: تمہیں عورتوں سے استمتاع (متعہ) کرنے کی اجازت دی گئی ہے پس ان سے کرو۔

۲۔"جابر بن عبداللہ یقول: کنا نستمتع بالقبضة من التمر والدقیق الایام علی عهدرسولَ اللہؐ وابی بکر، حتی نهی عنه عمر فی شأن عمرو بن حریث.(۴)

جابر بن عبداللہ سے منقول ہے:

(۱-۲) صحیح مسلم جلد ۴ ،کتاب النکاح ،باب "النکاح المتعة" حدیث ۱۴۰۵

(۳) صحیح بخاری جلد ۷ ،کتاب النکاح، باب "نهی رسول اللہ عن نکاح المتعة آخراً" حدیث ۴۸۲۷ .

(۴) صحیح مسلم جلد ۴ ،کتاب النکاح ،باب "نکاح المتعہ" حدیث ۱۴۰۵ .

ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر کے دور میں ایک مشت خرمہ اور کچھ آٹے کے بدلے چند ایام کے لئے عورتوں سے متعہ کرتے تھے، یہاں تک عمرو بن حریث کا واقعہ جب پیش آیا تو عمر نے متعہ کرنے سے منع کر دیا!!

مسلم نے متعدد طرق واسناد کے ساتھ متذکرہ حدیث کو نقل کیا ہے۔

عرض مولف

ابن حجر نے واقعہ عمرو بن حریث کو اس طرح نقل کیا ہے:

''عمرو بن حریث ایک روز کوفہ آیا اور اس نے ایک کنیز سے متعہ کیا اور جب وہ کنیز اس سے حاملہ ہو گئی تو ایک روز جب وہ حاملہ تھی اسے عمر کے پاس لایا، چنانچہ عمر نے جب اس واقعہ کو عمرو بن حریث سے دریافت کیا تو اس نے بھی اعتراف کر لیا، یہی وہ موقع تھا جب عمر نے اعلان کیا کہ آج سے میں متعہ حرام قرار دیتا ہوں!!''(۱)

۳...... ''عن قیس، قال: سمعت عبداللہ، یقول: کنا نغزو مع رسولِ اللہ لیس لنا نساء، فقلنا: الا نستخصی؟ فنہانا عن ذالک، ثم رخّص لنا ان ننکح المرأۃ بالثوب الی اجل، ثم قرَءَ عبداللہ: ﴿یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبَاتِ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ﴾(۲)

امام بخاری اور مسلم تمام اسناد کے ساتھ قیس عبداللہ بن مسعود سے روایت نقل کرتے ہیں:

ہم رسول خداؐ کے ساتھ کسی جنگ میں تھے اور ہماری عورتیں ہمارے ساتھ نہ تھیں، لہٰذا ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم اپنے آپ کو خصی نہ کر لیں؟ پہلے تو رسول نے ہمیں اس فعل کے انجام دینے سے منع فرمایا، لیکن پھر اس بات کی اجازت فرمائی کہ ہم لباس کے ایک قطعہ کے مقابلہ میں کچھ ایام

---

(۱) فتح الباری جلد ۹، ص ۱۴۹.

(۲) سورۂ مائدہ، آیت نمبر ۸۷، پ ۷.

کے لئے عورتوں سے نکاح کرلیں۔

عبداللہ بن مسعود نے اس وقت اس آیت کی تلاوت فرمائی: ﴿یَـا اَیُّهَـاالَّـذِیْـن آمَنُوْا...... اے ایماندارو! خدانے جن پاکیزہ چیزوں کوتمہارے لئے حلال قرار دیا ہے اس کواپنے لئے حرام قرار نہ دو، حدودو قوانین خدا سے تجاوز نہ کرو، کیونکہ خداوند متعال تجاوز کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا﴾(۱)

عرض مؤلف

مسلم نے اس حدیث کو تین طریق سے عبداللہ بن مسعود سے نقل کیا ہے اور ابن مسعود کا مذکورہ آیت کے اس موقعہ پر تلاوت کرنے کا مقصد ان لوگوں پر تنقید اور اعتراض کرنا تھا جو اس ازدواج (متعہ) کو حرام سمجھتے تھے، یعنی ابن مسعود اس آیت کے ذریعہ اس مطلب کی طرف اشارہ فرمانا چاہتے تھے کہ یہ شادی طیبات اور اسلامی قوانین کا جز ہے، لہٰذا اس کو ہمیشہ جائز رہنا چاہئے اور اس کی حرمت کا فتویٰ صادر کرنا، قانون اسلام اور حدود الٰہی سے تجاوز کرنے کے مترادف ہے۔

نووی نے اس حدیث کی شرح میں اس طرح لکھا ہے:

ابن مسعود کا اعتراض یہ بتلاتا ہے کہ وہ بھی ابن عباس کی طرح متعہ کو حلال سمجھتے تھے اور حکم (متعہ) کے نسخ ہونے کی انہیں اطلاع نہ تھی!!

۴......"**عن ابی نضرة؛قال كنت عند جابر بن عبد الله فأتاه آت، فقال: ابن عباس و ابن الزبير اختلفا في المتعتين، فقال جابر: فعلنا هما مع رسول الله ،ثم نهانا عنهما عمر فلم نعد لهما.**"(۲)

(۱) صحیح بخاری: جلد۶، کتاب التفسیر تفسیر سورۂ مائدة، باب(۹)﴿لا تُحَرِّمُوْا طَيِّبَاتِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ﴾حدیث ۴۳۳۹ . جلد ۷، کتاب النکاح، باب" مایکره من التبتل والخصاء "حدیث۴۷۸۷.
صحیح مسلم جلد ۴، کتاب النکاح ،باب "نکاح المتعة "حدیث ۱۴۰۴.

(۲) صحیح مسلم جلد ۴ ،کتاب النکاح ،باب"نکاح المتعه "حدیث ۱۴۰۵.

ابونضرہ کہتے ہیں:

میں جابر ابن عبداللہ کی خدمت میں موجود تھا کہ ایک شخص وارد ہوا اور کہنے لگا: ابن عباس و ابن زبیر جو (متعۃ النکاح و متعۃ الحج) کے بارے میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں! جابر نے کہا: ہم رسولؐ کے زمانے میں دونوں متعہ انجام دے چکے ہیں، لیکن جب سے عمر نے ہمیں متعہ کرنے سے منع کیا ہے تب سے ہم نے انجام نہیں دیا ہے۔

۵۔ مسلم اپنے تمام اسناد کے ساتھ حصین بن عمران سے نقل کرتے ہیں:

آیۂ متعہ تو کتاب خدا میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کے نسخ کے بارے میں کوئی آیت نازل نہیں ہوئی ہے اور یہی نہیں بلکہ رسولؐ خدا نے بھی خود اس کے انجام دینے کا امر فرمایا ہے، چنانچہ ہم حیات رسولؐ میں اس بارے میں رسولؐ کی پیروی کرتے رہے اور آپ نے اپنے آخری لحات تک ہم کو متعہ کرنے سے نہیں روکا، لیکن بعد میں ایک مرد آیا اس نے اپنی رائے سے اس میں تغیر و تبدل کر دیا!!(۱)

۳۔ تحریم متعہ خلیفہ ثانی کی زبانی!!

محترم قارئین! مذکورہ مباحث سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ حکم متعہ قرآن، سنت اور اجماع کی رو سے جائز ہے اور اس کی تشریع رسول اسلامؐ کے زمانے میں ہو چکی تھی اور مذکورہ پانچ میں سے تین حدیثوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ حکم ابوبکر کے زمانے (اور چند سال عمر کے زمانے) میں بھی جاری رہا، لیکن عمر نے چند سال کے بعد اس کو اپنے دور خلافت میں حرام قرار دے دیا، چنانچہ ذیل میں ہم چند سنی مؤرخین و محدثین کے اقوال اس بارے میں کہ عمر نے متعہ کو حرام کر دیا تھا نقل کرتے ہیں:

۱۔ احمد ابن حنبل نے اپنی کتاب ''المسند'' میں ابی نضرہ سے نقل کیا ہے:

میں نے جابر بن عبداللہ سے کہا کہ ابی زبیر متعہ کرنے سے منع کرتے ہیں اور ابن عباس متعہ کرنے کا امر کرتے ہیں، جابر نے کہا: کیا خوب تو باخبر شخص کے پاس آیا ہے، ہم تو خود رسولؐ کے زمانے

(۱) صحیح مسلم جلد ۱، کتاب الحج کی حدیث نمبر ۱۷۲۔

میں متعہ کرتے تھے اور ابوبکر کے زمانے میں بھی ہم نے اس پر عمل کیا ہے، البتہ جب عمر تخت خلافت پر بیٹھے تو ایک روز خطبہ میں کہنے لگے: قرآن وہی قرآن ہے اور رسولؐ وہی رسولؐ ہے، لیکن دو متعہ رسولؐ کے زمانے میں جائز تھے" متعۃ الحج اور متعۃ النساء" ان کو میں حرام قرار دیتا ہوں: (**وانهما كانتا متعتان على عهد رسول الله. ص**) (۱)

عرض مؤلف

مسند احمد بن حنبل میں حدیث کا آخری حصہ عمداً حذف کر دیا گیا ہے جو یہ تھا:

"آج سے میں ان پر پابندی لگا رہا ہوں اور جو ان کو انجام دے گا اس کو سخت سزا دوں گا۔"

۲۔ جلال الدین سیوطی کہتے ہیں:

عمر سب سے پہلے فرد ہیں جنھوں نے متعہ کرنے سے لوگوں کو منع کیا!!" **اول من حرم المتعة.** "(۲)

۳۔ ابن رشد اندلسی مشہور فقیہ و فلسفی (متوفی ۵۹۵ھ) کہتے ہیں:

یہ بات مشہور ہے کہ ابن عباس متعہ کو حلال سمجھتے تھے اور اس عقیدہ میں آپ کے ہم خیال کچھ اہل یمن و اہل مکہ حضرات بھی تھے اور آپ جواز متعہ پر آیہ ﴿ **مَا اسْتَمْتَعْتُمْ......** ﴾ سے استدلال کرتے تھے اور آپ کی قرأت میں ﴿ **اِلىٰ اَجَلٍ مُسَمًّى** ﴾ بھی تھا۔

پھر ابن رشد اندلسی نقل کرتے ہیں:

ابن عباس کہتے تھے: متعہ پروردگار عالم کی طرف سے ایک رحمت تھی جسے خداوند عالم نے امت محمدی کو بالخصوص عطا کی تھی، چنانچہ اگر عمر اس سے منع نہ کرتے تو بہت ہی کم افراد زنا انجام دیتے۔

اس کے بعد ابن رشد کہتے ہیں:

"وهذا الذى روى عن ابن عباس ابن رواه عنه ابن جريج و عمرو بن دينار و عن

---

(۱) مسند احمد جلد ۱، مسند عمر بن الخطاب، ص ۵۲.

(۲) تاریخ الخلفاء، فصل: اولیات عمر ص ۱۳۷.

عطاء، قال: سمعت جابر بن عبد الله يقول: تمتعنا على عهد رسول الله و ابى بكر و نصفا من خلافة عمر ثم نهى عنها الناس. "(۱)

ابن جریج اور عمرو بن دینار نے بھی ابن عباس سے وہی نقل کیا ہے جو ہم نے اوپر نقل کیا، اسی طرح عطاء سے نقل کیا گیا ہے کہ میں نے جابر بن عبداللہ سے سنا کہ آپ کہتے تھے: ہم رسولؐ اور پھر ابوبکر کے زمانے میں اور نصف دور خلافت عمر تک متعہ (وقتی نکاح) کرتے تھے، لیکن بعد میں عمر نے اس کو انجام دینے سے روک دیا۔

عرض مؤلف

ابن رشد کے نقل کے مطابق ابن جریج جوازِ متعہ کے قائل تھے اور ابن جریج (متوفی ۱۵۰ھ) اپنے زمانہ کے بہت بڑے فقیہ اور اہل مکہ کے ممتاز علمائے دین میں سے تھے، چنانچہ عبداللہ بن احمد بن حنبل کہتے ہیں:

''میں نے اپنے والد سے سوال کیا: سب سے پہلے کس نے تألیف کا کام کیا؟ میرے والد نے کہا: ابن جریج نے''۔

اسی طرح امام شافعی کہتے ہیں:

ابن جریج نے اپنی زندگی میں ستر عورتوں سے متعہ کیا تھا۔

"قال الشافعي: استمتع ابن جريج سبعين امرأة نكاح المتعة" (۲)

اسی طرح عالم علم رجال امام ذہبی؛ ابن جریج کے بارے میں کہتے ہیں:

آپ اپنے زمانہ میں فقیہ اہل مکہ تھے اور آپ نے ستر (۷۰) عورتوں سے متعہ کیا تھا اور آپ تمام علمائے رجال کے نزدیک قابل وثوق ہیں۔ (۳)

(۱) بداية المجتهد جلد ۲، كتاب النكاح، "الاول: منها نكاح الشغار" ص ۴۷.

(۲) تهذيب التهذيب جلد ۲، (۴۵۸ـ ۴) السة، ص ۳۶۰.

(۳) ميزان الاعتدال، (نمبر ۵۲۲۷، عبد الملك ــ عبد الملك بن عبد العزيز بن جريج ابو خالد المكى حرف العين، تحقيق على محمد البجاوى جلد ۲، ۶۵۹.

۴۔ فاضل قوشجی کہتے ہیں:

عمر نے بالائے منبر کہا: تین چیزوں پہ رسولؐ کے زمانے میں عمل ہوتا تھا، آج سے میں ان کو انجام دینے سے منع کرتا ہوں، جو ان کو انجام دے گا اس کو میں سخت سزا دوں گا، وہ تین چیزیں یہ ہیں:

متعة النساء، متعة الحج، حي على خير العمل. (۱)

۵۔ جب مامون نے اپنے دور حکومت میں چاہا کہ متعہ النساء کو جائز کرے تو علمائے اہل سنت میں سے جناب محمد بن منصور اور ابوالعیناء مامون کے پاس پہنچے، مامون اس وقت مسواک کر رہا تھا اور غصہ کی حالت میں عمر کے ان جملوں ((**متعتان کانتا علی عهد رسولؐ الله و ابی بکر وانا انهی عنهما.** عہد رسول اور عہد ابوبکر میں دو متعہ تھے لیکن آج سے میں ان کو انجام دینے سے منع کر رہا ہوں)) کی تکرار کر رہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا: "**ومن انت یا جعل حتیٰ تنهی عما قال له رسولؐ الله وابوبکر**" اے عمر تو اس چیز سے منع کرنے والا کون ہوتا جسے رسول خداؐ اور ابوبکر نے جائز قرار دیا ہو؟!

محمد بن منصور نے چاہا کہ مامون سے گفتگو کرے لیکن ابوالعیناء نے کہا: خاموش رہ جو شخص عمر کو ہدف تنقید قرار دے سکتا ہے ہم اس کو کیسے قائل کر سکتے ہیں کہ حکم متعہ جاری نہ کرے!!! اتنے میں یحیی بن اکثم وارد ہوا اور مامون رشید کو اس حکم کے جاری کرنے کی صورت میں شورش، فتنہ وفساد برپا ہونے کے خطرہ سے آگاہ کیا، چنانچہ مامون رشید حکم متعہ جاری کرنے سے منصرف ہو گیا۔ (۲)

---

(۱) شرح تجرید الاعتقاد قوشجی فصل امامت۔ ابن ابی الحدید نے بھی شرح نہج البلاغہ جلد۱، خطبۂ شقشقیہ ص۱۸۲ میں نقل کیا ہے مگر آخری جملہ (حی علی خیر العمل) کو حذف کر دیا ہے۔

(۲) تاریخ ابن خلکان جلد۲، ص۳۵۹ (مطبوعہ: ایران)۔ وفیات الاعیان در بیان حالات یحیی بن اکثم۔ ان دو کتابوں میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

۴۔ نسخ حکمِ متعہ کی حقیقت

جب بھی خلفاء کو اسلامی احکام کے تحریف و تبدیل کرنے کی وجہ سے ہدف تنقید قرار دیا جاتا ہے تو کچھ خوش عقیدہ حضرات دو چیزوں (جھوٹی احادیث اور اجتہاد) کا سہارا لے کر خلفاء کے ہر قسم کے سیاہ کارناموں کو درست کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں!! یعنی جب ہم خلفاء کو اسلامی احکام تبدیل کرنے پر ہدف تنقید قرار دیتے ہیں تو علمائے اہل سنت جب خلفاء کو اجتہادات کے سہارے سے نہیں بچا پاتے تو آپ حضرات کی رائے کی موافقت میں رسول کی طرف بلا واسطہ جھوٹی حدیثیں منسوب کر دیتے ہیں!! خلاصہ یہ کہ جب ان لوگوں نے جھوٹی حدیثوں کے ذریعہ اپنا مقصد پورا ہوتا ہوا نہیں دیکھا تو اجتہاد کا سہارا لیا ہے اور ہر خلیفہ کے حکم کو اس کے خاص اجتہاد کی طرف مستند کیا ہے اور بعض مواقع پر تو ان لوگوں نے دونوں (اجتہاد اور جعلی حدیثوں) چیزوں کا سہارا لیا ہے، چنانچہ حکم متعہ کے سلسلے میں بھی انھیں دونوں پہلوؤں کو اختیار کیا گیا ہے!!

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ کتب احادیث و تواریخ سے ثابت ہے کہ حکم متعہ پر رسول اور ابو بکر کے زمانے میں قرآن اور حکم رسول اسلام کے مطابق عمل ہوتا رہا اور یہی نہیں بلکہ عمر کے زمانہ خلافت میں بھی مسلمانوں نے اس حکم پر چند سال تک عمل کیا، لیکن عمر نے بعد میں یہ اعلان کر دیا کہ جو اس حکم پر عمل کرے گا اس کو سخت سزا دی جائے گی!!

قارئین کرام! اگر چہ گزشتہ صفحات میں اس سے متعلق ہم مورخین کے اقوال اور احادیث نقل کر چکے ہیں لیکن قابل توجہ بات یہاں پر یہ ہے کہ جب عمر نے اس حکم کو ممنوع قرار دیا تو بھی کچھ صحابہ کرام نے جن کا شمار محدثین اور مفسرین قرآن میں ہوتا ہے، اسی زمانہ میں اس بارے میں عمر کے حکم کی آشکارا مخالفت کی اور آپ حضرات نے اسی زمانہ میں اس بات کی تصریح فرمادی تھی کہ جواز متعہ اسلام کا قابل تبدیل حکم نہیں ہے، لیکن بعد میں خلیفہ صاحب کے عیب پر پردہ ڈالنے کیلئے اور ان کے حکم کو ثابت کرنے کیلئے ایک چال چلی گئی کہ حکم متعہ قرآن کی دیگر آیات سے منسوخ قرار دے دیا گیا ہے، لہٰذا حکم متعہ اسلام کے منسوخہ احکام میں سے ہے، اسی طرح نسخ حکم متعہ کے بارے میں احادیث بھی جعل کی گئیں، چنانچہ کبھی یہ بہانہ کیا گیا کہ خلیفہ صاحب نے اپنے اجتہاد سے حکم متعہ کو ممنوع قرار دیا ہے!! فاضل قوشجی نے اسی نظریہ کو اپنایا ہے، چونکہ نسخ ان

کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے، بہر حال آیۂ متعہ کے منسوخ ہونے اور اس کے احکام اور ان کے جوابات کے بارے میں اگر بحث کی جائے تو اس سلسلے میں ایک کتاب درکار ہے، لہٰذا آپ اس کی تفصیلی معلومات کے لئے کتاب الغدیر، تفسیر میزان اور تفسیر بیان دیکھئے۔(۱)

البتہ ہم چند امور کی طرف یہاں پر آپ کی توجہ کو مبذول کرانا چاہتے ہیں:

حکم متعہ قرآن کے ذریعہ نسخ ہوا یا سنت کے ذریعہ؟!

جو حضرات رسول اسلام کے زمانے میں حکم متعہ کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں وہ خود ایک غیر قابل جمع شدید اختلاف میں مبتلا ہیں، جس سے پتہ چلتا ہے کہ آیۂ متعہ کی منسوخیت کا صرف ایک بہانہ ہے، کیونکہ کچھ حضرات ان میں سے ایسے ہیں جو آیۂ متعہ کو قرآن کی دیگر آیات سے منسوخ ہونا سمجھتے ہیں اور بعض احادیث سے آیۂ متعہ کو نسخ قرار دیدیتے ہیں اور پھر ان دونوں کے درمیان بھی آپس میں ایسا اختلاف ہے جس کا جمع ہونا ناممکن امر ہے۔

حکم متعہ کا قرآن سے نسخ ہونے کا دعوی اور اس کا جواب

جو لوگ قرآن سے حکم متعہ کے نسخ ہونے کے قائل ہیں ان کے درمیان پانچ قول ہیں:

۱۔ بعض لوگ آیۂ:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ☆ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ......(۲) اور جو (اپنی) شرمگاہوں کو حرام سے بچاتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے﴾

سے حکم متعہ کو منسوخ سمجھتے ہیں۔

---

(۱) الغدیر جلد۶. تفسیر المیزان جلد۴. البیان، مصنفہ آیۃ اللّٰہ العظمیٰ خوئی.

(۲) سورۂ مؤمنون، آیت ۶،۵ پ۱۸.

۲۔ بعض اس آیت سے:

﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْ أَرْحَامِهِنَّ......﴾(۱)

۳۔ بعض لوگ اس آیت سے:

﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ......﴾(۲)

۴۔ بعض لوگ اس آیت سے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ......﴾(۳)

۵۔ اور بعض لوگ اُس آیت سے منسوخ سمجھتے ہیں جس میں ازواج کی تعداد بیان کی گئی ہے:

﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ..........﴾(۴)

حالانکہ مذکورہ آیات میں سے کسی بھی آیت کا مفہوم آیۂ متعہ سے متضاد نظر نہیں آتا جس کی بنا پر حکم متعہ کو منسوخ قرار دیا جاسکے یعنی اگر ان آیات کا مفہوم آیۂ متعہ سے متضاد ہوتا تب یہ آیات حکم متعہ کی ناسخ قرار پاسکتی تھیں اور چونکہ ان آیات کا مفہوم آیۂ متعہ سے متضاد نہیں ہے لہٰذا آیۂ متعہ منسوخ نہیں ہوسکتی اور پھر یہ کہ ان میں سے بعض آیات مکی ہیں اور آیۂ متعہ مدنی ہے، لہٰذا اس صورت میں مکی آیات جو پہلے نازل ہوئیں، مدنی آیت کی جو بعد میں نازل ہوئیں ناسخ کیسے قرار پاسکتی ہیں؟! کیونکہ منسوخہ آیات کے لئے ضروری ہے کہ ناسخ آیات ان سے قبل نازل نہ ہوئیں ہوں بلکہ بعد میں نازل ہوئی ہوں۔

---

(۱) سورۂ بقرہ، آیت نمبر ۲۲۸، پ ۲.

(۲) سورۂ نساء، آیت نمبر آیت ۱۲، پ ۴.

(۳) سورۂ نساء، آیت نمبر ۲۳، پ ۴.

(۴) سورۂ نساء، آیت نمبر ۳.

حدیث کے ذریعہ منسوخ ہونے کا دعویٰ!

جو حضرات احادیث شریفہ سے آیۂ متعہ کو منسوخ سمجھتے ہیں ان کے درمیان بھی مختلف اقوال نظر آتے ہیں، یہاں تک کہ ان میں پندرہ قول پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے بالکل متضاد و متناقض ہیں ان میں سے پانچ یہ ہیں:

۱۔ بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ حکم متعہ جنگ خیبر میں منسوخ ہوا۔

۲۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ حکم فتح مکہ میں نسخ ہوا۔

۳۔ بعض میں جنگ تبوک کا تذکرہ ہے۔

۴۔ بعض روایات میں حجۃ الوداع کے موقع پر نسخ ہونے کو بتلایا گیا ہے۔

۵۔ بعض میں جنگ حنین کا ذکر ہے۔ وغیرہ وغیرہ......

قارئین کرام! عدم طوالت کی بنا پر تمام اقوال نقل کرنے سے ہم معذرت خواہ ہیں صرف حوالۂ کتاب پر اختصار کرتے ہیں۔(۱)

الغرض جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ صحیح روایات بالخصوص صحیحین کی روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ حکم متعہ کا نسخ ہونا نہ قرآن کے ذریعہ ثابت ہے اور نہ ہی سنت رسولؐ کے ذریعہ، بلکہ یہ حکم رسول سلامؐ، ابوبکر اور عمر کے تھوڑے زمانہ خلافت تک جاری رہا اور عمر نے چند سال کے بعد اپنے دور خلافت میں اس کو حرام قرار دیدیا اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ جن روایات میں حکم متعہ کے منسوخ ہونے کا تذکرہ ہے وہ قرآن اور صحیح روایات سے متعارض و متضاد ہونے کے ساتھ ساتھ خبر آحاد بھی ہیں اور یہ بات اپنی جگہ پر ثابت ہو چکی ہے کہ نسخ حکم قرآن کریم خبر واحد سے نہیں ہو سکتا۔

---

(۱) فتح الباری جلد ۹، کتاب النکاح، باب "نهی النبیؐ عن النکاح المتعة اخیراً" ص ۱۴۵، ۱۴۸. مصنف ابن حجر عسقلانی.

۵۔ تہمتیں اور افتراپردازیاں!

جیسا کہ ذکر ہو چکا کہ حکم متعہ قرآن اور حدیث سے ثابت ہے اور اس حکم کے حدود اور شرائط شیعہ فقہی کتب میں واضح طور پر موجود ہیں، لیکن افسوس کہ اس کے باوجود کئی علمائے اہل سنت جیسے غریقی نے جب حکم متعہ کی (غلط سلط) نسخ ہونے کی توجیہات کو غیر مناسب دیکھا تو اپنے کو ہر طرح سے مجبور پا کر اس شخص کی طرح جو دریا میں غرق ہوتا جا رہا ہو لیکن ہاتھ پیر مار کر سہارے کے لئے ایک تنکا تلاش کر رہا ہو، اپنے خبث باطنی اور بر بنائے تعصب بے بنیاد اور واہیات چیزیں خود حکم متعہ میں پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، چنانچہ ذیل میں ہم ان علمائے اہل سنت میں سے صرف چار علمائے اہل سنت کے اسمائے گرامی تحریر کرتے ہیں، جنھوں نے کھوکھلے فکری اور وہمی نتائج متعہ میں پیدا کرنے کی سعیٔ لاحاصل فرمائی ہے:

۱۔ **شیخ محمد عبدہ:** آپ حکم متعہ کی مخالفت میں تحریر فرماتے ہیں:

''متعہ عورت کی عفت اور اس کے کلی قانون ازدواج کے خلاف ہے، کیونکہ اس طرح کے نکاح میں مرد اپنی نفسانی خواہش پوری کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا مقصد نہیں رکھتا اور اس طرح کی شادی در حقیقت اس عورت کی عفت ریزی اور آبرو برباد کرنے کے مترادف ہے، کیونکہ جو عورت ہر روز اپنے آپ کو کرائے پر ایک دوسرے مرد کے اختیار میں دیدے اس کی شخصیت اور عزت کیا رہے گی؟ اور ایسی عورت کے حق میں یہ شعر پڑھنا مناسب ہوگا:

کرة حذفت بصوالجة ☆ فتلقفها رجلٌ من رجل

وہ (عورت) اس گیند کے مانند ہے جس کو ایک طرف سے دوسری طرف پیروں سے ٹھکیل دیتے ہیں اور وہ اِدھر سے اُدھر اچھلتی پھرتی ہے''(۱)

عرض مؤلف

ازدواج مؤقت (متعہ) عورت کی عفت کے برخلاف اور قانون ازدواج کے منافی اس وقت ہو سکتا ہے جب ہم متعہ کو (مثل صاحب المنار) شرعی حیثیت نہ دیں اور اس کو زنا و سفاح سے تعبیر کریں، یعنی شیخ محمد

(۱) تفسیر المنار جلد۵، سورہ نساء آیت ۲۳_۲۸.

عبدہ نے جو وجوہات بیان کی ہیں کہ متعہ سے عورت کی عفت اور شخصیت مجروح ہوتی ہے، وغیرہ وغیرہ یہ ساری وجوہات اس وقت تسلیم کی جاسکتی ہیں جب حکم متعہ (عقد موقت) کو غیر شرعی مانیں اور اس کے لئے کوئی حد بندی نہ ہو، حالانکہ ہم گزشتہ صفحات میں ثابت کر چکے ہیں کہ اس کے لئے بھی دائمی نکاح کی مانند احکام اور شرائط پائے جاتے ہیں۔(۱)

اور صاحب تفسیر المنار (شیخ عبدہ) کا یہ کہنا کہ متعہ والی عورت ایسی ہے جیسے ایک عورت روزانہ اپنے کو کرایہ پر دیدے اور ایک گیند کی طرح ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں ناچتی پھرے۔

اولاً: یہ اعتراض اگر صحیح ہو تو ڈائریکٹ شریعت محمدی پر ہوگا کیونکہ رسولؐ کے زمانہ میں بھی تو یہ حکم نافذ العمل تھا اور جو چیز قبیح ہے وہ ہمیشہ قبیح ہوگی لہٰذا ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ مذکورہ تشبیہ صرف ایک زمانہ سے مخصوص ہو یعنی متعہ کا قبیح ہونا صرف ہمارے زمانے کے لحاظ سے ہو اور جو مسلمان صدر اسلام میں متعہ کرتے تھے ان کو شامل نہ ہو!!

ثانیا: یہ اعتراض اس عورت پر بھی جاری ہوسکتا ہے جو دائمی عقد میں ہو، کیونکہ اس کے لئے بھی مناسب نہ ہوگا کہ اگر اس کی طلاق ہو جائے تو وہ دوسرا شوہر کرے، یا دوسرا شوہر مرنے کے بعد کوئی تیسرا شوہر کرے، اس لئے کہ اس صورت میں یہ بھی شیخ محمد عبدہ کے معیار کے مطابق ایک مرد کے ہاتھ سے دوسرے مرد کے ہاتھ میں مثل گیند کے جائے گی، پس عقد دائمی والی عورت کے لئے دوسرا شوہر کرنا بھی بقول صاحب المنار عزت وآبرو کے خلاف ہے!!

اس سے بھی تعجب خیز بات صاحب المنار کی وہ ہے جسے وہ آگے اس طرح بیان کرتے ہیں:

(۱) گزشتہ مباحث کی روشنی میں یہ بات کہنا بیجا نہ ہوگا کہ کتب تواریخ واحادیث سے قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہے کہ حضرت رسالتمآب ﷺ اور خلفاء کے زمانہ میں حکم متعہ پر مسلسل عمل ہوتا رہا، تو اب حکم متعہ پر اعتراض کرنا گویا شریعت محمدی پر اعتراض کرنا ہے، جس سے خود معترض کی شخصیت مجروح ہوتی ہے، دوسرے کا کچھ نہیں بگڑتا! کیا مزے کی بات ہے کہ موصوف عورت کی عزت بچانے کے لئے کوشاں ہیں! لیکن اس سے غافل ہیں کہ اس اعتراض سے خود ان کی عزت داؤں پر لگی ہوئی نظر آتی ہے!! مترجم.

''جو بحث میں نے متعہ کے سلسلے میں کی ہے وہ صرف حقیقت پر مبنی ہے اور مذہبی تعصب سے بالکل دور ہو کر بیان کی ہے، یہ ایک دردِ دل تھا جو میں نے بیان کر دیا''!!

اللہ اکبر! کیا دردِ دل اور حقیقت بیانی سے کام لیا ہے؟! قارئین آپ خود فیصلہ کریں کہ کیا یہی انصاف، حقیقت بیانی اور دردِ دل ہے کہ ایک شرعی حکم جو قرآن مجید، سنت رسولؐ اور اجماع مسلمین سے ثابت ہو، اس کی غلط توجیہات بیان کر کے کالعدم قرار دیا جائے؟!

کیا یہ مذہبی تعصب اور شریعت اسلامیہ کے ساتھ مسخرہ پن نہیں تو کیا ہے؟!!

۲۔ موسیٰ جار اللہ: اپنی کتاب ''الوشیعہ'' میں تحریر کرتے ہیں:

اسلام میں متعہ یعنی معینہ مدت کا نکاح نام کا کوئی حکم وجود نہیں رکھتا اور نہ اس کے جواز کے سلسلہ میں کوئی آیۂ قرآنی نازل ہوئی اور نہ صدر اسلام میں اس کے جواز کے بارے میں کوئی دلیل پائی جاتی ہے جو اس حکم کی تصدیق کرے، البتہ اتنا کہہ سکتے ہیں کہ یہ دور جاہلیت کی ایک رسم تھی جو مسلمانوں میں باقی رہ گئی تھی اور اس کے بارے میں شارع کی جانب سے کوئی اباحت اور اجازت نہیں ہے، لہٰذا متعہ کے لئے حکم نسخ آنے کا مطلب یہ نہ تھا کہ یہ ایک اسلامی قانون منسوخ ہو رہا ہے، بلکہ یہ ایک دوران جاہلیت کی قبیح رسم کا ممنوع و حرام قرار دینا تھا جو نسخ کی صورت میں آیا۔(۱)

عرض مؤلف

موسیٰ جار اللہ کا جواب قارئین پر گزشتہ صفحات کا مطالعہ کرنے کے بعد خود ہی ظاہر ہو گیا ہوگا، کیونکہ حکم متعہ قرآن و سنت سے ثابت ہو چکا ہے اور تمام محدثین و مفسرین اس بارے میں اتفاق نظر رکھتے ہیں، لہٰذا موسیٰ جار اللہ کا یہ دعوی کرنا کہ یہ حکم اسلام میں نہیں پایا جاتا تھا، یا دوران جاہلیت کی رسم ہے، یہ صریح کذب، بے بنیاد دعوی اور کتب تفسیر اور تاریخ اسلام کا مذاق اڑانا ہے (یا پھر یہ کہئے کہ موصوف اس قدر جہالت کے شکار ہیں کہ کتابیں پڑھنے کی ضرورت نہیں)

---

(۱) الوشیعہ، مؤلفہ موسی جار اللہ، ص ۱۲۱، ۱۳۲.

﴿فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَامِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَناًقَلِيلاً فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ﴾(۱)

ویل ہوان کے لئے جولوگ اپنی طرف سے کتابیں لکھتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ اللہ کی طرف سے ہیں تا کہ کچھ آمدنی ہو جائے، ویل ہے اس کے لئے جس نے کتاب لکھی۔ الخ....

۳۔ **محمود شکری آلوسی کہتے ہیں:**

شیعہ حضرات کے یہاں متعارف متعہ کے علاوہ ایک متعہ اور ہوتا ہے جسے دوری متعہ کہتے ہیں اور اس متعہ کی فضیلت میں روایات بھی نقل کرتے ہیں، اس کی صورت اس طرح ہے کہ کچھ لوگ ایک عورت سے متعہ کرتے ہیں اور عورت ان سے کہتی ہے کہ طلوع آفتاب سے لے کر کچھ دن چڑھنے تک تیرے متعہ میں ہوں اور اس کے بعد وقت ظہر تک دوسرے مرد کے اختیار میں اور ظہر سے عصر تک تیسرے مرد کے حوالے اور عصر سے مغرب تک کسی اور مرد کے متعہ میں اور مغرب سے عشاء تک ایک دوسرے مرد کے اختیار میں، اس کے بعد نصف شب تک اور نصف شب سے لے کر صبح تک، کسی دوسرے مرد کے متعہ میں ہوں۔ (۲)

عرض مؤلف

چونکہ گزشتہ مباحث میں، ہم متعہ کی اصل حقیقت، ماہیت اور صورت بیان کر چکے ہیں لہٰذا آلوسی نے جس بات کو شیعوں کی طرف نسبت دی ہے وہ تہمت، بہتان اور صریح افتراء پردازی کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ (۳)

---

(۱) سورۂ بقرہ، آیت ۷۹، پ ۱۔

(۲) الفصول المهمة فی تالیف الامة، "فی تحریر محل النزاع فی متعة النساء ......" ص ۵۰۔

(۳) محترم قارئین! گزشتہ مباحث کی روشنی میں آلوسی صاحب کا مذکورہ نظریہ ہوا میں تیر مارنے کے مترادف ہے، نہ جانے کیا موصوف کو دورہ آیا تھا کہ متعہ دوری شیعہ کتب میں نظر آ گیا؟! بتایئے کتب تاریخ وحدیث کو جانتے ہوئے موصوف کا قول کتنا تعصب آمیز اور حقیقت سے دور ہے، آلوسی کو اپنے بے بنیاد الزام، برھنہ کذب، فحاش تہمت اور صریح افترا پردازی پر ذرہ برابر شرم بھی نہ آئی ؟!(حیرتم براین عقل ودانش!!) ذرا ہم بھی اس شیعہ مؤرخ کا نام و پتہ جاننا چاہتے ہیں جس نے ⇦

☆ کیا کوئی نہیں جو اس (نا ہنجار) شخص سے دریافت کرے کہ کون شیعہ ہے جو اس متعہ کے طریقہ کو جانتا ہے؟!

☆ وہ کونسا راوی ہے جس نے اس متعہ کی فضیلت میں روایات نقل کی ہیں؟! اور وہ کون سی روایات ہیں جن میں اس متعہ کا نام آیا ہے؟!

☆ جو روایات اس شخص کے ذہن کی اختراع ہیں وہ کونسی کتاب میں ہیں؟! اور ان روایات کو کس محدث نے نقل کیا ہے؟!

☆ آخر وہ کون سا مجتہد اور عالم ہے جس نے اس متعہ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے؟!

☆ وہ کون سی کتاب حدیث، فقہ و تفسیر ہے، جس میں اس متعہ کے بارے میں بحث کی گئی ہے؟!

﴿وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعاً وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ (۱)

۴۔ **محمود شلتوت:** مشہور اعتدال پسند عالم اہل سنت جناب شیخ محمود شلتوت سابق وائس چانسلر آف ازہر یونیورسٹی مصر، اپنی وجاہت علمی اور وافر معلومات کے باوجود متعہ کے بارے میں تعصب کے شکار نظر آتے ہیں، چنانچہ متعہ کے بارے میں اپنے تعصب کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

نکاح متعہ کہ جس کی ایک قسم معینہ مدت کی شادی ہے، یہ ہے: مرد اس عورت سے توافق کرے جس سے شرعی طور پر شادی کر سکتا ہو کہ وہ عورت اس کے پاس معینہ مدت، یا غیر معینہ مدت تک کے لئے معین مہر کے عوض رہے گی!! اس کے بعد کہتے ہیں: لیکن قرآن مجید میں جواز دواج کے سلسلہ میں احکام بیان کئے گئے ہیں، مثل توارث، ثبوت نسب، طلاق وعدہ وغیرہ یہ سب احکام اس متعارف متعہ کے بارے میں نہیں ہیں جو ہم جانتے ہیں (یعنی شیعوں کا متعہ) (۲)

⇦ متعہ کی یہ صورت بیان کی ہے؟!! اگر اس طرح کی بے سروپا افتراپردازی کا دروازہ اپنے گھنونے تعصب کی بنا پر بدون تحقیق و تفحص، مذہب حقہ شیعہ اثناعشری کے لئے باز کیا تو پھر سمجھ لیجئے ہم وہ سارے حقائق کھول کر رکھ دیں گے جن کو آپ کے مورخین نے تاریخ کے اوراق میں چھپا رکھا ہے! کیا آپ ان آباؤ اجداد اور امہات کو بھول گئے جن کے دروازے پر فاشیت کے لال جھنڈے لہرایا کرتے تھے؟ قارئین کرام میرا خطاب جناب آلوسی اور ان کی اندھی تقلید کرنے والوں سے ہے غیر سے نہیں!! مترجم۔

(۱) سورۂ یونس، آیت ۶۵، پ ۱۱۔

(۲) الفتاوی، زواج المتعة "اساس الزواج فی القرآن" ص ۲۷۳۔

عرض مؤلف

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ متعہ میں اساسی شرط یہ ہے کہ مدت معین ہو اور اس ازدواج کے سلسلہ میں تمام اقسام عدہ، نسب وتوارث کے تمام احکام پائے جاتے ہیں، لہٰذا مؤقت ازدواج کو اقسام متعہ میں شمار کرنا بے معنی ہے!!

﴿أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَن يَهْدِيهِ مِن بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ﴾(۱)

(۱) سورہ جاثیہ، نمبر آیت ۲۳، پ ۲۵.

ترجمہ:۔ بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہش کو معبود بنا کر رکھا ہے اور اس کی حالت سمجھ بوجھ کر خدا نے اسے گمراہی میں چھوڑ دیا ہے اور اس کے کان اور دل پر علامت مقدر کر دی ہے، نہ یہ ایمان لائے گا اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے، پھر خدا کے بعد اس کی ہدایت کون کر سکتا ہے؟ تو کیا تم اتنا بھی غور نہیں رکھتے.

۷۔ نماز تراویح کی حقیقت!!

نماز تراویح سے مراد وہ مستحب نمازیں ہیں جنھیں ماہ رمضان کی راتوں میں جماعت کے ساتھ پڑھا جاتا ہے ،البتہ ان نمازوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا سنت رسولؐ نہیں ہے، بلکہ یہ نمازیں رسول خداؐ اور ابو بکر کے زمانہ میں اور چند سال دور خلافت عمر میں فرادیٰ پڑھی جاتی تھیں۔

دین اسلام میں کوئی بھی مستحب نماز سوائے نماز استسقاء کے جماعت سے نہیں پڑھی جاتی، کیونکہ جماعت کا اختصاص صرف واجبی نمازوں کے لئے ہے۔

لیکن خلیفہ دوم حضرت عمر نے ۱۴ھ میں مسلمانوں کو مجبور کیا کہ ماہ رمضان کی راتوں میں پڑھی جانے والی مستحب نمازیں جماعت سے ادا کی جائیں اور یہ حکم نامہ تمام اسلامی شہروں اور ممالک میں ارسال کر دیا اور مدینہ میں ابی بن کعب کو مردوں کا امام جماعت مقرر کیا اور عورتوں کے لئے تمیم داری کو امام جماعت بنایا، چنانچہ کتب تواریخ واحادیث وبالاخص صحیحین میں نماز تراویح کے بارے میں اس طرح آیا ہے:

۱ ...... "عن عبدالرحمن بن عبدالقاری؛ انه قال: خرجت مع عمر بن الخطاب لیلة فی رمضان الیٰ المسجد ،فاذاالناس اوزاع متفرقون، یصلی الرجل لنفسه، ویصلی الرجل،فیصلی بصلوته الرهط، فقال عمر: انّی أریٰ لو جمعت هولاء علی قاری واحد لکان امثل، ثم عزم فجمعهم علی ابی بن کعب، ثم خرجت معه لیلةاخریٰ، والناس یُصلُّون بصلاة قارئهم ،قال عمر: نعم البدعةهذه......"

عبدالرحمٰن بن عبدالقاری سے منقول ہے:

ایک روز میں رمضان المبارک کی شب میں عمر بن خطاب کے ساتھ مسجد کی طرف گیا، تو دیکھا کہ لوگ متفرق متفرق اپنی نمازیں ادا کر رہے ہیں، کچھ حضرات ایک جگہ اجتماع کر کے نماز ادا کر رہے ہیں، تو کوئی مسجد کے ایک گوشہ میں نماز پڑھ رہا ہے، جب عمر ابن خطاب نے اس حالت کو دیکھا تو کہنے لگے: اگر یہی حضرات کسی ایک فرد کے پیچھے نماز پڑھتے تو کتنا اچھا ہوتا، اس کے بعد اس بارے میں فکر کر کے دستور دیا کہ تمام لوگ ابی بن کعب کے پیچھے یہ نماز با جماعت ادا کریں، کچھ

دنوں کے بعد ہم لوگ جب ایک شب مسجد میں آئے تو دیکھا کہ تمام نمازی ایک پیش نماز کے پیچھے نمازیں پڑھ رہے ہیں، اس وقت عمر ابن خطاب نے مجھ سے کہا: کتنی اچھی یہ بدعت ہے: "نعم البدعة" جس کو میں نے رائج کیا ہے!!(۱)

۲...... "عن ابن شهاب عن حميد بن عبد الرحمان عن ابی هريرة؛ ان رسول الله قال: من قام رمضان ايماناً و احتساباً غفرله ما تقدم من ذنبه، قال ابن شهاب: فتوفی رسول الله والا مرعلی ذالک، ثم كان الامر علی ذالک فی خلافة ابی بكر، وصدراً من خلافة عمر".(۲)

بخاری اور مسلم نے ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے:

رسولؐ نے فرمایا: جو بھی آخرت پر ایمان واعتقاد رکھتے ہوئے، ماہ رمضان کی شبوں میں عبادت کرے، اس کے تمام گزشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے، اس کے بعد ابو ہریرہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تا آخر وفات، شب ماہ رمضان کی تمام مستحبی نمازیں فرادیٰ پڑھتے تھے اور اسی طریقہ سے حضرت ابو بکر کے دور خلافت میں نماز پڑھی جاتی رہی اور خلافتِ عمر کے زمانہ اوائل میں بھی اسی طریقہ سے نماز پڑھی جاتی رہی!!

ابن سعد اپنی کتاب "الطبقات" میں لکھتے ہیں:

عمر وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے ماہ مبارک رمضان کی رات کی مستحبی نمازوں کو جماعت سے پڑھنے کا قانون نافذ کیا اور تمام دیگر شہروں میں اس حکم کا ابلاغ فرمایا اور یہ واقعہ ۱۴ھ میں وقوع پذیر ہوا، چنانچہ مدینہ والوں کے لئے دو پیش نماز معین فرمائے، ایک مردوں کے لئے اور ایک عورتوں کے لئے۔

"وهو (عمر) اول من سن قيام شهر رمضان و جمع علی ذالک و كتب به الی

---

(۱) صحیح بخاری ج ۳، کتاب الصوم، کتاب الصلوٰۃ التراویح، باب (۱) "فضل من قام رمضان" ح ۱۹۰۶.

(۲) صحیح بخاری ج ۳، کتاب الصوم (کتاب الصلواۃ التراویح) باب "فضل من قام رمضان" ح ۳۷. مسلم ج ۲، کتاب الصلوٰۃ المسافرین، باب "الترغیب فی قیام رمضان" حدیث ۷۵۹.

البلدان و ذالک فی شهر رمضان سنة اربع عشرة "(۱)

اس واقعہ کی طرف اجمالی طور پر کتاب ''ارشاد الساری'' میں بھی اشارہ ملتا ہے۔(۲)

اسی طرح تاریخ اسلام کے مشہور مورخ یعقوبی ۱۴ھ کے واقعات و حوادثات کو تحریر کرتے ہوئے قلمبند فرماتے ہیں:

اسی سال حضرت عمر نے شب ماہ رمضان کی مستحب نمازوں کو باجماعت پڑھنے کا حکم جاری کیا اور تمام اسلامی ممالک میں اپنے اس حکم کو نافذ کروا دیا، چنانچہ اہل مدینہ کے لئے ابی ابن کعب اور تمیم داری کو پیش نماز معین کیا۔

اس کے بعد یعقوبی کہتے ہیں:

کچھ لوگوں نے خلیفہ پر اعتراض کیا کہ رسولؐ اور حضرت ابوبکر کے زمانۂ خلافت میں تو ایسا نہیں ہوا؟! عمر نے جواب دیا: اگر یہ بدعت بھی ہے تو اچھی (حسنہ) بدعت ہے: **"ان تکن بدعة فما احسنها من بدعة"!!(۳)**

علامہ جلال الدین سیوطی بھی اپنی کتاب ''تاریخ الخلفاء'' میں یہی تحریر فرماتے ہیں:

۱۴ھ میں حضرت عمر نے لوگوں کو نماز تراویح کے پڑھنے پر مجبور کیا!!

"وفیها [۱۴ هجری] جمع عمر بالناس علی صلاة التراویح "(۴)

حضرت علیؑ کی زبانی نماز تراویح کی رد

کتب روایات و تواریخ سے استفادہ ہوتا ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ کی اپنے دور حکومت میں متواتر کوشش یہی رہی کہ اس نماز کو اسی صورت پر پلٹا دیں جو رسولؐ کے زمانے میں تھی، لیکن مختلف وجوہات بشمول کچھ نادان

(۱) الطبقات، ابن سعد ج ۳، ذکر استخلاف عمر، ص ۲۸۱، مطبوعة: لندن.
(۲) ارشاد الساری ج ۳، کتاب الصوم باب " فضل من قام رمضان" ص ۴۲۵.
(۳) تاریخ یعقوبی جلد ۲، ص ۱۴۰، ایام عمر بن الخطاب، مطبوعة: بیروت لبنان.
(۴) تاریخ الخلفاء، ص ۱۳۱، فصل فی خلافة عمر، مؤلفه علامه جلال الدین سیوطی.

مسلمانوں کی بدبختی اور جہالت، درمیان میں آڑے رہیں جن کی وجہ سے امامؑ کی کوشش کسی نتیجہ تک نہ پہنچ سکی، چنانچہ حضرت امیر المؤمنینؑ نے اس بارے میں اپنی بے پایان کوشش اور مسلمانوں کی جہالت کی طرف (اپنے خطبات کے اندر) جابجا اشارہ فرمایا ہے:

......."امرت الناس ان لایجمعوا فی شهر رمضان الا فی فریضة، لنادی بعض الناس من اهل العسکر ممن یقاتل معی: یا اهل الاسلام اوقالوا غیرت سنةعمر، نهینا ان نصلی فی شهر رمضان تطوعاً، حتیٰ خفت ان یثوروا فی ناحیة عسکری بؤسی، لما لقیت من هذه الامة بعد نبیها من الفرقةوطاعةائمةالضلال والدعات الیٰ النار!!"(۱)

میں نے لوگوں کو حکم دیا کہ ماہ رمضان میں نماز واجب کے علاوہ دوسری نمازوں کو جماعت سے نہ پڑھو، تو میرے لشکر میں سے ایک گروہ کی صدائے احتجاج بلند ہوئی کہ اے مسلمانو! سنت عمر کو بدلا جارہا ہے! اور ہم کو ماہ رمضان کی نمازوں سے روکا جارہا ہے! اوران لوگوں نے اس قدر شور و غوغا مچایا کہ میں ڈرا کہ کہیں فتنہ برپا نہ ہوجائے اور لشکر میں انقلاب نہ آجائے! تف ہو ایسے لوگوں پر، بعد پیمبر کس قدر میں نے ان لوگوں سے سختیوں کو جھیلا ہے......۔

ابن ابی الحدید کتاب ''الشافی'' سے نقل کرتے ہیں:

''کچھ لوگوں نے حضرت امیر المؤمنینؑ سے کوفہ میں عرض کیا کہ کسی کو بعنوان امام جماعت کوفہ میں معین کریں تا کہ وہ ماہ رمضان کے شبوں کی مستحب نمازوں کو جماعت سے پڑھائے، امامؑ نے اس عمل سے لوگوں کو منع کیا اور بتایا کہ یہ عمل سنت رسولؐ کے برخلاف ہے، چنانچہ بظاہر ان لوگوں نے بھی اپنی درخواست کو واپس لے لیا، لیکن بعد میں ان لوگوں نے مسجد کے اندر ایک اجتماع کیا اور اپنے میں سے ہی ایک صاحب کو منتخب کر کے امام جماعت بنا لیا، جب امیر المؤمنینؑ کو اس کی

---

(۱) کتاب سلیم بن قیس، ص ۱۶۳.

اطلاع ہوئی تو امام حسن علیہ السلام کو بھیجا کہ اس بدعت کو روک دیں، جب لوگوں نے امام حسن علیہ السلام کو تازیانہ لاتے ہوئے دیکھا تو **"واعمراہ، واعمراہ"** کی صدائیں بلند کرتے ہوئے مسجد کے مختلف دروازوں سے بھاگ نکلے"!!(۱)

بدرالدین عینی کی ناقص توجیہ!!

شارح صحیح بخاری جناب بدرالدین عینی قول عمر **"نعم البدعة هذه"** کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

عمر نے اس نماز کو بدعت سے اس لئے تعبیر کیا ہے کیونکہ رسولؐ وابوبکر کے زمانے میں اس صورت میں کوئی نماز نہ تھی، بلکہ یہ نماز خود ان کی ایجاد کردہ تھی اور یہ بدعت چوں کہ ایک نیک عمل میں تھی لہذا اس بدعت کو غیر مشروع (ناجائز) شمار نہیں کریں گے!!(۲)

عرض مؤلف

بدرالدین سے ہمارا سوال یہ ہے کہ جب آپ نماز تراویح کو بدعت (غیر مشروع) تسلیم کرتے ہیں تو پھر اس کو نیک اور بہتر سمجھنے کا کیا مطلب؟!اور اگر آپ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ عمر کی بدعت سنت رسولؐ اور قانون خدا سے بہتر ہے تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسا عقیدہ اور خیال کفر اور ضلالت ہے!!(کیونکہ یہ حق شارع کو ہوتا ہے کہ وہ شریعت کے احکام کو بتلائے اور جعل کرے نہ کہ مکلفین کو جو مصالح اور مفاسد سے بے خبر ہوں)اور اگر آپ یہ کہیں کہ سنت خدا اور رسولؐ، سنت عمر سے بہتر اور ارجح ہے تو پھر آپ اس کی پیروی نہ کر کے بدعت عمریہ کی پیروی میں جو ایک مرجوح عمل ہے نماز تراویح آج تک کیوں پڑھتے آرہے ہیں؟!!

---

(۱) شرح نهج البلاغه جلد ۱۲، خطبة ۲۲۳، صفحه ۲۸۳.

(۲) عمدة القارى جلد ۱۱، كتاب الصوم، باب "فضل من قام رمضان".

۸۔ تین طلاقیں اور حضرت عمر!!

تین طلاقوں سے کیا مراد ہے؟

مذہب شیعہ کے نزدیک تین طلاقوں کا مطلب یہ ہے کہ ایک مرد تین دفعہ عورت کو طلاق دے اور ہر طلاق کے بعد عدّہ تمام ہونے سے قبل رجوع کرلے، یا پھر انقضائے مدتِ عدہ کے بعد دوبارہ اس سے شادی کرلے، اس طرح سے اگر مرد تیسری مرتبہ طلاق دیدے تو وہ بیوی اس مرد پر حرام ہو جائے گی لہٰذا اگر کوئی مرد ایسی عورت کو اپنے عقد میں لانا چاہتا ہے تو ضروری ہے کہ پہلے وہ عورت کسی دوسرے مرد سے عقد کرے، اور جب وہ (دوسرا مرد) طلاق (معہ شرائط) دیدے یا مر جائے تب اس سے اس کا پہلا شوہر دوبارہ شادی کرسکتا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں یہ حکم صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ...... فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ ......﴾(۱)

طلاق (رجعی جس کے بعد رجوع ہوسکتا ہے) دو ہی مرتبہ ہے، پھر اس کے بعد یا تو شریعت کے موافق روک لینا چاہیۓ، یا حسن سلوک سے (تیسری دفعہ طلاقِ بائن دے کر) بالکل رخصت کر دے اور تم کو یہ جائز نہیں کہ جو کچھ تم ان کو دے چکے ہو اس میں سے پھر کچھ واپس لے لو۔ پھر اگر (تیسری) بار طلاق (بائن) دی تو اس کے بعد جب تلک وہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے، اس کے لئے حلال نہیں۔

جملہٴ ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾ دلالت کرتا ہے کہ خود طلاق کے اندر تعدّد ضروری ہے، یعنی طلاق دو دفعہ دی جائے، لہٰذا اگر طلاق ایک مرتبہ دے اور اس کے ساتھ لفظ تین کا اضافہ کردے، مثلاً اس طرح کہے: ''میں تجھے تین مرتبہ طلاق دیتا ہوں (یا طلاق، طلاق، طلاق کہے)'' تو یہ تین طلاقیں شمار نہیں ہوں گی، بلکہ صرف ایک ہی طلاق شمار کی جائیں گی چنانچہ ایسی صورت میں مرد عورت کی طرف عدہٴ طلاق کے دوران رجوع یا عدہ تمام ہونے پر اس سے دوسری شادی کرنے کا حق رکھتا ہے اور مرد کیلئے یہ طلاق اس بات کی موجب نہیں قرار پاتی

---

(۱) سورۂ بقرہ، آیت ۲۲۹، ۲۳۰.

کہ اس عورت کی طرف مرد کا رجوع کرنا حرام ہو جائے اور نہ ہی اس طلاق کی بنا پر مرد کا اس سے دوبارہ شادی کرنا حرام ہوگا۔

زمخشری جملہ ﴿الطلاق مرتان﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وہ طلاق جس کے بعد شرعاً عورت مرد پر حرام ہو جاتی ہے اور دوبارہ اس عورت کا مرد، اس سے ازدواج نہیں کر سکتا یہ ہے کہ ''مرد (دونوں طلاقوں میں سے) ہر ایک طلاق بطور مستقل اور جدا دے، پس اگر کوئی مرد دفعۃً واحدہ یکبارگی دونوں طلاقیں دیدے تو اس کی ایک طلاق شمار ہوگی''۔

اس کے بعد زمخشری کہتے ہیں:

آیت میں دوبار طلاق دینے سے مراد، عمل طلاق کا تعدد ہے، نہ کہ تعدد لفظ، یعنی (طَلَّقْتُکَ طَلَاقَیْنِ) میں نے تجھے دومرتبہ طلاق دی، یہ کہنا کافی نہیں ہے اور یہ طلاق دومرتبہ شمار نہیں کی جاسکتی، بلکہ ہر طلاق کو علیحدہ علیحدہ دینا ہوگا، گویا یہ آیت بھی آیۂ شریفہ ﴿فَارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ﴾ کی طرح ہے جس میں پہلی نگاہ کے بعد دوسری نگاہ، مراد ہے۔" (۱)

بہرکیف تین طلاقوں کا مسئلہ قرآن اور سنت کی رو سے بہت ہی واضح اور روشن ہے، لیکن خلیفۂ دوم حضرت عمر نے تین طلاقوں کے لئے تعددِ لفظ کو کافی جانا ہے، یعنی اگر کوئی اپنی بیوی کو اس طرح کہے کہ میں نے تجھے تین طلاقیں دیں، تو وہ عورت اس مرد پر حرام ہو جائے گی یہاں تک کہ دوسرا مرد اس عورت کو اپنے حبالۂ عقد میں لائے، اس کے بعد وہ مرجائے یا اپنی مرضی سے طلاق دیدے، تب وہ عورت اپنے پہلے شوہر کیلئے عدہ تمام ہونے کے بعد حلال ہوگی۔

اگرچہ اس مضمون کی روایات صحیح مسلم کے علاوہ دیگر کتب اہل سنت میں بھی پائی جاتی ہیں لیکن ہم صحیح مسلم سے یہاں نقل کرتے ہیں، کیونکہ صحیحین کی روایات ہی ہماری موضوعِ بحث ہیں:

۱. ......"عن ابن عباس؛ قال: كان الطلاق علىٰ عهد رسول الله (ص) وابی بكر وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدةً، فقال عمر بن الخطاب: ان

---

(۱) تفسیر کشاف جلد ۱، تفسیر سورۂ بقرہ، آیت ۲۲۹ ص ۳۶۶۔

الناس قد استعجلوا فی امر کانت لهم فیه أناة، فلو امضیناه علیهم فامضاه علیهم.(۱)

ابن عباس سے منقول ہے:

عہد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعہد ابوبکر اور دو سال حضرت عمر کے دوران خلافت میں، اگر کوئی تین مرتبہ لفظاً طلاق دیتا تو اس کو ایک ہی طلاق شمار کیا جاتا تھا، یعنی اگر کوئی اپنی بیوی سے یہ کہتا: میں تجھے تین مرتبہ طلاق دیتا ہوں (یا طلاق، طلاق، طلاق کہتا) تو اس کی ایک طلاق محسوب ہوتی تھی، لیکن خلیفۂ دوم حضرت عمر نے کہا: لوگوں کو جس میں مہلت دی گئی تھی اور جو حکم ان کے نفع میں تھا، اس میں انھوں نے عجلت سے کام لیا، کیا بہتر ہوتا کہ ان کے ضرر میں حکم کو جاری کر دیا جائے!

چنانچہ عمر نے (ایک طلاق کو) تین طلاق شمار کرنے کا حکم نافذ کر دیا، جو حقیقت میں ایک طلاق تھی، یعنی اگر ایک دفعہ کوئی شخص کہے: میں تین طلاقیں دیتا ہوں (یا طلاق، طلاق، طلاق کہے) تو اس کی تین مرتبہ طلاق شمار ہو جائے گی یہ حکم حضرت عمر نے نافذ کر دیا!

۲.......ان ابا الصحباء قال لابن عباس: هاتِ مِن هناتک؟ الم یکن الطلاق الثلاث علیٰ عهد رسولَ اللّٰه وابی بکر واحدة؟فقال:قد کان ذالک، فلمّا کان فی عهد عمر تتا بع الناس فی ا لطلاق، فاجازه علیهم .(۲)

طاؤس کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابوصحباء نے ابن عباس سے کہا: کوئی نئی تازی خبر ہم کو سنائیں؟ کیا آپ جانتے ہیں کہ عہد پیمبرؐ و ابوبکر اور تین سال عہد عمر میں تین طلاق "یعنی ایک طلاق بلفظ ِ ثلاث" ایک طلاق محسوب ہوتی تھی؟

ابن عباس نے کہا: ہاں ایسا ہی تھا لیکن لوگوں نے دوران خلافت عمر میں طلاق کے بارے میں زیادہ روی اختیار کی، لہٰذا اس (عمر) نے ان کے ہی ضرر میں یہی حکم نافذ کر دیا یعنی ایک طلاق کو تین

(۱-۲) صحیح مسلم جلد ۴، کتاب الطلاق، باب (۲) "الطلاق الثلاث" حدیث ۱۴۷۲ .

طلاق شمار کرنے کا حکم نافذ کر دیا!!

محترم قارئین! یہ تھا تین طلاقوں کا مسئلہ جو دیگر معتبر کتب اہل سنت میں بھی مندرج ہے، اسی روش کو اکثر علمائے اہل سنت اور ائمہ اربعہ نے اختیار کیا ہے اور حضرت عمر کی رائے کے مخالف فتویٰ دینے سے حتی الامکان پرہیز کیا ہے، ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ لوگ آج بھی عمر کے اس فتوی پر عمل پیرا ہیں! مگر چوں کہ یہ حکم نص قرآن کریم اور سنت رسولؐ کے برخلاف ہے لہٰذا بعض جید علمائے اہل سنت نے عمر کے اس فتویٰ کے برخلاف اشارۃً و کنایۃً مخالفت کا اظہار کیا ہے اور بعض نے تو تصریح کے ساتھ اس کی مخالفت کی ہے، یہاں تک یہ مسئلہ اتنا طولانی ہوا کہ مصر کی عدالت عالیہ میں جید اہل سنت کے مفتیوں نے اس بدعت کو ختم کرنے کا حکم صادر فرما دیا۔

بہر کیف ذیل میں مذکورہ مسئلہ کی سیر تاریخی ہم نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو:

ابن رشد کہتے ہیں:

اکثریت فقہائے اہل سنت کے نزدیک وہ طلاق جو مقید بہ لفظ ثلاث (تین) ہو وہ واقعی تین طلاق کے حکم میں ہے اور اس کے بعد شوہر اپنی مطلقہ عورت کی طرف رجوع کرنے کا حق نہیں رکھتا۔(۱)

کتاب ''الفقہ علی المذاہب الاربعۃ'' کے مؤلف کہتے ہیں:

اگر مرد عورت سے کہے: میں نے تجھے تین طلاقیں دیں، تو مذاہب اربعہ اور جمہور فقہائے اہل سنت کے نزدیک تین واقعی طلاق شمار کی جائیں گی اور مرد اس کی طرف اب رجوع نہیں کر سکتا۔

"بان قال لها: انت طالق ثلاثا لزمه ما نطق به من العدد في المذاهب الاربعة ......"(۲)

لیکن خود ابن رشد صاحب کتاب (الفقه علی المذاهب الاربعة) نے اس نظریہ کی مخالفت کی ہے اور اس حکم کو اپنے اور حکم واقع کے خلاف جانا ہے۔

ابن رشد نے ایک لطیف اشارہ سے دوسرے مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے لفظ تین کے ساتھ طلاق دینے کو

---

(۱) بدایۃ المجتهد کتاب الطلاق، مسئله ۱.

(۲) الفقه علی المذاهب الاربعة جلد ۴، مبحث تعدد الطلاق.

ردکیا ہے، فرماتے ہیں :

یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی لوگوں پر یہ حکم ضروری قرار دے کہ وہ ایک طلاق کو تین طلاقیں سمجھیں تو گویا اس نے اس حکمت اور مصلحت واقعیہ کو ختم کردیا جو اس حکم کی تشریع میں تھی!!(۱)

صاحب کتاب "**الفقه علی المذاهب الاربعة**" طرفین (مخالف وموافق) کی دلیل کی طرف اشارہ کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں:

یہ مسئلہ اجتہادی مسائل میں سے ہے۔

اس کے بعد آپ ابن عباس اور عمر کے اس مسئلہ میں اختلاف ذکر کرتے ہوئے اس طرح نتیجہ گیری کرتے ہیں:

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ ابن عباس بھی اپنی جگہ ایک مجتہد کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی تقلید بھی مذہبی مسائل میں ہوسکتی ہے اور ان کے قول پر عمل کرنا جائز ہے، ضروری نہیں کہ ہم عمر کی آراء وفتاوی پر عمل کریں، کیونکہ وہ بھی ایک مجتہد کی حیثیت رکھتے ہیں، حتی کہ اکثر علماء وفقہاء کے فتاوی جو حضرت عمر کی موافقت میں ہیں موجب نہیں بن سکتے کہ ہمارے اوپر ان کی (عمر) پیروی یا تقلید لازم ہو۔(۲)

شیخ محمد عبدہ (متوفی ۱۳۲۳ھ) آیہ طلاق میں مفصل بحث کرنے کے بعد ثابت کرتے ہیں:

آیۂ کریمہ میں تعدد طلاق مراد ہے اور خلیفۂ دوم اور جو لوگ آپ کے ہم خیال ہیں ان کی رائے کی مخالفت میں حدیث ذیل کو سنن نسائی سے بعنوان تنقید اس طرح تحریر کرتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص نے اپنی زوجہ کو لفظ ثلاث کی قید سے ایک طلاق دی (مثلاً میں تجھے تین طلاق دیتا ہوں) تو رسول خداؐ لوگوں کے درمیان غیض وغضب کی حالت میں کھڑے ہوئے اور فرمایا: ابھی سے جبکہ میں تمھارے درمیان موجود ہوں کتاب خدا کا مضحکہ اڑایا جارہا ہے؟!!

(۱) بدایه المجتهد، کتاب الطلاق، مسئله ۳.

(۲) الفقه علی المذاهب الاربعة جلد ۴، مبحث تعدد الطلاق.

شیخ محمد عبدہ اپنی گفتگو کو یوں ختم کرتے ہیں:

"میرا مقصود مقلدین سے مجادلہ کرنا نہیں اور نہ ہی قضاۃ اور مفتیوں کو ان کی رائے سے منحرف کرنا ہے، کیونکہ ان لوگوں میں اکثر ان دلیلوں اور حدیثوں کو اچھی طرح جانتے ہیں، جن کو میں نے پیش کیا ہے، لیکن پھر بھی ان دلائل و احادیث شریفہ (جو کتب صحاح، مدارک و ماخذ میں موجود ہیں) پر عمل نہیں کرتے، کیونکہ ان لوگوں کا شیوہ یہ ہے کہ وہ خود ساختہ اپنی کتابوں پر اعتماد کریں گے، نہ کہ کتاب خدا اور سنت رسولؐ پر۔" (۱)

بہر حال مصر کی شرعی عدالت نے ۱۹۲۹ء میں ۳۷ سال قبل اس حکم (طلاق بلفظ سہ) کو منفی قرار دے دیا، پھر چند سال کے بعد سابق وائس چانسلر آف ازہر یونیورسٹی اور عظیم مذہبی راہنما جناب شیخ محمود شلتوت نے فتویٰ دیا:

"جو طلاق قید ثلاث کے ساتھ دی جائے گی یعنی اگر کوئی کہے کہ میں تجھے تین طلاق دیتا ہوں، تو وہ ایک طلاق شمار ہوگی اور شوہر کو حق رجوع ہے کیونکہ ایسی طلاق حقیقت میں طلاق رجعی ہوتی ہے۔" (۲)

قارئین کرام! جو فتاوے اور نظریے ہم نے خلیفۂ دوم کی مخالفت میں تحریر کئے، یہ کس حد تک خلیفۂ دوم اور ائمہ اربعہ کے فتاویٰ کے مقابل میں مؤثر ہیں، اس کا اندازہ مرور زمان کے ساتھ ہوگا، جب ہمارا اسلامی معاشرہ جملہ قید و بند، بیجا تقلید اور اندھے تعصب سے آزاد ہو کر سوچے گا۔

---

(۱) تفسیر المنار جلد ۲ سورہ بقرہ آیت ۲۲۹
(۲) الفتاوی "الحلف بالطلاق" صفحہ ۳۰۵

۹۔ کیارونابدعت ہے؟!

اپنے عزیزوں، رشتہ داروں اور چاہنے والوں کی موت پر غم منانا اور گریہ وزاری کرنا، بشر کی عطوفت ومحبت کا لازمہ اور رقتِ انسانیت کے مقتضیات میں سے ہے، چنانچہ دین اسلام نے بھی اپنے گزشتگان پر گریہ کرنے کو منع نہیں فرمایا ہے، بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گریہ کیا ہے، خصوصاً اُن افراد پر جو راہ خدا میں شہید ہوگئے تھے، لیکن اہل سنت کے بعض منابع ومدارک سے پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ دُوم مردوں پر گریہ کرنے سے متفق نہ تھے اور اگر ان کے سامنے اپنے گزشتگان پر کوئی روتا تھا تو اس کو منع کرتے تھے، بلکہ تازیانہ، ڈنڈا اور پتھر وغیرہ سے سخت سزا دیتے تھے! لہٰذا مناسب ہے کہ ہم ذیل میں صحیحین سے اُن روایات کو نقل کر دیں جن میں رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گریہ کرنے کی طرف اشارہ ہے اور اس کے بعد پھر آپ خلیفہ دُوم کا بھی ردعمل اس گریہ کرنے پر معتبر منابع کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱ ......"عن انس بن مالک؛ ان النبی (ص) نعیٰ جعفرا وزیدا قبل ان یجیٔ خبرھم وعیناہُ تذرفان ."(۱)

انس بن مالک سے منقول ہے:

آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جعفر وزید کی شہادت کی خبر لوگوں کے درمیان اس حالت میں کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے بیان کی، قبل اس کے کہ اُن کی خبر شہادت میدان جنگ سے مدینہ پہنچتی۔

۲ . ..."عن انس بن مالک......؛ ثم دخلنا علیه بعد ذالک وابراھیم یجود بنفسه ،فجعلت عینارسولً اللّٰہ تذرِفان ،فقال له عبد الرحمن بن عوف:وانت یا رسولً اللّٰہ؟ فقال:یا بن عوف! انھا رحمةثم اتبعھا باُخریٰ فقال:ان العین تدمع، والقلب یحزن، ولا نقول الاّما یرضی ربّناوانّا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون. "

انس بن مالک سے منقول ہے:

جس وقت فرزند پیمبرؐ جناب ابراہیم احتضار و جانکنی کے عالم میں تھے، اس وقت میں آنخضرت

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۴، کتاب المناقب، باب" علامات النبوة فی الاسلام "حدیث ۳۴۳۱.

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت بابرکت میں گیا تو دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: یارسول اللہؐ! آپ بھی اپنے بیٹے کی موت پر گریہ فرمارہے ہیں؟! رسول نے کہا: اے عوف کے بیٹے! یہ گریہ رحمت، عطوفت اور محبت کی نشانی ہے، ابن عباس کہتے ہیں: رسولؐ پھر بھی گریہ کرتے رہے اور فرمایا: اشک جاری ہیں اور دل غم زدہ ہے، لیکن جس چیز سے خدا راضی نہیں وہ زبان پر نہیں لاتا، اے میرے بیٹے ابراہیم! میں تیری جدائی میں غم زدہ ہوں۔(۱)

۳۔۔۔۔۔۔"زار النبی قبر امه فبکی وابکی من حوله" (۲)

امام مسلم نقل کرتے ہیں:

جب رسولؐ نے اپنی مادر گرامی کی قبر کی زیارت فرمائی تو اس قدر روئے کہ تمام صحابۂ کرام جو آپ کے ہمراہ تھے گریہ کرنے لگے۔

بہرکیف حضرت رسول خداؐ اور حضرت معصومۂ عالم فاطمہ زہراؑ کے گریہ سے متعلق صحیحین میں متعدد حدیثیں وارد ہوئی ہیں اور ہم نے بعنوان نمونہ صرف مذکورہ تین حدیثوں کو نقل کیا ہے البتہ آپ کی آسانی کیلئے بقیہ حدیثوں کا حوالہ نقل کردیتے ہیں۔(۳)

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲، کتاب الجنایز، باب" قول النبی: إنا بِکَ لَمَحْزُونُوْن"، حدیث ۱۲۴۱، ۱۱۸۹، مترجم: (صحیح بخاری جلد ۲، کتاب الجنایز، باب(۴) "الرجل ینعی الیٰ اهل المیت بنفسه" حدیث ۱۲۴۵. جلد ۳، کتاب الجهاد، باب" تمنی الشهادة" حدیث ۲۶۴۵، باب "من تامر فی العرب من غیر امرة اذاخاف العدو" حدیث ۲۸۹۸. کتاب فضایل الصحابة، باب "مناقب خالد بن الولید رضی الله عنه" حدیث ۳۵۴۷. جلد ۴، کتاب المغازی، باب "غزوة الموة من ارض الشام" حدیث ۴۰۱۴.)

(۲) مسلم ج۳، کتاب الجنایز، باب" استیندان النبی ربهٔ فی زیارت قبر امه" حدیث ۹۷۶.

(۳) صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب الجنایز، باب" قول النبی یعذب المیت ببعض بکاء اهله علیه" حدیث ۱۲۲۴، باب "البکاء عند المریض" حدیث ۱۲۲۵، مترجم: (صحیح بخاری، جلد ۲، کتاب المرضیٰ، باب(۹) "عیادة الصبیان" حدیث ۵۳۳۱. جلد ۶، کتاب الایمان و النذور، باب(۹) "قول الله تعالیٰ: واقسمو اباالله جهدا ایمانهم" (سوره انعام، آیت ۱۰۹) حدیث ۶۲۷۹. کتاب التوحید، باب(۲) "قول الله تعالیٰ: قل ادعوا الله" (سورهٔ اسراء، آیت ۱۱۰) حدیث ۶۹۴۲، باب(۲۵) "ما جاء فی قول الله: ان رحمة الله قریب من المحسنین" (سورهٔ اعراف، آیت ۵۶) حدیث ۷۰۱۰. جلد ۳، کتاب المناقب، باب" علامات النبوة فی الاسلام" حدیث ۳۴۲۷، ۳۵۱۱، ۵۹۲۸، ۴۱۷۰، ۳۰۴۸.)

محترم قارئین! یہ تھے چند مقامات جو صحیحین میں رسولؐ اکرم کے گریہ کے بارے میں مذکور ہوئے ہیں جس کو آپ نے ملاحظہ فرمایا، اب آپ ذرا خلیفۂ دوم کا کردار بھی ملاحظہ فرمائیں جو کتاب صحیحین میں ہی منقول ہے اور اس کے راوی حضرت عمر کے بیٹے عبداللہ ابن عمر ہیں:

۱۔ وہ کہتے ہیں: جب سعد بن عبادہ شدت سے مریض ہوگئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیادت کے لئے تشریف لائے، آپ کے ساتھ عبدالرحمٰن بن عوف، عبداللہ بن مسعود، سعد بن ابی وقاص بھی تھے، سعد بن عبادہ کی بدحالی کو دیکھ کر رسولؐ اسلامؐ نے دریافت فرمایا: آیا روح جسد خاکی سے جدا ہوگئی یا نہیں؟ لوگوں نے کہا: نہیں یا رسول اللہؐ! اس کے بعد رسول گریہ فرمانے لگے، جو آپ کے ساتھ میں تھے، وہ بھی گریہ کرنے لگے، پھر رسولؐ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ خداوند متعال اشک ریزی اور دل کی غمگینی کی وجہ سے کسی کو عذاب نہیں کرتا؟! اس وقت رسولؐ نے اپنی زبان کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: خدا اس زبان کی وجہ سے انسان پر عذاب یا ترحم کرتا ہے، لیکن بعض پسماندگان کے گریہ کی وجہ سے مردہ پریشان ہوتا ہے۔

عبداللہ ابن عمر اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد اپنے باپ کی مخالفت ان لفظوں میں بیان فرماتے ہیں:

"وکان عمر یضرب فیہ بالعصا یرمی بالحجارۃ ویحثی بالتراب!"(۱)

میرے والد لوگوں کو ڈنڈے، پتھر اور ڈھیلوں سے مارتے تھے جب وہ اپنے مردہ عزیزوں پر روتے تھے.

مسلم نے حدیث کا آخری حصہ حذف کر دیا ہے۔

صحیح بخاری میں آیا ہے کہ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کی بہن کو اپنے بھائی ابوبکر پر رونے کی وجہ سے گھر سے نکال دیا تھا۔(۲)

---

(۱) صحیح بخاری، جلد ۲، کتاب الجنائز، باب "البکاء عند المریض" حدیث ۱۲۲۴.

صحیح مسلم جلد ۳، کتاب الجنائز، باب" البکاء علی المیت" حدیث ۹۲۳، ۹۲۴.

(۲) صحیح بخاری جلد ۳، کتاب الخصومات، باب(۱) "اخراج اھل المعاصی والخصوم من البیوت بعد المعرفۃ"(اول باب، حدیث نمبر نہیں ہے).

امام احمد بن حنبل اپنی کتاب "المسند" میں ایک حدیث کے ضمن میں عثمان بن مظعون کی موت کے بارے میں ابن عباس سے نقل کرتے ہیں:

جب دختر رسول اکرمؐ جناب رقیہ نے بھی وفات پائی تو آنحضرتؐ نے فرمایا: اے میری دختر نیک اختر جا تو بھی ہمارے نیک سلف عثمان بن مظعون سے ملحق ہو جا!

ابن عباس کہتے ہیں: جب عورتیں جناب رقیہ کی موت پر گریہ کرنے لگیں تو حضرت عمر ان کو تازیانے سے مارنے لگے: جب رسولؐ نے دیکھا تو فرمایا: اے عمر! اس کام کو چھوڑ دے، ان کو گریہ کرنے دے، اس کے بعد عورتوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: اے عورتو! اپنے کو شیطان کی آواز سے محفوظ رکھو، پھر فرمایا: جو کچھ دل اور آنکھوں میں ہے (تاثیر اور گریہ) وہ خدا کی جانب سے اور رقت قلب کی وجہ سے ہے اور جو کچھ زبان اور ہاتھ میں ہے (یعنی وہ فعل جو انسان کے مرنے پر زبان اور ہاتھ سے ظاہر ہوتا ہے) وہ شیطان کی جانب ہے۔

اس کے بعد جناب رقیہ کی قبر مطہر پر آنحضرت ﷺ بیٹھ گئے آپ کے ساتھ شہزادی کونین حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام بھی بیٹھی رو رہی تھیں اور رسول اسلامؐ پیار و محبت کے ساتھ اپنے لباس کے دامن سے آپ کے آنسو پونچھ رہے تھے۔(۱)

عرض مؤلف

اس واقعہ کو ابن سعد نے بھی اپنی کتاب ''الطبقات'' میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ تحریر کیا ہے اور اس میں یہ جملہ بھی آیا ہے:

جب عمر نے عورتوں پر تازیانے سے حملہ کیا تو رسولؐ نے عمر کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا: رک جا اے عمر!

"فاخذ رسول اللّٰہ بیدہ وقال مهلا یا عمر" !!(۲)

---

(۱) مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ،مسند عبد اللّٰہ ابن عباس ، ص ۳۳۵.

(۲) الطبقات؛ ابن سعد ج ۳ ، ، خنیس بن حذافة ص ۲۹۹.

امام احمد بن حنبل پھر نقل کرتے ہیں:

رسولؐ ایک دفعہ کسی جنازے کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ عورتیں گریہ کررہی ہیں، عمر نے ان کو منع کیا تو رسولؐ نے فرمایا: عمر ان کو اپنے حال پر چھوڑ دے، کیونکہ ان کے دل اپنے عزیز کی موت پر تازہ غمگین اور آنکھیں اشک آلود ہیں:

"دعهن فان النفس مصابة والعين دامعة والعهد حديث" (۱)

ابن ابی الحدید معتزلی کہتے ہیں:

عمر نے اپنے دور خلافت میں سب سے پہلے جس کو تازیانے سے مارا وہ ابوبکر کی بہن ام فروہ ہیں، جو کہ ابوبکر کی موت پر گریہ کررہی تھیں اور جب ابوبکر کی بہن ام فروہ کو دیگر عورتوں نے مار کھاتے ہوئے دیکھا، تو سب بھاگ گئیں اور خود ام فروہ کو عمر نے مار کر نکال دیا:

"و اول من ضرب بالدرة ام فروة بنت ابی قحافة ، مات ابو بكر فناح النساء عليه"(۲)

---

(۱) مسند احمد بن حنبل جلد ۲، مسند ابی هريرة ص ۳۳۳.

(۲) شرح نهج البلاغه ابن ابی الحديد، جلد ۱، خطبة شقشقية، (حتی مضٰی الاول لسبیلہ، کے بعد) ص ۱۸۱ .

۱۰۔ حکمِ نمازِ مسافر اور حضرت عثمان!!

سفر میں نمازِ پنجگانہ میں سے چار رکعتی نمازیں (جب شرائط پائے جائیں تو) قصر ہو جاتی ہیں، یعنی چار رکعت نماز کے بجائے دو رکعت نماز پڑھی جائے گی اور سفر کے درمیان کوئی فرق نہیں کہ وہ تجارت کے لئے انجام دے، یا زیارت، حج اور جنگ وغیرہ کے لئے اور یہ حکم قرآن مجید(۱) اور سنت رسولؐ سے ثابت ہے،(۲) چنانچہ یہی طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ نبوت اور دور خلافت ابوبکر وعمر میں باقی رہا، لیکن عثمان نے اپنے دور خلافت کے اواسط میں مقام منیٰ میں بجائے اس کے کہ وہ چار رکعتی نماز کو دو رکعت نماز قصر پڑھتے چار رکعت ہی پڑھی، حالانکہ وہ مسافر تھے اور شرائط قصر بھی موجود تھے، کچھ مسلمانوں نے بھی ان کی پیروی کی، لیکن ایک گروہ نے ان کی مخالفت کرتے ہوئے ان پر اعتراض کیا، طبری نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ عثمان کے طریقہ کار پر مسلمانوں کا یہ سب سے پہلا اعتراض تھا، یہیں سے عثمان کے خلاف بغاوت کا بیج پڑا! خلاصہ یہ کہ عثمان نے اپنے دور خلافت میں نماز مسافر کا حکم تبدیل کر دیا! اور اس بارے میں کتب حدیث ،تاریخ وتفسیر میں صراحت کے ساتھ متعدد روایات پائی جاتی ہیں لیکن ہم نمونے کے طور پر صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے صرف تین روایتیں ذکر کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں:

۱۔......"عن عبداللّٰہ، قال: صلیت مع النبیؐ بمنی رکعتین وابی بکر وعمرو مع عثمان صدراً من خلافتہ، ثم اتمھا"

عبداللہ ابن عمر سے منقول ہے:

میں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر، عمر اور عثمان کے ساتھ مقام منیٰ میں چار رکعتی نماز کو دو رکعت بعنوان قصر پڑھا، لیکن عثمان نے اپنے دور خلافت کے کچھ دن گزر جانے کے بعد منی

---

(۱) وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُبِينًا (سورہ نساء آیت ۱۰۱)

(۲) صحیح مسلم جلد ۲، کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب(۱) "صلوٰۃ المسافرین و قصرھا" حدیث ۶۸۷.

میں چار رکعتی نماز کو بجائے اس کے کہ دو رکعت قصر کر کے پڑھتے چار رکعت ہی پڑھا۔(۱)

۲۔......"عن ابراهیم ؛قال: سمعت عبدالرحمٰن بن یزید؛ یقول:صلی بناعثمان بن عفان بمنی اربع رکعات، فقیل ذالک لعبدالله بن مسعود: فاسترجع، ثم قال:صلیتُ مع رسول اللّٰہ (ص) بمنی رکعتین، وصلیت مع ابی بکر بمنی رکعتین، وصلیت مع عمر بن الخطاب بمنی رکعتین، فلیت حظی من اربع رکعات رکعتان متقبّلتانِ." (۲)

عبدالرحمٰن بن یزید سے منقول ہے:

عثمان نے مقام منیٰ میں دو رکعت کے بجائے چار رکعت نماز پڑھی (اور قصر کے حکم پر عمل نہ کیا) اور جب اس واقعہ کو عبداللہ بن مسعود سے بیان کیا گیا تو ابن مسعود نے کلمہ استرجاع ((**انا للہ و انا الیہ راجعون**)) پڑھا اور کہا: میں رسولؐ کے ساتھ تھا، جب میں نے مقام منیٰ میں چار رکعتی نماز کو دو رکعت پڑھا، اسی طرح میں نے ابوبکر وعمر کے ساتھ بجائے چار رکعت کے دو رکعت ادا کی، کاش کہ آج بھی ہم دو رکعت نماز ہی ادا کرتے۔

۳۔......صحیح بخاری کی ایک دوسری حدیث میں اس طرح آیا ہے:

عبداللہ ابن مسعود اس بات کو نقل کرنے کے بعد" کہ ہم نے رسول، ابوبکر وعمر کے زمانے میں دو رکعت نماز پڑھی" یہ جملہ بھی بیان کرتے ہیں: بعد میں مسلمانوں کے سامنے اس سلسلے میں مختلف راستے پیش کر دیئے گئے، کاش کہ ان چار رکعتوں میں سے ہمیں وہی دو رکعت نماز نصیب ہوتی تو کتنا بہتر تھا!!

((...... ثم تفرقت بکم الطرق فیالیت حظی من اربع رکعات متقبلتان))

(۱-۲) صحیح بخاری: جلد۲، کتاب الصلوٰۃ ابواب التقصیر، باب[۲] "الصلوٰۃ بمنی" حدیث ۱۰۳۲، باب [۱۱] حدیث ۱۰۵۱. جلد۲، کتاب الحج، باب" الصلوٰۃ بمنی" حدیث ۵۷۲.

صحیح مسلم جلد۲، کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب" قصر الصلوٰۃ بمنی" حدیث ۶۹۴. ۶۹۵. ۶۹۶، (معہ متعدد اسناد وطرق).

تاریخ طبری کے مؤلف کہتے ہیں:

جب ۲۹ھ میں عثمان نے حج بیت اللہ کیلئے لوگوں کے ساتھ شرکت کی تو منیٰ میں خیمہ نصب کیا یہ پہلا موقع تھا کہ عثمان کے ذریعہ منیٰ میں خیمے لگائے گئے۔

اس کے بعد صاحب تاریخ طبری کہتے ہیں:

واقدی نے ابن عباس سے نقل کیا ہے: جب عثمان نے اپنی خلافت کے چھٹے سال میں بجائے قصر کے پوری نماز پڑھی جبکہ اپنی خلافت کے چار پانچ سال تک آپ بھی منیٰ میں چار رکعت نماز کو دو رکعت قصر پڑھتے تھے، تو یہی پہلا موقع تھا کہ جب مسلمانوں نے اعلانیہ طور پر ان پر تنقید اور اعتراض کرنا شروع کیا اور بعض لوگوں نے خود حضرت عثمان سے اس بارے میں بات بھی کی، یہاں تک حضرت علی علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا: ''اے عثمان! ابھی عہد رسالت کو گزرے ہوئے زیادہ دن نہیں ہوئے ہیں، تم خود منیٰ میں رسولؐ کے ساتھ موجود تھے، چنانچہ تم نے خود دیکھا کہ رسول اسلامؐ منیٰ میں قصر نماز پڑھتے تھے اور یہی حال ابوبکر وعمر کے زمانے میں رہا، حتی کہ تم خود منیٰ میں ابھی تک چار رکعتی نمازوں کو دو رکعت قصر پڑھتے رہے، لیکن اب تمھیں ایسا کیا ہوگیا کہ تم نے اس حکم میں تبدیلی کردی؟!! آخر تمہیں کیا ہوگیا کہ اپنی روش کو تبدیل کردیا؟!! عثمان نے کہا: میں نے مصلحت اس میں پائی اور یہ میری ذاتی رائے تھی جس پر میں نے عمل کیا۔'' **فقال : رأی رأیته** (قال الواقدی) (۱)

ایک موازنہ اور نتیجہ گیری

یہ تھے دس عدد وہ مقامات جہاں خلفائے ثلاثہ نے نص صریح کے مقابل میں اپنی رائے کا اظہار کیا اور حکم خدا و رسول کی اعلانیہ مخالفت کی!! الختصر یہ کہ حصول خلافت اور اس کی پشت پناہی کے یہی علل و اسباب اور حقائق تھے کہ جو صحیحین میں نقل ہوئے ہیں۔

(۱) تاریخ الطبری جلد ۳،'' ذکر الخبر عن سبب عزل عثمان.....'' حوادث ۲۹ھ، ص ۳۲۲

قارئین کرام! یہ اتنے واضح اور روشن حقائق تھے کہ علامہ ابن ابی الحدید معتزلی بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے، چنانچہ ایک جگہ آپ حضرت علیؑ اور دیگر خلفاء کے درمیان ایک موازنہ کرنے کے بعد اس طرح فرماتے ہیں:

''حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام رائے، تدبیر اور اجتماعی معاشرہ کو چلانے کے اعتبار سے تمام لوگوں کی نسبت بلند مقام کے حامل تھے اور خلفائے ثلاثہ اس اعتبار سے آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتے، کیونکہ حضرت علیؑ ہی تھے جنھوں نے خلیفۂ دوم کی تمام مشکل امور میں مدد کی اور خصوصاً لشکر کشی کے بارے میں راہنمائی فرمائی، یہ علیؑ ہی تھے جنھوں نے عثمان کو اپنی زرین نصیحتوں سے آگاہ کیا، اگر عثمان آپ کی نصیحتوں پر عمل کرتے تو کبھی بھی ان کے ساتھ قتل کا حادثہ پیش نہ آتا۔''

اس کے بعد ابن ابی الحدید فرماتے ہیں:

''اگر چہ مسلمانوں کا ایک طبقہ اس بات کا قائل ہے کہ علیؑ ثاقب الرائے اور صحیح تدبیر نہ رکھتے تھے!! لیکن ان کے اس قول کی وجہ یہ ہے کہ علیؑ تمام احکام کو نافذ کرنے میں قانون الٰہی کو مدنظر رکھتے تھے اور چھوٹے سے چھوٹے کام کو بھی حکم خدا کے خلاف نہیں کر سکتے تھے اور آپ کے لئے تصور ہی نہیں ہوسکتا کہ دائرۂ اسلام سے خارج ہوں، چنانچہ خود حضرت علیؑ کا فرمان ہے:

''اگر دین اور خوفِ خدا میرے پیش نظر نہ ہوتا تو میں دنیائے عرب کا زیرک ترین مرد ہوتا''

لیکن دیگر خلفاء اس محدودیت کے قائل نہیں تھے، بلکہ وہ آزادانہ مصالح الناس کو دیکھتے ہوئے اور اپنی مصلحت کو مدنظر رکھ کر اقدام کرتے تھے اور وہ جس کام میں اپنی ترقی دیکھتے اس کو کرتے تھے چاہے یہ کام شرع کے مخالف ہو یا موافق انھیں احکام الٰہی کا کوئی پاس نہ تھا۔''

"وغیرہ من الخلفاء کان یعمل بمقتضی مایستصلحہ ویستوفقہ سواء کان موافقا للشرع ام لم یکن"

اس کے بعد ابن ابی الحدید اس طرح نتیجہ گیری کرتے ہیں:

''اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ جو شخص زمانہ کی مصلحتوں کو دیکھ کر اپنی رائے اور اجتہاد کے مطابق

عمل کرے اور اسلامی قوانین وحدود کا خیال نہ کرتا ہو، جو کہ اس کی دنیاوی ترقی سے مانع ہو، تو اس کی دنیاوی حالت منظم، پیشرفت اور ترقی یافتہ ہوگی اور وہ اپنے دنیاوی اہداف ومقاصد تک بہ آسانی پہنچ جائے گا، کیونکہ وہ آزاد ہو کر عمل کر رہا ہے، اس کے سامنے کوئی موانع نہیں ہیں، لیکن جو شخص چند ضوابط اور حدود میں مقید ہو یعنی جس کی نظر میں احکام الٰہی کا احترام ملحوظ ہو، اس کی دنیاوی حالت ظاہراً ترقی نہیں کر سکتی، یہی حال امیر المومنین علی علیہ السلام کا ہے۔(۱)

(۱) شرح نہج البلاغہ، جلد ۱، صفحہ ۲۸، خطبہ [۱] مصنفہ ابن ابی الحدید معتزلی۔

خاتمہ

صحیحین کی روشنی میں حضرت رسولؐ خدا کی پیشگوئیاں

وفات رسولؐ کے بعد مسلمانوں کا حال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی ہی میں ان تمام حوادث وواقعات کی پیش گوئی فرمادی تھی جو آپ کے بعد مسلمانوں کے درمیان رونما ہونے والے تھے۔

منجملہ: بنی امیہ کی ظالمانہ حکومت وسلطنت (۱) خارجیوں کا وجود میں آنا اور پھران کا حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہونا (۲) نیز جناب عمار یاسر کا ایک باغی گروہ کے ذریعہ قتل ہونا وغیرہ......(۳)

---

(۱) صحیح بخاری، جلد۴، کتاب المناقب، باب[۲۵]" علامات النبوۃ فی الاسلام" حدیث ۳۴۰۹، ۳۴۱۰. جلد۹، کتاب الفتن، باب[۳]" قول النبیؐ: ھلاک امتی علیٰ یدی اغیلمۃ سفھاء" ح ۷۰۵۸.

(۲) صحیح بخاری، جلد۴، کتاب المناقب، باب[۲۵]" علامات النبوۃ فی الاسلام" حدیث ۳۶۱۰، ۳۶۱۱. صحیح مسلم جلد۳، کتاب الزکاۃ، باب[۴۸]"التحریض علیٰ قتل الخوارج" حدیث ۱۰۶۶. مترجم: (صحیح بخاری ج۴، کتاب الادب، باب[۹۵]" ماجاء فی قول الرجل !ویلک" ح ۵۸۱۱. صحیح بخاری ج۴، کتاب التفسیر (فضائل القرآن)، باب[۳۶]" اثم من رأی بقرآئۃ القرآن اوتاکل بہ اوفخر بہ" ح ۴۷۷۰، ۴۷۷۱. ج ۲، کتاب استتابۃ المرتدین والمعاندین، باب[۲]" قتل ⇦

خلاصہ یہ کہ وہ تمام مختلف قسم کی تحریفات اور بدعتیں جو دین اسلام میں آئندہ وجود میں آنے والی تھیں ان کی خبر اور مسلمانوں کے ایک گروہ کے اسلام سے مرتد اور منحرف ہونے کی آگاہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو پہلے سے دیدی تھی اور اس بات پر اپنے عمیق تأسف اور شدید تأثر کا اظہار بھی فرمایا تھا، ان تمام واقعات کے شواہد صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہیں۔

چنانچہ گزشتہ مباحث کی مناسبت سے بعض مسلمانوں کے ارتداد اور ان کی طرف سے دین اسلام میں تحریف اور بدعت گزاری سے متعلق ذیل میں چند روایات صحیحین سے نقل کرتے ہیں۔

بعض صحابہ کا وفات رسولؐ کے بعد مرتد ہو جانا!!

۱۔ "سعید بن جبیر عن ابن عباس عن النبیؐ قال: وان اناساً من اصحابی یؤخذ بھم ذات الشمال، فاقول: اصحابی! اصحابی! فیقول: انھم لم یزالوا مرتدین علی اعقابھم منذ فارقتھم، فاقول کما قال العبد الصالح: و کنت علیھم شھیداً ما دمت فیھم......"

سعید بن جبیر نے ابن عباس سے روایت کی ہے:

آنحضرتؐ نے فرمایا: ایک گروہ میرے صحابہ میں سے سمت شمال میں ہوگا (۱) ان کی حمایت کی

⇐ الخوارج والملحدین بعد اقامۃ الحجۃ علیھم" حدیث ۶۵۳۱، ۶۵۳۲، ۶۵۳۳، باب [۷] "من ترک قتال الخوارج للتألف" حدیث ۶۵۳۴، ۶۵۳۵۔

(۳) صحیح بخاری، ج ۱، کتاب الصلاۃ ابواب المساجد، باب [۴۳] "التعاون فی بناء المسجد" ح ۴۴۷۔ صحیح مسلم ج ۸، کتاب الفتن، باب [۱۸] "لاتقوم الساعۃ حتی یمر الرجل بقبر الرجل" ح ۲۹۱۶، ۲۹۱۵۔

مترجم: صحیح بخاری جلد ۳، کتاب الجہاد، باب [۱۷] "مسح الغبار عن الناس فی السبیل" حدیث ۲۶۵۷۔

(۱) اصحاب شمال کا ذکر سورہ واقعہ میں بھی ہوا ہے:

﴿وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ مَا اَصْحٰبُ الشِّمَالِ☆فِی سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ☆ وَّظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ☆ لَّا بَارِدٍ وَّلَا کَرِیْمٍ﴾ (۲)

ترجمہ: اور بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال لینے والے ہائے افسوس بائیں ہاتھ والے کیا مصیبت میں ہیں دوزخ کی لو اور کھولتے ہوئے پانی اور سیاہ کالے دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے جو نہ ٹھنڈا رہے اور نہ خوش آئند۔ سورہ واقعہ، پ ۲۷۔

خاطر بارگاہ الٰہی میں عرض کروں گا، میرے معبود یہ میرے صحابہ ہیں یہ میرے صحابہ ہیں؟! خدا میرے جواب میں کہے گا: اے میرے رسولؐ!

تیری وفات کے بعد یہ لوگ الٹے پیر اپنے پرانے دین جاہلیت کی طرف پلٹ گئے تھے، اس وقت میں بندۂ صالح عیسیٰؑ کے قول کو دہراؤں گا: میرے معبود! جب تک میں ان کے درمیان تھا ان کے اعمال کا شاہد و ناظر تھا، لیکن جب مجھے تو نے اپنی بارگاہ میں بلالیا، تو اب تو خود ہی ان کے اعمال کا مراقب و ناظر ہے، لہٰذا اگر ان پر عذاب نازل کرے گا تو میرا کچھ نہیں کیونکہ یہ تیرے بندے ہیں اگر تو ان کو معاف کر دے گا تو تو خدائے قوی و حکیم ہے۔(۱)

صحیح مسلم میں جو حدیث مندرج ہے اس میں بجائے **"انهم لم يزالوا مرتدين"** جملۂ **"انک لاتدری ما احدثوا بعدک"** آیا ہے:

خدا کہے گا: اے میرے رسولؐ! تجھے کیا معلوم انھوں نے تیری وفات کے بعد کیا کیا کرتوت کئے؟!

صحیح بخاری اور مسلم کی ایک اور حدیث میں اُصحابی کے بجائے **" اُصَیحَابی "** کا لفظ استعمال ہوا ہے، جو عربی گرامر کے لحاظ سے کمالِ محبت والفت یا شدید تحقیر و توہین پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ صیغۂ تصغیر دونوں (محبت و توہین) کے لئے استعمال ہوتا ہے، یعنی جن کے لئے رسولؐ سفارش کریں گے، وہ رسولؐ کی نظر میں بے حد محبوب تھے، یا پھر وہ آنحضرتؐ کے نزدیک بہت زیادہ حقیر تھے جن کے اخلاق و کردار سے آپؐ راضی نہ تھے اور رضایت کے بغیر آپؐ نے وفات پائی۔

۲ ......"ابن ابی مليكة؛قال:عن اسماء بنت ابی بكر؛قالت:قال النبیؐ:انیّ علیٰ الحوض حتی انظر من يرد علّی منكم،وسيوخذ الناس دونی،فاقول:يارب منّی ومن امتی! فيقال:هل شعرت ماعملوابعدک؟والله ما برحوا يرجعون علیٰ

---

(۱) صحیح بخاری جلد۴، کتاب الانبیاء، باب(۱۱) "واتخذالله ابراهيم خليلا"(آیت۱۲۵) حدیث ۳۱۷۱، باب "واذكر فی الكتاب مريم"(آیت ۱۶)حدیث ۳۲۶۳ . جلد۶، کتاب التفسير، تفسير سورة مائدة، باب" وكنت عليهم شهداء"(آیت ۱۱۷)حدیث ۴۳۴۹، ۴۳۵۰، تفسير سورة الانبياء(آیت ۱۰۴)حدیث ۴۴۶۳ . جلد ۸، کتاب الرقاق، باب" كيف الحشر" حدیث ۶۱۲۱ . صحیح مسلم جلد۸، کتاب الجنةو صفة نعيمها، باب(۱۴)"فناء الدنيا وبيان الحشر" حدیث ۲۸۶۰ .

اعقابهم، فكان ابن ابی ملیكة یقول: اللهم انا نعوذبک ان نرجع علی اعقابنا او نفتن فی دیننا"

ابن ابی ملیکہ اسماء بنت ابوبکر سے نقل کرتے ہیں

رسولؐ خدا نے فرمایا: میں روز محشر حوض کوثر پر کھڑا ہو جاؤں گا تاکہ ان لوگوں کو دیکھوں جو میرے پاس وارد ہوں گے، لیکن کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کو میرے پاس سے پکڑ لیا جائے گا، پس میں خدا سے عرض کروں گا، اے میرے پروردگار! یہ میرے خاص اصحاب اور میری امت سے ہیں" فاقول یا رب منی ومن امتی" تو خدا کہے گا: (اے میرے حبیب) تمھیں نہیں معلوم میرے بعد انھوں نے کیا کیا کرتوت کیے؟ قسم بخدا! یہ اپنے آبائی دین جاہلیت کی طرف پلٹ گئے تھے!!

اور ابن ملیکہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد کہا کرتے تھے: پروردگارا! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ میں اپنے پچھلے دین کی طرف پلٹ جاؤں، یا اپنے دین میں محل آزمائش قرار پاؤں۔ (١)

جیسا کہ ہم نے عرض کیا اس حدیث کو بخاری نے جلد ٨۔ ٩ میں بھی تھوڑے سے فرق کے ساتھ نقل کیا ہے چنانچہ ہم دونوں موارد کو ذیل میں نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو

٣۔ ..."عن ابی هریرة، عن النبی، قال: بینا انا قائم اذا زمرة، حتی اذا عرفتهم خرج رجل من بینی وبینهم، فقال: هلم، فقلت: این؟ قال: الی النار والله، قلت وما شانهم؟ قال: انهم ارتدوا بعدک علی ادبارهم القهقری. ثم اذا زمرة حتی اذا عرفتهم، خرج رجل من بینی وبینهم فقال: هلم، قلت: این؟ قال: الی النار والله، قلت وما شانهم؟ قال انهم ارتدوا بعدک علی ادبارهم القهقری......"

ابوہریرہ سے منقول ہے

آنحضرت نے فرمایا: ایک روز میں نے خواب میں ایک گروہ کو دیکھا جو میرے پاس لایا گیا، جیسے

---

(١) صحیح بخاری جلد٨، کتاب الرقاق، باب(٥٣) "فی الحوض" حدیث ٦٢٢٠۔ جلد ٩، کتاب الفتن، (١) "ماجاء فی قول الله ﴿واتقوا فتنة لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصة﴾ حدیث ١٢٦۔
صحیح مسلم جلد٧، کتاب الفضائل، باب(٩) "اثبات حوض نبینا" حدیث ٢٢٩٣، ٢٢٩٤، ٢٢٩٥ وغیرهم

ہی میں نے ان کو پہچانا تو ایک شخص ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان سے ظاہر ہوا اور ان لوگوں سے کہنے لگا: جلدی آؤ میں نے کہا: انہیں کہاں لے جارہا ہے ؟ کہنے لگا: قسم بخدا ان کو جہنم (آتش) کی طرف لے جارہا ہوں، میں نے کہا: آخرانھوں نے کیا گناہ انجام دیا ہے؟! کہنے لگا: یہ آپ کے بعد الٹے پاؤں پیچھے پلٹ گئے تھے!! اس کے بعد رسولؐ نے فرمایا: پھر دوسرا گروہ دیکھا جب میں نے ان کو پہچانا تو ایک شخص ہمارے اور ان کے درمیان سے نکلا اور اس گروہ کو مخاطب قرار دے کر کہنے لگا: جلدی آؤ، جلدی آؤ، میں نے اس سے کہا: کہاں لے جارہا ہے؟ وہ کہتا ہے: ان کو میں آگ (جہنم) کی طرف لے جارہا ہوں، تو میں نے کہا: آخرانھوں نے کیا گناہ انجام دیا ہے؟ تو کہنے لگا: وہ آپ کے بعد الٹے پاؤں پلٹ گئے تھے اور مذہب اسلام سے بالکل پھر گئے تھے۔(۱)

۴......"عن ابن شهاب عن ابن المسيب؛انه كان يحدِّث عن اصحاب النبيؐ؛ ان النبيؐ قال: يرد على الحوض رجال من اصحابي، فَيُحَلَّؤُونَ عنه، فاقول: يا رب اصحابي؟ فيقول: انك لاعلم لك بما احدثوا بعدك، انهم ارتدوا علىٰ ادبارهم القهقرى؟!!" (۲)

ابن مسیّب سے مروی ہے:

صحابہ کے ایک گروہ نے رسولؐ سے نقل کیا ہے: آپ نے فرمایا: میرے صحابہ میں سے کچھ ایسے ہوں گے جو بروز محشر حوض کوثر پر وارد ہونا چاہیں گے، لیکن ان کو روک لیا جائے گا، میں کہوں گا: میرے معبود! یہ میرے اصحاب ہیں ان کو کیوں روکا جارہا ہے؟! تو خدا جواب دے گا: اے میرے رسولؐ! تم نہیں جانتے انھوں نے تمھارے بعد کیا کیا انجام دیا؟! اے رسول! یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے دین اسلام کو تمھارے بعد ترک کردیا اور اپنے آباء واجداد کے مذہب پر پلٹ گئے تھے۔

روز محشر اہل بدعت کا حشر!!

۱......"عن سهل بن سعد؛قال النبيؐ:((انى فَرَطُكم على الحوض مَن مَرَّ عَلَيَّ

---

(۱) صحيح بخارى جلد۸، كتاب الرقاق، باب(۵۳) "فى الحوض "حديث۶۲۱۵.

(۲) صحيح بخارى جلد۸، كتاب الرقاق باب[۵۳]" فى الحوض"حديث۶۲۱۳،۶۲۱۴.

شَرِبَ وَمَن شَرِبَ لَم يظمأ ابداً لَيَرِدَنّ عليّ اقوام اعرفهم ويعرفونني ثم يُحال بيني وبينهم)) قال ابو حازم: فسمعني النعمان بن ابي عياش، فقال: هكذا سمعت من سهل؟ فقلت: نعم. فقال: اشهد على ابي سعيد الخدري لسمعته وهو يزيد فيها: فاقولُ: انهم مني؟ فيقال: انك لا تدري ما احدثوا بعدك؟ فاقول سحقاً سحقاً لمن غيَّر بعدي!!"

ابو حازم سہل بن سعد سے نقل کرتے ہیں:

رسولؐ خدا نے فرمایا: میں تم سب سے پہلے حوض کوثر پر وارد ہوں گا اور جو بھی اس دن (روز قیامت) میرے پاس آئے گا وہ آب حوض کوثر سے سیراب ہوگا اور جو حوض کوثر سے سیراب ہو جائے گا، پھر اس کو کبھی تشنگی نہیں محسوس ہوگی۔

اور بالتحقیق ایک گروہ ایسا وارد ہوگا جنھیں میں بھی پہچانتا ہوں گا اور وہ بھی مجھے پہچانتے ہوں گے، اس کے بعد میرے اور ان کے درمیان جدائی کر دی جائے گی (یعنی وہ رسولؐ کے دیدار اور حوض کوثر کی سیرابی سے محروم ہو جائیں گے) ابو حازم (ناقل حدیث) کہتے ہیں: جب نعمان بن عیاش نے اس حدیث کو مجھ سے سنا تو پوچھنے لگا: کیا تو نے خود سہل ابن سعد سے اس حدیث کو سنا ہے؟

نعمان کہتے ہیں: میں نے کہا، ہاں میں نے خود اس حدیث کو ان کی زبان سے سنا ہے، تو ابن عیاش اس وقت کہنے لگے: میں خدا کو شاہد قرار دے کر کہتا ہوں: میں نے خود اس حدیث کو ابو سعید خدری سے سنا ہے اور وہ اس حدیث کے آخر میں یہ جملہ بھی نقل کرتے تھے: "رسولؐ اس وقت کہنے لگے: دور ہو جائیں رحمت خدا سے، دور ہو جائیں رحمت خدا سے وہ لوگ جنھوں نے میرے بعد دین اسلام میں تحریف و تبدیلی کی!!" (۱)

اس حدیث کو امام بخاری اور مسلم دونوں نے نقل کیا ہے، (لیکن مسلم نے متعدد طرق و اسناد کے ساتھ اور "لمن غیر بعدی" کی جگہ "لمن بدل بعدی" نقل کیا ہے)

---

(۱) صحيح بخاری جلد ۸ کتاب الرقاق، باب" في الحوض" حدیث ۲ ۱۲۲، جلد ۹، کتاب الفتن، باب (۱) حدیث ۶۶۴۳، صحیح مسلم جلد ۷، کتاب الفضائل، باب" اثبات حوض نبینا" حدیث ۲۲۹۰.

قسطلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث میں تغییر وتبدیلی سے مراد دین اور آئین اسلام کی تغییر وتبدیلی ہے کیونکہ رسولؐ کی نفرین، لعنت اور پھٹکار اسی کے لئے مناسب ہے جو دین خدا میں تبدیلی کرے اور مرتد ہو جائے، لیکن معصیت اور تغییر عمل کرنے والوں کے لئے لعنت اور پھٹکار کا استعمال درست نہیں ہے، کیونکہ جو لوگ گنہ گار ہوں گے، ان کو رسول خداؐ کی شفاعت کے ذریعہ خداوند عالم کی رحمتِ واسعہ اور اس کا لطفِ عمیم شامل حال ہوگا، لہٰذا حدیث میں جن لوگوں کی طرف اشارہ ہے، وہ وہی افراد ہو سکتے ہیں جو مرتد ہو گئے ہوں، یہی لوگ رحمت پروردگار سے دور ہوں گے۔(۱)

۲۔امام مسلم نقل کرتے ہیں:

ایک روز رسول خداﷺ کا ایک قبرستان سے گزر ہوا تو آپ نے اہل قبرستان کو سلام کیا" **السلام علیکم دارقوم مؤمنین** " اور فرمایا: انشاء اللہ میں بھی تم سے ملحق ہوں گا، اس کے بعد فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ اپنے بھائیوں کو دیکھوں، اصحاب نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ فرمایا: نہیں تم میرے صحابہ ہو، میرے بھائی ابھی تو پیدا بھی نہیں ہوئے ہیں، اصحاب نے کہا: یا رسولؐ اللہ! وہ افراد جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے آپ ان کو کیسے پہچانتے ہیں؟ رسولؐ نے فرمایا: جو شخص سفید پیشانی کا ایک اونٹ رکھتا ہو گیا، وہ سیاہ پیشانی والے اونٹوں کے درمیان اپنے اُس اونٹ کو نہیں پہچان سکتا؟! صحابہ نے عرض کی: کیوں نہیں یا رسولؐ اللہ! رسولؐ نے فرمایا: میرے بھائی میدان محشر میں اس حالت میں میرے پاس وارد ہوں گے کہ ان کی پیشانیاں وضوء کے اثر سے سفید اور نورانی ہوں گی اور ان سے پہلے میں حوض کوثر پر وارد ہوں گا، پھر آپ نے فرمایا: آگاہ ہو جاؤ کہ ایک گروہ میرے پاس سے حوض کوثر پر روک دیا جائے گا، جیسے کہ ایک گم شدہ اونٹ کو دوسرے گلہ میں وارد ہونے نہیں دیتے، میں ان کو آواز دوں گا، میرے پاس آجاؤ، تو جواب دیا جائے گا: اے میرے رسولؐ! تیرے بعد انھوں نے کیا کیا دین میں تغیر وتبدل کر دیا تھا تم نہیں جانتے ؟!! میں اس وقت کہوں گا: یہ رحمت خدا سے دور ہوں! رحمت خدا سے دور ہوں!((......**الا لیذادن رجال عن حوضی کما یذادالبعیر الضال، انا دیھم الا ھلم فیقال: انھم**

(۱) ارشادالسّاری جلد ۹، کتاب الفتن، باب(۱) حدیث ۶۶۴۳. صفحہ ۳۴۰ .

قد بدلوا بعد ک، فاقول سحقاً سحقا)) (۱)

۳. ......"عن ام سلمة زوجة النبی (ص) انها قالت: کنت اسمع الناس یذکرون الحوض ولم اسمع ذالک من رسولؐ اللّٰہ،...... فقال رسولؐ اللّٰہ: انی لکم فَرَطٌ علی الحوض. فایا ی لایاتِیَنَّ احد کم فیُذَبُّ عنی کما یُذَبُّ البعیرُ الضالُّ. فاقول: فیم ھذا؟ فیقال: انک لا تدری ما احد ثوا بعدک؟! فا قول: سُحْقاً!!"

زوجہ رسولؐ ام سلمہ سے منقول ہے:

میں نے حوض کوثر کے سلسلے میں لوگوں سے بہت کچھ سن رکھا تھا، مگر کبھی رسول خداؐ سے کچھ نہ سنا تھا... ، اتفاقاً ایک روز رسول خداؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اے لوگو! میں تم سب سے پہلے حوض کوثر پر وارد ہوں گا، لہٰذا خبردار! تم میں سے کوئی شخص ایسا ہو جو میرے پاس آئے تو وہ میرے پاس سے بحکم خدا دور کر دیا جائے، جس طرح گمشدہ اونٹ کو گلہ سے دور کر دیتے ہیں اور پھر میں وہاں کہوں: آخر ان لوگوں کو میرے پاس سے کیوں دور کر دیا گیا؟ اور اس کے جواب میں مجھ سے کہا جائے: اے میرے رسولؐ! تم نہیں جانتے انھوں نے تمھارے بعد کیا کیا بدعتیں اسلام میں بھر دیں تھیں! اور پھر مجھے کہنا پڑے کہ تم رحمت خدا سے دور ہو جاؤ کیونکہ تم مستحق لعنت ہو!! (۲)

بعض صحابہ کا اعتراف حقیقت

یہ تھیں چند روایتیں جو بعد وفات پیغمبرؐ مسلمانوں کے ایک گروہ کے مرتد ہونے پر صحیحین میں منقول ہیں، ان روایات میں بعض کلمات ایسے ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ افراد دنیا میں رسولؐ کے بہت زیادہ قریب اور خاص تھے اور آنحضرتؐ ان سے بے حد الفت و محبت کرتے تھے، مثلاً کلمہ **"اَصحابِی، اُصَیحَابِی، مِنّی"** وغیرہ سے ان معانی کا استفادہ ہوتا ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۱، کتاب الطھارۃ، باب "استحباب اطالۃ الغرۃ والتحجیل فی الوضوء" حدیث ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹ و دیگر طرق متعددہ.

(۲) صحیح مسلم جلد ۷، کتاب الفضایل، باب (۹) "اثبات حوض نبینا" حدیث ۲۲۹۵.
(یہ حدیث متعدد طرق و اسناد کے ساتھ نقل کی گئی ہے)

چنانچہ جن اصحاب کی طرف روایت میں ارتداد کی نسبت دی گئی ہے، اُن کا بعض روایتوں میں اشارہ بھی ملتا ہے اور بعض کتابوں میں اس راز سے پردہ اٹھایا گیا ہے، حتیٰ کہ خود اپنی زبان سے اس بات کا اعتراف بھی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، بطور نمونہ ہم ذیل میں دو حدیثیں نقل کرتے ہیں جو صحیح بخاری میں مندرج ہیں:

۱۔ امام بخاری نے علاء بن مسیّب اور اس نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے:

جب میں نے براء بن عازب کو دیکھا تو اس کو جلیل القدر صحابی ہونے کی مبارک باد پیش کی اور اس بات پر فخر اور رشک کیا کہ اس نے درخت کے نیچے رسولؐ کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی اور براء کی اس بیعت اور رسولؐ کے ساتھ اس کی قربت کو اس کے لئے مایۂ افتخار و مباہات جانا، تو براء بن عازب میرا افتخار یہ جملہ سن کر کہنے لگا: اے بھتیجے یہ جو کچھ تو نے کہا وہ یقیناً لائق صد افتخار و مباہات ہے، لیکن کیا کروں یہ ساری میری فضیلتیں رائیگاں ہیں، کیونکہ تو نہیں جانتا ہم نے رسولؐ کی وفات کے بعد کیا کیا بدعتیں اسلام میں داخل کر دیں!!

"فقال: یابن اخی انک لاتدری ما احدثنا بعده؟ !"(۱)

۲۔ امام بخاری نے مسور بن مخرمہ سے روایت کی ہے:

جب عمر ابولؤ لؤ فیروز کے ہاتھوں زخمی ہوئے اور ان کو اپنی موت کا یقین ہو گیا، تو وہ بہت زیادہ رونے پیٹنے لگے۔

ابن عباس نے تسلی و تشفی دیتے ہوئے فرمایا:

اگر یہ زخم تیری موت کا سبب بن جائے تو کوئی گھبرانے کی بات نہیں، کیونکہ تیری زندگی مصاحبت

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۵، کتاب المغازی، باب "غزوة الحدیبیة" حدیث ۳۹۳۷، اسد الغابة جلد ۱ باب الباء والراء، ب - د - ع : البراء بن عازب بن الحارث . تهذیب التهذیب جلد ۱، ۷۸۵ (البراء) (السة) ص ۴۲۵.

نوٹ: براء بن عازب ان صحابہ میں سے ہیں جو جنگ احد اور دیگر ۱۳ یا ۱۴ جنگوں میں رسولؐ کے ساتھ شریک ہوئے، چنانچہ جب آپ جنگ بدر میں شریک ہونا چاہے تو آنحضرتؐ نے ان کو کم سن ہونے کی وجہ سے منع کر دیا تھا، آپ کی وفات ۷۲ھ میں ہوئی)۔

رسول اسلام کی وجہ سے ان پر صد افتخار ہے اور رسول اسلام بھی تم سے راضی تھے، ابوبکر بھی تم سے راضی تھے اور مسلمانوں کے ساتھ آپ نے ایسا برتاؤ کیا کہ تمام مسلمان بھی آپ کے کردار و اخلاق کی وجہ سے راضی و خوش ہیں، تو پھر آپ اس قدر کیوں رو رہے ہیں؟! عمر نے جواباً کہا:

"اما ما تراہ من جزعی فھو من اجلک و اجل اصحابک، واللہ لو ان لی طلاع الارض ذھباً لافتدیت بہ من عذاب اللہ عز و جل قبل ان اراہ"

اے ابن عباس! جو کچھ تم نے کہا وہ اپنی جگہ واقعاً صحیح اور درست ہے، لیکن جس وجہ سے تم مجھے حیران و پریشان دیکھ رہے ہو، وہ تمہاری اور تمہارے خاندان کی وجہ سے ہے، قسم بخدا میں آرزو کرتا ہوں کہ یہ سارا کرۂ ارض سونا بن جاتا اور میں وہ سب راہ خدا میں صدقہ کر دیتا قبل اس کے کہ عذاب خدا میرے اوپر نازل ہوتا! (۱)

والحمد للہ رب العالمین و صلی اللہ علی محمد و اھل بیتہ الذین بھم تمت الکلمۃ و عظمت النعمۃ اللھم احشرنا فی زمرۃ المتمسکین بھم و اللاعنین بقاتلھم. (آمین رب العالمین)

مؤلف: محمد صادق نجمی ۲۰/ جمادی الثانی ۱۴۱۲ھ بروز جمعہ شنبہ ... ۔

مترجم: محمد منیر خان ابن شہزاد علی خان مرحوم

۱۵/ مارچ ۱۹۹۷ء گرام و پوسٹ بڑھیا، ضلع کھیری لکھیم پور یوپی، ہندوستان، مقیم حال قم، ایران.

(۱) صحیح بخاری، ج ۵، کتاب فضائل الصحابۃ، باب "مناقب عمر بن الخطاب" حدیث ۳۴۸۹

کتاب ہذا کے منابعِ تحقیق کی فہرست

ایک یاددہانی

کتاب ھذا میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے جن نسخوں سے حوالے پیش کیے گئے ہیں ان کے سلسلہ میں ایک اہم وضاحت:

۱۔ **صحیح بخاری کا پہلا ایڈیشن:** اس کو بولاق پریس مصر سے سلطان عبدالحمید ثانی کے حکم سے ۱۳۱۲ھ میں مصر کے ۱۶ر جید علماء کی نگرانی میں چھاپا گیا اور اس نسخہ کے شائع ہونے کے بعد مصر کے سات علماء اور قاضیوں نے اس کی تصحیح فرمائی۔

دوسرا ایڈیشن: یہ ۱۲۷۲ھ میں ہندوستان سے شائع ہوا، یہ بہت ہی صحیح اور قابل اعتماد نسخہ مانا جاتا ہے، اس کی بڑی توجہ کے ساتھ غلط گیری کی گئی ہے اور اس ایڈیشن کی اہمیت کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کے آخر میں ۲۸ رصفحات پر مشتمل غلط نامہ ملحق ہے، حالانکہ اس زمانہ کی کتابوں کے آخر میں غلط نامہ وغیرہ تحریر کرنا مرسوم نہیں تھا، یہ چیز تو آجکل رواج پائی ہے۔

تیسرا ایڈیشن: یہ ایڈیشن شعب پریس مصر، سے شائع ہوا، افسوس کہ اس میں تاریخ اشاعت درج نہیں ہے۔

۲۔ **صحیح مسلم کا پہلا ایڈیشن:** یہ ایڈیشن ۱۳۳۴ھ میں مصر سے شائع ہوا، یہ دو جلدوں پر مشتمل ہے اور علامہ محمد شکری نے اس پر نوٹ لگایا ہے۔

دوسرا ایڈیشن: یہ ایڈیشن محمد فواد عبد الباقی کی تحقیق اور شرح نووی کے حاشیہ کے ساتھ ۱۳۷۴ھ میں شائع ہوا، جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔

مترجم

اس کتاب میں قرآنی آیات کا ترجمہ، مفسر و مترجم قرآن مجید، حافظ فرمان علی صاحب کے ترجمہ قرآن سے اور خطبات نہج البلاغہ کا ترجمہ، مفتی جعفر حسین صاحب طاب ثراہ کے ترجمہ نہج البلاغہ سے اخذ کیا گیا ہے، نیز صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے جن جدید نسخوں کی تحقیق کر کے اس ترجمہ میں ابواب و احادیث نمبر اور حوالے نقل کرنے میں استفادہ کیا گیا ہے ان کے مشخصات یہ ہیں:

۳۔ صحیح البخاری۔ تحقیق تصحیح و تعلیق ڈاکٹر مصطفیٰ دیب البغاء، مدرس جامع ازہر مصر مجلدات: ۶، ناشر: دار ابن کثیر، دمشق، شام، بیروت لبنان، ایڈیشن ۱۹۸۷ء، ۱۴۰۷ھ

۴۔ صحیح مسلم، مجلدات: ۴، پہلا ایڈیشن ۱۹۵۶ء، مطابق ۱۳۷۵ھ، ناشر: دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۲

منابع تحقیق کی دیگر فہرست

۵. الام

مؤلف: محمد بن ادریس امام شافعی، ۲۰۴ھ، مجلد ۸، دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۳ء، ۱۴۰۳ھ، ناشر: دار الفکر، بیروت، لبنان

۶. ابو هريرة

مؤلف: مرحوم علامہ فقید سید شرف الدین، ۱۳۷۷ھ، مجلد ۱، ناشر: انتشارات انصاریان، قم، مطبوعہ بہمن۔

۷. الاتقان فی علوم القرآن

مؤلف: جلال الدین عبد الرحمن سیوطی شافعی، ۹۱۱ھ، تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم مجلدات: ۲، سن

اشاعت: ۱۳۸۰ھ ش. مطبع نور، ناشر: فخر قم ایران.

۸. ادب المفرد

مؤلف: محمد بن اسمٰعیل بخاری، ۲۵۶ھ. تحقیق: محمد فوأد عبد الباقی مجلد: ۱، سن اشاعت: ۱۹۸۶ء، ۱۴۰۶ھ، پہلا ایڈیشن، ناشر: مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت، لبنان.

۹. الاجتہاد

مؤلف: ڈاکٹر موسیٰ توانا افغانی (دور حاضر کے عالم اہل سنت) مجلد ا، مطبوعہ: قاہرہ، مصر.

۱۰. اجوبۃ مسائل جار اللہ

مؤلف: علامہ فقید سعید شرف الدین، ۱۳۷۷ھ مجلد: ۱، سن اشاعت: ۱۳۷۳ھ، ۱۹۵۳ء، دوسرا ایڈیشن، مطبوعہ: العرفان، صیدا، بیروت.

۱۱. الاحکام فی اصول الاحکام (المعروف بہ الاحکام آمدی)

مؤلف: سیف الدین ابی الحسن علی ابن ابی علی ابن محمد آمدی، ۶۳۱ھ مجلدات: ۲، ناشر: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان.

۱۲. احقاق الحق

مؤلف: شہید ثالث، قاضی نور اللہ شوستری ہندی، متوفی ۱۰۱۹ھ. تحقیق وحاشیہ: آقای نجفی مرعشی ۱۰۱۹ھ.

۱۳. ارشاد الساری، شرح صحیح البخاری

مؤلف: شہاب الدین احمد ابن حجر قسطلانی، ۸۵۵ھ مجلدات: ۱۵، سن اشاعت: ۱۴۲۱ھ۔ ۲۰۰۰ء. ناشر: دار الفکر، بیروت.

۱۴. الاستیعاب فی اسماء الاصحاب (یہ اصابہ کے حاشیہ پر شائع ہوئی ہے)

مؤلف: الحافظ ابن عبد البر النمیری اندلسی ۴۶۳ھ مجلدات: ۴، سن اشاعت: ۱۳۲۸ھ، پہلا ایڈیشن. ناشر: مکتبۃ التجاریۃ کبریٰ، قاہرہ، مصر.

۱۵. استقصاء الافحام

۱۶. اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ

مؤلف: ابن اثیر عزالدین ابوالحسن محمد بن محمد م ۶۳۰ھ، مجلدات: ۵، ناشر: انتشارات اسماعیلیان، طہران

۱۷. الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ

مؤلف: ابن حجر احمد بن علی العسقلانی، م ۸۵۲ھ، تحقیق: عادل احمد عبدالموجود، مجلدات: ۸، سن اشاعت: ۱۴۱۵ھ، ناشر: دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

۱۸. اضواء علی السنۃ المحمدیۃ

مؤلف: شیخ محمود ابوریہ مصری، سنہ ۱۹۷۰ء، مجلد ا، پانچواں ایڈیشن، مطبوعہ: دارالکتاب الاسلامی

۱۹. اعیان الشیعہ

مؤلف: محسن امین، سن اشاعت ۱۳۵۱ھ، ۱۹۳۵ء، مطبعہ ابن زیدون، دمشق

۲۰. الاغانی

مؤلف: ابوالفرج علی بن الحسین الاصفہانی البغدادی، م ۳۵۶ھ، مجلدات: ۲۱، سن اشاعت ۱۹۵۵ء، ناشر: دارالفکر، بیروت

۲۱. الغدیر

مؤلف: علامہ فقید شیخ عبدالحسین امینیؒ متوفی ۱۳۹۲ھ، مجلدات: ۱۱، سن اشاعت ۱۳۷۹ھ، مطبوعہ: دارالکتاب العربی، بیروت

۲۲. اقرب الموارد فی فصح العربیۃ والشوارد

مؤلف: سعید الخوری شرتونی لبنانی عفی عنہ، مجلدات: ۳، سن اشاعت ۱۴۰۳ھ، ناشر: مکتبہ آیۃ ا..... مرعشی، قم، ایران

۲۳. الامامۃ والسیاسۃ (المعروف بہ تاریخ الخلفاء)

مؤلف: عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری م ۲۷۶ھ، تحقیق: علی شیری، مجلد: ۲، سن اشاعت: ۱۴۱۳ھ، مطبع: امیر قم، ناشر: انتشارات شریف رضی، قم، ایران

۲۴. الامام المالک

مؤلف: ابوزہرہ (دور حاضر کے عالم اہل سنت) متوفی ۱۹۵۲ء، مجلد: ۱، سن اشاعت ۱۳۶۱ھ، ناشر: دار

الفکر العربی، ۱۳۶۷ھ، مصر.

۲۵. **الامام الشافعی**

مؤلف: محمد ابو زہرہ (دور حاضر کے عالم اہل سنت) متوفی ۱۹۵۲ء مجلد ا بن اشاعت: ۱۳۶۷ھ، ناشر: دارالفکر العربی، ۱۳۶۷ھ، مصر.

۲۶. **انجیل** **متی**

۲۷. **انجیل** **یوحنا**

۲۸. **انجیل** **لوقا**

۲۹. **انساب الاشراف**

مؤلف: احمد بن یحی بن جابر البلاذری (متوفی تیسری صدی ہجری) تحقیق: محمد باقر محمودی مجلدات: ا، سن اشاعت: ۱۳۹۴ھ، پہلا ایڈیشن، ناشر: مؤسسہ اعلمی، بیروت.

۳۰. **النص والاجتہاد**

مؤلف: علامہ فقید سعید شرف الدین، ۱۳۷۷ھ تحقیق: ابومجتبی مجلدات: ا، سن اشاعت: ۱۴۰۴ھ، پہلا ایڈیشن، ناشر ابومجتبی مطبع: سید الشہداء علیہ السلام قم، ایران.

۳۱. **اوائل المقالات**

مؤلف: محمد بن محمد بن نعمان ابن المعلم (المعروف بہ شیخ مفید) ۴۱۳ھ تحقیق: ابراہیم انصاری۔ زنجانی خوئینی سن اشاعت: ۱۴۱۴ھ، ۱۹۹۳ء مجلد ا، ناشر: دارالمفید، بیروت، لبنان.

(ب)

۳۲. **بحار الانوار لدرر اخبار الائمة الاطهار (علیہم السلام)**

مؤلف: علامہ محمد باقر مجلسی، ۱۱۱۱ھ مجلدات: ۱۱۰، سن اشاعت: ۱۴۰۳ھ، ۱۹۸۳ء، دوسرا ایڈشن مطبوعہ: مؤسسۃ الوفاء، بیروت، لبنان.

۳۳. **البدایۃ والنہایۃ**

مؤلف: ابن کثیر اسماعیل بن عمر دمشقی شافعی ۷۷۴ھ تحقیق: علی شیری مجلدات: ۱۴، سن اشاعت: ۱۴۰۸ھ

،دوسرا ایڈیشن، ناشر: دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان

۳۴. بدایة المجتهد و نهایة المقتصد

مؤلف: ابن رشد ابوالولید محمد بن احمد اندلسی مالکی ۵۹۵ھ، تحقیق: خالد العطار، مجلدات: ۲، سن اشاعت: ۱۴۱۵ھ، ناشر: دار الفکر، بیروت، لبنان۔

۳۵. بلاغات النساء

مؤلف: ابوالفضل احمد بن ابی طاہر معروف بہ ابن طیفور ۲۸۰ھ، مجلدات: ۱، ناشر: بصیرتی، قم، ایران۔

۳۶. بیان در علوم و مسائل کلی قرآن

مترجم: محمد صادق نجمی مدظلہ، مجلد ۱، مطبوعہ قم، ایران

(ت)

۳۷. تاسیس الشیعه لعلوم الاسلامی

مؤلف: حسن صدر متوفی ۱۹۳۵ء، مجلد ۲، ناشر: مرکز نشر عراقی، نجف

۳۸. تاریخ الخلفا

مؤلف: حافظ جلال الدین عبد الرحمان ابن ابی بکر سیوطی شافعی ۹۱۱ھ، تحقیق: محمد محی الدین عبد الحمید، مجلدات: ۱، سن اشاعت ۱۳۷۱ھ ۱۹۵۲ء، پہلا ایڈیشن، ناشر: مطبعة السعادة، مصر

۳۹. تاریخ ابن خلکان

مؤلف: احمد بن محمد ابن خلکان شافعی ۶۸۱ھ

۴۰. تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس

مؤلف: حسین بن محمد بن حسن دیار بکری مالکی قاضی مکہ ۹۸۲ھ، مجلدات: ۲، ناشر: موسسة الشعبان، بیروت، لبنان۔

۴۱. تاریخ الیعقوبی

مؤلف: احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب ابن واضح (المعروف بہ یعقوبی) ۲۸۴ھ، مجلدات: ۲، ناشر: دار صادر، بیروت۔

۴۲. تاریخ بغداد

مؤلف: خطیب بغدادی ۴۶۳ھ تحقیق: مصطفیٰ عبدالقادر مجلدات: ۸، سن اشاعت: ۱۸۷۹ء ناشر: مؤسسۂ اعلمی، بیروت۔

۴۳. **تاریخ الطبری (تاریخ الامم والملوک**

مؤلف: ابوجعفر محمد بن جریر طبری، ۳۱۰ھ تحقیق: نخبۃ من العلماء والاجلاء مجلدات: ۸، سن اشاعت: ۱۸۷۹ء ناشر: مؤسسۂ اعلمی، بیروت۔

۴۴. **تدریب الراوی شرح تقریب النواوی**

مؤلف: حافظ جلال الدین عبد الرحمان ابن ابی بکر سیوطی شافعی، ۹۱۰ھ تحقیق: محمد محی الدین عبد الحمید۔ تحقیق: عبدالوہاب اللطیف مجلد: ۱، کل صفحات: ۳۵۷، سن اشاعت: ۱۳۸۵ھ، ۱۹۶۶ء، دوسرا ایڈیشن، ناشر: دار الکتب الحدیثہ، مصر۔

۴۵. **تذکرۃ الحفاظ**

مؤلف: ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی دمشقی شافعی، ۷۴۸ھ مجلدات: ۴، ناشر: مکتبۃ الحرم المکی (بتوسط وزارت معارف الحکومۃ العالیۃ الہندیۃ) مکہ۔

۴۶. **ترجمہ تاریخ اعثم کوفی**

مؤلف: ابومحمد بن اعثم کوفی مطبوعہ ایران (زیر اکس وزارت اوقاف جمہوریۂ عراق)۔

۴۷. **تزیین الممالک فی مناقب الامام المالک**

مؤلف: حافظ جلال الدین عبدالرحمان ابن ابی بکر سیوطی شافعی، ۹۱۰ھ ۔

۴۸. **تطہیر الجنان**

مؤلف: شہاب الدین احمد بن محمد بن علی ابن حجر الہیثمی المکی، ۹۷۳ھ۔

۴۹. **تفسیر ابن کثیر**

مؤلف: ابن کثیر دمشقی، ۷۷۴ھ مجلدات: ۴، سن اشاعت: ۱۴۱۲ھ، مطبوعہ: دار المعرفۃ، بیروت۔

۵۰. **تفسیر احکام القرآن**

مؤلف: ابوبکر احمد بن علی رازی، جصاص، بغدادی حنفی، ۳۷۰ھ مجلدات: ۳، سن اشاعت: ۱۴۱۵ھ،

پہلا ایڈیشن، مطبوعہ: دار العلمیہ بیروت، لبنان

۵۱۔ تفسیر برہان (البرهان فی تفسیر القرآن)

مؤلف: سید ہاشم حسینی بحرانی، م ۱۱۰۷ھ، تحقیق: قسم الدراسات الاسلامیہ مؤسسۃ البعثۃ، مجلدات: ۱۰، سن اشاعت: ۱۴۱۹ھ، ۱۹۹۹ء، پہلا ایڈیشن، ناشر: مؤسسۃ البعثۃ، بیروت، لبنان۔

۵۲۔ تفسیر بغوی (معالم التنزیل فی التفسیر والتاویل)

مؤلف: حسن بن مسعود الفراء البغوی الشافعی، م ۵۱۰ھ، مجلدات ۵، سن اشاعت: ۱۴۰۵ھ، ۱۹۸۵ء، ناشر: دار الفکر، بیروت، لبنان۔

۵۳۔ تفسیر تبیان (التبیان فی تفسیر القرآن)

مؤلف: شیخ الطائفہ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، م ۴۶۰ھ، تحقیق: احمد حبیب، قیصر عاملی، مجلدات: ۱۰، سن اشاعت: ۱۴۰۹ھ، ناشر: مکتب الاعلام الاسلامی

۵۴۔ تفسیر الخازن (المسمی لباب التاویل فی معانی التنزیل)

مؤلف: علاء الدین علی بن محمد بغدادی مشہور بہ خازن، م ۷۴۱ھ، ناشر: مکتبہ تجاریہ کبری، قاہرہ، مصر۔

۵۵۔ تفسیر الدر المنثور (بهامشه القرآن المجید مع تفسیر ابن عباس

مؤلف: جلال الدین عبد الرحمان سیوطی، م ۹۱۱ھ، مجلدات: ۶، سن اشاعت: ۱۳۶۵ھ، پہلا ایڈیشن، مطبوعہ: الفتح جدہ، ناشر: دار الفکر، بیروت۔

۵۶۔ تفسیر روح المعانی فی تفسیر قرآن العظیم والسبع المثانی

مؤلف: محمود بن عبد اللہ بغدادی آلوسی شافعی، م ۱۲۷۰ھ، مجلدات: ۱۵، سن اشاعت: ۱۴۰۵ھ، ۱۹۸۵ء، ناشر: دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان۔

۵۷۔ تفسیر الطبری (الجامع البیان عن تاویل آی القرآن)

مؤلف: ابوجعفر محمد بن جریر طبری، م ۳۱۰ھ، تحقیق: صدقی جمیل العطار، مجلدات: ۳۰ جزء، سن اشاعت: ۱۴۱۵ھ، ناشر: دار الفکر، بیروت، لبنان۔

۵۸۔ تفسیر قرطبی (الجامع لاحکام القرآن)

مؤلف: ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری (یحیی بن سعدون اندلسی) قرطبی، ۶۷۱ھ مجلدات: ۲۰، سن اشاعت: ۱۴۰۵ھ، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت لبنان.

۵۹. التفسیر الکبیر

مؤلف: محمد بن عمر امام فخر الدین رازی شافعی، ۶۰۶ھ مجلدات: ۱۷، سن اشاعت: ۱۴۱۱ھ، ۱۹۹۰ء، پہلا ایڈیشن.

۶۰. تفسیر الکشاف

مؤلف: جاراللہ محمود بن عمر زمخشری، ۵۳۸ھ مجلدات: ۴، سن اشاعت: ۱۴۱۴ھ، ناشر: مکتب الاعلام الاسلامی.

۶۱. تفسیر مجمع البیان

مؤلف: ابی علی الفضل بن حق الطبرسی (امین الاسلام) ۵۴۸ھ تحقیق: لجنۃ من العلماء والمحققین مجلدات ۱۰، سن اشاعت: ۱۴۱۵ھ، پہلا ایڈیشن، ناشر: مؤسسۃ الاعلمی مطبوعات، بیروت.

۶۲. تفسیر محاسن التاویل (المشہور بہ تفسیر القاسمی)

مؤلف: محمد جمال الدین قاسمی، متوفی ۱۳۳۲ھ مجلدات: ۱۷، سن اشاعت: ۱۳۹۸ھ، ۱۹۷۸ء، ناشر: دارالفکر، بیروت، لبنان.

۶۳. تفسیر المراغی

مؤلف: احمد مصطفیٰ المراغی مجلدات: ۱۰، (۳۰ جزء) سن اشاعت: ۱۹۸۵ھ، ناشر: داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان.

۶۴. تفسیر المنار

شیخ محمد عبدہ مصری ۱۳۲۳ھ، وترتیب کردہ: رشید رضا مصری مجلدات: ۱۲، دوسرا ایڈشن، دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان.

۶۵. تفسیر المیزان

مؤلف: علامہ محمد حسین طباطبائی (متوفی ۱۴۰۲ھ) مجلدات: ۱۰، ناشر: جامعۃ المدرسین، حوزۂ علمیہ، قم ایران

۶۶. تفسیر نور الثقلین

مؤلف: المحدث الحر یر الشیخ عبد علی بن جمعة العروسی الحویزی، ۱۱۱۲ھ تحقیق: ہاشم رسول محلاتی مجلدات: ۵ سن اشاعت: ۱۴۱۲ھ، چوتھا ایڈیشن، ناشر: موسسہ اسماعیلیان قم ایران.

۶۷. التقریب

مؤلف: فاضل نووی دمشقی ۶۷۶ھ مجلد ۱ سن اشاعت: ۱۹۸۷ء پہلا ایڈیشن، ناشر: دار الکتب العلمیہ، بیروت.

۶۸. تہذیب التہذیب

مؤلف: شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی، ۸۵۲ھ مجلدات: ۱۲، سن اشاعت: ۱۴۰۴ھ، پہلا ایڈیشن. ناشر: دار الفکر، بیروت، لبنان.

۶۹. تہذیب الاسماء واللغات

مؤلف: فاضل نووی متوفی ۶۷۶ھ مجلدات: ۱، کل صفحات: ۲۰۲، ناشر: ادارة الطباعة المنیریة، مصر.

۷۰. توریت ....

(ج)

۷۱. جامع بیان العلم وفضلہ

مؤلف: الحافظ ابن عبد البر اندلسی، ۴۶۳ھ مجلدات: ۲، سن اشاعت: ۱۹۶۸ء، دوسرا ایڈیشن، ناشر: مکتبہ سلفیہ، مکہ.

۷۲. جامع احادیث الشیعة

مؤلف: آقا حسین طباطبائی بروجردی مجلدات: ۳۱، سن اشاعت: ۱۴۱۷ھ، مطبع مہر قم، ایران.

(د)

۷۳. دراسات فی الکافی والصحیح البخاری

مؤلف: ہاشم معروف الحسینی (دور حاضر کے مشہور مؤلف) مجلد ۱، سن اشاعت: ۱۳۸۸ھ، ۱۹۶۸ء، پہلا ایڈیشن، مطبع: صور الحدیثة، لبنان الجنوبی.

۷۴. در لمین فی مبشرات نبی الامین

۷۵. دائرة المعارف القرن العشرین

مؤلف: محمد فرید وجدی مجلدات: ۱۰، سن اشاعت ۱۹۷۱ء. تیسرا ایڈیشن. ناشر: دار المعارف. بیروت، لبنان.

۷۶. ذخائرا لعقبی فی مناقب ذوی القربی.

مؤلف: احمد بن عبداللہ (المعروف بہ) محب الدین طبری، ۶۹۴ھ. مجلد: ۱، سن اشاعت: ۱۳۵۶ھ، مطبوعہ: مکتبۃ القدسی، لحسام الدین، قاہرہ، مصر.

۷۷. الذریعة الی تصانیف الشیعة

مؤلف: علامہ شیخ، آقا بزرگ الطہرانی، ۱۳۸۹ھ مجلدات: ۱۶، سن اشاعت: ۱۴۰۳ھ، تیسرا ایڈیشن، ناشر: دار الاضواء، بیروت، لبنان.

۷۸. ربیع الابرار و نصوص الاخبار (زیراکس رسالة دیوان والاوقاف احیاء التراث العربی، عراق)

مؤلف: جار اللہ زمخشری، ۵۳۸ھ. تحقیق: ڈاکٹر سلیم نعیمی مجلدات: ۵، ناشر: انتشارات شریف رضی، قم ایران.

۷۹. رجال نجاشی

مؤلف: شیخ ابو العباس، احمد بن علی، النجاشی الاسدی الکوفی متوفی، ۴۵۰ھ، تحقیق: موسوی شبیری زنجانی. مجلد ۱، پانچواں ایڈیشن، ناشر: مؤسسہ نشر الاسلامی، التابعہ لجامعۃ المدرسین، قم، ایران.

۸۰. روضة الکافی (الکافی)

مؤلف: ثقۃ الاسلام شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق کلینی رازی، ۳۲۹ھ. تحقیق: علی اکبر غفاری مجلدات: ۸، سن اشاعت: ۱۳۸۸ھ ش، تیسرا ایڈیشن، مطبع: حیدری. ناشر: دار الکتب الاسلامیہ، آخوندی، طہران.

۸۱. الریاض النضرة فی مناقب العشرة

مؤلف: احمد بن عبداللہ (المعروف بہ) محب الدین طبری، ۶۹۴ھ. تحقیق: عیسی عبد اللہ محمد مانع

الحمیری مجلدات: ۲، سن اشاعت ۱۹۹۶ء، پہلا ایڈیشن، ناشر: دار الغرب الاسلامی، بیروت۔

۸۲۔ ریحانۃ الادب فی تراجم المعروفین بالکنیۃ واللقب

مؤلف: استاد و متبع فقید مدرس تبریزی ۱۳۷۳ھ مجلدات ۶ شفق پریس، تبریز، ایران

(س)

۸۳۔ سر العالمین و کشف ما فی الدارین

مؤلف: ابو حامد محمد بن محمد امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ مجلد ۱، سن اشاعت: ۱۹۶۵ء، دوسرا ایڈیشن، مطبوعہ: نعمان پریس، النجف الاشرف، عراق۔

۸۴۔ السنۃ قبل التدوین

مؤلف: ڈاکٹر محمد عجاج الخطیب مجلدات: ۱، پانچواں ایڈیشن، ناشر: دار الفکر، بیروت، لبنان۔

۸۵۔ سنن ابن ماجہ

مؤلف: محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی، ۲۷۳ھ تحقیق: محمد فؤاد عبد الباقی مجلدات ۲ ناشر: دار الفکر، بیروت، لبنان۔

۸۶۔ سنن ابی داؤد

مؤلف: سلیمان بن اشعث ابی داؤد سجستانی، ۲۷۵ھ تحقیق: سعید محمد لحام مجلدات: ۲، سن اشاعت: ۱۹۹۰ء، ۱۴۱۰ھ، پہلا ایڈیشن، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت

۸۷۔ سنن الترمذی

مؤلف: محمد بن عیسی ترمذی، ۲۷۹ھ تحقیق: عبد الوہاب عبد اللطیف مجلدات: ۵، سن اشاعت: ۱۴۰۳ھ مطبوعہ: دار الفکر، بیروت

۸۸۔ سنن دارمی

مؤلف: ابو محمد عبد اللہ بن بہرام دارمی، ۲۵۵ھ مجلدات: ۲، مطبوعہ: مطبعۃ الاعتدال، دمشق، شام۔

۸۹۔ سنن نسائی

مؤلف: احمد بن شعیب نسائی ۳۰۳ھ مجلدات: ۸، سن اشاعت ۱۹۳۰ء، ۱۳۴۸ھ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت، لبنان۔

۹۰۔ السیرۃ النبویۃ

مؤلف: ابومحمد عبدالملک بن ہشام بن ایوب الحمیری، ۲۱۸ھ تحقیق: محمد محی الدین، عبدالمجید۔ مجلدات: ۴، سن اشاعت: ۱۳۸۳ھ۔ ناشر: مکتبہ محمد علی صبیح واولادہ۔

۹۱. السیرة الحلبیة

مؤلف: علی بن برہان الدین الحلبی الشافعی محشی: احمد زینی دحلان مجلدات: ۴، ناشر: مکتبہ اسلامی، بیروت۔

(ش)

۹۲. الشافی فی الامامة

مؤلف: ذوالمجدین ابوالقاسم علی بن الحسین سید مرتضی علم الهدی، ۴۳۶ھ مجلدات: ۴، سن اشاعت: ۱۴۱۰ھ، دوسرا ایڈیشن، ناشر: مؤسسہ اسماعیلیان، قم۔

۹۳. شرح السنة

مؤلف: حسین بن مسعود شافعی بغوی، ۵۱۶ھ مجلدات: ۸، سن اشاعت: ۱۴۱۴ھ، ۱۹۹۴ء۔ ناشر: دار الفکر، بیروت، لبنان۔

۹۴. شرح تجرید قوشجی

مؤلف: مولا علاء الدین علی بن محمد قوشچی، ۸۷۹ھ مجلدا، سال اشاعت: ۱۲۸۵ھ۔

۹۵. شرح مشکاة شریف

مؤلف: نورالدین ہروی۔

۹۶. شرح صحیح مسلم

مؤلف: یحیی بن شرف الدین (المعروف بہ فاضل نووی)، ۶۷۶ھ، مجلدات: ۱۸، سن اشاعت: ۱۴۰۷ھ، ۱۹۸۷ء۔ دوسرا ایڈیشن مطبوعہ: دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان۔

۹۷. شرح نهج البلاغه

مؤلف: عز الدین عبدالحمید معروف بہ ابن ابی الحدید معتزلی، ۵۸۶ھ تحقیق: محمد ابو الفضل ابراہیم مجلدات: ۲۰، سن اشاعت: ۱۳۷۸ھ، ۱۹۵۹ء، ناشر: داراحیاء الکتب العربیة، بیروت۔

۹۸. شیخ المضیرة

مؤلف: شیخ محمود ابوریہ مصری [illegible]۱۹ء، مجلد ۱، مطبوعہ دار المعارف، بیروت، لبنان، چھٹا ایڈیشن

(ص)

۹۹۔ الصدیق ابوبکر

مؤلف: محمد حسین ہیکل، ناشر دار المعارف مصر، چھٹا ایڈیشن

۱۰۰۔ الصواعق المحرقة علی اہل الرفض والضلال والزندقة

مؤلف: شہاب الدین احمد بن محمد بن علی ابن حجر ہیتمی المکی ۹۷۴ھ، تحقیق عبدالرحمن بن عبداللہ الترکی وکامل محمد الخراط، مجلدات ۲، سن اشاعت ۱۹۹۷ء، پہلا ایڈیشن

(ض)

۱۰۱۔ ضحی الاسلام

مؤلف: احمد امین متوفی ۱۹۵۴ء، مجلدات ۳، سن اشاعت ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء، ناشر لجنة التالیف والترجمة والنشر، قاہرہ، مصر

(ط)

۱۰۲۔ طبقات ابن سعد (الطبقات الکبری)

مؤلف: ابن سعد محمد بصری کاتب واقدی، ۲۳۰ھ، مجلدات ۸، ناشر دار صادر، بیروت، لبنان

۱۰۳۔ الطبقات شعرانی (الطبقات الکبری)

مؤلف: عبدالوہاب بن احمد بن علی انصاری شافعی مصری، ناشر دار العلم [illegible]

(ع)

۱۰۴۔ عارضة الاحوذی شرح سنن الترمذی

مؤلف: حافظ ابن عربی، ۵۴۳ھ، مجلدات ۸، سن اشاعت ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء، چھٹا ایڈیشن، ناشر: دار الفکر، بیروت، لبنان

۱۰۵۔ عبد اللہ بن سبا واساطیر اخری

مؤلف: علامہ مجاہد سید مرتضیٰ عسکری دام ظلہ، مجلدات ۲، سن اشاعت ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء، ناشر نشر التوحید قم، ایران

۱۰۶. عبقریۃالصدیق

مؤلف:عباس محمود العقاد مجلدات:۱، ناشر دار الکتب العربی، کل صفحات:۲۱۲، مطبوعہ: بیروت.

۱۰۷. عقدالفرید

مؤلف: احمد بن عبد (عبد ربہ) اندلسی مالکی، ۳۲۸ھ مجلدات : ۷. ناشر: دار الکتاب الکتب العربی ، بیروت، لبنان. سن اشاعت: ۱۴۰۳ھ، ۱۹۸۳ء.

۱۰۸. العلو لعلی الغفار

مؤلف: محمد بن احمد بن عثمان بن قائماز (المعروف بہ شمس الدین الذہبی) متوفی ۷۴۸ھ. مجلد ا، سن اشاعت: ۱۳۸۸ھ، دوسرا ایڈیشن. ناشر سلفیہ کتابفروشی، مدینہ منورہ.

۱۰۹. عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری

مؤلف: بدرالدین عینی، ۸۵۵ھ مجلدات: ۱۲، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت، لبنان.

۱۱۰. عون المعبود شرح سنن ابی داؤد

مؤلف: عبدالرحمٰن شرف الحق محمد اشرف صدیقی عظیم آبادی، ۱۳۲۲ھ تحقیق: عبدالرحمٰن محمد عثمان. مجلدات: ۱۴، سن اشاعت: ۱۴۲۱ھ، ناشر: داراحیاء التراث العربی، بیروت.

(ف)

۱۱۱. الفتاوی الحدیثہ (معہ حاشیہ کتاب "الدرر المنتثرۃ فی الاحادیث المشتھرۃ" مؤلفہ جلال الدین سیوطی)

مؤلف: شہاب الدین احمد بن محمد بن علی حجر مکی ہیثمی ۹۷۳ھ مجلد ا، کل صفحات، ۲۴۱، ناشر: دارالفکر، بیروت، لبنان.

۱۱۲. الفتاوی

مؤلف: شیخ محمود شلتوت مصری (دور حاضر کے عالم اہل سنت) مجلدات: ۱، سولھواں ایڈیشن ، ۱۹۹۱ء، ناشر: دارالشروق، مصر.

۱۱۳. فتح الباری، شرح صحیح بخاری

مؤلف: ابن حجر عسقلانی شافعی، ۸۵۲ھ مجلدات: ۱۳، دوسرا ایڈیشن، مطبوعہ: دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان.

۱۱۴. فتح المجید شرح کتاب التوحید

مؤلف: شیخ عبدالرحمٰن مجلدات: ا، سن اشاعت: ۱۲۵۸ھ مطبوعہ: قاہرہ، مصر۔

۱۱۵. فتح المنعم شرح زاد المسلم فیما اتفق علیہ البخاری و مسلم

مؤلف: محمد حبیب اللہ المشہور بہ مایابی ۱۳۶۳ھ

۱۱۶. الفرق بین الفرق و بیان الفرقۃ الناجیۃ

مؤلف: عبدالقاہر بن طاہر بن عبدالبغدادی اسفرائینی متوفی ۴۲۹ھ تحقیق: محمد محی الدین مجلد ا، ناشر: دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان۔

۱۱۷. الفصول المہمۃ فی تالیف الامۃ

مؤلف: علامہ فقید سعید شرف الدین۔ چھٹا ایڈیشن، مطبوعہ طہران

۱۱۸. الفقہ علی المذاہب الاربعۃ (اس کتاب کے ساتھ "مذہب اہل البیت" نامی کتاب بھی شائع ہوئی ہے جس کے مؤلف: سید محمد غروی ہیں)۔

مؤلف: الشیخ عبدالرحمٰن الجزیری (دور حاضر کے عالم اہل سنت) مجلدات: ۵، سن اشاعت: ۱۴۱۹ھ۔ ۱۹۹۸ء، ناشر: دارالثقلین، بیروت، لبنان

۱۱۹. الفہرست

مؤلف: ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی متوفی، ۴۶۰ھ تحقیق: مؤسسۃ نشر الفقاہۃ، شیخ جواد القیومی۔ مجلدات: ا، سن اشاعت ۱۴۱۷ھ، پہلا ایڈیشن، ناشر: مؤسسۃ نشر الفقاہۃ قم ایران۔

(ک)

۱۲۰. الکامل فی التاریخ (مشہور بہ تاریخ کامل)

مؤلف: ابن اثیر عزالدین ابوالحسن علی بن محمد، ۶۳۰ھ تحقیق: ابوالفداء عبداللہ قاضی مجلدات: ۱۰، سن اشاعت: ۱۴۱۵ھ، ۱۹۹۵ء، دوسرا ایڈیشن، ناشر: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۱۲۱. کتاب سلیم بن قیس

مؤلف: سلیم بن قیس ہلالی، ۹۰ھ تحقیق: شیخ محمد باقر انصاری، زنجانی خوئینی مجلد ا، مطبوعہ: قم، ایران۔

۱۲۲. کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون

مؤلف: مصطفیٰ بن عبداللہ قسطنطینی رومی حنفی (المشہور بہ حاجی خلیفہ وکاتب چلپی) متوفی ۱۰۶۷ھ. تحقیق: ابراہیم الزیبق مجلدات: ۲، سن اشاعت: ۱۴۱۳ھ، ۱۹۹۲ء، پہلا ایڈیشن.

۱۲۳. کفایۃ الطالب

مؤلف: محمد بن یوسف گنجی شافعی، ۶۵۸ھ. تحقیق: محمد ہادی امینی مجلدات: ۱، سن اشاعت: ۱۹۹۳ء، ناشر: شرکۃ الکتبی، بیروت، لبنان.

۱۲۴. کنزالعمال

مؤلف: علاء الدین علی متقی ہندی، متوفی، ۹۷۵ھ، تحقیق: شیخ بکری حیانی مجلدات: ۱۴، مطبوعہ: مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان.

۱۲۵. الکنی والالقاب

مؤلف: مورخ ومحقق کبیر مرحوم شیخ عباس قمی، ۱۳۵۹ھ مجلدات: ۳.

(ق)

۱۲۶. قبول الاخبار ومعرفۃ الرجال

مؤلف: ابی القاسم عبداللہ احمد بن احمد بن محمود الکعبی البلخی، ۳۱۹ھ. تحقیق: ابی عمرو الحسینی بن عمر بن عبد الرحیم مجلدات: ۲، سن اشاعت: ۱۴۲۱ھ، ۲۰۰۰ء، ناشر: دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان.

۱۲۷. قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث

مؤلف: محمد جمال قاسمی. تحقیق: محمد بہجۃ البیطار مجلدات: ۱، کل صفحات: ۴۱۵، سن اشاعت: ۱۳۸۰ھ، ۱۹۶۱ء دوسرا ایڈیشن، ناشر: دارالاحیاء الکتب العربیہ (عیسی البابی الحلبی وشرکاہ، قاہرہ، مصر.

۱۲۸. القول الصراح

مؤلف: شیخ الشریعۃ اصفہانی، تحقیق: جعفر سبحانی مطبوعہ: قم.

(ل)

۱۲۹۔ لسان المیزان

مؤلف: شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی، ۸۵۲ھ مجلدات ۷، سن اشاعت: ۱۳۹۰ھ، ۱۹۷۱ء، دوسرا ایڈیشن، ناشر: مؤسسہ اعلمی، بیروت، لبنان۔

۱۳۰۔ اللیالی المصنوعۃ فی احادیث الموضوعۃ

مؤلف: علامہ جلال الدین سیوطی۔

(م)

۱۳۱۔ المتعۃ "واثرہا فی الاصلاح الاجتماعی"

مؤلف: استاد توفیق الفکیکی عراقی تحقیق: ہشام شریف بدر مجلد ۱، سن اشاعت: تیسرا ایڈیشن، ۱۴۰۹ھ، ۱۹۸۹ء، ناشر: دار الاضواء، بیروت، لبنان۔

۱۳۲۔ المحبر ورقۃ الاصل الخطیۃ

مؤلف: محمد بن حبیب بغدادی، ۲۴۵ھ مجلد ۱

۱۳۳۔ مروج الذہب

مؤلف: ابوالحسن علی بن الحسین المسعودی، ۳۴۳ھ تحقیق: محمد محی الدین عبدالحمید مجلدات: ۲، سن اشاعت: ۱۳۸۴ھ، ۱۹۶۴ء، چوتھا ایڈیشن، ناشر: مؤسسہ سعادہ، مصر

۱۳۴۔ المراجعات

مؤلف: علامہ فقید سعید شرف الدین، ۱۳۷۷ھ تحقیق: حسین رازی مجلد ۱، سن اشاعت: دوسرا ایڈیشن، ۱۴۰۲ھ، ۱۹۸۲ء، ناشر: الجمعیۃ الاسلامیۃ، بیروت۔

۱۳۵۔ مصابیح السنۃ

مؤلف: حسین بن مسعود شافعی بغوی، ۵۱۶ھ مجلدات: ۴، ناشر: دار القلم، بیروت، لبنان۔

۱۳۶۔ المسند لاحمد

مؤلف: ابوعبداللہ احمد بن حنبل شیبانی، ۲۴۱ھ مجلدات ۱۴، مطبوعہ: دار صادر، بیروت، لبنان۔

۱۳۷. مسند طیالسی

مؤلف: ابوداود سلیمان طیالسی، ۲۰۴ھ مجلد: ۱، مطبوعہ: دار الحدیث، بیرت۔

۱۳۸. المستدرک علی الصحیحین (مستدرک حاکم)

مؤلف: محمد بن محمد الحاکم نیشاپوری، ۴۰۵ھ، تحقیق: ڈاکٹر یوسف مرعشلی مجلدات: ۴، سن اشاعت: ۱۴۰۴ھ، مطبوعہ: دار المعرفۃ، بیروت، لبنان۔

۱۳۹. المفردات فی غریب القرآن (المعروف به مفردات راغب)

مؤلف: ابوالقاسم حسین بن محمد راغب اصفہانی، ۵۶۵ھ سن اشاعت: ۱۴۰۴ھ، پہلا ایڈیشن مجلد ۱، ناشر: دفتر نشر الکتاب، قم ایران۔

۱۴۰. مقدمہ ابن خلدون

مؤلف: عبدالرحمٰن بن محمد خلدون مالکی، ۸۰۸ھ مجلدات: ۲، چوتھا ایڈیشن مطبع: دار احیاء التراث العربی، بیروت۔

۱۴۱. من لا یحضرہ الفقیہ

مؤلف: ابوجعفر محمد بن علی بن بابویہ صدوق، ۳۸۱ھ تحقیق: علی اکبر غفاری مجلدات: ۴ سن اشاعت: ۱۴۰۴ھ، دوسرا ایڈیشن، ناشر: جامعۃ المدرسین، قم ایران۔

۱۴۲. الملل و النحل

مؤلف: محمد بن عبدالکریم بن ابی بکر شہرستانی، ۵۴۸ھ مجلدات: ۲، سن اشاعت: ۱۴۰۴ھ، پہلا ایڈیشن، ناشر: دار المعرفۃ، بیروت، لبنان۔

۱۴۳. منہج الصادقین فی الزام المخالفین

مؤلف: ملا فتح اللہ کاشانی، ۹۷۷ھ مجلدات: ۱۰، سن اشاعت: ۱۳۴۴ھ ش، دوسرا ایڈیشن، ناشر: کتابفروشی اسلامیہ، طہران۔

۱۴۴. منہاج السنۃ النبویۃ

مؤلف: احمد بن عبدالحلیم بن تیمیۃ الحرانی، ۷۲۸ھ تحقیق: محمد رشاد سالم مجلدات: ۱۰، سن اشاعت: ۱۴۰۴ھ۔ پہلا ایڈیشن، ناشر: مؤسسۂ قرطبہ ریاض، سعودیہ عربیہ۔

۱۴۵۔ الموضوعات
مؤلف: علی ابن جوزی، ۵۹۷ھ، تحقیق: عبدالرحمن محمد عثمان، مجلدات: ۳، سن اشاعت: ۱۳۸۶ھ، ناشر: محمد عبدالمحسن صاحب مکتبہ سلفیہ (مدینہ منورہ)

۱۴۶۔ الموطا
مؤلف: ابو عبداللہ مالک بن انس، ۱۷۹ھ، تحقیق: محمد فؤاد عبدالباقی، مجلدات: ۲، سن اشاعت: ۱۴۰۶ھ، پہلا ایڈیشن، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان

۱۴۷۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال
مؤلف: ابو عبداللہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی دمشقی شافعی، ۷۴۸ھ، تحقیق: علی بجاوی، مجلدات: ۴، سن اشاعت: ۱۳۸۲ھ، پہلا ایڈیشن، ناشر: دار المعرفۃ، بیروت

(ن)

۱۴۸۔ النہایۃ فی غریب الحدیث
مؤلف: مجد الدین محمد بن محمد مشہور بہ ابن اثیر، ۶۰۶ھ، تحقیق: طاہر احمد زاوی، محمود محمد الطناحی، مجلدات: ۵، سن اشاعت: ۱۳۶۴ھ، مطبوعہ مؤسسہ اسماعیلیان، قم (از روی دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(و)

۱۴۹۔ الوشیعۃ فی نقد عقائد الشیعۃ
مؤلف: موسیٰ جار اللہ

۱۵۰۔ وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان
مؤلف: شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر ابن خلکان شافعی، ۶۸۱ھ، تحقیق: احسان عباس، مجلدات: ۸، سن اشاعت: پہلا ایڈیشن، ۱۹۶۸ء، ناشر: دار الثقافۃ، بیروت

۱۵۱۔ ہدی الساری (مقدمہ فتح الباری)
مؤلف: ابن حجر عسقلانی شافعی، ۸۵۲ھ، مجلد: ۱، دوسرا ایڈیشن، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت، لبنان

تمت بالخیر